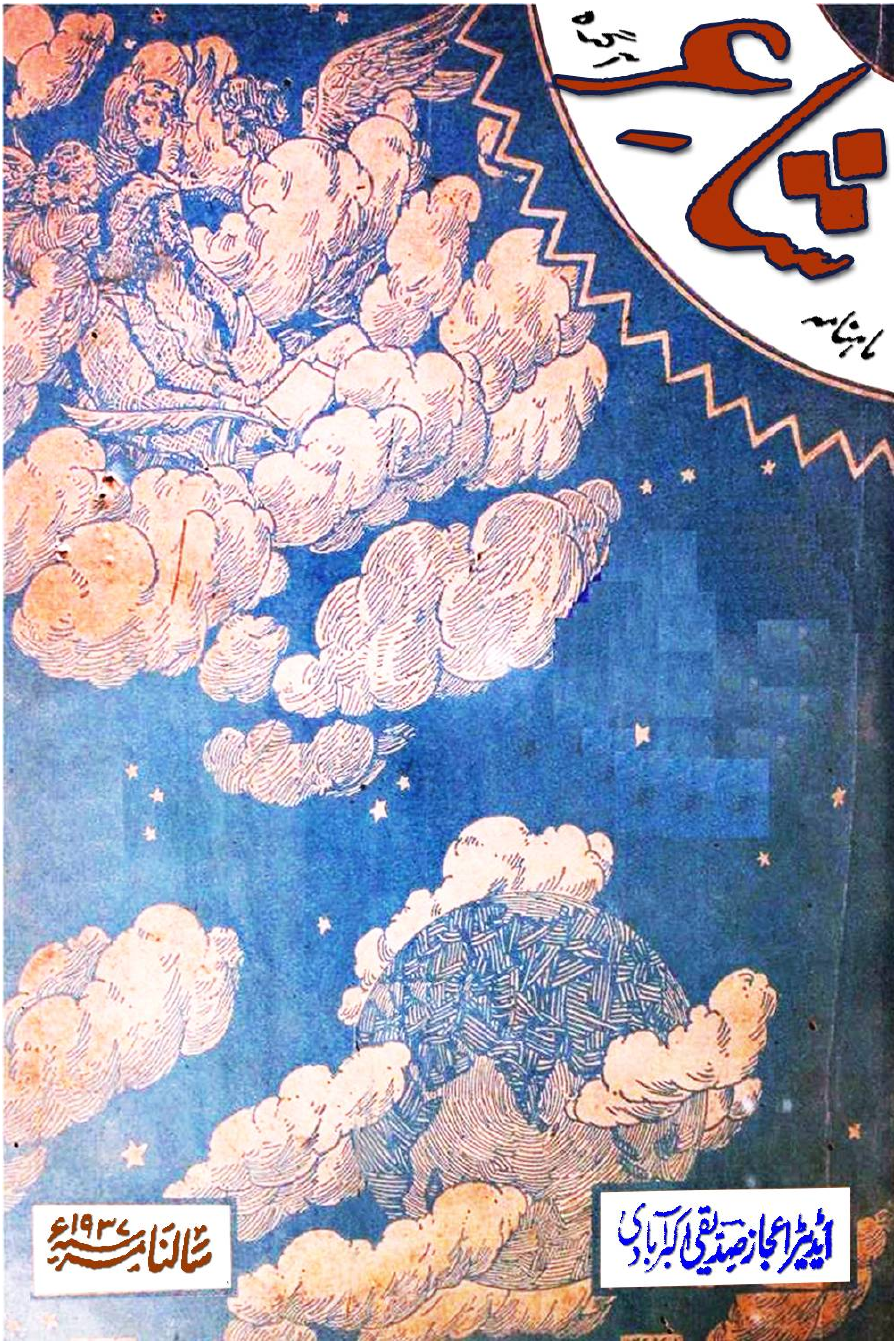
آگرہ
شاعر
ماہنامہ
سالنامہ ۱۹۳۷ء
ایڈیٹر اعجاز صدیقی اکبرآبادی

مشہور فنی و ادبی مصور ماہنامہ

ہندوستان کے چار کرور شعرا کا واحد آرگن

شاعر آگرہ

سالنامہ ۱۹۳۷ء

قیمت
سالنامہ ۱۹۳۷ء
۱۲ر

قیمت
سالانہ دو روپیہ ۲ر
فی پرچہ
۳ر

مقام اشاعت قصر الادب آگرہ

مدیر مسئول:- اعجاز صدیقی اکبرآبادی

www.taemeernews.com

ماہنامہ شاعر آگرہ

سالنامہ ۱۹۳۶ء

قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۳ر

قیمت سالنامہ ایک روپیہ بارہ آنہ

صفحۂ نگار

حصۂ سالنامہ

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	ٹائیٹل		
۲	فہرست تصاویر	سجاد حسین صدیقی	۱
۳	صفحۂ نگار	سجاد حسین صدیقی	۴
۴	جرعات	اعجاز اکبر آبادی	۷
۵	تاج شاہی بت کی شوکت میں (نظم) رنگین	حضرت مولانا سیماب اکبر آبادی مدظلہ	
۶	اصداے حسن (غزل) رنگین	حضرت سائل دہلوی	
۷	آگرہ اور اردو	حضرت مولانا احتشام الدین حقی اکبر آبادی	۹
۸	ہاں پیر مغاں دیکھ (نظم) رنگین	حضرت جوش ملیح آبادی	
۹	زندگی	جناب محمد صادق صاحب عثمانی ایم اے	۱۵
۱۰	پردۂ مجاز (غزل)	حضرت مولانا کیف قدوسی گنگوہی	۱۷
۱۱	اشتراکی شاعری	حضرت سعادت حسن منٹو	۱۸
۱۲	انیسویں صدی کا پیغمبر ادب (نظم)	حضرت مولانا سیماب اکبر آبادی مدظلہ	۲۱
۱۳	اچھوت (ڈرامہ)	حضرت مرزا ادیب بی اے	۲۲
۱۴	اے صنم پارسی نژاد (نظم) رنگین	حضرت مکش اکبر آبادی	
۱۵	معیار فصاحت (غزل) رنگین	فصاحت جنگ حضرت جلیل مانکپوری	
۱۶	ملا رموزی کا لفافہ	تعلیم خود	۳۱
۱۷	ملا رموزی کی غزلیں	حضرت ملا رموزی بھوپالی	۳۲
۱۸	احسن الکلام (غزل) رنگین	حضرت مولانا احسن مارہروی	
۱۹	واردات دل (غزل) رنگین	حضرت دل شاہجہانپوری	
۲۰	مرد و عورت (افسانہ)	مسز حجاب امتیاز علی صاحبہ	۳۳

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۲۱	حیدرآباد اور نیپال کا جشن سیمیں	جناب سید محمود صاحب مرغوب ایم اے	۳۶
۲۲	کمل شاعر (نظم)	حضرت حاجی سرمدی	۴۰
۲۳	حالات (نظم)	حضرت احسان دانش کاندھلوی	۴۰
۲۴	ثمرات (غزل)	حضرت مانی جائسی	۴۲
۲۵	جادوگر (افسانہ)	حضرت ایم اے	۴۳
۲۶	اعتراف شکست (نظم)	جناب جلال الدین حیدر دہلوی	
۲۷	مرزا داغ اور ان کا فن	حضرت مولانا حسن مارہروی	۵۱
۲۸	عہد حاضر کا نوجوان (نظم)	جناب محمد صادق عثمانی ایم اے	۶۰
۲۹	تجلیات قمر (غزل)	حضرت مولانا قمر بدایونی	۶۲
۳۰	یوحنا کے خطوط	یوحنا کے قلم سے	۶۵
۳۱	حسن نورانی (غزل)	حضرت مولانا حسرت موہانی بی اے	۶۳
۳۲	آزاد	حضرت حکیم آزاد انصاری سہارنپوری	۶۶
۳۳	خط نستعلیق کے چار باکمال استاد	خان صاحب حکیم محمود علی خاں ماہر اکبر آبادی	۶۵
۳۴	نذر سیماب (غزل)	حضرت صبا رشیدی ایم اے	
۳۵	لمعات (غزل)	جناب قمر جلال آبادی	۷۰
۳۶	شان زندگی (غزل)	حضرت راغب ہاشمی بہاپوری	۸۰
۳۷	تابان	جناب غلام الحسنین صاحب قریشی	

تعارف "کارواں" "آگرہ اسکول نمبر" حصہ ۱۹۳۶ء

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
	آگرہ اسکول (تعارف)	اعجاز صدیقی اکبرآبادی	۸۱
۲	اسیر کارواں	جناب مولانا محی الدین صاحب تمنائی ایم اے	۸۵
۳	آگرہ اسکول کا معیار تخیل	حضرت مولانا ارشد تھانوی	۱۰۲
۴	شاعر اعظم (نظم، رنگین)	حضرت خلیق برہانپوری	
۵	ہندوستان کا آزاد ملک الکلام ادیب (نظم تضمین)	جناب عبدالرزاق صاحب شیدا ابن عمر	
۶	آگرہ اسکول کا رنگ تغزل	حضرت نہال سیوہاروی	۱۰۵
۷	آگرہ اسکول کا ارتقائے نظم	حضرت مولانا ماہر القادری	۱۱۰
۸	آگرہ اسکول اور تصوف	حضرت صبا رشیدی ایم اے	۱۳۰
۹	ہندوستان کا پیرا آزاد ملک الکلام ادیب	جناب بابو ہرگوبند دیال صاحب نشتر	۱۳۶
۱۰	سیماب صاحب اور آگرہ اسکول	جناب پروفیسر سید حامد حسن صاحب قادری ایم اے	۱۸۱
۱۱	مولانا سیماب اکبرآبادی کا ایک کارنامہ عظیم	حضرت مولانا انتظام اللہ صدیقی اکبرآبادی	۱۶۰
۱۲	سیماب اکبرآبادی (نظم رنگین)	حضرت نہال سیوہاروی	
۱۳	ایک پیغام ادیب اعظم مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ کے نام (نظم)	حضرت تسنیم قادری مرادآبادی	
۱۴	حضرت سیماب کی الہامی شاعری	حضرت مولانا صدر الدین صاحب شاکر گورکھپوری	۱۶۳
۱۵	مغربی شعر و شاعری اور مشرقی شاعری	جناب شریف احمد صاحب بی اے	۱۶۹
۱۶	اردو کے لسانی مراکز	حضرت امیر حسن لطیفی بی اے	۱۷۳
۱۷	کلیم عجم کے مصنف کے خلاف نظم (رنگین)	حضرت مولانا محوی جلالپوری	
۱۸	سیماب اور طور کلیم	جناب حکیم منیر حسن صاحب مائل شاہجہانپوری	۱۸۵
۱۹	اکبرآبادی ہم ولائے سیماب بہر شعر میں رنگ غالب کا ہے شوخی ہے سخن میں میر کی	جناب عطاء اللہ صاحب پالوی	۱۸۰
۲۰	یو پی کا چاند (نظم)	حضرت جذب جالسی	۱۸۴
۲۱	زہر دل بر برادر دہم زلیخا بم کرد پید خوش بود داستان دلبر	ابوالمنظر نواب سراج الدین احمد خان صاحب سائل دہلوی داماد مجید	۱۸۸
۲۲	اقبال اور ...	جناب سید عنایت علی صاحب بی اے (علیگ)	۱۹۰
۲۳	علامہ سیماب	حضرت مولانا تاجور نجیب آبادی	۱۹۴
۲۴	تاج اور شاعر تاج	حضرت علامہ آرزو لکھنوی	۱۹۸
۲۵	آگرہ اسکول کا ایک قدیم ہیرو	حضرت خلیق فیض آبادی	۲۰۰
۲۶	آگرہ اسکول کا اکبر ثانی	جناب سید عنایت علی بی اے (علیگ)	۲۰۲
۲۷	"کلیم عجم" اور "کار امروز"	جناب احمد صدیقی بدنوی	۲۱۵
۲۸	سیماب لٹریری سوسائٹی	جناب محمد اعجاز حسین صاحب	۲۱۶
۲۹	تذکرہ سیماب اکبرآبادی مدظلہ	حضرت جوش ملیح آبادی	۲۱۸
۳۰	تجزیہ دل شکان کاروان سیماب	اعجاز صدیقی اکبرآبادی	۲۱۹
۳۱	جماعت عقیدتمندان سیماب	اعجاز صدیقی اکبرآبادی	۲۲۳
۳۲	میرا پیام اپنے کارواں کے نام	حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ العالی	

www.taemeernews.com

تذکرے

نمبر تذکرہ	نام شاعر	نمبر صفحہ
۱	سید عنایت علی آغاز بسا ہنوری	۲۲۵
۲	مولوی محمد تقی الدین صاحب انور انصاری بھوپالی	۲۲۹
۳	مولوی بشارت علی خاں صاحب آسان آفریدی اکبرآبادی	۲۳۳
۴	مولوی محمد اسحاق صاحب اکرم مظفر نگری	۲۳۸
۵	فضل الدین صاحب ارشد اکبرآبادی بی۔ اے	۲۴۱
۶	اعجاز حسین اعجاز صدیقی اکبرآبادی	۲۴۵
۷	محمد صغیر صاحب اثر صدیقی اکبرآبادی	۲۴۹
۸	پیرزادہ شاہ صفدر عالم احمر اکبرآبادی	۲۵۱
۹	سید محمد موسیٰ صاحب اظہر سہسرامی	۲۵۳
۱۰	سید محمد حسین شاہ صاحب اکسیر دھاروی	۲۵۵
۱۱	وزیر محمد خاں صاحب آذر سرحدی	۲۵۷
۱۲	سید احمد حسین صاحب امجد جھیری	۲۶۰
۱۳	سیٹھ عبدالکریم صاحب اختر تجوری	۲۶۳
۱۴	شیخ محمد شریف صاحب انگر سرحدی	۲۵۵
۱۵	سید مظفر علی صاحب اثر سالیری بی۔ اے	۲۶۶
۱۶	محمد سعید خاں صاحب آزاد بیاوری	۲۶۸
۱۷	اکبر اسمٰعیل صاحب اکبر بنگالی مدنی	۲۷۰
۱۸	فیض محمد خاں صاحب ادیب اکبرآبادی	۲۷۲
۱۹	مولانا محمد ایوب صاحب بازغ چشتی قریشی اکبرآبادی	۲۷۳
۲۰	عبدالمجید صاحب بمق فتحپوری	۲۷۵
۲۱	مولوی حافظ محمد احمد صاحب بسمل صدیقی اعظم گڑھی	۲۷۹
۲۲	کے محمد سلیمان صاحب پرواز بنگلوری	۲۸۳
۲۳	مسٹر میونل لائنڈ تائب میرٹھی	۲۸۶
۲۴	عبدالحفیظ صاحب تمر جھیری بی۔ اے	۲۸۸
۲۵	صاحبزادہ سلطان حامد خاں صاحب ثروت	۲۱۱
۲۶	خان محمد رضا خاں صاحب جمالی صابری علی گڑھی	۲۹۳
۲۷	محمد اسمٰعیل صاحب جدلی۔ کوچین	۲۹۷
۲۸	شہزادہ آغا احمد میر صاحب حیرت درانی	۲۹۹
۲۹	مولوی نصیر الدین صاحب حیدر	۳۰۳
۳۰	مولوی سید وجیہ الدین صاحب حشر سہسرامی	۳۰۷
۳۱	محمد حفیظ اللہ صاحب حفیظ اکبرآبادی	۳۰۹
۳۲	پنڈت رام جوایا صاحب خنداں جہلمی	۳۱۱
۳۳	عبدالستار خاں صاحب خلیل کولاری	۳۱۵
۳۴	غلام محی الدین صاحب خادم بھڑوچی	۳۱۷
۳۵	عبدالرشید صاحب درد صدیقی اکبرآبادی	۳۱۹
۳۶	ابوالفاضل محمد صادق صاحب راز چاندپوری	۳۰۱
۳۷	شیخ عبدالرضا صاحب رضا قریشی گونیاوی	۳۲۳
۳۸	محمد احمد صاحب سرور وارثی سہارنپوری	۳۲۰
۳۹	جونت رائے صاحب رعنا لمبوی	۳۳۳
۴۰	محمد یار خاں صاحب ساغر نظامی	۳۳۵
۴۱	مولوی سمیع الدین صاحب ساحر اکبرآبادی	۳۳۹
۴۲	صاحبزادہ حامد سعید خاں صاحب ساحل ٹونکی	۳۴۲
۴۳	محمد خلیل صاحب ساغر صدیقی اکبرآبادی	۳۴۶
۴۴	ابوالاعجاز سید سیف علی صاحب سیف رضوی اکبرآبادی	۳۴۹
۴۵	فیاض حسین صاحب سیفی اکبرآبادی	۳۵۱
۴۶	غلام احمد صاحب تسلیم قریشی	۳۵۲
۴۷	صاحبزادہ شفیق الرحمٰن خاں صاحب شفق ٹونکی	۳۵۰
۴۸	سید محمد ولایت علی صاحب شمیم ہادی اکبرآبادی	۳۶۱
۴۹	مولوی محمد مشتاق احمد صاحب شوق چاندپوری	۳۶۳
۵۰	مسٹر کرشنا ناتھ صاحب شفق عطاری بیانوری	۳۶۶

www.taemeernews.com

۵۱	بابو شفیق اشرف خاں صاحب شفیق کوٹی	۳۷۰
۵۲	محمد عبدالرشید صاحب شفق مینائی	۳۷۳
۵۳	ننھے خانصاحب شکیل اکبرآبادی	۳۷۶
۵۴	غلام قادر صاحب شہزور بی اے کاشمیری	۳۷۸
۵۵	راجپال صاحب صحرائی بی اے۔	۳۸۱
۵۶	محمد ایوب صاحب صابر بہیڑی	۳۸۳
۵۷	غلام مرتضیٰ صاحب صابر بانڈیپوری	۳۸۶
۵۸	رفیع احمد صاحب صبا متھراوی	۳۸۸
۵۹	حاجی ضیاء الاسلام صاحب ضیا کاندھلوی	۳۹۱
۶۰	محمد صادق صاحب ضیا چنیوٹی بی اے	۳۹۴
۶۱	مہر لال صاحب سونی ضیا فتح آبادی ایم اے	۳۹۸
۶۲	پنڈت نندلال صاحب طالب کول کاشمیری ایم اے ایم او ایل	۴۰۱
۶۳	مرزا عبدالحمید صاحب طالب جبلی	۴۰۳
۶۴	ڈاکٹر مولوی عبدالحی صاحب عارف بھاگلپوری	۴۰۶
۶۵	ابو العرفان مولوی حبیب اللہ صاحب فغانی ٹونکی	۴۰۸
۶۶	محمد فیاض حسین صاحب فیاض اکبرآبادی	۴۱۰
۶۷	حکیم الدین صاحب فہیم انصاری فیروزآبادی	۴۱۲
۶۸	پنڈت سری کرشن صاحب فدا پٹیالوی	۴۱۵
۶۹	فضل الدین صاحب فدا کیم کرزی	۴۱۷
۷۰	مرزا سلام اللہ صاحب قضا الہ آبادی	۴۱۹
۷۱	عبدالستار خانصاحب فکری یوسف زئی	۴۲۲
۷۲	میر احمد صدیق شاہ صاحب قابل لکھنوی ثم اجمیری	۴۲۵
۷۳	محمد عبداللہ صاحب قدسی بی ایچ بی	۴۲۷
۷۴	حکیم مولوی بدیع الزماں صاحب قمر سہسرامی	۴۲۹
۷۵	ابو المعالی سید اشفاق حسین صاحب کوثر نقوی	۴۳۳
۷۶	شیخ منظور الحق صاحب کوثر	۴۳۷
۷۷	شیخ محمد حسن صاحب کلیم کسا روی	۴۳۹
۷۸	شیخ محمد علی صاحب گہر احمدی اجمیری	۴۴۱
۷۹	شمشاد حسین صاحب منظر صدیقی اکبرآبادی	۴۴۳
۸۰	عبدالحمید صاحب محو صدیقی اکبرآبادی	۴۴۶
۸۱	خانصاحب حکیم محمود علی خانصاحب ماہر اکبرآبادی	۴۴۸

۸۲	محمد عبداللہ صاحب مضطر عالم گڑھی	۴۵۰
۸۳	راجہ محمد لطیف خاں صاحب موزوں	۴۵۳
۸۴	حافظ محمد مظہر الدین صاحب مظہر امرتسری	۴۵۵
۸۵	گوربخش سنگھ صاحب مخمور جالندھری	۴۵۷
۸۶	سید منظور احمد صاحب منظور رضوی بھوپالی	۴۶۱
۸۷	محمد محسن صاحب محسن اکبرآبادی	۴۶۵
۸۸	محمد حفیظ الرحمن صاحب محفوظ	۴۶۷
۸۹	ماسٹر سید حامد علی صاحب ناقد بی اے علیگ	۴۶۹
۹۰	نذیر احمد صاحب نذیر شیرکوٹی	۴۷۳
۹۱	ماسٹر نثار حسین صاحب نثار ماناوی	۴۷۴
۹۲	سید عنایت علی صاحب نازش رضوی	۴۷۸
۹۳	حبیب احمد صاحب نسیم متھراوی	۴۸۱
۹۴	شنکر لال صاحب وفا اکبرآبادی	۴۸۴
۹۵	حسن یاور صاحب یاور نقوی	۴۸۵
۹۶	امیر الدین حیدر صاحب حیدر صدیقی اکبرآبادی	۴۸۹
۹۷	مسٹر ای۔ بی فلیس صابر بی اے اکبرآبادی	۴۹۱
۹۸	ریاض الدین احمد صاحب ریاض اکبرآبادی	۴۹۴
۹۹	خورشید اقبال صاحبہ حیا میرٹھی	۴۹۶
۱۰۰	گوہر اقبال صاحبہ نور میرٹھی	۴۹۹
۱۰۱	مسرت جہاں بیگم صاحبہ تسنیم اکبرآبادی	۵۰۱
۱۰۲	بنیادی بیگم صاحبہ امینہ فرخ آبادی	۵۰۲
۱۰۳	عزیزہ حامدہ جمال خانم نسرین مرحوم	۵۰۳
۱۰۴	مہرالٰہی صاحب انجم میرٹھی مرحوم	۵۰۷
۱۰۵	جلدیو سہائے صاحب صحرائی سرزادی مرحوم	۵۰۸
۱۰۶	سید عباس علی صاحب سرور اکبرآبادی مرحوم	۵۱۱
۱۰۷	امیر الدین نظر وارثی اکبرآبادی مرحوم	۵۱۳
۱۰۸	حاجی محمد عمر صاحب عمر اکبرآبادی مرحوم	۵۱۴
۱۰۹	محمد حنیف ہاشمی خمار بی اے مرحوم	۵۱۷
۱۱۰	جان محمد اسمٰعیل سیٹھ جانی مرحوم	۵۲۰
۱۱۱	غلام حسین بشر بی اے امرتسری مرحوم	۵۲۱
۱۱۲	ارشاد احمد خاں ارشاد نظامی اکبرآبادی مرحوم	۵۲۳

باسم الرحمٰن علم البیان

جرعات

مری انتہائی نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

اللہ بزرگ و برتر کا ہزار ہزار احسان ہے کہ اس نے مجھے آج ایک ایسے کارِ عظیم کے تکملہ کی توفیق دی جس کی اشاعت آخر وقت تک مجھے قطعاً ناممکن معلوم ہو رہی تھی یہ اسی کی قدرتِ حقہ کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے کہ میں آپ کے سامنے یہ تحفۂ رنگیں پیش کر رہا ہوں۔ جس کی مہک میرے تھکے ہوئے دل و دماغ کو تازگی بخش رہی ہے اور میری جبینِ نیاز کا مرانی کی سرشاریوں سے تشکیف ہو کر شکر کے سجدے میں جھکی جا رہی ہے۔

پانچ ماہ کی مسلسل کوشش اور کاوش کے بعد میں جو کچھ دنیائے ادب میں پیش کر رہا ہوں وہ کسی قابل ہے یا نہیں اس کا فیصلہ آپ کریں گے۔ دن رات کی جانکاہی اور دماغ سوزی کے بعد پانچ سو پچاس صفحے کا رسالہ ایک سو گیارہ تصاویر کے اتنی کم مدت میں شائع ہو جانا۔ دوسروں کے لئے جو یا نہ ہو کم از کم میرے لئے تو ایک معجزہ ہے خصوصاً اس صورتِ حال کے ساتھ کہ شاعروں اور شاعر کے انتظامی سلسلے میں پیہم سفر حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ کی علالت اور ان کی ایک ماہ کی غیر حاضری میں دفتر کے کاموں کے ساتھ ساتھ مولانا مدظلہٗ کے ضروری خطوط کی تعمیل غرض آخری ایک مہینہ میرے لئے بکھیڑوں مصیبتوں کا آماجگاہ تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں سالنامہ کے پہلے حصہ کو جس میں عام مضامین ہیں زیادہ سے زیادہ وزنی بناؤں۔ لیکن مجھ جیسا بدنام شخص بھی جسے ادبی دنیا کا ہر ادیب شاعر اچھی طرح جانتا ہے۔ مضامین کی فراہمی سے معذور رہا۔ تاہم متعدد خطوط لکھنے کے بعد جو مضامین وصول ہوئے ہیں وہ اپنی جگہ بہت اہم ہیں۔ اور عام، طب و یابس مضامین کا نہ ہونا میرے لئے قابلِ فکر نہیں ہے۔ نثر کے حصہ سے زیادہ نظم کا حصہ بلند اور معیاری ہے جس میں شاہیر شعرا کی نظمیں اور غزلیں رنگین و سادہ ایک ایسا اجتماعِ رنگارنگ ہے۔ جو آج تک آپ کی نظر سے نہ گذرا ہوگا۔ "مرزا داغ اور ان کے قدردان" تاریخِ ادب میں ایک ایسا اضافہ ہے جسے میرے ہی بے مایہ دماغ نے اختراع کیا ہے۔ "گروپ" پر ادارہ نے کافی روپیہ صرف کیا ہے۔ غالباً یہ سب سے پہلی تصویر ہے۔ جو اس زمیت سے شائع ہو رہی ہے۔

حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ سے چھ سال قبل جناب مہرلال صاحب سونی ضیا ایم۔ اے نے اجازت چاہی تھی کہ وہ مولانا مدظلہٗ کے تمام شاگردوں کا تذکرہ باتصویر طبع کرنا چاہتے ہیں۔ مولانا مدظلہٗ نے اس کی اجازت نہ دی اور لکھ دیا کہ اس کی چنداں ضرورت نہیں۔ مولانا مدظلہٗ کو یہ چیز پسند نہ تھی۔ اس مرتبہ سالنامہ کے ذکر پر میں نے پیرانہ ضد کے ساتھ مولانا مدظلہٗ سے اس بات کی اجازت چاہی۔ اور بعد اجازت یہ کارِ عظیم شروع کیا تو گو بظاہر نہایت آسان

معلوم ہوا رہا تھا لیکن بادر فرمائیے کہ جو مشکلات تذکروں کی فراہمی میں مجھے پیش آئیں اُن کے خیال سے بھی اب روح پر گرانی محسوس ہوتی ہے۔ "آگرہ اسکول نمبر" یا "کاروانِ" کا حصۂ مضامین بھی ادبی حصہ کی طرح نظم و نثر مضامین کا ایک اچھا مجموعہ ہے۔ میں تمام محترم مضمون نگار حضرات پر فرداً فرداً روشنی نہیں ڈال سکتا۔ مختصراً میں اُن تمام شعراء اور ادباء کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے "آگرہ اسکول" یا حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ پر مضامین لکھے ہیں۔ "آگرہ اسکول" پر اس کثرت سے مضامین وصول ہوئے ہیں کہ ابھی سو صفحات اور بڑھائے جا سکتے تھے۔ میں اپنے معنوی بھائیوں اور حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے عزیز شاگردوں سے معافی خواہ ہوں کہ اُن کے مضامین اور نظمیں جو انھوں نے اپنے اُستادِ محترم کے متعلق عقیدتاً لکھی ہیں شائع نہ کر سکا۔ مقصد یہ تھا کہ اس حصے کے تمام مضامین اور نظمیں غیر متعلق لوگوں کے نتائجِ افکار ہوں۔ اگر زیادہ اصرار ہوا تو نظمیں جون نمبر میں شائع کر دی جائیں گی۔ "آگرہ اسکول نمبر" پر جن حضرات نے مضامین لکھے ہیں اُن میں سے بعض محترم مقالہ نگاروں نے ساتھ ہی ساتھ اپنے اختلاف کو بھی مضمون میں ظاہر کیا ہے۔ یہ چیز مجھے تنقید کی حیثیت سے بہت ہی پسند ہے، اختلافِ رائے میرے نزدیک بُری چیز نہیں، میں نے اپنی معلومات اور استعداد کے مطابق اُن اختلافات پر اپنی رائے بھی بطور حاشیہ ظاہر کر دی ہے۔ اب یہ نہیں کہہ سکتا کہ اختلاف صحیح ہے یا خیال۔ اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں۔

سالنامۂ شاعر پر محنت و وقت کے علاوہ کتنا روپیہ صرف ہوا ہے؟ اس کا اندازہ کچھ وہ لوگ کر سکتے ہیں جو اس قسم کے ذمہ دارانہ کاموں سے واقف ہیں۔ ابھی اخراجات کا صحیح اندازہ نہیں لگایا گیا ہے۔ لیکن بڑی بڑی رقموں کو ملانے کے بعد ایک ہزار آٹھ سو پچاس روپیہ ہوتے ہیں جس میں تین سو پچاس روپیہ محصول کے شامل نہیں کئے گئے ہیں۔ یہ وہ رقم ہے جس سے ایک اچھا ذاتی پریس یا ایک جائداد خریدی جا سکتی تھی۔ ایک دیوان شائع ہو سکتا تھا لیکن بھلا ہو ذوقِ ادب کا کہ ہر ذوق پر غالب رہا۔ غریب "شاعر" نے اتنے روپیہ کا انتظام کس طرح کیا۔ اس کے ذکر سے میں ناظرین کا دماغ پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ کم از کم اپنے ایک دوست کیلئے ہر "شاعر" کا خریدار سالنامہ کی ایک کاپی منگا کر میری مشکلات میں حصہ گیر ہو۔

شکریہ میں سب سے پہلے اپنے محترم عزیز محمد خلیل صاحب ساغر صدیقی اکبر آبادی مالک رفاہ عام پریس آگرہ کا انتہائی شکر گذار ہوں کہ انھوں نے "شاعر" کو مسلسل انہماک کے ساتھ وقت پر چھاپ دیا۔ "شاعر" کی طباعت اتنی کم مدت میں ہوئی ہے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ انکی پیہم اور دن رات کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ "شاعر" باوجود طباعت اپنا جواب آپ ہے۔ تمام تصاویر، ٹائٹل، رنگین نظمیں اور سادہ طباعت رفاہ عام پریس ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ان کے علاوہ میں ساغر صاحب کے شریک کار جناب عبدالحمید صاحب شوق اکبر آبادی کا بھی ممنون ہوں۔

اس کے بعد میرے شکریے کے مستحق عزیزی میاں سجاد حسین صدیقی سلمہٗ ناظم "شاعر" ہیں۔ خدا اُن کی عمر میں ترقی عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام بالائی انتظامات، ظاہری زیبائش اور کاپیوں وغیرہ کی ترتیب کا اہتمام انہی کی انتھک ساعی سے ہوا ہے۔ علاوہ ازیں میں ان دیگر حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے کسی نہ کسی صورت سے مجھے مدد پہنچائی۔

آگرہ اسکول نمبر کی اشاعت میں نذیر احمد صاحب نذیر، شفیع احمد صاحب قمر کرنالی، سید اشفاق حسین صاحب صبا اکبر آبادی، اور فوقی عبدالحمید صاحب و قاصد صدیقی فتحپوری، کرنا، رنانتہ صاحب شفق صحرائی سیالکوٹی، میر احمد صدیق شاہ صاحب ماکل لکھنوی اور ہدایت اللہ خان صاحب شجر کرنالی نے میری بطور خاص اعانت فرمائی جس کا میں دل سے ممنون ہوں۔ ان کے علاوہ میرے تمام معنوی بھائیوں نے اور محترم خریداران شاعر نے بھی بہت کچھ اپنی اعانت سے میرا ہاتھ بٹایا ہے میں اُن کا اور محترمی حکیم منیر حسن خاں صاحب نکل، شاہجہانپوری کا انتہائی شکر گذار ہوں اور اُن سب سے جنھیں میری ادبی خدمات سے ذرا سا بھی لگاؤ ہے "سالنامۂ خاص" کی ترقیِ اشاعت کی درخواست کرتا ہوں۔

دارالخدمۂ ادب

اعجاز صدیقی

www.taemeernews.com

آگرہ اور اردو

از ـــــــ حضرت مولانا انتظام اللہ الشہابی صدیقی اکبرآبادی

جب اکبر بادشاہ تخت (آگرہ) پر بیٹھے تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قسم کی قدر دانی اور فیض رسانی اس خاندانِ لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئیں لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدا جدا تھی اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو مقرر ہوئی (میر امن دہلوی باغ و بہار)

اکبر (۱۵۵۶-۱۶۰۵) کے زمانہ میں راجہ ٹوڈرمل نے طریق مالگذاری کو رواج دیا تو ہندو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے[1]۔ اس زمانے سے ہندی میں فارسی زبان کی آمیزش شروع ہوئی۔ اور اس طرح پر ایک جدید زبان اردو کی بنیاد پڑی۔

مولانا عبدالسلام ندوی شعر الہند میں اردو کی بنا لکھتے ہیں: "اکبر نے قلعہ (آگرہ) میں ایک زنانہ بازار قائم کیا جس میں عجمی، عربی، ترکی، ہندی عورتیں اپنی اپنی دکانیں لا کر سجاتی تھیں اور بیگمات شاہی امرا کی بیبیاں اور محل کی تمام لوگ آکر اس میں خرید و فروخت کرتے اس تقریب سے باہم گفتگو کرنے کا خوب موقع ملتا تھا اور ایک نئی مخلوط زبان کا خاکہ تیار ہوتا جاتا تھا محل کی لڑکوں نے یہ مخلوط زبان سیکھی اور باہر آکر ارکان دولت کے فارسی محاورے سنے تو دونوں زبانوں کے اختلاط نے اس خاکے میں اور بھی رنگ آمیزیاں کیں اور اس کا رنگ روپ اور بھی نمایاں ہو گیا"[2]

اکبر کے زمانہ میں اس مصنوعی اختلاط کے ساتھ اور بھی بعض سامان پیدا ہو گئے۔ مثلاً شاہی دربار کی زبان اگرچہ فارسی تھی لیکن امرائے سلطنت اور ارکان ہند کی زبانیں باہم مختلف تھیں اس لئے ان کی باہمی گفتگو نے بھی ایک نئی زبان کا کالبد تیار کیا۔[3]

اکبر نے دل کھول کر اس بولی ٹھولی کی سرپرستی کی۔ فارسی شعرا کی قدر دانی کی گئی ہندی شعرا کی بھی حوصلہ افزائی کی۔ اکبر سے خود چند ہندی نظمیں منسوب ہیں جس میں اکبر نے اپنا تخلص ۔ اسے کیا ہے۔"

نورتن اکبر کے رکن راجہ ٹوڈرمل نے بھاگوت پران کا فارسی ترجمہ کیا۔ کئی ہندی نظمیں اردو کی ابتدائی یادگاریں ہیں۔

راجہ بیربل ہندی کا شاعر تھا اکبر نے کوی رائے (ملک الشعرا) کا خطاب دیا۔ اس نے اپنے کلام میں فارسی الفاظ کو اچھے طور سے نباہا ہے انہیں بیربل کے ساتھی ملا دو پیازہ تھے جن کو لطیفہ گوئی سے خاص نسبت تھی اس وقت کی آگرہ کی بولی میں کہتے ہیں۔

وہ گورا گورا لڑکا باہن کا شوخ گھونا
ایسا لگے ہے مجکو جوں کھانڈ کا کھلونا[4]

عبدالرحیم خان خاناں نے جن کو مقامی زبان سے بڑی دلچسپی تھی تزک جہانگیری

---

[1] Bemes A Comperative Grammer of the madernury Languages of India Page 15.

[2] شعر الہند جلد اول صفحہ ۱۲-۱۳

[3] تذکرہ خندہ گل

www.taemeernews.com

یں لکھا ہے۔

وبہ زبان فارسی و ہندی شعر نیکو گفتی

کہتے ہیں

فرزی شاہ نہ ہوسکے گھٹ نہری تاثیر
رتھن سیدھی چال سے پیادہ ہوت وزیر

فیضی بھی اس زبان پر مائل تھے۔ اہل علم کے علاوہ شہزادگان بھی لگاؤ رکھتے تھے۔ جہانگیر تزک میں شہزادہ دانیال کے ضمنی تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

احیاناً نغزہندی مائل بود گاہے بہ زبان
اہل ہند و باصطلاح ایشان شعرے
می گفت بد نبودے

جہانگیر سریر آرائے حکومت ہوئے۔ مقامی زبان (ہندی) نے اور ہاتھ پیر نکالے۔ جہانگیر ہندی شعرا کی قدر افزائی کرتا تھا۔ راجہ سورج سنگھ نے ایک شاعر کو دربار میں پیش کیا اس کی نظم سنکر ہاتھی انعام میں دیا گیا خود تزک میں لکھتا ہے۔

بہ ایں تازگی مضمون از شعرائے ہندکم بگوش
رسیدہ بہ صلہ وے ایں مدح فیلے باد
مرحمت کردم

جہانگیر کے بعد تاج و تخت شاہجہان صاحبقراں نے سنبھالا۔ برج بھاشا کچھ سست کچھ ہوگئی تھی اکبری عہد کی بولی نے ارد وئے معلیٰ کے خلعت سے سرفرازی پائی۔

اس عہد میں اس زبان کی مقبولیت اس حد تک تھی کہ پردیسی شاعر تک متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

کلیم کہتا ہے۔

زحسن شستہ دہولی چگویم — ازاں بے پردہ مجھولی چگویم

محسن کاشمیری کہتا ہے۔

گل زشبنم ار چنبلی بہ گردن افگند — تا توانند شد حریفِ شاہ ہندوستاں[1]

شاہجہان کے عہد میں دارا شکوہ کے میر منشی چندربھان برہمن تھے جن کی منشات برہمن یادگار ہے اردو فارسی میں فکر سخن کرتے تھے۔ مولوی قدرت اللہ گوپاموی نتائج الافکار میں لکھتے ہیں۔

وطنش اکبرآباد است

برہمن نے ۱۰۷۳ھ میں انتقال کیا نہ

خدا نے کس شہر اندر ہمیں کو لاے ڈالا ہے
نہ دلبر ہے نہ ساقی ہے نہ شیشہ ہے نہ پیالا ہے

انہیں کے معاصر سید شاہ دوست محمد تھے جو حضرت سیدنا امیر ابو العلاؒ احراری اکبرآبادی کے مرید تھے انھوں نے اپنے پیر کے فراق میں جہانگیر بیچ کر ہیم کہانی تصنیف کی۔

بیم کہانی کہت ہوں سنو سکھی تم آئے
بیم ڈھونڈن کو ہوں گئی آئی آپ گنوائے

صفیر بلگرامی شاگرد مرزا غالب اپنی تصنیف جلوۂ خضر میں لکھتے ہیں۔

"شاہجہاں کے وقت میں زبان اردو کی صورت قائم ہونا اچھی طرح ثابت ہوتا ہے۔ بادشاہ کے دربار و دفتر کی زبان فارسی تھی مگر اردو اس کے عہد میں زبانوں پر آچلی تھی۔ . . . . . میں نے شاہجہاں کی ایک تحریر اردو دارا شکوہ کے نام دیکھی تھی جو اس وقت یاد نہیں ہے کہ نقل کرتا۔"[2]

جن دنوں میں شجاع اور اورنگ زیب برسرِ پیکار تھے تو شاہجہاں نے ایک رقعہ شجاع کو لکھا یہ رقعہ کسی طرح اورنگ زیب کو مل گیا اور اس کی بنیاد پر اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا

---

[1] شعر الہند حصہ اول صفحہ ۱۲۔ [2] جلوۂ خضر صفحہ ۵۵

www.taemeernews.com

جسمیں لکھتے ہیں۔

این فرمانِ عالی کہ در زبانِ ہندی از دستخط خاص۔ تمی فرمودہ شاہد
این معنی است در دستور العمل دیگی،

شاہجہاں نے سکونت آگرہ سے کبیدہ خاطر ہو کر دلی جالبسائی وابستگانِ دولت ہمراہ گئے ان کے اثر سے دہلی میں اردو بول چال کا عام رواج ہوا۔ اور اس قدر دلچسپی تھی کہ ہندی تصنیفات کو مسلمان زبانی یاد کرتے اور قصہ ہوتے تو لوگوں کو سنایا کرتے۔

امین احمد رازی تذکرہ ہفت اقلیم میں میر ہاشم محترم کے حال میں لکھتے ہیں

امروز در ہند است تمام کتاب مہابھارت را کہ مستجمع اسامی غریبہ
وحکایات عجیب است در ذکر دارد۔

سنہ ۱۰۶۸ء میں عالمگیر نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی علوم و فنون سے شغف تھا مگر شعر و شاعری سے اسلاف کی سی رغبت نہ تھی جس کی وجہ سے شعرا کی قدر دانی کا بازار سرد تھا۔ پھر بھی شاعری کے چرچے تھوڑے بہت قائم تھی ادھر ہندی (اردو) دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی۔ علمی مذاق کے لوگ اس زبان سے واقف ہونا بھی ضروری خیال کرتے تھے۔ چنانچہ دوسری ولایت سے اگر کوئی اہلِ علم و قلم آتا تو اس زبان سے بھی واقفیت بہم پہونچاتا۔ سنعیر ایران سے آیا شاہی منصب داروں میں داخل ہوا۔ فارسی کا قادر الکلام شاعر تھا مگر اردو میں بھی صاحبِ کمال ہوا۔

علامہ آزاد بلگرامی ید بیضا میں لکھتے ہیں۔

در عہدِ عالمگیر بادشاہ از ولایت ایران بہ ہند آمدہ در سلکِ
منصبدارانِ شاہی انتظام داشت و باوجود آنکہ بہ ہند
آمدہ زبانِ این ولایت آموخت ابواسطہ جودت ذہن
در نظم ہندی طبع آزمائی کرد و آن قدر دخل شد کہ جملہ استادانِ فن بر آمد
زبانش بہ تلفظ این زبان خوب نمی گردید اما نظم بسیار پختہ واقع
می شد و در ہندی ہم تخلص می کرد۔

عالمگیر کے زمانہ میں اردو کے شعرا کثرت سے تھے دہلی کوئی نہ تھا سب پردیسی تھے مرزا معز الدین فطرت مشہدی تھے غلام مصطفیٰ انسان مراد آبادی تھے۔ مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی تھے۔ گو اس وقت دربار و اہلِ دربار کی زبان فارسی تھی مگر اردو نے بھی عام رواج پالیا تھا آخری عہد اورنگ زیب میں نواب اسد یار خاں تخلص انسان اکبر آبادی پیدا ہوئے اور محمد شاہ کے عہد میں درجہ امارت کو پہونچے "از اکبر آباد بود در عصر محمد شاہ بادشاہ بامارت رسید"

نہ کبھی ایک جھلک ہی آکی تو نیچ آئینہ بوس لیں
اگرچہ نہر بن ہوئی بدن سار تینکا ہے

غرضکہ اکبر کے عہد سے شاہجہاں کے آنے سے پہلے تک دلی میں اردو سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ [1] شاہجہاں کے وقت سے اردو کا رواج دلی میں ہوا عالمگیر کے زمانہ میں خاص ترقی ہوئی اور محمد شاہی (۱۷۴۸ء) دور میں نثر و نظم کی گرم بازاری تھی۔

مولانا عبدالسلام ندوی شعر الہند میں لکھتے ہیں۔

محمد شاہی دور تک اگرچہ دلی میں اردو شاعری کا عام رواج ہو چکا تھا تاہم اب تک شاعری نے کوئی سنجیدہ اور موزوں قالب نہیں اختیار کیا تھا بلکہ وہ غلط مکروہ مبتذل اور مبتذل الفاظ و معانی کا مجموعہ تھی اور اس حیثیت سے اس کو قدیم دکنی شعرا کے کلام پر چندان تفوق حاصل نہ تھا۔

مولوی نظیم عبدالغفور رعنا میں لکھتے ہیں۔

"حق یہ ہے کہ دلی میں اردو شاعری کا باقاعدہ آغاز انہیں (ریختہ گویوں) سے ہوا۔"

شاہ نجم الدین مبارک آبرو عہد اورنگ زیب میں پیدا ہوئے جوانی

---

[1] جلوۂ خضر

میں دلی آ گئے تمام عمر یہیں گذاری محمد شاہ کے وقت میں انتقال ہوا۔

"از ابتدائے جوانی مشق سخن میکرد شاعر خوشگو در وقت خود بود"

(میر حسن دہلوی)

میر تقی میر نکات الشعرا میں تحریر کرتے ہیں۔

شاعر نادرہ گوئے ریختہ میگوید کہ طبع شوخی داشت غرض متغنئ وقت خود بود کہ عہد محمد شاہ باشد۔

آبرو خان آرزو اکبرآبادی کے رشتہ دار تھے دلی میں رہے یہاں جعفر زٹلی اور ولی دکنی کے کلام کی قدر تھی اس کے معاصر شاہ حاتم دہلوی تھے وہ فخریہ دیباچہ دیوان زادہ میں لکھتے ہیں۔

ودر ریختہ ولی را استاد میداند

آبرو نے ولی کی اقتدا نہیں کی بلکہ جب خان آرزو دلی آئے کمسن سال وکہنہ مشق ہوتے ہوئے خان صاحب کو ہی اپنا کلام دکھایا صاحب دیوان تھے صاحب گل رعنا لکھتے ہیں کہ دیوان آبرو غدر سے پہلے تک ملتا تھا[1] آپ کے شاگرد میر سجاد سجاد اکبرآبادی یکرنگ دہلوی۔ محمد محسن محسن اکبرآبادی قدوی دہلوی تھے۔

آبرو کے معاصر دہلی میں شاہ حاتم دہلوی مصطفیٰ خان یکرنگ میر شاکر ناجی وغیرہ تھے۔

شاہ حاتم کو اپنی شاعری پر بہت ناز تھا۔

تذکرۂ قدرت میں ہے۔

طبائعم شاعری بسیار دارد ...... اکثر اشعارش از لطف خالی یافتم۔

میر تقی میر ان جناب کو اس طرح یاد کرتے ہیں۔

مرد لیست جاہل و متمکن و متقلب وضع ویرا شاعر نداردو در یافتہ نمی شود کہ این رنگ کمن بیت شاعری است کہ ہمچو من دیگرے نیست یا وفن او ہمیں است[2]

مولانا عبدالسلام جناب شاکر ناجی کے متعلق لکھتے ہیں اس دور کے اساتذہ میں ایک اور بزرگ شاکر ناجی بھی ہیں لیکن ان کی حیثیت جعفر زٹلی سے زیادہ نہ تھی چنانچہ میر صاحب ان کی نسبت لکھتے ہیں۔

مزاجش بسیار مائل بہ ہزل بود معاصر میاں آبرو۔ بندہ با وی یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خوب می داند و مردماں را بخندہ می آرد و خود نمی خندید مگر گاہے تبسمے نمی کرد[2]

مصطفیٰ خان یکرنگ کی بھی شان ملاحظہ ہو۔

تذکرۂ قدرت میں ہے۔

شاعر لیست ایہام گو معاصر آبرو
ہرچند پرگو نہ بسیار پرنج گوست

مگر ان کے معاصر اکبرآبادی شعرا آبرو و مضمون تھے آبرو کا ذکر کیا گیا ہے مضمون کا حال یہ تحریر ہے۔

میر حسن دہلوی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں

ظریف ہنساش بشاشش ہنگامہ گرم کن مجلسہا ہر چند کم گو بود لیکن بسیار خوش فکر تلاش لفظ تازہ زیادہ دیوانش بسیار جبت دو صد بیت خواہد بود[3]

محمد شاہی عہد تھا سنہ ۱۱۳۲ھ میں خان آرزو اکبرآبادی دلی آئے۔ خان آرزو آگرہ میں سنہ ۱۱۰۱ھ میں پیدا ہوئے اورنگ زیب کا آخر عہد تھا۔

شمع وجودش در بزم اکبرآباد روشنی یافتہ[4]

علمائے عصر سے علوم و فنون حاصل کرکے گوالیار میں قاضی القضات ہو گئے وہیں سے دلی پہونچے آنند رام مخلص کے ذریعہ منصب دربار گیر بادشاہی

عـ۱ گل رعنا صفحہ ۲ عـ۲ نکات الشعرا صفحہ ۹۴ عـ۳ چمنستان شعرائے لچھمی نرائن اورنگ آبادی۔

www.taemeernews.com

مرحمت ہوئے ہ

میر حسن دہلوی اپنے تذکرۂ شعرا میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں۔

"خان مغفرت نشان سرگروہ سخن سنجان استاد استادان ہندوستان جنت نشان چراغ دودمان گفتگو سراج الدین علی خان آرزو بعد امیر خسرو دہلوی چنین صاحب کمال پر گو و خوشگو بسامع عالیان نہ رسیدہ"

آپ نے قیام دہلی میں اردو شاعری کی ترویج اور اپنے طرز کی اشاعت کیلئے سب سے پہلے مراختہ قائم کیا یہی آگرہ اسکول کی بنا تھی آپ کسی دہلوی یا دکنی شاعر کے تبع نہ تھے۔ آپ نے صحیح شاعری کی طرف اس صورت سے عام دعوت دی۔ میر درد وغیرہ سب اس مراختہ میں شریک ہوا کرتے تھے چمنستان شعرا میں شاہ عبدالحکیم کے ذکر میں ہے

شاہ عبدالحکیم حاکم می گوید کہ ایں عزیز بزرگ (آرزو) عالی دودمان رفیق کرد بخانہ ... آرزو مراختہ یعنی صحبت ریختہ گویان ہندی کہ در پانزدہم ہر ماہے مقرر بود دیدہ ام (چمنستان شعرا صفحہ ۷) آبرو اور مضمون تو خان آرزو کے شاگرد تھے انہیں سے میر بھی تلمذ رکھتے تھے سودا دہلوی فارسی میں فکر کیا کرتے تھے خانِ آرزو کے ارشاد پر ریختہ میں کہنے لگے طرز میاں آبرو و مضموں کا اختیار کیا خود فرماتے ہیں۔

اسلوب شعر کہنے کا تیرے نہیں ہے یہ
مضمون و آبرو کا ہے سودا یہ سلسلہ

ریختہ کے استاد سب خان آرزو کے شاگرد ہوئے۔

میر تقی میر لکھتے ہیں۔

ہر استادان مضبوط فن ریختہ ہم شاگردان آں بزرگوارند

مولانا آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں۔

خان موصوف کو زبان اردو پر وہی دعوے پہونچتا ہے جو ارسطو کو فلسفہ و منطق پر ہے جب تک کل منطقی ارسطو کی عیال کہلائیں گے اہل اردو خان آرزو کی کہلاتے رہیں گے خان آرزو وہی ہیں جن کے دامنِ تربیت سے ایسے شائستہ فرزند پرورش پاکر اٹھے جو زبان اردو کے اصلاح دینے والے کہلائے یعنی مرزا جان جاناں مظہر (اکبرآبادی)، مرزا رفیع سودا (دہلوی)، میر تقی میر (اکبرآبادی)، خواجہ میر درد (دہلوی) وغیرہ

تلامذۂ آرزو رہے آنند رام مخلص دہلوی۔ آبرو۔ مضمون۔ بہار۔ شہاب الدین ثاقب دہلوی۔ حسن علی شوق دہلوی۔ میر اور سودا کا ذکر آچکا ہے۔ خان آرزو آخر میں دہلی سے لکھنؤ کی طرف چلے آئے ۱۱۶۹ھ میں انتقال ہوا۔ خان آرزو کے بعد مراختہ خواجہ میر درد نے دہلی میں ہر مہینہ کی پندرہویں تاریخ منعقد کئے۔ اور جب یہ صحبت برہم ہوگئی تو ان کے اشارے سے گوشہ نشین میر نے اس بزم ادب کو اپنے گھر پر قائم کیا[1]

میر تقی میر نکات الشعرا میں لکھتے ہیں۔

مجلس ریختہ کہ در خانۂ بندہ می شد پانزدہم ہر ماہ مقرر است والد بذات ہمیں بزرگ است زیرا کہ پیش ازیں ایں مجلس بخانہ اش مقرر بود از گردش روزگار بیدار برہم خورد لیکن با ایں احقر اخلاص دلی داشت گفت کہ ایں مجمع را اگر بخانۂ خود معین بکنید بہتر است بر اخلاص ان مشفق عمل کردہ آمد[2]

خان آرزو اور میر درد اور حضرت میر کے مراختوں سے دہلی اور اطراف دہلی میں عام طور پر شعر و سخن کا ایک مہذب مذاق پیدا ہوگیا۔[3]

محمد شاہی دور تک شاعری کا جو انداز تھا وہ بہت کچھ ترمیم و اصلاح کا محتاج تھا۔ خان آرزو نے اصلاح و درستی کی۔ شاہ عالم کا زمانہ آیا۔ میر۔ سودا۔ درد مرزا مظہر جان جاناں اکبرآبادی جیسے مصلحین نے خاص طور سے توجہ کی مرزا مظہر پیش پیش تھے مولانا عبدالسلام لکھتے ہیں "سب سے پہلے مرزا جانِ جاناں نے اس طرف توجہ کی اور ایک

---

[1] شعرالہند صفحہ ۷، [2] نکات الشعرا صفحہ ۴۵ [3] شعرالہند صفحہ ۲

www.taemeernews.com

مستقل دور تجدید و اصلاح کی بنیاد ڈالی
مصحفی تحریر کرتے ہیں۔

اول کسے کہ شعر ریختہ بہ تتبع فارسی گفتہ
اوست نعاشش اول زبان ریختہ
باعتقاد فقیر مرزا است

مرزا مظہر جان جاناں آگرہ سے خان آرزو کے عہد میں دہلی آئے اور وہیں رہ گئے اردو زبان کی بڑی خدمت کی مولانا آزاد آب حیات میں مرزا صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔

اگرچہ نظم کے جوش و خروش اور کثرت کلام کے لحاظ سے میر و سودا کیسا تھ ان کا نام لیتے ہوئے تامل ہوتا ہے لیکن چونکہ صانع قدرت نے طبیعت کی لطافت اور اصلی نفاست اور ہر بات میں انداز کی خوبی اور خوبصورتی ان کے مزاج میں رکھی تھی اور زمانہ بھی سب کا ایک تھا اس کے علاوہ پرانے پرانے تذکرہ نویس لکھتے ہیں بلکہ بزرگوں کی زبان سے بھی یہی سنا کہ زبان کی اصلاح اور انداز سخن اور طرز کی ایجاد میں انھیں ایسا ہی حق ہے جیسا کہ سودا و میر کو اسی واسطے ان کا حال بھی اسی سلسلہ میں لکھنا واجب ہے .... لطافت مزاج اور نزاکت طبع کا نتیجہ ہے کہ زبان کی طرف توجہ کی اور اُسے ایسا تراشا کہ جو شعرا پہلے گذرے تھے انہیں پیچھے چھوڑ کر اپنے عہد کا طبقہ الگ کر دیا اور اہل زبان کو نیا نمونہ تراش کر دیا جس سے پرانا رستہ ایہام گوئی کا زمین شعر سے مٹ گیا [1]

مرزا صاحب نے ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی خواجہ احسن اللہ بیان اکبر آبادی انعام اللہ خاں یقین دہلوی میر محمد حیات حسرت دہلوی خواجہ کمال الدین دہلوی شاہ قدرت اللہ قدرت دہلوی سے تلامذہ یادگار چھوڑے۔

حضرت میر تقی میر اکبر آبادی کی ہستی روز روشن کی طرح عیاں ہے

میر صاحب فرماتے ہیں۔

دل کس طرح نہ کھینچیں اشعار ریختے کے
بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کو ہنر سے

ریختہ کا ہے کو تھا اس رتبۂ عالی میں میر
جو زمیں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا [2]

حضرت میر نے ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا میر عبد الرسول نثار میاں جگن دہلوی۔ مجنوں دہلوی۔ مشتاق دہلوی۔ مرزا بندرابن راقم دہلوی۔ شکیبا دہلوی آپ کے شاگرد رشید یہی لوگ تھے جن کے ذریعہ اردو شاعری معراج کمال کو پہونچی۔

اکبر آباد اور اردو دہلی و لکھنؤ کی ہنگامہ آرائیوں میں آگرہ گرد در گرد ہو گیا اس کی بے زبانی صاف کہہ رہی ہے کہ تیسرے دور تک جو بلاکشان محبت بزم سخن میں آئے اُن میں سے اکثر کے دماغ اسی کے بادۂ کہن سے پُر کیف تھے شاہ مبارک آبرو۔ شرف الدین مضمون سراج الدین علی خاں آرزو مرزا مظہر قدس سرہٗ میر تقی میر کی ذات پر اول اکبر آباد کو ناز ہے اس کے بعد دلی و لکھنؤ کو جب مرزا غالب بھی بزم آرا ہو جائیں پھر آنکھ ملانا آسان نہیں رہتا (مقدمہ نکات الشعراء از صدر یار جنگ نواب حبیب الرحمان خاں شیروانی)

مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے واقعہ یہ ہے کہ اردو زبان آگرہ اور دہلی میں پیدا ہوئی اردوئے معلیٰ نے لکھنؤ و عظیم آباد نے اپنی موجودہ صورت پیدا کی۔ شجاع الدولہ آصف الدولہ اور سعادت علی خاں کے زمانوں میں دربار دہلی کی کمزوری و بے استطاعتی اور لکھنؤ کے نوابی دربار کی دولتمندی و قدر دانی کی وجہ سے تمام صاحبان کمال لکھنؤ پہونچ گئے (انتقاد ستمبر ۱۹۱۸ء) غرضکہ آگرہ اور اردو کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے ان واقعات کی ہدایت سے انکار سفاہت ہے۔

---

[1] آب حیات صفحہ ۱۴۰ [2] شعر الہند جلد اول صفحہ ۳۵

THIS IS LIFE

زندگی

از جناب محمد صادق صاحب ضیا بی اے

میں شاہزادہ ہوں!

رنگ و بو کی محفل آراستہ کرو۔ کلیوں کو دعوت دو کہ جامہ عریانی پیش کریں۔ بھونروں کو بلاؤ کہ صہبائے عشرت ڈھالیں۔ تتلیوں کو آمادہ کرو۔ رقص ہوں۔ بشاشت۔ شراب۔ شعر و موسیقی۔ رقص و سرود۔ نغمۂ رنگ ساز و چنگ —— زندگی انہیں سے عبارت ہے اور یہی زندگی ہے۔

میرے درباری حاضر ہیں۔ نذریں پیش کی جاری ہیں۔ چاند اور تارے مجھ پر نچھاور کئے جا رہے ہیں۔ یہ دلکش گانوں کی صدائیں۔ یہ حشر آفریں ساز یہ رنگ و بو کا ہجوم۔ سب میرے لئے ہیں اور میں ان کے لئے ہوں۔

میرے آگے سب کی کمریں جھکی ہوئی اور نگاہیں نیچی ہیں ——
آج میں دنیا کا کتنا بڑا انسان ہوں۔ دنیا میرے اشاروں پر ناچ رہی ہے۔ تحسین و تعریف کی صداؤں میں میری شاہزادگی کا اعتراف ہو رہا ہے۔
میں شاہزادہ ہوں۔

—— اب مجھے اور کیا چاہئے۔ دنیا کی تمام عشرتوں کے باوجود میں سوچتا ہوں کہ اب مجھے اور کیا چاہئے؟ —— سب کچھ میسر ہے لیکن اسی ایک سوال کا جواب نہیں ملتا۔

کیا میری شاہزادگی میں اتنی قوت نہیں کہ وہ میرے ذہن اور دماغ کو بتا سکے کہ منزل سرور کی آخری حد تک پہونچنے کے بعد میں کدھر جاؤں گا! افسوس، شاہزادگی نے میری قوت فکر سلب کر لی ہے۔ میں پریشان ہوتا جا رہا ہوں۔ محفل برخاست کرو۔ مجھے ایک لمحۂ فکریہ کی فرصت دو۔ عیش و عشرت۔ ہنگامہ آرائی۔ بغض و عناد۔ سازشیں۔ مجھے شاہزادگی نہیں چاہئے —— میں شاہزادہ نہیں ہوں۔

میں مصاحب ہوں،

پیر و مرشد مجھ سے بہت خوش ہیں۔ کل انہوں نے مسکرا کر میری طرف دیکھا بھی تھا اور میں جھک کر آداب بجا لایا تھا۔

دربار میں شریک ہونا ہے۔ شام کے پانچ بج چکے ہیں سواری آتی ہوگی۔ مجھے جلد از جلد تیار ہو جانا چاہئے۔

خوشامد۔ تملق۔ فرمانبرداری۔ جی حضوری —— زندگی میں کامیابی کا راز کوئی ہم سے پوچھے۔ مجھے یہ زندگی پسند ہے۔ باریاب ہونے سے پہلے لوگ میرے گھر کے چکر لگاتے ہیں۔ میں انہیں دربار کے آداب سے آگاہ کرتا ہوں۔ حضور سے پہلے نذریں مجھے پہونچتی ہیں۔ میں صاحب ہوں —— ریاست و امارت کا آلۂ تفریح۔ خدا حضور کو رہتی دنیا تک سلامت رکھے۔

شام سے صبح تک دربار میں شریک ہونا۔ جماہیاں لینا۔ درد سر سمجھنا۔ آنکھیں مل مل کر نیند اڑانا۔ اور حضور کی نگاہوں کی حرکت

نظر رکھنا۔ ان کی ہاں میں ہاں ملانا۔

لیکن ——— درباداری اور سانپ کا کھلانا برابر ہے۔ ذرا سی لغزش ہوئی اور امن و سکون کے تمام دروازے بند۔ کبھی سلام پر سزا اور کبھی گالی پر انعام ——— خدا ایسی زندگی سے بچائے۔ تصور سے بھی روح کانپتی ہے۔

میں مصاحب بننا نہیں چاہتا۔ نہیں چاہتا ؎
نہیں ہوتی بندگی و طاعت زیادہ ۔ جب احتیاج نہ ہو اور دولت زیادہ

میں بھکاری ہوں،

بابا۔ خدا کے نام پر ایک پیسہ۔ آدھی روٹی۔ پھٹا پرانا کپڑا۔ گلی گلی پھرنا۔ ہر دروازے پر صدا لگانا۔ دنیا پر آفتیں آئیں تباہی اور بربادی کی شورشیں برپا ہوں۔ مجھے کیا، مجھے تو کھانے کو مل ہی جاتا ہے۔ اور مصیبت کے زمانہ ہی میں لوگ میری طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں۔

"آؤ فقیر ——— لیجاؤ"
"خوش رہو بچہ"

"چلا جا یہاں سے۔ صبح ہی صبح نیند حرام کرنے کہاں سے آگیا"
"اچھا بابا۔ جو دے اس کا بھلا جو نہ دے اس کا بھی بھلا۔ جاتا ہوں"

کوچہ گردی۔ آوارہ سری ذلت۔ دھتکار پھٹکار گلی گلی کی ٹھوکریں،
پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں ؛ دل کو جو عشق دے خدا ایسی ہی دے جائے کیوں

——— مجھے یہ زندگی بھی پسند نہیں ———

میں انسان ہوں!

امارت اور مسرت کی الجھنوں سے بے نیاز۔ انسانیت کے درد سے میرا سینہ لبریز ہے۔ میں سمجھتا ہوں زندگی کسے کہتے ہیں۔

مبارک ہیں وہ لمحے جن میں انسان اور انسانیت کے ارتقا کے متعلق میرا ذہن مصروفِ غور ہوتا ہے۔

سیرت کی بلندی۔ روح کا ارتقا۔ ذہن کی ہمہ گیری طبیعت کی آزادی۔ سادگی۔ قناعت۔ خودداری۔ ناموسِ ملک و قوم کی پاسداری ——— یہ انسانیت ہے۔ میں انسان ہوں ——— انسان ہونا ہی سب کچھ ہونا ہے۔

میں نے زندگی کا راز پالیا ہے۔ اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس دماغ ہے میں سوچ سکتا ہوں کہ منزلِ مراد کی آخری حد تک پہونچنے کے بعد مجھے کدھر جانا چاہیئے۔ میرے پاس دل ہے میں ادراک کر سکتا ہوں کہ خودداری ہی انسانیت کا سب سے بڑا جوہر ہے میرے پاس ضمیر ہے میں محسوس کر سکتا ہوں کہ ہاتھ پھیلانا سب سے بڑی لعنت ہے۔

مجھے مبارکباد دو میں انسان ہوں۔

شہزادہ۔ مصاحب۔ بھکاری۔ میں سب کو انسان بناؤں گا۔ انسانیت کی تبلیغ مجھ پر فرض ہے۔ اس لئے کہ میں انسان ہوں صرف انسان ———

میری روح بہت بھرپور ہے۔ میں نے اپنی زندگی کا راز پالیا ہے۔ میرا ضمیر مطمئن ہے میرا دماغ آسودہ ہے۔
انسانیت کا نعرہ بلند کرو۔ انسانیت کے نغمے گاؤ۔ انسانیت کے ساز بجاؤ۔

انسانیت زندہ باد! ——— انسان زندہ باد

---

www.taemeernews.com

پردۂ مجاز

از ——— حضرت مولانا کیفؔ قدوسی گنگوہی

جبیں و سجدہ میں باقی نہ امتیاز رہے — جو سنگ در پہ کسی کا سرِ نیاز رہے
مری طرف یونہی وہ چشمِ دلنواز رہے — خدا کرے کہ مرے دل کا راز راز رہے
نگاہِ شوق دکھا دے مجھے حقیقتِ حسن — کہ درمیاں میں نہ یہ پردۂ مجاز رہے
ہمارا ذوقِ طلب کتنا کیف ساماں ہو — ہے آرزو یہی دل کی وہ بے نیاز رہے
ترے مریض کی وہ حالتیں معاذ اللہ — کہ چارہ ساز بھی محتاجِ چارہ ساز رہے
خوشا نصیب وہ پیدا ہو رنگ یکجہتی — کہ مجھ میں اور کسی میں نہ امتیاز رہے
نیاز و ناز میں اک ربطِ خاص پیدا ہو — نظر میں اُس کی جو اندازۂ نیاز رہے
پلائے ساغرِ صہبا جو بے طلب ساقی — وہ پاکباز نہیں ہے جو پاکباز رہے

وہ بے نیاز ہی رہتے ہیں کیفؔ اگر تو رہیں
مرا نیازِ محبت شریکِ ناز رہے

www.taemeernews.com

اشتراکی شاعری

از ــــــ حضرت سعادت حسن منٹو

انقلاب کے زمانے میں روس کے وسیع و عریض سینے پر کروڑوں مزدور سرمایہ دارانہ نظام کو پاش پاش اور غلامی کے بندھن توڑنے کے لئے سرگرم عمل تھے، وہ ایک ایسے اشتراکی نظام کی بنیادیں قائم کرنے کے درپے تھے جس کی فضا میں غلام اور آقا کا امتیاز مٹ جائے اور جس میں انسانیت کا پودا پھول پھل سکے۔ جیسا کہ ایک روسی مقالہ نگار بیان کرتا ہے "ان دنوں زندگی روس کے بازاروں، چوکوں اور جنگ کے میدانوں میں سمٹ کر چلی آئی تھی" اس زندگی نے اپنے ہنگامی بطن سے ایک ایسی شاعری کو جنم دیا جس کا خطاب لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے ہجوم کی طرف تھا۔

شاعر ولادی میئر میا کوسکی کا حکم تھا کہ "تمام مستقبل پرست، خواب دیکھنے والے رنگریز اور شاعر، گھروں سے باہر نکل آئیں"۔

جس طرح بالشویکوں اور سوویٹ یونین کے محنت کش لوگوں کی مسلسل اور ان تھک کوششوں اور کارل مارکس اور لینن کے آتشیں افکار نے زوکیت اور نظام کہن کے خس و خاشاک کو آگ لگا کر خاکستر بنا دیا اور اس خاکستر کی کھاد بنا کر سماج کی کھیتی میں نئے درخت لگائے۔ ٹھیک اسی طرح شعلہ نفس شاعروں اور ادیبوں نے فرسودہ لٹریچر کو جلا کر ایک نئے ادب کو تخلیق کیا ہے۔

سوویٹ ادیبوں نے اپنے ملک کی اشتراکی تشکیل میں بیش از بیش حصہ لیا ہے اور انسانی ارواح کو بیدار کرنے کے لئے وہ وہ کام انجام دئے ہیں جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔ قدیم اور فرسودہ تخیل کی عمارت ڈھا کر نئی دیواریں کھڑی کرنا سوویٹ روس کے انشا پردازوں کا کام ہے جس کو انہوں نے بڑی سلیقے سے انجام

دی گلو دسکی "اشتمالی شاعر" کے مندرجہ ذیل اشعار روس کی اشتراکی شاعری کے دیباچے کا کام دیتے ہیں ؎

میری شاعری! میری شاعری
لڑائی کے میدان میں مارنے اور جلا دینے کیلئے ہو
زندگی کی مضبوط کلیت ہٹا کر
اس کے حقیقی معانی فاش کرنے کیلئے ہے۔
حوادث و واقعات کے اسرار میں اصرار کرکے
بہرے کو سماعت اور گونگے کو گویائی عطا کرنا چاہتی ہے
کہ وہ قدرت کے قوانین جان سکیں

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ سوویٹ روس کی اشتراکی شاعری اس منزل کے قریب پہونچ گئی ہے جو اس کی نظروں کے سامنے تھی۔ ہم یہ چاہتے ہیں ہم وہ چاہتے ہیں ــــ روس کی طرف سے ہوا کے جھونکے یہی شور ہمارے کانوں تک پہونچاتے ہیں اور اس شور کو سنکر ہم یہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ جو کچھ وہ لوگ چاہتے ہیں ان کو مل جائے گا۔ روس کی اشتراکی شاعری ابھی تک اپنی منزل مقصود کی طرف گامزن ہے اور وہ دن قریب ہے جب لینن کے الفاظ میں روس کی موجودہ شاعری اور اس کا موجودہ ادب انسانیت کے صناعانہ ارتقا میں ایک نیا "زینہ" قائم کرنے کا موجب ہوگا۔

سوویٹ روس میں اب نئی پود بوڑھے شاعروں کی مدد کے لئے آگے بڑھ رہی ہے۔ اشتراکیت کے نوجوان علمبرداروں کی آواز سوویٹ شاعری پر

www.taemeernews.com

اب روز بروز زیادہ اثر کرتی جا رہی ہے چھاپہ خانے کا ایک مزدور، یاروسلاو سمیلیاکوف اندنوں سوویٹ روس کا بہت بڑا شاعر ہے۔ نئے جدید شاعری کی ٹکنک میں دستگاہ دانی حاصل ہے اس کا شاعرانہ پروگرام یہ ہے۔

میں اپنی تصانیف میں
جوانی کی حرارت
اور صناع کے فن کو سمو دینا چاہتا ہوں۔

سرمایہ پرست سوسائٹی اس امر کی مدعی رہی ہے کہ مزدوری پیشہ جماعت میں تخلیقی قوت نہیں ہوتی اس لئے آرٹ کلچر، لٹریچر اور ٹکنک کے میدان میں وہ ہمیشہ ناکام رہیگی، لیکن روس کی موجودہ حیرت خیز ترقیوں کو دیکھنے کے بعد یہ دعویٰ باطل ثابت ہو جاتا ہے کہ مزدوری پیشہ جماعت نقش کہن مٹانے کے ساتھ ساتھ نئے نقش بھی پیدا کر سکتی ہے جب، نکولائی تخونوف کی زبان میں

آگ، دار و رسن، گولیوں اور کلہاڑیوں نے
غلاموں کی طرح ہمارے آگے سر جھکا دیئے
اور ہمارے پیچھے پیچھے چلی آئیں
ہر بوند میں ایک طوفان سو رہا تھا۔
کنکریوں کی بڑی بڑی چٹانیں بن گئیں،
اور پھر وہ شاخ جو پاؤں کے نیچے روندی گئی تھی
ایک شور افگن جنگل بن گئی
سکوں کی قدر و قیمت اور ان کی کھنکھناہٹ غائب ہو گئی۔
لاشیں بچوں کے دلوں میں ڈر پیدا نہ کر سکیں

اس وقت ہمیں خوبصورت، تلخ اور درشت الفاظ معلوم ہوئے تو سرمایہ داروں کے اس دعوے کی بنیادیں ہل گئیں۔ وہ خوبصورت تلخ اور درشت الفاظ کیا تھے جو انہیں معلوم ہوئے؟ ۔۔۔ یہ کہ ہماری ہر جنبش میں ایک ستارہ چمکتا ہے اور مکان (Space) ہر قدم پر وسیع ہوتا ہے۔

ان دنوں شاعری کی طرف لوگوں کا رجحان کم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ وہ دن گذر گئے ہیں جب گوئٹے، ملٹن، ہیوگو، غالب اور میر کے کلام پر لوگ سر دھنتے تھے۔ حال سے ماضی کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ شاعروں کا کلام نسبتاً بہت کم مطالعہ میں آتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ ۔۔۔ کیا یہ انقلاب کی معرکہ آرائیوں کا باعث ہے؟ ۔۔۔ ہاں ایک حد تک انقلاب کی معرکہ آرائیوں کو اس رجحان کی تبدیلی میں دخل ہے مگر اصلی وجہ کیلئے ہمیں اور زیادہ گہرائیوں میں جستجو کرنی چاہیئے۔ اصل باعث جدید سرمایہ دارانہ زندگی کے فقدانِ اتحاد میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

اتحاد شعور، اور حقیقت کے متعلق لوگوں کا اتحاد تصور سوویٹ شاعری کیلئے اجنبی ہے۔ سوویٹ روس میں شاعری زندگی سے الگ تھلگ نہیں ہے۔ وہاں شاعری زندگی کا عضوی (Organic) تسلسل ہے زندگی کا ایک جزو ہے۔ سوویٹ روس میں شعر کی ضرورت عوام کو ہے اشتراکیت کے زیر سایہ بسنے والے عوام کو ہے، اس لئے کہ یہ ان کے خیالات و محسوسات کو تازگی بخشتی ہے، انہیں تعلیم دیتی ہے اور ان کو پاک و صاف بناتی ہے۔ سوویٹ روس میں شاعر ایسا خود پسند گوشہ نشین نہیں ہے جو انفرادی انکار کی دم گھوٹنے والی فضا میں زندگی بسر کر رہا ہو ۔۔ وہ انسانیت کے ٹھاٹیں مارتے ہوئے سمندر کا پیغامبر ہے۔

یو، ایس، ایس، آر میں مزدوری پیشہ جماعت نے ایسے نئے ادیب، شاعر اور فلسفی پیدا کئے ہیں، جنہوں نے ایک نئے لٹریچر کی بنیاد ڈالی ہے، ایسے لٹریچر کی جو ہزاروں پہلو رکھتا ہے اور جس کے اندر جملہ خوبیاں موجود ہیں۔ پرانے روس یعنی سرمایہ دارانہ نظام کی موجودگی میں ادب حاکم جماعتوں کی (Ideology) کا اظہار ہے۔ اس میں یاس و قنوطیت کر دیتا ہے، اس کے علاوہ حزن و ملال (؟)

www.taemeernews.com

ونا امیدی اور بیکسی و ناچاری کی تصویر پیش کرتا ہے ۔ انقلاب سے پہلے ادیب زندگی پر کوئی ایمان نہیں رکھتے تھے ، چنانچہ الگزنڈر بلوک اپنے اشعار میں اس بات کا شکوہ کرتا ہے کہ "ڈیڑھ سال کی عمر میں ایک رنگین لاش تھا" ۔ اصلیت اور زندہ جذبات کے بجائے لٹریچر کا رجحان معنوی محسوسات کی طرف تھا اور ایک ایسی چھوٹی سی دنیا میں آباد تھا جس میں انشا پرداز کی زندگی تلخیوں اور ناکامیوں کو فراموش کرنے کی سعی کرتی تھی ۔ مگر اب حالات بالکل تبدیل ہو چکے ہیں ۔ حزن و ملال کی جگہ امید و رجا نے لے لی ہے ۔ قنوطیت ، رجائیت کا رنگ اختیار کر گئی ہے اور اب سوویٹ لٹریچر کی زندگی تمام تر تازگیوں اور شوخیوں سے لبریز ہوتی ہے ۔ سوویٹ ادب دنیا کے المناک سے المناک مسئلے کا حل رجائیت کی روشنی میں پیش کرتا ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سوویٹ ادب اور شاعری میں موت اور اس کی ہیبتوں کا اقرار موجود ہے مگر کشاکشِ زیست میں رُوح کی پرواز اور انسانیت کے لئے مسرت مہیا کرنے کی کوشش میں زندگی کا خاتمہ سوویٹ لٹریچر میں زندگی کی تصدیق کا مظہر ہے ۔

سوویٹ ادبا و شعرا کے پیشِ نظر یہ چیز ہے کہ وہ اشتراکی نظام کے مسائل کو صناعانہ طریق پر حل کریں اور اس طرح اپنے ادب کو غایت درجہ حقیقی بنا دیں ۔ انفرادیت کی طرف سوویٹ روس کے ادیب بہت کم توجہ دیتے ہیں ۔ ان کی حقیقت پسندی انسان کے اشعار جو جماعتی فضا میں پیش کئے جاتے ہیں ، افراد کی ان سرگرمیوں کی تصویر کشی کرتے ہیں جو تاریخی تبدیلیوں کا باعث ہوتی ہیں ۔ سوویٹ ادب کا مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے انھی کو نئی آنکھوں سے دیکھا ہے ۔

سوویٹ لٹریچر جو اشتراکیت کی تعمیر و تاسیس کا رفیع الشان تخیل پیش کرتا ہے ، اسی بنا پر لاکھوں اور کروڑوں مزدوری پیشہ افراد کو اپنے دامِ الفت میں گرفتار کر چکا ہے اور سچ پوچھیے تو وہ اس چیز کا استحقاق بھی رکھتا ہے ، اس لئے کہ سوویٹ ادب ناکارہ اور کاہل الوجود لوگوں کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا لٹریچر ہے جو ملک و قوم کے اشتراکی نظام کی ترقی چاہتا ہے ۔

سوویٹ روس کے ادب کا مطالعہ کرنے کے بعد قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ سرمایہ داروں کا یہ خیال بالکل باطل ہے کہ "جب گولے برستے ہیں تو تخیل خاموش ہو جاتا ہے" ——— ارضِ احمر کے سُرخ قلموں کی ہر جنبش اس یقین پر خطِ تنسیخ کھینچتی ہے ۔

رباعی

باطن میں ہے آراستہ اک بزمِ جمال
پیراہنِ زندگی اگر بھی چاک تو کیا
ظاہر کو جلا دیا تو وہ خاک تو کیا
شیدئ تجلیوں کا ادراک تو کیا

حضرت علامہ سیماب اکبرآبادی مدظلہ

www.taemeernews.com

انیسویں صدی کا پیغمبرِ ادب

از ——— حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ

یہ نظم فصیح الملک حضرت داغ دہلوی مرحوم و مغفور کی برسی پر دہلی ریڈیو اسٹیشن سے قبلہ حضرت مولانا مدظلہ نے براڈکاسٹ کی تھی نظم کی مقبولیت اس سے ظاہر ہے کہ اقطاع و جوانب ملک سے ابتک سیکڑوں درخواستیں اس کی نقل کی آچکی ہیں۔ خدا کرے یہ نظم اُن تمام حضرات کی نگاہ تک پہونچ جائے جنکی سماعت اس سے متاثر ہوچکی ہے۔

ایڈیٹر

(۱)

خلطِ بحث تک جب آجاتی ہے دنیائے ادب
خم بہ خم ہوتا ہے جب گیسوئے لیلائے ادب

ڈھلتے ڈھلتے جب بگڑ جاتی ہے ہیئت شعر کی
سست پڑجاتی ہے جب نبضِ لطافت شعر کی

خشک ہوجاتے ہیں جب کوثر کدے تخئیل کے
بادہ باری جب تھکا دیتی ہے پر جبریلؑ کے

جب سکڑ جاتی ہیں ذہن و فکر کی پہنائیاں
جب تخیل لے نہیں سکتا نئی انگڑائیاں

جب عروسِ حسن کا بے نور ہوتا ہے لباس
جب نگاہِ جلوہ خواہِ عشق ہوتی ہے اُداس

جب تصور میں نہیں اٹھتی نئی کوئی امنگ
جب غبار آلودہ ہوجاتے تصویروں کا رنگ

جب تراشِ نو سے تھک جاتا ہے ذہنِ بت تراش
نقش جب پیدا نہیں کرتی مصور کی تلاش

بتکدوں میں برہمن ہوتے ہیں جب مجبورِ خواب
جب حریمِ کعبہ ہوتا ہے حجاب اندر حجاب

فکرِ شاعر سے نیا جب شعر ڈھل سکتا نہیں
شعر سے جب کام جادو کا نکل سکتا نہیں

جب زبان گنگ، اور سازِ نطق ہوتا ہے خموش
جب نہیں رہتا تکلم کی مئے کہنہ میں جوش

جب نظر آتے ہیں دھندلے آئینے جذبات کے
صبح پر جب سائے ہوتے ہیں اندھیری رات کے

کارواں ہوتے ہیں جب مایوسِ آوازِ درا
جب نہیں ملتا حدی خوانِ طریقِ ارتقا

روح جب سوزِ نوا سے آشنا رہتی نہیں
ربطِ انسانیت میں جب صدا رہتی نہیں

اک مجدد فطرتاً اٹھتا ہے بطنِ خاک سے
ایک سورج مسکراتا ہے خس و خاشاک سے

(۲)

خلقتاً ملتا ہے اسکو منصبِ پیغمبری
روح میں پاتا ہے وہ الہام کی جلوہ گری

گونجتی ہے اُس کے سازِ دل میں فطرت کی نوا
ہر نفس اس کا بشارت، وحی اسکی ہر صدا

دل ہلا دیتا ہے وہ لحنِ مہیب انداز سے
ساری دنیا کو جگا دیتا ہے اک آواز سے

شعر کو کرتا ہے اک پیراہنِ تازہ عطا
ذوق کی افسردگی کو قوتِ نشو و نما

اک شرابِ تند جامِ نو میں بھر دیتا ہے وہ
نسل کو پھر نشہ سے مخمور کر دیتا ہے وہ

زاویے ترتیب دیتا ہے نئی تخئیل کے
لفظ لکھتا ہے نئے، اوراقِ پارینہ چھیل کے

بخشتا ہے حسن کو اپنی جوانی سے سہاگ
عشق کی فطرت میں بھڑکاتا ہے عالم سوز آگ

ایک موزوں خود روی ہوتی ہے اسکے عزم میں
وہ امیرِ کارواں بنتا ہے رزم و بزم میں

وہ مصور کو سکھاتا ہے توازن رنگ کا،
رُخ بتا دیتا ہے بت گر کو مزاجِ سنگ کا

بتکدوں میں وہ پہنچتا ہے بھجن گاتا ہوا
برہمن کی عظمتوں پر طعن فرماتا ہوا

روحِ کعبہ کو اذاں دے کر جگا دیتا ہے وہ
اک نظر سے عرش کے پردے اٹھا دیتا ہے وہ

آگ برساتا ہے اپنی گرمیٔ جذبات سے
شعلہ و شبنم بناتا ہے اندھیری رات سے

فکرِ روشن سے بنا کر ماہتاب و آفتاب
صبح و شامِ بزمِ ہستی سے الٹتا ہے نقاب

زندگی کا نور بھر کر شعلۂ آواز میں
پھونکتا ہے روحِ انسانیت کے ساز میں

(۳)

اے فصیح الملک اے پیغمبرِ ملکِ سخن!
آفتابِ شامِ دہلی، نیّرِ صبحِ دکن،

اے جہاں استاد اے فخرِ ادیبانِ وطن!
طالعِ بیدارِ دہلی، خوابِ شبہائے وطن

بلبلِ ہندوستاں، اے موجِ گلبانگِ وطن!
شاعرِ دہلی نژاد، آسودۂ خاکِ دکن

مدتوں کے بعد پھر دہلی کو یاد آئی تری
آج پھر گونجی ترے مولد میں شہنائی تری

یہ نہ باور کر کہ دنیا بھول سکتی ہے تجھے
زندگیٔ محفلِ اقوام ہیں نغمے ترے

لمحے لمحے پر ترا چرچا ادب گاہوں میں ہے
ذکر تیرا میکدوں میں ہے طربگاہوں میں ہے

گائی جاتی ہے حسینوں میں ابھی تیری غزل ہے جہانِ رنگ و بو اب بھی ترے زیرِ عمل
دنگ ہیں اب بھی سخن تیرا سخنداں دیکھ کر وگ بن جاتے ہیں شاعر تیرے دیوان دیکھ کر
حسن کی خلوت میں ہے تو عشق کی محفل میں ہے تو بقولِ اپنے درخشاں عاشقوں کے دل میں ہے
کس ہمہ گیری سے تکمیلِ فصاحت تو نے کی دل میں گھر کر کے زباں پر بادشاہت تو نے کی
تو نمایاں ہے ہر اک اسلوب، ہر آہنگ سے رنگ جتنے ہیں وہ ہیں ماخوذ تیرے رنگ سے
قائد و صدر العدورِ محفلِ ایجاد ہیں آج دنیا میں ترے شاگرد سب استاد ہیں
تیری ٹکسالی زباں کو دخل ہے اشعار میں تیرا سکہ آج بھی جاری ہے ہر بازار میں

یہ ترے فیضان کا سینچا ہوا اک باغ ہے
جنتِ شعر و ادب پر ثبت مہرِ داغ ہے

(۲)

اے زباں دانوں کے مرشد نکتہ دانوں کے امام نام سے باقی ہے تیرے مرکزِ دہلی کا نام
قلعۂ شاہی کو اب تک شعر تیرے یاد ہیں ہر کھنڈر کے دل میں تیری محفلیں آباد ہیں
نقش تیرا صفحۂ عالم سے مٹ سکتا نہیں تجھ کو ہندوستان صدیوں تک بھلا سکتا نہیں
کون کہتا ہے کہ یہ گلشن ہے خالی داغ کی ہاں نشیمن ہے بلندی پر ترا اس باغ سے
پہلے سرخوش تھی زمیں اب آسماں محظوظ ہے چاند کے دل میں تخلص بھی ترا محفوظ ہے
اب بھی ہے تصویر تیری ہر حجابِ ذہن میں شعر بن کر چھپ گیا ہے تو نقابِ ذہن میں
حشر کے دن اپنی بزمِ خواب سے پُر التہاب تو جو نکلے گا تو نکلے گا دکن سے آفتاب
شعریت انگیز اگر انصاف ہو گا حشر کا تیرے اس مطلع سے مطلع صاف ہو گا حشر کا
"تنگ ہے دل وسعتِ دامانِ محشر دیکھ کر" دلے جنوں ہم پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھ کر"
زندگی، موت، اور بعد الموت کے ای ترجماں تیرا ہر اک شعر ہے تیری حیاتِ جاوداں
بولتا ہے شاعروں کے سازِ جاں پر ور میں تو جلوہ گر ہے شاعری کے معنوی پیکر میں تو
ہیں تجلی بار تیرے ماہتاب و آفتاب صبحِ مشرق کی جوانی، شامِ مشرق کا شباب
تیرے ایواں پر رہیگی "شاعری" صرفِ سجود اور زباں پڑھتی رہے گی تا ابد تجھ پر درود

بارشِ رحمت ترے آغاز اور انجام پر
خطبۂ شعر و ادب ہے ختم تیرے نام پر

www.taemeernews.com

اچھوت

ایک ایکٹ کا مختصر ڈراما

از ——— جناب مرزا ادیب بی اے، مدیر "ادبِ لطیف"

منظر

ایک مختصر سا غریبانہ کمرہ، جس کی جنوبی دیوار میں دروازہ ہے، دروازے کے بعد چند ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں ہیں اور پھر گلی ہے شمالی دیوار میں دو کھڑکیاں ہیں جو بازار میں کھلتی ہیں۔ مشرقی دیوار میں بھی ایک دروازہ ہے جو ایک کوٹھری میں کھلتا ہے۔ یہ کوٹھری نانی کی خوابگاہ ہے۔ کمرے کی ہر ایک چیز سے اہلِ خانہ کی ناداری اور مفلسی ٹپک رہی ہے۔ آدھا کمرہ تو دو بڑی اور ایک چھوٹی چارپائی نے روک رکھا ہے۔ جو مغربی اور شمالی دیوار کیساتھ بچھی ہوئی ہے۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ ٹوٹا ہوا چرخا لٹک رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک پرانی چھتری نظر آ رہی ہے۔ دروازے کی دائیں طرف جنوبی دیوار کے پاس چولہا ہے جس میں آگ سرد ہو چکی ہے۔ اس وقت شام کا وقت ہے۔ چولہے کے پاس دیوار کیساتھ ایک ٹین کا چراغ جل رہا ہے جس کی مدہم لو دیوار کی سیاہی میں اضافہ کر رہی ہے۔ باہر بارش ہو رہی ہے۔ مینہ کا پانی ایک طرف کمزور دیوار کے شگافوں میں سے ٹپک ٹپک کر کمرے میں بہہ رہا ہے۔ چولہے کے پاس، ایک فرسودہ مونڈھے پر شامو بیٹھی ہوئی ایک پرانی جراب اُدھیڑ رہی ہے، ایک چارپائی پر راموؔ گڑیا کیساتھ کھیل رہی ہے۔ دوسری چارپائی پر رتن شیشے کی گولیاں اُگن گن کر ٹین کے ایک ڈبے میں ڈال رہا ہے۔ شامو منتظرانہ دروازے کو دیکھتی ہے اور پھر آہ بھر کر نگاہیں جراب پر گاڑ دیتی ہے۔ رتن چارپائی سے نیچے اتر آتا ہے۔ آہستہ آہستہ چل کر دروازے کے پاس پہنچتا ہے۔ اسے کھول کر باہر دیکھتا ہے۔ شامو اُسے حسرت انگیز نگاہوں سے دیکھتی ہے۔

شامو۔ بند کر دے دروازہ رتن! ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے۔

رتن۔ بڑی بھوک لگی ہے ماما! وہ تو ابھی تک نہیں آئے!

شامو۔ وہ آ ہی رہے ہیں!

رتن۔ دوپہر سے کہہ رہی ہو وہ آ ہی رہے ہیں، وہ آ ہی رہے ہیں۔

شامو۔ دروازہ تو بند کر دے!

رتن۔ (دروازے میں سے دوبارہ جھانک کر، اور پھر اُسے مایوسانہ بند کرتے ہوئے) معلوم نہیں کہاں جا کر بیٹھ رہے ہیں۔ انہیں ہماری بھوک کی کیا پروا ہے؟

www.taemeernews.com

رامو۔ (چارپائی سے) پتاجی! کہاں چلے گئے ہیں؟

شامو۔ وہ ابھی آجائیں گے۔ اور تمہارے لئے مٹھائی لائیں گے۔

رامو۔ (چارپائی سے اٹھ کر) کتنی مٹھائی!

شامو۔ جتنی تم کھا سکو!

رامو۔ میں تو تمام کھاؤں گی۔ صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا۔

شامو۔ بیشک جی بھر کر کھا لینا۔

رامو۔ دیکھو ماتاجی! پرسوں دو جلیبیاں لیلا کے پتا نے مجھے دی تھیں ان میں سے ایک رتن نے چھین لی۔ اب مٹھائی میں سے رتن کو کچھ بھی نہیں دوں گی۔

شامو۔ رتن بڑا خراب لڑکا ہے۔

رتن۔ تو ماتاجی میں بھوکا ہی رہوں گا۔

شامو۔ (آہ بھر کر) میرے لال تم کیوں بھوکے رہو ——— بھوکے رہیں تمہارے دشمن۔

(رتن دروازہ سے ہٹ جاتا ہے۔ نانی آتی ہے)

نانی۔ جیون آیا۔

رامو۔ کوئی نہیں نانی!

نانی۔ کیوں نہیں آیا! اب تک تو اسے آجانا چاہیئے تھا۔

شامو۔ بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔

نانی۔ پرماتما رحم کرے۔ جیون لاپروا آدمی تو نہیں۔ ابھی آجائیگا!

شامو۔ کہہ کر تو گئے تھے کہ میں دوپہر تک ضرور آجاؤں گا۔ اور اب رات ہو گئی ہے۔ (دھاگا ایک طرف ٹوکری میں ڈال دیتی ہے) بچوں کا کیا حال ہوگا۔

نانی۔ ان ظالموں پر پرماتما کی! (مار) جنہوں نے کارخانے میں ہڑتال کرادی۔

شامو۔ رتن کے پتاجی تو کہتے تھے کہ ہڑتال کرنے والے ٹھیک کام کر رہے ہیں۔

نانی۔ جیون تو پگلا ہے۔ اتنا نہیں سوچا اگر ہڑتال نہ ہوتی تو یہ مصیبت کیوں آتی؟

شامو۔ ہم کیا جانیں (دوسری جراب اٹھاتی ہے اور اسے ادھیڑنے لگتی ہے)

رامو۔ نانی!

نانی۔ کیوں رامو!

رامو۔ بڑی بھوک لگی ہے۔

نانی۔ بھوک کیوں نہ لگے۔ صبح سے کھایا کیا ہے؟

شامو۔ ہماری تو کوئی بات نہیں، بچوں کی حالت نہیں دیکھی جاتی! (اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں اور وہ منہ دوسری طرف پھیر لیتی ہے)

نانی۔ وہ آجائے گا۔ (دونوں بچوں کو پیار سے دیکھتے ہوئے) رامو اور رتن کے لئے پوریاں لائے گا۔ حلوہ لائے گا مٹھائی۔

رتن۔ (نانی کے الفاظ کا ذکر سن کر) نا!

نانی۔ ابھی دیکھ لینا۔ جب تک وہ آئے میں تمہیں بڑی اچھی کہانی سناتی ہوں۔

رتن۔ مجھے بھوک لگی ہے۔

نانی۔ نہیں سنتے تو نہ سنو (شامو سے) گھر میں اور کچھ بھی نہیں!

شامو۔ کچھ ہوتا تو اب تک انہیں بھوکا کیوں رکھتی۔ کسی ہنڈیا میں تھوڑا سا گڑ ہے اور کچھ بھی نہیں!

نانی۔ تو میٹھے چاول ضرور پکا نا۔ میری رامو میٹھے چاول بہت پسند کرتی ہے۔ ہیں نا رامو؟

(رامو خاموش رہتی ہے۔ شامو کے ماتھے پر تیوری پڑ جاتی ہے۔ نانی اپنی کوٹھڑی میں چلی جاتی ہے۔ شامو جراب ادھیڑنے میں مشغول ہو جاتی ہے۔ دوسرے کونے سے کسی چیز کے گرنے کی آواز آتی ہے۔ شامو اس طرف دیکھتی ہے۔ رتن کے ہاتھ میں ر... ایک ڈلی اور ایک دیگچہ زمین پر گری ہوئی ہے)

www.taemeernews.com

شامو۔ کیا کر رہے ہو وہاں رتن!

رامو۔ رتن نے گڑ نکالا ہے۔ (رتن سے) مجھے بھی دو۔!

(رتن گڑ لیکر ہاتھ میں دبی کھڑا رہتا ہے)

شامو۔ کان میں بھنک تو پڑ گئی کہ گھر میں گڑ ہے۔ بس چیزوں کی تلاش لینی شروع کر دی!

رتن۔ بڑی بھوک لگی ہے ماتا جی!

شامو۔ دیگچی اٹھا کر رکھ دے۔

رامو۔ (رتن کے پاس آکر ڈلی کو آرزو دانگیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے) ماتا جی! رتن سے کہو مجھے بھی دے۔

شامو۔ گڑ کیا کھاؤ گے تمہارے پتا ابھی حلوہ پوریاں اور مٹھائی لائیں گے! **رامو۔** پوریاں، حلوہ لائے؟

(دونوں چارپائی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ڈلی آپس میں تقسیم کرنے لگتے ہیں۔ چند منٹ گزر جاتے ہیں۔ یکایک کمرے کی فضا میں رونے کی ہلکی سی آواز آتی ہے۔ شامو بچوں کو دیکھتی ہے)

رتن۔ ماتا جی!

شامو۔ کیا ہے؟ کون رو رہا ہے؟؟

رتن۔ رامو رو رہی ہے ماتا جی!

شامو۔ کیوں؟

رتن۔ کہتی ہے مجھے بہت بھوک لگی ہے۔

شامو۔ بھوک لگی ہو بھرتی ہے (اٹھ کر چارپائی پر جاتی ہے بچی کو گود میں اٹھا لیتی ہے) میری رامو کیوں روئے؟ ابھی تو ابھی کی نی کو لبا کرکے) پتا جی آئے!

نانی۔ نندسے، رامو روتی ہے؟

شامو۔ ہاں بھوک کے مارے بچوں کا برا حال ہے۔

نانی۔ رامو! تمہارے پتا جی ابھی آئے ــــ اندر آؤ نا میں تمہیں بڑی مزے دار کہانی سناؤں۔

شامو۔ (جھنجلا کر) کہانی کیا سنے۔ بیچاری کو بھوک لگی ہے۔

نانی۔ کیا کیا جائے! بچوں کو پیار دلاسا دو

شامو۔ پیار دلاسے سے کیا ہوتا ہے۔

(دروازہ کھلتا ہے جیون، جس کے چہرے سے حسرت و ویاس ٹپک رہی ہے۔ اور جس کا لباس پانی میں تر بتر ہے، اندر داخل ہوتا ہے)

رتن۔ پتا جی آگئے!

(شامو، جیون کے خالی ہاتھ دیکھ کر مایوس ہو جاتی ہے بیلو اپنے باپ سے لپٹ جاتی ہے۔

نانی۔ ہارا! انہیں تو ان بچوں کا خیال تو کرنا تھا۔ بیچارے بھوک سے مر رہے ہیں۔

جیون۔ کیا کروں! جان عجب مشکل میں ہے۔ اس زندگی سے تو موت ہزار درجہ بہتر ہے۔

نانی۔ ہوا کیا؟

جیون۔ کارخانے کے مالک کچھ دیتے ہی نہیں!

نانی۔ رشوان کی جانوں کو جنہوں نے خواہ مخواہ ہڑتال کرادی

جیون۔ ہڑتال تو ہم نے خود کی۔ دس گھنٹے محنت کرنے پر بھی اتنی تنخواہ ہے تو کیوں ہڑتال نہ کریں؟

شامو۔ پچھلے مہینے کی تنخواہ کیوں نہیں دیتے؟

جیون۔ ہڑتال جو ہم نے کر دی ہے، اور اس سے ان کا سخت نقصان ہو رہا ہے۔

نانی۔ نقصان تو تمہیں ہو رہا ہے! انہیں کیا پروا ہے۔

جیون۔ (بیوی سے مخاطب ہو کر) کسی ہمسائے سے کچھ مانگ لیتی۔

شامو۔ کس سے مانگتی۔ محلے میں ہر ایک کا یہی دینا ہے ــــ اب کس منہ سے مانگیں؟؟

جیون ۔ سب قرضہ اتار دیں گے ۔
شامو ۔ مگر اب تو کوئی بھی دینے کو تیار نہیں ۔ سب جانتے ہیں یہ غریب ہیں ۔ کہاں سے دیں گے ۔ گلی میں صرف ایک گھر ہے جہاں سے قرض نہیں مانگا ۔ اور وہ گھر مسلمان کا ہے ! ماتا جی کہتی ہیں اس سے قرض ہرگز ہرگز نہ مانگنا ۔
جیون ۔ کیوں ؟
نانی ۔ مسلمان سے ہمارا کیا واسطہ
جیون ۔ کارخانے میں تو ہندو مسلم کا کوئی سوال نہیں ہر ایک مزدور ایک دوسرے کا ہمدرد ہے ۔
نانی ۔ کیا پتہ تم نے کن بدمعاشوں کی رائے پر ہڑتال کر رکھی ہے ۔ میرا اختیار ہو تو اُن کے بال نوچ لوں ۔
جیون ۔ ماتا جی اور تم سے امید بھی کیا ہے ؟ تم خواہ مخواہ ہندو مسلم سوال لے بیٹھتی ہو ۔ میرا دعویٰ ہے اگر خاں صاحب سے ہم مانگیں تو وہ کبھی انکار نہ کریں گے ۔ جب سے ہڑتال ہوئی ہے وہ ہر روز مجھ سے پوچھتے ہیں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے ؟ کارخانے میں ہمارا منیجر مسلمان ہے وہی ہمیں تنخواہ دیتا تھا ۔ اگر وہ نہ ہوتا تو کارخانہ والے ہمارا خون بالکل چوس لیتے ۔
نانی ۔ میں تو پہلے ہی سمجھی بیٹھی تھی کہ یہ اسی شخص کی کارروائی ہے ۔ تم نے اس نامراد کا کہنا کیوں مانا ؟
جیون ۔ ماتا جی ! جب تمہیں کسی چیز کی خبر نہیں تو خاموش کیوں نہیں رہتیں ۔ خواہ مخواہ بیچارے کو نامراد کہہ دیا ۔ حالانکہ وہ ہمارے ساتھ ہے ۔ اور ہمارے ساتھ ہر طرح کی ہمدردی کر رہا ہے ۔
نانی ۔ کیا ہمدردی کر رہا ہے ؟
جیون ۔ وہ بھی ہم میں شریک ہیں اور کارخانہ والوں سے ہمارے مطالبات پورا کرانے کو کہہ رہے ہیں ۔
نانی ۔ اوہ ۔ پرماتما جانے تمہیں کب عقل آئے گی ۔

جیون ۔ ماتا جی ! کارخانے میں سب مزدور ایک دوسرے کے بھائی ہیں ۔ کانگریس والے بھی کہتے ہیں کہ جب تک ہندو مسلم ایک دوسرے کو بھائی بھائی نہیں سمجھیں گے ۔ ملک کو سوراج نہیں ملے گا !
نانی ۔ بڑے آئے ہوئے سوراج لینے والے !

(غصے سے کمرے میں چلی جاتی ہے)

رتن ۔ بڑی بھوک لگی ہے ۔
رامو ۔ صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا ۔
جیون ۔ ابھی بازار جاتا ہوں
شامو ۔ بازار جا کر کیا کرو گے ؟
جیون ۔ کیا کروں گا ؟ کچھ نہ کچھ تدبیر کروں گا ۔ اس کے سوا اور چارہ کیا ہے ۔
شامو ۔ ہمیں بچوں کی بڑی فکر ہے ۔ ماتا جی بوڑھی ہیں ۔ وہ دو وقت کا فاقہ کیوں کر برداشت کریں گی ؟

(دروازے پر دستک ہوتی ہے)

جیون ۔ رتن ! دیکھو دروازے پر کون ہے ؟

(رتن دروازہ کھولتا ہے ۔ خاں صاحب دروازے پر کھڑے نظر آتے ہیں ان کے پیچھے اُن کا خادم ایک طشت اٹھائے کھڑا ہے ۔ طشت پر رومال پڑا ہے)

(جیون جلدی سے دروازے پر پہنچ جاتا ہے)

خانصاحب ۔ ذرا تکلیف دی
جیون ۔ میں حاضر ہوں خانصاحب !
خانصاحب ۔ بھائی ! (طشت کی طرف اشارہ کر کے) یہ لایا ہوں قبول کرو ۔
جیون ۔ خانصاحب ! آپ نے کیوں تکلیف کی ——— جیون
کی کر پا سے ہمیں سب کچھ حاصل ہے !

خانصاحب ۔ اس میں تکلیف کی کونسی بات ہے ۔ ہمسائے کو ہمسائے کی مدد کرنی چاہیئے (رندادیتے) کلو! ذرا آگے بڑھو اور چیزیں اتار دو ۔ جیون! چند برتن لے آؤ۔

جیون ۔ خانصاحب! آپ تکلیف نہ کریں ۔ میں خود کچھ نہ کچھ انتظام کروں گا ــــ

خانصاحب جیون کے الفاظ کاٹتے ہوئے ، تمہیں ہم سے نفرت ہے جو ایسی باتیں کرتے ہو؟

جیون ۔ رام ، رام ، یہ خیال کبھی نہ کیجئے خانصاحب! آپ تو غریبوں پر احسان کر رہے ہیں ۔

خانصاحب ۔ تو پھر پیارے لو بھائی! خدانخواستہ میری حالت تمہاری حالت ایسی ہو جائے تو کیا تم میری مدد نہیں کروگے ۔

جیون ۔ پرماتمہ نہ کرے آپ کی ایسی حالت ہو!

خانصاحب ۔ دنیا میں سب کچھ ممکن ہے ۔

(کلو رومال ہٹاتا ہے اور طشت دروازے کے اندر رکھ دیتا ہے دونوں بچے بھاگ کر وہاں آجاتے ہیں)

جیون ۔ خانصاحب! آپ نے بڑی کرپا کی ہے ۔

خانصاحب ۔ تو اب سوچ کیا رہے ہو بھائی ۔ برتن لاؤ ۔

(جیون وہاں سے ہٹ کر شامو کے پاس پہنچتا ہے ۔ شامو دروازے کی طرف پشت کئے بیٹھی ہے ۔ جیون اسے برتن دینے کیلئے کہتا ہے (وہ سر کی جنبش سے برتنوں کی طرف اشارہ کر دیتی ہے ۔ برتن لیکر جیون پھر دروازے کے پاس آتا ہے اور طشت سے پوریاں ، چاول ، بوٹیاں وغیرہ نکال لیتا ہے ۔ بچوں کی نگاہیں ان پر گڑی ہوئی ہیں

جیون ۔ حیران ہوں آپ کا شکریہ کیونکر ادا کروں؟

خانصاحب ۔ اور شکریہ ادا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میں نے حق ہمسائیگی ادا کیا ہے ۔ میں تمہاری جگہ ہوتا اور تم میری حالت میں تو کیا تم بحیثیت ہمسائے کے میری مدد نہ کرتے ۔ سوچو تو! اگر ہمسایہ ہی ہمسائے کی مدد نہ کرے تو اور کون کرے گا؟ شاید تم یہ سوچتے ہوگے کہ میں مسلمان ہوں اور تم ہندو ـــــ اس لئے ہمارے تمہارے درمیان بہت بڑی دیوار حائل ہے!

جیون ۔ خاں صاحب! میں ہندو مسلم کے سوال کو نہیں مانتا ۔ کارخانے میں ہم تمام مزدور ساتھ کھاتے ہیں ۔

خانصاحب ۔ وہاں صلح صفائی ہوئی یا نہیں!

جیون ۔ ابھی تو نہیں ہوئی ۔ کچھ دن میں ہو جائے گی ۔ کارخانے کے مالکوں نے ہمارے مطالبات ابھی پورے نہیں کئے ۔

خانصاحب ۔ وہ کیا کہتے ہیں؟

جیون ۔ وہ کہتے ہیں کہ پچھلے مہینوں کی جتنی تنخواہیں ہیں وہ نہیں دی جائیں گی! آگے کام کرو اور مزدوری لو ۔

خانصاحب ! تو یہ مطالبہ وہ مان جائیں گے؟

جیون ۔ امید تو ہے ۔ ہڑتال سے انہیں سخت نقصان پہنچ رہا ہے ۔

خانصاحب ۔ (رامو کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے) تمہیں بھوک لگی ہوگی؟

رامو ۔ خانصاحب! صبح سے کچھ نہیں کھایا

خانصاحب ۔ تو تم نے مجھ سے کیوں نہیں کہا؟

(رامو باپ کی طرف دیکھتی ہے)

جیون ۔ یہ ثریا کی سہیلی ہے ۔

خانصاحب ۔ ثریا تمہاری سہیلی ہے نا؟

رامو ۔ ہاں خانصاحب! ثریا میری بڑی اچھی سہیلی ہے!

خانصاحب ۔ مجھے تو کلو کی زبانی معلوم ہوا کہ تمہاری یہ حالت ہے یہ کہیں ادھر سے گزرا اور تمہاری باتیں اس کے کانوں میں پڑ گئیں ۔

بھائی! تمہیں چاہیئے تھا کہ مجھ سے مدد طلب کرتے۔ یہ تمہارا حق ہے اور میرا فرض! دیکھو بچوں کے چہرے آدھے بھی نہیں ہے۔ اب میں جاتا ہوں۔ جب تک ہڑتال جاری ہے۔ تم میرے مہمان ہو۔ صبح، شام میرے گھر سے کھانا آیا کرے گا!

جیون۔ خانصاحب! آپ ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں!

خانصاحب تمہیں شرمندہ ہونے کی بالکل ضرورت نہیں صبح نوکر آئے گا۔

جیون۔ بڑی کرپا۔

خانصاحب دیکھو تمہیں ہمت نہیں ہارنی چاہیئے۔ ہڑتال تین چار دن اور رہے گی۔ اس کے بعد تمام مصیبتیں دور ہو جائیں گی۔

جیون۔ ٹھیک ہے خانصاحب! پرماتما آپ کو اس کا اجر دے!

(خانصاحب چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد نوکر خالی طشت لے کر روانہ ہو جاتا ہے۔ ایک منٹ کے بعد جیون دروازہ بند کر دیتا ہے۔ بچے کھانا دیکھ کر خوشی کے مارے تالیاں بجانے لگتے ہیں۔

شامو۔ کتنا اچھا آدمی ہے ـــ لیکن مسلمان ہے!

جیون۔ مسلمان ہے تو کونسی برائی ہے۔ بیچارے نے کتنی ہمدردی کی ہے کہتا ہے جب تک ہڑتال ختم نہ ہو تم میرے مہمان ہو۔ اب اٹھو۔

شامو۔ آپ کھائیں بچوں کو کھلائیں ـــ ماتا جی شاید سو گئی ہیں۔ رامو۔ لیکن ماتا جی تو نہیں کھائیں گی!

(رامو دوڑتی ہوئی کوٹھری میں چلی جاتی ہے۔ دفعتاً نانی اسے باہر لاتی ہے۔

نانی۔ رامو کہتی ہے۔ تم نے کھانے کا انتظام کیا ہے!

جیون۔ ہم نے انتظام نہیں کیا، خود بخود ہو گیا ہے۔

نانی۔ کیوں کر؟؟

(جیون خاموش رہتا ہے)

رامو۔ نانی کانصاب دے گئے ہیں۔

نانی۔ کانصاب کون؟

رتن۔ وہی کانصاب، نانی! جو ہماری گلی میں رہتے ہیں۔

نانی۔ وہ مسلمان ـــ؟ اچھوت؟؟

رامو۔ کانصاب بڑے اچھے آدمی ہیں۔ ان کی لڑکی شیلا میری سہیلی ہے۔

نانی۔ تو وہ کھانا دے گیا ہے ـــ اور

جیون۔ کہہ تو دیا ہاں!

نانی۔ بیٹا رام رام کرو، اچھوت کے گھر کا کھانا کھاؤ گے ـــ مہاپاپ ـــ؟؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟

جیون۔ اس میں حرج کیا ہے۔ وہ ہمارا ہمسایہ ہے ـــ اور بھائی ہے!!

نانی۔ میری آنکھوں کے سامنے یہ بات نہیں ہو سکتی۔ دھرم بھرشٹ کرنا چاہتے ہو؟؟

رامو۔ (ماں سے)، ماتا جی! میں پوریاں بھی کھاؤں گی ـــ اور چاول بھی ـــ!!

رتن۔ اور میں بھی ماتا جی! ہمیں دیتی کیوں نہیں ہو؟؟

نانی۔ ٹھہرو (بچے سہم کر چپ چاپ کھڑے ہو جاتے ہیں) میرے سامنے یہ نہیں ہو سکتا۔ جب آنکھیں بند ہو جائیں تو جو جی چاہے کرنا!

جیون۔ ماتا! آپ بھی عجیب ہیں۔ یہ حالت نہیں دیکھتیں۔ آخر مسلمان بھی اسی ملک میں رہتے ہیں جس ملک کے ہم باشندے ہیں۔

نانی۔ پھر بھی اچھوت ہیں۔

جیون۔ اچھوت نہیں ہمارے بھائی ہیں۔

نانی۔ اچھوت ہمارے بھائی نہیں ہو سکتے ـــ اگر ایسی بات کرنی ہے تو میرا گلا گھونٹ دو۔ میرے مرنے کے بعد جو جی میں آئے کرنا۔

www.taemeernews.com

جیون ۔ ماتا! آپ نہ کچھ سمجھتی ہیں نہ سوچتی ہیں۔

نانی ۔ سمجھنے سوچنے والے تم جو ہو — ہوئے کانگرس والوں نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے!

جیون ۔ میں ہر مسلمان کو بھائی سمجھتا ہوں — پھر بھائی کی چیز کیوں نہ کھاؤں۔

نانی ۔ مجھے زیادہ بحث کرنی نہیں آتی — زیادہ بولو گے تو میں سر پٹک کر یہاں سے نکل جاؤں گی۔

۔ جو جی چاہے کرو —!

(نانی، پہلے دو برتنوں کو اٹھاتی ہے، اور ان کی چیزیں کھڑکی کی راہ سے نیچے پھینک دیتی ہے — پھر دوسرے برتنوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتی ہے۔

(شامو سر جھکائے رو رہی ہے۔ جیون غصے سے منہ دوسری طرف پھیرے ہوئے ہے۔ بچے تیزی سے، چارپائی پر چڑھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگتے ہیں۔ روٹیاں، سالن، چاول، پوریاں وغیرہ کیچڑ میں مل گئی ہیں)

شامو ۔ تو بچے کیا کریں۔ ان کا کسی کو خیال نہیں — تم لوگ انہیں بھوکا مارنا چاہتے ہو —

نانی ۔ اب تو انہیں سلا دو۔ صبح (ہاتھوں کی چوڑیوں کی طرف اشارہ کر کے) انہیں بیچ دیں گے اور کیا کریں —؟؟

(کوٹھری میں چلی جاتی ہے)

جیون دیکھی ماتا کی عقل —!

شامو ۔ بچوں کو بھوکا مارنا چاہتے ہو؟

جیون ۔ کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا — ماتا مسلمان کو پرش نہیں سمجھتی ہے!

شامو ۔ اب ہوگا کیا؟

جیون ۔ بازار جاتا ہوں — رات کے دس بج گئے ہیں اور پاس ایک پیسہ بھی نہیں! تم بچوں کو سلا دو۔

(جیون باہر چلا جاتا ہے۔ بچے وہیں کھڑے نیچے دیکھ رہے ہیں۔

شامو ۔ رتن! رامو!! ادھر آؤ۔

(دونوں بچے آتے ہیں۔ شامو کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ وہ محبت مادری سے مجبور ہو کر، ان کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگتی ہے) تمہارے پتا ابھی کھانا لیکر آتے ہیں۔

(بچے متحیرانہ نظروں سے ماں کو دیکھتے ہیں)

دوسرا منظر

(اسٹیج پر چند منٹ خاموشی طاری رہتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ غمگین آواز سنائی دیتی ہے۔ رامو اور رتن چارپائی پر لیٹے ہیں۔ ماں سر جھکا کر آنسو بھری آنکھوں سے ان کی چہروں کو دیکھ رہی ہے)

رامو (عالم نیم ہوشی میں) پوریاں — چاول —!!

رتن (اسی عالم میں) ماتا — پتا جی مٹھائی لے آئے — مٹھائی — پوریاں۔ بھوک — ک —!!

رامو ۔ پوریاں، چاول —

(شامو اپنا ہاتھ رامو کی پیشانی پر رکھتی ہے۔ پیشانی بخار سے تپ رہی ہے۔ ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں — پھر وہ اپنا ہاتھ رتن کی پیشانی پر رکھتی ہے۔ وہ آنکھیں کھول دیتا ہے — اور اٹھ بیٹھتا ہے۔

رتن ۔ مٹھائی — پوریاں — کہاں ہیں۔

شامو (اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) وہ ابھی آ جائیں گے، ذرا ٹھہرو۔ (رتن مایوس ہو کر پھر لیٹ جاتا ہے — پردہ گرتا ہے — بچوں کی تکلیف آہ زبرابر آ رہی ہے —)

www.taemeernews.com

آپ کے ابھی ہندوستانی دولت مند لوگ اپنے ملکی علوم و فنون اور ادب کی سرپرستی کی طرف گھوڑ دوڑ کی وجہ سے متوجہ نہیں ہیں، اس لئے یہ دیوان ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اس لئے آپ اس کی بحث کو معلوم نہیں کر سکتے۔ خلاصہ اس لئے پیش کرتا ہوں کہ آپ کے رسالہ میں میرے اوپر کافی اعتراضات ہوجائیں تو غزل گوئی سے نجات ملے کیونکہ جب تیس برس کی مشق مضمون نگاری سے بجز اعتراضات کے کچھ نہ ملا تو اس شاعری سے کیا ملیگا۔

ہاں تو غزل پر میرے اعتراضات یہ ہیں۔

۱۔ غزل میں حسن و عشق کے اشعار کیساتھ ہی حکمت، فلسفے، معرفت اور تصوف مجاز و حقیقت اور نعت کے اشعار کہنا قطعاً غلط ہے۔

۲۔ رقیب کا کردار قوم میں بے شرمی بے حیائی اور بے غیرتی کے امور داخل ہوتا ہے اس لئے خارج۔

۳۔ بھری محفل میں محبوب سے گفتگو یا اس کا رونق افروز ہونا بے حیائی اور بازاری پن ہے اس لئے غزل سے محفل بھی رخصت۔

۴۔ ہجر و فراق کے ناقابل فہم مصائب و آلام کے بیان کرنے سے قوم میں یاس و ناامیدی، افسردگی اور بے چارگی کی خو پیدا ہوتی ہے اس لئے اور اس لئے کہ محبوب اگر صحیح محبوب ہے تو ہجر میں وہ صدمات نہیں ہوتے جو بیان کئے جاتے ہیں لہذا ہجر و فراق بھی خارج۔

۵۔ حسن و عشق میں یہ شکاری مصطلحات بھی غلط یعنی تیر و نشتر، بسمل زخمی اور مقتول وغیرہ وغیرہ، حشر میں ایک گنہ دست عشق کی فریاد شہ پاک کے دربار کی توہین ہے اس لئے غزل سے حشر و محشر بھی خارج۔

۶۔ انسان ست، چونکہ دو خانہ بن کر صیاد کے پنجرہ میں بند ہو جانا اور گھونسلے میں بیٹھ کر بجلی گرنے کی فریاد کرنا سب خلاف عقل لہذا خارج۔

غرض اسی نوع کے اعتراضات ہیں جو موجودہ غزل کے اوپر عائد ہوتے ہیں اس لئے میں نے اپنی غزل سے ان تمام خرافات کو دور کر دیا ہے جو میرے دیوان کی اشاعت پر معلوم ہوں گے فی الحال ایک تازہ غزل حاضر ہے خدا کرے اس پر بھی اعتراضات ہوجائیں، باقی سب خیریت ہے خورد و کلاں کو درجہ بدرجہ سلام اور ہاں کبھی سینٹ جانس کالج آگرہ ہی میں مل جائے تو وہاں میرے چھوٹے بھائی محبوب حسن خاں بی اے، ایل ایل بی، حال متعلم ایم اے کلاس کو ڈھونڈھ کر اتنا کہہ دیجئے گا کہ تم کو بچے بہت زیادہ یاد کرتے ہیں زیادہ حد ادب، محترمی سیماب صاحب کو سلام۔

ملا رموزی کی غزل

میں خود کو بے اختیار کہہ دوں، کہو تو میں بار بار کہہ دوں
مگر جو تہذیب حسن کہہ دے تو تجھ کو بھی بیقرار کہہ دوں
میں تیری دوشیزگی کو جنت کا ایک تازہ نگار کہہ دوں
تری ادا کو بہار کہہ دوں، نگاہ کو نو بہار کہہ دوں
وہ دیکھ کر مسکرا رہے ہیں شراب ہی کے خمار میں ہیں
اب اس پہ بھی تو کہو تو زاہد میں خود کو پرہیزگار کہہ دوں
پلا دو اس طرح کی پلا دو کہ کانپتا میں ہوں تیری پی کر
یہ نشہ اتنا بڑھا دو ساقی کہ خود کو پروردگار کہہ دوں
کبھی تو تصویر کھینچ دوں میں جو تیری ذات برگزیدہ
جو تیری تیور چھپا رہے ہیں کہو تو وہ آشکار کہہ دوں
میں تیرا ہر راز دوستوں سے جو کہہ رہا ہوں تو جی کا ہو
تو ذرا سی کہہ دی تو تیری در سے میں خود کو اک داغدار کہہ دوں
وہ دیکھ اک حسن آ رہا ہے جھجک جھجک کر لجا لجا کر
خفا نہ ہو تو اسی رموزی کے نسب کا شاہکار کہہ دوں

مرد اور عورت

از ـــ محترمہ مسز حجاب امتیاز علی

"گرجتے ہوئے پانی کے پاس دو آدمیوں کا چپ چاپ محض ایک دوسرے کی موجودگی سے باخبر کھڑا ہونا کس درجہ کیف آور ہوتا ہے!

ہاں اور پھر ایسے دو آدمیوں کا، جن کے ہونٹ اگر سکوت سے الگ ہوں تو صرف اظہارِ عشق کیلئے کھل گئے:

دو لمحے سکوت طاری رہا۔ پھر شیریں نے اپنی متبسم نظریں گرجتے ہوئے سفید پانی کی چادر پر جما کر پوچھا "فرہاد! تمہیں اس آبشار کو دیکھ کر کس بات کا خیال آتا ہے؟"

"اپنے دل کا۔"

فرہاد کے سینے پر ہاتھ رکھ کر شیریں بولی "اپنے دل کا؟ وہ کیوں؟"

"دل کا جس میں آبشار کی طرح محبت کا چشمہ ابل رہا ہے!"

"بس اتنا؟ ——" شیریں ایک آہ بھر کر بولی "مگر مجھے تو فرہاد یہ مسلسل گرنے والا پانی اپنی آنکھیں اور اپنے آنسو یاد دلا رہا ہے۔ آنکھ میں آنسو نہ ہوں تو محبت اک بے رنگ کھیل ہے۔"

شیریں نے اپنی چمکیلی سیاہ آنکھیں اس کی نیلی نیلی سی آنکھوں کی طرف اٹھائیں۔

جنگل خاموش تھا۔ ڈوبنے والی دھوپ میں لمبے لمبے درختوں کے دراز سائے کانپ رہے تھے۔ جنگل کی آخری حدود میں کہیں دور اک ہُدہُد بیٹھا کچھ کہہ رہا تھا۔

شیریں نے دیر تک اپنی سیاہ آنکھیں فرہاد کی فیروزی آنکھوں سے ملا کے رکھیں پھر آہستہ سے بولی "ہم لوگ تخیل کے باشندے ہیں خواب کی سی باتوں میں زندگی کا قیمتی وقت ضائع کرنے کے عادی کبھی تم نے نہیں سوچا فرہاد؟ جب موسمِ گل رخصت ہو جاتا ہے تو پھر بلبل کیا کرتی ہے؟"

فرہاد چونک پڑا "شیریں! تمہارا خیال ہے ایسی تنہائی اور خوش نصیبی کا وقت ہم پر بھی آنے والا ہے؟ دیوانی لڑکی! مجھ پر نظر ڈالو میرے مضبوط اور چٹان جیسے بازو انہیں خانگی پیچیدگیوں کے جال سے کھینچ کر نکال لیں گے میرے عشق کی آنچ تمہارے رشتہ داروں اور ہمارے مخالفین کے دلوں کو پگھلا دے گی۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا، جب بھی شیریں! تب گرم موسم کی ایک ایسی چاندنی رات میں جب ایشیا کا نارنجی چاند نیلے آسمانوں پر چمک رہا ہوگا اور یاسمین کی کلیوں کی خوشبو گلستانوں کو مہکا رہی ہوگی تمہارے دریچے کے نیچے آکر کھڑا ہوں گا۔ میرے گیت کا ہر ہر بول تم سے محبت کی بھیک مانگے گا۔"

"اور پھر کیا ہوگا؟" شیریں نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

فرہاد مسکرایا "اور پھر؟ —— ہم اس ناپاک شہر سے جہاں غیروں کے نفس کا زہر ہماری محبت کی فضا کو دھندلا کر رہا ہے ہمیشہ کیلئے کہیں نکل جائیں گے!"

"مگر! ——"

شیریں کا جملہ ختم نہ ہوا تھا کہ سورج ڈوب گیا [illegible]

ہوتے ہوئے کسانوں کے بیلوں کی گھنٹیوں کی آواز اس سکوت میں خلل انداز ہونے لگی

دونوں کو بادل ناخواستہ جدا ہو جانا پڑا۔

چھ سال بعد اسی جنگل میں اسی آبشار کے پاس ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں میں پھر دو آدمیوں کی ملاقات ہوئی۔ جنگل جوں کا توں تھا فرق تھا تو صرف اتنا کہ کہیں نئی بیلیں اُگ آئی تھیں کہیں پرانے درخت گر پڑے تھے۔

"ایں ——— " شیریں نے خواب کے سے لہجے میں حیران

ہاں۔ کیا تم مجھے جانتی ہو؟!"

نہیں!؟ ——— ہاں اچھی طرح۔ اگر میری آنکھیں غلطی نہیں کرتیں تو میری زندگی کا خو . . . اور میرے خوابوں کی تعبیر تمہیں تو ہو۔"

"ہا" فرہاد نے کہا۔

"ہائے! کیا تم زندگی کے رُخ پر اک ہوئے کو منتا ہوا چھوڑ کر نہ چلے گئے تھے؟ ہاں چھ سال پہلے؟ اسی جنگل۔ اسی مقام پر؟

مجھے کچھ یاد نہیں آتا۔ مجھے ماضی سے دلچسپی نہیں۔ مستقبل کی باتیں کرو۔"

"مجھے مستقبل سے دلچسپی نہیں۔ میں ماضی پرست ہوں" شیریں نے ایک لمبی آہ بھر کر کہا۔

"مجھے تو کچھ یاد بھی نہیں آتا" فرہاد نے حیران ہو کر کہا۔

شیریں نے رو کر کہا "ان خاموش درختوں اور اس گرجنے والے پانی سے پوچھو۔ چھ سال پہلے ——— اسی انجیر کے درخت کے نیچے؟ ——— "

یکایک فرہاد چونک پڑا۔ دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے بیتابانہ بڑھا۔ ہائے۔ میری شیریں! میری محبت محبت۔ تم ہو؟ مجھے یاد آگیا۔ اب میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ ان چھ سالوں میں میری بیتاب محبت تمہیں کتنا پکارتی رہی۔ تم کہاں چلی گئی تھیں؟ پہلے یہ تو کہو کیا تمہیں اب بھی مجھ سے محبت ہے؟"

کانپتے ہوئے لہجے میں شیریں کی آواز گونجی "محبت؟ کیا تمہارا خیال ہے کہ چھ سال کے قلیل عرصے میں پتھر پر کندہ کئے ہوئے حروف مٹ جائیں گے؟ صدیاں گذر جائیں یہ نقوش مٹنے والے نہیں۔"

"مگر شیریں۔ میں اس قابل نہیں۔ کیونکہ ان چھ سالوں میں تمہاری محبت کی دیوانگی میں میں نے کیا کچھ نہ کیا۔ محض تمہیں بھلانے کی خاطر۔ لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ میں تمہاری معصوم محبت کے قابل نہیں رہا۔ میں گنہگار ہوں"

"مگر فرہاد۔ تمہارے گناہ کے خوفناک ہاتھ میری محبت کے نقوش کو نہیں مٹا سکتے۔"

فرہاد نے آہ بھری "شیریں میں یقین دلاتا ہوں میں اب تمہاری محبت کے قابل نہیں رہا۔ ہائے چھ سال کی گناہوں میں ڈوبی ہوئی زندگی! شیریں! تم بہت پاک ہو۔ میں بہت کثیف ہوں۔ تم دیوی ہو۔ میں پجاری بننے کے قابل بھی نہیں۔"

"مگر میری معصوم محبت کا جذبہ تمہاری گناہوں کی زندگی کو ختم کر دے گا۔ تمہاری لغزشیں اور تمہاری کمزوریاں میری محبت کے جنوں کو کم نہیں کر سکتیں۔"

فرہاد پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ "ہائے اللہ! بلند آسمان! میں کیا کروں؟ شیریں میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں کہ میں دنیا کا بدترین

انسان ہوں۔ صاف صاف کہہ دوں؟ میں بے وفا ہوں۔ شیریں۔ ان چھ سالوں میں میں نے کئی بار تم سے بے وفائی کی ——— آہ میری جان!"

شدید احساس ندامت نے اس کی آنکھیں بند کر دیں۔

شیریں نے ان الفاظ کو سن کر تکلیف محسوس کی۔ مگر ضبط کر کے بولی "ہاں مجھے معلوم تھا کہ یہ سب کچھ ہوگا۔ مگر فرہاد! تمہاری بے وفائیاں بھی میری محبت کو کم نہیں کر سکیں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تم دنیا میں سوائے میرے کسی سے بھی محبت نہیں کرتے"

فرہاد بیتاب ہو کر بولا "شیریں یہ حقیقت ہے۔ ان چھ سالوں میں میں نے بیسیوں لڑکیوں سے اظہار محبت کیا۔ مگر محبت نہیں کی۔ مرا دل ہمیشہ تمہیں پکارتا رہا۔ میرے دل کی آواز تم رہیں۔ شیریں میں تمہارے بغیر اک لمحہ بھی زندہ نہیں رہنا چاہتا"

شیریں مسکرائی "مجھے معلوم تھا کہ محبت تم مجھی سے کر سکتے ہو۔ انسان دنیا میں ایک ہی دفعہ محبت کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ مرد بھی!"

"اچھا شیریں۔ تم بتاؤ۔ ان چھ سالوں میں تم پر کیا گذری؟"

شیریں لرزتے ہوئے لہجے میں بولی "نہ پوچھو کیا گذری۔ مگر فرہاد میں بھی تمہاری خطاوار ہوں"

فرہاد کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"ان چھ سالوں میں اک لمحہ کے لئے بھی تمہاری یاد میرے دل سے محو نہیں ہو سکی۔ مگر ایک دن میں اک چشمے پر اپنے بال دھو رہی تھی کہ اک نوجوان اپنے سفید گھوڑے پر نہر کے کنارے سے گذرا میں نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ بڑی میٹھی مسکراہٹ تھی مجھے تمہارا خیال آگیا۔ تم بھی کبھی ایسے ہی مسکراتے تھے۔ اس خیال کیساتھ میرے ہونٹوں پر بھی اسے دیکھ کر مسکراہٹ آ گئی۔ اور دل پر اک برچھی سی لگی۔ بس فرہاد۔ ان چھ سالوں میں مجھ سے یہی اک لغزش ہوئی"

فرہاد کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ وہ دانت پیس کر بولا "بے وفا عورت! تو میرے قابل نہیں ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے سے دور ہو جا"

رباعی

برہمن کی نگاہ دیکھ لیتا ہوں میں
قلب پر واہ دیکھ لیتا ہوں میں
پڑتی نہیں اپنے عیب پر میری نظر
اوروں کے گناہ دیکھ لیتا ہوں میں

حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ

www.taemeernews.com

حیدرآباد اور نیپال کی جشنِ سیمیں

از ——— جناب سید محمود مورخ ایم اے مدیر گلفروش دہلی

ماہ مارچ ۱۹۳۷ء میں سلطنت برطانیہ کی دو نیم خودمختار ریاستوں حیدرآباد اور نیپال نے اپنے اپنے تاجداروں کی سلور جوبلیاں منائیں۔ بیسویں صدی کی دنیا کو متمدن اور ترقی یافتہ کہا جاتا ہے۔ ہر طرف شخصی حکومتوں کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ جمہوریت کا ہر سو دور دورہ ہے۔ مگر ابھی تک ہندوستان کے سرحدی علاقوں کے باشندے سیاسی۔ معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے لحاظ سے متمدن کہلانے کے مستحق نہیں۔ تبت میں ابھی تک لاماؤں کی ہی حکومت ہے۔ اسی طرح اہل نیپال اپنے حکمراں کو دنیا میں خدا کا نائب مانتے ہیں۔ جس طرح تبت میں دینی اور دنیاوی حکمراں الگ الگ ہیں بالکل اسی طرح نیپال میں بھی حکمراں تو راجہ ہی ہے لیکن عنان سلطنت دراصل وزیر اعظم کے ہاتھ میں ہوا کرتی ہے۔ جو ایک طرح سے خود مختار ہوتا ہے۔ بادشاہ کو صرف شاہ شطرنج جیسی حیثیت حاصل ہے۔ نیپال کا موجودہ حکمراں پانچ برس کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا اس نے امسال اپنی سند نشینی کی سلور جوبلی بڑے تزک و احتشام سے منائی۔ اس زمانہ میں زائرین نیپال نے بالکل مفت سفر کیا۔ بہت سے قیدیوں کو اس خوشی میں رہا کر دیا گیا۔ اور سب سے زیادہ قابل اعتنا بات یہ ہے کہ اہل نیپال کو ایک ہفتہ تک بازار حسن اور جوئے خانوں، اور بادہ نوشی کی عام اجازت مل گئی۔ اس ایک ہفتہ میں منوں نہیں بلکہ ٹنوں شراب اہل ملک نے پی اور خوب رنگ رلیاں منائیں۔ جشنوں۔ جلوسوں اور رنگ و ڈھنگ میں دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔

اب ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد دکن کے تاجدار کے جشن سیمیں پر بھی نگاہ ڈال لیجئے۔ یہ جشن درحقیقت ۱۹۳۶ء میں منایا جانا چاہئے تھا مگر شہنشاہ جارج پنجم کی بے وقت موت کی وجہ سے اعلیٰحضرت خسرو دکن و برار نے جشن ملتوی کر دیا اور امسال ماہ فروری کے آخری ہفتہ میں منایا گیا۔ اعلیٰ حضرت دنیا کے سب سے زیادہ متمول آدمی ہیں۔ اس لئے مشرق و مغرب کے سرمایہ داروں کو توقع کیا یقین کامل تھا کہ اس مبارک و مسعود موقعہ پر ریاست کے خزانوں کا منہ کھول دیا جاوے گا اور اس قدر دولت خرچ کی جاوے گی کہ تاریخ میں ہمیشہ یاد گار رہے گی۔ اور اسی وجہ سے لنڈن اور امریکہ کے سرمایہ پرست اخباروں نے اعلیٰ حضرت کی دولت اور جشن کی تیاریوں کے متعلق ایسے ایسے شاندار اور دلاویز قصص و طول طویل افسانے شائع کرنے شروع کر دیے تھے کہ طلسم ہوشربا میں جن عالیشان جشنوں کا ذکر ہے وہ بھی اُن کے سامنے ماند پڑ گئے تھے۔ الغرض انگریزی اخباروں نے دنیا کو یقین دلانے کی سعی کی تھی کہ اس موقعہ پر خوب فضول خرچی کی جاسکے گی اور دولت پانی کی طرح بہائی جاوے گی۔ مگر جو لوگ اعلیٰ حضرت خسرو دکن و برار کی سادہ زندگی کفایت شعاری۔ خدا ترسی اور غربا پروری سے واقف ہیں وہ ایسے رنگین بیانوں کو پڑھ کر انگریزی اخباروں کی حماقت اور غلط بیانی پر ہنس دیا کرتے تھے۔ اور آخر جیسا دنیا کو معلوم ہے جشن سیمیں سے چند ماہ پہلے ہی خسرو دکن و برار نے اپنے متواتر فرمانوں سے سرمایہ پرستوں کی توقعات پر پانی پھیر دیا۔

ریاست حیدرآباد تو کیا مجھے یقین ہے کہ دنیا کی تاریخ میں یہ

www.taemeernews.com

پہلا واقعہ تھا کہ دنیا کے سب سے زیادہ امیر آدمی اور ایک بڑی سلطنت کے حکمراں نے اپنا جشن سیمیں نہایت سادگی سے منایا۔ اور فضول اور بیکار جلسوں، جلوسوں اور رنگ و رنگ پر روپیہ برباد کرنے کی بجائے مفاد عامہ کے کام کئے گئے۔ اس تاریخی جشن کی ابتدا خدا کے نام سے ہوئی اور یاد خدا پر ہی یہ جشن ختم ہو گیا اس زمانہ میں اعلیٰ حضرت نے نہایت سادہ لباس میں اپنی رعایا کیساتھ بارہا قادر مطلق و خالق کون و مکاں کے سامنے سجدے کئے اور خوشی کے وقت بھی اپنے مولا کو نہ بھلایا!

جہاں تک مجھے معلوم ہے اعلیٰحضرت قدر قدرت ہز اگزالٹیڈ ہائینس سر میر عثمان علی خاں بہادر لفٹنٹ جنرل جی، سی ایس، آئی جی سی، بی ای یار وفادار سلطنت برطانیہ کا جشن سیمیں منانے کیلئے ایک بااثر کمیٹی مہاراجہ یمین السلطنت بہادر صدر المہام باب حکومت سرکار عالی کی قیادت میں قائم کی گئی تھی۔ اس یادگار تقریب کو آئندہ نسلوں میں پائیدار بنانے کے لئے جلسے و جلوس اور حشم و خدم کے علاوہ بعض مفاد عامہ کے مستقل کاموں کی بنیاد ڈالی گئی۔ مملکت حیدرآباد کی زچاؤں کے آرام و سہولت کے لئے ایک اعلیٰ پیمانہ پر ہسپتال کی بنیاد رکھی گئی بیگم پیٹ کے نفسائی مستقر کا باضابطہ افتتاح اور نشر صوت کے نظام کی تکمیل کی رسوم انجام پائیں۔ یہ روشن کارنامے اعلیٰ حضرت کے ترقی پذیر اور پر حوصلہ دور حکومت کو ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رکھیں گے اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بافیض و برکت پچیس سالہ (دراصل چھبیس سالہ) دور حکومت کے بعض شاندار کارناموں پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے تاکہ اس جشن سیمیں کی اصلی قدر و قیمت سمجھ میں آسکے۔

اعلیٰ حضرت خسرو دکن دہرار ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۱۱ء کو سریر آرائے سلطنت ہوئے تھے۔ اس مبارک موقع پر آپ نے فرمایا! "میری سب سے بڑی خواہش ہمیشہ یہ رہے گی کہ میں اپنی رعایا کے لئے ایک منصف اور ہمدرد حکمراں ثابت ہوں" بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ اعلان محض زبانی نہ تھا بلکہ اس کا ایفا نہایت ہی فراخدلی اور عالی حوصلگی کیساتھ کیا گیا۔ اور آج خسرو دکن بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ آپ کے کارنامے صرف مملکت حیدرآباد ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں آب زر سے لکھے جائیں گے اور مفاد عامہ کے جس قدر مستقل کام اس دور ہمایونی میں انجام پائے اس قدر کسی بڑے سے بڑے تاجدار کے دور میں بھی مشکل سے نظر آئیں گے۔

اعلیٰ حضرت خسرو دکن دہرار کو بالکل بجا طور پر سلطان العلوم بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کو نہ صرف مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں پر قابل رشک عبور حاصل ہے بلکہ آپ نے ہندوستان کی قومی زبان اردو کی نشر و اشاعت میں وہ زریں خدمت انجام دی ہے کہ آپ کو حیات جاوید حاصل ہو گئی ہے۔ اردو زبان کی تاریخ لکھنے والا ہر مورخ و مبصر بہ الفاظ زریں آپ کے عدیم النظیر کارناموں کو لکھیگا۔ اور ہماری آئندہ نسلیں سلطان العلوم کا نام عزت و احترام سے لیں گی جامعہ عثمانیہ کا قیام اور اردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دینا ایک ایسی اولوالعزمانہ پیشقدمی ہے جو اپنی آپ ہی مثال ہے۔ اور آج اس جامعہ کا معیار اس حد تک بلند ہو چکا ہے کہ یہاں کے سند یافتہ ذہنی اور علمی ارتقا میں کسی بڑی سے بڑی یونیورسٹی سے پیچھے نہیں ہیں۔ برطانوی ہند کی تمام تر ترقیوں کے باوجود آج تک وہاں عوام کا یہ مطالبہ پورا نہ کیا جا سکا کہ اعلیٰ مدارج میں ذریعۂ تعلیم ملکی زبان ہو لیکن سلطان العلوم نے نہایت ہی عالی حوصلگی سے اس طرف قدم بڑھا دیا اور اس بے نظیر تجربہ کی کامیابی اور تدریجی نشو و نما نے یہ ثابت کر دیا کہ جو قدم آپ نے اٹھایا وہ بالکل مناسب اور برموقع تھا۔

اسی طرح عدالتی اور انتظامی اختیارات کی علیحدگی اس دور کا ایک درخشاں کارنامہ ہے جس میں مملکت حیدرآباد نے برطانوی ہند

سے آگے بڑھ کر قدم رکھا اور یہ شاندار انتظامی اصلاح تقریباً سولہ سال سے نہایت کامیابی کیساتھ جاری ہے۔

ملک حیدرآباد و برار میں پہلے سے بھی متعدد گھریلو حرفتیں چھوٹے چھوٹے پیمانہ پر موجود تھیں لیکن ضروریات زمانہ کے لحاظ سے ان کی ترقی کے راستے مسدود تھے۔ اور کارکنوں کی تنگ نظری اور مفلسی کے سبب سے ان کا نشو و نما رک گیا تھا لیکن اعلیٰ حضرت نے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد جب اپنی رعایا کی اقتصادی حالت سدھارنے کی طرف توجہ دی تو آپ نے ریاست کے خزانہ سے نیا خانہ اور دیگر ان حرفتوں کو منظم و مرتب کر دیا۔ اور انھیں ضروریات زمانہ کے مطابق کر کے نیست و نابود ہو جانے سے بچا لیا۔ بیدر کی صنعت کاری۔ سنگا ریڈی کا ریشم کاغذ سازی پیتل کا کام اور بہت سی دیگر صنعتیں خسرو دکن و برار کی توجہ سے نہ صرف زندہ ہیں بلکہ روز افزوں ترقی کر رہی ہیں۔

بیدر کی حرفت دنیا میں اپنی آپ نظیر ہے مگر قدامت پرستی کے باعث اس کا نشو و نما رک گیا تھا۔ مگر اعلیٰ حضرت کی فیض رساں توجہ کی بدولت آج دنیا کی دیگر حرفتوں کے مقابلہ میں سربلندی حاصل کرنے کیلئے مستعد ہے۔ محمود گاوان کے مدرسہ کی قدیم عالیشان عمارت میں ایک اسکول سرکاری خرچ پر کھول دیا گیا ہے جس میں بیدر کی حرفت کے نکات سکھائے جاتے اور طلباء کو ضروریات زمانہ سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دیگر حرفتوں کی ترقی اور نشو و نما کے انتظامات اعلیٰ پیمانہ پر کر دئے گئے ہیں۔ اور موجودہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق ریاست کے کارخانوں میں تیار کئے ہوئے مال کو بازار میں لانے اور نہایت وسیع پیمانہ پر ان کو مشتہر کرنے کے انتظامات بھی موجود ہیں۔ ایک سرکاری دوکان شہر حیدرآباد میں اسی غرض سے کھولی گئی ہے۔ اور حرفتوں کی سرکاری امداد کا انتظام مرتب اور مستقل طور پر جاری ہے۔

رعایا پروری اور حب وطنی کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی رعایا کو ضروریات زندگی کے لئے غیروں کا دست نگر نہ ہونے دیں۔ ہر چیز ریاست ہی سے تیار ہو تاکہ مزدوروں کو شکم پروری کا انتظام ہو سکے اور رعایا کی گاڑھے پسینے کی کمائی غیر ملکوں میں نہ جائے۔ دارالضرب عثمانیہ نام کو تو سرکاری سکے ڈھالنے کا کارخانہ ہے لیکن یہاں گھڑی کی سوئی سے لیکر ریل کے پل تک تیار ہوتے ہیں۔ لکڑی اور دھات کا ہر کام اس کارخانہ میں ہوتا ہے۔ اور یہ سب کام تازہ ترین ساخت کی برقی مشینوں سے ہوتے ہیں۔ مثلاً آہنی ٹنکیوں میں دھات گلانا۔ لوہے اور پیتل کے ظروف پر باریک نقش و نگار بنانا۔ الومنیم کے برتن ڈھالنا۔ لکڑی کے تختوں کو چیر کر خوبصورت اور اپ ٹو ڈیٹ فرنیچر تیار کرنا وغیرہ یہ سب کام زیادہ تر برقی قوت سے انجام پاتے ہیں۔ گویا یہں ہزاروں مزدور اس کارخانہ میں کام کر کے باعزت طریقہ سے روزی کماتے ہیں۔ اس کارخانہ کے متعلق ایک مدرسہ حرفت بھی ہے جہاں غریب بچوں کو لوہے لکڑی وغیرہ کا کام سکھایا جاتا ہے اور تربیت سے فارغ ہونے کے بعد پیشہ کے متعلق پورے اوزار دیکر رخصت کیا جاتا ہے۔

برطانوی ہند میں تو قوم پرست حضرات سودیشی مال اور خاص کر کھدر کے استعمال کی بانگ دہل موقع و محل دیکھے بغیر تلقین کرتے ہیں لیکن ان قوم پرستوں میں افراط انہیں حضرات کی ہے جو بدیشی مال استعمال کرنا اور بدیشی وضع کے کپڑے باعث افتخار جانتے ہیں یعنی ان کے فعل و قول میں تضاد ہونے کی وجہ سے ان کی کوشش ابتک پروان نہیں چڑھ سکی ہے۔ اور پھر الٹی ست کے لوگوں کی پیروی کرتے ہوئے وہ کھدر جیسے فضول کپڑوں کے استعمال پر زور دیتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی کامیابی ایک غیر ممکن بات ہو کر رہ گئی ہے اس کے علاوہ یہ زمانہ ترقی کا ہے۔ لیکن سودیشی کے مزید اہل ہند کو چرخہ کاتنے کی تعلیم دیکر شاہراہ ترقی سے دور ہٹا دینے پر آمادہ نظر آتے

www.taemeernews.com

ہیں۔ مگر اعلیٰ حضرت کو اس بات کا احساس ہے کہ اب اس بات کا وقت نہیں کہ گھریلو حرفتیں کارخانوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوسکیں اس لئے آپنے سرکاری خزانہ سے یکمشت اور مستقل امداد دے کر بہت سے کارخانے قائم کرائے ہیں جہاں تازہ ترین ساخت کی برقی مشینوں سے ضروریات زندگی تیار کی جاتی ہیں علاوہ ازیں آپ نے اپنی ذات سے دنیا کے حکمرانوں کے لئے ایک اعلیٰ مثال قائم کردی ہے۔ آپ کی سادہ زندگی میں غیر ملکی مال کے استعمال کی گنجائش ہی نہیں۔ آپ نے ہر مناسب موقعہ پر امرائے حیدرآباد کو یہی تلقین کی ہے کہ وہ دیسی مال استعمال کریں۔

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کو اردو زبان سے سچا عشق ہے۔ آپ ہر ممکن طریقہ سے اردو کو دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے ہم پلہ بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔ جامعہ عثمانیہ اور دار الترجمہ کا قیام اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ غلام ہندوستان کی پیشانی پر سے اس سیاہ داغ کو مٹانا چاہتے ہیں کہ غلاموں کی کوئی قومی زبان نہیں۔ دور عثمان کے آغاز سے پہلے اردو کا دامن علم و ادب کے خزانوں سے خالی تھا لیکن آپ کی توجہ سے یہ کمی بھی ایک بڑی حد تک پوری ہوگئی ہے اور اردو کے خزانے قدیم و جدید علوم کی نادر تصنیفات سے مالامال ہو رہے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں ایک بات ضرور حیرت انگیز ہے۔ ہم اس معمہ کو حل کرنے سے قاصر ہیں کہ دار الترجمہ کی شائع کردہ کتابوں کو کنجوس کے مال کی طرح کیوں اب تک چھپایا گیا ہے۔ دار الترجمہ کے قیام کا اصلی مقصد اردو کی نشو ونما اور نشر و اشاعت ہے مگر جب اس کی شائع کردہ کتابوں سے عوام اور خاص کر برطانوی ہند کے اردو داں حضرات مستفید نہ ہوسکیں تو یہ محمود مقصد کس طرح پورا ہوسکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو ان کتابوں کو بازار میں لانے کا کوئی انتظام ہے اور نہ ان کو مشتہر کرنے کا۔ اسی وجہ سے اردو داں حضرات کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کون کون سی گران بہا کتابیں اردو میں منتقل ہوچکی ہیں اور کہاں سے اور کس قیمت پر مل سکتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کو چاہیئے کہ اس کمی کو پورا کرنے کی طرف فوری توجہ دیں تاکہ دار الترجمہ کے قیام کا مبارک مقصد فوت نہ ہونے پائے۔

زراعت کی ترقی اور آبپاشی کے انتظامات کے لحاظ سے بھی دور عثمانی قابل یادگار رہے۔ عثمان ساگر اور حسین ساگر وغیرہ کے علاوہ نظام ساگر کا بند جس میں دریاؤں کے پانی کو روک کر آبپاشی کی نہروں میں ڈالا گیا ہے چار کروڑ کے خرچ سے تعمیر ہوا ہے۔ اس عظیم الشان بند کی بدولت لاکھوں ایکڑ اراضی سیراب ہوتی ہے۔ لیکن ان سب سے زیادہ دلچسپ کھاد بنانے کا کام ہے۔ شہر کے فضلہ کو نتھار کر ریتلی کھاد تیار کی جاتی ہے۔ اور نہر کے ذریعہ سے آبپاشی کی نہر کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑے رقبہ کو سیراب اور زرخیز بناتی ہے۔

اعلیٰ حضرت خسرو دکن دربار کو عالیشان اور خوبصورت عمارتیں تعمیر کرانے کا بھی بہت شوق ہے اور اس لحاظ سے آپ کو اپنے دور کا شاہجہاں کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آپ نے شہر حیدرآباد کو عروس البلاد بنا دیا ہے آپ کے دور مبارک میں متعدد خوبصورت اور عالیشان عمارتیں تعمیر ہوئی ہیں۔ اور بہت سی زیر تعمیر ہیں بادشاہ کے اس شوق نے رعایا کو بھی خوبصورت عمارتوں کا شوقین بنا دیا ہے چنانچہ شہر حیدرآباد کی چھوٹی سی چھوٹی عمارت میں بھی ایک خوشنمائی پائی جاتی ہے سرکاری محکمہ آرائش بلدہ اس کوشش میں سرگرم ہے کہ ہندوستان کے اس چوتھے سب سے بڑے شہر کو ظاہری حسن و خوبی اور صفائی کا بہترین نمونہ بنا دے۔

اعلیٰ حضرت حاتم ثانی واقع ہوئے ہیں۔ آپ کے دست فیض سے صرف مملکت حیدرآباد کے علما و غربا مستقل امداد پا رہے ہیں۔ بلکہ اس چشمۂ فیض سے برطانوی ہند کے سیکڑوں ادارے، علما و غربا سیراب ہو رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی حد درجہ آپ منصف مزاج اور بے تعصب ہیں۔ ہر مذہب کے لوگوں کو ایک نگاہ سے دیکھ

آپ کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اگر آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کو مستقل مالی امداد فرمائی ہے تو ڈاکٹر ٹیگور کے مدرسہ کی بھی نہایت فراخدلی سے مدد کی ہے۔ آپ نے اپنی مملکت میں گائے کو ذبح کرنے کی ممانعت کر دی ہے تاکہ ہندو رعایا کی دل آزاری نہ ہو۔ اسی طرح آپ نے ماہ محرم میں سر بازار ماتم داری کو بھی جرم قرار دیا ہے تاکہ سنی شیعہ فساد نہ ہو سکیں۔

اس جگہ اگر ہم مملکت حیدرآباد کے مالیہ کی ترقی کا ذکر نہ کریں تو یقیناً یہ بیان نامکمل رہ جائے گا کیونکہ کسی ملک یا قوم کی ترقی کے لئے سب سے پہلے روپے کی ضرورت ہے۔ لیکن جب اعلیٰ حضرت نے زمام حکومت ہاتھ میں لی تو خزانۂ عامرہ خالی تھا اور میزانیہ آمد و خرچ کا توازن بے حد دشوار نظر آ رہا تھا۔ اس لئے آپ نے سب سے پہلے اس شعبۂ حکومت کی طرف توجہ کی اور پانچ سال کی محنت شاقہ کے بعد نہ صرف میزانیہ کو متوازن کیا بلکہ کروڑ روپیہ کی رقم محفوظ بھی جمع کر دی جو بعد کی اولوالعزمانہ سرگرمیوں کی پشت پناہ رہی۔ اس سلسلہ میں سر اکبر حیدری وزیر مالیات کے کارناموں کا ذکر نہ کرنا سراسر ناانصافی کے مترادف ہوگا۔ سر اکبر حیدری کو دنیا نے ماہر اقتصادیات تسلیم کر لیا ہے۔ سر اکبر نے اعلیٰ حضرت کو میزانیہ کے متوازن کرنے میں قابل یادگار مدد دی۔ اور جشن سیمیں کے موقعہ پر اعلیٰ حضرت نے سر اکبر کی ان ہی خدمات کا اس طرح اعتراف کیا ہے کہ سر اکبر کو وزیر اعظم مقرر کر دیا ہے۔

مذکورۂ بالا سطور کے مطالعہ سے دور عثمانی میں مملکت حیدرآباد کی گوناگوں ترقیوں کی ایک ہلکی سی تصویر آپ کی نظروں کے سامنے آ گئی ہوگی۔ اسی لئے اس دور خیر و برکت کے جشن سیمیں کے مبارک و مسعود موقعہ پر ہم اعلیٰ حضرت خسرو دکن و برار کی خدمت میں بصمیم قلب مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور قادر مطلق سے دعا ہے کہ آپ کو ایسی بہت سی تقریبیں دیکھنے کا موقعہ ملے۔ اور آئندہ ہم یا ہماری اولاد آپ کو گولڈن جوبلی اور ڈائمنڈ جوبلی کی تقریبوں پر مبارکباد پیش کر سکیں۔

مکمل شاعر

از ——— حضرتِ حاجی سرحدی

فطرتِ حسن کی اک ایک ادا سے واقف
جذبۂ عشق کے ہر طرزِ طلب کا ماہر

خوش بیاں، خوش نظر و خوش دل و خوش خلق
اک گلستانِ محبت کا خوش الحان طائر

بندۂ حسن بھی، آزاد بھی، خوددار بھی ہو
خود ہی مسحور ہو اور خود ہی مکمل ساحر

اک طرف جلوہ ہو اور ایک طرف ذوقِ نظر
خود ہی منظر بھی ہو اور خود اس کا ناظر

نظر میں معدوم ہو لا درد کا ارماں موجود
دل تو پہلو میں نہ ہو اور طبیعت حاضر

اضطرابِ دلِ سکوں کی ہو مکمل تصویر
دل پہ قدرت نہ ہو جذبوں پہ ہو لیکن قادر

خود ہی مضمون ہو اور خود ہی ہو مضمون نگار
خود فسانہ ہو اور خود ہی ہو ناظم ناثر

اور بہر واقفِ اسرارِ خفی ہو حاجی
میرے نزدیک تو بس وہ ہی مکمل شاعر

معاملات

از ——— حضرت احسان دانش کاندھلوی

جس دن سے تصور میں تو نے مجھے جا دی ہے ۔۔۔ پلکوں نے ستاروں کی تسبیح بنا دی ہے
الفت کی گھٹا ایسی چھائی چمنِ دل پر ۔۔۔ تسکین کے غنچوں میں اک آگ لگا دی ہے

———

بھاتی نہیں دنیا کی اب کوئی ادا مجھ کو ۔۔۔ راس آتی نہیں مطلق محفل کی ہوا مجھ کو
درگاہِ خدا کو یوں دیکھا ہے خدا اچھا ۔۔۔ شاید کہ ترے در تک لیجائے خدا مجھ کو

———

راحت کی مصائب میں تلقین نہیں ہوتی ۔۔۔ کرتا ہوں مگر دل کی تسکین نہیں ہوتی
جب عقل الجھتی ہے کہتا ہے جنوں اٹھ کر ۔۔۔ الفت کبھی پابندِ آئین نہیں ہوتی

———

میں یہ بھی سمجھتا ہوں ملنا ترا مشکل ہے ۔۔۔ میں کب ترے قابل ہوں گو تو مرے قابل ہے
قانونِ محبت میں یہ فرق نہیں لیکن ۔۔۔ میں جوہرِ قابل تو آئینۂ قابل ہے

———

کیا رنگ دکھائیگی تقدیر خدا جانے ۔۔۔ دونوں کی ہے کیسی تصویر خدا جانے
دیکھا تو ہے دونوں نے اک خوابِ پریشانی ۔۔۔ اُس خواب کی کیا نکلے تعبیر خدا جانے

———

گردوں کی نظر دیکھی، دنیا کے ستم دیکھے! ۔۔۔ تقدیر کے میدان سے تدبیر کے رم دیکھے!
احباب کی خو دیکھی، خویشوں کی وفا دیکھی ۔۔۔ بیدرد عزیزوں کے الطاف و کرم دیکھے!

———

مجبور بتاتے ہیں مجبورِ نظر ہم کو ۔۔۔ بے نور سمجھتی ہے، بے نورِ نظر ہم کو
ہم کیا ہیں ہمارے دل کس نور کے حامل ہیں ۔۔۔ دیکھے تو محبت سے مسحورِ نظر ہم کو

———

حوروں کی نگاہیں ہیں ایوانِ محبت پر ۔۔۔ آنسو ہیں فرشتوں کے دامانِ محبت پر
جتنے بھی صحائف ہیں ابوابِ محبت ہیں ۔۔۔ ایمان ہے خالق کا قرآنِ محبت پر

ثمرات

از ——— حضرت نہال سیوہاروی

ہوں کالبدِ خاک میں مہماں کوئی دن اور
قسمت میں ہے پابندیٔ زنداں کوئی دن اور

ہے دفترِ عالم کو ضرورت ابھی میری
کرنی ہے مجھے خدمتِ عنواں کوئی دن اور

رحم آئے گا کب تک نہ انھیں گردشِ تقدیر
رہنے دے مجھے بے سروساماں کوئی دن اور

آنے ہی کو ہے موسمِ گل خیر منا لے
داماں کوئی دن اور گریباں کوئی دن اور

ہے سلسلۂ وسعتِ آفاق میں کیوں گم
اپنے کو پرکھتا نہیں انساں کوئی دن اور

تم کام یونہی مشقِ تغافل سے لیے جاؤ
پوچھو نہ میرا حال پریشاں کوئی دن اور

میں مضطربِ دید ہوں، وہ اس سے ہیں بیزار
کیا ہو، جو یہ مشکل نہ ہو آساں کوئی دن اور

اے ابر یونہی قطرہ فشاں رہ ابھی کچھ روز
میخواروں پہ ہوتا رہے احساں کوئی دن اور

آمادۂ رخصت ہے مرا عہدِ جوانی
خاطر کا لہو جوش سے ارماں کوئی دن اور

وہ اور وفا، یہ بھی بہت ہے جو رہے یاد
یہ قول، یہ اقرار، یہ پیماں کوئی دن اور

کچھ روز ٹھہر اور بھی اے شمعِ شب افروز
پُرنور رہے میرا شبستاں کوئی دن اور

اے بادِ چمن ہوتی اسیروں پہ نوازش
رہتی جو یونہی غالیہ افشاں کوئی دن اور

کیوں روکشِ عالم ہے نہالِ جگر افگار
رہنا تھا نوا سنج و غزل خواں کوئی دن اور

جادوگر

از ـــــــ حضرت ایم اسلم

میں اور حامد، کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ شام ہو چکی تھی اور نیلا نیلا آسمان خوب نکھرا ہوا تھا۔ جنوب مشرق کی جانب عارض فلک پر ایک چھوٹا سا ستارہ کچھ اس طرح چمک رہا تھا جیسے کسی حسینہ کے ماتھے پر بندی۔ ہوا تیز تھی اور لیمپ کی بتی نسیم صحرا کی چھیڑ چھاڑ سے سر دھن رہی تھی۔

حامد بولا۔

کوئی نیا ریکارڈ تو نہیں لائے؟

"ہاں! میں نے جواب دیا "ایک دو لایا تو ہوں۔ سنو گے؟"

"ضرور!"

گراموفون کمرے میں رکھا تھا۔ میں اٹھ کر اندر گیا اور اسے چابی دینے لگا۔ حامد بھی اٹھ کر اندر آ گیا۔ میں نے ریکارڈ رکھا ہی تھا کہ لیمپ گل ہو گیا۔ ساتھ ساتھ ہی دو ایک چمگادڑیں بھی کہیں سے اندر گھس آئیں اور لگیں اندھیرے میں فراٹے بھرنے۔

"لے خدا کیلئے بتی روشن کرو جلدی! حامد نے ذرا خوفزدہ ہو کر کہا۔

"ہاں کرتا ہوں" میں نے جواب دیا۔

یہ کہہ کر میں دیا سلائی تلاش کرنے لگا۔ حامد پھر بولا۔

"میرے یار روشنی کرو گے بھی یا نہیں"

"بھئی! میں نے کہا۔ "گھبراتے کیوں ہو۔ دیا سلائی تلاش کرتا ہوں"

"جہنم میں گئی تمہاری دیا سلائی" حامد جھنجھلا کر بولا۔

"اگر جہنم میں گئی" میں نے ہنس کر کہا۔ "تو بس دوسری بازار سے ہی منگوانی پڑے گی"

"اتنے میں میرا نوکر آ گیا۔ اور اس نے لیمپ روشن کر دیا۔ حامد کمرے کے ایک کونے میں دبکا بیٹھا تھا۔ میں نے ہنس کر کہا

"کوئی بھوت تو نہیں گھس آئے تھے۔ جو تم یوں دبکے بیٹھے ہو۔

"چمگادڑیں جو تھیں" حامد بولا۔

"چمگادڑیں! میں نے تعجب سے کہا۔ "پھر کیا!

میری تو ان سے روح کانپتی ہے" حامد نے کہا۔

"بڑے بزدل ہو تم" میں نے ہنس کر کہا

"بزدل نہیں! حامد بولا

"تو احمق بھی" میں نے پھر ہنس کر کہا

"احمق تو تم ہو" حامد بولا۔ "جو دوسرے کی سنتے نہیں اور اپنی ہی ہانکے جاتے ہو"

"تو کیا! میں نے کہا۔ "کبھی چمگادڑیں چمٹ بھی گئیں تھیں تم سے؟"

"جادو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے" حامد نے میری طرف دیکھ کر کہا

"اسے کہتے ہیں پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی!" میں نے کہا "ذکر چمگادڑوں کا ہو رہا ہے اور تم جادو کی پوچھنے لگے"

"تم میری بات کا تو جواب دو" حامد نے کہا۔

"ذاتی طور پر تو مجھے کچھ تجربہ نہیں" میں نے جواب دیا۔ "قصے کہانیاں بہت سنی ہیں"

www.taemeernews.com

"قصے کہانیاں" حامد نے کہا۔

"تو اور کیا!" میں نے جواب دیا۔ "مجھے سنا تی باتیں؟"

"میں ایک چشم دید واقعہ سنا تا ہوں۔" حامد نے کہا

"چشم دید!" میں نے ہنس کر کہا۔ "آپ بیتی ہی کہہ دیا ہوتا"

"خدا کی قسم!" حامد نے کہا۔ "آپ بیتی!"

میں تعجب سے اپنے دوست کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ تو تمہیں معلوم ہے کہ میں سیام سے بھی ہو آیا ہوں"

"تم تو سیام کی کہتے ہو" میں نے ہنس کر کہا۔ "یقین میں تو یہی ہنسے کو تیار ہوں کہ تم کالے پانی سے بھی ہو آئے۔"

"کالے پانی بھی تو انسان ہی جاتے ہیں" حامد نے مسکرا کر کہا۔ "خیر! بات سنو گے یا مذاق کرو گے"

"بات یا آپ بیتی؟" میں نے پوچھا۔ "فضل بک بک سے تو یہی بہتر ہے کہ کوئی ریکارڈ سنیں"

"آپ بیتی" حامد نے کہا۔ "سنو گے؟"

"ضرور!"

"یہ سیام کا واقعہ ہے"

"سنئے!" میں نے کہا "لیکن پہلے یہ بتلاؤ وہاں کرتے کیا تھے۔"

"کام!" حامد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا

"کام!" میں نے کہا۔ "شاید بیگار کیا کرتے ہو گے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"تمہارے حسن ظن کی تو میں داد دے نہیں سکتا" حامد بولا "لیکن یہ ٹھیک ہے کہ میں ایک لکڑی کے کاروبار کے پاس ہی ملازم تھا۔ میرے ذمہ حساب کتاب تھا۔ اس شخص کو جس کے پاس میں ملازم تھا لوگ باوا کہتے تھے۔ باوا کے ہاں چند روز قیام کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ صرف لکڑی کا سوداگر ہی نہیں بلکہ بردہ فروش بھی ہے۔ باوا پچاس کے لگ بھگ ہو گا

درمیانہ قد۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ زیتونی رنگ اور چہرہ پر چیچک کے داغ۔ تل چاولی ڈاڑھی یہ اس شخص کا حلیہ تھا۔

باوا کی نہ جورو تھی نہ کوئی بچہ۔ گھر کا انتظام باوا کی بچی کے سپرد تھا۔ جس طرح باوا ایک سخت گیر آقا تھا۔ اسی طرح اس کی بچی بھی خانگی معاملات میں بہت سختی سے کام لیتی تھی۔

گاہے گاہے باوا کے یہاں ایک خمیدہ کمر بوڑھا بھی آیا کرتا۔ یہاں کے رہنے والے اسے کبڑا حکیم کہتے۔ یہ شخص ہمیشہ پالکی میں سوار ہو کر آتا۔ کبڑے حکیم کے ہاتھ میں ایک سیاہ رنگ کی سانپ نما لاٹھی ہوتی۔ اور کندھے سے ایک چمگادڑ چپٹی ہوتی۔ لوگ اسے جادوگر بھی کہتے تھے۔ لیکن مجھے نہ تو ابھی تک اس کی حکمت کا اور نہ جادو ہی کے امتحان کرنے کا موقع ملا تھا۔ ہاں! اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ باوا کی طرح یہ بھی بردہ فروش ہے۔ اور دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔

مجھے باوا کے ہاں کام کرتے تین چار مہینے ہو چکے تھے۔ لیکن اس تمام عرصہ میں مجھے اس کبڑے حکیم یا جادوگر سے بات چیت کرنے کا کوئی موقع نہ ملا تھا۔ ایک تو وہ خود مجھے کچھ مشتبہ نگاہوں سے دیکھتا دوسرے اس کی گھناؤنی شکل و صورت سے مجھے بے حد نفرت تھی۔ وہ جب باوا کے یہاں آتا میں اٹھ کر دوسری طرف چلا جاتا۔

ایک روز میں باوا کے پاس بیٹھا مزدوروں کو ہفتہ بھر کی اجرت تقسیم کر رہا تھا کہ یہ کبڑا حکیم بھی آ گیا۔ جب وہ پالکی سے اترا تو سب نے اسے تعظیم دی لیکن میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔

کبڑا حکیم ایک چوکی پر بیٹھ گیا اور میری طرف دیکھ کر باوا سے پوچھا

"یہ کون ہے؟"

"میرا منشی ہے!" باوا نے جواب دیا۔

www.taemeernews.com

"بہت گستاخ ہے" اس نے اپنی سرخ سرخ آنکھیں ادھر ادھر گھما کر کہا: "خیر! درست کر دوں گا کسی روز۔"

"کیسے؟" میں نے غصے سے پوچھا۔

کبڑے کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اس نے وہی سانپ نما سیاہ لاٹھی اٹھا کر کہا۔

"خون پی جاؤں گا!"

"کیا بکتے ہو؟" میں نے پھر غصے سے کہا: "کیا سمجھے ہو مجھے!"

"کیا سمجھا ہوں؟" کبڑے نے نفرت آمیز قہقہہ لگا کر اور سر ہلا کر کہا: "محض بے تمیز!" اور باوا غالباً اسے خوش کرنے کے خیال سے بولا

"جانگلو کہو جانگلو!"

"ٹھیک ہے!" میں نے غصے سے کہا: "جانگلو بھی اور بدتمیز بھی لیکن بردہ فروش نہیں۔"

لیکن پیشتر اس کے کہ ان دونوں میں سے کوئی بولے۔ باوا کی چچی اندر سے نکل آئی اور باوا کو مخاطب کر کے بولی

"کبھی کچھ سوچ سمجھ کر بھی بات کیا کرو۔"

اور مجھ سے بولی

"آؤ بھیا! ذرا بات سنو میری!"

میں اٹھ کر بڑھیا کے ساتھ اندر چلا گیا۔ وہ رازداری کے طور پر کہنے لگی

"اس کبڑے پاپی سے بچ کر رہنا اچھا ہے۔"

"میرا کیا بگاڑ لے گا؟" میں نے کہا۔

"نہیں! نہیں" بڑھیا بولی: "پاگل مت بنو۔ یہ تمہارا دیس نہیں۔ اور یہ کبڑا جادوگر ہے۔ جس کے پیچھے پڑ جائے بس جان ہی لیکر رہتا ہے۔"

"میں چاہوں!" میں نے غصے سے کہا "تو اس حرامزادے کو ابھی گرفتار کرا دوں۔"

"دیوانے تو نہیں ہو گئے؟" بڑھیا نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"میری بات کا اعتبار نہ ہو تو دوسروں سے پوچھ لو۔ لیکن خیر! تم خود سمجھدار ہو۔ کام وہ کرو کہ سانپ مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔" یہ کہہ کر بڑھیا گھر کے دھندوں میں لگ گئی۔

میں باہر برآمدے میں جو مکان کے پچھواڑے تھا آ بیٹھا۔ اتنے میں اندر سے باوا اور کبڑے کی آواز آنے لگی۔ باوا کہہ رہا تھا

"نہ دینے والے کی ایسی تیسی!"

"ہوش کی دوا کرو" یہ کبڑے کی آواز تھی۔

"کیا ہوش کی دوا کروں" باوا کہنے لگا: "تم نے آج کل کرتے کرتے پورے تین مہینے گزار دیئے۔"

"کوئی کام کی لڑکی تو ملی نہیں" کبڑا بولا۔

"جہنم میں جاؤ تم اور تمہاری لڑکیاں!" باوا نے جواب دیا "اگر دو ایک روز تک روپئے نہ ملے تو میں اور تدبیر کروں گا۔"

کچھ دیر اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں پھر کبڑے کو میں نے بالکنی میں واپس جاتے ہوئے دیکھا۔

رات کا کھانا کھا چکنے کے بعد باوا مجھ سے ملا۔ وہ شام کی باتوں پر کچھ معذرت کرنے لگا۔ اتنے میں اس کی چچی بھی آگئی

"تم نے اسے بہت سر چڑھا رکھا ہے۔" بڑھیا نے کہا

"کسے؟" باوا نے پوچھا

"اس کبڑے کو اور کسے؟" چچی نے جواب دیا

"دو ایک روز میں دیکھنا سب بل نکال دوں گا۔" باوا بولا

"جلد بازی اچھی نہیں۔" بڑھیا نے کہا: "کم بخت بڑا نقصان پہنچائے؟"

"مجھے؟" باوا نے ذرا سر ہلا کر کہا: "دیکھا جائے گا۔"

"تاہم" بڑھیا بولی: "دشمن کی طرف سے بے فکر ہی نہ [illegible]"

0121722

www.taemeernews.com

اور میں نے پوچھا

"تو کیا واقعی یہ کبڑا جادوگر بھی ہے۔"

"مشہور تو ایسا ہی ہے" باوا نے جواب دیا۔

کچھ دیر اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔

باوا علی الصبح بیدار ہوا کرتا تھا۔ لیکن آج خلاف معمول وہ دیر تک اپنے کمرے سے نہ نکلا۔

میں جب مزدوروں کی حاضری لکھ چکا اور کام تقسیم کرنے لگا کہ اتنے میں اندر سے بڑھیا کی ایک خوفناک چیخ سنائی دی۔ میں بھاگ کر اندر گیا۔ باوا کرسی پر بیٹھا ہوا تھا لیکن روح جسم سے جدا ہو چکی تھی۔ اس کے چہرے پر بلے درجے کی دہشت موجود تھی۔ ہم رات اسے چنگا بھلا چھوڑ کر آئے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ مرا کیوں کر۔

کوئی دس گیارہ بجے کے قریب کبڑا پالکی میں سوار ہو کر آیا۔ اس نے باوا کی موت کے متعلق کسی قسم کا تعجب ظاہر کیا نہ تاسف۔ جب لوگ لاش لے کر چلے تو اس نے ایک نادم کو بلا کر کہا

"دیکھو، رات میری لاٹھی اور چھنگا ڈنڈا یہیں رہ گئی تھی۔ ذرا وہ تو اٹھا لائیو۔"

نوکر اندر سے دونوں چیزیں اٹھا لایا اور کبڑا حکیم پالکی میں سوار ہو کر اپنی قیام گاہ کو واپس لوٹ گیا۔

باوا کو مرے کچھ اوپر دو مہینے ہو گئے تھے اور اب سب کاروبار بڑھیا خود کرتی تھی۔ پہلے میں محض منشی تھا اب میری حیثیت ایک ایجنٹ کی تھی۔ کئی لوگوں کے ذمے باوا کا روپیہ تھا۔ کبڑے حکیم کے ذمے سب سے زیادہ رقم تھی۔ اور بڑھیا مجھے کبڑے سے تقاضا کرنے کے لیے بھیجا کرتی۔

باوا کی وفات کے بعد کبڑے نے ہمارے یہاں آنا جانا بالکل ترک کر دیا تھا۔ اس لیے میں خود ہی اس کے پاس جا کر روپیے کی ادائگی کا تقاضا کیا کرتا۔ ایک روز میں نے اسے صاف صاف کہہ دیا کہ جیسے بھی بنے روپے کا جلد انتظام ہونا چاہیے۔ کبڑے نے میری طرف ذرا حقارت سے دیکھا اور کہا

"میں نے ٹکسال تھوڑے ہی لگا رکھی ہے۔"

"ٹکسال لگاؤ یا چوری کرو مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں۔" میں نے کہا "بس دو چار روز تک روپے کا انتظام کر دو۔"

آج وہ بہت مدت کے بعد باوا کے یہاں آیا۔ بڑھیا موجود نہ تھی۔

"تو گویا اب تم کار مختار ہو؟" کبڑے نے حقارت سے پوچھا۔

"جو کچھ بھی تم سمجھو" میں نے جواب دیا۔

وہ ہنس کر بولا۔

"معلوم ہوتا ہے یہ اس کرسی کی تاثیر ہے کہ جو شخص اس کرسی پر بیٹھتا ہے ضدی بن جاتا ہے۔"

میں اس وقت اتفاق سے اسی کرسی پر بیٹھا تھا جس پر باوا بیٹھا کرتا تھا۔

"دنیا ہمیشہ تلخ ہوا کرتا ہے" میں نے کہا۔

"دنیا جو ہوا" کبڑا بولا "خیر! کل شام تک فیصلہ ہو جائے گا۔" بڑھیا سے سلام کہہ دیجیو۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور پالکی میں سوار ہو کر چلا گیا۔

اس وقت نو بجے تھے۔ کچھ جھکڑ سا چل رہا تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آسمان پر بارش کے سامان ہو رہے تھے جس کمرے میں میں بیٹھا تھا اس کا ایک دروازہ تھا۔ اور شمال کی جانب ایک کھڑکی۔

کھڑکی بند تھی لیکن شیشوں میں سے بجلی کی چمک نظر آتی تھی۔ ہوا کچھ اس طرح سائیں سائیں کر رہی تھی جیسے کوئی درد و کرب کی حالت میں کراہ رہا ہو۔

کمرے کی ایک طرف ایک بھدی سی الماری تھی۔ کھڑکی والی دیوار کے ساتھ میز تھی اور دو کرسیاں۔ میز کی بائیں جانب ردی کے کاغذات کی ٹوکری تھی۔ اور آتشدان پر لیمپ رکھا ہوا تھا جو ہوا کی چھیڑ چھاڑ سے خندہ زن معلوم ہوتا تھا۔

اتنے میں باوا کی بچی آ گئی اور آتے ہی بولی

"آج تو طوفان کی آمد آمد معلوم ہوتی ہے"

"کبڑا حکیم آیا تھا" میں نے کہا

"کب؟" اس نے پوچھا "کیا بات چیت ہوئی؟"

"وہ تو شام ہوتے ہی آ گیا تھا" میں نے جواب دیا۔ "اسے گئے بھی تھوڑی دیر ہوئی ہے۔"

"روپیہ کے متعلق کیا کہا؟" بڑھیا نے پوچھا

"کہہ تو گیا ہے" میں نے کہا "کہ کل تک انتظام کر دے گا"

"کل تک؟" بڑھیا نے تعجب سے پوچھا "سچ؟"

"کہتا تو یہی تھا" میں نے جواب دیا۔

بڑھیا کچھ دیر چپ رہی۔ پھر بولی

"آؤ کھانا تو کھا لو"

میں اٹھ کر کھانے والے کمرے میں چلا آیا۔ کوئی دس ساڑھے دس تک ہم دونوں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر میں واپس آ کر حساب کتاب دیکھنے لگا۔

کوئی گیارہ بجے کے قریب مجھے اونگھ آنے لگی۔ میں حساب کی کتاب اٹھا کر الماری میں جو رکھنے لگا تو الماری کے ساتھ ہی کونے میں کبڑے حکیم کی وہی سانپ نما لاٹھی نظر آئی۔

"کم بخت بھول گیا آج بھی" میں نے اپنے آپ کہا۔ "خیر! کل جب آئے گا لے جائیگا"

کتاب الماری میں بند کر کے جو میں ہٹا تو اسی کرسی سے جس پر وہ کبڑا بیٹھا تھا۔ مجھے اک چمگادڑ چمٹی ہوئی نظر آئی۔

"اسے بھی چھوڑ گیا" میں نے چمگادڑ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پاجی کہیں کا۔ لے تو باہر پھینکتا ہوں آج"

یہ کہہ کر میں ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کوئی چیز مل جائے تو اس سے اس منحوس جانور کو پکڑ کر باہر پھینک دوں۔ لیکن اتنے میں وہ چمگادڑ اپنی جگہ سے اڑ کر کمرے میں فراٹے بھرنے لگی۔ میں نے جو سر اٹھا کر دیکھا تو وہ میری طرف جھپٹی لیکن میں نے جلدی سے سر جھکا لیا اور وہ اوپر سے نکل گئی۔ میں ابھی سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ وہ پھر بولی اور پے در پے اس طرح حملے کرنے لگی جس طرح شاہین اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔

الماری کے اوپر کچھ پرانے اخبار رکھے تھے۔ میں جھکا جھکا جلدی سے الماری کی طرف گیا تاکہ کوئی ا[illegible]ر اٹھا کر اس موذی کی مدافعت کی تدبیر کروں۔ اچانک میری نگاہ اس سانپ نما سیاہ لاٹھی پر پڑی۔ توبہ ہے! میرے تو دیکھتے ہی رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اب وہ لاٹھی نہیں تھی بلکہ سیاہ رنگ کا سانپ تھا جو گردن اٹھائے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کے بدن میں حرکت پیدا ہو گئی اور وہ میری طرف رینگنے لگا۔ میں نے لپک کر ردی کے کاغذات والی ٹوکری اٹھا لی۔ ٹوکری میرے ہاتھ میں آئی ہی تھی کہ اس موذی نے مجھ پر حملہ کیا۔ پہلا حملہ میں نے اسی بانس کی ٹوکری سے روکا۔ جب وہ اپنے پہلے حملے میں ناکام رہا تو تڑپ کر پیچھے ہٹا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ میں کوئی تدبیر کروں وہ کمبخت چمگادڑ مجھے پھر پریشان کرنے لگی۔ ساتھ ہی وہ ناگ پھر میری طرف آیا۔ میں نے وہی ٹوکری پھر بڑھا دی۔ خوش قسمتی سے ٹوکری کی تیلیاں بہت گھری گھری تھیں۔ سانپ کا [illegible]

میں پھنس گیا۔ میں نے جلدی سے ایک رجسٹر اٹھا کر سانپ کے اوپر رکھ دیا اور خود اس پر کھڑا ہو گیا۔ سانپ سر نکالنے کے لئے بہت زور مار رہا تھا۔ اور میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اس کا سر کس طرح کچلوں۔ ادھر چمگادڑ پے در پے حملے کر رہی تھی۔ میری جیب میں قلم بنانے کا ایک چھوٹا سا چاقو تھا۔ میں نے جلدی وہ نکال لیا اور سانپ کی گردن کاٹنے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اچانک بسپ گل۔ روشنی بہت مدھم پڑ گئی اور مجھ پر کچھ نیم بیہوشی سی طاری ہونے لگی۔ مجھے صرف اس قدر معلوم تھا کہ میں سانپ کی بجائے اس کبڑے حکیم یا جادوگر کی گردن دبوچے بیٹھا ہوں اور وہ منت بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا ہے۔ یہ حالت کب تک رہی کچھ یاد نہیں۔ ہاں صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں بیٹھک پاس ہی فرش پر پڑا ہوا تھا اور کبڑے حکیم کی لاٹھی میرے ہاتھ میں تھی اور چمگادڑ کرسی پر بیٹھی تھی۔

آج وہ کبڑا صبح صبح ہی آ گیا۔ میں برآمدے میں بیٹھا رات کے واقعات پر غور کر رہا تھا۔ کبڑا میرے پاس ہی آ بیٹھا۔ میں نے پوچھا

"روپے لے آئے؟"

"وہ بولا: "نا ہی دوں گا"

"تو پھر آئے کیسے؟"

"رات میری لاٹھی اور چمگادڑ یہاں رہ گئی تھی۔ وہی لینے آیا ہوں"

اس نے جواب دیا

میں اندر جا کر لاٹھی اٹھا لایا۔ کبڑا بولا:

"اور چمگادڑ؟"

"وہ بھی لاتا ہوں" یہ کہہ کر میں اس پاجی کی طرف دیکھنے لگا

"کیا دیکھتے ہو؟" اس نے مسکرا کر پوچھا

"دیکھتا ہوں" میں نے کہا "کہ انسان کے روپ میں شیطان کیسے آ گیا"

"کیا مطلب؟" اس نے پوچھا

"مطلب؟" میں نے کہا "تم بردہ فروش ہی نہیں بلکہ شیطان بھی ہو۔ شعبدہ باز بھی ہو"

"بردہ فروش، شیطان، شعبدہ باز" یہ الفاظ اس نے رک رک کر دہرائے

"ٹھیک ہے نا!" میں نے پوچھا "اور باوا کے قاتل بھی"

"آج بھنگ تو نہیں پی تم نے" وہ مسکرا کر بولا۔

"تم یہ لاٹھی اور چمگادڑ رات یہاں کیوں چھوڑ گئے تھے؟"

میں نے پوچھا

"چھوڑ نہیں گیا تھا" اس نے جواب دیا۔ "بلکہ بھول گیا تھا"

"اور جس رات باوا مرا اس رات بھی تم یہ دونوں چیزیں یہاں بھول ہی گئے تھے" میں نے کہا

"ٹھیک ہے نا؟"

"ممکن ہے" اس نے جواب دیا

"بدمعاش!" میں نے غصے سے کہا "مجھ پر یہ منتر نہ چلیں گے۔"

"بدمعاش!" اس کے منہ سے نکلا

"بدمعاش بھی اور پاجی بھی!" میں نے بھاری انداز سے جواب دیا۔ "رات تمہاری خباثت سے پریشان تو میں ضرور رہا۔ لیکن اتنا تم بھی مانو گے کہ یہی تمہارا آخری حربہ تھا۔ اب کیا صلاح ہے؟"

"بھائی!" وہ بولا "معلوم ہوتا ہے تم نے تو لڑنے کی ٹھان لی ہے"

"رات والی حرکت سے تمہارا آخر مطلب کیا تھا" میں نے پوچھا

"اب چھوڑو گے بھی اس قصے کو!" وہ مسکرا کر بولا: "جھگڑا تو میرا باوا کے ساتھ تھا۔ تم مفت میں الجھ رہے ہو"

"میں مفت میں الجھ رہا ہوں" میں نے غصے سے کہا "میں تمہیں ابھی پولیس کے حوالے کروں گا"

"کس خطا پر" اس نے پوچھا

www.taemeernews.com

"بردہ فروش اور ......"

"کچھ ثبوت بھی!" اُس نے کہا

"یہ لاٹھی!" میں نے جواب دیا

"سیانے ہو کر بچوں ایسی باتیں کرنے لگے" اُس نے کہا۔

"حکیم!" میں نے کہا "بڑے خوش قسمت ہو!"

"خوب" وہ بولا "میں تمہیں خوش قسمت سمجھ رہا ہوں"

"لیکن یہ بتاؤ تم مفت کا جھگڑا کیوں مول لیتے ہو"

"میں اِس بڑھیا کا ملازم ٹھہرا" میں نے جواب دیا

یہ سن کر وہ چپ ہو گیا۔ پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر بولا۔

"بھائی! معاف کرو مجھ سے واقعی غلطی ہوئی۔ میں بہت نادم ہوں"

میں چپ ہو رہا۔ وہ پھر کہنے لگا

"اس بڑھیا سے تو میں ایک دو روز میں نبٹ لوں گا لیکن میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ پردیس میں لوگوں کو دشمن نہیں بنا لینا چاہیئے۔ تم چاہو تو میں ہر طرح تمہاری خدمت کرنے کو تیار ہوں!"

"کل تک تو میری جان لینے پر تلے ہوئے تھے" میں نے ہنس کر کہا "اور تم خدمت کرنے پر آمادہ ہو گئے"

"میں نادم ہوں!" وہ بولا "مجھے اپنی غلطی کا اعتراف ہے"

میں نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ کہنے لگا

"اب تو میں جاتا ہوں۔ اگر ہو سکے تو کل میرے ڈیرے پر ذرا آ"

"کیوں؟" میں نے پوچھا

"باتیں کریں گے" وہ بولا "کچھ اپنی کہیں گے کچھ تمہاری سنیں گے"

"خیر" میں نے کہا "کل تو آئے"

کچھ دیر بعد وہ چلا گیا۔ اور شام ہونے سے پیشتر میں اپنا بوریا بستر اٹھا کر ریلوے اسٹیشن پر جا پہنچا۔

"وہ کیوں" میں نے ہنس کر پوچھا

حامد بولا

"تو اور کیا کرتا! اس بلا جی کے ایک وار سے تو بچ گیا۔ جانے پھر کیا افتاد پڑتی"

"لیکن جب اس نے معافی مانگ لی تھی تو پھر کیا خوف تھا" میں نے کہا۔

"مجھے معلوم تھا" حامد بولا "کہ میں اس کے راز سے واقف ہوں اور بردہ فروشی ایک سنگین جرم ہے اس لئے اس کی دوستی اور دعوت میں بھی مجھے مکاری اور عیاری کی بو آ رہی تھی"

"خیر" میں نے ہنس کر کہا "یہ تم نے عقلمندی کی کہ وہاں سے چلے آئے"

"کیا خیال ہے تمہارا؟" حامد نے پوچھا

"اچھی مزے کی داستان ہے" میں نے مسکرا کر کہا

"داستان!" حامد بولا

"چلو گپ سہی" میں نے ہنس کر کہا۔

"جو کچھ تم سمجھو" اس نے کہا۔ "اب کوئی ریکارڈ بجاؤ سناؤ"

رباعی

شیطان کا جو کام تھا ہوتا ہی رہا

انساں ستم وجود سے روتا ہی رہا

زاہد کا خدا اپنے فرشتوں کو لئے

خلوت کدۂ عرش میں سوتا ہی رہا

اثر اکبر آبادی بی اے

www.taemeernews.com

اعترافِ شکست

از ــــ جناب جلال الدین صاحب حمید دہلوی

جس وقت کہ آئینے سے دوچار نہیں تھے — تم حسن کی زینت سے خبردار نہیں تھے
ہر بار کھلے بندوں کہا کرتی تھی مجھ کو — تم میرے لئے عقدۂ دشوار نہیں تھے
بے باکیٔ عشق تھی ممنونِ ترحم — بیچارگیٔ عشق سے بیزار نہیں تھے
آسائشِ مجبورِ محبت میں تھی مصروف — آرامِ دل و جان تھی دلآزار نہیں تھے
وابستگیٔ اہلِ وفا مدِ نظر تھی — دلچسپ تھے غمزے الم آثار نہیں تھے
تنویر میں لب و لہجہ تھا تبسم کی جھلک تھی — لب واقفِ بیباکیٔ گفتار نہیں تھے
ملی ہوئی چشمِ کرم انداز نہیں تھی — بگڑے ہوئے تیور دمِ رفتار نہیں تھے
مجھ سے ہی فقط عادتِ پیمانِ وفا تھی — غیروں سے مری سازش و اقرار نہیں تھے
تھی سادگیٔ حسن قیامت کا نمونہ — تم اپنے سراپا سے خبردار نہیں تھے
کیا ہوش تمہیں جوشِ جوانی میں نہیں تھا — وہ ناز نہیں تھے جو سزاوار نہیں تھے
مجبور کبھی حسن نہ تھا حسنِ نظر پر — تم عشوہ طراز تھے طرار نہیں تھے
کیا حسن کو پہلے نہ تھی نشۂ نمائش — کیا پہلے حسین اور طرحدار نہیں تھے
کس قسم کی برتاؤ کا حق تم کو نہیں تھا — کیوں سود فراموشِ زیاں کار نہیں تھے
سب قابلِ اظہار تھے اوصاف تمہارے — لاریب کہ ناقابلِ اظہار نہیں تھے

جو بات نہیں تھی کبھی تم میں نظر اب ہے
خود بینی و خود رائی کا پورا اثر اب ہے

اچھا تو چلو حسن پہ مغرور رہو تم — نظارے کی طاقت نہیں اب دور رہو تم
آسودۂ نومیدیٔ آزار رہوں میں — آمادۂ بیداد بدستور رہو تم
ناحق نہ مجھے تیرہ مقدر کو نظر آؤ — لیکن یونہی سر تا بہ قدم نور رہو تم
للہ مجھے صبر کی توفیق عطا ہو — اللہ کرے جبر پہ مسرور رہو تم
تم سے بہت اچھا ہے تصور مرے نزدیک — کیوں سامنے آؤ ہو بس اب دور رہو تم
اک جانئے کے تم کو طبیعت کا تلون — ہر وقت اسی انداز پہ مجبور رہو تم
اس چاند سی صورت پہ ہوا انگشت نمائی — دنیا میں اسی شان سے مشہور رہو تم
ان بادہ بھری آنکھوں میں خمار آ ہی گیا ہے — نشے میں جوانی کے یونہی چور رہو تم
معشوق ہی تو ہے ستمِ حسن کی پہچان — تعبیرِ بد و نیک سے معذور رہو تم
احساسِ جمال اتنی لطافت تمہیں بخشے — اب عام نگاہوں سے بھی مستور رہو تم
احباب کی تلقینِ حق آگاہ نہ سمجھو — اغیار کی توصیف پہ مغرور رہو تم
ایرادِ بجا پر نہ توجہ رہے پیہم — ایجادِ افادات بدستور رہو تم
چھیڑے نہ کبھی دخترِ سامری اطوار — شکوہ نہ کبھی دام سے مسحور رہو تم
نیرنگِ زمانہ بھی کوئی شے ہے تمہیں کیا — مسرور رہو تم ابھی مسرور رہو تم

اب مستحقِ داد نہ بیداد رہوں میں
یاد آؤ مجھے تم نہ تمہیں یاد رہوں میں

مرزا داغ اور انکے نورتن

از ـــــ حضرت مولانا احسن مارہروی

لفظِ نورتن اصطلاحی مفہوم کے لیے جتنا زبان زدِ عام ہے اتنا اپنے وضعی معنی میں مقبول نام نہیں۔ ہیرا، زمرد، پکھراج، نیلم، الماس، پنا، لعل، لہسنیا، اور فیروزے کو انفرادی حیثیت سے دیا جاتا ہے، مگر بصورت مجموعی ان کو نورتن کہنے والے بہت کم ملیں گے۔ برخلاف اس کے فیضی، ابوالفضل، خانخاناں، ٹوڈرمل، کوکلتاش، حکیم ہمام، حکیم ابوالفتح، راجہ مان سنگھ اور بیربل کے نام ایک ساتھ لیے جائیں تو سب بے ساختہ کہہ اٹھیں گے کہ یہ اکبر کے نورتن ہیں، اسی کا نام قبول عام ہے جو کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتا۔

جہاں آبادِ شاعری میں جہاں استاد فصیح الملک مرزا داغ کو بجا طور پر بادشاہِ سخن وہی مرتبت حاصل ہے جو منزلت قلعۂ اکبرآباد میں رہ کر شہنشاہِ ہندوستان کی حیثیت سے جلال الدین اکبر اعظم کو میسر تھی اگر ایک طرف اکبر کو اپنی ذاتی جلالت و حکمت، سطوت و عدالت، اور رواداری و رعایت کی بدولت شہرت عام نصیب ہوئی تو دوسری طرف اس کے ستودہ صفات اور مستجمع کمالات مصاحبوں کے ذریعہ اس کی نام آوری کو بقائے دوام کی دولت ہاتھ آئی۔ یہی مناسبت اپنی سلاست و فصاحت کی بدولت مرزا داغ کی ذاتِ ذوالصفات میں نظر آتی ہے وہ اپنے وہبی اور فطری ملکۂ شاعری کی ارجمندی کیساتھ جس رفعت و بلندی پر پہونچے ہوئے ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ اسی کیساتھ ان کے ذاتی کمالات نے اپنے فیضانِ سخن سے تمام ہندوستان کے گوشے گوشے میں ایسے اور اتنے سرچشمے بہا دیئے ہیں جن کا ایک ایک چشمہ بجائے خود بحرِ بے پایاں بنا ہوا ہے۔ انہیں کثیر التعداد دریاؤں سے یہاں چند جواہر ریزے نورتن کے نام سے چن لئے ہیں جو بقید حیات ہیں اور اپنی سخن گستری سے تمام ہندوستان کی فضائے شاعری پر چھائے ہوئے ہیں۔

مسلمات سے انکار کرنا بے انصافی ہے۔ اگر مرزا غالب کی زبردست قوتِ متخیلہ کے منکر کو خلل دماغ کا مریض کہنا جائز ہے تو مرزا داغ کی مسلّمہ قدرتِ ناطقہ کے مخالف کو بھی ناقابلِ علاج بیمار سمجھنا روا ہے۔ یہ موقع تفصیل سوانح نگاری کا نہیں صرف اُن کی شاعری کے متعلق تذکرہ خمخانۂ جاوید کا مختصر اقتباس لکھا جاتا ہے۔

"شاعری کی دنیا میں یہ ایک عجیب بات ہے کہ شاذ ہی کسی کو موجد یا مقلد ہونے کا خطاب دیا جا سکتا ہے۔ ہاں صاحب طرز ہونا جدا بات ہے۔ جرأت نے شوخ کلامی اور معاملہ بندی کا جو رنگ نکالا اسے اس خوش اسلوبی سے سانچے میں ڈھالا کہ وہی تغزل کا زیور قرار پایا۔ حضرت داغ نے اپنی طبع وقاد کی صنعت کاری سے اُسے ایسا اُجالا اور مرصع کیا کہ معشوقۂ مجاز کے سر کا جھومر بن گیا۔ غزل کی شاعری کا سرتاج قرار پایا۔ استاد کامل فن نے ایسا کر دکھایا کہ ہر کس و ناکس کے دل کو بھایا۔ مرحوم

رنگ میں لکھنے کی کوشش کرنے لگا، فرق اتنا ہوا کہ کسی کو کسی حد تک، کسی کو کسی درجہ تک، اس تقلید میں کامیابی ہوئی۔ مگر بعض نامی شعرا اس تقلید میں اپنا اصلی رنگ بھی کھو بیٹھے۔ حضرت داغ یہی نہیں کہ غزل گوئی کے مسلم الثبوت استاد اور اپنی طرز میں لاثانی تھے بلکہ وہ تمام اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ اُن کی قادرالکلامی کا ثبوت اُن کے کلام سے ملسکتا ہے۔ مثنوی شاعری کی نہایت مشکل اصناف میں سے ہے مگر حق یہ ہے کہ ان کی مثنوی "فریادِ داغ" کا ہر شعر تیر و نشتر کا کام کرتا ہے۔ زبان کیساتھ تمام شاعرانہ خوبیوں کا لحاظ رکھا ہے۔

قصیدہ، بلاغتِ سخن، مہارتِ فن، علوِ تخیل، پختہ کلامی اور علمیت و تبحر کی معیار سمجھا جاتا ہے اگرچہ اردو میں مرزا رفیع سودا کے بعد شیخ ابراہیم ذوق، اور میر ممنون کے قصائد بھی مقبول ہوئے اور مستند مانے گئے لیکن حضرت داغ کے جو قصائد مہتابِ داغ میں موجود ہیں وہ اپنی آن بان میں کسی ہم عصر کے قصیدوں سے کم نہیں اور اُن کی قادرالکلامی و مشاقیِ فن کا سکہ بٹھاتے ہیں۔

مرزا داغ کی استادی میں کم سواد حاسدوں کے سوا اور کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے۔ اُن کے کلام کا خاص رنگ سہل ممتنع، فصاحت، روزمرہ کی صفائی، شوخیِ مضمون اور بیان کی ندرت ہے۔ چنانچہ ہزارہا اشعار صدہا غزلیں قبولِ عام و خاص کا تمغہ پاکر لوگوں کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں۔ زبان کے چٹخارے اور لوچ کیساتھ بندش بہت چست ہوتی ہے اور اکثر محض الفاظ کی الٹ پھیر سے شعر میں جان ڈالدیتے ہیں اُن کی خوش گوئی اور قادرالکلامی حیرت انگیز ہے۔ چھوٹی بحر ہو یا طویل، زمین شگفتہ ہو یا سنگلاخ اپنے زورِ طبیعت سے آمد کا مزا دکھا دیا ہے۔ غرض کہ کہیں بھی اپنی رنگ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ آورد کا تمام کلام میں کہیں شائبہ تک نہیں ہے۔ گلزارِ داغ کی غزلوں کے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ غور و فکر کر کے شعر کہتے تھے شعر کی بندش اور الفاظ کے ہر پہلو پر نظر غائر ڈالتے تھے۔ "مہتابِ داغ" میں اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز روانی پائی جاتی ہے طبیعت ہے کہ دریا کی طرح امڈی چلی آتی ہے۔ زبان صاف شستہ، بندش میں تصنع کو ذرا دخل نہیں۔ باایں ہمہ مضمون میں شوخی اور تیکھا پن اس درجہ ہے کہ شعر بے تامل ہوجاتا ہے اور دل میں چٹکی بغیر لئے نہیں رہتا۔ حسن و ادا کے دلفریب نظارے، اختلاط کی نوک جھونک کے مضمون، جس صفائی اور نفاست سے اُن کے دیوانوں میں پائے جاتے ہیں وہ انہیں کا حصہ ہے۔ المختصر اس سے کسی کو انکار نہیں کہ شہرتِ خاص و عام اور قبول دوام کے لحاظ سے بلامبالغہ اس زمانے میں کسی شاعر کو اس نعمت کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوا جو حضرت داغ کا حصہ ہے۔ داغ کا ہر شعر عجب مقناطیسی جذب اور بجلی کی حرارت رکھتا ہے جس کی تاثیر سننے والے کے دل کو بے چین کئے دیتی ہے یہ وہ کیفیت ہے جس کا پیدا کرنا شاعری کا جزوِ اعظم ہے۔ مگر ہر کوئی اسے پیدا بھی نہیں کرسکتا۔ اگر جذبات و احساسات، اور خیالات کی ہو بہو اور بولتی چالتی تصویر کھینچنا، قدرت

www.taemeernews.com

کی نقاشی کے مرقع میں جگہ پا سکتا ہے تو ہم حضرت داغ کو غزل شاعری کے دربار میں سب سے اونچی جگہ دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

شعراء کی کثیر تعداد آپ کے تلمذ سے مستفید ہوئی اور جس قدر اچھے شاعر آپ نے ملک میں پیدا کئے اس کی نظیر آج تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ اردو شاعری پر آپ کا دہرا احسان ہے۔ کل شاگردوں کی تعداد جو اُن کے انتقال سے چند سال تک درج رجسٹر ہو چکی تھی، ڈیڑھ ہزار سے زیادہ تھی۔ جن میں درجنوں ارشد تلامذہ کہے جانے کے مستحق ہیں؛

ان تلامذہ میں بہت سے نامور شاگردوں کا انتقال ہو چکا ہے مثلاً نواب عبد اللہ خاں مطلب اجمیری۔ فیروز شاہ خاں فیروز رامپوری عبد الحئی تجود بدایونی۔ مولوی حسن رضا خاں حسن بریلوی۔ حیات بخش رسا کاسنوی رامپوری، سید شبیر حسین نسیم بھرتپوری۔ یوسف خاں تشنہ بلند شہری، میر قطب الدین اشک۔ جلیسری۔ محمود خاں محمود رامپوری۔ سید حسین احمد حباب شاہجہانپوری وغیرہم۔

اس مضمون میں جن تلامذہ کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ بچشم بد دور ابھی زندہ ہیں اور اسی قید حیات کی پابندی کا لحاظ کرتے ہوئے اس ذرتن کا مرقع پیش کیا جا رہا ہے جن کی تصویریں دستیاب ہوئی ہیں ورنہ ابھی اور تلامذہ بھی ایسے موجود ہیں جو اس انجمن میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر زندگی باقی ہے تو آئندہ دوسرے ذرتن کا گروپ بھی پیش ہو سکے گا۔

ان مختصر حالات کے بعد جہاں استاد کے کلام کا نمونہ پیش کرنا تحصیل حاصل ہے مگر مضمون کی ترتیب غیر منظم رہے گی اگر اس ذرتن کے پیشوا کا کلام تبرکاً نہ پیش کیا جائے۔ نمونۂ کلام سے پہلے غزل گوئی کے متعلق ایک عام غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔

جہاں استاد مرزا داغ کے کلام پر جاہلانہ اعتراضات کئے جاتے ہیں منجملہ ان کے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے۔ کہ وہ محض غزل گو شاعر تھے۔ زمانۂ موجودہ میں اس خیال نے ایسی عمومیت اختیار کی ہے کہ یونیورسٹی کا ہر سند یافتہ طالب علم اور اسی کے ساتھ چند موزوں طبع حضرات غزل گوئی کے خلاف پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب غزل گوئی محض بیکار اور فضول چیز ہے۔ ایسے حضرات کو جاننا چاہیے کہ غزل گوئی اصناف شاعری میں نہایت ضروری چیز ہے۔ غزل ہی وہ صنعت نظم ہے جس پر کامل عبور کرنے کے بعد ایک سخن گو مکمل اور جامع شاعر بن جاتا ہے۔ مبتدی شعراء کو غزل کی مشق اسی واسطے کرائی جاتی ہے کہ اس طرز میں ان کی طبیعت جم کر ملکۂ راسخہ حاصل کر لے۔ غزل اپنے مضامین متنوعہ کی بدولت تمام اصناف شاعری پر حاوی ہے۔

مثالاً یوں سمجھنا چاہیے کہ خوشنویسی جس کی ابتدا مفردات، مرکبات، اور قطعات کے ذریعے گھٹی ہوئی وصلیوں پر چوب قلم سے کی جاتی ہے۔ جب خوشنویس کا ہاتھ ان ہارشدہ وصلیوں پر جم جاتا ہے تو پھر ہر قسم کے کاغذ پر بآسانی کتابت کے بہترین نمونے دکھائے جا سکتے ہیں۔ اگر کوئی چاہے کہ سلیٹ پر لکھنے والی تختیوں اور آج کل کے فاؤنٹین پن سے مشق کتابت کر کے یاقوت مستعصمی۔ عماد الحسینی۔ اور میر علی تبریزی بن جائے تو محال و دشوار ہے بجنسہٖ یہی مثال غزل گوئی پر صادق آتی ہے تجربے اور دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جس شاعر کو غزل گوئی میں مشق و مہارت حاصل ہو جائے گی وہ کسی نوع کی شاعری میں مجبور نہ رہے گا۔ اس زمانہ کی منظومات خواہ قومی ہوں یا ادبی، معاشی ہوں یا سیاسی، ہر رنگ میں ایک پختہ غزل گو بے تکلف اپنی جولانیٔ طبع دکھا سکتا ہے برخلاف ان شعراء کے جو ابتداً غزل میں مشق بہم نہیں پہنچاتے

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

یہ اودی اودی بدلی یہ بادل کالا کالا ہے — در میخانہ پہ سو سو برس کے پینے والے ہیں

تیر سینے سے نکالو تو سلیقے سے ذرا — لختِ دل نوک پہ پیکاں کی لپٹ آئے کہیں

تم نہ قائل ہو نہ ہو گے نالۂ شبگیر کے — ہم نے راتوں کو نشانے کب لگائے تیر کو

ساقی تنگ ظرف ایک ہی جام — وہ بھی اترا ہوا کناروں سے

ترکِ الفت بھی ہے دشوار سے — یہ نہیں تو زندگی بیکار ہے

عیش میں کٹتی شبِ غم رنج میں کٹ گئی — مدعا یہ ہے کہ ہم نے صبح کر دی شام سے

ترے رخ ذو ضیائے نور نے ملگجا کر دی — ترے عارض نے مہر و ماہ کی تنویر کم کر دی

گلے ملنے کی جلدی میں کسی رہتے ہیں یار اکثر — نماز عید میں یاروں نے اک تکبیر کم کر دی

ارشاد ہوا ان کے یہ افسانہ کسی کا — قابو میں نہیں ہے دل دیوانہ کسی کا

معلوم نہیں کس سے کہانی مری سن لی — بھاتا ہی نہیں اب انہیں افسانہ کسی کا

خود آنے لگی پہلو سے یہ آواز مجھے — پھونکے دیتی ہے مری پردگیِ راز مجھے

اس قدر لطفِ اسیری کا ملا ہے صیاد — یاد مطلق نہ رہا مقصدِ پرواز مجھے

اسی کا نام ذوقِ بادۂ سرجوش ہوتا ہے — کہ بیہوشی کی دھن رہتی ہے جب تک ہوش ہوتا ہے

دمِ رفتار کرنا ذوقِ پامالی کا اندازہ — کہ کس کس کا دل و دیدہ تہِ پاپوش ہوتا ہے

سیماب اکبرآبادی

شیخ عاشق حسین نام، ابوالعلا کنیت، سیماب تخلص۔ بہترین شاعری اور رسائل وا... آپ کی خدمات ادب سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ... شہرت اور قبولیت عام کی وجہ سے کسی دوسرے کو ذریعہ تعارف بننے کی تحصیل حاصل ہے۔ ہر وہ شخص جس کو شعر و سخن سے ذرا سا بھی لگاؤ ہے آپ کو اچھی طرح جانتا ہے ورنہ صرف جانتا ہے بلکہ آپ کے نام کیسا تو آپ کے دل آویز کلام سے بھی پوری طرح متعارف ہے اس صورت میں ان کے علوِ کمال کی وضاحت اور پھر انہیں کے رسالے میں "ثنائے خود بخود گفتن" کی مصداق ہے۔ ثنائے خود بخود کا اشارہ اس لئے کیا گیا کہ بہرحال وہ اور مقالہ نگار ایک ہی استاد کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے ہیں، اُن کی تعریف درحقیقت اپنی تعریف ہوگی اور اس صغریٰ و کبریٰ کا نتیجہ وہی "ثنائے خود بخود گفتن" ہے اس لئے مزید تشریح و توصیف سے قطع نظر کیجاتی ہے اور چند ضروری باتوں کے بعد نمونۂ کلام پیش کیا جائے گا۔

جناب سیماب ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے عربی و فارسی نصاب کی تکمیل کی ہے اور انگریزی میں بھی ایف اے تک تعلیم پائی ہے اردو کے سوا کہ وہ آپ کی مادری زبان ہے ان تینوں زبانوں میں بھی معقول لیاقت رکھتے ہیں،

۱۸۹۸ء میں آپ کو جہاں استاد سے بذریعہ خط و کتابت شرف تلمذ حاصل ہوا۔ آپ تمام تلامذۂ فصیح الملک میں ایسے فرد وحید ہیں کہ مدت مدید ہی سے شعر و سخن میں اپنا پورا وقت صرف کرتے ہیں۔ اس خصوصیت و انہماک کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک میں آپ کی فیض رسانی سے اکثر طالبان فن اور اہل ذوق مستفید ہوتے رہتے ہیں، اپنے مذاق طبیعت کے لگاؤ اور خدمت ادب کے شوق میں آپ اکثر اخبار و رسائل نکالتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۱۲ء میں یہ ذوق "پیمانہ" کی صورت میں نمودار ہوا، اور اسی مذاق کی بدولت چند سال تک دہلی و لاہور اور دوسرے مقامات پر مقیم رہے اور جہاں رہے اپنے مشاغل علمی سے غافل نہیں رہے ۱۹۲۲ء میں آگرے سے "ہفتہ وار اخبار تاج" جاری کیا جو کئی سال تک شائع ہوتا رہا اور ارباب نظر کے لئے پسندیدہ اور دلکش انداز پیش کرتا رہا اس کے بعد رسالہ "شاعر" کا اجرا ہوا جس کی اشاعت اس وقت تک ہوتی رہی ہے اور اس کو قبول عام کا مرتبہ حاصل ہے۔ ہندوستان کے بڑے اور چھوٹے شہروں میں کوئی مشاعرہ ایسا نہیں ہوتا جہاں آپ کی شرکت اہل مشاعرہ کے نزدیک ضروری نہ سمجھی جاتی ہو اکثر اور بیشتر مشاعروں میں آپ کو صدارت کا منصب پیش کیا جاتا ہے۔ آپ کی صدارت میں خطبہ خوانی کی وہ خصوصیت ہے۔ جو دوسرے معاصرین شعرا میں کم نظر

www.taemeernews.com

تی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ صدر مشاعرہ کی خطبہ نویسی کے موجد آپ ہی ہیں۔ اور اس خصوص میں مفید معلومات سے شعرا کو متنبہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ اپنی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی مستقل اور مسلسل جاری رکھتے ہیں چنانچہ اکبرآباد کے جس محلے میں آپ قیام پذیر ہیں وہاں "قصر الادب" کے نام سے ایک ادارہ قائم کر رکھا ہے جس سے مختلف اور متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بکثرت مقامی و غیر مقامی شعرا مشورۂ سخن سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔ عام علمی و مذہبی کتابوں کے علاوہ مخصوص شاعری کے متعلق جو منظوم و منثور تصانیف شائع ہو چکی ہیں یا زیر تصنیف ہیں ان کی مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ کار امروز۔ قومی اخلاقی اور ادبی نظموں کا مجموعہ جسے اکثر یونیورسٹیوں نے داخل نصاب کر لیا ہے

۲۔ کلیم عجم۔ خطبات شاعری اور غزلوں کا پہلا مجموعہ

۳۔ پیام فردا۔ ادبی، اخلاقی اور اصلاحی نظموں کا دوسرا مجموعہ

۴۔ توراتِ شرق۔ غزلوں کا دوسرا دیوان۔

۵۔ آیات الادب، رباعیوں کا مجموعہ

۶۔ شاہراہ۔ فنِ شاعری پر ایک مفصل کتاب

۷۔ مرآۃ الغالب، جدید شرح دیوان غالب

۸۔ رازِ عروض

ان کے علاوہ سیرۃ و تاریخ، مذہب، اور ڈرامے میں بھی آپ کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس وقت جناب سیماب سے زیادہ منظم خدمتِ شعر و ادب کرنے والا دوسرا شاعر نظر نہیں آتا اور وہ خدمت بھی ہنگامی اور سرسری نہیں بلکہ ٹھوس مستقل۔ اب چند شعار انتخاب ملاحظہ ہو۔

نمونۂ کلام

رات کا جادو، ایاغِ شیشہ و پیمانہ تھا — صبح کا نظارہ تھا قفلِ درِ میخانہ تھا
ڈھونڈتا پھرتا تھا چشمِ آرزو کی روشنی — میں شبِ فرقت اندھیری رات کا پروانہ تھا

نامہ گیا کوئی نہ کوئی نامہ بر گیا — تیری خبر نہ آئی زمانہ گزر گیا
ہنستا ہوں یوں کہ ہجر کی راتیں گزر گئیں — روتا ہوں یوں کہ لطفِ دعائے سحر گیا
اب مجھ کو ہے قرار تو سب کو قرار ہے — دل کیا ٹھہر گیا کہ زمانہ ٹھہر گیا
اٹھا ہے ابر بسکہ دستِ دعا لیا تم — اتنی برس پڑے کہ نہاؤں شراب میں
آ اے گلِ فسردہ لگا لوں گلے تجھے — تو بھی تو میری طرح لٹا ہے شباب میں
جنوں پہنچا بیاباں میں بہار آئی گلستاں میں — یہ دونوں کیوں نہ آئیں مری جاگیر یا بر
کہانی کہنے والا ذکرِ عنوانِ جوانی ہو — جوانی کی کہانی کیا جوانی خود کہانی ہے
دیکھتے ہی دیکھتے دنیا سے میں اٹھ جاؤں گا — دیکھتی کی دیکھتی رہ جائے گی دنیا مجھے

غرض کی دنیا ہے ساری دنیا یہاں وفا کا چلن نہیں ہے
مجھے کہیں اور لے چل اے دل کہ یہ مری انجمن نہیں ہے

حسن رنگا رنگ کی مدت بدامانی نہ پوچھ — ہر تصور کے تخیل میں نئی تصویر تھی
نظر فریبِ حقیقت ہو رہی ہے — مجھے دنیا سے نفرت ہو رہی ہے
یہ تم ہنس ہنس کے باتیں کر رہے ہو — کہ تقسیمِ جراحت ہو رہی ہے
نہیں بنتی دلِ تنہا نشیں سے — کسی کو ڈھونڈ دے یارب کہیں سے
یہ نازی کا تیرِ آخری ہے — بچے رہنا نگاہِ واپسیں سے

کہانی میری رودادِ جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

مشکل کہ شرحِ شوقِ تمنا کرے کوئی — ممکن کہ ایک قطرے کو دریا کرے کوئی
پروانے خاک ہو گئے دل سرد ہو چکے — بیٹھے رہو کہ ہو گئی محفل لٹی ہوئی

سیماب میرے بعد کہاں سوز و سازِ عشق
میں جا رہا ہوں گرمیٔ محفل لیے ہوئے

سر اقبال

شیخ محمد اقبال نام، اقبال تخلص، وطن مالوف سیالکوٹ (پنجاب)، ولادت ۱۸۷۶ء۔ عصر حاضر میں سر محمد اقبال کی مقبولیت و نام آوری

بس قدر ہے کہ اس کے بعد کسی کا کچھ لکھنا بے کار ہے۔ چشم بد دور وہ اس عہد میں بلحاظ شہرت آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مصداق ہیں اس لئے "حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلآرام را" تذکرہ کے طور پر چند تاریخی واقعات پر اکتفا کی جاتی ہے۔

اقبال نے لاہور کالج میں تعلیم پا کر ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور کچھ دنوں گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر رہے، پھر علوم اقتصاد و قانون کی تکمیل کے لئے ولایت گئے، وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، ابتدائے سن تمیز سے آپ کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی۔ لاہور کے ایک مشاعرے میں پہلے پہل آپ نے جو غزل پڑھی اس کا یہ شعر تمام مشاعرے میں پسند کیا گیا۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے — قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

آپ کو ابتدا ہی سے قومی، مذہبی اور ملکی شاعری کی طرف میلان رہا۔ ۱۹۰۰ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں "نالۂ یتیم" کے عنوان سے جو نظم آپ نے پڑھی وہ بیحد مقبول ہوئی، اسی نظم نے اس شہرت کی بنیاد رکھی جو اس وقت تمام ملک بلکہ سارے جہاں میں پھیلی ہوئی ہے۔ ابتدائی مشق میں آپ نے چند غزلیں مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی کو دکھائیں، پھر داغ سے بذریعہ خط و کتابت تلمذ اختیار کیا۔ جب سے بالالتزام نئے رنگ میں لکھنا شروع کیا اصلاح لینے کی پابندی جاتی رہی، داغ مرحوم ان کی قدر کرتے اور اکثر ان کی سخن گوئی کی تعریف فرمایا کرتے اور ان کی بلندیٔ فکر اور رسائی طبیعت کی داد دیا کرتے تھے، مولانا شبلی نعمانی جب ان کے کلام کو سنتے تو فرماتے کہ جب آزاد و حالی کی کرسیاں خالی ہوں گی تو لوگ آپ کو ڈھونڈیں گے، حضرت اقبال اپنی عام شہرت اور خاص قابلیت کی بدولت حکومت برطانیہ سے "سر" کا خطاب پائے ہوئے ہیں۔ ان کی شاعرانہ تصانیف متعدد ہیں جو بکثرت اشاعت پذیر ہیں اور کئی کئی مرتبہ چھپ چکی ہیں فارسی اور اردو دونوں میں خوب خوب طبع آزمائیاں کی ہیں، مثنویات رموز خودی، اسرار خودی، زبور عجم، جاوید نامہ وغیرہ فارسی میں اور بانگ درا، ضرب کلیم وغیرہ اردو میں مشہور عام اور مطبوع انام ہیں۔ ان کے فلسفیانہ، عالمانہ اور متصوفانہ کلام کے متعلق اکثر رسالوں اور کتابوں میں مکمل تبصرے ہو چکے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں، قبول عام کا یہ عالم ہے کہ ہندوستان نیز ہندوستان سے باہر دوسری زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہو چکے ہیں اور ہوتے چلے جاتے ہیں اس لئے یہاں غزل کی طرز کے چند اشعار کا انتخاب لکھا جاتا ہے۔

نمونۂ کلام

کبھی جو آوارۂ جنوں تھے وہ بستیوں میں پھر آ بسیں گے
برہنہ پائی وہی رہے گی مگر نیا خار زار ہو گا

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

عاشق دیدار محشر کا تمنائی ہوا — وہ یہ سمجھے ہیں کہ جرم ناشکیبائی ہوا

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہو تمنا
الٰہی تیرا جہان کیا ہے نگار خانہ ہے آرزو کا

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی — نشیمن سیکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

جو کشتگانِ محبت کی یادگار ہوں میں — مثال خط لوح مزار ہوں میں

جان دے کر تمہیں جینے کی دعا دیتے ہیں — پھر بھی کہتے ہو کہ عاشق ہمیں کیا دیتے ہیں

تم نے آکا دل کو لیکن اف رے شوخیٔ تیر عشق
دل سے کہتا ہے جگر تو دل نہیں ہے دل ہماں ہے

جوانی ہے تو ذوق آرزو بھی لطف ارماں بھی
ہمارے گھر کی آبادی قیام میہماں تک ہے

چمن زارِ محبت میں خوشی موت ہے بلبل — یہاں کی زندگی پابندیِ رسمِ فغاں تک ہے
وہ چیز نام ہے جس کا جہاں میں آزادی — سنی ضرور ہے دیکھی کہیں نہیں میں نے
خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا — یہ چیز وہ ہے کہ دیکھی کہیں کہیں میں نے
کہتا ہے خضرِ دشتِ جنوں میں مجھ کو میں — آتا ہوں میں بھی پاؤں کا کانٹا نکال کے
موت یہ میری نہیں میری اجل کی موت ہے — کیوں ڈروں اس سے کہ مر کر پھر نہیں مرنا مجھے
بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ — خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے
مری نگاہ میں وہ رندی نہیں ہے ساقی — جو ہوشیاری و مستی میں امتیاز کرے
واعظ کمالِ ترک سے ملتی ہے یاں مراد — دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے
سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے — او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے
اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل — لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

فدا گلاوٹھوی

سید عبد الوحید نام فدا تخلص قصبہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے ایک ممتاز حسینی النسل خاندانِ سادات سے تعلق رکھتے ہیں آپ کے والد بزرگوار مولوی سید حیات اللہ شاہ صاحب رح نقشبندیہ اور قادریہ سلسلہ کے ایک برگزیدہ صاحبِ نسبت بزرگ تھے جن کا وصال بعالم تحصیلداری ضلع فتحپور ہسوہ میں ہوا۔ گلاوٹھی ضلع بلند شہر ہی میں فدا صاحب پیدا ہوئے سنہ پیدائش جہاں تک معلوم ہو سکا ہے [illegible] ہے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں حاصل کی۔ آپ کے عربی کے استاد مولانا شاہ عبد اللہ صاحب داماد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رح اور فارسی کے استاد حضرت مولانا صوفی سید محمد حسن صاحب رح تھے۔ موخر الذکر نقشبندیہ سلسلہ کے ایک بانسبت بزرگ تھے۔

زمانۂ شباب میں حضرت علامہ سید محمد حسین صاحب یقین گلاوٹھوی شاگرد رشید حضرت مولانا امام بخش صاحب صہبائی دہلوی سے فارسی اور عربی پڑھی - اسی زمانہ میں آپ کو شاعری کا شوق ہوا - ابتداءً اپنا کلام مولانا سید کفایت علی صاحب علوی باپوڑی کو دکھاتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد علوی صاحب کی وفات پر نواب فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کے شاگردانِ رشید میں داخل ہو گئے۔ عرصۂ دراز تک خط و کتابت کے ذریعہ سے آپ اپنی غزلیں استادِ شفیق کی خدمت میں پیش کرتے رہے۔ متعدد مرتبہ داغ مرحوم نے اپنے خطوط میں آپ کے اوصاف کے متعلق اپنی رائے کا اظہار بھی کیا۔

فدا صاحب بوجہ نفاستِ طبع و بلاغتِ مزاج کے ساتھ ہی تصوف اور طریقت کے ذریعہ روحانی سکون و طمانیت سے لطف اندوز ہونے کی فکر میں رہے چنانچہ نقشبندیہ اور قادریہ سلسلہ کے مرشدِ اول حضرت مولٰنا سید فخر الدین صاحب ملقب بحکیم بادشاہ صاحب ہادی سے آپ کو خلافتِ صغریٰ کا فخر حاصل ہوا۔ چشتیہ سلسلہ میں آپ نے قدم رکھا تو رہبانِ طریقت حضرت شیخ محمد واجد علی شاہ صاحب مچھرایونی رح سے رجوع کیا۔ اور چشتیہ نظامیہ نیازیہ سلسلہ کے آپ کے برادرِ طریقت حضرت شاہ محبوب عالم صاحب رح عرف حنیفہ محبوب خانصاحب رح متوطن مین پوری سے آپ کو سلسلۂ چشتیہ میں خلافت نامہ کا اعزاز حاصل ہوا۔

آپ کی ملازمت کا زمانہ اپریل ۱۹۰۳ء میں ضلع مین پوری میں شروع ہوا - اور مارچ ۱۹۲۵ء میں وہیں ختم ہوا۔ آج کل آپ پنشن پاتے ہیں اور اپنے وطن مالوف گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں مقیم ہیں

جناب فدا ایک روشن دماغ، جوان قلب بزرگ ہیں جن لوگوں کو موصوف کی صحبت میں دو گھنٹے رہنے کا بھی فخر نصیب ہوا ہے انہیں یہ رائے قائم کرنا پڑی ہے کہ آپ کے منہ سے نکلا ہوا لفظ لفظ و حرف حرف اپنے اندر قسم قسم کی شعریت لئے ہوئے سامعین حاضرین کے قلوب پر جان فزا اور کیف انگیز نقوش قائم کرنے کو

موجب ہوتا ہے۔

آپ کے اشعار کے مطالعہ سے آپ کی زندگی کے مختلف دور پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ ابتدا آپ کے کلام میں داغ کی سادگی، شوخی اور معاملہ بندی کا عنصر غالب تھا۔ اس کے بعد رفعتِ تخیل و بلندی فکر نے ساتھ دیا۔ گو ہر رنگ کے اشعار میں وہ بندشِ الفاظ نمایاں کر دی جسے دیکھنے والا غالب و مومن کو یاد کرنے لگتا ہے۔

نمونۂ کلام

گناہوں میں تیری رضا چاہتا ہوں
مرا حوصلہ دیکھ کیا چاہتا ہوں

حیا سے نہ پوچھو کہ شرمائے گی وہ
تبسم سے پوچھو کہ کیا چاہتا ہوں

تمنا نہ سر چڑھ چلے زلفِ سیاہ کو
ادھر دیکھئے مرے حالِ تباہ کو

کیجئے نہ تنگ گوشۂ زلفِ سیاہ کو
رستہ تو دیجئے دلِ گم کردہ راہ کو

فرقت میں آنسوؤں کی خریدیں بیتیر
رحمت کے مول بیچ رہا ہوں گناہ کو

پہلو بچا رہی ہیں مری پاک دامنیں
توبہ نے جب سے گود لیا ہے گناہ کو

پچھتائیگا جو اب کرم تک گزر گئی
کہہ دو ہوا خدا کو نہ چھیڑے گناہ کو

میری نگاہِ شوق تو جلووں نے چھین لی
آنکھیں کہاں سے لاؤں ترے فرشِ راہ کو

آئینہ کی بے محل ترکیب حیرت دیکھنا
کس کی صورت دیکھتا ہے کس کی صورت دیکھنا

سوتے سے اٹھے وہ مسکراتے
کلیاں کھلیں دامنِ سحر کی

مری چھوٹی ہوئی نبضوں سے پوچھو
کہ ان کے ہاتھ سے کیا جا رہا ہے

ہوا ہے کون سرگرمِ تبسم
کہ پھولوں کو پسینہ آ رہا ہے

تھکے ماندے مسافر کو نہ چھیڑو
دمِ آخر مرا سستا رہا ہے

تکتا ہے دیدۂ لیلائے بے محمل مجھے
آ نہ بے پردہ نہ کر لے قربِ منزل مجھے

صفائی کر رہے ہیں سانس راہ کوئے جاناں کی
اسی رستے سے نکلے گی سواری دردِ ہجراں کی

کوئی اشکِ خطا اس دامن سے پایا نہ جائے گا

لگا رکھی ہیں ہم نے دو بیلیں شرمِ عصیاں کی
محیطِ چرخ ہوں پھر بھی شرارے میری آنکھوں کے
مرے تاروں کی چادر پردہ دارِ آسماں بھر ہو

آغا شاعر دہلوی

آغا مظفر علی بیگ نام، قزلباش خاندانی لقب، شاعر تخلص دہلی کے باشندے ہیں تقریباً ۱۸۷۰ء کی پیدائش ہے۔ دنیائے شاعری میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ نواب احمد سعید خاں طالب رئیس لوہارو کی خدمت میں رہ کر ان کی حوصلہ افزائی سے آپ کی شاعری کو ترقی ہوئی۔ طبیعت لڑکپن سے چلبلی اور شوخ پائی ہے، حضرت داغ کے خاص تلامذہ میں ہیں اور وقتاً فوقتاً استاد مرحوم کی صحبت بھی حاصل ہوئی ہے۔ بہت پرگو اور زود گو شاعر ہیں، ان کے شاگردوں اور ماننے والوں کی تعداد کافی ہے۔ بندش کی خوبی، اسلوب اور اندازِ بیان کی ندرت مضمون کی شوخی سے مل کر مزا دوبالا کر دیتی ہے۔ غزل نہایت بلند آہنگی سے تحت اللفظ پڑھتے ہیں، آپ کی غزلخوانی قابلِ شنید اور پسندیدہ ہوتی ہے۔ اپنی طباعی اور شہرت کی بدولت اکثر امراء اور رؤسائے وقت کے درباروں اور بارگاہوں سے منسلک رہے۔ کچھ دنوں حیدرآباد دکن میں مہاراجہ کشن پرشاد اور دام اقبالہ کے پاس رہے، پھر نواب نصیر الملک داماد بیگم صاحبہ مرشد آباد کے مصاحب رہے اور وہاں سے افسر الشعرا کا خطاب پایا۔ آخر میں مہاراجہ جھالاواڑ کے درباری شاعر رہے۔ بقول مؤلف خمخانۂ جاوید ان کی طبع رواں ہے جو ہر تغزل کی اصل شان ہیں۔ عاشق و معشوق کی گفتگو اور روزمرہ کے دلفریب اسلوب اور بے تکلفانہ محاورات جو "داغ کی شاعری کا زبردست عنصر ہیں آغا شاعر کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ان کا ایک مختصر دیوان "تیر و نشتر" کے نام سے

مخزن پریس لاہور میں طبع ہو چکا ہے باقی کلام غیر مطبوعہ ہے۔ اب سے دس برس پہلے تک اکثر باہر رہتے تھے۔ فی الحال دہلی میں قیام پذیر ہیں آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ اُردو نظم میں کیا ہے جو غالباً قریب ختم ہے اور اُس کے کچھ پارے شائع بھی ہو چکے ہیں۔ انتخاب کلام حسب ذیل ہے:

نمونۂ کلام

اک جہاں کو شغل ہے نالہ و فریاد کا　　نام نکلا ہے خدا رکھے تری بیداد کا

سدھاریں بھلا آپ کیا دیکھتے ہیں　　جنازہ کسی کا تماشا کسی کا

دم نہ نکلا صبح تک شامِ الم　　حسرتوں نے رات بھر پہرا دیا

سنا ہیں تو اب جان دے کر نہ پھر　　قیامت ہے یہ روٹھ جانا تمہارا

شاعرِ نازک طبیعت ہوں مرا دل کٹ گیا　　سا تیا لیا کہ شاید زباں پیامیں تھا

مسکن ہی کوئی قبر سے بہتر نہیں ملتا　　آرام کہیں گھر کے برابر نہیں ملتا

دم آنکھوں میں اس کا پھندا کھینچ آ کر　　پھر یہ نہ گلہ ہو مرا رستہ نہیں دیکھا

مجھ کو آتا ہے تیمم نہ وضو آتا ہے　　سجدہ کر لیتا ہوں جب سامنے تو آتا ہے

بری حال سے یا بھلے حال سے　　تمہیں کیا ہماری بسر ہو گئی

زندگی ہے ہزار غم کا نام　　اس سمندر کو پار کون کرے

تنکے کی طرح سیل حوادث لئے پھرے　　طوفان لیے آئی تجھے ہم زندگی کیا تم

مٹتے مٹتے بھی محبت کا نشاں رہتا ہے　　بجھتے بجھتے بھی سرِ شمع دھواں رہتا ہے

آدمی آدمی سے ملتا ہے　　بات کرنی تو کچھ گناہ نہیں

ہمارا ہی جگر ہے یہ ہمارا ہی کلیجا ہے　　نگہ نے تیر مارا زباں پہ آہ نہ کی

تم کہاں وصل کہاں وصل کی امید کہاں　　دل کے بہلانے کو اک بات بنا رکھی ہے

صیادِ ذی حشم کی ہوا نکل دی ہیں　　آئے بھی اور چلے بھی گئے دن بہار کے

کسے یقین ہے تم دیکھنے کو آؤ گے　　اخیر وقت مگر انتظار اور سہی

یہ کیسے بال کھولے آئے ہیں کیوں صورت بنی غم کی　　تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میرے ماتم کی

بڑی بے چینی سے قبر میں سو رہا ہوں　　نیا آسماں ہے نرالی زمیں ہے

میراں کا حشر میں آنا تماشا ہو گیا　　کچھ ادھر دیکھا کئی اور کچھ اُدھر دیکھا کیے

احسن مارہروی

از:- مدیر "شاعر"

سید علی احسن نام، شاہ میاں خاندانی عرف، احسن تخلص۔ ولادت ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء۔ بلگرام کے سادات صغراوی کے ایک بزرگ سید شاہ برکت اللہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں وارد مارہرہ ہوئے اور رؤسائے مارہرہ کی عقیدت و بیعت کے سلسلے میں ایسے گھرے کہ پھر وطن بلگرام نہ جا سکے ۱۱۴۲ھ ہجری میں ان کا انتقال ہوا، خاندان بنگش اور دوسرے متمول مریدوں نے ان کے مزار پر ایک عالیشان گنبد بنوایا اور رفتہ رفتہ وسیع رقبۂ زمین اُن کی درگاہ اور خانقاہ سے گھر گیا، شاہی گداپروری اور اس وقت کے امرا کی عقیدت گستری نے ایک معقول جائداد کا علاقہ بھی درگاہ اور اولادِ صاحب درگاہ کے لئے وقف کر دیا، یہ خاندان ہمیشہ سے علم و عمل میں مشہور و معروف رہا۔ بڑے بڑے اولیا و علما اس خاندان میں گزرے ہیں اور سب کے سب با وجود گوشہ نشینی و عزت گزینی شہرۂ آفاق ہوئے ہیں۔ حضرت سید صاحب عالم تخلص بہ صاحب جن کے نام مرزا غالب کے اکثر عقیدت مندانہ خطوط عود ہندی میں چھپے ہیں اسی خانقاہ و درگاہ کے سجادہ نشین تھے۔ تصوف و معرفت کے سرچشمہ کیا تھے، شعر و سخن کے دریا بھی ان کی ذات برکات سے بہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شاعری کا مذاق اس خاندان میں موروثی ہے۔ اسی اثر نے جناب احسن مارہروی کو بچپن ہی سے ادب میں لیا۔ اور ۱۶-۱۷ برس کی عمر سے یہ شغلۂ محبوب آپ کو ہو رہا۔ تعلیمی سلسلے کے ختم ہونے کے بعد ہی سخن گسترانہ خدمات شروع ہو گئیں۔ ۱۳۱۴ھ میں آپ نے بذریعہ خط و کتابت جناب استاد کے تلمذ کا شرف حاصل کیا، اور دو چار برس بعد بے ذوقی شوق کی تحریک سے دیکھا ہی ہوگی

www.taemeernews.com

پہنچے اور مرزا داغ کے انتقال سے ۲۰ برس پہلے تک ان کی خدمت میں شبانہ روز حاضر رہے۔ حیدرآباد میں رہ کر استاد کی سوانح عمری جلوۂ داغ بھی شائع کی۔ اردو میں ایک کتاب لغت فصیح اللغات کی تالیف شروع کی جس میں صرف جان استاد کے لکھے ہوئے محاورات اور روزمرہ کو مع اسناد جمع کیا، مگر افسوس ہے کہ وہ کتاب مکمل شائع نہ ہو سکی۔ یادگار داغ کے آخر میں جو اشعار و مفردات ہیں وہ سب مخصوص اسی کتاب کے لئے وقتاً فوقتاً کہے گئے ہیں۔ استاد کے انتقال کے بعد ۱۹۰۵ء میں لاہور چلے گئے، کچھ دنوں لالہ سری رام مؤلف خمخانۂ جاوید کے تذکرہ کا کام کرتے رہے پھر وہیں سے ایک ماہوار رسالہ استاد کی یادگار میں فصیح الملک نامی نکالا جو ۱۹۱۰ء تک جاری رہا۔ وہیں استاد مرحوم کا آخری دیوان یادگار داغ شائع کیا۔ رسالۂ فصیح الملک سے پہلے ایک گلدستۂ نظم جس کا پہلا نام ریاض سخن اور دوسرا نام ریاض خلیل تھا اپنے وطن (مارہرہ) سے نکالتے رہے، جن میں حضور نظام آصف جاہ سادس اور سابق نواب صاحب ٹونک کی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔ ۱۹۲۲ء سے اپنے لڑکوں کی تعلیم کے سلسلے میں علی گڑھ آئے، اس زمانہ میں یونیورسٹی میں نیا نیا شعبۂ اردو قائم ہوا تھا اور اس کے لئے اردو تعلیم دینے والے کی ضرورت تھی، چنانچہ اس وقت سے آپ کی خدمات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے وابستہ ہو گئیں اور اب تک یہ سلسلہ قائم ہے۔ آپ کی تصانیف میں کلیات ولی دکنی اور تاریخ نثر اردو خاص چیز ہے۔ کلیات ولی کو انجمن ترقی اردو (اورنگ آباد) نے اپنے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ اور تاریخ نثر اردو (نمونۂ منثورات) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں چھپی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ایم اے اور بی اے کے کورس میں داخل ہیں۔

جلیل استاد مرزا داغ کیساتھ آپ کو والہانہ عقیدت ہے۔ حتی الامکان ہر وقت ان کے کلام کی اشاعت کا مختلف حیثیتوں سے خیال رہتا ہے۔ آج کل ان کے نعتوں کا مجموعہ مرتب کر رہے ہیں اور اسی کیساتھ ان کے تمام دیوانوں کا ایک بہترین انتخاب بھی ہو رہا ہے۔ غرض کہ مسلم یونیورسٹی کے فرائض سے جو وقت بچتا ہے وہ خدمت سخن کیلئے وقف ہے۔ سرمایۂ کلام کافی ہے اگر مرتب کیا جائے تو دو دیوانوں کے برابر ہوگا، مگر دوسرے کاموں کے سامنے آپ کو اس کی ترتیب کا موقع نہیں ملتا۔ غزل گوئی کے علاوہ آپ نظمیں بھی کہتے ہیں۔ کلام میں استاد مرحوم کے رنگ کیساتھ موجودہ زمانے کا مذاق بھی ساتھ رہتا ہے۔ [illegible] اور عامیانہ روش جو فی زمانہ غیر مطبوع اور ناپسند ہے۔ آپ کا کلام بخصوصیت اس سے پاک ہوتا ہے۔ چند اشعار بطور انتخاب پیش کئے جاتے ہیں۔

نمونۂ کلام

خودکشی کا شب غم تجربہ کرنے نہ دیا — موت نے وقت پہ پہلے مجھے مرنے نہ دیا

ہو یہ نفرت یا بہ رغبت دیکھنا — آئینے کو سب کی صورت دیکھنا

خود فراموش ہیں شکوہ کوئی کرتا کس کا — ہوش اپنا ہی نہیں اسکو تو ہو دعوا کس کا

فنا بغیر بقا کا مزا نہیں ملتا — خودی مٹاؤ نہ جب تک خدا نہیں ملتا

دلربا بن کے مرے سینے سے پیکاں نکلا — میزباں بھی نہ رہا گھر میں جو مہماں نکلا

کسی کو بھیج کر خط ہائے یہ کیسا عذاب آیا — کہ ہر اک پوچھتا ہے نامہ بر آیا جواب آیا

جفا کرنے ہی پہ نازاں ستمگر بے نیازی کا — جلیل اٹھوا دیا ہم ہمتوں نے عشق بازی کا

یکساں نہیں ہے رنگ جہان خراب کا — ہر سانس تار ہے خبر انقلاب کا

توبہ سے لب بلب ہے پیالہ شراب کا — گویا گناہ رہ گیا ہے ثواب کا

حسن چاہے گا بہر حال نمایاں ہونا — تم سے پردے میں بھی ممکن نہیں پنہاں ہونا

دست وحشت جو حریف سر و ساماں ہوگا — ایک جھٹکے میں نہ دامن نہ گریباں ہوگا

ایک دیدار کی حسرت ہی نہیں ہے اے عشق — دل سلامت ہے تو سب کچھ مجھے ارماں ہوگا

ہمارا حال بعد زندگانی دیکھتے جاؤ — زبانی سن چکے اب بے زبانی دیکھتے جاؤ

کشش حسن کی یہ انجمن آرائی ہے — ساری دنیا ترے کوچے میں تماشائی ہے

www.taemeernews.com

بن کے ناصح وہ سکھاتے ہیں محبت نہ کرو | مجھکو مرنے نہیں دیتے یہ مسیحائی کی
جبیں کعبے میں رکھدی یا بر کوئے بتاں رکھدی | غرض اب اٹھ نہیں سکتی جہاں رکھدی وہاں رکھدی
بیٹھ جا نکہت پسینے کی جو ہم ناز میں | دل کی روداد وہیں کر دیکھ رہ گزر نیاز میں
جب سے کیا قفس نے اسیر چمن سے مجھے | یادش بخیر بھول گیا ہی چمن سے مجھے
موت آئی بیکسی کا غم مٹانے کیلئے | مل گیا اچھا بہانہ اس کو آنے کیلئے

ہو مبارک احسن اب تو دردوں کو بزم یار
دوست داریں کمر اُٹھتی ہیں جانے کیلئے

نوح ناروی

شیخ محمد نوح نام، نوح تخلص۔ غالباً ۱۸۷۹ء یا ۱۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے قصبۂ نارہ ضلع الہ آباد کے رئیس ہیں، مولوی عبدالحمید مرحوم سب جج کے صاحبزادے ہیں، جنہوں نے صوبۂ متحدہ آگرہ و اودھ کے مختلف مقامات (شاہجہانپور، بلند شہر وغیرہ) میں ذمہ دارانہ ملازمت و عہدہ داری کے بعد پنشن حاصل کی، خیر خواہی میں گورنمنٹ برطانیہ سے بھی حقیت پائی اور پھر خود کافی جائداد خرید کر کے قصبۂ نارہ میں مستقل سکونت اختیار کی، جناب نوح ابھی کمسن تھے کہ سب جج صاحب نے انتقال کیا، انگریزی تعلیم حاصل نہ کر سکے، اردو فارسی کی تحصیل اپنے وطن ہی میں کی، اور عنفوان شباب ہی سے تم شاہد سخن کی طرف رجحان و میلان شروع ہو گیا، چند سال اپنے وطن اور قرب و جوار میں داد سخن گستری دے کر اعزاز اصلاح کے بغیر اپنے شوق دلی سے بیتاب ہو کر جہاں استاد کی خدمت میں حیدرآباد پہنچے اور چند ماہ قیام کیا، پھر دو تین برس کے بعد دوبارہ باطمینان خدمت استاد میں حاضر ہوئے اور اس مرتبہ پہلے سفر کے مقابل میں زیادہ مقیم رہے، اور شفیق استاد کے فیضان صحبت سے مالا مال ہوئے۔ حضرت نوح استاد مرحوم کے خاص معتقد تلمذ و شیفتہ ہیں، ان کا کلام بکثرت ان کو ازبر ہے۔ آپ نہایت ذہین اور طباع شاعر ہیں، شعر گوئی آپ کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ معاش کی طرف سے فارغ البال ہیں اس لئے شبانہ روز اپنی علاقہ داری سے زیادہ اس مشغلے میں اپنا عزیز وقت گذارتے ہیں، اس وقت بسلسلۂ شاعری سارے ہندوستان میں آپ کو کافی شہرت حاصل ہے۔ کوئی بڑا شہر اور نامی مشاعرہ ایسا نہیں جہاں آپ باصرار بلائے نہ جاتے ہوں، اور وہاں پہنچکر اپنی فصاحت و سلاست کی داد حاصل نہ کرتے ہوں، مختلف شہروں اور صوبوں میں آپ کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کے اشعار میں تکلف اور تصنع قطعاً نہیں ہوتا، طبیعت کی روانی اور فکر کی براقی ان بحروں میں نہیں الجھتی جن سے فکر رسا کو آسمان کے تارے توڑنے پڑیں سیدھے سادے الفاظ اور کھلے کھلے مضامین اور الفاظ کی الٹ پھیر آپ کے کلام کی امتیازی شان ہے۔ اس سادگی اور روانی میں تمام تلامذۂ داغ میں آپ کا رنگ نمایاں اور امتیازی ہے۔ آپ کے سرمایۂ سخن سے دو دیوان (سفینۂ نوح و طوفانِ نوح) شائع ہو چکے ہیں، تیسرے دیوان کی ترتیب جاری ہے۔ آپ کے مقطع کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اپنے تخلص (نوح) کی رعایت سے کوئی طوفانی یا سیلابی مضمون اس میں ضرور ہوتا ہے۔ چند منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

نمونہ کلام

کسی کو جور و آزار و ستم کا شوق جب ہوگا | ہمارا ایک دل لاکھوں دلوں میں منتخب ہوگا
تیغ جلاد و نئی خنجر بکف ہو کر رہ گیا | قتل کرتے کرتے مجکو وہ ستمگر رہ گیا
بعد فنا مزار سرِ رہ گذر بنا | جب ہم بگڑ گئے تو ہمارا یہ گھر بنا
ہماری چار دن کی زندگی میں | نہیں کچھ اور سب کچھ ہے اسی میں
کسے مرنے کی حسرت ہے مجھے ہے | یہ کس کے جی میں ہے؟ یہ میرے جی میں
تھوڑے سے بھی نکلیں تو یہ جانوں بہت ہیں | ارمان رہے دل میں زیادہ بھی ہیں کم بھی
یہ کیا کہ ابھی آئے ابھی جانے کو تیار | ٹھہرو دو گھڑی [illegible]

سامنے تیرے ہنسی کھیل نہیں دل کا لگانا
یہ کام ہے آسان بھی یہ کام اہم بھی

حسن کی جبیں پہ شان ہوتی ہے
اس میں کیا آن بان ہوتی ہے

کون لے جائے اب کہاں دل کو
ہر جگہ چھان بین ہوتی ہے

دلِ عاشق میں حسرتِ معشوق
دوسری ایک جان ہوتی ہے

کل کہی تھی جو بات خلوت میں
آج سب میں بیان ہوتی ہے

کیا ٹھکانا مری طبیعت کا
مجھ سے بھی بدگمان ہوتی ہے

تمہارے حکم سے باہر کہیں عشاق ہوتے ہیں
ہنساؤ تو ہنستے ہیں رلاؤ تو روتے ہیں

مجھے کلام نہ کیوں ہو ایسے جینے میں
نہ وہ ہے مری دلبر نہ دل ہے سینے میں

جبر سہتا ہوں صبر کرتا ہوں
اس کے معنی یہ ہیں کہ مرتا ہوں

آہ جو سینے سے اور تو کوئی زحمت نہ ٹل گئی
اتنا ہوا کہ پھانس جگر کی نکل گئی

آئینہ دیکھ کر نظر ان کی بدل گئی
دونوں میں لاگ ڈانٹ تھی دونوں میں چل گئی

وہ مل گئے تو لطف مرے دل کو مل گیا
وہ آ گئے تو ان کی تمنا نکل گئی

طوفانِ بحرِ غم نے ڈبایا بہت مگر
کشتی جناب نوح کی بچ کر نکل گئی

دلیر مارہروی

سید امیر حسن نام، دلیر تخلص، ۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد میر دوست علی داور (ناؤ) اودھ کے قدیم باشندے تھے۔ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں شاہجہاں پور اور صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کے دوسرے مقامات پر تحصیلداری اور قائم مقام ڈپٹی کلکٹری پر فائز رہے۔ اور اپنی ملازمت کے زمانے میں سرکار کے خیر خواہ رہ کر بہترین خدمات انجام دیں اور سرکار سے خوشنودی و خیر خواہی کی سندیں حاصل کیں، اسی زمانہ میں ضلع شاہجہاں پور کے کسی قصبے میں اپنی دوسری شادی کی، جن سے جناب دلیر کے والد ماجد پیدا ہوئے، پنشن لے کر قصبہ مارہرہ میں قیام پسند کیا اور یہیں بلگرامی سادات مارہرہ کے محلے میں مکان بنا کر رہنے لگے، اسی وقت سے ان کی یہ دوسری شاخ مارہرہ میں موجود ہے۔ ضلع ایٹہ میں ایک گاؤں اور کچھ مختلف حقیتیں بھی خریدیں جو اس وقت تک جناب دلیر اور ان کے خاندان کے قبض و دخل میں ہیں۔

جناب دلیر کو ابتدائے سن شعور سے شعر و سخن کا ذوق ہے۔ طبیعت نہایت چلبلی اور شوخ پائی ہے۔ فارسی اور اردو کے علاوہ کچھ انگریزی بھی جانتے ہیں، فن موسیقی میں بھی دخل ہے۔ تقریباً ۱۳۱۵ھ میں بذریعہ خط و کتابت جہاں استاد مرزا داغ کے شاگرد ہوئے۔ اول اول امیر تخلص کرتے تھے، مگر استاد مرحوم نے ان کی فکر رسا اور ذہن و ذکا کو دیکھا تو لکھا کہ اس وقت امیر مینائی ایک مشہور و مستند استاد ہیں، ان کا ہم تخلص ہونا تمہارے لئے موزوں نہیں، چنانچہ اس مشورے کے بعد سے امیر کی جگہ دلیر تخلص رکھا۔ آپ کا کلام بہت صاف اور پرسوز ہوتا ہے، عاشقانہ رنگ بہت غالب ہے۔ اور استاد مرحوم کی کامیاب تقلید کرتے ہیں، روزمرہ میں بے تکلفی اور کلام میں خاص روانی ہے۔ اکثر مشاعروں میں اپنی خوش گوئی اور غزل خوانی سے بہت نمایاں رہتے ہیں۔ شوخی مضمون اور طرز ادا قابل تعریف ہے اور جابجا حضرت استاد کے فیضانِ سخن کی جھلک ان کے کلام سے آشکار ہے۔ بہت شگفتہ مزاج اور ظرافت پسند بزرگ ہیں۔ غزل کے سوا اور اصنافِ سخن میں بہت کم کہنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اگرچہ ان کا سرمایۂ کلام بہت ہے مگر کوئی دیوان ابتک شائع نہیں ہوا ہے۔ مختصر انتخاب پیش کیا جاتا ہے۔

نمونۂ کلام

یہیں لو اور جاؤ ہے اگر منظور جانا
نہیں آتا ہے گھر جانا ہمیں آتا ہے مرجانا

نہ اپنے دل کو دل جانا نہ اپنے دم کو دم سمجھے
تمہیں کو عمر بھر سمجھے تمہیں کو عمر بھر جانا

روتا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں
بیٹھے بٹھائے آج مجھے ہو گیا ہے کیا

اندیشۂ فراق ہی کرتا ہے ترکِ عشق
ہمت کو اے دلیر تری ہو گیا ہے کیا

www.taemeernews.com

نرگس میں ہیں جو تیر وہ قاتل کی ہاں میں — جو کھو گیا کہیں وہ مرے دل میں رہ گیا
ہرگز نہ تھا وہ سیر تماشے کا آدمی — پھنس کر پیامبر کسی مشکل میں رہ گیا
کیا ضرورت تھی جو یہ زحمت گوارا کی گئی — کیوں مجھے ناپید ہونے کیلئے پیدا کیا
کیا بتاؤں کیا نگاہ یار ہو کر رہ گئی — میرے دل کی مالک و مختار ہو کر رہ گئی
مجھ سے کہتے ہیں کہ تو حشر میں یہ کہنا — میرا دعویٰ ہے کسی پر نہ کوئی قاتل ہے
کبھی راہ پر وہ نہیں آنے والے — سلامت رہیں ان کو بہکانے والے
تفصیل وار ذکر ملاقات کیجئے — کس سے ملے کہاں ملے اور بات کیا ہوئی

یہ گل گشتیں یہ سیریں ہی تو سارے گل کھلاتی ہیں
ستمگر تو جو رسوا ہے انہیں باتوں سے رسوا ہے

بے رخی میٹھی نظر کے ساتھ ہے — عیب کیا اچھے ہنر کے ساتھ ہے
آپ کا در باب کعبہ بن نہ جائے تو سہی — کچھ دنوں گھسنے تو دیجے اپنی پیشانی مجھ کو
افسوس دل کا حال کوئی پوچھتا نہیں — یہ کہہ رہے ہیں سب تری صورت بدل گئی
عزت اسی کی اہل نظر کی نظر میں ہے — سب کچھ بشر میں ہے جو محبت بشر میں ہے

یہ فصاحت اور یہ آمد دلپذیر
داغ کے فیض کرم کی شان ہے

عاشق ٹونکی

محمد سعید خاں نام، عاشق تخلص، نواب امیر الدولہ بہادر، شمشیر جنگ بانیٔ ریاست ٹونک کے خاندانی صاحبزادوں میں ہیں۔ ۱۲۹۹ھ میں بمقام اجمیر شریف پیدا ہوئے اور مدت مدید تک اسی مبارک شہر میں قیام پذیر رہے۔ مشرقی تعلیم کی تکمیل مختلف استادوں سے اپنے مکان ہی پر کی۔ مذہبی اور عربی فارسی و ریاضت کے علاوہ ہندی لٹریچر سے بھی آپ واقف ہیں اور فن موسیقی و مصوری میں بھی دستگاہ رکھتے ہیں۔ ۱۶-۱۷ برس کی عمر میں آپ کو شاعری کا شوق ہوا۔ تیرہویں صدی ہجری کے آخر تک آپ منشی نیاز علی خاں مسلم سے (جو ان کے خانگی استاد تھے) اصلاح لیتے رہے اس کے بعد مد و جزر اسلام (مسدس حالی) شائع ہونے پر اس کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اس کو پڑھ کر قومی شاعری کی طرف طبیعت راغب ہوئی۔ اور جا کر مولانا حالی کے شاگرد ہوئے اور ایک مدت تک ان سے فیضیاب ہوتے رہے اسی زمانے میں حضرت داغ بضرورت رامپور سے دہلی آئے ہوئے تھے۔ مولانا حالی اس وقت اپنی پرانی شاعری ترک کر چکے تھے۔ جناب عاشق کا شوق دیکھ کر ان سے کہا کہ میں ایشیائی شاعری ترک کر چکا ہوں اور تم اس مذاق کے گرویدہ ہو۔ آج کل دہلی میں مرزا داغ آئے ہوئے ہیں میرا رقعہ لیجاؤ اور ان کو اپنی غزل دکھاؤ چنانچہ وہ رقعہ لیکر جہان استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے مرزا داغ نے اپنے سلسلۂ تلمذ میں داخل کر لیا اور جب تک مرزا کا قیام دہلی میں رہا جناب عاشق روزانہ ایک ایک دو دو غزلیں کہہ کر لیجاتے اور اصلاح لیتے پھر جب ٹونک واپس ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت ظہیر دہلوی دربار ٹونک میں ملازم ہو گئے ہیں اس کی اطلاع مرزا داغ کو جناب عاشق نے دی۔ مرزا نے یہ سن کر ظہیر صاحب کو لکھا کہ ان کی غزلیں دیکھ لیا کریں چنانچہ چند غزلیں حضرت ظہیر کو دکھائیں۔ ان اساتذہ کے سوا دو چار غزلیں حضرت آگاہ، اور حضرت انور اور حضرت معین وغیرہ کو بھی دکھا کر "شاعر نیک ہر دکان کہ باشد" پر عملدرآمد کیا ہے۔ مگر ایں ہمہ فن سخن کی تکمیل جہان استاد کے فیض اصلاح سے ہی حاصل کی ہے

جناب عاشق دلی اسکول کے معتقد اور رنگ قدیم کے شائق ہیں۔ روزمرہ، سلاست زبان اور معاملہ نگاری آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ آپ کے اشعار نہایت سادہ اور بے ساختہ ہوتے ہیں پیچیدہ استعاروں اور تشبیہوں سے آپ کا کلام پاک ہوتا ہے اور ان . . آرائش کو جن کا دوسرا نام آورد ہو سکتا ہے آمد کی شاعری کے لئے رکاوٹ تصور کرتے ہیں اور یہی جہان استاد کی شاگردی

کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ تمام اصناف سخن میں پوری مشاقی سے اپنی قلم کاری اور سخن طرازی کے کامیاب نمونے دکھانے پر قادر ہیں طبیعت مرنج و مرنجاں پائی ہے۔ شگفتہ دلی کا مجسم نمونہ ہیں اور خوش باش و بے فکر زندگانی ایک استاد کی طرح عامل ہیں۔ آپ کے غیر مطبوعہ چار دیوان مکمل ہیں۔ بوجہ پیرانہ سالی زیادہ تر گوشہ نشین رہتے ہیں مگر شاعری اور موسیقی کے محبوب مشاغل سے اپنی محفل کو آراستہ رکھتے ہیں۔

نمونۂ کلام

دل ہی نہیں تو سینے میں کون ہو بیقرار سا — ہائے وہ دن کہ بے سبب بنتا تھا انتظار سا
ملتی نہیں کبھی نظر دیکھتے ہیں ادھر ادھر — ملتے تو گو ہیں وہ مگر دل میں ہے کچھ غبار سا

مجھے ہے منظور جان دینا حقیر ہو کر نہیں رہوں گا
بلا سے کچھ دل پہ میرے گذرے جو کہہ دیا ہے وہی کروں گا
جتاتے ہو کیوں وفائیں ان کی دکھاتے ہو کیوں محبت اپنی
مجھے تو پہلے سے ہے یقیں یہ جو غیر ہوں گے وہیں نہ ہوں گا
ابھی ہے اپنی وفا کا رونا کہ ہائے اس دن کو میں نے چاہا
مگر اب آتے ہیں ایسے دن بھی کہ خوب ہے گوں پہ میں ہنسوں گا

ہیں یہ دشمن جو تمہارے دوست ہیں — ہم دکھا دیں گے جو دم میں دم رہا
لب پہ وہ حرف طلب جو نہ زباں سے نکلا — دل میں وہ عقدۂ لاحل کہ کبھی وا نہ ہوا
آنکھ میں اشک کی بوند ہے جو دل میں نہیں — درد سینے میں وہی غم ہے جو نالہ نہ ہوا
چاہت نہیں ہے رنج نفاق و ریا ہے اب — اخفائے راز کر نہ سکا مجھ پہ گماں ہے اب
یہ ابتدائے عشق میں کیوں مہرباں تھا — جیسے جو آسماں تمہارا ہی آسماں ہے اب
عاشق سے عاشقی کا مزہ شوق میں ہو خاک — اپنا معاملہ ہی کسی سے کہاں ہے اب
گر اب نہیں ملے تو کیا حشر میں ملے گے — اتنی سی زندگانی اسمیں بھی آنا کانی
خوب آزما چکی ہو اب تو کرم کرو کچھ — میری بھی رہ گئی ہے تھوڑی سی زندگانی

رباعی

بے شک یہ ہے لاجواب پیاری تصویر — بے مثل ہے دلفریب ہے ساری تصویر
دشمن سے کہے بات نہ ہم سے الفت — تم سے بھی تو اچھی ہے تمہاری تصویر

جو دل پہ گذر جائے وہ حالت نہ کہو — غیروں سے کبھی اپنی مصیبت نہ کہو
ہے لطف خموشی کیلئے اے عاشق — جب لطف ہے کہنے پہ مصیبت نہ کہو

یہ مضمون بظاہر طوالت آمیز نظر آتا ہے مگر غالباً اطناب مخل کی حد تک نہیں پہنچا ہے، ممکن ہے کہ ایک موقت الشیوع رسالے کے محدود صفحات کے لئے کچھ زیادہ ہو گیا ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سیر حاصل عنوان کے لئے پورا دفتر چاہیئے۔ اگر رسالے میں حد بندی کی قید نہ ہوتی اور ان افراد کی ایک ایک فرد کے لئے کم سے کم ۱۲ صفحے مخصوص کئے جاتے اس وقت پوری آب و تاب کیساتھ جہان استاد کے یہ زریں جلوہ گر ہو سکتے تھے۔ بایں ہمہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ مبالغہ و بالا خوانی نہیں بلکہ حقیقت کا مظاہرہ اور ترجمانی ہے۔

"قیاس کن ز گلستان من بہار مرا"

www.taemeernews.com

عہدِ حاضر کا نوجواں

از ——— جناب محمد صادق صاحب ضیا چنیوٹی بی۔ اے

بادلوں کے ساتھ اڑتی تھی کبھی اپنی نظر
طائرِ تخئیل کی یہ آسماں تھے رہ گذر

ذہن پُر عظمت، جواں ہمت دلوں میں جوش تھا
زندگی بادہ تھی لب پر ذکرِ ناؤ نوش تھا

لفظِ "ناممکن" سے تھی نا آشنا اپنی لغات
اک اشارے سے ہلا دیتے تھے ساری کائنات

جب قدم اٹھتے تھے اٹھتے تھے سوئے میدانِ جنگ
کوندتی تھی جب نظر دنیا نظر آتی تھی تنگ

قوت و ہمت اٹل تھی کوہساروں کی طرح
ساری دنیا رقص میں تھی آبشاروں کی طرح

جادۂ دشوار کو منزل بنا دیتے تھے ہم
کارواں کو ایک ٹھوکر سے جگا دیتے تھے ہم

ہم خودی و خود شناسی کے علم بردار تھے
خود ہی اپنی رفعت و عظمت کے ذمہ دار تھے

ہر روش میں زندگی کی جلوہ گر رہتے تھے ہم
شورشِ طوفاں میں بھی سینہ سپر رہتے تھے ہم

یا یہ حالت ہے زمیں سے اب نظر ہٹتی نہیں
سانس کی کمزوریوں سے زندگی کٹتی نہیں

ذہن میں کمزوریوں نے آ کے لی ہے پناہ
اب تصور بھی جواں رنگینیوں کا ہے گناہ

نظمِ ہستی کیا، نظامِ نفس بھی دشوار ہے
عہدِ حاضر کے جواں پر اپنی ہستی بار ہے

اب قدم اٹھتے ہیں لیکن ناتوانائی کے ساتھ
اب ہے رسم و راہ انفاسِ مسیحائی کے ساتھ

پہلے اس کا جوہرِ خوں دشنہ و خنجر پہ دیکھ
اور اب اس نوجواں کو ڈاکٹر کے در پہ دیکھ

www.taemeernews.com

تجلیاتِ قمر

از ——— حضرت مولانا قمر بدایونی

قمر تم یہ نہ سمجھو وہ ستمگر اب پشیماں ہے
کسی تازہ ستم کی فکر میں سر در گریباں ہے

جسے دیکھو پریشاں حال ہے شاکی ہے نالاں ہے
مجھی پر کیا ہے دنیا آپ کی ممنونِ احساں ہے

نظر صیاد کی ہر وقت ہو جس کے نشیمن پر
وہ اپنے دل میں کیا سمجھے یہ گلشن ہے کہ زنداں ہے

وفا سے ضد ہے لیکن ذکر کچھ اس ڈھب سے کرتے ہیں
کہ جیسے واقعی ان کو وفا کرنے کا ارماں ہے

ستم سے باز آنا کیا ستم کی انتہا کر دے
قیامت دور ہے ظالم ابھی سے کیوں پشیماں ہے

بھلا ہو جورِ گردوں کا مساوات اس کو کہتے ہیں
کہ دنیا بھر ہے آفت میں زمانہ بھر پریشاں ہے

مسلماں ہے کسی خطرے کا اندیشہ نہ ہو لیکن
یہ اس کا جرم کیا کم ہے کہ وہ اب بھی مسلماں ہے

یہ ہے کایا پلٹ بن کر بگڑنا اس کو کہتے ہیں
جو امیدوں کا مسکن تھا وہ دل اب وقفِ حرماں ہے

تقابل عیش کی بندوں سے کیا ہم غم نصیبوں کا
انھیں جینے کی حسرت ہے ہمیں مرنے کا ارماں ہے

تمناؤں کے مدفن داغہائے دل سے روشن ہیں
خدا کی شان ہے گورِ غریباں میں چراغاں ہے

یقیناً کچھ کمی ہے میری وحشت میں قمر ورنہ
یہ کیوں پہچانتا ہوں میں کہ یہ میرا گریباں ہے

(خاص)

www.taemeernews.com

یوحنّا کے خطوط

"یوحنّا کے قلم سے"

ان خطوط کے متعلق یہ بحث کہ یہ اصلی ہیں یا نقلی لاحاصل ہے لیکن اگر آپ انہیں نقلی بھی تصور فرمائیں تو اتنا جو ل جائیے کہ یہ خطوط "لیلیٰ کے خطوط" یا "قیس کے خطوط" یا "دیوانے کے خطوط" کی قسم سے کوئی اختراع نہیں ہیں۔ بلکہ ایک جواں سال و جواں خیال شاعر کے حقیقی احساسات و ... بات کے آئینہ دار ہیں۔ قطع نظر اس کے یہ بھی غلطی ہوگی۔ اگر آپ ہر خط میں صرف شاعری تلاش کریں۔ خدا کے لاتعداد ... دں کی طرح شاعر کو بھی اسی کیز خودی از یب دریا۔ ادر جل وجود کی غیر شاعرانہ دنیا میں زندگی کی سانسیں لینی پڑتی ہیں۔ اسے ہر نو ... زندگی کی ان دلچسپیوں میں بھی حصہ لینا پڑتا ہے۔ جو ایک اعتبار سے شاعری کے زمرے سے باہر ہیں۔ لیکن اسکی شعریت ذ... شعریت نگاہی دنیا کی کوئی مرکز قوت تباہ نہیں کرسکتی۔ ان خطوط سے آپ کو ... حقیقت کا بھی انکشاف ہوگا۔

"یوحنّا"

کرم گستر!

کیونکر کہوں کہ آپکی نگہ انتخاب نے غلطی کی ہے۔ میں جذباتی انسان ضرور ہوں۔ لیکن اپنے جذبات کا نیلام کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کے پیغامات میرے لئے کیا اہمیت رکھ سکتے ہیں۔؟ اس سوال کا جواب خود لے لیجئے۔ میری محفل میں اندھیرا ضرور ہے لیکن شمع جلاکر پروانوں کی قیامت دیکھنے کے لئے آنکھیں کہاں سے لاؤں ؟ -

---

چندرا!

یہ تو تمہیں یاد دلانا ہی بیکار ہے۔ کہ تم نے کیا کیا۔ لیکن اتنا بتا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ تم نے کیا برا۔ اور اگر تمہیں یہ چیز حقیقتاً منظور نہ تھی تو جب میں اتفاقاً تمہارے سامنے آگیا تھا۔ اس وقت تمہیں چپ جانا چاہئے تھا۔ ایک لمحہ وہ بھی خواب کا سا اس پر ستم یہ کہ بے شمار ... کو ایک برقی لہر کے ساتھ ذہن میں بیدار کر گئے:

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا
بات کرتے کہ میں لب تشنۂ تقریر بھی تھا

میں جانتا ہوں آجکل تم کن کاوشوں میں گرفتار ہو۔ خدا انجام بخیر کرے یہ جگہ سکون کی جنت ہے۔ میں جس وقت ... آیا ... اسی وقت سے یہ فیصلہ کئے ہوئے ہوں کہ اس کشمکش سے ... بائی ملتے ہی تمہیں یہاں بلاؤں گا۔ تاکہ تم ... ذہنی اضطرا... ہو جائے لیکن خدا جانے تم میری دعوت قبول بھی کرو گے یا نہیں کیونکہ تمہیں قید جبار والی ایک طولطرہ بھی موجود ہے۔

عزیز من!

کل دہلی سے ... واپس آیا تو آپ کا خط میرا انتظار کر ...

میں دہلی سے کچھ پریشانیاں مول لے کر آیا تھا۔ آپ کا خط پڑھا تو گویا ایک تباہ کن تیشہ دماغ پر اور پڑا۔ لیکن آپ گھبرائیے نہیں۔ اس قسم کی جتنی بھی ہیں ہر شخص کے ساتھ کم و بیش لگی ہی رہتی ہیں۔ میں آپ سے کم عمر سہی لیکن مجھے ایسی باتوں کا بہت تجربہ ہے۔ آپ سمندر کے کنارے کھڑے ہیں، کھڑے رہئے۔ طوفان اٹھتا ہے۔ اٹھنے دیجئے۔ موجوں کی ٹکرانے سے موت کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ ہونے دیجئے۔ البتہ جب آپ کو پاؤں تلے کی زمین جھکولے لیتی ہوئی محسوس ہو اس وقت مجھے یاد کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ میں آپ کی طرف لپکنے والی ہر موج کا رُخ بدل دونگا۔ ہم دونوں جوان ہیں۔ ہم دونوں کو جوان ہمت و بلند حوصلہ ہونا چاہئے۔ اگر وقت کا تقاضا ہوا تو ہم دونوں اس دنیا کو بھی اٹھا کر جہنم میں پھینک دیں گے۔

جی ہاں! اس وقت آپ مجھے "ظالم" کہیں تو بجا ہے۔ اور "ستمگر" سے تعبیر کریں تو سچ ہے۔ صبح سے شام ہو جاتی ہے۔ ہاتھ میں سُرخ قلم ہوتا ہے۔ اور یارانِ طریقت کے اعمالنامے۔ انکی جانچ میں برکمال تنگ ہوں! ان کے نام پر کیونکر نوحہ کروں۔ حیران ہوں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک صاحب بی۔ اے ہونے کے لئے قسمت آزمائی فرما رہے ہیں۔ "تہذیب جدید" کے عنوان پر مضمون لکھتے وقت سینما اور ریڈیو جیسے بے شمار کھلونوں کی فہرست مرتب کرتے ہیں۔ اور اسکے بعد ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ "Now a days Aero plane and Aerodromes fly in the air"[1] مطلب بہرحال آ انکیں کہیں کچھ بھی کا سامان ضرور نظر آتا ہے لیکن وہ سب بھی بالکل اسی طرح جیسے ریگستان میں شادابی کے سراب ہیں۔ .... کہاں چلا جاتا ہوں لیکن انھیں بھی اسی مصیبت میں گرفتار پاتا ہوں۔ شام کو ہم دونوں چھپکے سے کسی سنسان ہوسنان سڑک پر ٹہلتے ٹہلتے چلے جاتے ہیں لیکن اگر وہاں بھی کوئی سیاہکار مل جاتا ہے ...... تو بڑی کوفت ہوتی ہے۔ ہماری رسمی مزاج پرسی کے بعد ہماری دیانت پر چھاپا مارنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ ہم بارہا سمجھاتے ہیں کہ نجات ابھی کوسوں دور ہے۔ لیکن وہاں "ایک دو شنیدن کر کیا کہیں" بالآخر ایک مخصوص قسم کا جھوٹ اختراع کرنا پڑتا ہے۔ جب جان بچتی ہے۔ ہر نوع زندگی ایک تلخ سلسلہ بن کر رہ گئی ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ اس نظام کو بہت جلد درہم برہم کر کے ایک نئی دنیا پیدا کر لوں۔ آپ کی فرمائش پوری تو کر سکتا ہوں۔ لیکن آپ جانتے ہیں۔

پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا

بہتر ہوا اگر آپ ذرا اور ٹھہر جائیں۔ فاروقی صاحب سے پور میں ملاقات ہوئی تھی۔ بہت خوش ہیں۔ اب وہ کچھ کھوئے ہوئے سے بہت رہنے لگے ہیں۔

عزیز گرامی!

میرے اُنکے مراسم کس درجہ ہیں؟ —— اس سوال کا جواب اُنکے لئے بھی غالباً اسی قدر دشوار ہوگا۔ جس قدر خود میرے لئے، ہم دونوں کے درمیان بظاہر دیر و حرم کا فاصلہ ہے۔ لیکن دنیا میں ایک مشرب ایسا بھی ہے جو عالمگیر کہا جا سکتا ہے۔ ہم دونوں فی الحقیقت اسی مشرب و مذہب کے حامی ہیں۔ توہم پرستی سے الگ ہو کر حقیقت اور صرف حقیقت کی جستجو ہمارا مقصد حیات ہے۔ نہ ہماری راستی کسی تحریک کی محتاج ہے۔ اور نہ ہماری عبادت در و دیوار کی رہین منت۔ زندگی پھولوں کی سیج نہ اُن کے لئے ہے نہ میرے لئے۔ بلکہ صحیح مفہوم میں جنگ کا میدان ہے۔ آپ خود سمجھ لیجئے کہ کارزارِ حیات میں ایک سچے سپاہی کو چون و چرا کی فرصت کیونکر نصیب ہو سکتی ہے۔ اس لئے ہم نے صاف صاف راستہ اپنے لئے منتخب کیا ہے۔ جانتا ہوں کہ آپ اس وقت اپنے ذہن میں مجھے جہنم کی دھمکی دے رہے ہوں گے لیکن حضور والا، جہنم سے ڈرے تو وہ جسے جنت کا لالچ ہو۔ ہم انسان

[1] آجکل ہوائی جہاز اور ہوائی جہازوں کے اسٹیشن ہوا میں اڑا کرتے ہیں۔

www.taemeernews.com

ہیں۔ ہم سے غلطیاں ضرور ہوتی ہیں۔ لیکن ہماری ہر لغزش معاف ہونے کے لئے ہے۔ دعا در ہوں گے۔ جن کے اعمالنامے مرتب کرنے کے لئے عالم بالا کے دو دو کاتب مصروف رہیں۔ ہمارا خدا ہمارا راستہ صاف کرتا ہے۔ اس میں کانٹے نہیں بوتا۔

محب مخلص!

آج صبح آپ کا خط مجھے اس وقت ملا تھا۔ جب میں ناشتے کے بعد براؤننگ کی Pippa Passes سے روحانی کیف حاصل کر رہا تھا۔ ذہن میں ایک الجھن سی پیدا ہو گئی کہ پہلے آپ کا خط پڑھوں یا نظم ختم کروں دل کا فیصلہ تھا کہ پہلے خط پڑھا جائے۔ دماغ کی رائے تھی کہ پہلے نظم ختم کی جائے۔ میں نے دماغ کی رائے قبول کر لی۔ آپ سمجھتے ہوں گے کہ آپ کے خط کی توہین ہوئی۔ لیکن اگر آپ کو ایسا خیال ہو تو ذرا یہ بھی یاد کر لیجئے کہ اس توہین میں میرا دل بھی شریک تھا۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں۔ اور معلوم ہو رہا ہے کہ دن کے کاروبار سے فرصت نصیب ہونے والی ہے۔

سیل تھورن ڈائیک[1] کے متعلق اس سے زیادہ کیا عرض کروں کہ گزشتہ ہفتے کا لندن السٹریٹیڈ دیکھئے اور جس ورق کو کھولتے ہی آپ ایک دم اخبار بند کر دیں اور آپ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگے اسی صفحے میں اس ظالم ساحرہ کی تصویر ہے۔ پلکیں براہ راست روح میں پیوست ہو جانے والے تیر ہیں۔ اور آنکھیں بجلیوں سے بھرے ہوئے شیشے ابروؤں کی محراب میں لاکھوں صنم کدوں کا کفر، ہونٹوں پر ملکوتی متانت، انداز نشست میں یکسر قلوپطرہ کی آن، اور سینے کی انگشتری اس جلوہ کدہ پر سرکار حسن کی مہر تصدیق! معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو سکتی ہے جو ساری دنیا پر حکمرانی کر سکے تو وہ صرف اسی کی ذات ہے۔ اور برنارڈ شا نے جو سینٹ جون کا کردار اختراع کیا وہ یقیناً ایسی عورت کے شایان شان

ہے۔ لیکن جو قت اس نوع کی مخلوق کے متعلق ہیزلٹ[2] کا قول کہ دنیا دالا جلا پا کا ہے اس وقت اس قدوسیت پر بھی ایک قہقہہ لگانے کو جی چاہتا ہے۔ اور اس حقیقت کی تصدیق خود برنارڈ شا نے کر دی ہے۔ جب ان محترمہ نے شا سے کہا کہ "شا! ہم تم شادی کر لیں۔ ہمارے بچوں کی شبیہ میری ہو گی اور ذہن تمہارا" شا۔ کا جواب آپ کو معلوم ہے۔ ؟ آپ بھی سنیں گے تو گھبرا جائیں گے۔ "خاتون! اگر مجھے اندیشہ ہے کہ ہمارے بچوں کو میری شبیہ اور را ذہن ورثہ میں نہ مل جائے!" سنا آپ نے؟ یہ ہے ایک ادیب کی خودداری! ایک ہمارے ہندوستان کے ادیب اور شاعر ہیں کہ کہیں کسی "جنگل کی رانی" کی غلامی قبول کر لی تو کہیں کسی "بھکارن" کو سلام عقیدت کر لیا۔ کہیں "برق برگزیدہ" کو پیام سوز دیا تو کہیں "اسٹیج کی ملکہ" کے سامنے حدیث آرزو دہرا دی!

ستارہ کے متعلق میں کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مجھے خود آسکر وائلڈ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وائلڈ کا مکمل مجموعہ میرے پاس سالوں سے ہے۔ لیکن اب تک سوا چند سطور کے اور کچھ پڑھنے کی رغبت نہیں ہوئی۔

آپ اپنی آسودگی ذہن ورد ح پر بہت نازاں تھے! لیجئے یہ آپ ہی جیسے ایک شریف انسان کا ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ اسے پڑھتے ہی اس کے مصنف کو ایک نہایت مکروہ نام سے پکاریں گے ——— میری ذرہ حقیقت ہستی کو اور آفتاب بنا کر چمکا دیئے، میرے کمزور ارادوں کو اور صدیث جرأت بنا کر دنیا کے سامنے گائے ——— ان صاحب نے ریل میں گھنٹوں پر میرے کانوں پر ظلم کیا تھا۔ بالآخر میں تنگ آ کر خوابوں کی دنیا میں پناہ گزیں ہو رات کو خواہ کش قت پکارنے کی سی ایک آواز کان میں آئی تھی۔ لیکن کچھ دانستہ کچھ یہ کے نیچے

[1] یہ انگلستان کی ایک بہت مشہور بلند پایہ اکٹریس ہے اور یہ ایسے برنارڈ شا نے اپنا ڈرامہ سینٹ جون بالخصوص اسی کیلئے لکھا تھا۔ [2] انیسویں صدی کا ایک باکمال انشا پرداز اور مضمون نگار [illegible]

کے باعث خاموش رہا۔ صبح برقی پر جب آنکھ کھلی تو اس حقیقت پر کہ
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

خدا کا شکر ادا کیا۔ یہاں آیا تو اطمینان ہو گیا۔ کہ اتنی بلندی تک اُنکی آواز نہ آسکے گی۔ لیکن میرا یہ خیال کس قدر غلط نکلا۔ اُنکی آواز یہاں تک نہ آسکی وہ خود بھی یہاں تک نہ آسکے۔ لیکن اُن کا ستم نامہ یہاں تک ضرور آپہونچا۔ اس کا جواب میری طرف سے لکھ کر براہ راست انھیں روانہ کر دیجئے یہ باب آپ نے کھولا ہے۔ آپ ہی اسے بند کیجئے۔ اور اگر آپ خود کو معذور سمجھیں تو مجھے لکھئے۔ میں انھیں لکھ دوں گا۔ کہ "میں ایک چٹان سے گر کر خودکشی کرنے والا ہوں۔ آپ کے نام یہ میرا پہلا اور آخری خط ہے"۔ لیکن اگر انھوں نے جنوں میں آکر کوئی مرثیہ لکھ ڈالا تو رقابت کا نازک رشتہ کہیں فولاد کی زنجیر نہ بنجائے!

یہاں آکر مجھ پر کیا گذری؟ یہ آپ کو کیونکر بتاؤں؟
ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

جس وقت میں سویا[1] اُس وقت ہر نشیب و فراز پر سکوت چھایا تھا۔ اُسوقت آنکھ کھلی ہے۔ تو دنیا طوفانی موجوں پر متزلزل معلوم ہوتی ہے۔ نیلے آسمان پر وہ چمکتے ہوئے ستارے جو تمہاری سکوں نگاہی کی یاد دلاتے تھے نہ معلوم ٹوٹ ٹوٹ کر کہاں جا پڑے ہیں۔ پیڑوں میں ہوا اس قدر بھیانک سانسیں لے رہی ہے۔ کہ میری تخیل پر بھی موت طاری ہوا چاہتی ہے بادل آسمان پر گرجتا ہے۔ لیکن دل میں اُسکی گونج ہو رہی ہے۔

کیا معلوم اس وقت کیا بجا ہوگا۔ گھڑی میرے قریب رکھی ہے لیکن میں اُسے دیکھکر تعینات کی یاد تازہ کرنا نہیں چاہتا۔

اس وقت اس پر غور کرکے کہ فطرت کے خادم فرشتے فطرت کے نظام کو کس بے رحمی سے درہم برہم کر رہے ہیں۔ مجھے تمہاری اسیری پر رحم آرہا ہے۔ چاہتا ہوں کہ اسوقت تم میرے ساتھ سامنے کی بلند چٹان پر کھڑی ہوتیں بجلی آسمان سے گر کر ہماری طرف بڑھتی۔ تم اس کے جالی میں مسکراتیں۔ بجلی تمہارے قدم چوم کر آسمانوں پر واپس لوٹ جاتی! اور تم محویت میں گم ہوتیں۔ لیکن میں تم پر ابدی آزادی کا احسان کرنے کی سوچ رہا ہوتا۔ میں تمہیں پہلی مرتبہ پیار کرتا۔ تم مسکراتیں۔ بجلی چمکتی اور مجھے تمہارے لانبے گیسو ہوا میں ابر بیچارہ کی طرح لہراتے ہوئے نظر آتے۔ میں انھیں بل دے کر تمہاری بیمیں گرد ن میں ایک کالے سانپ کی طرح لپیٹ دیتا۔ تم خاموش رہتیں۔ میں تمہاری ندامتِ دار و رسن کی تکمیل کر دیتا۔ بجلی چمکتی۔ میں سمجھتا کہ جنت کا دروازہ تمہارے لئے کھولا گیا۔ میں تمہیں آخری مرتبہ پیار کرتا اور تمہاری زندان آب و گل کو سینکڑوں فیٹ کی بلندی سے وادی کے گیت گاتے ہوئے چشمے میں ڈھکیل دیتا۔ بادل گرجتا اور میں سمجھ لیتا کہ آزادی کے وطن میں تمہارا استقبال کیا گیا۔ بجلی پھر چمکتی لیکن اب میں اُسے صرف تمہارا تبسم سمجھتا۔ بادل پھر گرجتا لیکن اب میں اس میں تمہارا گیت سنتا۔ رات گذر جاتی۔ میں صبح کے سورج میں تمہارا سوزِ محبت محسوس کرتا۔ شام کو ستارے چمکتے۔ میں ان میں تمہیں تلاش کرکے اپنا سلام شوق پہونچاتا ——— بتاؤ، کیا تم اپنی اس آزادی سے خوش نہ ہوتیں؟—

دنیا ممکن ہے مجھے مجرم قرار دیتی لیکن میں تمہاری نظر میں مجرم نہ ہوتا۔ دنیا مجھ سے انتقام لینا چاہتی۔ لیکن میری پیشانی پر بل نہ آتا کیونکہ مجھے "Death is a Rainbow in Eternity"[2] نے

اچھا اب صبح کی اذان ہو رہی ہے۔ مجھے اس وقت محبت کا ایک فرض ادا کرنا ہے۔ تم تو ہنوز سو رہی ہوگی!

---

[2] موت ابدیت کے آسمان کی قوس قزح ہے۔

حسنِ قوافی

از ـــــــ حضرت مولانا حسرت موہانی

ہم عاشقِ فاسق تھے ہم صوفیٔ صافی ہیں
پی لیں جو کہیں اب بھی در خورِ معافی ہیں

عقلوں کو بنا دے گا دیوانہ جمال اُن کا
چھا جائیں گی ہوشوں پر آنکھیں وہ غلافی ہیں

ہم شکرِ ستم کرتے کیوں شکوہ کیا اُن سے
آئینِ محبت کے شیوے یہ منافی ہیں

جھوٹی بھی گوارا تھی باقی بھی غنیمت ہے
دو گھونٹ بھی ساقی سے مل جائیں تو کافی ہیں

ہم اُنکی جفا سے بھی راضی تھے مگر ناحق
اب ہو کے وہ خود نادم سرگرمِ تلافی ہیں

جدت میں ہے لاثانی حسرت کی غزل خوانی
کیا طرفہ مطالب ہیں، کیا تازہ قوافی ہیں

(خاص)

انشادِ آزاد

از ــــــــ حضرت حکیم آزاد انصاری سہارنپوری

کچھ آثارِ رخ سے عیاں اور بھی ہیں — کچھ اسرارِ دل میں نہاں اور بھی ہیں
فقط وجہِ قربِ خدا ہی نہ سمجھو — مفاداتِ عشقِ بتاں اور بھی ہیں
حرم میں پناہیں نہ پا سکنے والو! — مقاماتِ امن و اماں اور بھی ہیں
ابھی ظرفِ قابل ہی جانچا گیا ہے — ابھی سیکڑوں امتحاں اور بھی ہیں
وہ اپنی وفا کو وفا ہی نہ سمجھیں — کہ اُنکی وفا پر گماں اور بھی ہیں
زباں گرمِ اظہارِ الفت ہے لیکن — نظر سے ارادے عیاں اور بھی ہیں
سُن اے یارِ اندازہ دانِ وفا سُن — وفا کے کچھ اندازہ داں اور بھی ہیں
کبھی مے کبھی دُردِ مے کے علاوہ — مراعاتِ پیرِ مغاں اور بھی ہیں
جو شیخِ حرم درپئے دشمنی ہے — تو پروا نہیں آستاں اور بھی ہیں
نذرِ قتلِ عالم روا رکھنے والو! — تدابیرِ فتحِ جہاں اور بھی ہیں

غلامانہ خو اتفاقی ہے، ورنہ
روایاتِ ہندوستاں اور بھی ہیں

(خاص)

www.taemeernews.com

خطِ نستعلیق کے چار باکمال اُستاد

از ـــــ خاں صاحب حکیم محمود علیخاں صاحب ماہر اکبر آبادی

اہلِ عجم ہمیشہ سے جدت پسند اور حسن پرست واقع ہوئے ہیں۔ جب اُن کو خطِ نسخ میں بھدّا پن اور ایک ناموزوں تناسب نظر آیا تو وہ اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ خطِ نسخ میں ہر دائرہ اوّل سے آخر تک یکساں رہتا تھا۔ اور حرفوں میں کسی قدر ناہمواری بھی۔ یعنی دائرے گول نہ تھے بلکہ نچلا حصہ چپٹا ہوتا تھا۔ جس میں کونے یا زاویے نکل آتے تھے۔ لہٰذا اُنھوں نے حروف میں نقاشی و شانِ مصوّری پیدا کی اور حروف کی نوکیں، گردنیں اور پیچ کا حصہ باریک کر دیا۔ اور دائرے گول بنا دئے۔ چنانچہ اسی خط کا نام نستعلیق قرار پایا۔

خطِ نستعلیق یا قلمِ فارسی بقول علامہ ابن ندیم خطِ قیراموز سے ماخوذ ہے۔ جو خطِ کوفی کی ایک شاخ ہے۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ خطِ تعلیق اصلاح شدہ عربی خط سے ماخوذ ہے۔

لفظی ترکیب سے ظاہر ہے کہ نستعلیق کا ماخذ "نسخ تعلیق" ہے۔ جب خائے معجمہ کو تخفیفاً حذف کر دیا۔ تو تعلیق رہ گیا۔ اساتذۂ فن اور اربابِ لغت کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن غور کرنے سے حقیقت کھلتی ہے کہ نستعلیق کی ایجاد میں جملہ قلموں کی شان پیشِ نظر تھی جو ایران میں رائج تھے۔ علمِ خط کے علاوہ اہلِ عجم نے علوم و فنون کی بھی عربوں سے زیادہ خدمت کی ہے۔ جس کی تفصیل کشف الظنون وغیرہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ دورِ حاضرہ میں بھی ایران ہندوستان پر فوقیت رکھتا ہے۔ نسخ اور تعلیق کے اساتذہ اب بھی وہاں موجود ہیں اور عام مراسلت کا خط شفیعہ ہے۔

نستعلیق کتابی خط ہے جو ایران اور ہندوستان وغیرہ میں جاری ہے اور مراسلت کا قلم شفیعہ ہے جو نہایت خوبصورت اور دلکش ہے۔ نستعلیق کے حسنِ قبول کی بڑی دلیل یہ ہے کہ خطِ نستعلیق سے متعدد محاورات ایجاد ہوتے ہیں جو زبان زد ہیں۔ ایرانی ابجد میں بتیس حروف ہیں۔ کیونکہ عربی ابجد میں پ۔ چ۔ ژ اور گ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۱)
نستعلیق کا پہلا مصلحِ اعظم
خواجہ میر علی علوی تبریزی

خطِ نستعلیق کے موجد خواجہ میر علی علوی تبریزی ہیں۔ یہ امیر تیمور کے عہد ([illegible]) کے نامور خطاط تھے۔ جو فن کے اعتبار سے عدیم النظیر مانے گئے ہیں۔ لیکن علامہ ابوالفضل[1] دیباچہ مرقع بادشاہی (اہم تعلیقات خوشنویسان ہند و ایران مرتبہ شاہ جہانگیر) میں لکھتے ہیں کہ میر نے امیر تیمور کے ... زمانے سے قبل کی نستعلیق دستیاب دکھائی

[1] دفتر سوم ابوالفضل صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ نولکشور

امیر علی تبریزی خطِ نستعلیق کے موجد نہیں ہو سکتے۔ ابوالفضل کی شہادت نہایت معتبر ہے۔ میر علی خطِ نستعلیق کے موجد نہیں ہیں بلکہ اس کا موجد کوئی اور تھا۔[1] اور یہ چیز ہنوز تحقیق طلب ہے لیکن یہ امر بلا شک و شبہ قابلِ تسلیم ہے کہ میر صاحب نستعلیق کے مصلحِ اول ہیں اور صرف اُنکے حسنِ عمل سے نستعلیق کو یہ عروج حاصل ہوا ہے۔ جسکی تکمیل میں میر صاحب کے شاگردوں کا بھی حصہ ہے۔

مولانا غلام محمد صاحب دہلوی نے اپنے تذکرۂ خوش نویساں میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ میر علی اگرچہ نستعلیق کے موجد نہیں ہیں لیکن اُنھوں نے اس خط کے قواعد مرتب کئے اور نوک پلک میں خاص نزاکت پیدا کی۔

[2] ابوالفضل نے میر علی کے نامور شاگردوں میں مولانا جعفر تبریزی، مولانا اظہر اور مولانا سلطان علی مشہدی کا نام لیا ہے۔ مولانا جعفر شاہ رُخ مرزا کے زمانہ میں تھے اور اظہر کے ہمعصر تھے۔ لیکن سلطان علی کا درجہ سب سے بلند ہے۔ مولانا جعفر نے میر علی کے علاوہ اظہر کی وصلیوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

میر علی کو اپنے شاگردوں میں سلطان علی مشہدی پر فخر تھا کیونکہ انھوں نے سب سے زیادہ استاد کی خدمت کی تھی۔ اور میر صاحب کے حالات ایک مثنوی میں لکھے ہیں۔ جس کے چند اشعار یہاں نقل کرتا ہوں

سیرۃ میر علی تبریزی

نسخ و تعلیق گر خفی و جلی است | واضع الاصل خواجہ میر علی است
خسبش بود با عسلیٔ ازلی | نسبتش نیز می رسد بہ علی
تا کہ بود است عالم و آدم | ہرگز ایں خط نبود در عالم
وضع فرمودہ او ز ذہنِ دقیق | از خطِ نسخ و ز خطِ تعلیق
نے کلکش ازاں شکر ریزاست | کا صلش خاک پاک تبریز است
کاتباں ہر کہ کہنہ و نو اند | خوشہ چینانِ خرمنِ او اند
در جمیع خطوط بود شگرف | ز او ستاداں شنیدہ ام ایں حرف
خط پاکش چو شعر او موزوں | ہست تعریف او ز حد افزوں
بد معنا خزبہ مجمع افضال | شیخ شیریں مقال شیخ کمال
آنکہ شعرش چو میوہ ہائے خجند | ہست شیریں تر از نبات و زقند

سلطان علی مشہدی ایک جگہ اپنے استاد کے اُن اقوال کو جو خوش نویسی کے سلسلے میں ہیں اس طرح لکھتے ہیں۔

ایں چنیں گفتہ است میر علی | صبح مشق خفی و شام جلی
مشق آہستہ کن شتاب مکن | قلم مشق را خراب مکن

میر علی خطاطی کے ساتھ شاعری میں بھی کمال رکھتے تھے۔ میر صاحب کے مقلدین میں ایرانی اور ہندوستانی دونوں ہیں۔ لیکن ہندوستان میں کشمیریوں نے نستعلیق کو بہت زیادہ ترقی دی۔ دربارِ اکبری کے نامور خوش نویس محمد حسین کشمیری اسی زمرہ میں شامل ہیں۔ اور خطاطان ترکستان بھی میر علی کے مقلد ہیں۔ میر صاحب کی وصلیوں کا بڑا ذخیرہ ایران اور انڈیا آفس (لندن) میں موجود ہے آٹھویں صدی کے آخر تک میر صاحب بقیدِ حیات تھے۔

میر کے ہمنام اور ہمعصر، میر علی ہروی۔ ملا علی شیرازی اور میر علی خراسانی ہیں۔ اِن سب کی شانِ خط جداگانہ تھی۔

(۲)

میر علی الکاتب الہروی

ہرات کے باشندے اور سید تھے۔ مشہد مقدس میں سلطان علی سے نستعلیق کی تکمیل کی اور اُستاد سے بڑھ گئے۔ شاعری اور خطاطی میں اوّل اپنے باپ محمد رفیقی سے اصلاح لی۔ اس کے بعد زین الدین محمود عبدی کے شاگرد ہوئے۔ شاعر بھی تھے۔ مجنوں تخلص تھا فنِ خطاطی پر دو رسالے نظم میں لکھے ہیں۔ خصوصاً وہ رسالہ جس میں

[1] بعض مورخین نے یاقوت مستعصمی کا نام لکھا ہے۔ [2] مجالس المومنین قاضی نور اللہ شستری [3] کمال خجندی متوفی ۸۰۳ھ۔ یہ میر علی کے ہمعصر تھے۔

خطوطِ سبعہ کے قواعد نظم کئے ہیں۔ بہت مشہور ہے۔ اپنی تعریف میں متعدد رباعیاں اور اشعار لکھے ہیں۔ سنہ ۹۰۰ھ میں رسم الخط پر ایک رسالہ لکھا جو برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔ یہ رسالہ سلطان مظفر کے نام پر معنون ہے۔ سنہ ۹۲۵ھ میں ملکی بدامنی کی وجہ سے ماوراء النہر چلے گئے۔ اور عبداللہ خاں اوزبک (متوفی سنہ ۹۴۶ھ) کے ملازم ہوئے۔ اور شہزادہ مومن کے اُستاد مقرر ہوئے۔ بعدہٗ سلطان عبدالعزیز بخارا کے ملازم ہوئے۔ یہاں رہ کر گلستان اور مطلع الانوار امیر خسرو لکھی۔ گلستان پیرس کی لائبریری میں اور مطلع الانوار پٹنہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ خوانینِ بخارا سنی المذہب تھے۔ بخارا میں اختلافِ مذہب کی وجہ سے پریشان رہے۔ میر صاحب کا یہ قطعہ مشہور ہے۔ بخارا سے ناخوش معلوم ہوتے ہیں۔ اور ساتھ ہی زمانہ کے شاکی بھی۔

عمر از مشق دوتا بود، قدم ہمچوں چنگ ۔۔۔ تا کہ خطِ من بیچارہ بدیں قانون شد

طالبِ من ہمہ شاہانِ جہاں اند و مرا ۔۔۔ در بخارا جگر از بہرِ معیشت خون شد

خوش لولیانِ جہاں ساغرِ عشرت نوشند ۔۔۔ ساغرِ عیش مرا بیں کہ سراسر خوں شد

حسنِ خط بہرِ خلاصی زجنوں می جستم ۔۔۔ وہ کہ خط سلسلۂ پائے منِ مجنوں شد

میر علی تبریزی اور اُن کے شاگردوں کے بعد ابوالفضل نے مولانا میر علی ہردی کو نستعلیق کا اُستاد تسلیم کیا ہے۔ میر علی ہردی نے تکمیلِ فن کے بعد اپنے اساتذہ کے خلاف ایک جدید روش نکالی اور عجیب و غریب تصرفات کئے جو آج تک یادگار ہیں۔ باوجود اِس کمال کے میر صاحب سلطان علی مشہدی کے تکمیلی خط کے معترف تھے۔

مرقعِ بادشاہی (جہانگیر) میں میر علی ہردی کی بھی وصلیاں تھیں۔ ایک قطعہ میں اصولِ خوش نویسی لکھے ہیں۔ وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

چند درد ادیٔ خط میکنی ای دل تگ و پوئے ۔۔۔ بشنو این نکتہ زچوں منِ مشتاق فرخ بال

پنج چیز است کہ تا جمع نگردد باہم ۔۔۔ ہست خط اُشہ ن زد خردِ اہلِ محال

قوتِ دست، وقوف زخط و دقتِ طبع ۔۔۔ طاقتِ محنت و اسبابِ کتابت بکمال

گر از ایں پنج قصور ایست یکی را حقا ۔۔۔ ندہد فائدہ گر سعی نمائی صد سال

تقریباً سنہ ۹۵۰ھ میں انتقال کیا لیکن سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ سنہ ۹۵۱ھ کے بعد فوت ہوئے۔ کیونکہ سام میرزا نے کتاب تحفۂ سامی میں اُن کو سنہ ۹۵۷ھ میں بقیدِ حیات لکھا ہے۔

(۳)

آقا عبدالرشید دیلمی قزوینی

یہ آقا رشید کے نام سے مشہور ہیں۔ میر عماد کے بھانجے اور داماد اُنہی کے شاگرد تھے۔ میر علی، میر عماد اور آقا کی وصلیوں کی شناخت کرنا اور اُنکی تحریر میں امتیاز کرنا صرف ماہرِ فن کا کام ہے۔

میر عماد کے واقعۂ قتل سے خوف زدہ ہو کر آغازِ حکومتِ شاہجہانی میں وارد ہندوستان ہوئے۔ لاہور ہوتے ہوئے تباہی اور خستہ حالی میں آگرہ پہونچے۔ لباس میل کچیل سے موم جامہ بن کر بوسیدہ ہو گیا تھا۔ آقا نے شاہجہاں کی خدمت میں یہ قطعہ لکھ کر پیش کیا۔

قطعہ

ایا خجستہ خدائے کہ ساکنانِ فلک ۔۔۔ بر آستانِ تو دارند میل دربانی

چہ حاجت است کہ گویم حالِ خستۂ خود ۔۔۔ کہ حالِ خستہ دلاں را تو خوب میدانی

شہنشاہ شاہجہاں نے انتہا درجہ خوشنودی فرمایا۔ اور انتہائی احترام کے ساتھ اپنا درباری خوشنویس اور شہزادہ دارا شکوہ کا اُستاد مقرر کیا۔ اور پ رہ سو روپیہ ماہانہ مقرر فرمائے۔ اور حکم دیا کہ خطِ نستعلیق کو ہندوستان میں عام رواج دینا چاہئے۔

آقا کا مرتبہ کتابت میں بہت بلند ہے۔ ائمہ فن اُن کو خطاطی کا پیغمبر سمجھتے ہیں۔ خدمتِ اتالیقی کے علاوہ شاہجہاں نے خدمت بیوتات بھی

ماسٹر لیڈ ورڈ گارڈ مصنف سل و دل ان انڈیا نے میر علی ہردی کی وفات سنہ ۹۵۱ھ لکھی ہے

سرفراز کر دیا تھا۔ امیرانہ شان سے رہتے تھے۔ آگرہ میں شاندار عمارتیں اور ساز خانے تعمیر کئے۔ بڑھاپے تک مشق جاری رہی ۱۰۸۱ھ یا ۱۰۹۵ھ میں بمقام آگرہ عہد عالمگیری میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔ اس صاحب کمال کا جانشین آج تک پیدا نہیں ہوا۔ میر علی تبریزی کا سلسلہ آقا عبد الرشید پر ختم ہو جاتا ہے[1]

آقا کے شاگردوں میں شاہزادہ دارا شکوہ۔ محمد اشرف خواجہ سرا سیدائی اشرف۔ میر عبد الرحمٰن ہروی۔ اور میر حاجی بہت مشہور ہیں۔

آقا عبد الرشید کا طبقۂ متاخرین پر سب سے بڑا احسان ہے۔ جس نے ائمۂ فن پیدا کئے اور ہندوستان کے چاروں دار الخلافوں یعنی آگرہ۔ لاہور۔ دہلی اور لکھنؤ میں انہیں کی ذات گرامی سے فنِ خطاطی عروج پر پہونچا۔ آپکی وصلیاں آپکی زندگی میں جواہر کے مول فروخت ہوتی تھیں۔

لاہور، دہلی۔ آگرہ اور لکھنؤ کے جملہ اساتذہ میر علی تبریزی کو نستعلیق کا آدم اور میر عماد کو آدم ثانی تسلیم کرتے ہیں۔ آج ہندوستان میں جس قدر خطاط ہیں۔ اُن کی شاگردی کا سلسلہ میر عماد اور آقا عبد الرشید پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔

(۴)

سیّد محمد امیر رضوی میر پنجہ کشؒ

خطاطانِ دہلوی میں یہ آخری اُستاد تھے جو میر پنجہ کش کے لقب سے مشہور تھے۔ صحیح النسب سادات سے تھے۔ نیک چلن۔ نیک طینت مہذب اور خلیق تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ خوشنویسی کے ذوق کے ساتھ پنجہ کشی، کشتی اور بانک کا بھی شوق تھا۔ اور خطاطی کے ساتھ ساتھ مصوری نقاشی، لوح، جدول نگاری، صحافی، علاقہ بندی اور سنگ تراشی میں بھی اُستادِ کامل تھے۔

ایک فردِ واحد میں یہ جامعیت انتہائی کمال کی دلیل ہے۔ میر صاحب ابتدا میں **فلاطوں** نامی ایک ارمنی امیر کے معلم تھے۔ نستعلیق قدما کے طرزِ تحریر پر لکھتے تھے۔

لالہ غلام محمد دہلوی صاحب تذکرہ خوشنویسان لکھتے ہیں کہ جب میں نے اس سید زادہ کو ہونہار دیکھا تو ہدایت کی کہ میاں تم **عبد الرشید** کے طرز پر لکھا کرو۔ لیکن اس زمانہ میں آقا کی وصلیاں نایاب تھیں۔ کوئی شخص ان کو دینا بلکہ دکھانا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ تلف ہو جانے کا خطرہ تھا۔ لیکن میں نے سید کو آقا کی وصلیاں دے دیں۔ جن کو سامنے رکھ کر سید نے مشق شروع کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میر صاحب اُستاد ہو گئے۔ اور اُس کے بعد اُنھوں نے بطور خود کافی ذخیرہ وصلیوں کا جمع کیا۔ یہ سید کی خوش نصیبی تھی کہ آقا کی وصلیاں اُن کو کم داموں پر مل گئیں۔ جس کو انھوں نے مطلا و مذہب کیا۔ اس کے بعد وصلیوں کی نقل شروع کی اور اُن پر عبد الرشید کا نام لکھدیا۔ چنانچہ یہ وصلیاں آقا کے نام سے فروخت ہوئیں۔ اور کوئی اصل و نقل میں تمیز نہ کر سکا۔ اس ترکیب نے آقا کو زندۂ جاوید کر دیا۔ اور خود مالی نفع اُٹھایا۔ میر صاحب ہر سال ماہِ محرم میں آقا عبد الرشید کا عرس کیا کرتے تھے۔ جس میں تمام خوشنویس جمع ہوتے تھے اور فاتحہ کے بعد علمی تذکرے شروع ہوتے تھے۔ جس میں علم الخط پر بحث ہوتی تھی۔ غدر ۱۸۵۷ء میں کسی باغی نے گولی مار دی۔ میر صاحب نے نامور شاگرد پیدا کئے اور ان کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مہاراجہ الور نے میر صاحب سے گلستاں لکھوائی تھی یہ نسخہ ریاست کے کتب خانہ میں موجود ہے جس میں نامی مصوروں نے ہر حکایت کے متعلق تصویریں بنائی ہیں۔ یہ نسخہ قیمت میں ایک لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہے۔

یہ نسخہ سترہ سال میں تیار ہوا تھا۔ احقر نے بچشم خود اُس کا مطالعہ

[1] بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آقا رشید نے لاہور میں کچھ دن قیام کیا اسی دوران قیام میں آپ کے متعدد شاگرد ہو گئے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو نستعلیق کا مولد و مرکز لاہور کو سمجھنا چاہئے۔

www.taemeernews.com

نذرِ سیماب

از۔ حضرت صبا رشیدی ایم اے

ہستی کے محیطِ غم میں یوں ہم عمر گزارے پھرتے ہیں
پانی میں حباب تو جیسے موجوں کے سہارے پھرتے ہیں
رنگین شفق میں خوابیدہ خونابۂ غم کی بستی ہے
یہ جگنو ہر سو اُڑتے ہیں یا دل کے شرارے پھرتے ہیں
ناکام نگاہیں یاس بھری، منزل نہیں ملتی کیا کہئے
آوازِ جرس کی صورت ہم ہر سمت پکارے پھرتے ہیں
مٹی میں ملے نایاب ہوئے ڈھونڈھے سے بھی ہم ملنے کے نہیں
اب کھوج میں دل کے ذرّوں کے کیا چاند ستارے پھرتے ہیں
ہے پاس فریبِ خودداری غربت کی محبت کیا کہئے
وہ ہم سے کنارے پھرتے ہیں ہم اُنسے کنارے پھرتے ہیں
یہ وحشتِ غم کی تنہائی یہ کالی رات کے سناٹے
ہم چھاؤں میں تاروں کی پھر آنکھوں میں تارے بھرتے ہیں
تعمیر کی دنیا سوئی ہے تخریب کے محشر زاروں میں
دل کے ٹکڑے ذرّے بن کر اب مارے مارے پھرتے ہیں
اُف کیسی کو ترساہی کئے اللہ محبت کیا شے ہے
ہم دردِ محبت کے ہاتھوں دل اپنا ہارے پھرتے ہیں
رومانِ محبت کے قصّے پیمانِ وفا کے افسانے
آنکھوں میں صبا اب تک کیا کیا وہ نقشے سارے پھرتے ہیں

(خاص)

لمعات

از۔ جناب قمر جلال آبادی رکنِ ادارہ ملاپ لاہور

ہمنشیں کیا میں کہوں جذبۂ الفت کیا ہے
خود بتائے گی محبت کہ محبت کیا ہے
آیا پروانہ گرا شمع پہ۔ جل جل کے مرا
تو ابھی سوچ رہا ہے کہ محبت کیا ہے
عشق کو چھوڑ کے جنت کا تجسس ہے تجھے
عشق کی آگ جو دوزخ ہے تو جنت کیا ہے
ابھی وہ آئے تھے یا اُن خیال آیا تھا
او مری بیخودیٔ شوق! حقیقت کیا ہے
او مری بیکسیٔ عشق پہ رونے والو!
آہ میں آج یہ سمجھا ہوں محبت کیا ہے
اہلِ ایماں کا بنا یا ہوا اک میخانہ
اور زاہد تری جنّت کی حقیقت کیا ہے
حالِ دل آج انھیں رو رو کے سنانا ہوگا
آج وہ پوچھ رہے ہیں تری حالت کیا ہے

(خاص)

فغانِ زندگی

از۔ حضرت راغب ہاشمی برہانپوری

تو شریکِ حال ہو تو شادماں ہو زندگی
ورنہ اک مجموعۂ آہ و فغاں ہے زندگی

کروٹیں لے کر گذاریں ہم نے راتیں ہجر کی
ہم مریضوں کے لئے آزارِ جاں ہے زندگی

اے اسیرِ پنجۂ غم اے جفاؤں کے شکار
تیرے حالِ زار پر خود نوحہ خواں ہے زندگی

اس کے ہر گرداب میں مضمر فنا کا راز ہے
اک تلاطم خیز بحرِ بیکراں ہے زندگی

مختلف شکلوں کے یہ منظر دکھاتی ہے ہمیں
آئینہ دارِ خیالاتِ جہاں ہے زندگی

صدمۂ رنج و الم سے مجھ کو کیونکر ہو نجات
لمحہ لمحہ آجکل مجھ پر گراں ہے زندگی

غور سے دیکھا تو راغب یہ نظر آیا ہمیں
آئینہ دارِ صد افکارِ جہاں ہے زندگی

افکارِ تاباں

از۔ جناب غلام الحسنین صاحب اختر جعفری سرگودھا

بھولنے والے تیری اس طرح میں نے یاد کی
نام لے لے کر تیرا شام و سحر فریاد کی

او تغافل آشنا یہ بے رخی اچھی نہیں
آرزو میں تجھ سے وابستہ ہیں اک ناشاد کی

ہچکیاں لیتا ہے دل میں آرزوؤں کا شباب
آج کچھ بدلی ہوئی سی ہے نظر صیاد کی

کاش دنیا میں بتا دیتا کوئی انجامِ ضبط
پوچھتی پھرتی ہے ہر اک سے نظر فریاد کی

مل گیا ہم کو بالآخر اپنے قاتل کا سراغ
آنکھ کی پتلی میں تھی تصویر اس جلاد کی

اپنی بربادی کا اختر اُن سے ناحق ہے گلہ
اپنے ہاتھوں ہم نے اپنی زندگی برباد کی

www.taemeernews.com

۷۸۶

آگرہ اسکول

تعارف

جدید ادب اردو میں "آگرہ اسکول" سے مراد وہ ادارہ خیال ہے جو نئے زمانے کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر عالم وجود میں آیا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی میں دنیا نے جو ترقی کی ہے اور دنیا کے ادب میں جو روشن خیالی پیدا ہوئی ہے ناممکن تھا کہ اردو ادب اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکے چنانچہ ہندوستان میں جہاں اور بہت سی تحریکیں شروع ہوئیں وہاں اردو ادب نے بھی ایک نئی کروٹ لی۔ اور علم و ادب میں نئی زندگی کا پیغام لیکر "آگرہ اسکول" سب سے آگے بڑھا۔

بارہا اس بات کا اعادہ کیا جاچکا ہے کہ "آگرہ اسکول" سے مراد کوئی شخصیت نہیں ہے اور نہ آگرہ کی مقامی حالات سے اس کی توضیح کی جاسکتی ہے۔ بلکہ یہ ایک جماعت ہے جس کا نام بعض خصوصیات کی بنا پر "آگرہ اسکول" رکھ دیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے وہ ناقد جو اردو میں انفرادیت کو پرستش کی حد تک دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں "آگرہ اسکول" کو بھی انفرادی آئینوں میں دیکھے بغیر نہیں رہ سکے۔ کوئی کہتا ہے "آگرہ اسکول" سے مراد سیماب اسکول ہے۔ کوئی سمجھتا ہے "آگرہ اسکول" آگرے کے مقامی شعرا کی پوزیشن واضح کرتا ہے۔

معاملہ یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھی کلیتہً "آگرہ اسکول" نہیں۔ یہی غلط فہمی ہے جو "آگرہ اسکول" پر مضامین لکھنے والوں کو طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

تاریخ ادب اردو کا یہ بڑا نقص ہے کہ اس میں صرف شعرا و ادبا کی ذاتی کاوشوں کا ذکر قلم بند ہوا ہے۔ جماعتی حیثیت سے ہمارے ادب کی تعیین نہیں ہوئی۔ اگر اس ذہنیت سے الگ ہو کر "آگرہ اسکول" کا مفہوم سمجھا جائے تو اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ "آگرہ اسکول" کیا ہے؟

مولانا سیماب مدظلہ کی ذات خاص "آگرہ اسکول" نہیں ہے بلکہ وہ بھی "آگرہ اسکول" کے ایک نمائندہ ضرور ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس جماعت کے دوسرے نمائندے ہیں۔ اور چونکہ کسی ادبی ماحول میں مقامیت کی تخصیص نہیں ہو سکتی اس لئے اس اسکول کے پیرو کار ہندوستان کے ہر حصے میں موجود ہیں۔ "آگرہ اسکول" کا مفہوم سمجھنے کیلئے ... کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ سب سے پہلے تو بیسویں صدی عیسوی اور بیسویں صدی عیسوی کی شاعری کی خصوصیات نگاہ میں رکھنی چاہئیں۔ [illegible] قدیم [illegible] ذہن نشین کر لینا چاہئے [illegible] شعرا [illegible] ہوتے تھے

- [illegible] کی ضرورت [illegible]

[illegible]

www.taemeernews.com

ان دونوں باتوں کو ملحوظ رکھ کر جب ہم آگرہ اسکول کے ادب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پہلی خصوصیت کے اعتبار سے آگرہ اسکول تاریکی میں ایک نئی روشنی پیدا کرتا نظر آتا ہے۔ قدیم ذہنیت اور قوافی اور ردیف کی پابندی کے خلاف آگرہ اسکول کی نوید۔ قدامت اور پست ذہنیت کی قبر پر ایک ٹھوکر ہے۔ دوسری خصوصیت کے اعتبار سے آگرہ اسکول نئی حیات، نئی امنگ، نئی زندگی کا پیام ہے جو ترقی یافتہ قوموں اور ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش مصروف عمل ہے۔

ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں ہمیں ایسی ہی شاعری کی ضرورت ہے جو ہمیں یکجہتی اور زندگی دے۔ ہمیں پستی سے نکال کر رفعت کی طرف مائل کرے اور ہم میں زندگی کی ایسی تڑپ پیدا کردے جس کے سہارے زندہ رہنے کا حقیقی مفہوم سمجھ سکیں۔ ہم ایسے ادب کے متمنی ہیں جو ہم پر واضح کردے کہ ہم کو دنیا میں باعزت زندگی بسر کرنے کا حق ہے۔ ہم ادب کو محض ادب کی خاطر ہی دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ ادب کا مقصد ہماری نگاہ میں زندگی کی اعلیٰ خصوصیت کی تربیت ہے۔ اس مقصد میں آگرہ اسکول کہاں تک کامیاب ہے؟ اس کا جواب ہمیں آگرہ ہی کی فضا سے مانگنا چاہئے۔ ہمیں اس احساس سے مسرت ہے کہ ہوا کا رخ ہماری ہمنوائی کر رہا ہے۔

علاوہ تخیل۔ جدت اور لطافت آگرہ اسکول کی نمایاں خصوصیات ہیں جن کی مثالیں طلبائے آگرہ اسکول کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ "آگرہ اسکول" نے ایشیائی مذاق کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور مشرقیت کو بھی ہر بات میں پیش نظر رکھا ہے۔ "آگرہ اسکول" کی مابہ الامتیاز خصوصیت انداز بیان ہے اور ایک خاص روش تحریر ہے جس کا نمونہ دوسرے ہیں کمیاب نظر آتا ہے۔

"شاعر" کے اس نمبر کو "آگرہ اسکول" کی توضیح کا مکمل نمونہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن نہیں کہا جاسکتا کہ ہم کہاں تک کامیاب ہیں۔ اگر ہمارے پیش کردہ اصولوں میں سے ایک سے بھی آپ متفق ہوں تو ہم سمجھیں گے کہ ہمارا مقصد پورا ہوگیا۔

ہمیں اس بات کا بھی احساس ہے کہ بعض ناقدین کو "آگرہ اسکول" کے لفظ سے پرخاش ہے وہ ہر طرح ہماری ہمنوائی کرنے کے لئے تیار ہیں اگر کوئی چیز ان کے اعتراف کے مانع ہے تو صرف "آگرہ اسکول" کا لفظ۔ بعض حضرات اسے جماعتی حد بندی قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات اسے شخصی ذات تک محدود سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

دراصل "آگرہ اسکول" جدید ادبی اسکول کا مرادف ہے لیکن چونکہ جدید اسکول سے کسی خاص جماعت اور خاص روش تحریر کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا اس لئے ان سب باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے "آگرہ اسکول" اس ادارۂ خیال کا نام پڑ گیا ہے جس کے نمائندے آپ کو ان صفحات میں نظر آئیں گے اس کے علاوہ "آگرہ اسکول" کو ملک کے ان ادبا اور شعراء سے ممتاز کرنا بھی مقصود ہے جو قدیم ذہنیت کے علمبردار ہیں اور جن کی کوششیں صرف ان کی ذاتی شخصیت تک محدود ہیں۔ اور جن کی روش تحریر اور انداز بیان بھی "آگرہ اسکول" سے مختلف ہے۔

مولانا سیماب مدظلہ نے "کلیم عجم" کے "خطبات" میں "آگرہ اسکول" کے نقطۂ نظر سے جدید اردو شاعری پر تنقیدی نگاہ ڈالی ہے۔ اسی سلسلے میں ایک جگہ شعر کی خصوصیات واضح کی ہیں۔ اس ضمن میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس جگہ انہوں نے شعر کی تعریف نہیں کی بلکہ صرف خصوصیات ہی بیان کی ہیں۔ خصوصیات تعریف کے ضمن میں نہیں آتیں بلکہ تشریح و توضیح کا کام دیتی ہیں۔ بعض ناقدین انہی خصوصیات کو شعر کی تعریف سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مثلاً ایک جگہ وہ فرماتے ہیں۔

"آگرہ اسکول کا طالب علم اپنی نظم والدین، استاد، بہنوں، بیٹیوں اور ملک کی تمام خواتین کے سامنے پڑھ سکتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس بیان میں صرف ایک خصوصیت کا اظہار ہے۔

اور یہ شعر کی تعریف کے ذیل میں نہیں آتا۔ اس بیان سے یہ نتیجہ بھی نہیں نکلتا کہ وہ غزل اس معیار سے علٰحدہ ہو وہ غزل کہے جانے کی مستحق ہی نہیں ہے بلکہ یہ تو آگرہ اسکول کے عام ادب کا معیار پیش کیا گیا ہے حسن و شباب کے پر کیف جذبات و مناظر کا بیان بجائے خود رنگینی و روانی کا طالب ہے اور ان موضوعات کو انہی کے نقطۂ نظر سے واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ حسن و شباب کے مناظر کا بیان ایک شاعر اور ایک ادیب کیلئے جس قدر جاذب اور توجہ کش ہو سکتا ہے وہ ایک شاعر اور ادیب ہی سمجھ سکتا ہے۔ آگرہ اسکول کی خصوصیات میں یہ کہیں نہیں بیان کیا گیا کہ جب پر کیف جذبات و مناظر کا بیان ہو تو رندانہ ذہنیت کا لبادہ اوڑھ لیا جائے۔ عہد جدید کی خصوصیات میں رنگینی اور آزاد خیالی بھی آتی ہے۔ اور آگرہ اسکول نے ان کو زمانہ اور فضا کے مطابق بنانے کا ایک متعین طریقہ بتایا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر موضوع اپنی وضاحت کیلئے ایک مخصوص نقطۂ نظر کا طالب ہوتا ہے اور آگرہ اسکول بھی اسی اصول پر کاربند ہے۔ پھر یہ کیا ضرورت ہے کہ حسن و شباب کے مناظر اپنی ماؤں اور بہنوں کے سامنے پیش کئے جائیں؟

جیسا کہ ہم نے تمہید میں واضح کیا کہ آگرہ اسکول کے ادب کا مطالعہ کرنے سے پہلے ہم کو اپنی ذہنیت میں ایک زبردست انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جب تک ہمارے ناقدین ذاتیات میں الجھے رہیں گے آگرہ اسکول کی اہمیت اور عظمت ان کی نگاہوں پر واضح ہو ہی نہیں سکتی یہی حال آگرہ اسکول کی جدید تراکیب اور بعض اختراعات کا ہے جب تک انہیں سمجھ نہ لیا جائے ان کے معنی و مفہوم کے متعلق الجھن رہتی ہے لیکن سمجھ لینے کے بعد کوئی چیز محل نظر نہیں رہتی بہر کیف آگرہ اسکول نمبر کی اشاعت سے جہاں حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ العالی کے تلامذہ یعنی شعرائے عصر کے حالات و سوانح قلمبند کرنا مقصود تھا وہاں یہ غرض بھی تھی کہ آگرہ اسکول کو سیماب کا منصۂ شہود پر لایا جائے۔ تاکہ وہ لوگ جو آگرہ اسکول کو مفہوم سمجھنے میں اب تک کامیاب نہیں ہوئے۔ اب اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور آئندہ [illegible] کے متعلق خیال اور رائے قائم کرنے میں غلطی نہ ہو۔ آگرہ اسکول کے پیرو کاروں کی حیات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آگرہ اسکول کوئی فرقہ بند جماعت نہیں بلکہ ہر خیال، ہر اعتقاد، ہر مذہب اور ہر رنگ کی مختلف اہل علم ہستیوں کا ایک گروہ ہے جو جنس مزدوری اور تعمیری خیالات کیساتھ ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گیا ہے۔ اس جماعت کی ملک کو ضرورت تھی۔ اگر یہ عالی خیال جماعت معرض ترتیب میں نہ آتی تو تدبیر منزل اور نفسیات شناسی کا پیام ملک کی لامحدود وسعتوں تک پہونچ کر مشکل ہو جاتا بے شک اس کا نام جدید اسکول بہت موزوں تھا لیکن دو سبب ہیں جن کے تحت اس کا نام آگرہ اسکول ہو گیا ہے۔ ایک تو یہ کہ لفظ جدید کوئی خاص معنی و [illegible] پیدا نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ اس کی اساس اس بستی کی مرہون منت ہے جس سے سرزمین آگرہ نے نمو پائی ہے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ اب اردو کے اسکول ہمیشہ مقامیت کیساتھ معنون کئے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً دہلی اسکول لکھنؤ اسکول۔ آگرہ ان دونوں کے بین بین تھا۔ اس لئے جب یہاں جدید خیالات، نئے اسالیب، نئے رجحانات، اور جدید موضوعات کی تخلیق ہوئی تو ان تمام نئے رنگ کی مرکزیت کا نام "آگرہ اسکول" رکھا گیا۔ آگرہ اسکول کی بنیاد اب سے بہت پہلے پڑ چکی ہوتی۔ لیکن [illegible] ملک کیساتھ [illegible] اور لکھنؤ میں منتقل ہو گئے۔ [illegible] ذہنیت فطرت کے ذہن و نگاہ میں محفوظ تھی۔ اس لئے اس نے اس دور میں مولانا [illegible] اکبر آبادی مدظلہ کو پیدا کیا جنہوں نے مقامی طور پر مرکزیت اختیار کر کے آگرہ اسکول کی اساس قائم کر دی اب اس کی بنیادیں اس قدر مستحکم ہو چکی ہیں کہ اعتراض کے کمزور دھکے [illegible] نہیں نہیں کر سکتے۔

اس نمبر سے یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ آگرہ اسکول کے پیروان زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں۔ ان میں وکیل بھی ہیں ڈاکٹر بھی۔ فاضل بھی ہیں عالم بھی۔ رئیس بھی ہیں کلرک بھی۔ ایڈیٹر بھی ہیں مصنف بھی۔ صاحبزادگانِ ریاست بھی ہیں " دولت وجاہ بھی۔ شاہی نسبوں کے فرزند بھی ہیں اور سرکاری ملازم بھی۔ تاجر بھی ہیں اور خطاب یافتہ بھی۔ مذہب پرست بھی ہیں اور قوم پرست بھی۔ بی اے بھی ہیں اور ایم اے بھی۔ المختصر آگرہ اسکول آج ہندوستان کی تمام فضاؤں پر چھا رہا ہے۔ جس میں ایک مکمل اور جامع ہمہ گیر زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اعجاز صدیقی اکبرآبادی

www.taemeernews.com

امیرِ کارواں

از ——— جناب مولانا محی الدین صاحب قادری بی اے مدیر الجمعیۃ دہلی

مشاہیر عالم کی سوانح نگاری ایک قدیم رسم ہے جس کا سلسلہ آغاز تاریخ سے قائم ہے اور روایتی افادیت کے اعتبار سے ہر دور میں فضلائے عصر اور ماہرین فن کا شغل مخصوص رہی ہے۔ فن سوانح نگاری بظاہر سہل ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اپنی گوناگوں ... اور اہم پیچیدگیوں کے باعث یہ فن پیچیدہ و دشوار ... واقع ہوا ہے۔ سوانح نگار کو کسی جلیل القدر انسان کے واقعات زندگی مدون کرتے وقت ہر منزل پر انواع و اقسام کی مشکلات و مشاغل پیش آتی ہیں۔ وہ اگر دیانت داری، فہم، تدبر اور غور و گداز سے گزرتا ہے تو وسعت دست کہلاتا ہے اور اگر تنگ نظری، جنبہ داری یا تنقیص و تحسین کا مرتکب ہے تو کمزور و ضعیف کہلاتا ہے۔

سوانح نگاری کے اجزاء ترکیبی

میرے زاویہ نظر سے اگر حقیقی سوانح نگاری کا تجزیہ کیا جائے تو وہ حسب ذیل عناصر سے مرکب نظر آتی ہے۔

واقعات و کوائف زندگی بہ تمام و کمال موجود ہوں۔

سوانح نگار کی طرف سے ناجائز عصبیت اور ناروا تنقیص و تحسین نہ ہو

ترتیب و تدوین میں افادیت ملحوظ رہے۔

موصوف کیساتھ الفت نہ ...

ان تمام عناصر کے امتزاج لطیف سے سوانح نگاری کا وہ مکمل شاہکار تیار ہوتا ہے جو درحقیقت سوانح نگار اور جمہور دونوں کے لئے ایک قیمتی اور حیات آفریں سرمایہ ثابت ہوتا ہے اور جس کی افادیت یگانہ و بیگانہ سب محسوس کرتے ہیں۔

سوانح نگاری کا کمزور پہلو

فن سوانح نگاری کی یہ تعریف و تحدید بجائے خود نہایت جامع و مانع ہے لیکن شاعر کی سوانح نگاری پر یہ تعریف بھی صادق نہیں آتی اور اس کی متنوع جوانب اور جذباتی زندگی کو سمجھنے کیلئے ایک نیا معیار سوانح نگاری تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعر کی زندگی میں مخصوص واقعات ہنگامہ آرا کارنامے، اور دور آفریں سوانح نہیں ہوتے، نہ اس کی اقلیم حیات میں اقتصادی سرگرمیاں، سیاسی مظاہرے اور مذہبی ہنگامے ہوتے ہیں جن کو ترتیب کیساتھ مدون کرکے سوانح حیات مرتب کی جائے۔ شاعر کی زندگی احساسات، تاثرات اور ادراکات و وجدانیات کا ایک لطیف مجموعہ ہوتی ہے جس کے آثار و مظاہر سطح عالم پر کم نمود ہوتے ہیں لیکن اس کے اشعار کے ایک ایک مصرعہ اور ایک ایک لفظ میں جلوہ طراز رہتے ہیں۔ شاعر کی زندگی کو اس کی شاعری سے علحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ شاعر کے افکار، خیالات، جذبات، محسوسات، افعال و اعمال اور سیرت و کردار سب کچھ شاعرانہ ہوتے ہیں۔ وہ دنیا کی ہر چیز

میں شعریت محسوس کرتا ہے۔ کائنات میں شاعرانہ روح داخل و ساری دیکھتا ہے، ہر چیز کو شاعرانہ نظر سے دیکھتا ہے۔ شاعرانہ دماغ سے ادراک کرتا ہے۔ اور شاعرانہ قلب سے محسوس کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعر کیلئے تمام کائنات شعر ہے اور وہ اس کا شاعر۔

سوانح نگاری کا شاعرانہ معیار

متذکرہ صدر وجوہ و اسباب کی بنا پر سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ شاعر کے حالات زندگی مدون کرتے وقت سوانح نگاری کے عام مروجہ معیار سے علیحدہ ایک شاعرانہ معیار قائم کرے اور محسوس حالات و واقعات کی بجائے شاعر کے نتائج فکر کا مطالعہ کرے۔ اور اس کے اشعار کی گہرائیوں میں پہونچ کر اس کے جذبات وخیالات معتقدات و رجحانات و ذہنی نشو و نما اور روحانی ترقی و تکمیل کا اندازہ لگائے اور یہ معلوم کرے کہ خارجی اثرات و عوامل اور تحریکات و ترغیبات نے کس کس طرح اس کے قلب و دماغ کو پرورش کیا ہے۔ سوانح نگار جس قدر وسعت مطالعہ اور ذہنی و عمیق نظر کیساتھ کسی شاعر کے کلام کا مطالعہ کرے گا اسی قدر بسط و تفصیل کیساتھ شاعر کی زندگی اس کے سامنے آ جائیگی۔ پھر زندگی کے خارجی آثار و مظاہر اور داخلی تحریکات و عوامل میں مطابقت پیدا کرنا آسان ہو جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سوانح نگاری کا یہی طرز شاعر کی زندگی کو بہ تمام و کمال پیش کر سکتا ہے۔ اور سوانح نگار اس معیار پر عمل پیرا ہو کر ان تمام امور تفصیل سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو شاعر کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات کو مدون کرنے میں پیدا ہوتے ہیں۔

شاعر کو سمجھنا کیوں دشوار ہے۔ یہ نظریہ فلسفیانہ یا شاعرانہ نہیں بلکہ ایک بدیہی حقیقت ہے جس کے محیر العقول مظاہرے روزانہ دیکھنے میں آتے ہیں اور ہر صاحب دل انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ فلسفہ و منطق دلائل و براہین۔ ثروت و وجاہت۔ قوت و سطوت سحر و طلسم اور دنیا کی بڑی سے بڑی قوت جو کارنامہ نہیں کر سکتی ... وہ شاعری کر دکھاتی ہے۔ شاعر کی قوتیں کسبی نہیں۔ بلکہ وہبی ہیں۔ فلک منجم ہے اس کے دل پر الہام ہوتا ہے اور وہ الہامی قوتوں کیساتھ وہ اعجاز نمائی و طلسم آفرینی کرتا ہے جو زندگی کے معمولی حالات میں نظر نہیں آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعر کی کارفرمائیاں خرق عادات کے مترادف ہوتی ہیں اور اس لئے وہ سطح زمین پر ذہنی و قلبی۔ اخلاقی و مذہبی۔ اقتصادی و سیاسی اور وہ وہ انقلابات رونما کر سکتا ہے جو بشری طاقت سے باہر ہیں۔ شاعر اپنی الہامی قوتوں سے افراد کی اصلاح و تباہی قوموں کے عروج و زوال اور ملکوں کی ترقی و تنزلی کا ذمہ دار ہوتا ہے اور ایک موزوں، موثر اور درد انگیز شعر سے وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو آتشبار مشین گنیں۔ بمبار طیارے اور حیات سوز تیر و تفنگ نہیں کر سکتے۔ شاعری کی یہ تمام کرشمہ سازیاں فہم و تدبر اور عقل و دانش کی تخلیق نہیں ہیں بلکہ اسی منبع حقیقی کی اعجاز نمائیاں ہیں جو کسی قانون و ضابطہ اور دستور و آئین کا پابند نہیں۔ بلکہ اپنی مشیت ربانی سے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے وہ ہوتا ہے "ویفعل اللہ ما یشاء"۔ شاعر کی یہی اعجاز آفرینیاں یا بہ الفاظ دیگر قوتوں کا سیلاب ہیں جو اس کی زندگی میں ناقابل عبور نشیب و فراز پیدا کر دیتی ہیں ... اور بالخصوص سوانح نگار کے لئے جو ہموار سطح واقعات پر چلنے کا عادی ہے۔ ایسی ایسی اٹل چٹانیں اور سنگ گراں کھڑے کر دیتی ہیں جو نہ ہٹائے ہٹیں اور نہ قابل گذر ہوں۔

سوانح نگار کیلئے یہ منزل نہایت کٹھن اور دشوار گذار ہوتی ہے لیکن اس کی وسعت مطالعہ۔ تعمق نظر۔ عدم عصبیت اور افادی نظریہ اس کی مشکلات کا حل پیدا کرتا ہے اور وہ کامیابی کیساتھ الفاظ کے جامہ میں شاعر کی رنگین و پر فسوں زندگی کو پیش کر دیتا ہے۔

حضرت سیماب

سوانح نگاری کا شاعرانہ معیار متعین ہو جانے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ میرے پیش نظر خاکہ کے بنیادی خطوط قائم ہو گئے ہیں اور اب میں سہولت کیساتھ سیماب کو

www.taemeernews.com

اور اُن کی شاعرانہ زندگی کو مختصر طور پر پیش کر سکتا ہوں۔ سیماب شاعر ہیں اور اُن کی زندگی بھی ٹھوس حوادث و واقعات کی بجائے ان کیفیات، تاثرات و احوال اور شاعرانہ تاثرات و محسوسات کی سرمایہ دار ہے جو ایک شاعر کا خزینۂ حیات ہوتے ہیں اور جن کا امتزاج لطیف اور نظمہائے موزوں اُسکی زندگی کا دلچسپ مشغلہ اور اُس کی تخلیق کا اہم کارنامہ ہوتا ہے۔ شاعری سیماب کا طبعی و فطری ذوق ہے۔ بچپنے میں یہ ذوق نمودار ہوا۔ جوانی میں نشو و نما پائی اور بڑھاپے میں پختہ کار ہو کر جلوہ طراز ہو گیا — سیماب کی تمام زندگی ایک مربوط و مسلسل شعر ہے جس کے بعض اجزا پست و مدھم ہیں اور بعض ا[illegible] بلند آہنگ و غلغلہ انداز۔ بچپنے کی نادانیاں، جوانی کی شعلہ سامانیاں اور بڑھاپے کی سنجیدگیاں بظاہر حیات سیماب کے تین مستقل باب ہیں لیکن وہ درحقیقت ایک ہی شعر کے مختلف ارکان ہیں اور ان میں ارتقائے شعریت ہی کے مختلف مدارج نظر آتے ہیں۔ شعریت کی تخلیق، شعریت کی نشو و نما، شعریت کا عروج و کمال اور شعریت کے مدارج ترقی و تکمیل در سیماب کے "سوانح حیات" ہیں اور انہی کی ترتیب و تدوین اگر کسی حد تک ہو جائے، میری جد و جہد کا اساسی مقصد و منشا رہیں جانتا ہوں کہ مجھ کو اس سلسلہ میں خارجی حالات و سوانح سے امداد نہیں ملے گی بلکہ محض سیماب کے نتائج افکار سے مشورہ و استفادہ کرنا پڑیگا اور سیماب کو خود سیماب کے کلام کی گہرائیوں میں، جذبات کی رفعتوں میں اور ادراکات کی لطافتوں میں اور تخیلات کی وسعتوں میں تلاش کرنا پڑیگا اور ظاہری حالات سے بے نیاز ہو کر باطنی کوائف پر اعتماد کیا جائے گا۔

اساس کار... لائحہ عمل اور نصب العین کے تعین کے بعد اب صرف یہ سوال بحث طلب رہ جاتا ہے کہ سیماب کے سوانح حیات سے اُن کی زندگی کے خارجی پہلو کو بالکل خارج کر دیا جائے یا ظاہر و باطن، محسوسات و احساسات اور روحانیت و مادیت میں ربط قائم رکھنے کیلئے داخلی پہلو کیساتھ ساتھ خارجی پہلو کو بھی پیش کیا جائے اور سیماب کے تاثرات و ادراکات پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی بتایا جائے کہ خارجی احوال میں ان کا سرچشمہ کیا ہے اور کس قسم کے محرکات و عوامل سے کس قسم کے اثرات و نتائج پیدا ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر زندگی کے دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک کو بھی قطعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا تو سوانح نگاری کا حق ادا نہ ہوگا بلکہ موضوع بحث تشنۂ تکمیل رہ جائے گا۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ زندگی کے دونوں پہلوؤں کو ساتھ ساتھ پیش کیا جائے۔

حضرت سیماب کے سوانح حیات کو میں دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں اول وہ جو سیماب کی زندگی کا خارجی رُخ پیش کرتے ہیں اور سیماب کو دنیا کے ماحول میں چلتا پھرتا۔ اور تصویرات زندگی سے خوش وقت و مسرور اور مصائب حیات سے مغموم و کبیدہ خاطر ہوتا دکھائیں گے اور دوسرے وہ جو سیماب کی شاعرانہ زندگی کے مختلف لمحات۔ اس کے دل و دماغ کے مدارج نشو و نما۔ اس کے خیالات و معتقدات، جذبات و محسوسات اور میلانات و رجحانات پیش کریں گے۔ مقدم الذکر کو میں سرسری طور پر بعض اہم اقتباسات کیساتھ پیش کروں گا اور موخر الذکر کو جو موضوع زیر نظر کا اہم ترین حصہ ہے سیماب کے افکار و اشعار کی شہادت سے قلمبند کرنے کی کوشش کروں گا۔

جناب سیماب کے خارجی رخ کو تسہیل مقصد کیلئے میں چار دوروں میں تقسیم کرتا ہوں اور ہر دور میں وہ حالات و واقعات پیش کروں گا جنہوں نے خارجی طور پر سیماب کی شاعرانہ زندگی کی تشکیل و تعمیر کی اور سیماب کو سیماب بنا دیا۔

دورِ اول سیماب ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں بروز دوشنبہ بوقت صبح آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد ملا محمد حسین مرحوم اپنے زمانہ کے ایک معتقد و متبحر عالم تھے وہ اجمیر شریف میں ٹائمز آف انڈیا پریس کی شاخ کے افسر اعلیٰ تھے۔ وہ اپنے دنیاوی مشاغل کیساتھ ساتھ دینیات کے دلدادہ اور شرع شریف کے پابند تھے۔ مذہب اور فلسفہ و اخلاق سے ان کو خاص شغف تھا۔ وہ

www.taemeernews.com

کے اہم ترین مقاصد عامۃ المسلمین کی رہنمائی، تزکیۂ قلوب اور تبلیغ مذہب تھے۔ مولانا موصوف کو تصنیف و تالیف سے بھی بے حد دلچسپی تھی۔ آپ کی تصانیف مجموعۂ شہادت، کرامات غوثیہ اور گلدستۂ عطار کے چار حصے آج تک مقبول و مروج ہیں۔ ایک اخبار رسالہ "مشعر الحدیث" آپ کی ادارت میں شائع ہوتا تھا اور رسالہ "رہنما" کی ترتیب و تدوین بھی آپ کی ہی رہین منت تھی۔ مولانا مرحوم حکیم امیر الدین عطار اکبرآبادی کے ایک شاگرد تھے اور انہی کے فیض صحبت سے شعر و شاعری سے بھی مناسبت رکھتے تھے۔ لیکن آپ کی شاعری مروجہ اسلوب شاعری سے سراسر مختلف تھی اور اس میں فلسفۂ اخلاق اور معارف مذہب کا رنگ غالب تھا۔ فن خطابت و وعظ گوئی میں آپ تمام راجپوتانہ میں فقید المثال واعظ تسلیم کئے جاتے تھے اور ہزارہا بندگان خدا آپ کے مواعظ حسنہ سے بہرہ اندوز اور مستفیض ہوتے تھے۔ آپ نے ۱۶ اپریل ۱۸۹۷ء کو بمقام آگرہ انتقال فرمایا۔

اپنے باپ کی آغوش تربیت میں سیماب نے آنکھ کھولی۔ ان کی روح پرور ... و برکات کے سایہ میں نشو و نما پائی۔ بچپنے میں مشاہیر علماء عصر حضرت مولانا جمال الدین سرہدی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا قمر الدین اور حضرت مولانا عبد الغفور کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ اور ان سے فارسی و عربی اور علوم مروجہ ادب اور اصول اور منطق و علم ہندسہ کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد انگریزی مدرسہ میں داخل ہو کر انگریزی تعلیم پائی۔ ... ہائی سکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج میں داخل ہوئے۔ وہاں مولوی سید امین قریشی اکبرآبادی، مولوی تحسین علی اجمیری اور مولوی عابد حسین کی عالمانہ مجالس اور فاضلانہ صحبتوں سے استفادہ کیا۔

سیماب کو عہد طفولیت ہی سے شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا یا بہ الفاظ دیگر اس کا فطری ذوق جو باپ کی جانب سے اس کو بطور میراث ودیعت ہوا تھا۔ بچپنے ہی میں بیدار ہوا اور انہوں نے ۱۸۹۰ء میں جب کہ وہ فارسی و عربی کی کتب متداولہ پڑھنے میں مصروف تھا، باقاعدہ طور پر شعر گوئی شروع کر دی۔ اس وقت سیماب کی عمر ۱۲ برس سے زیادہ نہ تھی۔ اسکے ادراکات و احساسات معصوم تھے۔ معلومات محدود تھیں۔ لیکن اس کا فطری ذوق جو ازل سے ودیعت ہوا تھا، بچپنے کیساتھ کا سفر ناتمام اور انتہائی شغف کیساتھ نئے نئے اشعار کا چربہ اتارنے یا فارسی و عربی کے درسی اشعار کا منظوم اردو ترجمہ کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ سیماب کا دستور تھا کہ وہ نظامی، جامی، سعدی، حافظ اور قاآنی وغیرہ کے اشعار و قطعات کا ترجمہ اردو نظم میں کر کے اپنے اساتذہ کے سامنے پیش کیا کرتا اور یہ مقدس حضرات از راہ کرم اس جسارت کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ یہ جسارت رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی کہ امتحان کے پرچوں میں بھی سیماب فارسی نظم کا ترجمہ اردو میں کرنے لگا اور ارباب ذوق ممتحنین نے اس بدعت حسنہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ سیماب کا ذوق شعر بحسب عمر کیساتھ روز بروز بڑھتا گیا اور اب اس کا یہ معمول ہو گیا کہ وہ روزانہ رات کو تمام کاموں سے فارغ ہو کر ایک پرسکون گوشہ میں شمعدان سامنے رکھ کر بیٹھتا تھا اور کسی ایک زمین میں جس قدر قوافی اسکو یاد آتے تھے ان کی مناسبت سے اسی قدر اشعار لکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور اگر کوئی قافیہ عسیر الجبر ہوتا تھا تو وہ کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں ایک ہی شعر موزوں کرنے میں صرف کر دیتا تھا۔

۱۷ برس کی عمر تک شعر گوئی کا یہ پرسکون طریقہ بدستور جاری رہا اور مشق کی کٹھن منازل عافیت و اطمینان کیساتھ طے ہوتی رہیں۔ لیکن ۱۸۹۷ء میں جب سیماب کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور تمام خانگی ذمہ داریاں ایک سترہ سالہ بچہ کے ضعیف دوش پر آ پڑیں تو اس وقت سیماب کی زندگی کا ایک نیا عنوان قائم ہوا۔ اور اس کو نئے حالات سے روشناس ہونا پڑا۔ اقتصادی مشکلات نے سیماب کو چاروں طرف سے

www.taemeernews.com

آگرہ اور بالآخر اس نے کالج کی حیات آفریں زندگی کو خیرباد کہہ کر ایف اے کا امتحان دینے سے قبل ہی سلسلۂ تعلیم منقطع کر دیا اور گرہستی کی زندگی کے اہم فرائض بجا لانے کیلئے وسائل معیشت کی طرف اقدام عمل کیا

دور دوم

والد ماجد کے انتقال اور ترک تعلیم کے بعد سیماب کی شادی ہو گئی اور اس طرح زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، مشق سخن اب بھی جاری تھی اور پہلے سے کہیں زیادہ ترقی کیساتھ مگر مشاعروں کی شرکت یا غزل سرائی کیلئے طبیعت آمادہ نہ تھی تاہم ایسی صحبتوں میں شریک ہونا ہی پڑتا تھا۔

گردشِ روزگار اور انقلاب زمانہ سے سیماب کو بھی دوچار ہونا پڑا ظاہر ہے کہ خانہ داری کی ذمہ داریاں بہت اہم ہوتی ہیں، اسی سلسلے میں بصیغۂ ملازمت کانپور جانا پڑا اور یہاں لکھنؤ کے اکثر شعرائے عصر کے ساتھ شعر و سخن کی صحبتیں رہیں، ذوق بڑھتا رہا مشق جاری رہی طبیعت کی ذہانت حوصلے بڑھا رہی تھی، اور دل کی امنگیں برق رفتاری کیساتھ سروشِ غیب سے راز و نیاز میں مصروف تھیں لیکن اُسے ابھی اپنی فکرِ سخن سے اطمینان نہ تھا اور کسی رہنما کی جستجو تھی آخر ۱۸۹۸ء میں فصیح الملک مرزا داغ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور اب ترقی کے راستے میں کوئی چیز حائل نہ تھی۔ فاضل و کامل استاد کی رہنمائی اور اپنی شب و روز کی محنت سے بہت جلد غزل کے میدان کو جیت لیا مشقِ سخن کی تکمیل اور کئی سال تک اصلاح لینے کے بعد طبیعت کے جوہر کھلے استاد کی بعد اصلاح کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اور اپنی فطری استعداد کے سہارے یہ نوجوان شاعر برابر ترقی کرتا رہا۔ اسی زمانے میں اکبرآباد کے چند حضرات سیماب کے شاگرد بھی ہوئے اور اس طرح اس کی شاعری کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

کل فکرِ سخن کی ابتدا ہوئی تھی، پھر ایک رہنما کی ضرورت ہوئی اور پھر اس کی بھی ضرورت نہ رہی اور آج فطرت نے خود موقع دیا کہ وہ دوسروں کے کلام پر اصلاح دے۔ یہ سب کچھ اس قدر جلد اور اتنے مختصر عرصے میں ہوا جو ایسے اہم ترین واقعات کے لئے بالکل ناکافی ہوتا ہے ایسی صورت میں اسکے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ فطرت نے خود سیماب کی رہنمائی کی اور اسکے درخشان مستقبل کی ایک جھلک ابتدا ہی میں دکھا دی۔ واقعات کی رفتار دیکھتے ہوئے میں یہ ضرور کہوں گا کہ سیماب نے جس قدر جلد اور جتنی قابلِ رشک ترقی کی اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

سلسلۂ شعر و سخن جاری تھا، مشاعروں میں کامیابی شریک حال سیماب تھی، شہرت عزت اور قبولیت قدم بوس تھی اور ہندوستان کا یہ نوجوان شاعر برابر فتحمندی حاصل کرتا جا رہا تھا کہ روحانی تشنگی محسوس ہوئی، دل کی آنکھوں نے کسی کا جلوہ دیکھا، تشنگی کچھ اور بڑھی، طلب صادق تھی، ذوق راسخ تھا، ایک دن دیوہ شریف لے پہنچا اور سیماب نے حضرت حاجی حافظ سید شاہ وارث علی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ پاک پر بیعت حاصل کی۔ مرشد کی توجہ اور نگاہ کرم نے نوازا۔ "فصیح" کا خطاب ملا۔ ذوقِ شعری کو سند قبولیت عطا ہوئی اور شاعر روحانی برکات سے مالا مال کر دیا گیا۔

کسے خبر تھی کہ مرشد کا ارشاد مشیت کا اعلان تھا؟ کون جانتا تھا کہ سیماب کی شہرت عالمگیر ہوگی؟ اور کسے یقین تھا کہ اس کی گرم نوائی ہندوستان کو ایک نئی کروٹ بدلوا دے گی، لیکن ایسا ہی ہوا ہندوستان کے گوشے گوشے پر سیماب چھا گیا کسی نے "فصیح الملک" کا خطاب دیا تو کسی نے "اکمل الشعراء" کا، کسی نے ہندوستان کا شاعرِ اعظم تسلیم کیا تو کسی نے عرفیِ ہند، عنصری، فرخی کا سا ممتاز ادیب مانا۔ غرضکہ سیماب کو وہ قبولِ عام حاصل ہوا اور وہ شہرت و عزت نصیب ہوئی کہ بانیٔ شاید اس وقت کے رسائل اور [illegible] رات میں سیماب خوب خوب جلوہ گر ہوا۔ ان میں صوفی، نظام المشائخ اور صبح بنارس خاص طور پر

www.taemeernews.com

قابلِ ذکر ہیں۔ جب آگرہ آنا ہوا تو کچھ نئے طلبائے شعر شاگرد ہو گئے اور اس طرح یہ تعداد برابر بڑھتی گئی۔ اتفاق دیکھئے کہ سیماب کو بسلسلۂ ملازمت پھر اجمیر شریف جانا پڑا مگر اس تغیر کیساتھ کہ پہلے یہاں بچپن کا زمانہ بسر کیا تھا، تعلیمی زندگی گذاری تھی، شاعری کی ابتدا کی تھی اور اب اس کے بالکل برعکس تھا۔ اس شان اور اس ترقی کیساتھ سیماب کا اجمیر آنا بہت گہری اہمیت رکھتا تھا تمام اجمیر میں دھوم ہو گئی۔ بڑے بڑے معرکے کے مشاعرے ہوئے اور یہاں بھی چند حضرات نے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ یہیں سے اپنی ادارت میں رسالہ "فانوسِ خیال" جاری کیا۔

اجمیر شریف سے آگرہ واپس آنے کے بعد شاگردوں کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہوا۔ رسالہ "مرصع" کی ادارت کی۔ شاید فطرت کو منظور نہیں تھا کہ ابھی سیماب کسی ایک شہر میں مستقلاً مقیم رہے اس لئے آگرہ میں کچھ زیادہ قیام نہیں رہا اور ملازمت کی ضرورت ٹونڈلہ لے پہنچی۔ وہاں کئی سال تک کام کیا۔ شعر و شاعری کے بڑے چرچے رہے۔ یہاں بھی کئی شاگردوں کا اضافہ ہوا۔ "آگرہ اخبار" کی ادارت کے فرائض بھی اسی زمانہ میں انجام دئے۔ غرضکہ ٹونڈلہ کے قیام تک سیماب کی زندگی مختلف درجات سے گذرتی رہی۔ لیکن ذوقِ شعری، مشقِ سخن میں سرمو فرق نہیں آیا۔ اور یہ وہ چیز ہے جو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ سیماب کا ذوقِ شعری زمان و مکان کا محتاج نہ تھا۔ غالباً فطرت اپنے ایک پیغمبر کی مستقل مزاجی کا امتحان لے رہی تھی ورنہ ضروری نہ تھا کہ اسے ایسی آزمائشوں میں مبتلا کیا جاتا۔ لیکن خدا جسے اپنے لازوال خزانوں سے ذوقِ حقیقی کی دولت عطا فرماتا ہے اس پر ماحول کی پراگندگی، وقت کی ناساعدت، حالات کی غیر آہنگی کچھ بھی اثر نہیں کرتی۔ ایسا ہی سیماب کیساتھ ہوا۔ اس نے ہر حال اور ہر رنگ میں اپنے ذوق و شوق کو جاری رکھا اور آخر کار اپنی منزلِ مقصود کو پالیا۔

دورِ سوئم:۔ اپنی عمر کا کافی حصہ ملازمت کی نذر کرنے کے بعد سیماب نے محسوس کیا کہ اس کا مقصدِ حیات غلامی نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ اس نے اسی جذبے کے ماتحت ہمیشہ کے لئے ملازمت کو خیرباد کہہ دیا ہر چند کہ اس طرح بہت سے مادی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا مگر اس ذیل میں جو جذبہ کام کر رہا تھا وہ بہر طور غالب رہا اور سیماب نے مستقلاً اپنے وطن آگرہ میں قیام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ترکِ ملازمت کے بعد سب سے اہم سوال کسی ذریعۂ روزی کیساتھ خدمتِ ادب و شعر کی ابتدا کا تھا۔ ان کے شاعرانہ دماغ نے اس کا انتظام بھی بہت معقول کر دیا۔

سیماب نے اگست ۱۹۲۹ء میں "پیمانہ" جاری کیا اور ذہنی اشغال کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پیمانہ کے اجراء کے بعد ہی ادبی خدمات کی نئی نئی راہیں نکل آئیں جن کی ذمہ دارانہ حیثیت بہت اہم تھی۔ شاگردوں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا، اور ساتھ ہی ذمہ داریاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ "پیمانہ" ترقی کر رہا تھا اور سارا ہندوستان اسکی ادبی خدمات کا اعتراف کر رہا تھا۔ پیمانہ کی بڑھتی ہوئی اشاعت و ترقی نے دنیائے صحافت میں گونج پیدا کر دی۔ اس وقت پیمانہ ہندوستان کا سب سے کامیاب رسالہ تھا مگر اس کی یہ کامیابی ایک فوری انقلاب کا شکار ہو کر رہ گئی یعنی اسے آگرہ سے لاہور منتقل کیا گیا اور اس غیر ضروری نقل و حرکت نے اسے بحد کافی نقصان پہنچایا۔ ادھر لاہور کی آب و ہوا اس کو راس نہ آئی اور مجبوراً آگرہ واپس آنا پڑا۔

لاہور کے زمانۂ قیام میں سیماب نے ایک ایسا کارِ عظیم انجام دیا جسے ابتک ہمعصر کا کوئی شاعر مکمل نہ کر سکا تھا وہ کارِ عظیم مثنوی مولانا رومؒ کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ سیماب نے اپنی زندگی میں جہاں اور بہت سے کار نمایاں کئے ہیں ان میں سب سے افضل کارنامہ یہی ہے جسے قیامت تک دنیا فراموش نہ کر سکے گی۔

آگرہ آنے کے بعد ابھی کاروبار کے از سرِ نو استحکام کے متعلق غور ہی کیا جا رہا تھا کہ سردار دیوان سنگھ مفتون نے اخبار ریاست

کی ادارت کے لئے دہلی بلالیا۔ جن لوگوں نے عہد سیماب کا "ریاست" دیکھا ہے وہ گواہ ہیں کہ اس وقت اس اخبار کی کیا شان تھی۔ "[illegible]" پھر دہلی سے جاری ہوا مگر چل نہ سکا۔ آخرکار سیماب کو پھر آگرہ واپس آنا پڑا، اور اب استقلال کیساتھ یہیں قیام کرنے کا ارادہ کر لیا گیا۔

دور چہارم

ہندوستان کے اکثر بڑے شہروں سے اب بھی سیماب کو بلایا جا رہا تھا۔ مگر سرزمین تاج کی کشش سب پر غالب آگئی اور پھر آخر یہیں کام شروع کر دیا گیا۔ اب سیماب نے ۱۹۲۹ء سے ایک ہفتہ وار اخبار "تاج" کے نام سے جاری کیا جو بے حد مقبول ہوا ۱۹۳۰ء میں قصر الادب سے ایک نیا رسالہ "شاعر" جاری ہوا اور "پیمانہ" بھی جاری کیا گیا۔ یہ تینوں جرائد بڑی کامیابی کیساتھ عرصے تک جاری رہے۔ مگر اس کو کیا کہئے کہ اردو صحافت کے احیاء و استحکام کے لئے ہندوستان کی فضا مناسب نہیں ہے یہاں ہر روز نئے اخبار اور رسالے نکلتے ہیں مگر انہیں دوام نصیب نہیں ہوتا۔

اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ہندوستانی بڑی تعداد میں کم ذوقی کا شکار ہیں۔ ایسے ہی حالات سے "تاج" اور "پیمانہ" کو بھی دوچار ہونا پڑا اور افسوس کہ دونوں بند ہو گئے۔ "تاج" کا "ہمارا پیام" آج تک ادب نواز اور علم دوست حضرات کے دماغوں میں شور افگن ہے اور "پیمانہ" کی رنگینیاں آج تک کہانیوں اور افسانوں کی طرح ادبی حلقوں میں دہرائی جاتی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ "شاعر" ان حادثات سے محفوظ رہا اب تک جاری ہے اور اپنی خدمات سے تمام ہندوستان کے شعراء کو مستفیض کر رہا ہے۔

سیماب نے اپنی عمر میں اس قدر مشاعرے پڑھے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ قریب قریب ہندوستان کے ہر چھوٹے بڑے شہر کے مشاعروں میں شرکت کی ہے لیکن اب مشاعروں کی شرکت بہت کم ہو گئی ہے۔ کچھ تو عمر کا تقاضا ہے اور کچھ مصروفیت زیادہ سفر کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

سیماب صاحبِ اولاد ہیں اور اس اعتبار سے بڑے خوش نصیب ہیں کہ چاروں صاحبزادے باپ کی قائم کی ہوئی شاہراہِ ادب پر گامزن ہیں اور ادب و شعر کی خدمت کو اپنے لئے فرض سمجھے ہوئے ہیں۔ اس وقت سیماب کے تلامذہ کی تعداد کافی ہے جو ہندوستان کے ہر گوشے میں موجود ہیں جب تک قدرت خاص قسم کا دماغ عطا نہ فرمائے اتنی بڑی جماعت کی قیادت کس طرح ممکن ہے؟

سیماب کی جنبش قلم اور کاوش و توجہ سے ہندوستان کی ایک بڑی جماعت کی ذہنی و فکری تربیت ہو رہی ہے۔ ہندوستان کی تاریخ ادب میں سیماب کا یہ ایثار و خدمت سنہری حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے۔

سیماب کی تصانیف کی تعداد بھی کافی ہے جن میں ہر موضوع پر مفید کتابیں موجود ہیں۔ عورتوں، بچوں، مردوں اور لڑکیوں غرض کہ سب کے لئے سیماب نے پر از معلومات اور کارآمد کتابیں لکھی ہیں ان میں سے اکثر کتابوں کے ترجمے دوسری زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں۔ مذہبی نظموں کا ایک مجموعہ "نیستاں" عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے۔ اور سیاسی نظموں کا مجموعہ "کار امروز" اور ایک دیوان "کلیم عجم" بھی شائع ہو چکا ہے اور ابھی چند درجن تصانیف زیرِ ترتیب و تسوید ہیں۔

مشاعروں میں خطبہ خوانی کا رواج صرف سیماب کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ نظموں کے رواج میں سیماب کی توجہات کو بڑا دخل ہے۔ اور بہت سے فنی و شاعرانہ نکات کی عقدہ کشائی بھی سیماب ہی کی کاوش و محنت کا نتیجہ ہے۔ گو اس وقت عمر ۶۵ سال کے قریب ہے مگر عملی جد و جہد اور خدمتِ ادب و شعر کا جذبہ ہنوز جوان ہے۔ ترقی کی نئی نئی منزلیں سامنے آ رہی ہیں اور یہ شہسوارِ ادب سب کو پیچھے کرتا ہوا خدا جانے کہاں تک پرواز کرتا چلا جا رہا ہے۔
ان بے کم و کاست حالات کے مطالعہ سے سیماب کے سوانح حیات

www.taemeernews.com

بطور مختصر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور ہمیں اسے پہچاننے میں آسانی ہو جاتی ہے کسی باکمال شاعر کی زندگی اور اس کے عہد کی مختلف روداد پر روشنی ڈالنا سوانح نگار کا فرض ضرور ہے مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ ان حالات کی تکمیل کے لئے بڑی بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ میں ابھی عرض کر دیتا ہوں۔

اس کے بعد ہمارا موضوع ثانی سیماب

سیماب کی شاعرانہ زندگی

کی شاعرانہ زندگی ہے۔ جس کا اشارہ صفحاتِ اولین میں کیا گیا ہے۔

شاعرانہ زندگی کی ابتدا ہمیشہ فکر مندانہ ماحول سے ہوتی ہے۔ یہاں اگر شاعر اپنی معاشرتی اور روزانہ زندگی کی پابندیوں کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اقتصادی مشکلات کا مقابلہ، ماحولی دشواریوں کا سامنا، گرہستی کے کھیڑوں کی صبر آزمائی، ایک ادیب اور ایک حقیقی شاعر کے لئے لوازم کمال ہیں۔ ہم نے اب تک کسی شاعر کو نہیں سنا کہ اس نے بے فکر اور آزاد زندگی بسر کی ہو۔ سیماب بھی اس کلیہ کی دلیل دیتا ہے اور کہتا ہے کہ

شاعر کے نصب العین میں جو کامیابی ظاہر کی مقصد میں پڑی اس لئے وہ فطرتاً کام جو وہ خود بھی اس کلئے سے مستثنیٰ نہ رہا۔ امارت و ریاست اس کی زندگی کے کسی حصے میں خوشحال نظر نہیں آتی۔ آج بھی نہ اس کے پاس فرش ہے نہ موٹر ہے نہ کوئی عالی شان حویلی ہے، نہ کوئی جاگیر ہے۔ نہ کوئی مستقل تجارت ہے۔ گو وہ اپنی مسند ادب پر بیٹھ کر حاکمیت اور محکومیت کی نعمتوں سے بے نیاز، تمام دنیا پر اپنے قلم سے حکومت کر رہا ہے لیکن ظاہری سکون و آرام اور مادی طمطراق و احتشام اسے نہ کبھی میسر ہوا، نہ آج میسر ہے۔ اگر وہ شاعر نہ ہوتا، حق پسند اور حقیقت پرست ہوتا تو حیدر آباد اور بھوپال یا کسی اور اسلامی ریاست کی منصب پذیری اس کے علم و فضل اور ذہن و دماغ کی موجودگی میں مشکل نہ تھی۔ اگر وہ جاہ و دولت پسند کرتا، تو آج سرکاری دفاتر میں کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہوتا۔ اگر وہ قوم فروش ہوتا تو آج اس کا اخبار لاکھوں کی تعداد میں اشاعت پذیر ہوتا۔ اگر وہ ضمیر فروش ہوتا تو کسی رئیس کی مصاحبت یا شاعرِ دربار ہونے کی فضیلت تو اسے ضرور ہی مل جاتی۔ لیکن وہ شاعر ہے۔ صرف شاعر ہے۔ اس لئے اس نے اپنی فقیری کو دنیا کی امیری پر ترجیح دی۔ اس نے دنیوی وجاہت کو ٹھکرا دیا اور اس نے ظاہری امارت و دولت کو لات مار دی۔

اس کا یہ ایثار اگر صرف انہیں قربانیوں تک محدود رہتا تو چنداں افسوسناک نہ تھا لیکن یہ معلوم کر کے ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ باوجود اس ایثار و قربانی کے بھی ملک نے اپنے شاعر کی قدر نہ جانی۔ قوم اس کی سکونِ حال کی طرف متوجہ نہ ہوئی، اور خود اس کی عظیم و وسیع جماعت نے بھی اسے آلامِ حیات سے سبکدوش کرنے کی کبھی کوشش نہ کی۔

مرضِ بواسیر کے ابتدائی شدید دوروں میں وہ راتوں کی تنہائی میں مصروف رہتا رہا۔ اور اسی حالت میں روزانہ بیسیوں کتابیں اپنے اہل و عیال کی پرورش کے لئے اس نے لکھیں۔ مگر اس سے کسی نے یہ نہ کہا کہ مرض کی تکلیف میں یہ دماغی کام ترک کر دو ہم تمہاری معاش کے کفیل ہوتے ہیں ——— وہ اسی مرض کی موجودگی میں، لاہور کی زلزلہ آمیز آب و ہوا اور محفل روح گرمی میں مچھلی کی طرح تڑپ تڑپ کر مثنوی مولانا رومؒ کا منظوم ترجمہ کرتا رہا مگر کسی نے اس کی جراحت انگیزی کا خیال نہ کیا ——— وہ اسی حال میں اپنے وطن سے سیکڑوں میل دور بڑے مشاعروں میں بلایا گیا۔ سیکڑوں راتیں ایک پہلو پر اس نے صبح کر دیں۔ مگر کسی نے اس پر ترس نہ کھایا ——— وہ اسی عالمِ کرب و اضطراب میں آج تک بیٹھ کر اور شاعری کی امارت کا فرض ادا کرتا رہا۔ مگر کسی نے اسے روزانہ ۱۶۔ اور ۱۸ گھنٹے کی محنت سے سبکدوش کرنے کی ہمت نہ کی۔ وہ اب بھی اسی حال میں اپنے سیکڑوں شاگردوں کی خدمت کر رہا ہے۔ وہ اب بھی ایک بڑی جماعت کا امیر ہے۔ لیکن کیا

اس کے شاگردوں میں کوئی ایک بھی ایسا ہے جو اس کی کسی نہ کسی طرح مدد کرتا ہو؟

یہ ہے سیماب، یہ ہے ایک حقیقی شاعر اور اس کی زندگی!۔ ایک حقیقی شاعر کو اتنے ایثار کرنے کے بعد منصبِ امیری تفویض ہوتا ہے۔ باوجود ان مشکلات و مصائب کے کسی نے کبھی سیماب کی پیشانی پر شکن نہ دیکھی۔ اللہ اکبر!

سیماب کے شاعرانہ معتقدات

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سیماب جیسے حقیقی شاعر کے معتقدات شاعرانہ کیا ہیں؟ اس کے لئے ہمیں زیادہ جد و جہد کی ضرورت نہیں۔ سیماب نے اپنے دیوان "کلیم عجم" کے ساتھ "خطباتِ شاعری" شائع کئے ہیں۔ انہیں بالاستیعاب پڑھنے سے ہمیں سیماب کے معتقداتِ شاعری پر عبور ہو سکتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"ہماری شاعری اصلی خصوصیات کی حامل ہونی چاہئے۔ اور زیادہ سے زیادہ فطری۔ ہمارا ہر شعر جامعیت، اکملیت اور موضوع کے اعتبار سے ایک مکمل نظم ہونا چاہئے۔ ہماری ہر نظم ضروریاتِ زمانہ کے مطابق اہلِ ملک اور فرزندانِ وطن کے لئے مستقبل کا ایک پیغام ہو۔ اور ہماری ہر غزل حقائق و معارف اور جذباتِ عالیہ کا ایک ایسا آئینہ ہو جس میں ہمارے نوجوان ماضی، حال اور مستقبل کا صحیح ادراک کر سکیں، جو ہمیں تعمیرِ منزل اور شاہراہِ ترقی بتا سکے اور بلند و لطیف محاکات سے ہماری روح میں کیف و تسکین کی موجیں پیدا کر سکے۔" (خطباتِ شاعری صفحہ ۲۰) آگے چل کر وہ اپنے ایک خطبے میں کہتا ہے۔

"ہم شاعر ہیں ہمیں فطرت کے الہام کردہ سے ایک نازک اور ذہن عطا ہوا ہے۔ ہمیں اپنے خیالات میں تنوع پیدا کرنا چاہئے۔ ہمیں کاغذ پر ذہن سے وہ چیز لانی چاہئے جو ہمارے بعد کاغذ سے ذہنوں میں منتقل ہو سکے۔ اور جو ہمارے ملک اور فرزندانِ ملک کے مستقبل کیلئے ایک ابدی پیغام بن سکے۔" (خطباتِ شاعری صفحہ ۴۳)

وہ تمدنِ جماعت اور ادبی روایات کو زندہ رکھنے کے لئے کچھ شرطیں پیش کرتا ہے۔

"جب تک ہم اپنی شاعری کو مفید، متین، مہذب اور بااثر نہ بنائیں گے جب تک ہم اپنے تغزل میں رفعت، اپنی نظم میں شوکت، اپنے خیالات میں بلندی، اور اپنے ادراکات میں تنوع پیدا نہ کریں گے ہم دنیا میں نہ تمدنی اور ادبی روایات کو زندہ رکھنے میں بھی کامیاب نہ ہوں گے۔" (خطباتِ شاعری صفحہ ۴۸)

شاعری کی زبان کے متعلق اس کا بے تکلف دعویٰ اور اس کی آزاد رائے ملاحظہ فرمائیے:۔

"میں زبان کی سادگی، خیالات کی پاکیزگی اور جذبات کی بلندی کی عدم موجودگی میں غلط خیال کرتا ہوں۔ غزل کی صحیح زبان اور صورت یہی ہو سکتی ہے کہ زبان صاف، الفاظ خوشنما و لطیف، پر شوکت و نغز بار ہوں اور خیالات و جذبات بلند اور پاکیزہ ہوں۔" (خطباتِ شاعری صفحہ ۵۶)

غزل کے معیار کے متعلق سیماب کہتا ہے۔

"چونکہ شاعری کا معیار معین نہیں لہذا غزل کا معیار بھی معین نہیں اسلوبِ بیان مختلف ہیں بعض محض … تدریج کے حامی ہیں بعض فلسفہ و تصوف کو شامل کرتے ہیں۔

اصل شاعری، شاعر کے باطن سے تعلق رکھتی ہے شاعر جس قدر روحانی ہوگا اسی قدر اس کی شاعری پختہ ہوگی۔"

جدید رنگِ غزل کے متعلق ایک خطبے کا خلاصہ یہ ہے:۔

"ایک طرف قدامت، افسردگی اور یاسیت ہے۔ دوسری طرف فلسفۂ حسن و عشق، حقیقت شناسی، سرکشائی درس و پیغام، واردات و … ہیں۔ آگرہ اسکول اسی رنگ کا مبلغ و ناشر ہے۔ ہمیں محسوس شاعری کی ضرورت ہے … خیالات کے اظہار

www.taemeernews.com

ضرورت نہیں۔ اسی کے ساتھ طرزِ ادا، پیرایہ متین، اسلوب نیا، طریقہ اچھوتا، روزمرہ درست، محاورات برمحل، ترکیب چست، الفاظ بے ساختہ اور جملے شستہ ہوں۔"

سیماب اپنے ادارۂ ادب "آگرہ اسکول" کی وضاحت یوں :-

"عہدِ متوسط کے شعراء نے مرزا غالب مرحوم سے ان کی زندگی تک استفادہ کیا۔ پھر بعد چندے یہ رنگ ماند پڑ گیا۔ علوم و فنون کی ترقی سے ۱۹۱۲ء میں پھر غالب کا رنگِ تغزل چمکا۔ اور غالب و داغ کے رنگِ تغزل کے امتزاج سے ایک نیا رنگ پیدا ہوا۔ آگرہ اسکول اسی کا موید و مبلغ ہے اور یہی اس وقت معیارِ شاعری ہے" (اقتباس خطبات صفحہ ۱۰۱-۱۰۵-۱۰۶)

سیماب کے نزدیک غزل کا مفہوم :-

"میں غزل میں پاکیزہ تغزل کا مخالف نہیں۔ لیکن شاعری کو تغزلِ محض تک محدود رکھنا بھی نہیں چاہتا۔ تغزل کی تعریف میں معاملہ بندی، کہہ کر فاحش ہو جانا غزل اور تغزل دونوں کی توہین ہے۔ تغزل کو قدرتی طور پر نفسانیت سے پاک اور روحانیت سے لبریز ہونا چاہئے۔ تغزل کے مختلف اسکول ہیں لیکن حقیقی تغزل وہی ہے جس کی بنیادیں جذباتِ لطیف پر قائم ہوں اور جس میں ابتذال و رکاکت کا شائبہ بھی نہ ہو۔" (خطباتِ شاعری صفحہ ۹۰)

یہ دیکھنا ہے کہ سیماب کا کلام اُن کے قائم کردہ نظریات پر کہاں تک پورا اترتا ہے۔

سیماب نے اپنی شاعری کے خود ہی تین دور قائم کر دئے ہیں پہلا دور ۱۸۹۲ء سے ۱۹۱۰ء تک۔ دوسرا دور ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۰ء تک۔ تیسرا دور ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء تک۔ سیماب کی شاعرانہ زندگی کا چوتھا دور ۱۹۳۱ء سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور کا کلام ہنوز محفوظ ہے۔

دورِ اوّل - دورِ اوّل میں جو غزلیں ہیں وہ سن و سال کے حساب سے اُس زمانے کی ہیں جب کہ سیماب کی عمر ۱۸ سال تھی۔ ان غزلوں میں وہ تمام قدیم موضوعات پائے جاتے ہیں جو عام شاعری کا مطمحِ نظر رہے ہیں۔ یعنی معاملہ بندی بھی ہے ہجر و وصل بھی ہے گل و بلبل بھی ہے۔ شمع و پروانہ بھی ہے اور قفس و آشیانہ بھی ہے۔ لیکن باایں ہمہ متانت اور سلیقہ بھی موجود ہے۔ اس دور کی شاعری کی زبان بہت صاف اور روزمرہ نہایت سادہ اور بے تکلف ہے۔ اس دور میں سیماب مرزا داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد معلوم ہوتے ہیں مگر کہیں رقیب یا عدو کا ذکر اس دور میں بھی نہیں ہے۔ نہ واعظ کی سنی محض تقلیداً پلید کی گئی ہے۔

کر سب سے جا بجا ہم اللہ سی کس کا گلہ ۔۔۔ آپ اپنا سر جھکا کر کیوں پشیماں ہو گئے

تم مرے پاس رہو پاس ملاقات رہے ۔۔۔ نہ کرو بات کسی سے تو مری بات رہے
ہیں ذرا آنکھوں سے نہ دیکھی مگر شامِ فراق ۔۔۔ شمع سے پہلے بجھا ایک پہر رات رہے

باغباں تختۂ گل دیکھ کے کلیاں گن لے ۔۔۔ وہ گیا پھاند کے دیوارِ گلستاں کوئی!

حقائق و معارف بھی ہیں مگر کہیں کہیں،

کر غور رنگ و بو کے احساس سے گذر کر ۔۔۔ یہ پھول اور کلیاں دھوکا ہیں نظر کا
آلِ آفرینش ہو کہ کی آخری منزل ۔۔۔ یہیں تو ابتدا کی انتہا معلوم ہوتی ہے

اس دور کے خریات کا انتخاب بہت اچھا ہے۔

ہم اپنی موت پر دیکھیں کسی کی آنکھ تر کرنا ۔۔۔ ہمیں بھی انعقادِ بزمِ ماتم کی خبر کرنا

ستم زدوں پہ گراں تھی ہوا زمانے کی ۔۔۔ جھکی تو پھر نہ اٹھی شاخ آشیانے کی

دورِ ثانی - اس دور کی بعض غزلوں سے دورِ ثانی کی استعداد کا پتہ چلتا ہے۔ سیماب دورِ ثانی میں دورِ اوّل کے رنگِ تغزل سے

www.taemeernews.com

کچھ اور بلند ہو جاتے ہیں۔ اب اُن کی غزل میں واردات و احساسات بھی جھلکنے لگتے ہیں۔ معاملات و نکات بھی ہوتے ہیں۔ اور لفظی شکوہ بھی علوئے تخیل کے دوش بدوش نظر آتا ہے۔

پانی میں ایک جوش ہوئی میری ایک گھناز　　بنتا نہیں مزار ترے بیقرار کا
کہتے ہیں جس کو زرع کا عالم فضا شکار　　پچھلا پہر ہے میری شبِ انتظار کا

مری تمام زندگی کی کہیں مثال نہیں　　میں ایک ہی تو غم اندوزِ روزگار رہا
ہے تیرگیٔ شبِ غم میں کیسی ویرانی　　الٰہی گھر نہ ہوا گوشۂ مزار رہا

اس دور تغزل کا رنگ سمجھ کر زیادہ دلنشیں اور روح گیر ہو گیا ہے۔ متانت اور سلیقہ جو دورِ اوّل میں بھی موجود تھا۔ اور زیادہ نکھر گیا ہے، تخیل بھی نسبتاً بلند ہو گئی ہے۔

حسبِ مرضی بیٹھنے اُٹھنے کی آزادی بھی　　بیخودی نے بے نیازِ نظمِ محفل کر دیا
داورِ محشر گر فطرت یہ تیرا انتظام　　مار ڈالا جب مجھے جینے کے قابل کر دیا

ذہن نے نئی انگڑائیاں لینی شروع کر دی ہیں۔ اور بصیرت میں وسعت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔

مجھے سجدہ کیا تھا میں نے اک دن جوشِ الفت میں
یہی ہو جائے گا جزوِ عبادت میں نہ سمجھا تھا

اک نعمتِ عجیب ہے یہ منصبِ فنا　　انسان کو ملا تو فرشتہ بنا دیا

یہ عشق کی بربادی اور یہ ترا استغنا　　اے حسن کبھی تجھ پر یہ وقت پڑا ہوتا

مگر جوانی کی شوخیٔ طبیعت کا چلبلا پن، اور بات کی بے تکلفی ابھی کہیں کہیں موجود ہے۔

رات بھر بیٹھا رہا محفل میں ہم بیٹھ دو ست　　گو رہا سب کی نگاہوں میں گرا جانا
زبان و بیان کی حلاوت، محاورات کا صحیح محل، اور جذبات کی گہرائی دیکھیے۔

دم آئے رخصت بھی، اٹھو چھوڑ گیا سا دل　　کوئی جھولا کب سے کب تک تماری بلند پیالیں؟

اس دور کی غزلوں میں جدید تراکیب اور شوکتِ الفاظ سے سیماب پر مرزا غالب کی تقلید کا گمان غالب ہوتا ہے۔ اور غالباً اسی دور سے وہ مرزا داغ کے قدیم اور مروج رنگ سے بلند ہو جاتے ہیں۔

سمجھے ہم نے جا با دست اوپر لیا گرہا　　تو کیا جانِ وفا شیوہ کا دشمن جان کرجانا!

تری محفل میں اپنی آمد و شد کا یہ عالم ہے　　بشکلِ رنگ آتے ہیں بہ رنگِ بو نکلتے ہیں

دیکھنا محویتِ لطفِ شکر خوابِ خیال　　جیسے کوئی فی الحقیقت گرمیٔ آغوش ہو

فلسفہ بھی اسی دور سے شریکِ تغزل ہو جاتا ہے۔

ترک کیجئے گا اے بت سازِ پردے کی باتیں ہیں
تراشا جس کو بھی پہلے سے وہ تصویر پتھر میں

فنا در اصل ہے جذبات کا افسردہ ہو جانا　　نہ میرا عشق فانی ہے نہ تیرا حسن فانی ہے

میں خصوصیتِ کلام، قوتِ بیان، اور شاعرانہ نکات کی وضاحت سے دانستہ گریز کر رہا ہوں۔ ورنہ سیماب کے اشعار کی صوری و معنوی خوبیاں اور فنی بلندیاں اگر ہر شعر کیساتھ سا تھ بیان کی جائیں تو شاید یہ سالنامہ اس مضمون کے سوا کسی دوسرے مضمون کا متحمل ہی نہ ہو، اس لئے بتاؤ صرف دو دو تین تین اشعار نقل کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں اس دور کی غزلوں میں بعض اشعار بہ اعتبار جذبات و محاورہ ضرب المثل بنانے کے قابل ہیں۔ اور بعض اشعار اپنی ندرت و نفاست کے لحاظ سے ذہن و دماغ میں محفوظ رکھنے کے لائق، مثلاً

شورش کدۂ حشر کہاں اور کہاں میں　　یہ دیکھئے آیا ہوں یہاں وہ نہیں ہے

آئے ہزار گردشِ دوراں سے انقلاب لیکن میں کیا کروں مری دنیا وہی رہی

سیر ہونیت تو دنیا ہو خدا کی برکتیں جتنی پی لی ہو ابھی تو اتنی ہی پیاس ہے

دیکھتے ہی دیکھتے دنیا سے میں اٹھ جاؤں گا دیکھتی کی دیکھتی رہ جائے گی دنیا مجھے

سب کے ہی ہونٹوں نہیں منہ ہی تو ہوئے جس گھر میں رہیں گزرے سے برباد کر گئے

مجھ کو در پردہ مجھ کو مجبور پا جو ں بیقرار کیا تماشہ ہے جو کوئی دوسرا پردے میں ہے!

نہ بہار نہ بہارِ تیرِ حسن تھا دنیا جوان تھی مری عہدِ شباب میں

دورِ ثالث۔ سیماب کی شاعری کا یہ دور دراصل ایک اجتہادی اور پیغمبرانہ دور ہے۔ اس دور کی غزلیں سیماب کو اپنے معاصرین سے نہ صرف ممتاز کرتی ہیں بلکہ انکے اپنے رنگِ جدید کا دورِ عظیم بھی ثابت کرتی ہیں۔ اس دور میں سیماب نے اچھوتے خیالات، نادر بات انوکھے احساسات، مسموم واردات، اور قوتِ تخیل کی فلک پروازیاں دکھا کر یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام الہامی شاعر ہے۔ اور جس مقام پر پہونچ کر شعر کہتا ہے وہاں اس کے معاصرین کی ہوا بھی نہیں پہونچی۔ سیماب نے اپنے اس دور کی شاعری میں ڈاکٹر اقبال کے اس نظریئے کو غلط ثابت کر دیا ہے کہ اردو زبان میں درس و پیام کی گنجائش نہیں ہے۔ نشید نو کے باب میں بیشتر اشعار ایسے ہیں جو اردو شاعری میں اختراعِ فائقہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور جن کی تخلیق صرف سیماب کے عرش پرورد الہام آسودہ ذہن و دماغ ہی تک محدود نظر آتی ہے۔ فلسفہ، حقائق و معارف، اور مسائلِ نظر و فکر، تو متقدمین و متاخرین کے اشعار میں بھی موجود ہے۔ مگر

سیماب کے یہاں ایک ایسی چیز ان تمام خصوصیات کے علاوہ اور بھی ہے جس کا کوئی نام نہیں رکھا جا سکتا۔

سہل ممتنع کی حدود کو خوش بیانی، صفائی، سلاست، فصاحت اور برجستگی کے ساتھ عبور کر جانا بغیر الہام کی اعانت کے ممکن ہی نہیں۔ اس لئے ہم سیماب کی اس دور کی شاعری کو مہبطِ الہام ہی کہہ سکتے ہیں گو اس سے بھی کچھ زیادہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ مثلاً چند اشعار سنئے۔

مری رسائی سی دور ہے تو اگر ابھی مجھکو یاد ہو گا
کہ میں نے ایمن کی وادیوں میں پلٹ دیا تھا نقابِ تیرا

زندگی دونوں کی ہو ہمیں بھی سیماب قید آج آیا ہے قفس میں کل رہا ہو جائے گا

نہ پوچھ مجھ سی، تری مجبور اختیار کی خیر گناہ ہو نہ سکا لیکن گناہ کر نہ سکا

عمر بھر سینے میں ارماں کی خلش باقی رہی ایک کانٹا چبھ گیا تھا آرزوئے خام کا

معارف نگاری، اسرارِ حقیقت کا اظہار و اعلان، صحیح واردات قلب کی ترجمانی، اس دور کی سب سے بڑی خصوصیات ہیں۔ سیماب وحدت شہود کے قائل ہیں۔

ہزار رنگ کے پردے میں چھپ کے بیٹھ گئے یہ اک ظہور کی ترکیب کی حجاب تھا

خیال کی سراب آفرینی و طلسم کاری سے نالاں ہو کر کہتے ہیں۔

آزردہ اس قدر ہوں سرابِ خیال سے جی چاہتا ہے تم بھی نہ آؤ خیال میں
تنگ آ کے توڑتا ہوں طلسمِ خیال کو یا مطمئن کرو کہ تمہیں ہو خیال میں

وہ زیست کو بھی سراب ہی سمجھتے ہیں۔

دنیا ہے خوابِ حاصلِ دنیا خیال ہے انسان خواب دیکھ رہا ہے خیال میں

منازلِ محبت سیماب کے طے کردہ راستے معلوم ہوتے ہیں۔

www.taemeernews.com

ثانیِ منازل کے انکشاف میں وہ بڑے تجربہ کار اور مبصر کی حیثیت رکھتے ہیں

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر

خیال کی ندرت و بلندی اور فکر کا اچھوتا پن دیکھیے۔

صدائے صور سے میں قبر میں جاگوں گا / کسی کھوئی ہوئی آواز سے پکار مجھے

ذرا کھل کر پکار اے صور مجذوبِ الفت کو / یہ دیوانے کہیں بیٹھے نہ رہ جائیں پسِ محشر

سیماب کے واردات میں صداقت، جذبات میں پاکیزگی والہیت پائی جاتی ہے۔

نہ پوچھ اس پاکبازِ آرزو کا عالمِ الفت / دنیا میں بھی خدا کو دیا جگہ

ادراک و عرفان، اور کنہ حقیقت کے سمجھنے میں سیماب کا ذہن بہت رسا ہے۔

ہے روزِ ازل سے دنیا کی اس وسعت میں منزل میری
ہر ذرے سے واقف ہوں میں ہر ذرہ ہے محرم میرا

جو کچھ لکھا ہے پروانے نے بیاضِ شمع کی لو سے / وہ سب کچھ ایک دن خاکسترِ محفل سے نکلے گا

عرفانِ نفس ہی مجھے عرفانِ دوست تھا / خود آشنا ہوا تو خدا آشنا ہوا

جو قدسیوں کے درس میں تھا درسِ آخری / اک جزوِ مختصر وہ مری آگہی کا تھا

غرض کہ پورا باب ایسے ہی اشعار سے بھرا پڑا ہے۔ جو شہپرِ جبریل کی آواز سے ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ درس و پیام کے بھی کچھ نمونے دیکھ لیجیے۔

یہ نمائشِ سجود دل کا اک انجام ہے / دل سے کوئی کام لو دل کام کا ہو جائے گا
مصلحت یہ ہے خودی کی عظمتیں طاری رہیں / جب خودی مٹ جائے گی بندہ خدا ہو جائے گا

تمہیدِ خرابی کی تکمیلِ خرابی ہے / اک بت کا بنانا ہی بتخانہ بنا دینا

کاوشِ غم ہی مداوا ہے غمِ ایام کا / ہے شفق کے خون سے رنگین گیسو شام کا
ہے فریبِ طولِ عشرت محض ہستی کی شام / صبح ہونے تک ہے وقفہ گردشِ یک جام کا

نکتہ یہ ہے کہ اس خشک تبلیغ میں بھی سیماب اپنی موسیقیت اور شیریں کلامی نہیں بھولتے۔

عشق کے عنوان سے تجدیدیاں کیجیے / بے مزہ نکلا فسانہ کفر اور اسلام کا

وفا کی سطح سے گزری ہوئی ملی دنیا / غرض کہ رنگ میں ڈوبا ہوا زمانہ ملا

خدا کی جستجو کر پا نہ کر بیخودی طاری / وہ خود تیری خودی کو پردۂ حائل سمجھتا ہے

مثالِ نکہت آوارۂ گل جا بسر ہوجا / سکوں چاہے تو آزادِ قیود رنگ و بو ہوجا
بسر کر یا بدوشت کر دے اپنی خاکستر / کہیں مل جائیگی منزل خرابِ جستجو ہوجا
اگر تو چاہتا ہے آرزو تیری کرے دنیا / تو دل پر جبر کر کے بے نیازِ آرزو ہوجا
شعار اپنی غفلت پھر جگا اربابِ غفلت کو / انہیں سوز دے پہلے خواب سے بیدار تو ہوجا

سب سے الگ پرستشِ جانانہ چاہیے / اے برہمن خیال میں بتخانہ چاہیے
رنگِ بساطِ دیر و حرم ہے بہت خراب / ان خشکیوں میں بارشِ پیمانہ چاہیے
نیرنگِ انقلاب ہیں راتیں بہار کی / صبحِ چمن کو روز اک افسانہ چاہیے
ہر انجمن میں موقعِ وجدانِ رقص ہے / آزادیٔ طبیعتِ پروانہ چاہیے

غلط سمجھا جو تو منزل سمجھا راہِ ہستی کو / جہاں ہوتی ہے منزل ختم وہ آغازِ منزل ہے

نہ جانا علمِ حقیقت جز حقیقت اور ہی کچھ ہے / کبھی اک نقشِ باطل بھی حجابِ حق ہوتا ہے

www.taemeernews.com

وہ اک سخن میں جو بات کہہ نہیں سکتا — وہی کلیم جو ہر لفظ پر اٹکتا ہے
تصورات کی خلوت میں کر تلاش اسکو — تجربات کی دنیا میں کیوں بھٹکتا ہے!

اسے کہتا ہوں میں شائستگیٔ عشق — غمِ الفت کو شریکِ غمِ دنیا نہ کریں

معمورۂ فنا کی کوتاہیاں تو دیکھو — اک موت کا بھی دن ہے دو دن کی زندگی میں

سیماب کے کلام میں درس و پیام کا رنگ اس قدر غالب ہے کہ ہر غزل میں چند شعر اس موضوع پر مل جاتے ہیں۔ "کلیمِ عجم" کا مطالعہ کرنے سے یہ بات ناظر کے دماغ پر خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔

سیماب اپنی آزادیٔ خیال میں اعلیٰ وجہِ بصیرت اس قدر بے تکلف ہیں کہ وہ بعض اوقات کارکنانِ فطرت سے اور کبھی خدا سے بھی دو بدو ہو جاتے ہیں۔ اور وہ باتیں کہہ دیتے ہیں جن کے کہنے پر انسان جسور ہو ہی نہیں سکتا۔ کہتے ہیں اور کس انداز سے کہتے ہیں کہ۔

اے خداوندِ حسن! یہ کیا ستم ہے؟ — جب تک چراغِ طور رہا میں بجھا ہوا!!

فطرتِ حسن ہی کہو اور کلیم سجدے — خامشی ناگوار ہے انجمنِ نیاز میں

تو سجدے کو سر نہیں اٹھتا — جو تھا فرشتوں کا مسجود کیا وہی ہوں میں

دیکھئے فطرت کو کس خوبصورت انداز میں چھیڑتے ہیں۔

"آرزو مجھی سے" — تمنا کی دعا مانگی اور پورا پایا

براہِ راست خدا سے مخاطب ہیں۔

کم ہے کہ فرشتوں کو ہیں تو ملا دل کا — آپ کی صحبت میں آدمی نے کیا پایا؟

ترا جلوہ میرا جلوہ، جو ہے تو میں ہوں وہی
پردہ اتنا ہے کہ میں ظاہر ہوں تو مستور ہے

کیا پتہ اپنا دیا ہے اس ستمگر کو نثار — جان دیکھی ہو تو نزدیکِ رگِ جاں دیکھئے

آدابِ تجلی میں ہے گنجائشِ ترمیم — نظارہ ترے حسن کا بیباک نہیں ہے

دنیا کے رنج و یاس، خوشی اور غم، موت اور زندگی کے مشاہدات پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد خدا کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کیا چاہتے ہیں۔

تیری دنیا ہے، دنیا الٰہی مگر — مطمئن ذہنِ دنیا نہیں ہے۔
کاوشِ زندگی، کاہشِ مرگ کا — کچھ نتیجہ بھی ہے یا نہیں ہے؟

اظہارِ خیال کے لئے کس قدر برجستہ اور برمحل الفاظ ملتے چلے جاتے ہیں۔ سستے بڑے بڑے مصرعے مگر حشو و زوائد سے پاک، نہ کہیں جھول، نہ کہیں اغلاق۔ شروع سے آخر تک ہر شعر سانچے میں ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

یہ تو رسماً ہے اک عادتِ بندگی — ورنہ میں کیا مری التجا کیا
آپ چاہیں تو کونین دیدیں مجھے — آپ کے ہاتھ میں کیا نہیں ہے

سجدے کے متعلق اب تک تو ہم اور ساری دنیا یہی سمجھتی رہی کہ سجدہ عجزِ عبودیت کا اظہار اور خضوع و طاعتِ الٰہی ہے مگر سیماب اس کے متعلق ایک نیا نظریہ پیش کرتے ہیں۔

یاد صبحِ ازل کو ہے وہ ماجرا — جب فرشتوں کا مسجود یہ تھا
ہے یہ تاوان اس جرمِ تقدیس کا — سجدہ انسان کا سجدہ نہیں ہے

سجدے کو "جرمِ تقدیس" کا "تاوان" کہنا کتنی نئی بات اور کتنا نیا خیال ہے۔

انسان کہتا ہے کہ میری کوئی آرزو پوری نہیں ہوتی۔ خدا بھی فرماتا ہے کہ "ام للانسان ما تمنیٰ" (کیا انسان کو وہی مل جائے جو اس کی تمنا ہے)، اس عدمِ تکمیلِ تمنا کا سبب سیماب بتلاتے ہیں اور ذہنِ انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ جو تمنا وہ کرتا ہے

حقیقت میں تمنا نہیں ہوتی۔ بلکہ فریبِ تمنا ہوتا ہے۔ تمنا اُس طلبِ صادق کا نام ہے جو مادیت اور نفسانیت سے منزا ہو۔ ایسی تمنا خدا بھی پورا کر دیتا ہے۔ "ادعونی استجب لکم" ایسی ہی تمناؤں کیلئے ارشاد ہوا ہے۔ انسان کی تمنا نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے وہ پوری نہیں ہوتی۔ شعر ہے

تو اور ارمانِ حرص و ہوا و ہوس! اس کی تکمیل فطرت کرے کیوں
یہ تو اک آب و گندم کی انگڑائی ہے، یہ تمنا، تمنا نہیں ہے

یہی ہے وہ جدید رنگِ شاعری، جو سیماب نے اپنے معاصرین کے علی الرغم اختیار کیا ہے۔ اور جس کی وہ ترویج چاہتے ہیں۔ وہ شاعروں کی شاعری پسند نہیں کرتے بلکہ ایسی شاعری چاہتے ہیں جو کسی نہ کسی نوعیت سے مفید ہو۔ ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ سیماب نے شاعری کے جو نظریئے اپنے خطبات میں پیش کئے ہیں، اُن کی شاعری اُن نظریوں کے بالکل مطابق ہے۔ اور وہ اُن شعرا کی صف سے بالاتر ہیں جن کے لئے قرآن مجید میں "وانہم یقولون ما لا یفعلون" آیا ہے۔ بلکہ "الا الذین آمنوا" کے مستثنیات میں ان کا شمار ہے۔

سیماب بحیثیت نظم نگار

یہ وہ زمانہ ہے کہ غزل اور غزل گو شعرا کا دور ختم ہوتا جا رہا ہے اور نظم گوئی کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ مگر ابھی مستند اور معتبر نظم گو شعرا کا شمار دو چار سے زیادہ نہیں۔ غزل میں آپ نے سیماب کا درجہ دیکھ لیا۔ غزل ایک محدود صنفِ شاعری ہے۔ جو اکثر مشاعروں میں سنانی پڑتی ہے۔ اس لئے مشاعرے کے ماحول اور مذاق کا اس میں خیال رکھنا پڑتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کلیمِ عجم میں ایسی سیکڑوں غزلیں شائع نہیں ہوئیں جن کے پڑھنے سے بقول شخصے مشاعروں کی چھتیں اُڑ چکی تھیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ جب حضرت سیماب نے اجمیر کے ایک مشاعرہ میں یہ مطلع پڑھا۔

پری بن کر بہار آئی ہے آئی باد و باراں پر | پرندوں کی طرح گا گا کے بہکیں بزم در بزم

تو مشاعرہ جاگ اٹھا۔ کئی مرتبہ یہ مطلع پڑھوایا گیا۔ مگر کلیمِ عجم کی غزلوں میں یہ غزل نہیں ملتی۔

مطلع بہت خوبصورت اور مناسب الفاظ سے سجایا گیا ہے۔ لیکن سیماب جانتے تھے کہ اس مطلع کا اثر صرف مشاعرے تک محدود رہ سکتا ہے۔ اس لئے انھوں نے مطلع کیا پوری غزل کو نظر کر دیا۔

میرا مقصدِ بیان یہ ہے کہ غزل اکثر مشاعرے کے لئے ہی لکھی جاتی ہے۔ مگر نظم مشاعروں کی محتاج نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کے اثرات بھی غیر محدود اور عالمگیر ہوتے ہیں۔

نظم سے شاعر کے ان رجحانات کا اظہار ہوتا ہے جو غیر جانبدارانہ طریقے سے اس کے ذہن و دماغ میں پرورش پاتے رہتے ہیں۔ آیئے اب دیکھیں کہ نظم نگاری میں سیماب کو کیا مقام ہے؟

"کارِ امروز" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیماب جس طرح ایک نغز گو غزل نویس ہے اسی طرح ایک بلند فکر نظم نگار بھی ہے جب وہ غزل میں بھی درس و پیام کا عنصر لازمی سمجھتا ہے تو پھر نظم میں تو اس کی درسی و پیامی قوتوں کے لئے گنجائش ہونی ہی چاہیئے۔

"کارِ امروز" میں اُن تمام موضوعات پر سیماب کی نظمیں ہیں جن کا تعلق انسانی ضرورتوں کے ہر شعبے سے ہے۔ یعنی سیاست، مذہب، معاشرت، قومیت، انسانیت، وطنیت، آزادی وغیرہ وغیرہ۔

سیماب کا نظریۂ سیاست

رسم و آئینِ محبت پہ جب آنچ آ گئی | صبحِ فطرت کی سپیدی بن سیاہی رہ گئی
بھول بیٹھا آدمی انجامِ کارِ زندگی | سرنگوں ہی ہو کے رہ گئی

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

آگرہ اسکول کا معیار تخیل

از ـــــ حضرت مولانا ارشد تھانوی

۲۷ جنوری ۱۹۲۴ء کو ۱۱ بجے شب کو پراونشل اگزیبیشن لکھنؤ کے آل انڈیا مشاعرہ میں جنہا داب آ... بابت کیپٹن جمشید علیخاں صاحب صدر مجلس استقبالیہ کا خطبۂ صدارت سن رہا تھا، اور اس کی سطر سطر کا فی زیر نظر تھی کہ بجلی اور ی سے کسی نے ٹھوکا دے کر کہا سنئے وقت ضروری نہیں ہے کہ پابندی چلے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو حضرت نیاز فتحپوری اڈیٹر نگار تھے جنہوں نے شاعر و نشی کے رکن انتظامی ہونے کی حیثیت سے اپنا ... بابت تیزی کا بطور جنبش مخاطبت نفاذ فرمایا تھا۔ میں بجز ایک تبسم تشکر کے جواب کچھ نہ کرسکا کیونکہ میری پوری توجہ خطبہ کے زیر دالفاظ کی طرف تھی، وہ ... رہے تھے۔

... میں اردو شاعری کے ... تجربے ... در اندازی کی ... اس کا مختلف نظر متاخرین دو جداگانہ مکتبوں میں تقسیم کرنا ناگزیر ہے، ایک وہ جو اردو شاعری کے قدیم اسکول کی پیروی ہی دوسری وہ جس نے تغزل کی فرسودہ راہ سے ہٹ کر ایک جدید اسلوب شاعری اپنے لئے پیدا کیا۔ مقدم الذکر جماعت کے علمبردار داغ، امیر، جلال، اسیر اور موخر الذکر کے قائد حالی و چکبست، آزاد، اکبر وغیرہ تھے۔

قدرتاً میں منتظر تھا کہ اردو شاعری کے حمد بعد ارتقاء پر بحث فرماتے ہوئے نواب صاحب حضرت صفی تک آئیں گے، اور اقبال، حسرت، سیماب، جوش وغیرہ نے اردو شاعری میں جو جدید اضافات کی ہیں ان پر تبصرہ کر کے موجودہ دور کی خصوصیات اور ... ت پر روشنی ڈالی جائے گی لیکن یہ موضوع اسی حد تک پہونچ کر ختم ہو گیا۔ اور شاعری کے صحیح مفہوم، شاعروں کی اصلاح اور دوسرے مسائل زیر بحث آگئے۔ حالانکہ سب سے زیادہ ضرورت اس کی تھی کہ زمانۂ حال کی شاعری پر گفتگو کی جاتی۔ اور دہلی و لکھنؤ اسکول کے قدیم اور بزرگ امر تبہ زیر بحث لائے گئے مسائل نہ ہوتے بلکہ ان سے آگے بڑھ کر اس وقت کے اہم ترین احساسات شعری اور ترقیات پر تبصرہ ہوتا۔ دہلی اور لکھنؤ میں جو کچھ اپنے وقت پر ہوا اس پر ضخیم ترین لٹریچر موجود ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ اب وہاں کچھ ہو بھی نہیں رہا ہے موجودہ دنیائے ادب و شعر میں لاہور و آگرہ اسکول جو اہم ترین خدمات انجام دے رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اردو شاعری کی زندگی اب نہیں کی رہین منت ہے پنجاب کے ہر شعبۂ حیات میں زندگی ہے۔ سر سید نے وہاں والوں کو اسی لئے زندہ دلوں کا خطاب دیا تھا مگر یو پی میں ہر اعتبار سے زندگی و افسردگی غالب آتی جا رہی ہے۔ حالی نے جس نکبت و ادبار کے مناظر اپنے مقبول عام مسدس میں پیش کئے ہیں، وہ سب باشندگان یو۔پی کے اجتماعی حالات کا صحیح عکس ہیں ادبی و شعری ترقی نتیجہ ہوتی ہے کشمکش حیات سے فراغت اور ذہنی یکسوئی و دماغی سکون کا، ظاہر ہے کہ یو۔پی کی اکثریت پریشاں روزگاری اور کشاکش حیات کی زوال پذیر دنیا میں آپس میں ہائے ناشکور میں مبتلا ہے، اور کسی علمی، ذہنی، دماغی کام کے لئے اس کے پاس نہ وقت ہے نہ احساس صحیح، اور جو طبائع اپنے فطری رجحانات سے ان مشاغل کی طرف توجہ بھی کرتی ہیں۔ وہ ماحول کی ناسازگاری اشتراک ذہنی کے

فقدان، اور عملی وسائل کی عدم موجودگی سے بالآخر بیتیس تیس برس کام کرنے سے معذور باقی ہیں، ان حالات میں قدرت کا یہ ایک معجزہ ہے کہ غالب کے مولد آگرہ میں اردو شاعری ایک ایسے جدید اسلوب اور مستقل رفعت کے ترقی پذیر پیکر میں منتقل ہو رہی ہے جس کو دنیائے شعر و ادب کی لطیف و پاکیزہ ترین مخلوق قرار دیا جا سکتا ہے اور مشرق و مغرب کی تمام زبانوں کے ادب و شعر کے پہلو بہ پہلو اس کو امتیازی جگہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اس کا حقیقی کریڈٹ تنہا علامہ سیماب کی ذات کو حاصل ہے۔

جنہوں نے اپنی پر از کشمکش زندگی کا نصب العین ابتدا ہی سے فن شعر کو بنا لیا۔ اور اس فرض کی بجا آوری میں سخت سے سخت حالات اور نازک سے نازک مواقع پر بھی بے دلی ظاہر نہ کی اور اپنی طبعی صلاحیتوں و ذہنی استعدادوں سے ہمیشہ اپنے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری میں مشغول رہے، اسی جد و جہد اور ایثار کا نتیجہ ہے کہ آج آگرہ اسکول کا معیار تخیل مشرق کی پوری روحانی رفعتوں کے ساتھ ساتھ مغرب کی علمی لطافتوں اور ... باقی نزاکتوں سے معمور نظر آتا ہے اور ہندوستان کے ہر گوشہ میں آج اس کا اتباع کیا جا رہا ہے اور یہ زبان اردو ہی کی نہیں بلکہ ہندوستان کی ایک ایسی خدمت ہے جس کی داد نہ صرف ہندوستان ہی کی آئندہ نسلیں دیں گی بلکہ دنیا کی دوسری زبانوں کے ادیب و شاعر بھی اس کا اعتراف کریں گے علاوہ ان منظومات کے جو وقتاً فوقتاً کتابی صورت میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ مولانا کا ایک ضخیم دیوان "کلیم عجم" کے نام سے حال ہی میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ فرصت کا محتاج ہوں۔ اس کو سامنے رکھ کر جی چاہتا ہے کہ ان تمام امتیازی خصوصیات پر نمونے پیش کر کے روشنی ڈالی جائے جس نے اردو شاعری کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے، ان کے عزیز ترین شاگرد جناب ساغر کا ضخیم مجموعۂ نظم "بادۂ مشرق" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اور ان کا اتباع کرنے والے کثیر التعداد اصحاب ذوق کے نتائج افکار ہنوز کتابی صورت میں ملک کے سامنے نہیں آئے

مختلف رسائل و اخبارات سے بطور سرسری اقتباس اشعار ذیل میں پیش کیا جاتا ہے جس سے آگرہ اسکول کے معیار تخیل کا اندازہ ہو سکے گا۔ ذوق صحیح رکھنے والے انتخاب اول تو جذباتی جاذبیت سے خود ہی متاثر ہوتے ہیں کہ دوسروں کے الفاظ و عبارت سے منت کش ہونا ان کے نازک احساسات کی منقبت پر مبنی ہوتا ہے۔ دوسرے اشعار کی جامعیت بیان اور تاثیر ترتیب کا تبصرہ اور ریویو میں اظہار کردہ معروضی تجزیہ و تحلیل میں آ جاتی ہے ... وقتیکہ مکمل فراغت اور ایک عمیق یکسوئی خاطر حاصل نہ ہو۔ لطائف شعری کو بحث میں لے آنا اور بطور سرسری بعض حسین خصوصیتوں کی طرف اشارے کر دینا حقیقت میں قطعی غیر شاعرانہ ظلم ہے۔ گو اس کا ارتکاب کتنا ہی کثرت سے ہو رہا ہو، مگر میں ایسا نہیں کرتا اور بغیر کسی تشریح و تفسیر کے ان شعری شہ پاروں کو سامنے رکھے دیتا ہوں۔

عیش و آرام و ثروت سے کہیں بہتر فقط — سچ تو یہ ہے کہ مصیبت میں ہیں راحت والے
موت اس حسن کی گم کردۂ رعنا جستجو نکلی — زلف جو تجھ کو محبت والے
موت کی ہچکی میں صوت شکست ساز ہے — یہ مرے تار نفس کی آخری آواز ہے

(ارمان اکبرآبادی)

پھر کر رہا ہوں تذکرۂ یار رفتگاں — جیسے بیاں کرے کوئی تعبیر خواب کی

(میر احمدی اجمیری)

آتا ہے پیار تیرے وصل کر شاید — نکہت کی طرح روح مری مائل پرواز

شفیق کوٹلی

پھونک دی یہ روح کس نے حسرت تقریر میں — میری گویائی ہے دزدیدہ لب تصویر میں
میری حیرانی ہے زینت جلوہ گاہ کائنات — جوہر آئینہ ہوں آئینۂ تصویر میں

(راز چاندپوری)

حسین شب یہ طواف کعبۂ حسن جمال — چادر مہتاب مجھ کو جامۂ احرام ہے
سایۂ گل میں کوئی منزل آخر بناتے — آوارہ کیوں چمن بہ چمن کارواں رہے

شاخ پہ قربتیں ہمیں رہنے کی سازشیں — میرے قفس پہ سایۂ چمن ہی جھکا رہا
انتہائے کلفتِ تنگ آزادی رہا — میری جانب سے اسے بھی نذرِ زنداں کیجئے
پھر انہیں ذروں سے بن سکتی ہے اک دنیا نئی — رائیگاں کیوں دل کے ذراتِ پریشاں کیجئے
یوں اگر ہے حسرتِ لطفِ نمازِ حریت — سجدہ زیرِ سایۂ زنجیرِ زنداں کیجئے

(اخترؔ اکبرآبادی)

مری سرگشتگی محسوس خود مجھ کو نہیں ہوتی — مری فطرت میں گردش ہے زمیں ہوں یا فلک ہوں
مری فریادِ بے ہنگام کوئی سن نہیں سکتا — میں اپنی حسرت و امید کا خاموش مقبر ہوں
بہائے تھے مری رودادِ غم پر ایک دن آنسو — چمن کی آج تک وہ شبنم افشانی نہیں جاتی

(رضا بلسوی)

قدم میں پہنچ چلا ہوں اکثر خود منزل تک — ہم اپنا قافلہ صحرا بہ صحرا دیکھ لیتے ہیں

(شفق صحرائی)

دہر میں انسانیت کا ساز و ساماں کیجئے — پھر سے دل کی خاک سے تخلیقِ انساں کیجئے

(محمود جالندھری)

نشاطِ عیش سے معمور ہو گیا ہے — تصورات کی دنیا کو پائیدار نہیں
دنیا کو اپنے جلوۂ رنگیں سے خلد ہے — ہے صرف اک حقیقتِ باطل ترے بغیر

(رعنا قریشی)

جو خستہ حالِ الفت ہیں وہی برباد ہوتے ہیں — تباہی ڈھونڈتی پھرتی ہے دنیا میں تباہی کو
مسرت کوش ہوں لیکن مثالِ قطرۂ شبنم — لرز اٹھتا ہے دل اک موجۂ دریا ہی سے
نشیمن کو جلا کر مجھ کو زندہ اس لیے چھوڑا — کہ میں آنکھوں سے اپنی دیکھ لوں اپنی تباہی کو

(خنداں جملی)

جو ہر شے میں ہوتا ہے نقاب سے فروغ — بت پرستی شرط ہے تجزیۂ ایماں کیلئے

(تفضل ٹونکی)

فنا کے بعد بھی مطلب کیوں بیگانہ ہوگا — مری تربت کے ذرے ڈھونڈ لیں گے جا بجا تجھ کو

(جمال صابری)

ان کا ہر اک تبسمِ خاموش — جلوۂ برقِ طور ہوتا ہے

وہ بھی کیا فرقت ہے مسافر کا — جب وہ منزل سے دور ہوتا ہے
ہوں بیخودی میں سجدہ گزار حرمِ دوست — میری جبیں جبیں ہے نہ میرا آستاں ہی ہے
مست تھی آزادگی بزمِ ازل کی کیف سے — روح جب تک قیدِ زندانِ آب و گِل میں تھی
سیکھتا تھا اضطرابِ موجِ دریا سے سبق — درسِ امیدِ خلوتِ ساحل نہ تھی
بلندی پر ستارہ ہے جنونِ فتنہ ساماں کا — نظر میں چاند بن جاتا ہے ہر ٹکڑا گریباں کا
محبت کیوں نہ ہو جائے اسیرِ فطرتِ انساں — بساطِ قلب پر اک جال پھیلا ہے رگِ جاں کا
گمانِ عشق میرے دور میں کیوں عام ہو جائے — پتنگا میرے سوزِ باطن آتش بجاں کیوں ہو
زمیں پر خون کیوں ہو لالہ و گل نے کیا تطہیر — ہماری خاک ترے زمیں سوادِ خاکداں کیوں ہو

(آلم مظفرنگری)

سوادِ شام کی پھر بڑھ رہی ہے تاریکی — کہیں غروب مرا کارواں نہ ہو جائے
ہر ایک ذرے کو ہے فکرِ عظمتِ خورشید — زمیں بھی آخرِ کار آسماں نہ ہو جائے

کاہشیں جب نیند اڑ جانے کا ساماں ہو گئیں
کیسی کیسی چاندنی راتیں پریشاں ہو گئیں
چاند میں چمکیں ستاروں میں نمایاں ہو گئیں
پھر ابھر آئیں وہ تصویریں جو پنہاں ہو گئیں
تھی نہ محتاجِ چراغانِ چمن شامِ بہار
جب لگے جگنو دمکنے شمعیں فروزاں ہو گئیں

چمن میں اور نہر کے کنارے، نہیں یہ جگنو نہیں ستارے
یہ ہیں مری نطق کے شرارے بہار کا کارواں نہیں ہے
زوال کیا انحطاط کیسا جہاں ہے رنگِ مستقل میں
یہ اوج میرے خیال کا ہے یہ چاند کا آسماں نہیں ہے

(ضیا چنیوٹی)

ان سے آگے بڑھ کے ہے دیر و کلیسا و حرم — سنگِ راہِ منزلِ مقصود ہیں منزل نہیں
انکی نظروں میں یکساں ہیں الیفِ گزشت حیات — غنچۂ دل پر نظر ڈالی گلستاں ہو گیا
دیدہ ور ہیں اور اتنی دوستی کرتے ہیں کیف — عشرتِ امروز میں فکرِ غمِ فردا نہ ہو

بقیہ مضمون صفحہ ۲۰۵ پر ملاحظہ فرمائیے

آگرہ اسکول کا رنگِ تغزل

از ——— حضرت نہال سیوہاروی

مولانا حسرت موہانی کا قول ہے کہ رنگِ تغزل کی تین قسمیں ہیں۔ عارفانہ، عاشقانہ، اور رندانہ، اس نظریہ کے تحت میں جب ہم آگرہ اسکول کے رنگِ تغزل کا تجزیہ کرتے ہیں تو بلاشبہ ہم کو اس درسۂ شعر و سخن میں جسکی گونج سے دیارِ ہند گونج رہا ہے۔ اولین دو اصنافِ تغزل کا امتزاج نظر آتا ہے جس کا ہنوز کوئی نام نہیں۔

بیا زشیوہ ہاست غزل راکہ نام نیست

غزل کے متعلق نقادانِ فن کا کیا اچھا فیصلہ ہے کہ یہی ابتدائے شاعری اور یہی انتہائے شاعری ہے۔ ولی دکنی کے زمانے سے تا دورِ موجود یہ عروس شعر جانے کن زیوروں سے مزین رہی ہے۔ میر۔ سودا۔ مصحفی۔ جرأت۔ آتش۔ ناسخ۔ غالب۔ ذوق۔ مومن۔ داغ اور امیر نے اپنی عمرہائے گرانمایہ اس کو نکھار سکھ سے آراستہ کرنے میں صرف فرمائی ہیں۔ اور انہیں اساتذۂ ماسبق کا فیضان ہے کہ اردو غزل کو آج وہ مقبولیت حاصل ہے کہ یہ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک ہندوستان کے گوشہ گوشہ پر چھائی ہوئی ہے۔

غزل کے وہ اسکول جو انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہیں۔ چار ہیں۔ دہلی۔ لکھنؤ۔ آگرہ۔ اور لاہور۔ جن میں ہر ایک اپنی منفرد خصوصیات کا حامل ہے۔ اور اپنے کام پر ایک جداگانہ چھاپ رکھتا ہے۔ آگرہ اسکول جس کا تعلق مضمونِ زیرِ بحث سے ہے۔ کوئی نیا درسۂ سخن نہیں۔ اس کا عہدِ عتیق و جدید ہر دو شاندار روایات سے پُر ہیں۔ اور کیوں نہ ہوں۔ میر۔ نظیر۔ غالب۔ قمر۔ آہ۔ وگیر۔ بزم اور سیماب جیسے اساتذۂ شعر کی سرپرستی کا فخر اس کو حاصل رہا ہے۔ اور ہے آج ارضِ تاج حضرت سیماب پر بجا طور سے ناز کر سکتی ہے۔ کہ آپ نے اِس سرزمینِ ادب کو یہاں تک فروغ بخشا ہے کہ ایک عالم اس کے الوارِ فیض سے بہرہ ور ہے

معلمانِ نفسیات کا قول ہے کہ ہنگامِ ریاضت یکسوئی خاطر کیلئے انسان نے اصنام پرستی کو رائج کیا، اور یہی اصنام پرستی طالبانِ حق کو بتدریج جادۂ مجاز سے شاہراہ حقیقت کی جانب لے گئی۔ یہی حال اردو غزل کا ہے۔ جس کے ابتدائے دور میں حدیثِ عارض و کاکل کا ایک وافر حصہ پایا جاتا ہے۔ کبھی اس کی تعریف "گفتگو با زناں" تک محدود تھی۔ اور آج آگرہ اسکول "سرمایۂ الہام" سے موسوم کرتا ہے۔ کسی زمانے میں اس دودِ چراغ کا ترپا کی ایک ساحلِ گو کے نام سے پکارا جاتا تھا، اور آج اُس کو پیغمبرِ سخن کہتے ہیں۔

فصیح الملک داغ دہلوی کی روحِ پاک پر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں کہ اس خدائے سخن نے کاشانۂ غزل کو خوب سے خوب تر بنایا اور اس کی بناء اور ذاتِ قلب پر رکھی۔ یہ کتنا انکشافِ حقیقت ہے کہ غزل کی موجودہ ارتقائی صورت اسی بلبلِ ہند کی ممنونِ احسان ہے حضرت سیماب جو آنجہانی کے جانشین اور یادگار یہ صحیح ہیں۔ ان کے مشن ز سعدمند ریندے مسلسل کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں سرگرمِ کار ہیں۔ آگرہ اسکول جسکو ایوانِ تغزل کے دلفریب بنانے میں ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ ایک سیر حاصل مضمون چاہتا ہے۔ جس میں اس کی

www.taemeernews.com

ہر ایک نئی نشوونما کو اُجاگر کیا جائے۔ یہ کام مجھ سے بہتر نقادانِ بالغ نظر کا ہے۔ جو مناسب وقت پر آئندہ اس کو انجام دیں گے۔

مولانا ۔ اپنے نصب العین کو واضح فرماتے ہوئے ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں۔"وہ زمانہ قریب ہے کہ ساعت قریب جالِ اوراقِ پریشاں کی طرح منتشر ہو جائیں گے۔ اور یہی اجتہاد و اختراع جس پر آج سب و شتم کے تاریک پردے ڈالے جاتے ہیں دوپہر کی دھوپ کی طرح دنیا پر چھا جائے گا۔ اور تقلید و اتباع کے سیاہ نقطے مرکزِ تعدیم تک پہنچ جائیں گے۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اُردو کی تعمیر و تنظیم کے لئے جو اسالیب میں کام میں لا رہا ہوں یا میرا اسلک جکی تکمیل کر رہا ہے۔ وہ اُردو کو شعید۔ مرصع۔ عالی۔ اور حسین بنانے کے ذرائع ہیں۔ میرا اسلک خاموش کاری اور صلح ہے۔ اس لئے باوجود سخت ترین حملوں کے بھی میں خاموش رہتا ہوں۔ مگر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ میرا اسلک کامیاب ہے۔" تحریر بالا سے اپنے مدرسۂ شعر کی حقیقت کا اظہار پیرِ مدرسہ کی زبان سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت سیماب نے اِسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اپنے مقصد کے وضاحت کیلئے متعدد خطبات ارشاد فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک دوسرے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں"اس وقت تین قسم کے شاعر ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ زوالی۔ حالی۔ اور استقبالی۔ زوالی شعراء وہ ہیں جو ہندوستان کے اس عہدِ زوال میں ہنوز انھیں متقدمین کے پیرو ہیں۔ جو ہندوستان کی مجلسی و اخلاقی اور ثقافتی عظمتوں کے زوال کا باعث ہوئے جنکی نشاطی۔ بازاری۔ معاملاتی اور غیر سنجیدہ شاعری نے ملک کی تمام سوسائٹیوں اور حکومت کے ایوانوں میں عیش پرستی اور غفلت منزلی کا زہر پھیلا کر اُن کی قوتِ عاملہ کو ماؤف کر دیا تھا۔ یہ شعراء زبان اور محاورات کی آڑ لے کر اب بھی اُسی شاعری کے مبلغ و مرید ہیں جو انشا اور امانت کے عہد میں زوالِ مدنیت کا باعث ہوئی تھی۔ زوالی شاعر عہدِ موجود، کی ترقی کے بعد بھی یادگارِ زوال کے باعث رہیں گے۔ اور تاریخِ ہند نفرت و عبرت کے ساتھ تقاضائے زوال کا اُن کو ذمہ دار ٹھہرائے گی۔ دوسری قسم حالی شعرا کی ہے۔ یہ وہ شعرا ہیں جو تعلیم کی برکات سے مستفیض ہو کر اپنی روشِ افکار کو بدل چکے ہیں اُنکی شاعری کا معیار بہت بلند ہے۔ یہ وہ شعرا ہیں جنھوں نے میر و سودا اور غالب و مومن کے اُس حصۂ کلام کی تقلید کی ہے جو فلسفۂ حیات و غم اور فلسفۂ حسن و صداقت پر مبنی ہے۔ تیسری جماعت استقبالی شعرا کی ہے۔ گو یہ شعرا معدودے چند ہیں لیکن انھیں فی الحقیقت مستقبل کا شاعر کہا جا سکتا ہے۔ مادیت اور روحانیت کے حجابوں کو اُنکی آتش نوائی نے چاک کر دیا ہے۔ اور انسانیت اور بربریت کا فرق اُنکی اسرار کشا نواؤں نے صبح کی روشنی کی طرح آشکار کر دیا ہے۔"

اگرہ اسکول کے خضرِ ادب اور اُس کی کلاس کے مطالعۂ کلام کے بعد یہ حقیقت صبحِ ازل کی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ قصرالادب محض بلند بانگ دعادی کا نام نہیں بلکہ یہ حالی اور استقبالی شعرا کی اُس جماعت کا مرکز ہے۔ جو معیارِ تغزل کو بلند کرنے میں بیش از بیش مصروفِ کار ہے۔ ذیل کے انتخابات کو ملاحظہ فرمائیے اور خود فیصلہ کیجئے کہ اس درسگاہِ سخن نے رنگِ تغزل پر کیا کیا احسانات ہیں۔

علامۂ سیماب اکبرآبادی

رنیبِ لامکاں ہوں بے نیازی میری فطرت ہے | مذاقِ آرزو تو بر بنائے آدمیت ہے
وہ سجدہ کیا ہے جو احساس جبیں سر اٹھا دے | عبادت اور لقید ہوش تو ہین عبادت ہے

دیوانے کو تحقیر سے کیوں دیکھ رہا ہے | دیوانہ محبت کی خدائی کا خدا ہے
کس درجہ ہے معصوم مرا عالم ہستی | اب ذہن و نظر میں نہ خودی ہے نہ خدا ہے
سچ ہے کہ خدا تک ہے محبت کی رسائی | اور مجھکو یقیں ہے تو محبت ہی خدا ہے
یہ جاگتی ہوئی رات کا کھویا ہوا عالم | خاموش ہر اک چیز ہے دل بول رہا ہے

www.taemeernews.com

سر بہ قدم حسن و قدم بر کلہ و تاج
دیوانہ بڑی شان سے دیوانہ بنا ہے

سحر پرست ہوں پروائے آفتاب نہیں
مرے چمن کا ہر اک پھول آفتاب نہیں

جہانِ عشق پہ طاری ہے اک مسلسل رات
جہاں تک اُنکی خدائی ہے آفتاب نہیں

پلائے جا نگہِ مست سے پلائے جا
ابھی سکون بقدرِ اضطراب نہیں

ہو کس طرح کوئی میرا شریکِ خلوتِ شوق
یہ بیخودی ہے کہ میں خود بھی باریاب نہیں

حجابِ ہستیِ انساں پہ مجھکو حیرت ہے
یہاں تو خاک کا ذرہ بھی بے حجاب نہیں

کریں نہ دل کو مری خاک میں نہ کہتا تھا
اب اُنکے حسن کو آئینہ دستیاب نہیں

جو قدسیوں کے درس میں تھا درسِ آخری
اک جزوِ مختصر وہ مری آگہی کا تھا

مجھے پروائے تغافل نہیں شکوہ یہ ہے
کہ ترے علم میں کیوں ہے غمِ پنہاں میرا

کیوں در و دیوار بھی ہوں واقفِ حالِ تباہ
توڑ دیتے ہیں چراغِ شامِ ماتم خانہ ہم

تیرے دیوانے نے چھیڑا سازِ غم کچھ اس طرح
جھوم کر زنداں کی دیواریں غزل خواں ہو گئیں

آہ غم خانۂ غربت کی جنوں سامانی
ہے جہاں تک مری دنیا کوئی آباد نہیں

جتنے ستم کئے تھے کسی نے عتاب میں
وہ بھی لائے کرمِ بے حساب میں

صدائے صور سے میں حشر میں نہ جاگوں گا
کسی سنی ہوئی آواز سے پکار مجھے

قفس کی تیلیوں میں جانے کیا ترکیب رکھی ہے
کہ ہر بجلی قریبِ آشیاں معلوم ہوتی ہے

یوسف غیورِ فطرتِ یوسف غیور تر
کیا … زلیخا کرے کوئی

طور پر جانیکا کیا دے گا یدِ بیضا ثبوت
حضرتِ موسیٰ دکھائیں پاؤں میں چھالا مجھے

کوئی یہ شکوہ سرایانِ جور سے پوچھے
وفا بھی حسن ہی کرتا تو آپ کیا کرتے؟

مندرجۂ بالا اشعار اور اسی شان کے سینکڑوں نشتر ایک صاحبِ نظر کو مولانا کے مجموعۂ کلام میں بغیر کسی جستجو اور کاوش کے مل سکتے ہیں۔ جس میں تمدن، اخلاق، تصوف، اور فلسفۂ حیات کو اس خوبی سے آبِ رنگِ غزل میں سمویا گیا ہے کہ بے ساختہ منہ سے آہ اور واہ نکل جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا اپنے عہد کے میر و سودا ہیں۔ اور اُن کے کمالِ شعر سے انکار کرنا اعجازِ شعر سے منکر ہونے کے مترادف ہے۔ آپنے بالکل بجا ارشاد فرمایا ہے۔

میخانۂ سخن کا گدائے قدیم ہوں
ہر رنگ کی شراب پیالہ میں ہے مرے

مذاہبِ شعر کے صحائف سے یہ حقیقت بے نقاب ہے کہ پیغمبرِ سخن جس پیام کا خود مبلغ ہوتا ہے۔ اُسی کی گرمیِ تاثیر سے اپنے احول اور تلامذہ کی طبائع کو متاثر کرتا ہے۔ اس اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملاحظہ فرمائے کہ زلہ ربایانِ سیماب نے پامال زمینوں میں کیسی کیسی شگفتہ کاریاں کی ہیں اور جولانیِ فکر کے کیا کیا جوہر دکھائے ہیں۔

ارمان اکبر آبادی

شکارِ صبر ہوں پامالِ اعتماد ہوں میں
کہ نامراد ہوں پھر بھی اُمیدوار ہوں میں

میرؔ احدی اجمیری

یہ چرخ یہ زمیں کسی کو نہیں ثبات
اس کارواں سرا کی ہر اک شے سفر میں ہے

یاورؔ نقوی

ہر نفس فطرت مجھے کام آشنا کرتی رہی — اس عنایت پر بھی میں ناکام کا ناکام تھا

وہ ایک لمحہ بہت ہے جو عیش میں گذرے — نہ دے مجھے غم عمر دراز رہنے دے

میناؔ فتح آبادی

دیکھ کر مجھ کو ستاروں کو نہ پھر نیند آئی — اور کیا اس سے زیادہ غم ہجراں ہوتا
دل اگر عشرت فردا کی نہ رکھتا امید — کیوں حیا غم امروز کا ساماں ہوتا

شفیقؔ کوٹی

ٹھہر اے موج گرداب بلا اتنی بھی جلدی کیا — سلام شوق پہنچا دوں ذرا اہل ساحل کو

کوثرؔ کشمیری

شام فرقت آتش غم کی فراوانی نہ پوچھ — اپنی ہستی کو سمجھتے ہیں چراغ خانہ ہم

آغازؔ برہانپوری

تجھ سے سکوں جو چاہوں تو توہین ہے یہ میری — ٹھکرا چکا ہوں تجھ کو اے گردش زمانہ

بیگانہ ہوا تو اور پھر اہل دل کیا ہوگا — جو عشق کے لائق ہو نہ سکا وہ حسن کے قابل کیا ہوگا

اک جہاں ہو گیا شناسائے جمال — تو کہاں آج بے نقاب ہوا

انورؔ بھوپالی

جذب دل کھینچ کے بے تکلف انہیں لا ہی چکا تھا — اس سے پہلے تو یہ عالم نظر آیا نہ تھا
ہائے یہ ان کی تلافی کی ادائیں انورؔ — جیسے اس نے مجھے دیوانہ بنایا ہی نہ تھا

نظام زندگانی ہی محبت کی عبادت ہے — محبت زندگی ہے زندگی کیا ہے محبت ہے

اثرؔ اکبر آبادی

پھر التفات حسن نے بخشی حیات نو — اچھا ہے کچھ دن اور ابھی جی جاؤں میں

اتنا تو ہوش ہے انھیں دیکھا تھا بے نقاب — پھر اس کے بعد کچھ نہیں معلوم کیا ہوا

اخترؔ سہسرامی

الٹ دیتی ہے پردہ ہوش کو جب بیخودی میری — نظر کے سامنے ان کا حریم ناز ہوتا ہے
چمن میں اوس پڑ جاتی ہے کلیوں کے تبسم پر — ہماری داستان غم کا جب آغاز ہوتا ہے

رعناؔ بلسوی

ہے قائم ابتدا و انتہائی کارواں مجھ پر — جو پیچھے ہوں تو رہرو ہوں جو آگے ہوں تو رہبر ہوں

حیرتؔ لدھیانوی

ہے جستجو وفا کی جہان خراب میں — آب حیات ڈھونڈ رہا ہوں سراب میں

مخمورؔ جالندھری

اپنا دل شکستہ ترے پاس لائے ہیں — سنتے ہیں ہم نظر تری آئینہ ساز ہے

حسن کی گرم نگاہی سے الٰہی توبہ — منہ پہ آجائے تو کونین کو ویراں کر دے

اپنے مسکن سے محبت ہے انھیں بھی آخر — کیوں ہمیں لوگ نشیمن سے جدا کرتے ہیں

رضاؔ قریشی

مانا کہ فکر برق و غم باغباں نہیں — پھر بھی قفس قفس ہی ہے آخر آشیاں نہیں

خنداںؔ جلبی

شمع لائے ہیں تری بزم میں مطلب یہ ہے — یاد آئے تجھے بھولے ہوئے پروانوں کی

نذیرؔ شیر کوٹی

بڑھ گئی ہے یہ ادا مجھ میں ترے عشق کے بعد — خود بخود اپنی طبیعت سے الجھتا ہوں میں

تم نے کئے پیدا دل خاموش میں نغمے — یہ ساز کسی سے مترنم نہ ہوا تھا

خیال یہ ہو کہ ہے آشیاں مرا ویراں ملال بیکسیٔ بال و پر نہیں ہے مجھے

فضائی ٹونکی

آپ کیوں کر دیں مجھے ترکِ تعلق سے تباہ اک سہارا ہے یہی عمرِ پریشاں کے لئے

تو دیارِ خستہ جگری اگر گذرے صبا ڈھونڈھنا اک نیند میری چشمِ گریاں کیلئے

جمال صابری

جنھیں تاریخِ پایانِ محبت یاد ہے اب تک وہ ہر ذرہ کی اک گذری ہوئی دنیا سمجھتے ہیں

الم مظفر نگری

چارہ سازوں کی غلط سامانیاں کیوں کوئی ہے جنوں آمادہ میرے پاؤں میں زنجیر ہے

تر آنکھ میکدہ ہو تو خیالِ زہد کیا جو شراب تو پلائے تو کہاں کی پاکبازی

ضیا چنیوٹی

چمن کے بعد تعلق سے ہو نہ مایوسی الٰہی ڈھونڈھتا پھرتا ہو آشیاں مجھ کو

برق فتحپوری

برق گلشن میں آشیاں دیکھ کر توبہ توبہ یہ نام اور یہ تو بہ

شفیق ٹونکی

عشق کے میرے جن خیالوں پہ تھا کل تک جنون آج وہ میری ہی یارب داستاں کہلائے گی

حسن برہم کا یہ عالم کس سے دیکھا جائیگا آئینہ منگوا یئے زلفیں پریشاں ہو گئیں

قمر سہسرامی

آتشِ شوق کو کچھ اور ذرا بھڑکا دے مجھ کو اپنے کرم جنبشِ داماں کی قسم

ساغر نظامی

ناصحِ مجھے وہ نظر کر جو مجاز شباب ترا اگر ذرا بھی کیا تکلف تو جبیں ہو نگار بابِ ترا

ہاں یہی رہزن ہو میر کارواں کو گھیر لو کل وہ ان فتنہ ہا یہ بدگماں دیکھا کیا

تیرا گھر ڈھونڈھ بھی اور بھی طور بھی ہاں گر مستِ تصور کیلئے لازم نہیں

ان نوروں آنکھوں کی کیا ہنسا ہی کیا ہے برسوں دیکھے سوتی ہیں بہتا ہو خاموش ہو

کافر گیسو والوں کی رات بسر یوں ہوتی ہے حسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے

شمع بھی تھکی رہی پروانے بھی سنتے رہے اور وہ سوتے رہے کہتے رہے افسانہ ہم

بدل گئیں ہیں فضائیں جرس کی آواز کوئی خوابِ محبت تو کارواں میں نہیں

منظر اکبر آبادی

ذوقِ باطن اس طرح جلوؤں کا راہی گیا نزع کے عالم میں لب پہ ذکرِ یار آ ہی گیا

مجھے وعدہ کر رہی ہیں اس یقین کے ساتھ وہ جیسے میرے دل کو ان کا اعتبار آ ہی گیا ہے

جس وقت تک جنوں کے قدم درمیاں رہے معلوم خود ہمیں بھی نہیں ہم کہاں رہے

جس پر قفس بھی باعثِ تسکیں بھی تنگ ہو وہ نامراد موسمِ گل میں کہاں رہے

برباد کر کے دے نہ فریبِ التفات کے اب ہم تری نگاہ کے قابل کہاں رہے

اضطرابِ دل کی مجبوری نہ پوچھ جو نہ کہنا تھا انھیں سے کہہ گئے

ماجرا یہ ہے کہ جینا موت تھا معجزہ یہ ہے کہ زندہ رہ گئے

اعجاز اکبرآبادی

ازل کیا اور ابد کیا ہر جگہ گذری کی شکل سے نہ جب تسکین تھی دل سے نہ اب تسکین ہے دل سے

محبت کی روش میں کاش کوئی انقلاب آئے یہ حسرت تھی کہ اپنا دل بدل لیتا ترے دل سے

کیوں برقِ طور بھی نہ پوچھا کلیم سے چھپنے سے کیا ہو منظر آرزو کیا ہوا!

آپ نے آگرہ اسکول کی تاریخ اُس کے ماضی ادب کا نصب العین ادب کا تعارف ...

کلام ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے یہ بھی دیکھا کہ اس کے پیروؤں نے اتباع کا حق کس خوبی سے ادا کر دیا ہے اب بھی خوشی صرف یہ عرض کرنا ہے ...

www.taemeernews.com

آگرہ اسکول کا ارتقائے نظم

از ——— حضرت مولانا ماہر القادری

دریا کی تہ ان گنت سیپیوں سے لبریز ہوتی ہے، مگر ہر سیپی کے آغوش میں موتی نہیں بنتا۔ بارش کے لطیف جالے ہرجگہ برستے ہیں۔ مگر ہر قطعۂ ارض میں گل ولالہ نہیں اُگتے۔ اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر ایک جگہ زعفران کی دُوب لہلہاتی ہے۔ اور دوسری جگہ خار دار جھاڑیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک چشمہ کا پانی اس قدر شیریں ہوتا ہے کہ زبان حلاوت میں ڈوب جاتی ہے، اور دوسرے چشمہ کا پانی اتنا بدمزہ اور تلخ ہوتا ہے کہ قوتِ ذائقہ کو مجبوراً فریاد ہونا پڑتا ہے۔ اس اختلاف وتباین سے پتہ چلتا ہے کہ قدرت نے ہر خطہ کو ایک خاص وصف وخوبی کے لئے مخصوص کیا ہے۔ فطرت کی اسی رنگا رنگی اور اختلافات کی بوقلمونی سے متاثر ہوکر خاقانیِ ہند بے اختیار پکار اٹھا تھا۔—

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن ‏ ‏ اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

اکبر آباد کی سرزمین کو قدرت نے شعر وسخن کی پیداوار کے لئے منتخب کیا، اور اس زمین کے ذرہ ذرہ میں قابلیتِ شعری پیدا کر دی

تاج محل کو لوگ فنِ تعمیر کے زاویۂ نگاہ سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ مگر میں تو علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ اکبر آباد کے ماحول نے جو شاہجہاں کے دماغ کو شعری ذوق عطا کیا تھا۔ تاج محل اُسی کا نقشِ مکمل ہے۔ تاج محل کچھ نہیں ہے، سوائے شعر ہونے کے، لیکن شعر بن جانے کے بعد پھر کوئی اور چیز بننے کی ضرورت ہی کب باقی رہتی ہے۔ اس لئے تاج محل کی اس سے زیادہ تعریف اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ "مجسم شعر" ہے جس کے ہر پتھر میں شاہجہاں کی محبت انگڑائیاں لے رہی ہے۔ جو لوگ اینٹ پتھر کی زیارت کرنے کے لئے جاتے ہیں، وہ تاج محل کی قدر کیا جانیں؟ دردمند دلوں اور حسن شناس نگاہوں سے پوچھئے تاج محل کی قدر، قدم قدم پہ ایک ایک پتھر تصور کا دامن تھام کر کہتا ہے۔

عشق از اول و آخر ہمہ ذوق است و سماع

ایں خرابے است کہ ہم پختہ و ہم خام خوش است

اسی شعریت نواز سرزمین سے یہاں نظیر پیدا ہوئے، جو ہر حیثیت

سے مکمل شاعر تھے اور جن کے بول آج بھی سامعہ پر عود اور شہد کا مزہ گھولتے ہیں۔ میر نے بھی ارض تاج ہی میں جنم لیا اور یہ وہی اکبرآبادی میر تھا جو سوز و گداز کا آتش فشاں ہمارے درمیان چھوڑ گیا ہے۔ اور جو اللہ کے ہر شاعر کے مقابلہ میں یہ دعویٰ کرنے کا حق رکھتا ہے۔

گفتگو ریختہ میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے

اسی اُفق سے شعر و سخن کا وہ آفتاب طلوع ہوا جو دنیا غالبؔ کے نام سے جانتی ہے۔ اور جس کے پیدا ہوتے ہی دنیائے شعر و ادب کا ذرہ ذرہ پکار اُٹھا:

یارب کہ من بخواستم

اکبرآباد کی سرزمین پر خدا رحمت کے پھول برسائے کہ اُس کی آغوش سے اردو کا یہ شاعر اعظم پیدا ہوا۔ اور آج دنیا میں اُس کی عظمت شاعری کا ڈنکا بج رہا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟ جب کہ وہ خود اپنی الہامی زبان سے کہہ گیا تھا:

کوکبم را در عدم اوج قبولی بودہ است
شہرتِ شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

اس تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ اکبرآباد کی سرزمین کو شعر و ادب سے خاص مناسبت ہے۔ اور قدرت نے کمال فیاضی کے ساتھ یہاں شعر و ادب کے چشمے بہائے ہیں۔

انقلابی دور

۱۸۵۷ء کے غدر سے لے کر اب تک ہندوستان میں بہت سے انقلابات رونما ہوئے۔ اول تو غدر ہی ایک ایسا عظیم الشان انقلاب تھا، جس نے ہندوستان کے تمدن و تہذیب کو تہ و بالا کر دیا۔ اُس کے بعد انقلابات کی آندھیاں مسلسل چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۶ء میں کانگریس کی قربانیوں اور کوششوں کی بدولت ہندوستان نے اس چیز کو محسوس کر لیا کہ "مزدور" اور "کسان" بھی بساطِ حیات پر اہم مہروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ انقلابات کا اثر ملک کے لٹریچر پر بھی پڑتا ہے۔ ماحول کے انقلاب کے ساتھ ادب میں تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں روس میں جب انقلاب شروع ہوا تو ہر شاعر اور ادیب کا قلم کسانوں اور مزدوروں کی حمایت کرنے لگا۔ ایران نے جب زندگی کی کروٹ لی تو وہاں کا ادب ٹھوس علمی ہو گیا۔ ہندوستان میں اردو ادب پر بھی انقلابات کا اثر ہوا خصوصاً اردو شاعری اس انقلاب سے بہت کچھ متاثر ہوئی۔ غالبؔ اردو کا شاعر اعظم تھا لیکن غالبؔ کے تصور میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ اردو شاعری کا کسی زمانہ میں "کسان" اور "مزدور" موضوع بن جائے گا۔ اردو شاعری کے اسی انقلابی دور میں اکبرآباد کی سرزمین کو بھی اس انقلاب میں حصہ لینے کا حق تھا۔ اس ہنگامہ پرور دور میں جب کہ ہندوستان کے ذرہ ذرہ سے شعر و ادب کے چشمے ابل رہے ہیں، اکبرآباد نے ایک خاص حلقۂ خیال (School of Thought) دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کا سہرا حضرت سیمابؔ اکبرآبادی کے سر ہے۔ شاعر کی عظمت اور اس کا کمال یہ ہے کہ دوسرے لوگ اُس کے انداز بیان اور حلقۂ خیال کی تقلید کریں۔ اور اُس کے مقلدین، عام شعراء سے ممتاز نظر آئیں۔ جناب سیمابؔ کو قدرت کی طرف سے اس شاعرانہ عظمت کا عطیہ دیا گیا۔ اور آج آپ کے مقلدین ایک خاص طرز بیان، اسلوبِ نگارش اور حلقۂ خیال کے پیرو اور مقلد سمجھے جاتے ہیں۔ اسی حلقۂ خیال کو ہم "آگرہ اسکول" کہتے ہیں۔

آگرہ اسکول کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اُس نے اردو شاعروں کے سامنے بے شمار موضوعات پیش کر دئے ہیں۔ اور نئی ترکیبوں اور نئی بندشوں کی ایجاد کی طرف طبیعتوں کو مائل کر دیا ہے۔ دوسرا امتیاز الفاظ کا شکوہ اور ترنم کا اہتمام ہے۔ آگرہ اسکول کا ہر شاعر شکوہِ الفاظ کا دلدادہ اور اہتمام ترنم اور رعایتِ موسیقی کا عاشق ہے۔ آگرہ اسکول کی شاعری میں نمو کی قابلیت بہت زیادہ ہے۔ اور یہ اُس کونپل کی طرح ہے جو سورج کی کرن کے پڑتے ہی آنکھوں نہیں ۔۔

www.taemeernews.com

بڑھتی ہے۔ آگرہ اسکول نے رومانی اور انقلابی دونوں قسموں کی نظموں کو پیش کیا ہے۔ اور اُس کا صدر تو عرفان و تصوف کے سبزہ زاروں میں بھی گلگشت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اگرچہ اُس کے مقلدین کے اس منزل میں بڑے نام نقش پا نظر آتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم آگرہ اسکول کے بانی سیمابؔ کی شاعری پر اجمالی تبصرہ کرتے ہیں تاکہ آگرہ اسکول کا صحیح خاکہ آپ کی نظروں کے سامنے آجائے۔

"محبت شاعری کا موضوع خاص ہے، حضرت سیمابؔ نے "صبحِ محبت" کے عنوان پر اظہارِ خیال فرمایا ہے:—

وہ بھی کیا محبت کی صبحِ پُر مسرت تھی　　حسن کی فضاؤں میں جب نمودِ جنت تھی
پُر محبت سوتی تھی بھری ہوئی دنیا　　یہ فلک محبت تھا یہ زمیں محبت تھی
رات کے حجابوں میں کوندتے تھے پیالے　　زلفِ شام سے پیدا صبح کی صباحت تھی
سرمتھا ہی۔ بانئ جو ازل ہی چکا تھا　　دل میں ذرہ ذرہ کی جلوہ گر حقیقت تھی
ہر تبسمِ حسن کا تھا زندگی کا گہوارہ　　ہر ادا تھی اک مژدہ، ہر صدا بشارت تھی
انگڑیوں کے پیمانے استیوں کے میخانے　　اک نظر محبت تھی اک نظر صداقت تھی
ٹھوکروں میں چلتی تھی جاہ و حشمتِ عالم　　کیا خیال دولت کا جب نظر میں دولت تھی
خشت و گل پہ کیا کرتی وہ سرِ جہاں بانی　　دل پر اختیار اس کا روح پر حکومت تھی
جب خدا ہو میں نظریں تھا رسن ہر اک تیور　　جب جبیں پہ بل آئے ہر شکن سیاست تھی
اُس کے عہد میں عالم اک جوانِ رعنا تھا　　اُس کے سایہ میں دنیا اک بجائے عشرت تھی

آہ پھر گئی جب سے وہ نگاہ فطرت کی
یہ فنا زدہ دنیا قبرِ بے محبت تھی

سیمابؔ نے "محبت" جیسے پامال موضوع کو اس قدر دلنشین انداز میں پیش کیا ہے کہ اس موضوع پر اچھوتے ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ ایک ایک مصرع میں ترنم و موسیقی کی روح بیقرار ہے۔ اس شعر کا لطف آلودۂ بیان اور شرمندۂ اظہار نہیں ہو سکتا کہ:—

اُس کے عہد میں عالم اک جوانِ رعنا تھا　　اُس کے سایہ میں دنیا اک جہانِ عشرت تھی

ایک نظم کا عنوان "سری کرشن" ہے اُس کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

گذشتہ صبحِ محبت کو ڈھونڈنے نکلا　　اک آفتابِ محبت کی روشنی لے کر

اندازِ بیان جتنا سلیس ہے۔ اُس سے زیادہ دلنشیں اور وجدان زا ہے۔

آگرہ اسکول کے بانی سیمابؔ نے اہلِ عالم کے نام ایک پیغام دیا ہے جس کا ایک ایک بند اپنی جگہ ایک مستقل شعر کی دنیا ہے:—

رفتہ رفتہ سادگی کے پیرہن بدلے گئے　　کچھ نئے پہلو میانِ انجمن بدلے گئے
آدمیت کو پسند آیا درندوں کا لباس　　نگہ کے تیور نظر کے بانکپن بدلے گئے
خود پرستی نے حکومت کی حدیں قائم کیں　　جنگلوں میں انقلاب آیا چمن بدلے گئے
کی گئی تقسیم مقبوضات میں سطحِ زمیں　　دہر کے نقشے بعنوانِ وطن بدلے گئے
جن میں پھولوں کی نزاکت تھی تسلسل پھیل　　سب محبت کے وہ اندازِ کہن بدلے گئے
آگ میں لوہے کو بدلا اور ڈھالا اُس سے تیر　　پھر کا اندازی سو دل داری کے فن بدلے گئے
سجدہ گاہوں میں تعصب نے نئی تفریق کی　　خانقاہوں میں عبادت کے چلن بدلے گئے

جادۂ صدق و وفا پر ظلمتیں طاری ہوئیں
کاروانِ دردی کی نشنیں بکا ہوئیں

اس نظم کے چند شعر ملاحظہ ہوں:—

کھو گیا انسان ظاہر داریوں کے کھیل میں　　روح کی قوت تقدیرِ مادیت کم ہوئی

"تقدیرِ مادیت" کی بے پناہی اندازہ سے باہر ہے۔

نالۂ نے لگادی آگ دشت و کوہ میں　　آتشِ گل سے پریشاں محفلِ شبنم ہوئی
آدمی نے کی گوارا خوئے جبر و اختیار　　فطرتِ تخلیق کی معصومیت برہم ہوئی
لی تمدن نے نئے قانون اور آئین کی آڑ　　ظلم کے پردے میں بنیادِ ستم محکم ہوئی

آخری شعر فی عہدہ بازانِ مغرب کی سیاسی ذہنیت کا ترجمان ہے ابھی حال کی بات ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کے فرعون مسولینی نے حبش کی آزادی کو یہی کہہ کر ختم کیا کہ ہم حبش میں تمدن و تہذیب کا اُجالا پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس تشریح کو ذہن میں رکھ کر اب اس شعر کو پڑھئے

لی تمدن نے تو قانون اور آئین کی آڑ نظم کے پردے میں بنیادِ ستم محکم ہوئی

ہندوستان کے قائد اعظم، مزدوروں اور کسانوں کے غمخوار جواہر لال

نہرو پر سیماب کا شعری تبصرہ ملاحظہ ہو۔[1]

اے نویدِ منتظر! ویرانیٔ محفل میں آ شمعِ منزل بن کے ظلمت خانۂ منزل میں آ

اے امیرِ کارواں! اے دستگیرِ کارواں اے سکونِ کارواں! ہنگامۂ مشکل میں آ

ہو جہاں سو مصلحت تیری ہمیں آزادی سے شورشِ طوفاں میں آ یا دامنِ ساحل میں آ

دور پہونچیں ظلم اور انصاف کی آویزشیں فیصلہ کرنے کو اس جنگِ حق و باطل میں آ

ہمیں بنیادِ منزل سے پیامِ صبحِ نو جلوۂ امید بن تصویرِ مستقبل میں آ

آگرہ اسکول کی انقلابی شاعری کا یہ ایک ناتمام نقش ہے۔ ہم کو مسرت ہے کہ "آگرہ اسکول" کے دل و دماغ پر مہرِ آزادی کی کرنیں ضیا گستر ہیں، اور اس اسکول کے شعراء ملک و قوم میں خودداری اور حریت کا جذبہ پیدا کرنے کی سعی کر رہے ہیں۔ اوپر جو شعر پیش کئے گئے ہیں، ان میں کا یہ شعر تو اس درجہ مکمل اور پُر شکوہ ہے کہ شاعر کی عظمت کا اعتراف کئے ہی بنتی ہے۔

ہو جہاں سو مصلحت تیری ہمیں آزادی شورشِ طوفاں میں آ یا دامنِ ساحل میں آ

"ہو جہاں سے مصلحت تیری" قیامت کا ٹکڑا ہے جو شعر کے قالب میں سمو دیا گیا ہے۔ انقلابی شاعری کا ایک اور نقش آپ کی نگاہوں کے سامنے پیش ہے۔ نظم "کانگریس" کا آخری بند ہے۔

ہمارا طوق ہر اک شاخ پر سرکی ضرورت ہے ہر اک برگِ چمن پر دیدۂ ترکی ضرورت ہے

وہ پیمانے جذب کر لیں دل زخم سے جو بنتا تھا رگِ جاں کیلئے اک اور نشتر کی ضرورت ہے

سرود و نغمہ سے غفلت کی آنکھیں کھل نہیں سکتیں ہماری خوابگہ میں صورِ محشر کی ضرورت ہے

اٹھا دی جائیں یہ پھولوں کی سیجیں مخملی تکئے تڑپنے کیلئے کانٹوں کے بستر کی ضرورت ہے

لبِ خاموش پر اک نالۂ دل چیرنے والا نہ پیکاں کی ضرورت ہے نہ خنجر کی ضرورت ہے

ہمارا ہر نفس ہو ترجمانِ گرمیٔ محفل ہماری ہر ضرورت انجمن بھر کی ضرورت ہے

آگرہ اسکول کا معیار پیش کرنے کے بعد اس کے ممتاز شعراء کا کلام آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ افسوس ہے کہ میں ان دنوں عدیم الفرصت ہوں اس کے سوا شعرائے زیرِ بحث کا مجموعۂ کلام بھی میرے پاس نہیں ہے اس لئے اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔

ساغر نظامی آگرہ اسکول کے نہایت ممتاز شاعر ہیں۔ ادبی دنیا "بادۂ مشرق" کے مصنف کو اچھی طرح جانتی ہے۔ ہندوستان کے بہت سے مشاعروں میں ساغر کی آواز نے نغمہ کی شراب برسائی ہے۔ گذشتہ سال انہوں نے ہندوستان کی سب سے بڑی انجمن (کانگریس) کے اسٹیج سے اپنے انقلابی پیغام کو نشر فرمایا۔ ساغر کے کلام کی سب سے نمایاں خصوصیت ترنم اور موسیقی ہے۔ ان کے اشعار میں الفاظ کی نشست ساز کے پردوں کی طرح ہوتی ہے۔ کہ ایک پردہ کو چھیڑا اور نغمہ پیدا ہو گیا۔ ساغر کے خیالات کس قدر حسین اور ترنم ریز ہیں۔ اس کا اندازہ ذیل کی نظم سے کیجئے۔

شاعر اپنے ماضی میں!

(۱)

وہ عشق و جوانی کے عجب کار نظارے اللہ کہاں ہیں وہ گئے وقت ہمارے

وہ ایک شکستہ سا مکاں گاؤں کے باہر وہ پاک زمیں اور مقدس وہ نظارے

اک عنبرِ بیباک کا وہ بام پہ آنا وہ نیند کی آغوش میں سو جانا ہمارے

وہ نرگسِ پُر بادہ کا بربادکُن انداز جیسے ہو کنول صبح کو ندی کے کنارے

وہ دوریٔ اجسام وہ ارواح کی قربت انگشت حنائی کے مسلسل وہ اشارے

وہ اس کا تبسم وہ تبسم کا تواتر! وہ مست نگاہوں میں محبت کے شرارے

خاموش وہ اک گفتگوئے شوقِ مسلسل وہ اس کی نگاہوں کا یہ کہنا کہ "ہمارے"

اللہ

کہاں ہیں وہ گئے وقت ہمارے

وہ عشق و جوانی کے عجب کار نظارے

[1] اس نظم کا مخاطب "آزادی" ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نہیں ہیں۔ (ایڈیٹر)

www.taemeernews.com

وہ صبح سویرے ترا اک گیت سنانا
آہستہ مجھے دیکھ کے تالی کا بجانا

آواز وہ چکّی کی وہ سیلابِ ترنم
سارس کے وہ نغمات وہ کوئل کا ترانا

چپ چپ کے تری آہ وہ گلبازیٔ پیہم
وہ جان کے چادر میں مرا منہ کو چھپانا

کیونکر ہو تسلّیٔ دل کو گِلا بھی ہوا تھا
وہ روٹھ کے جانا وہ ترا اشک بہانا

ہر طرح ہر اک طور ہر اک ڈھنگ سے ظالم
وہ میرا اٹھانا وہ ترا مجھ کو جگانا

پنگھٹ پہ ملاقات وہ رستے میں اشارے
سکھیوں سے کنوئیں پر ترا پوجا کا بہانا

وہ صبح کے دامن پہ مرا سجدۂ الفت
مندر میں محبت کے لپکتے ہوئے آنا

وہ

عشق و جوانی کے عجب کار نظارے
اللہ کہاں ہیں وہ گئے وقت ہمارے

برسات میں وہ ابرِ سیہ فام کے سائے
وہ شام کو آنا ترا گنگا کے کنارے

گلگوں وہ سنہری وہ ترا دستِ منور
وہ فرشِ زمیں اور منڈیروں کے تکیے

وہ دور ٹٹیری کی صدا کیفیت انگیز
وہ ہلکے سروں میں ترے احساس کے نغمے

وہ دل میں مرے آہ کے طوفان کا اٹھنا
وہ درد کے نغمے وہ کبھی یاس کے نوحے

وہ ہم سے بہت دور کسانوں کی صدائیں
وہ ہم سے بہت پاس مہ و چرخ ستارے

وہ جنبشِ آویزۂ رنگیں کا تماشا
وہ بیٹھنا تیرا مرے بازو کے سہارے

سینہ پہ مرے وہ ترا باجا سا بجانا
آسودگیٔ حسن و محبت کے وہ نغمے

آہ

کہاں ہیں وہ گئے وقت ہمارے!
وہ عشق و جوانی کے عجب کار نظارے

ساغر

اسی نظم کا پہلا بند کتنا شگفتہ اور روان خیز ہے۔ اس شعر کا تصور دل میں کتنی طرب انگیز چٹکی لیتا ہے۔

خاموش وہ اک گفتگوئے شوقِ مسلسل
وہ اسکی نگاہوں کا یہ کہنا مرے پیارے

ساغر نے فلسفیانہ موضوعات پر بھی فکر کو جنبش دی ہے۔ "غم" کے عنوان پر لکھتے ہیں:-

غم

از۔ ساغر نظامی

بقائے عارضی کی گود میں جلوہ نما ہو کر
اٹھا انساں محفل سے ازل کی آئینہ ہو کر

شعاعیں آئینہ کی کثرتِ انوار سے چمکیں
تجلیاتِ تازہ پردۂ اسرار سے چمکیں

ربابِ عشق کی آواز سے بزمِ ازل گونجی
جمودِ مستقل میں ایک دنیائے عمل گونجی

تبسم سے ترنم نے کیا عہدِ ہم آغوشی
بڑھا ہنگامۂ ہستی میں احساسِ طرب کوشی

ہوا دھندلا سوادِ خامشی اکنافِ وحدت میں
نکلتے نوائے روح چھیڑی سازِ کثرت میں

نمودِ ہستیٔ انساں ہوئی سو ساز و ساماں سے
مرتب اک کتابِ نو ہوئی خلقت کے عنواں سے

ملک چلائے کیا انساں سراسر عیش و عشرت ہے
فلک گھبرایا یارب کیا یہی معیارِ فطرت ہے

زمیں کو پائمالی سادگی دی آسمانوں کو
مہیا کر دئے سو عیش خاک آلود جانوں کو

سواداتِ ازل میں ایک جوشِ ارتقا اٹھا
فضائے عرش سے اک بادل لہراتا اٹھا

دھواں سا بن کے پھیلا دستِ بنیادِ امکاں پہ
غبارِ صندلیں کی طرح چھایا قلبِ انساں پہ

رگیں دل کی تڑپ کر ہو گئیں محو دعائے ہو
مسرت کا سراپردہ بنا پردہ سرائے ہو

برودت سے خوشی کی منجمد جو قطرۂ خوں تھا
پگھل کر سوزِ فطرت سے اب اک طوفانِ جیحوں تھا

بنا گھر انہوں تک جاتے جاتے ہر نفس نالہ
جب آئی سانس باہر پڑ گیا پھر شوق کا بھالا

دیا قلب اک میں اٹھی لرزشیں لے کر
جگر سیلاب ہو دوڑا درد کی گنجینیں لے کر

اداسی چھا گئی عشرت کے روئے ارغوانی پر
ہزاروں نفرتیں برسیں مذاقِ زندگانی پر

ہوا مجروح پندارِ تعیش روح گھبرائی
رواقِ گوش میں الہام خانہ سے ندا آئی

"یہ وہ نعمت ہے جو حاصل فقط انساں کو ہوتی ہے
یہ بیداری ہے وہ جس میں ہماری یاد سوتی ہے"

نمودِ عیش و شانِ کامرانی بے مزہ ہوتی
نہ ہوتا غم اگر تو شادمانی بے مزہ ہوتی

www.taemeernews.com

پردۂ غفلت کبھی چشمِ بصیرت سے
نہ ہوتا آدمی فائز وقارِ آدمیت سے

نہ لذت سوز میں ہوتی نہ کچھ لطفِ گداز آتا
نہ ذوقِ عاشقی ہوتا نہ اندازِ نیاز آتا

فلک کو کس طرح بیدار کرتے آہ کے نعرے
فرشتوں کو سناتا کون یا اللہ کے نعرے

حجابِ قدس میں یہ رحمتِ مقسوم رہ جاتی
صدائے ہو طوافِ عرش سے محروم رہ جاتی

"تسلسل" ناگوارِ فطرتِ انسانِ فانی ہے
"توافق" جس طرح کا ہو وبالِ زندگانی ہے

تنوع مانگتی تھی روح کی انجام آرائی
ملا جب غم ہوئی جزوِ طرب کی عزت افزائی

تحمل قوتِ برداشت پہلے جان کو دیدی
پھر اک بالکل اچھوتی بے کلی انسان کو دیدی

یہی حالت ہے وہ جو وجد میں لاتی ہے انساں کو
یہ وہ دولت ہے جو مشکل سے دی جاتی ہے انساں کو

یہ اک پردہ ہے جس میں سو اداؤں سے نہاں ہم ہیں
یہ اک جلوہ ہے جس میں آرزو بنکر عیاں ہم ہیں

یہ وہ آتش ہے ہر شعلے میں جس کے ایک جنت ہے
یہ وہ کاہش ہے جو بیخ نسیمِ باغِ فطرت ہے

یہ وہ نشتر ہے جس کے زخم پھولوں کے خزانے ہیں
یہ وہ جوہر ہے جس میں بند سو آئینہ خانے ہیں

یہ وہ قوت ہے جو انساں کو آگے بڑھاتی ہے
اڑا کے بامِ ارتقا تک اسکو لاتی ہے

یہ وہ اکسیر ہے ہوتا ہے دل کا تزکیہ جس سے
یہ وہ تفسیر ہے کھلتا ہے رنگِ مدعا جس سے

یہ وہ دنیا ہے جس کی سیر کو قدسی ترستے ہیں
یہ وہ عالم ہے جس میں بندگانِ عشق بستے ہیں

یہ ہے وہ سوز جس سے رقص میں ہیں پیمانے کے پردے
یہ ہے وہ شور اٹھ جاتے ہیں جس سے راز کے پردے

یہ وہ ہے جو جسم و روح کو مانوس کرتا ہے
یہ وہ لذت ہے تنہا دل جسے محسوس کرتا ہے

ساغر برابر ترقی کر رہے ہیں، اگر زمانہ کی داد و تحسین نے ان میں احساسِ کمال پیدا نہ کر دیا، تو مستقبل میں ان کی بہت کچھ قدر کی جائے گی۔

محمد صادق صاحب ضیا جیونتی بی۔ اے آگرہ اسکول کے ہونہار اور نہایت ذہین و طباع شاعر ہیں۔ ضیا کی شاعری کی عمر بہت تھوڑی ہے۔ مگر اس عرصہ میں انھوں نے بہت زیادہ ترقی کی ہے، عام نوجوان شاعروں کی طرح ضیا میں بے راہ روی نہیں پائی جاتی۔ وہ بہت سمجھ کر کہتے ہیں ان کے خیالات میں تنوع ہے اور مطالعہ نے ان کی فکر کو نارسیدہ ہونے کے الزام سے پاک کر دیا ہے۔ ایک نظم جس کا عنوان "سرسید کے مزار پر" ہے یہاں درج کی جاتی ہے

سرسیدؒ کے مزار پر

اثر:- محمد صادق ضیا۔ بی۔ اے

چراغِ علم روشن ہے حقیقت کی ہواؤں سے
حکومت کر رہا ہے ایک گوشہ سے فضاؤں پر

یہ سرسبزی و شادابی دلی کا حاصل ہے
رگوں میں اسکی پوشیدہ متاعِ خیز اک دل ہے

ابھی تک انجمن میں گونج باقی ہے صداؤں کی
ابھی تک کھیلتی ہے خاک سے شوخی ہواؤں کی

یہ بزمِ خوابِ سرسید یہ نقشِ روحِ حامانی
خمِ وارفتگی سے لبریز ہے اک جامِ نورانی

محبت کی طرح آباد رکھے گا خدا اس کو
مٹا سکتی نہیں دنیائے حادث کی ہوا اس کو

میں ذوقِ علم لے کر تربتِ سید پہ آیا ہوں
عقیدت کے شگفتہ پھول اپنے ساتھ لایا ہوں

مری وحشت لئے پھرتی ہے گرمِ جستجو مجھ کو
سکوں نہ رہ نہ ہونے کی بہت ہے آرزو مجھ کو

فضاؤں سے محبت کی مسرت آشنا ہوں میں
اک آغوشِ ادب میں پرورش پاتا رہا ہوں میں

بقدرِ ذوقِ تکمیلِ تمنا کی تمنا ہے
اسی آغوش میں معراجِ فرزانگی تمنا ہے

تمنا ہے جہانِ علم میں چمکوں سُہا بن کر
جمودِ ظلمتِ ہستی پہ چھا جاؤں ضیا بن کر

تمنا ہے کہ دنیا مجھ سے یکسر نور ہو جائے
یہ تاریکی سمٹ کر ایک دن کافور ہو جائے

تمنا ہے کہ سرسید بنوں یا شبلی و حالی
گراں اربابِ محفل کی ابھی تک ہے جگہ خالی

الٰہی خاکِ سرسید سے کچھ چنگاریاں دیدے
مذاقِ دل تڑپتا ہے تپش سامانیاں دیدے

مری قسمت میں اس میخانہ کا ساغر نہیں زیبا
عوض میں اسکے مجھ کو شربتِ پیرِ مغاں دیدے

جہاں اک طائرِ سدرہ کسی دن چہچہایا تھا
انہیں شاخوں پہ مجھکو بھی ضیا آشیاں دیدے

جو چھیڑے سازِ فطرت میں نیا اک سوز پیدا ہو
تو جوہر اور ظفر کی سی زبانِ نغمہ خواں دیدے

مجھے درکار ہے پھر ملک و ملت کی حدی خوانی
نذیر و شبلی و حالی کا اندازِ بیاں دیدے

غبارِ رہگذارِ دہر میں تا اڑ گئی کب تک؟
زریں خیالوں کو بجا کہکشاں دیدے

دماغ و ذہن میں اک جنگ ہے برپا خیالوں کی | انھیں ہموار کر کے اک سکونِ جاوداں دیدے
اگر ہو فاصلہ کیا ساتھ چلنا میرا ناممکن | تو مجھ کو رہنما کر دے مجھے اک کارواں دیدے
زمیں پر پاؤں پھیلانے کی گنجائش اگر کم ہو | مجھے بادل بنا دے سیر کو اک آسماں دیدے
اگر تخئیل مرجھا سی ہے اب گلدستۂ معنی | جوانی کی امنگوں کو نئی گویائیاں دیدے

پیامِ کامیابی دے مجھے ایوانِ رفعت سے
میں خالی ہاتھ جا سکتا نہیں تیری قربت سے

یوں تو تمام نظم شگفتہ ہے۔ مگر یہ شعر تو قیامت مجسم ہے۔

زمیں پہ پاؤں پھیلانے کی گنجائش اگر کم ہے | مجھے بادل بنا دے سیر کو اک آسماں دیدے

زبان کی گھلاوٹ مصرعوں کی چستی الفاظ کی نشست معنویت پر مستزاد!

دوسری نظم کا عنوان "انتباہ" ہے:

انتباہ!

ایک طائر کو اپنے آشیاں سے مائلِ پرواز دیکھ کر

محمد صادق ضیا بی۔ اے

کہاں جاتا ہے اس شورش کدے میں چھوڑ کر کاشانہ | یہاں تو ہر قدم لغزش ہے اے نادان دیوانے!
یہ دنیا جس کو تو اک خواب کی تعبیر سمجھا ہے | نہیں آغوشِ مادر بلکہ اس کا نام دنیا ہے
یہ زینہ جو ہوا کی موج سے طوفاں اٹھاتی ہے | یہ پرواز دے کے دام میں پھنسواتی ہے
اڑنے کو مچلتا ہے دل تیرا | ہواؤں کے جھکولوں کو اڑاتا ہے دل تیرا
تری نظروں میں اک شاداب سی وسعت ہے دنیا کی | یہ سرسبزی چمن کی اور لہریں موجِ دریا کی
پہاڑوں کی سنہری چوٹیاں ہیں تیری نظروں پر | یہ لہراتی ہوئی ندیاں جھلکتی ہیں نگاہوں میں
تجھے تو یہ بھی موت چھپے رنگیں نواؤں کے | ہوتے ہیں تجھ پہ … … کے
مگر نادان سن یہ سب ہے نظر بندی | حقیقت میں یہاں پرواز معنی ہے پر بندی

… خوش ہے طائر … آشیانے میں
ترے ہم جنس سرگرداں ہیں لاکھوں آشیانے میں

یہ دنیا خود غرض خود کام ہے اور خود نما بھی ہے | نری لالچی مکار پاپی ہے بے وفا بھی ہے
شناور بحرِ ہستی کا ہوں طوفاں آشنا ہوں میں | جو کچھ میں نے یہاں دیکھا ہے تجھ کو کہہ رہا ہوں میں
یہاں موجوں کی پہنائی میں چھپ کر بلائیں پلتی ہیں | یہاں پتوں کی رگ رگ میں ہزاروں فتنے پلتے ہیں

یہاں سب سے الگ رہنا ہی اصل شادمانی ہے
یہاں گوشہ نشینی ہی حقیقی حکمرانی ہے

یہاں اک اور خطرہ ہے جسے انسان کہتے ہیں | جو رات دن غارت گری میں محو رہتے ہیں
یہ چھپ چھپ کر تمدن کے لباسِ خوش نمائی میں | بظاہر اشرف المخلوق بنتے ہیں خدائی میں
مگر ان سے کہیں تیری طرح درندوں سے بھی بدتر ہیں | یہ مرنے جینے والے پرندوں سے بھی بدتر ہیں
یہ تجھ کو اپنے اپنے دامِ رنگیں میں پھنسائیں گے | یہ اپنی رہزنی سے تیری آزادی چرائیں گے
زباں پر ان کی مرہم اور نظر میں ان کی نشتر ہیں | دکھانے کیلئے شہد و شکر باطن میں خنجر ہیں
تو بہتر ہے آشیاں میں اپنی قوت منضبط کر لے | ازیں غم جھیلنے کی ہمتیں بھر لے
تو پہلے واقفِ رازِ فضائے گلستاں ہو جا | پھر اپنے آشیاں سے جس طرف چاہے رواں ہو جا
ابھی معصوم ہے نافہم ہے نا آشنا ہے تو | کہاں اس خود غرض سنسار میں لٹنے چلا ہے تو

ہوائیں ناموافق چل رہی ہیں اس زمانے میں
سمیٹ اپنے پروں کو بیٹھ اپنے آشیانے میں

اس نظم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضیا درسی کتاب سے گذر کر شاہدِ فطرت کے بھی خوگر ہیں اور اُن کے حسیات بہت لطیف اور ذکی ہیں۔

راز چاندپوری اور ساغر نظامی دونوں کی شہرت غالباً ایک ہی نقطہ سے شروع ہوتی ہے۔ اگرچہ دونوں کی راہیں مختلف ہیں۔ آگرہ اسکول کے یہ دورِ اول کے شاعر ہیں۔ راز پر تغزل کا بہت کچھ اثر پڑا ہے اور وہ اسرارِ حقائق بے نقاب کرنے کی ہمیشہ کوشش فرماتے ہیں۔ اُن کے خیالات میں پختگی اور گہرائی ہے، آگرہ اسکول کے شعرا پر ترکیبوں کی ایجاد کا الزام لگایا جاتا ہے۔ راز چاندپوری کا کلام اُن سے پاک ہے۔ ایک نظم ملاحظہ ہو۔

www.taemeernews.com

سامانِ حیات

ازراز چاندپوری

جی میں آتا ہے کسی سے عہدِ الفت باندھ کر — اپنے دل کو آشنائے سوزِ پنہاں کیجئے
لیجئے درسِ محبت زہد و تقویٰ چھوڑ کر — بن کے کافر عشق میں تجدیدِ پیماں کیجئے
چھیڑئے سازِ الم ہو جائے وقفِ غنا — نالہائے غم سے برہم بزمِ امکاں کیجئے
دیکھئے جوشِ جنونِ فتنہ ساماں کو لذیذ — چاک دامن کیجئے ٹکڑے گریباں کیجئے
کیجئے ترکِ تعلق دہر و اہلِ دہر سے — چھوڑ کر آبادیاں سیرِ بیاباں کیجئے
کھینچئے آزارِ الفت دیجئے دادِ ستم — ہو سکے تو عشق میں کارِ نمایاں کیجئے
لیجئے دل بیچ کر دردِ محبت کے مزے — اور ممکن ہو تو نسخ دورِ زماں کیجئے
کیجئے روشن سیہ خانہ کو نورِ عشق سے — دل کے ہر ذرہ کو رشکِ مہرِ تاباں کیجئے
لوٹئے دل کھول کر بزمِ تصور کے مزے — یوں غمِ دوری کو نذرِ طاقِ نسیاں کیجئے
اس طرح ہو جائیے وقفِ خیالِ دلربا — آرزوئے ماسوا کو اس پہ قرباں کیجئے
کیجئے حاصل حیاتِ جاودانی عشق میں — موت سے پہلے ہی ہر جانکا ساماں کیجئے

موت سے بدتر ہے یہ دل کا جمود و بے حسی
راز اب تو اس کو نذرِ زہرِ پنہاں کیجئے

راز صاحب ایسی فضا میں پرواز کی کوشش نہیں کرتے، جہاں پہنچکر شہپر کی قوت جواب دیدے۔ ایک حد پر پہنچکر، اطمینان و سکون کے ساتھ جو کچھ دیکھتے ہیں، زبان سے ادا کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا نظم میرے اس دعوے کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ یہ شعر تو بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔

لوٹئے دل کھول کر بزمِ تصور کے مزے — یوں غمِ دوری کو نذرِ طاقِ نسیاں کیجئے

دوسری نظم اگرچہ مختصر ہے مگر مطالب و معانی کے اعتبار سے جامع اور بلیغ ہے

نکتہ سنجِ خوش نوا

ازابو الفاضل راز چاندپوری

جذّاے نکتہ سنجِ خوش نوا گیسو بدوش — واہ پر دہ ہے تری تقریر کا جوش و خروش
اے رُمائے علم و عرفانِ حقیقت، مرحبا — واقعی تو صاحبِ دل ہے یقیناً تیز ہوش
مظہرِ حسنِ تکلم ہے ترا طرزِ بیاں — ایک عالم تیری خوش گوئی کا ہے حلقہ بگوش
بادۂ اسرارِ الفت تیرے پیمانے میں ہے — یاد ہیں اب تک تجھے افسانہ ہائے بزمِ دوش
منکشف ہے تیرے دل پر رازِ بزمِ کائنات — جانتا ہے تو رموزِ میکش و بادہ فروش
ترجمانِ رمز کن ہے واقعی تیری زباں — تیرا ہر اک لفظ ہے تفسیرِ پیغامِ سروش
صاف گوئی تیری فطرت کا ہے اک جزوِ لطیف — بے تکلف تو بھری محفل میں ہے گندم فروش
یہ تو سب کچھ سچ ہے لیکن کیا کہوں اک راز کی — کہہ رہا تھا کل کسی میکش سے پیرِ مے فروش

خود فروشی شیوۂ اہلِ ہنر ہوتا نہیں
بے ادب خاموش باش، بادۂ صافی بنوش

راز کے کلام کا مجموعہ ۱۹۳۳ء میں "دیدۂ راز" کے نام سے شائع ہوا تھا، جس کی رسائل نے ستائش کی، اور بہت اچھے تبصرے شائع کئے۔ حیرت ہے کہ اب تک کوئی دوسرا مجموعۂ کلام شائع نہیں ہوا۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میری بات مان لی جائے گی، تو میں راز صاحب کو مشورہ دیتا کہ اپنے دوسرے مجموعۂ کا نام وہ "حدیثِ راز" رکھیں۔

آلم مظفر نگری غزل خوب کہتے ہیں، اور اس میدان میں آپ کی طبع خوب روانی دکھاتی ہے۔ لیکن شاعرانہ استعدادِ نظم کے گلکدے میں بھی اٹکھیلیاں کرتی ہے۔ افسوس ہے کہ آلم کی شاید دو تین نظمیں شکل سے میری نظر سے گذری ہوں گی۔ اس وقت صرف ایک نظم سامنے ہے جو درج ذیل ہے۔

اُنکی تصویر سے

از آلم مظفر نگری

تمہیں تم بھری ہو تصویر میں میری تمہاری ہی تصویر پیشِ نظر ہے
تمہیں ہیں ہمارا احساس سب جذب میرا تمہیں ہی کر حال دل کچھ خبر ہے

میں تصویر کو اپنے پہلو میں رکھ کر، قریب اپنی آنکھوں پہ برسا رہا ہوں
تمہیں اپنا جزوِ نظارہ سمجھ کر، میں اپنے مقدر پہ اترا رہا ہوں
یہ تصویرِ رعنا مرے سامنے ہے، محبت کی ہے داستاں یاد مجھ کو
لبوں پر مرے شکوۂ بیوفائی، زباں پر ہجومِ بیاں یاد میں ہوں
میں تصویر سے کہہ رہا ہوں کہ ظالم، تو جس کا جمیل ایک عکسِ جواں ہو
وہ کافر حسیں وہ حیائے مجسم، نقابِ تصور میں میرے نہاں ہو
یہ غنچہ دہانی یہ حیرت کا عالم، جنوں کا مجھے اک سبق دے رہا ہے
کہ نازِ خموشی میں بھی اک تکلم، پسِ پردہ انگڑائی سی لے رہا ہے
تو اس پیکرِ کاغذی سے نکل آ، حجابِ غلط سے سبکدوش ہو جا
مجھے اپنی رنگینیوں کی قسم ہے، ہم آغوش ہو جا، ہم آغوش ہو جا
تحرک میں لا پُرسکوں گیسوؤں کو، دماغِ وفا کو پریشان کر دے
مرے دوش پر شامِ غم منتشر ہو، مرے دل کی تسکین کا سامان کر دے
... زمیں سے باہر نکل آ، مجھے معنوی اپنے جلوے دکھا دے
یہاں میری خلوت میں کوئی نہیں ہے، خدا کیلئے اب تو پردے اٹھا دے
خطوطِ تصور کی ساری ادائیں، میں تیرے محاکات میں پا رہا ہوں
تو ہے میرے دل کی ہر اک رگ میں طاری، میں تیرے اثر سے مٹا جا رہا ہوں
یہ تیرا تجمل یہ تیرا تحمل، کہ جیسے ستم تیری خو ہی نہیں ہے
تو اپنا پرستار مجھ کو سمجھ لے، مجھے اور کچھ آرزو ہی نہیں ہے
خموشی کو الفاظ کا پیرہن دے، مرے شوق سے نازنیں گفتگو کر
تغافل کے ہیں زخم میرے جگر میں، تو اپنے تبسم سے ان پر رفو کر
تو کر اپنے ہونٹوں سے دشنام باری، تجھے چھیڑ کر میں خفا کر رہا ہوں
سمجھ کر تجھے چارۂ بیقراری، بڑی دیر سے التجا کر رہا ہوں
مگر آہ تو سنگِ صبر آزما ہے، مری التجا کی خبر ہی نہیں ہے
تو کیا میرے حالات سے آشنا ہو، تجھے تو مذاقِ نظر ہی نہیں ہے؟

عالم کے یہاں اندازِ بیان کی بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ اور طبیعت میں اُپج کا مادہ ہے۔

منظر صدیقی، واردات کے مصور ہیں۔ اور یہ قدرت کا بہترین عطیہ ہے کہ نظم اور نثر دونوں صنفوں میں آپ دستگاہ رکھتے ہیں۔ منظر کی شاعری میں افسانوی دلچسپی پائی جاتی ہے۔ اور ان کی نظم کا مطلع آخر تک پڑھنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ ایک نظم جس کا عنوان "آجکل" ہے یہاں درج کی جاتی ہے۔

آجکل

از منظر صدیقی اکبرآبادی

اک ماہِ نو "امید کا عنوان" ہے آجکل — تقدیر ایک صبحِ تاباں ہے آجکل
جو چیز ہے جمالِ بہاراں ہے آجکل — تا حدِ چشمِ شوق چراغاں ہے آجکل
کس کا خیال لوح میں مہماں ہے آجکل — پروازِ کیف تا حدِ امکاں ہے آجکل
قسمت مری شریکِ بہاراں ہے آجکل — ہر پھول دیکھ کر مجھے خنداں ہے آجکل
فطرت جنوں کی سر بگریباں ہے آجکل — دستِ طلب میں حسن کا داماں ہے آجکل
کل تک غریب عشق کا دل تھا اسیرِ غم — خم آشنائے کاکلِ پیچاں ہے آجکل
خود چن رہی ہے خار دلِ نامراد سے — فطرت ادا شناسِ رگِ جاں ہے آجکل
خود کر رہا ہے عشق مری رہنمائیاں — جو کام تھا محال وہ آساں ہے آجکل
ہے تیرگیٔ بخت سے اک جنگ ان دنوں — تدبیر مثلِ مشعلِ تاباں ہے آجکل
ہوں ان دنوں تمام حوادث سے بے نیاز — دل بے دماغِ ہر غم و درماں ہے آجکل
پھر دل میں اک امنگ سی پیدا ہے ان دنوں — "اللہ کون" یہ مرا پرساں ہے آجکل
مستقبلِ حیاتِ محبت ہوا شروع — پیشِ نظر نشاطِ درخشاں ہے آجکل
اٹھے حیاتِ تازہ بڑھا کیفِ زندگی — پھر مجھ سے "ربط و ضبط" کا ارماں ہے آجکل
گلبانگِ عشق سے ہے شگفتہ نفس نفس — اک نغمۂ نارسا رگِ جاں ہے آجکل
رگ رگ میں دوڑنے لگی بوئے گلِ وطن — ہر سانس میری صحنِ گلستاں ہے آجکل

www.taemeernews.com

اللہ رے یہ سلسلۂ جنبانیٔ خیال ۔۔۔ حد سے سوا تصورِ جاناں ہے آجکل
جگنو ہیں اور پھول ہیں تارے ہیں اور "چاند" ۔۔۔ ان سب کے ساتھ محوِ غزلخواں ہے آجکل
وا ہو چلا ہے میرے لئے بابِ آرزو ۔۔۔ "مستقبلِ حیات درخشاں ہے آجکل
میں وجد میں ہوں کیفِ تصور سے ان دنوں ۔۔۔ اور کائناتِ دل ہی کہ تعلّی ہے آجکل
اے شامِ عشق کسبِ ضیائے جمال کر ۔۔۔ ماہِ تمامِ حسن درخشاں ہے آجکل

انداز نو سے چھیڑ رہا ہے ربابِ شوق
منظر حریفِ بزمِ سخنداں ہے آجکل

اس شعر کو پڑھئے اور پڑھ کر نور و ظلمت کی فضاؤں میں گم ہو جائیے۔

جگنو ہیں اور پھول ہیں تارے ہیں اور چاند ۔۔۔ ان سب کے ساتھ محوِ غزلخواں ہے آجکل

منظر کا شعری مستقبل یقیناً تابناک ہے، کاش زمانہ ان کو چین لینے دے۔

فضل الدین اثر اکبرآبادی (بی۔ اے) آگرہ اسکول کے ممتاز شعراء میں ہیں۔ اثر کے کلام میں اثر کے ساتھ پختگی اور شگفتگی ہے۔ اثر بے مقصد شاعر نہیں ہیں۔ وہ دنیا کو پیام دیتے ہیں۔ اور میرے خیال میں وہ صرف تفریح اور دفع الوقتی کے لئے شعر نہیں کہتے۔ وہ شعر سے کام لینا چاہتے ہیں "دیہات کی شام" ملاحظہ کیجئے۔

دیہات کی ایک شام

از۔ اثر اکبر آبادی

جھٹپٹے میں شام کے ہے آسماں کھویا ہوا ۔۔۔ جیسے دن بھر کا ساز ہو کر کوئی سویا ہوا
گر رہا ہے یوں افق سے رنگ بالائے زمیں ۔۔۔ جیسے سجدے میں کسی مومن کی جھکتی ہو جبیں
سو چلا ہے مضطرب ذرّوں کا وردِ مستقل ۔۔۔ جس طرح آسودۂ آغوش ہو شاعر کا دل
نسترن کے کنج میں چھیڑے ہوئے ہے رنگ و بو ۔۔۔ ڈوبتی کرنوں سے رنگیں تتلیوں کی گفتگو
نازبو کھیتوں میں لہلہاتی سی بہار ۔۔۔ جس طرح جنت بداماں طفلِ دل کا قرار
بیریوں کا پیڑ تھرّاتا ہے کانٹوں میں اسیر ۔۔۔ جیسے زاہد کا شکیب اور جیسے مجرم کا ضمیر
دور سنبل میں مصور کی نظر الجھی ہوئی ۔۔۔ جیسے پھولوں میں کہیں دب جائے کوئی تیتری
نرم جاں پودے سکوں کی گود میں محوِ خواب ۔۔۔ جیسے دیکھیں بلبلیں ہنستی ہوئی پھولوں کے خواب
خشک کانٹوں کی زباں پر زندگی کا پیام ۔۔۔ آشیاں بھولے ہوئے طائر کا ناخوش ہے قیام
ہلکی ہلکی سی ہوا سرگوشیاں کرتی ہوئی ۔۔۔ گلستاں کی خنکی میں بجلیاں بھرتی ہوئی
رہگذر کے پاس اک جھاڑی میں جگنو کی چمک ۔۔۔ قلبِ ہستی میں ہو جیسے نورِ عرفاں کی جھلک
فاصلہ پر ہلکا ہلکا جھلملاتا اک چراغ ۔۔۔ کفر کی گمراہیوں میں جیسے ایماں کا چراغ
اک پرانے پھوس کے چھپر میں بیٹھا ہے کسان ۔۔۔ رنگ دل کی مملکت کا بادشہ کھیتوں کی جان
انکھیوں سے دیکھتا رہتا ہے نبضِ کائنات ۔۔۔ بادلوں سے کھیلتا ہے برق سے کرتا ہے بات
اس کے کس بل پر اکڑتا ہے سیاست کا دماغ ۔۔۔ خون سے جلتا ہے اس کی شہریاری کا چراغ
پیٹھ پر کپڑے لپیٹے پاؤں پہ بختِ سیاہ ۔۔۔ دیکھئے تو زندگی کے دل سے بھی نکلے آہ
عمر کی گہرائیوں میں کھوئی جاتی ہے نگاہ ۔۔۔ ابر کے دامن میں جیسے لے کبھی سورج پناہ
بزمِ اسرارِ حقیقت کا دوامی رازدار ۔۔۔ زندگی کے تیز کانٹوں پہ ہمیشہ بے قرار
رنگِ دنیا بھی اگر کروٹ بدلتا ہے کبھی ۔۔۔ سب سے پہلے زد میں آتی ہے اسی کی جھونپڑی
ساری دنیا کو کھلاؤ اور خود بھوکا رہے ۔۔۔ سب کو دولت دے خود اپنا پیٹ بھر کر
علم کی گمراہ کن کرنوں سے یہ بیگانہ ہے ۔۔۔ سب کی قسمت کا ستم سہہ لے یہ وہ دیوانہ ہے
کارگاہِ صبحِ ہستی اور دورِ کون و فساد ۔۔۔ کب سے ہے فطرتِ انساں کی حالت کا تقاضا

رنگِ نظارہ بنا جاتا ہے انساں ہائے ہائے
تیرگی سے کہہ دو اس منظر کو جلد آ کر چھپائے

اثر محاکات نگار بھی ہیں اور تشبیہات کے مصور بھی۔ میرے خیال میں تشبیہات کے اعتبار سے وہ آگرہ اسکول کے شعراء میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس شعر کی تشبیہی عظمت کا اندازہ فرمائیے۔

فاصلے پر ہلکا ہلکا جھلملاتا اک چراغ ۔۔۔ کفر کی گمراہیوں میں جیسے ایماں کا چراغ

ایک اور شعر کا شکوہ ملاحظہ ہو:

اس کے کس بل پر اکڑتا ہے سیاست کا دماغ ۔۔۔ خون سے جلتا ہے اس کے شہریاری کا چراغ

دوسری نظم "احتجاج" کس قدر فلسفیانہ ہے۔

www.taemeernews.com

احتجاج

میری گستاخی معاف اے خالقِ فطرت کہ آج　　کر رہا ہوں تیرے قانونِ قضا پر احتجاج
تجھ کو زیبا ہے ترا آئینِ جبر و اختیار　　تھا مگر انسان بھی شائستۂ صبر و قرار
ظرفِ انساں میں تحمل کی جو گنجائش نہیں　　جان لیوا ہے ادائیں قابلِ نازش نہیں
سینۂ ہستی میں قائم اک مسلسل درد ہے　　رخ پہ چھائی ہوئی ہے خامشی دل سرد ہے
ہیں تمناؤں کی لاشیں یاس کی آغوش میں　　یہ وہ نالے ہیں جو بہتے ہیں لبِ خاموش میں
ناتواں انسان ایسا جبر سہہ سکتے نہیں　　سب اسی محبوس کو کرتے ہیں کہہ سکتے ہیں
اپنے گھر میں دیکھ کر معصوم اک بچی کی لاش　　ہو گیا ہے رنج و غم سے میرا سینہ پاش پاش

تجھ سے کرنے آج میں تیرا گلہ آ ہی گیا
نالۂ دل سے تا بہ لب بے ساختہ آ ہی گیا

سن کہ اے مخلوق آئینِ قضا سے تنگ　　زندگی پہ موت کو دینا نہ تھا یوں اختیار
ایک بچہ بطنِ مادر سے جو آتا ہے یہاں　　انبساطِ تازہ سے ہوتا ہے گھر بھر شادماں
اس سے ہو جاتی ہیں وابستہ امیدیں سینکڑوں　　ایک اک کی دید میں ہوتی ہیں عیدیں سینکڑوں
باپ اسکی پرورش کرتا ہے ارمانوں کے ساتھ　　پالتی ہے گود میں ماں اسکو ارمانوں کے ساتھ
امتحاں کی تندیوں میں جب آتی ہے وہ گھڑی　　پیار کرکے ہے بھینچ کے لگاتی ہے اسے
کمسنی میں موت آ جاتی ہے اسکو ناگہاں　　بے خبر ہوتے ہیں جس سے مطلقاً باپ اور ماں
ختم ہو جاتی ہے زخمی دل میں پڑ جاتا ہے داغ　　یک بیک بجھتا ہے جب یوں اک بھرے گھر کا چراغ

باوجود ضبط ماں کی ہچکی جاتی نہیں
کیا ترے کانوں میں ماتم کی صدا آتی نہیں!

جب ریاضِ دہر سے پاتا ہے پھل اک نوجواں　　اس پہ ہو جاتا ہے طاری موت کا خوابِ گراں
لاش پہ ہوتی ہے اسکی ساری دنیا نوحہ زن　　عبرت نظارہ ہوتا ہے جوانی کا کفن
ختم جس دم ہوتی ہے مدتِ تعلیم اور تہذیب کی　　جب قریب آتی ہے منزل نظم اور ترتیب کی
جب بہار آتی ہے اسکی فطرتِ مجہول میں　　جب کلی تبدیل ہوتی ہے شگفتہ پھول میں
جب وہ ہو جاتا ہے شایانِ نشاطِ زندگی　　قوتِ بازو وہ بنتا ہے جب ماں باپ کی

چونکہ اٹھتی ہیں جب اسکی شاعرانہ قوتیں　　جاگ اٹھتی ہیں جب اسکی عاشقانہ قوتیں
شعر کہہ سکتا ہے جب وہ گرمیِ افکار سے　　دلی جب ہوتی ہے اُس کو عالمِ انوار سے
جب کر سکتا ہے پیدا انجمن میں انقلاب　　اخذ جب کرتا ہے ہر ذرہ سے لاکھوں آفتاب
بادۂ عشرت کہ جب ہوتی ہے سرخوشی نصیب　　جب عروسیت سے ملتی ہے ہم آغوشی نصیب
ناگہاں موت آ کے دیتی ہے اسے پیغامِ خواب　　خاک میں ملتا ہے اسکا گلستانِ شباب
ہو جواں ہو کر کوئی مجبور مرنے کے لئے　　کس کا دل لائیں یہ غم برداشت کرنے کیلئے

صبح سے پہلے بجھائے جائیں جب یوں شب چراغ
ہستیِ انسان کے سینے میں نہ کیوں پڑ جائیں داغ

اسکو ہوتا ہے میسر ارتقائے زندگی　　جس کو ہوتا ہے عطا نشو و نمائے زندگی
جب وہ ہو جاتا ہے اس دنیا میں تحقیق آشنا　　جب اسی دنیا کا ہو جاتا ہے کامل تجربہ
جب سمجھ لیتا ہے وہ رازِ جہانِ بے ثبات　　جب وہ کر لیتا ہے طے ہر راہِ دشوارِ حیات
رفعتِ مطلق پہ جب آتی ہے تعمیرِ حیات　　قبر کی پستی میں گر جاتا ہے یہ پیرِ حیات

الغرض اس دہر میں دستورِ فطرت ہے یہی
جبر کی فرماں روائی ہے حکومت جور کی

جب معین کمسنی کی موت ہو تقدیر میں　　کیوں بھرا جائے سرابِ زندگی تصویر میں!
چار دن کو کیوں کیا جائے شگفتہ کوئی پھول　　زحمتِ تخلیق کیوں بجائے انساں کو فضول
زندگی اور موت پر جب ہو نہ اپنا اختیار　　موت ہے بے کیفیت اور زندگی ناخوشگوار
جب نہیں قیدِ تعین زندگی اور موت میں　　بے تعین جی سکے اس دارِ فنا میں کیا کریں
موت کا ڈر ہے تب انساں بڑھا سکتا نہیں　　بے تعین کوئی کام انجام پا سکتا نہیں
ہے مناسب مقصدِ تخلیق رسوا ہی نہ ہو　　ہے اگر انسان ناپیدا تو پیدا ہی نہ ہو
زندگی اور موت یوں بھی نسبتاً کھیل ہیں　　کھیل ہیں تب تو قسمت کی مگر کیا کھیل ہیں!
ساعتِ تخلیق سے تقدیم کے ہنگام تک　　بزمِ انساں میں نہیں عیش و سکوں کا نام تک
ہر نفس غم آشنا صرفِ الم ہر سانس ہے　　نشتر بن کر ہر رگِ جاں میں نئی اک پھانس ہے

جبر ہی پہ ہے اگر دار و مدارِ زندگی
تو یہ بہتر ہے کہ ہر انسان کر لے خودکشی!

اس نظم کا ہر بند غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔

شفق ٹونکی آگرہ اسکول کے ذہین و طباع شاعر ہیں۔ انکا انداز بیان پُرجوش اور خطیبانہ ہے۔ شفق نہایت تیزی کے ساتھ شعر کی بلندی پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ فضل الدین آثر کی طرح شفق بھی تلمیحات کو "برمحل" برتنا جانتے ہیں۔ جس کے ثبوت میں ذیل کی نظم پیش ہے:۔

بغاوت

از۔ شفق ٹونکی

چھلک جائے دورِ غم سے جب پیمانۂ تسکیں
قیامت آفریں جب جوشِ تابِ تشنگی ہو

سیاست تنگ ہو جب بربریت کی کشمکش میں
اصولِ نظم کی بنیاد برباد و شکستہ ہو

حکومت میں ابھر آئی ہو جب زعمِ سلطانی
دورِ جوشِ استبداد جب حد سے زیادہ ہو

سکوت دامن ہو جائے فضا جب جورِ پیہم سے
حقیقت کی نوا باطل کی آوازوں میں گم ہو

حق و انصاف کی کلیاں جب شکستہ پا ہوں
خدا سامانیوں میں جب انانی شامل ہو

وفاؤں کی نمود احساس میں گنجائش نہ باقی
فریب مکر کی لعنت سے جب معصوم دنیا ہو

نفس جب ڈوبنے لگتا ہو گمراہی کے طوفاں میں
غلط رنگی کی موجِ تند میں ماحول بہتا ہو

تمدن پر ہو طاری بدعت و اوہام کی تلخی
فضا اندر فضا بیداد کا جب جال پھیلا ہو

بھڑک اٹھتے ہیں یک دم شعلہ ہائے گرم باطل کے
بغاوت میں ابھر آتے ہیں جذبے گرمیٔ دل کے

بغاوت ہی کا زورِ خاص ان کو روک دیتا ہے
غلط کاری سمانا چاہتی ہو جب سیاست میں

خیالِ تازہ بسانا اور ان کو ضبط بھی کرنا
نیا اک جوش کر دیتا ہے پیدا آدمیت میں

نہ رہ سکتا اگر یہ امنِ عالم برقرار اب تک
بدل جاتا سکونِ دہر اک دن جبر و وحشت میں

غریبوں کی یہی اس وقت عزت کو بچاتی ہے
بہا ہوتا ہے جب بیچارگی کا خون غفلت میں

یہی تدبیر آسانی وہاں تعلیم کرتی ہے
تدبر کی جہاں ہوتی نہیں پرسش حکومت میں

نہ ہو تسکین نہ جب ملک کی ذہنیت ناقص
سیاست رفتہ رفتہ پھر بہک جاتی ہے وحشت میں

ستم پر باوجودِ علم امیدِ کرم رکھنا
نئی جرات بڑھا دیتا ہے پیکرِ رعونت میں

بغاوت ہی حقوقِ عام پر سینہ سپر ہونا
بغاوت ہی ابھرنا ملک و ملت کی حمایت میں

بغاوت ہی خلافِ ظلم اک طوفاں بپا کرنا
حفاظت کیلئے جینا حفاظت کے لئے مرنا

اگر مہاتما گاندھی کی "آتما" "اجازت دے" تو آئندہ سال کانگریس کے پنڈال کے صدر دروازہ پر شفق کے اس مصرع کو لکھ کر آویزاں کر دیا جائے۔

"بغاوت میں ابھر آتے ہیں جذبے گرمیٔ دل کے"

شفق الفاظ کی نشست اور ترکیبوں کی ایجاد میں حضرت سیماب کے قدم بقدم نظر آتے ہیں۔ اور نظم کے آغاز و اختتام میں بھی "سیمابیت" پائی جاتی ہے۔

ساحل ٹونکی کے کلام میں جوش و اثر کے ساتھ تعمق پایا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ساحل کی نگاہ گہرائیوں میں اتر کر نطق کو جنبش میں لاتی ہے۔ "انیرنا" کی پہاڑی کو دیکھ کر ساحل کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

"انیرنا" کی پہاڑی پر

از ساحل ٹونکی

تماشا کرنے والے غنچہ و گل کا گلستاں میں
ادھر آ لے چلوں تجھ کو اک ایسی کاخ ویرانے میں

کہ جس کی رفعتوں سے گو کہ پستی برستی ہے
مگر پھر بھی یہ ویرانہ ثباتِ نقشِ ہستی ہے

وہ ویرانہ جہاں عبرت ہی عبرت نقش کرتی ہے
وہ ویرانہ جہاں ہر وقت حسرت آہ بھرتی ہے

وہ ویرانہ جہاں ہیبت فزا ہے خامشی طاری
ہر ذرہ کو وحشت ابھرتی ہے

وہ ویرانہ جہاں ظلمت ہی ظلمت کا نظارا ہے
وہ ویرانہ جہاں خود روشنی جانے سے ڈرتی ہے

وہ ویرانہ کہ جس سے چاندنی بھی دامن کشاں نکلے
وہ ویرانہ کہ جس سے چاندنی بچ کر نکلتی ہے

وہ ویرانہ جو کہ اب ابابیلوں کا مسکن ہے
وہ ویرانہ کہ ... ہے اور چیلوں کا مسکن ہے

---

www.taemeernews.com

یہ ویرانہ کبھی آباد تھا آثارِ انساں سے — نسیمِ صبح بہرِ سیر آتی تھی گلستاں سے
سحر ہوتے ہی مندر کے پجاری جاگ جاتے تھے — پرستش کے ترانے اور بھجن گاتے تھے
پرستش کرنے والے جمع رہتے تھے یہاں باہم — عقیدت مندیوں کے پھول مندر پر چڑھاتے تھے
بتوں کے سامنے سجدے عبادت کو جبینوں کے — کہ اپنے ہی پرستاروں سے بت شرمائے جاتے تھے
غضب تھا سیکڑوں پیشانیوں پر جھریاں تھیں — فروزاں شام ہو جاتی تھی جب گنگا نہاتے تھے

معطر ہر ہوا تھا نسیمِ مشک بر سے — فضا پر کیف ہوتی تھی بخارِ عود و عنبر سے
مرادیں مانگی جاتی تھیں مرادیں پائی جاتی تھیں — تھا ہر وا باب ہر سائل پہ بابِ فیض گستر سے

فضا سے گونج اٹھتا جب سرِ شام ہوتی تھی — یہاں کی شام بھی گویا سحر ہنگام ہوتی تھی
جرس کی سی پکاری جگمگا اٹھتی تھی ناقوس کی — فضا اک عجب اک کیف زا پیغام ہوتی تھی
کھلا رہتا تھا بابِ بتکدہ آٹھوں پہر یونہی — صدا ناقوس کی گویا صلائے عام ہوتی تھی
حوادث کا اثر اتنا ہی ہوتا تھا یہاں کچھ — کہ بعدِ شب سحر ہوتی سحر سے شام ہوتی تھی

یہاں فردوس زارِ حسن تھا اپنے زمانے میں — یہ اک مرکز تھا حسن و عشق کا اپنے زمانے میں
یہاں ضبط و وفا و صبر کی تعلیم ہوتی تھی — یہاں حسن و محبت کی نئی تنظیم ہوتی تھی

فرشتہ خو تھی یہاں اپسرا نامی اک حسیں عورت — غضب کی پاکدامن پاکباز و پارسا صورت
اسی کے نام سے منسوب ہے یہ بتکدہ اب تک — اسی کی داستانِ عشق کی ہے آج تک شہرت
کنہیا نامی اک درویش سے اس کو محبت تھی — فدا محبوب پر رہتی تھی یا نیز وہ قمر طلعت
ہوا پیدا اپسرا میں درد سی دم بھی کچھ — تھا اس کا استغراق کچھ کر بیٹھی محوِ نعت

دیتی حائل یہاں حسن و الفت کی مجبوری — نہ تھا کچھ فاصلہ ان کا نہ تھی کچھ اس قدر دوری
ہے لیکن تھا اک دوسرے سے غرض بعد ازل — فراق و ہجر میں کرتے ہو شام و سحر دونوں

تسلی دہ گئے ہوتے تصور بہرِ دمسازی
گئے اوقاتِ فرصت را شدے تسکین تنہائی

اس شعر کو پھر غور سے پڑھئے اور شاعر کی دقتِ نظری کی داد دیجئے۔
"ویرانہ کہ جس سے چاند بھی دامن کشاں نکلے" "ویرانہ کہ جس سے چاندنی بچ کر نکلتی ہے"
مصرعہ ثانی تخیل کے اعتبار سے ابداعی ہے۔

ٹونک کی سرزمین بھی بڑی "شاعر خیز" واقع ہوئی ہے۔ ابو العرفان فضائی بھی اسی سرزمین کے رہنے والے ہیں۔ کیفیت کے اعتبار سے فضائی صاحب اشعار کے ذریعہ عرفانِ حقیقت کی تجلی کی کوشش فرماتے ہیں۔ خیالات مائل بہ رفعت ہیں۔ اور شاعرانہ فطرت ایک نئی راہ پیدا کرنا چاہتی ہے۔
"وحدتِ تعلق" ایک نظم کا عنوان ہے:

وحدتِ تعلق

از ابو العرفان فضائی ٹونکی

کثرتِ امید پر قائم ہے بنیادِ حیات — جس کو دل کہتے ہیں ارمانوں کا اک گلدستہ ہے
ہے تعلق کی فراوانی سے نظمِ کائنات — رابطہ باہم سے نظامِ زندگی وابستہ ہے

محفلِ انجم و قمر سے زینتِ افلاک ہے — رونقِ بزمِ گلستاں ہیں گلوں کے قہقہے
پیکرِ حیوانِ ناطق آبروئے خاک ہے — ہر گلِ رنگیں پہ جو ہیں بلبلوں کے قہقہے

لحنِ طاؤسی سے آسودہ ہے وحشت دشت کی — نیلگوں امواجِ سطحِ بحر پہ ہیں نرم سیر
مرغزاروں میں ہے جس سے کبک کی گلگشت کی — اور بخارِ بحر ہے دوشِ صبا پر گرم سیر

ہے ترے دامانِ عصمت محملِ مستیٔ شوق — خواہشِ خلوت میں ہے وہ فتنۂ گل کی اضطراب
ہاتھ پھیلاتی ہے جب گھبرا کے مجبوریٔ ذوق — چاک دامن ہو کے رہ جاتی ہے شرمِ حجاب

ہو کسی محل میں یہ ارماں خلوتِ عشرت ملے — اک کلیسائی حسینہ نازشِ کاشانہ ہو
چرخِ شہرت پر جہاں میں اوجِ شہرت ملے — آنکھ میں جلوہ کسی کا ہاتھ میں پیمانہ ہو

تابشِ شمعِ حکومت کا ہے پروانہ کوئی — اُسکے دروازہ کی گلکاری ہو رنگینِ گلستاں
ہے سیاست میں ہمہ دانی کا افسانہ کوئی — اُسکے ایثار و صداقت کا ہو قائل اک جہاں

ہاں مگر ان سب سے بالاتر تعلق ہے مرا — جس کو جانِ آرزو کہئے جو ہو روحِ حیات
اضطرابِ دردِ دل ہو جس سے دل ہو آشنا — جس سے شعریت کے عالم میں ہو تکمیلِ ثبات

جس سے اب لبریز کیفیات ہیں راتیں مری — جس سے قائم ہے گداز و سوز و رقت قلب میں
جس سے ہر حالت میں پُر جذبات ہیں باتیں مری — جس سے رفعت ہو سخن میں ہو جس سے لطافت قلب میں

یعنی اک لذّتِ نگاہ سے تعشق ہے مجھے — جس کا ہلکا سا تبسم ہے پیامِ آرزو
اس شگفتہ روحِ رعنا سے تعلق ہو مجھے — جس کی رنگینی لب ہی بوسہ گاہِ آرزو

اسکی پیشانی کی تابش سحر انگیز ہے — ہے نمایاں جس سے لمعاتِ تجلی کی جھلک
شمعِ کعبہ کیلئے رخسار آتش ریز ہے — جمعِ ارماں کی ہوائیں جس سے پاتی ہیں مہک

دل چرا لایا تری آنکھوں سے کیفِ بیخودی — اور ہے کم اختلاط اور تو ابھی مدہوش ہے
شوق سیکھ آیا ترے غمزوں سے طرزِ خودسری — اور ہے بے ارتباط اور تو ابھی خاموش ہے

ہے تبسم صبح پنہاں تیری رفتار میں — دو قدم چل کر کھلادے میری امیدوں کے پھول
حسن کو فخر ہے تری شیرینئ گفتار میں — ہیں ترے قرباں مری تشنہ سماعت کو نہ بھول

آرزو کا پھول ہے ہنستا ہوا چہرہ ترا — تیری آنکھوں سے کھلی ہے شاہراہِ زندگی

تیرے محسوسات کو حاصل ہے جس سے انجلا — ہے تری ذہنی پرستش اے متاعِ زندگی

گھیرتی ہے جب مجھے آکر غمِ عالم کی فوج — فکر ان داں سے بجھ جاتا ہے جب میرا دماغ
سب کو لیجاتی ہے آکر ایک تیری غم کی موج — دل کو کر دیتا ہے اک تیرا تصور باغ باغ

چاہتا ہوں تجھ سے وہ والہانہ تعلق ہو مجھے — پردۂ اجسام جس میں حدِ فاصل ہی نہ ہو
سمجھ جائیں جس میں دو توفیق ہو مجھے — تجھ میں اور مجھ میں دوئی کا کوئی قائل ہی نہ ہو

آغا ز حسینی الحسنی برہانپوری کے یہاں رومانیت بدرجۂ غایت پائی جاتی ہے تخیل زیادہ بلند مقام پر پہنچنے کیلئے بیتاب ہے "کیفِ دوشیں" پڑھئے اور لطف اندوز ہوجئے۔

کیفِ دوشیں

آغا ز حسینی الحسنی برہانپوری

وہ ساقئ ازل وہ دور بادۂ الست کا — وہ انتشارِ لطف و کیف ہر فضائے مست کا
وہ عالمِ طلوعِ صبح میکدہ بدوش سا — فضائے جزو و کل میں پاک مستیوں کا جوش سا
وہ دورِ کیف آفریں شرابِ خانہ ساز کا — وہ جرعہ جرعہ میں خمارِ کیفِ دلنواز کا
وہ موج موجِ کوثر اور سلسبیل در بغل — وہ موج موج جو فزا وہ جمیل در بغل
وہ ہر حبابِ سیلِ نور کاروانِ موجِ مے — وہ جوشِ نشۂ مدام وہ اجابتِ موجِ مے
وہ مستیوں کی بارشیں فضائے کائنات پر — وہ کیف زا ترا وشیں فضائے کائنات پر
وہ صبحِ روح اک جہانِ سرخوشی لئے ہوئے — وہ سرخوشی کہ جوشِ کیفِ سرمدی لئے ہوئے
وہ نشۂ مدام زرد زرد جو مستا ہوا — وہ فیضِ خمِ ازل کہ میکدہ کا در کھلا ہوا
وہ دور آفتاب ماہتاب کی سبیل میں — شراب جس کی تیز تر ساغرِ جمیل میں
وہ ذوقِ مے سبو کشانِ محفلِ قدیم کا
وہ ظرف ظرف مستحقِ نوازشِ عظیم کا

www.taemeernews.com

وہ شانِ ساقیِ ازل سرودِ حق نوا میں — ہزاروں میکدے جھلک رہے تھے ہر نگاہ میں
تجلیاتِ حسن تھیں بچھا کائنات پر — گھٹائیں آ کے چھا گئی ہوں جیسے فرشِ حباب پر
وہ ہر طرف اثر بادۂ جمال کا — عجیب حال تھا ہر اک جرعہ نوشِ حال کا
اُمنگ اُمنگ کیف زا جوانیاں لیے ہوئے — وہ رنگ رنگ احمریں گلابیاں لیے ہوئے
وہ بزم لطف کیف جس میں ناؤ نوش تھی — ہزاروں میکدوں کی روح خود ہی مے فروش تھی
وہ ایک نغمۂ کن میں جذب دو جہاں کی مستیاں — وہ کائنات میکدہ وہ عالمِ مے پرستیاں
وہ بزمِ دوش اور شورِ نا و نوش اب کہاں — وہ دھوم سرور وہ مئے کا جوش اب کہاں
وہ عالمِ خمار کیف آہ، خواب ہو گیا — وہ لطفِ جاں نواز نذرِ انقلاب ہو گیا

وہ ذوق لطف و کیف پھر تجدیدِ ہوش چاہیے
ازل کا جرعہ نوش ہوں نشاط دوش چاہیے

آغاز بہ ایں خوبی کا آغازِ شاعری تابناک مستقبل کی رہنمائی کرتا ہے۔

انورؔ سیمابی بھوپالی آگرہ اسکول کی خصوصیت ترنم کے حاملین میں سے ہیں خیالات رنگین اور جذبات شباب درآغوش ہیں "ترے بغیر" کو کسی کے ترنم کے ساتھ پڑھئے!

ترے بغیر

از انورؔ سیمابی بھوپالی

جلوہ اگر جاں ہو تن سے گریزاں ترے بغیر — سر تا پا ہوں شعلۂ لرزاں ترے بغیر
تو تھا تو جوش پہ تھیں مری گل فشانیاں — اب نالہ ہے سر بہ گریباں ترے بغیر
یہ چھا رہا ہے دیدہ و دل پہ جمود سا — دونوں ہیں سر فتادۂ ہجراں ترے بغیر
وہ خشک ندیاں سی ہیں آنکھیں بھی آج کل — اک بوند بھی نہیں سرِ مژگاں ترے بغیر
اک آتشِ تمام ہے دل اے مرے خیال! — تشنہ رو ہے آج گلستاں ترے بغیر
یہ نکھری نکھری مستیِ دوشیزگیٔ صبح! — یہ بھیگی بھیگی شامِ گلستاں ترے بغیر
یہ بھیگی بھیگی مست ہوا، یہ فضا، یہ کیف! — اُف یہ گھٹا! یہ موسمِ باراں ترے بغیر
یہ بے خودی و نکہت میں ڈوبی ہوئی فضا! — یہ اضطرابِ جوشِ بہاراں ترے بغیر
یہ تال، یہ کنول، یہ اچھوتی فضا، یہ ابر! — یہ بیکسی یہ تموجِ مستاں ترے بغیر
یہ موج ہائے کوثر و تسنیم ہر طرف! — یہ ابر یہ ہوا یہ باراں ترے بغیر
یہ رقص، یہ سرود، یہ صہبا، یہ ابر و باد! — یہ جد جدے یہ محفلِ رنداں ترے بغیر
یہ یادگارِ شاہجہانی! یہ نورِ ماہ! — یہ سیرِ آبشارِ درخشاں ترے بغیر
مہکی ہوئی فضا میں یہ بہکی ہوئی ہوا — یہ مستیٔ شامِ گلستاں ترے بغیر
شملے کی وادیاں، یہ زمرد گھلا ہوا — جلوے، یہ گوشہ، یہ کہستاں ترے بغیر
یہ سیرِ جمنا یہ تفریحِ جوئبار — یہ نزہتیں نشاطِ بداماں ترے بغیر
ماتم ہے یہ ترا کمِ جاں بخش جوئبار — شیون ہو یہ ترنمِ مرغاں ترے بغیر
ڈستی ہیں سانپ بن کے گھٹا برشگال کی — ہیں موت و زیست دست و گریباں ترے بغیر
واللہ ظلم سے بھی زیادہ ہے اب مجھے — احباب کا یہ لطفِ فراواں ترے بغیر
سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے مرے لئے — میں کیا کروں گا یہ سروساماں ترے بغیر
ہے زندگی مگر یہ کوئی زندگی نہیں — بے نور سی ہے شمعِ فروزاں ترے بغیر
پھر چٹکیاں سی لیتی ہے رہ رہ کے تیری یاد — بے کیف ہے یہ عالمِ امکاں ترے بغیر
پھر ڈھونڈتے ہیں زخمِ جگر برقِ زیرِ لب — خالی پڑے ہوئے ہیں نمکداں ترے بغیر
پھر ہر نظر ہے نیشتر برآتش جو تو نہیں — پھر ہر نفس ہے شعلہ بداماں ترے بغیر
پھر کر رہا ہوں جوشِ جنوں کی ضیافتیں — لختِ جگر ہے پھر سرِ مژگاں ترے بغیر
چھریاں سی چل رہی ہیں کلیجے میں رات دن — رگ رگ میں بجلیاں سی ہیں رقصاں ترے بغیر
پھر دل میں آج ذوقِ ... دست ہے جا گزیں — آہ اب کہاں! وہ لذتِ عصیاں ترے بغیر
ایمان کی طرف لئے جاتا ہے دل کہ ہوں — رعنائیِ کفر سے گریزاں ترے بغیر
بکھری ہوئی ہے زلفِ زلیخائے زندگی — لٹتا ہے صبر اے مہِ کنعاں ترے بغیر
نبضِ آرزو کی چھٹتی ہے اے جانِ آرزو — دم توڑتے ہیں بیکس و ارماں ترے بغیر
پھر ہے خموش شمعِ شبستانِ آرزو — لٹتی ہے بہارِ صبحِ گلستاں ترے بغیر
وہ نبضِ دل کہ لرزشِ پیہم سے تھی مراد — سر تا پا ہے ساکت و حیراں ترے بغیر
میخانۂ خیال پہ چھائی ہے بیکسی — سونی پڑی ہے محفلِ رنداں ترے بغیر
وہ طالبِ سکوں وہ دلِ درد آشنا — پھر آج کل ہے تشنۂ پیکاں ترے بغیر

آجا کہ راز پردۂ دل فاش ہو نہ جائے　　کھلنے کو ہے یہ عقدۂ پنہاں ترے بغیر
وہ وآ! کہ پھر ہے تشنۂ مضرابِ انگل　　بے کیفیوں سے تارِ رگِ جاں ترے بغیر
جو زندگی مراد تھی فردوسِ عشق سے　　وہ ہو گئی ہے خواب پریشاں ترے بغیر
کر لوں نہ چاک چاک کہیں دامنِ حیات　　اس زندگی سے ہو کے پشیماں ترے بغیر
اب تو تصورات کی بھی دسترس نہیں　　آزادیاں بھی ہو گئیں زنداں ترے بغیر
دوڑا دے آکے کیف نمو زندگی کی لہر　　بیجان ہے یہ انجمنِ جاں ترے بغیر

الآزر کو آج دیکھ کے رحم آ گیا ہمیں
وہ نوجواں ہے سخت پریشاں ترے بغیر

یہ شعر تو بار بار پڑھنے کے لائق ہے۔

سب کچھ ہوا اور کچھ بھی نہیں ہے مگر لئے　　میں کیا کروں گا یہ سروساماں ترے بغیر

عبداللہ مضطر کے یہاں تشبیہات کی بوقلمونی پائی جاتی ہے۔ خیالات میں شگفتگی کے ساتھ جدت و تنوع ہے۔ ذیل کی نظم کس قدر مکمل ہے:

معصوم بچوں کو کھیل میں مصروف دیکھ کر

از مضطر

یہ حسیں نوخیز بچے کانچ سی مورتیں　　بھولی بھولی سیدھی سادی مسکراتی صورتیں
اپنی اپنی ماؤں کے یہ لاڈلے چشم و چراغ　　نغمۂ شعریت کے ظلِ عالی دماغ
خامۂ نقاشِ فطرت کے تر و تازہ نقوش　　دامنِ معصومیت کے ناز پروردہ نقوش
بستیاں شوقِ نظر کی آرزوؤں کے چمن　　بیخودیٔ دل کے افسانے محبت کے عدن
زہد کے پیغامبر حق و صداقت کے سفیر　　شہرتِ عالم کے نعرے کامرانی کے سریر
زرکستانوں کا تحفہ زعفرانوں کے پلاٹ　　کشتیاں بحرِ ازل کی قلزمِ ہستی کے گھاٹ
نکہتیں شاداب غنچوں کی گلوں کے قہقہے　　بارشِ سیماب کی دھاریں نظر کے شبدے
آنکھ کے پردے کتابِ دل کے اوراقِ جمیل　　زیست کے ضامن نشاطِ غیر فانی کے کفیل
جھیل کے آبِ سکوت آمیز میں تاروں کے عکس　　آبشاروں میں زمرد فام سیاروں کے عکس
سازِ ہستی میں رچی بادۂ انگور کی　　سبزہ زاروں کی جبینوں پہ شعاعیں نور کی
خوابہائے نازِ سے معمور وادی کے نگیں　　خاتم کونین کے معمورِ بینا و رسیمیں نگیں
طائرانِ قدس کے اعجاز پرور زمزمے　　عالمِ روحانیت کے ناز پرور زمزمے
بادہ انجم کے تکلم آفریں راز و نیاز　　ساکنانِ عرش کی خلوت میں محو عز و ناز
ذہن شاعر میں تخیل کے اشاراتِ لطیف　　بر بساطِ تقدیس کے ترکیف نغماتِ لطیف
نرم رو جھونکوں کے گھوارے صبا کی سیج کے　　شہد کی بوندیں گلوں کی اشک قطرے اوس کے
چاندنی کی کرنیں ستاروں کی گرم جوشی کے خواب　　سرمئی پندار کی لہریں حسیں لوری کے خواب
میٹھی میٹھی بربط جبریل کی دھیمی سریں　　نیم وا غنچوں کے عہدِ نشہ کلیوں کی مکیں
وجد کے مینا زکیفستانِ شعری کے ظروف　　الفِ غیبی کے فرمائے ہوئے زریں حروف
لرزشیں تاروں کی نبضیں صبح کی تمتمانا　　بادۂ عرفاں کے معنی کیفیاتِ روح
نقرئی کرنوں کے سطحِ آب پہ نقش و نگار　　زعفرستانِ چمن کے دامنِ رنگیں کے تار
حسن کی خوابِ خمار آلود میں انگڑائیاں　　شبنمستانوں کی جگمگ جرخ کی تنہائیاں
نازنینانِ صبا رفتار کے نقشِ خرام　　مے کشوں کے بادۂ گلرنگ سے لبریز جام
گلرخوں کے مست جھومر شوخی کی کلغیاں　　منزلِ مہتاب کی راہیں فلک کی پیڑھیاں
مہ جبینوں کی قبائے زر فشاں کی جھالریں　　بیکرِ معصوم حوروں کی بدن کی چادریں
سرمئی بادل شہود آرائے بزمِ آب و گل　　خوش نظر بھونرے ارم کی تتلیاں باغوں کے پھول
چشمۂ تقدیر کے رقص آفریں نغمۂ ازل　　حسن و الفت کی نشاط انگیز لمحاتِ وصال
محشرِ کونین کے مرکز الوہیت کے راز　　بادہ خواروں کی نشہ میں ڈوبی ہوئی خلوت کے راز
قدسیوں کی پاک تسبیحیں فرشتوں کے سجود　　زیرِ لب سجدہ گزارانِ مساجد کے درود
جنبشیں سازِ جنوں کی زمزمیں تخئیل کی　　شبنم آلودہ فضاؤں میں نوائیں نیل کی
آتش ابرِ ہر میں روح و بدن کے آئینے　　خلق کی تصویر خلاقِ ازل کے آئینے
الغرض کونین کی محفل کی زینت ہیں یہ　　حوضِ کوثر ہیں یہ تسنیم و جنت ہیں تو یہ

مضطر معلوم ہوتا ہے کہ مظاہر کائنات کو شعری نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

نذیر بشیر کوٹی چھوٹی بحروں میں خوب نظم کہتے ہیں طبیعت میں جودت اور تخیل میں پختگی ہے۔ بابا نذیر کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔

بادل

از۔ نذیر بشیر کوٹی

وسعتِ کائنات کی راحت ‌ ‌ جلوہ گاہِ حیات کی شوکت
سرد پیغام شادمانی کا ‌ ‌ گرم عنوانِ نوجوانی کا
آتشِ دہر کے لئے تسکیں ‌ ‌ بادۂ خوشگوار اور رنگیں
اک حسیں پردۂ رخِ خورشید ‌ ‌ منظرِ تازگی و عشرتِ عید
کہیں زلفِ سیاہ سے ہمرنگ ‌ ‌ کہیں عشرت فزائے بادہ و چنگ
تپش اندوزیٔ جہاں کا سکوں ‌ ‌ قلبِ گیتی کی راحتِ افزوں
اک ادائے شبابِ گلشن ہے ‌ ‌ گلِ فردوس کا ایک معدن ہے
ہے کسانوں کی روح کا گوہر ‌ ‌ خشک کھیتوں میں ایک بارِ تر
دلِ افسردہ کو پیامِ خروش ‌ ‌ سینیوں کے لئے میکدہ بدوش

ابھی ہو جائے ہر طرف جل تھل
جھوم کر گر برس پڑے بادل

مرزا بشارت علی خاں ارمان آفریدی اکبرآبادی کے یہاں زبان کی گھلاوٹ اور نزاکت پائی جاتی ہے۔ الفاظ کا شکوہ بعض اوقات [illegible] زبان کا صحیح لطف پیدا نہیں ہونے دیتا مگر ارمان کی نظموں میں یہ لطف آتا ہے۔ ذیل کی نظم میرے اس دعوے کا ثبوت ہے:

زبان اردو

از۔ ارمان آفریدی اکبرآبادی

مسلّم ہے شہنشاہی تری ساری زبانوں پر ‌ ‌ تری تحریریں ہیں دنیا کی زبانوں کی خزانے
حکومت تو فقط ہی میں کی دیگر زبانوں پر ‌ ‌ تسلط ہے ہمیشہ سے ترا شاہی گھرانوں پر
گدا و شاہ سب پر اقتدارِ عام ہے تیرا
ثبوت اتنا ہی کافی ہے کہ "اردو" نام ہے تیرا

خدا کو تجھ سے سرمایہ ہندوستاں ہے تو ‌ ‌ بہشتِ گوش ہے تو جنتِ دہن و زباں تو
سراسر دلنشیں گل دلربا ہے داستاں ہے تو ‌ ‌ فصاحت کی زمیں پہ بلکہ اک آسماں ہے تو
دہن لب جانتا ہے لفظ جب تیرے نکلتے ہیں
لبِ لعلیں دمِ تقریر موتی سے اگلتے ہیں

پسندِ خاطرِ دنیا ہے مقبولِ جہاں ہے تو ‌ ‌ زمانہ کہہ رہا ہے خوش زبانی کی زباں ہے تو
مجازی شوکتِ تہذیب کی تشاں ہے تو ‌ ‌ عروجِ ہند کی گویا مکمل داستاں ہے تو
دوئی کے جام یکرنگی میں وحدت کا نشہ تو ہے
جہاں کے میکدے میں بادۂ دو آتشہ تو ہے

نمایاں تجھ میں شانِ اتحادِ ہندو مسلم ‌ ‌ ہے تو روحِ روانِ اتحادِ ہند و مسلم
تو اردو ہے جانِ اتحادِ ہند و مسلم ‌ ‌ بنی ہے پاسبانِ اتحادِ ہند و مسلم
تو وہ ساحل ہے جس پر غنچۂ امید کھلتے ہیں
جہاں بحرِ عرب اور بحرِ ہند آپس میں ملتے ہیں

ترے دم سے دکھا دی ہے محبت کو توانائی ‌ ‌ ترے ترنم سے ترنّم تن میں روحِ جاں ڈالی
تری آغوش میں شائستگی نے پرورش پائی ‌ ‌ ادا و ناز نے تری تہذیب سے سیکھی ہے رعنائی
بہاروں نے تری پالا ہے علم و فن کے گلشن کو
ترے نغموں نے دی ہے زندگی طفلِ تمدن کو

علومِ دہر کا مرکز فنونِ عصر کا مخزن ‌ ‌ تمدن کا خزانہ گوہرِ تہذیب کا معدن
تری [illegible] کتب خانے کا مسکن ‌ ‌ بجا ہے گر کہیں شائستگی کا مرجع و مامن
جو گوہر اس صدف کے درج سے خارج ہیں بیجوہر
جو سکہ اس خزانے میں نہیں ٹکسال باہر ہے

یہ خط و خال تیرا یہ صورت دلربا تیری ‌ ‌ بہ بید [illegible] ابتدا تیری
نظر پرور دل آرا ہو نظر اک ادا تیری ‌ ‌ سراسر حسنِ زلف حور سطر خوشنما تیری
شعاعوں سے سوا ہر سطر کی تنویر روشن ہے
تری تقریر روشن ہے تری تحریر روشن ہے

ضیا فتح آبادی ایم۔ اے کی نظمیں طویل غور و فکر کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں جن میں گہرائی اور زبان سلیس ہے۔ "اضطراب" کو پڑھئے اور بے چین ہو جائیے

اضطراب

(ربائیٹ)

از ضیا فتح آبادی

ستارے آسماں پر مضطرب ہیں خاک پر ذرے
نہ ان کو چین حاصل ہے نہ ان کو چین حاصل ہے
نفس لرزاں ہوا ہے گل سکوں ناآشنا پتے
پریشاں موج ہائے بحر ہیں بے تاب ساحل ہے

گل و لالہ ہیں سینہ چاک بے چینی کا ماتم ہے
فضا میں تھرتھراتی ہیں نوائیں عندلیبوں کی
اسیرِ اضطراب و درد و غم کل بزمِ عالم ہے
تمناؤں سے ٹکراتی ہیں آہیں ناشکیبوں کی

مجھے بھی فطرتِ سیماب نے بخشی ہے اک دولت
مرا دل بھی کسی کی یاد میں بے تاب رہتا ہے
حقیقت میں یہی بے چینیاں ہیں باعثِ راحت
اسی تسکیں کی موجوں میں مرا ہر شعر بہتا ہے
شباب و اضطراب و عشق سے تخلیقِ ہستی ہے
اسی تثلیث پر قائم نظامِ کیف و مستی ہے

ضیا اگر نظم پر زیادہ وقت صرف کریں تو بسنت نرائن چکبست کی یاد تازہ ہو سکتی ہے۔

جمال صابری کی نظمیں رنگین اور ترنم خیز ہوتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ جمال محسوس فرمانے کے بعد نظم کہتے ہیں۔ "آمدِ بہار" کو غور سے پڑھئے

آمدِ بہار

از جمال صابری

(۱)

آتے ہی بن گئی ہے کسی حسیں کا خیال دنیا
حجابِ مستی کے اٹھ رہے ہیں لٹا رہی ہے جمال دنیا
ہے گلستاں میں گلابِ دنیا ——— فلک پہ ہے ماہتابِ دنیا
——— کہیں ہے آنکھوں میں کیف مستی ——— کہیں ہے حسن نقابِ دنیا ———
——— کہیں تبسم کہیں ترنم ——— کہیں ہے برقِ حجابِ دنیا ———
——— کہیں مراحی کہیں ہے ساغر ——— کہیں ہے مستِ شبابِ دنیا ———
——— کہیں ہے نغمہ کہیں ترانہ ——— کہیں ہے کیفِ ربابِ دنیا ———
جمیل و رنگین خلوتوں میں ہے جاذبِ رنگِ حال دنیا
وہ آتے ہی بن گئی ہے کسی حسیں کا خیال دنیا
حجابِ مستی کے اٹھ رہے ہیں لٹا رہی ہے جمال دنیا

(۲)

کبھی چمکتی ہے بادلوں میں کبھی ہے نورِ ہلال دنیا
خدا بچائے نگاہِ بد سے یہ کر رہی ہے کمال دنیا
بنی ہے اک گلعذار دنیا ——— ہوا ہے پھر خود نثار دنیا
ہے مست خود اپنی کیفیتوں پر ——— گلوں کو کرتی ہے پیار دنیا
شرابِ عشرت بہار ہی ہے ——— ہے ساقیِ نو بہار دنیا
فضاؤں میں اضطراب سا ہے ——— کہ خود بھی ہے بیقرار دنیا
مئے محبت سے جھومتی ہے ——— ہے سیر پھولوں کا ہار دنیا
رباب و نغمہ کی محفلوں میں ہے لذتِ حال و قال دنیا
کبھی چمکتی ہے بادلوں میں کبھی ہے نورِ ہلال دنیا
خدا بچائے نگاہِ بد سے یہ کر رہی ہے کمال دنیا

www.taemeernews.com

اعجاز صدیقی اکبرآبادی اتنے کمسن ہیں کہ غالباً مسیں بھی پوری طرح نہیں بھیگیں۔ مگر "الولد سر لابیہ" کی ضرب المثل آپ پر صادق آتی ہے۔ اعجاز کی تخیل اس ناشگفتہ غنچہ کی مانند ہے جو نسیم سحری کی گدگدی کی منتظر ہوتی ہے۔ اعجاز کی طبیعت نئے طرز کی نظموں کی طرف مائل ہے "صبح بہار" کو پڑھ کر لطف اندوز ہوجیے۔

صبح بہار

اعجاز صدیقی اکبرآبادی

رنگ و نوا در نظر و لالہ و گل در کنار ——— ہائے یہ صبح بہار
ایک ہی عالم ہے یہاں باغ سے تا کوہسار ——— ہائے یہ صبح بہار

(۱)

رنگ میں ڈوبی ہوئی جاتی ہے جدھر بھی نگاہ
پھول ہیں یا ہے گیاہ
خاک کے ذروں سے ہے تاروں کی ضیا آشکار ——— ہائے یہ صبح بہار

(۲)

کیف سے لبریز ہے سارے چمنستاں کی گود
و چنگ و سرود
مست صبا رقص میں ہے گل نگوں غنچہ بار ——— ہائے یہ صبح بہار

(۳)

مست ہے بو نمرا تو کہیں وجد میں ہے عندلیب
صحن چمن خوش نصیب
کھیل میں مصروف کہیں تیتریوں کی قطار ——— ہائے یہ صبح بہار

(۴)

حسن جواں زرفشاں دستۂ گل ہائے تر
پُر اثر دیدۂ شر
بار ور و بار چکاں یہ شجر سایہ دار ——— ہائے یہ صبح بہار

(۵)

کوثر مطلق ہے نگاہوں میں ندی ہو کہ جھیل
چشمہ ہے یا سلسبیل
خلد سمجھتی ہے چمن کو نظر اعتبار ——— ہائے یہ صبح بہار

(۶)

ساری فضا نشۂ نوخیز سے بہکی ہوئی
رنگ سے دہکی ہوئی
عطر سے مہکی ہوئی نکہت ہر اک شاخسار ——— ہائے یہ صبح بہار

(۷)

آکہ یہاں ابر بھی ہے نکہت مستانہ بھی
پھول بھی پیمانہ بھی
آکے بھرے باغ میں ہے صرف ترا انتظار ——— ہائے یہ صبح بہار

(۸)

پھر یہ چمن اور یہ ہنگام صبوحی کہاں
لوٹ لے کچھ مستیاں
شام خزاں تک تو ہے بادۂ نو کا خمار ——— ہائے یہ صبح بہار

تبسم نظامی بھی غالباً آگرہ اسکول کے متعلق ہیں۔ افسوس ہے کہ ان کی کوئی نظم میرے سامنے نہیں ہے۔

آگرہ اسکول کے ماہنامہ شاعر نے "مناظر" قائم کرکے نظم کی صنف کو مقبول اور ہر دلعزیز بنایا ہے۔ "شاعر" آگرہ اسکول کا آرگن ہے۔ اور شعر و سخن کی خدمت نئے اسلوب اور جدید روش کے تحت کر رہا ہے۔

دوسرا رخ | تنقید کے دو پہلو ہیں، محاسن پیش کرنا اور معایب

www.taemeernews.com

پرسنجی کے ساتھ اظہار خیال کرنا۔ میں نے تنقید کے ایک پہلو کو پیش کیا، دوسرا رُخ نہایت ہی اختصار کے ساتھ یہاں پیش کرتا ہوں۔

آگرہ اسکول کے شعراء قدوسیوں کی جماعت اور فرشتوں کا گروہ نہیں ہے، کہ لغزشیں نہ ہوں، انسان کی فطرت میں لغزشوں اور خطاؤں کے لئے لچک رکھی گئی ہے۔ جب تک انسان ٹھوکر نہیں کھاتا جادۂ منزل کے اسرار اس پر منکشف نہیں ہوتے۔ جس طرح تاریکی کے بعد روشنی کی قدر ہوتی ہے، اسی طرح لغزش کے بعد سنبھلنے میں لطف آتا ہے۔ قدرت کا یہ نہایت ہی دلچسپ بھید ہے، اس سے زیادہ شرح کرنا نہیں چاہتا، کیونکہ جبر و اختیار کی پرخار وادی اس نقطے سے کچھ زیادہ دور نہیں۔

(۱) آگرہ اسکول کے شعراء نئی ترکیبوں کی ایجاد میں بہت زیادہ آزاد اور بیباک ہیں۔ میں ترکیبوں کی ایجاد سے اختلاف کر کے زبان کی ترقی کا گلا گھونٹنا نہیں چاہتا، ہر شاعر کو ترکیبوں اور جدید تشبیہوں کے ایجاد کا حق ہے۔ مگر اس کی کچھ حدود ہونی چاہئیں۔ شاعر کو کسی جدید ترکیب استعمال کرتے وقت الفاظ کو اچھی طرح پرکھ کر اپنے وجدان سے اس مسئلہ پر فتویٰ طلب کرنا چاہئے کہ آیا زبان اس ترکیب کے بار کو سنبھال سکے گی؟ اور اہل زبان میں یہ ترکیب رواج پا سکے گی؟ خوشنما الفاظ اگر مہمل ہوں تو وہ کس کام کے! آگرہ اسکول کی نظموں نے کوئی شک نہیں بعض حسین ترکیبوں کا اردو زبان میں اضافہ کیا ہے۔ لیکن بہت سی ترکیبیں محلِ بحث و نظر اور بعض قابلِ اصلاح بھی ہیں۔

اس بحث کو یہیں ختم کرنے کا ارادہ تھا، لیکن جی چاہتا ہے کہ بعض ترکیب پر کچھ بحث کی جائے تاکہ نفس مسئلہ نگاہوں کے سامنے آسکے۔ بہرحال میں بہت زیادہ محتاط ہوں، لیکن کہیں کہیں اس جدت کا مرتکب ہو جاتا ہوں، میری غزل کا ایک شعر ہے

ہے جذبۂ کامل کے دم تک نظارے کی یہ فردوس گری
اے قیس! بگولا صحرا کا محمل بھی ہے اور محمل بھی نہیں

فردوس گری ایک جدید ترکیب ہے، جذبۂ خودستائی اور احساسِ پندار سے دور رہ کر عرض کرتا ہوں کہ اس ترکیب کو زبان قبول کر سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص ضرورتِ شعری کے لئے "خلد گری" یا "جنت گری" استعمال کرے تو مطلب ادا ہو جائے گا، مگر ان ترکیبوں کو زبان کبھی قبول نہ کرے گی۔ اور وجدان ہمیشہ خلش محسوس کرے گا۔ موجد ترکیب کی نظر الفاظ کی روح پر ہونی چاہئے۔ خوبصورت اور رنگین الفاظ کے جوڑ دینے سے ترکیب نہیں بنتی۔[1]

(۲) آگرہ اسکول کے شعراء معنویت سے زیادہ الفاظ کے شائق ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض جگہ الفاظ کا طوفان تو امنڈ کر رہ جاتا ہے، مگر معنویت کی سطح کو حرکت بھی نہیں ہوتی[2]

(۳) آگرہ اسکول کی نظموں میں ایک ہی خیال کو بار بار دہرایا جاتا ہے؟ اور بعض وقت مختلف موضوعات کی نظموں میں تشبیہات و ترکیبات کی تکرار بھی پائی جاتی ہے[3]

یقین ہے کہ آگرہ اسکول کے شعراء جن کے احترام سے میرے قلب کا ہر گوشہ لبریز ہے، اس تنقید پر مجھے معاف فرمائیں گے۔ لغزشوں سے وقار کو صدمہ نہیں پہنچتا۔ سرو ترشنے کے بعد ہی زیادہ شاداب ہوتا ہے۔ مضمون طویل ہو گیا، مگر میں کر دل:—

"لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم"

---

[1] آگرہ اسکول کی یہ خصوصیت ایک سے زیادہ مرتبہ معرضِ بحث میں آ چکی ہے۔ اور اس موضوع پر مخالف و موافق آرا تنقید کا حق ایک حد تک ادا کر چکی ہیں اور اس سے یہ اعتراض قابلِ اعتنا نہیں۔ "شاعر" کا "آگرہ نمبر" اس سلسلہ میں ملاحظہ کیا جائے۔

[2] شاید ناظرین نظموں کا خود مطالعہ فرمانے کے بعد اس کی تائید نہ کر سکیں گے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ بغیر الفاظ کے کسی چیز میں معنی اور معنویت کیونکر پیدا کئے جا سکتے ہیں؟

[3] آگرہ اسکول نے ادب اردو میں جن موضوعات کا اضافہ کیا ہے وہ بجائے خود اتنے اہم ہیں کہ کسی خیال کو بار بار دہرانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ آگرہ اسکول نے صرف زبان کو وسعت دی ہے بلکہ خیالات کی دنیا کو بھی وسیع کیا ہے۔ بہرحال نظموں کے مطالعے ہی سے ظاہر ہو سکتا ہے۔

آگرہ اسکول اور تصوّف

از ——— حضرت صبا رشیدی ایم۔ اے۔ بی۔ ایل

سرزمین تاج مدتوں سے علم و ادب کا سرچشمہ رہی ہے۔ آثار الصنادید جہاں نینوا اور بابل کے کھوئے ہوئے نغموں سے گونج رہے ہیں ہاں اکبر آباد کے قدسی ترانے فضائے شعر و سخن میں ہمیشہ ابدی ارتعاش پیدا کرتے رہیں گے۔

اردو شاعری کی بنیاد اگر مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ قدس سرہٗ یا حضرت خواجہ امیر خسرو قدس سرہٗ کے ہاتھوں رکھی گئی۔ اگر اس کا پودا قطب شاہیوں کے چمن زاروں میں اُگا اگر اُسکی کونپل ولی دکنی کے ہاتھوں پھوٹی اگر حاتم آبرو ناجی مضمون سودا نے اُسکی کونپلوں کو کلی اور کلی کو پھول بنا دیا۔ تو میر اور غالب کے رنگین ہاتھوں نے ہر پھول کو ابدی بہار یعنی چمن بنا کر دکھا دیا۔

پانچ ندی کے کنارے پرورش پانے والی نے اردو جیسا لال تو پیدا کیا لیکن اس بچے نے شروع ہی سے شیرازی ماں کا دودھ پیا۔ دکن بادی لوریوں سے بہلا، شیا پوری گہواروں میں سویا۔ جہاں ترک بچوں کے سبزۂ خط کی جگہ برہمن بچوں کے زنار و رشتہ نے لی۔ جہاں کرشن گوپیوں کی پریم کتھا وادیٔ نجد کی حدی خوانیوں اور باغ ارم کے نغموں میں کھوئی وہاں وادیٔ ہمالہ کے لوگ دھیان کی موجیں خلیج فارس کی تصوف آمیز لہروں میں سو گئیں۔

تصوف کی ابتدا اگرچہ طلوع اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی اگرچہ سرمدی دامن کا ساتھ رہا۔ لیکن تصوف کا نیر تاباں اگر فاران سے طلوع ہوا۔ تو فارس کے خط استوا پر خورشید درخشاں بن کر چمکا۔ جس کی کرنوں سے ہمالہ کی چوٹیاں بھی جگمگا اٹھیں۔

اردو نے اگر ایک طرف بزم جم کی شان دکھائی۔ اگر ایک طرف اسکی محفلوں میں کرشن اور رکمنی نے قیس عامری اور لیلائے نجد کے سوانگ کھائے تو دوسری طرف اپنے لوگ ودیا کے مندروں میں حضرات غوث اعظم سعدی و حافظ کی جلائی ہوئی روحانی شمعیں لاکر رکھ دیں۔

آپ تاریخ اردو کا مطالعہ کیجئے۔ ابتدا ہی سے اردو نے تصوف کا دیپک راگ الاپا۔ حضرت امیر خسرو کا زمانہ یاد کیجئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ طفل اردو نے زندگی کی پہلی سانس لی تھی۔ اس دور میں اس نوخیز بچے نے کیسے کیسے روحانی نغمے سنائے۔ قطب شاہ المتخلص بہ ظل اسد جس کا زمانہ ولی دکنی سے پہلے گذرا ہے کہتا ہے ؎

جہاں ہے سیما کا نقش اوس تھے
کہے ہیں عارفاں سب اس کو تمثال

خواجہ محمود بحری کو نہ بھول جائیے۔ آپکی مثنوی من لگن اُس دور کی یادگار ہے۔ خواجہ صاحب نے ساری مثنوی صوفیانہ رنگ میں لکھی۔

اب وہ زمانہ یاد کیجئے۔ جب اردو شاعری صاف ستھری ہوکر بزم سخن میں جلوہ گر ہوئی۔ خواجہ میر درد صوفیانہ خیالات کے لئے بہت نمایاں اور ممتاز شخصیت کے مالک ہیں۔ اسی دور کے تمام شعرا۔ مثلاً میر۔ سودا۔ میر حسن۔ راسخ اعظیم آبادی کے کلام میں تصوف کی چاشنی ہو لیکن جو کچھ میں نے عرض کیا وہ محض تمہیدی گفتگو تھی۔ ہمکو صحبت میں آپ کو سرزمین تاج کی وہ کہانی سنانا ہے جسکے ہیرو میر تقی میر، نظیر اور غالب تھے جنھوں نے تصوف کے عرفانی اکتساب سے

آج بھی خطۂ اکبرآباد کی مردم خیزی ذوبتاب جیالال جا جس نے میرتیرؔ و غالبؔ کے کھوئے ہوئے نغموں کو یکجا کرنے کی کوشش کی بلکہ نئی دھن نئے سُر میں نئے نئے راگ الاپے۔

پہلے تیرؔ ہی سے شروع کیجئے۔ دیکھئے اس دل جلے فطری شاعر اور خدائے سخن کے دل میں جہاں محبتِ مجاز کے سینکڑوں جہنم فروزاں شکدے دہک رہے ہیں۔ وہاں اسکی روح کی گہرائیوں میں سینکڑوں ایمن زار بھی آباد ہیں۔

وحدت الوجود یا ہمہ اوست (Pantheism) کو تیرؔ نے کس اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائے ؎

چاہے جس شکل سے تمثال صفت اس میں درآ　　عالم آئینہ کے مانند ہے یار ہی ایک

وجہ بیگانگی نہیں معلوم　　تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں

ذاتِ خداوندی کی تعین میں صرف عبارت کا فرق ہے۔ اس نظریہ کو تیرؔ نے ذیل کے شعر میں بیان فرمایا ہے ؎

تحقیق کروں کس سے حقیقت کو نشہ کر　　خضرؔ آئے کہتا ہے آتش کو موسیٰ

تیرؔ نے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی عجب اچھوتے انداز میں تفسیر بیان کی ہے ؎

پہونچا جو آپ کو تو میں پہونچا خدا کے تئیں　　معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

خدا کے لئے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ کس طرح تیرؔ نے خودی کو عرفانِ کامل ثابت کیا ہے۔

بیخودی کا ضرالا پنے والے حضرات آئیں اور یہ نعرہ ہوشیار سنیں۔ "آپ تک پہونچا" اگر بیخودی ہے تو شاید تخلیق کائنات بھی بیخودی کا نتیجہ ہے۔

اسی فلسفۂ حقیقت کی ترجمانی نظیرؔ اکبرآبادی نے نہایت سنجیدگی سے ذیل کی نظم میں کی ہے ؎

آئینہ کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ　　مت میں اپنی قدرتِ پروردگار دیکھ

خالِ سیاہ اور خطِ مشکبار دیکھ　　زلفِ دراز و طرۂ عنبر نثار دیکھ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

آئینہ کیا ہے؟ جان ترا پاک صاف دل　　اور خال کیا ہیں تیری سویدائی شکل
زلفِ دراز فہم رسا سے رہی ہے مل　　لاکھوں طرح کے پھول رہے ہیں تجھی میں کھل
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

خشک تمام و مشک ختن بھی تجھی میں ہے　　یاقوت سرخ و لعل یمن بھی تجھی میں ہے
نسرین و سوسن و سمن بھی تجھی میں ہے　　القصہ کیا کہوں میں چمن بھی تجھی میں ہے
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

سورج مکھی کے گل کی اگر دل میں تاب ہے　　اپنے منہ کو دیکھ کہ خود آفتاب ہے
گل اور گلاب کا بھی تجھی میں حساب ہے　　رتبہ گل ہے پسینہ گلاب ہے
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

باغ و چمن کے غنچہ و گل میں نہ ہو اسیر　　قمری کی سن صفیر نہ بلبل کی سن صفیر
اپنے تئیں تو دیکھ کہ کیا ہے اری حقیر　　ہے من عرف من عرف کی یہی معنی اے نظیرؔ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

آگے بڑھئے۔ دیکھو غالبؔ کے قدسی ترانے سنئے دیکھئے میکدۂ شاعری کے اس بادہ پرست نے کس طرح حقیقت کی شرابِ رنگیں برسائی ہے۔ غالبؔ نے مقامِ حیرت کی کیفیات کو ذیل کے شعر میں بیان کیا ہے ؎

تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے　　تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں

یہ شعر لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔

www.taemeernews.com

کی تفسیر منجز ہے۔

سلوک کے خارزاروں سے گزرنے والے اپنے سارے خواہشات جذبات کو مغلوب کر لیتے ہیں۔ انفرادیت کے سارے جذبے فنا ہو جاتے ہیں اُن کی تمامی عبادتیں عذاب و ثواب سے بے نیاز ہوتی ہیں۔ راہِ سلوک میں اس منزل کا نام مقام تسلیم و رضا ہے ——— یہی وہ مقام ہے جسکی طرف آیۃ اِنّ اولیاءَ اللہ لا خوفٌ علیہم ولا ہم یحزنون ط اشارہ کرتی ہے۔

اس حقیقت کی ترجمانی غالب نے کس طرح کی ہے ——— سنئے اور وجد کیجئے ؂

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لیکر بہشت کو

سلوک کی راہ میں ایک ایسا مقام بھی ملتا ہے جس کے ہر ذرے میں برقلمونی کا ایک حسین طلسم خانہ آباد ہے۔ جسکی نیرنگیاں کائنات ہوش و حواس کو مسحور کر دیتی ہیں۔ حریم حسن کے پردے اُٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن آنکھیں جلووں کو جذب نہیں کر سکتیں۔ نغمے فضا میں تڑپتے ہیں، کان سنتے ہیں۔ لیکن کچھ نہیں سمجھتے ——— یہ وہ کیفی حالتیں ہیں جن کا نام بیخودی یا تصوف کی اصطلاح میں "صحو" ہے۔ اسی مقام کو بعض حضرات سلوک کی آخری منزل کہتے ہیں۔ یہ مقام حیرت ہے۔ غالب نے مقام حیرت یا صحو یا بیخودی کی کیفیات کو اس شعر میں بیان کیا ہے ؂

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھکو کہ جہاں
جادہ غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہیں

یہاں تک تو جو کچھ میں نے عرض کیا وہ آگرہ اسکول کے عہدِ قدیم کی داستان تھی۔ بطور نمونہ چند اشعار آپ کے سامنے پیش کئے۔ پھر اگر تیسرے گروپ کے دواوین کا تجزیہ کیا جائے تو علوم تصوف کے کتنے خزانے نظر آئیں گے۔ آئیے ان کی صحبت میں چند گھونٹ ہی پر اکتفا کیجئے۔ اور خمکدۂ تاج کی نئی نئی شراب کے چند جرعے چکھئے۔

قدیم میکدے تو [illegible] بے روح بن کر رہ گئے۔ لیکن خدا قائم رکھے مولانا سیماب کو جنھوں نے اُجڑے ہوئے میکدوں کی خاک سے نیا میکدہ بنا لیا ——— آئیے اب ذرا اس میکدہ کی مے خانہ ساز کے چند جرعے لیجئے۔

مولانا سیماب آگرہ اسکول کی صحیح نمائندگی کر رہے ہیں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو سرزمینِ تاج کی فضائے شعر و سخن ہمیشہ کیلئے تاریک ہو جاتی غالب کے بعد کوئی نہ تھا۔ جو بکھرے ہوئے نغموں کو یکجا کرتا۔ وہی حال آگرہ اسکول کا ہوتا۔ جو آج بہار اسکول کا ہے۔ یہاں بھی بڑے بڑے خمخانے بنائے گئے۔ نئی نئی شرابیں بنائی گئیں۔ لیکن سرزمینِ سخن کا آخری تاجدار شاد اپنے ساتھ تمام رنگینیاں بھی لے کر چلا گیا۔ اب اگر نظر اٹھایئے تو میکدے ویراں، جام و صراحی ٹوٹی ہوئی۔ نہ مغنی نہ ساقی ——— کوئی نام لیوا تک نہیں ——— شاد کے میکدے کی ایک یادگار سیماب کے ساتھ ختم ہو گئی۔

آئیے سیماب ہی سے شروع کیجئے۔ جہاں سیماب نے حسن و عشق کی کیفیات کو مجاز کی آنکھوں سے دیکھا وہاں روح کے نغمہ زاروں میں حقیقت کے نغمے بھی سنئے۔ وحدت الوجود کی حقیقتوں کو کس طرح اشعار میں بے نقاب کیا ہے۔

عروسِ فطرت مری نگاہوں میں چھا رہا ہے شباب تیرا
لطیف پردوں سے چھن رہا ہے جمال زیرِ نقاب تیرا
زوال و آمد و رفت سے بے نیاز و احتیاج ہی تو
حدوث کی خفتہ کاریوں میں بجا ہی تعبیرِ خواب تیرا

آگے بڑھکر مولانا ارشاد فرماتے ہیں ؂

غم عذاب و ثواب کیسا یہ دونوں تیری ہی نعمتیں ہیں
نہ اختیاری کرم ہے تیرا نہ اختیاری عذاب تیرا

اس شعر میں مولانا نے نصِ قرآنی وتعزّ من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیءٍ قدیر کی حقیقت پر

روشنی ڈالی ہے۔ سلوک کی راہ نہایت خطرناک اور اپنے دامن میں سینکڑوں سراب زار لئے ہوئے ہے۔ اس راہ میں کبھی کبھی انسان کو اپنے علوئے مرتبت کا دھوکا ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں غرور عجب کی چنگاریاں بھڑک اٹھتی ہیں اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ چونکہ اسنے آتنی عبادتیں اور ریاضتیں کی ہیں اس لئے یہ مدارج ملے لیکن قدرت غرور و خود بینی پسند نہیں کرتی اور ایسوں کو ایسی سزا دیتی ہے کہ وہ خسر الدنیا و الآخرۃ کے مصداق بنجاتے ہیں۔ بلعم باعور کی عبرتناک تاریخ آج بھی انسانی دل و دماغ سے محو نہیں ہوئی۔ اس شعر میں مولانا نے بتا دیا کہ عذاب و کرم قدرت کا فعل ہے۔ انسان کے اختیار کی بات نہیں کہ وہ مغضوب یا مغفور۔ قرآن مجید کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

ذیل کا شعر پڑھئے — معلوم کس وجدانی کیفیات اور بیخودی کی مستیوں میں مولانا نے فرمایا ہے ؎

رہنے دے محو بیخودی خاطر پُر خروش کو
راز کہیں نہ فاش ہو قیدِ تعینات کا

کنتُ کنزاً مخفیاً کی شراب روحانی پینے والے اس شعر کی حلاوت آگینیوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ حسن ازل عدم آباد کی رنگینیوں میں مستور تھا لیکن جب اُسے جلوہ نمائی منظور ہوئی تو تعینات کے پردوں سے جلوے چھن چھن کر نکلے اگر قید تعینات نہ ہوتی تو حسن ازل ہمیشہ کے لئے مستور رہتا۔ اسی حقیقت کیطرف مولانا سیماب نے اشارہ فرمایا ہے ایک جگہ مولانا فرماتے ہیں۔

سرگشتۂ جمال کی حیرانیاں نہ پوچھ ہر ذرے کے حجاب میں اک آئینہ ملا
کسی کو تو نہ ملا اور کھو دیا سب کو تری تلاش میں گمراہ اک زمانہ ملا

ان اشعار کو پڑھئے اور جھومئے۔ الفاظ کی رنگینیاں اور اسلوب نگارش کے محاسن نہ صرف احساسِ جمالی کو بیدار کرتے ہیں۔ بلکہ روح کے نورانی کالبد میں اک نئی روح پھونکتے ہیں — انسان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ مقام حیرت کی طلسم بندیوں میں اگر انسان منزلِ مقصود کو کھو دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اُس نے شاہد حقیقی کے جلوے دیکھے — لیکن یہ محض نفس کا دھوکا ہوتا ہے۔ انسانی نگاہ وادیٔ حیرت میں بھٹکتی ہے حریم حسن تک پہونچتی ہے لیکن حجاباتِ حسن نہیں اٹھا سکتی — یہاں کے ذرے آنکھیں نکالتے ہیں — ہر ذرہ آئینہ بن کر انسان کو محو حیرت بنا دیتا ہے — وہ خود ہی صورت دیکھتا ہے۔ لیکن سمجھتا ہے کہ اسکی نگاہیں کامیاب ہو گئیں۔ قرآن کا فیصلہ ہے۔ لا تدرکہ الابصار وهو یدرک الابصار وهو اللطیف الخبیر (انسان خدا کو نہیں دیکھ سکتا) مولانا نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہی مقام بیخودی ہے اور مجاذیب کی منزل ہے۔

انسان حصار وجود کی طلسم سامانیوں میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ وہ جلوۂ بو رنگ کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ لیکن جب تنگ دلی کے چمن زاروں سے نکل جاتا ہے تو اس کی نگاہوں میں ہر ذرہ حسن ازل کا آئینہ دار ہو جاتا ہے۔ جب وہ تعینات و تعینات کے حدود سے نکل جاتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے ؎

جسے نہ دیکھ سکیں میری ظاہری آنکھیں وہ جلوہ روح کی خلوت میں بے حجابانہ ملا
(سیماب)

نحن اقرب من حبل الورید کی روشنی میں یہ شعر پڑھئے — یہی مقام خودی یا عرفانِ کامل ہے۔ آگے بڑھئے اور حدیث قدسی قلوب المومنین عرش اللہ کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

رفتہ رفتہ ہو گئے جذب اس میں جلوے سینکڑوں
دل مرا سیماب اک آئینہ خانہ ہو گیا

یہاں تک جو کچھ میں نے عرض کیا وہ مولانا سیماب سے متعلق تھا

۱۔ آگے بڑھئے اور دیکھئے کہ ان کی ذات سے فضائے شعر و سخن میں کتنے ذرے تارے بن کر جگمگا اٹھے۔ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہو

کنت کنزاً کہہ کے آپ اپنی حقیقت کہہ گئے
میں نے پوچھا میری ہستی؟ بولے میرا راز ہے — ارمان اکبرآبادی

یہ شعر مولانا سیماب کے شعر کی بازگشت ہے۔

رہنے دے محو بیخودی خاطر پُرخروش کو
راز کہیں نہ فاش ہو قید تعینات کا !!

خود حجاب نور مطلق پردہ دار نور ہے
آنکھ میں رہتا ہے لیکن آنکھ سے مستور ہے — ارمان اکبرآبادی

یہ شعر بھی مولانا کے شعر کی بازگشت ہے۔

جسے نہ دیکھ سکیں میری ظاہری آنکھیں
وہ مجھ سے صبح کی خلوت میں غائبانہ ملا

وحدت الوجود کے متعلق چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

برق ایمن خود فریب جلوہ زار طور ہے
تو نے دیکھا ہو جسے وہ تو حجاب نور ہے — ارمان اکبرآبادی

تو دل کے ہر حجاب سے جلوہ نما ہوا
ہر ذرہ آفتاب کا اک آئینہ ہوا — اثر اکبرآبادی

کھل گیا میری حقیقت اور مری ہستی کا راز
یعنی میں جس نور کا پرتو ہوں تو وہ نور

تجھ کبھی نظر ہے نظر میں ہے تو کبھی — تبرا علی اجمیری

اے کوئے یار کیا ترے دیوار و در میں ہے
اے حسن کائنات یہ آنکھیں ترے نثار — تیرا مدی
تو ہے اگر نظر میں تو سب کچھ نظر میں ہے

جو رہ مقصود میں گم ہو گئے کام آ گئے
یہ انہیں کی ہمتیں تھیں یہ انہیں کا کام تھا
(تفسیر و من یقتل فی سبیل اللہ الخ)

جس میں سما نہ سکتا تھا اک قطرہ خون کا
وہ دل ہے آج حاصل صد راز دیکھئے — حسن یاد نقوی

پروانہ بھٹک جائے جواب بھی تو ستم ہے
جو شمع کلیسا ہے وہی شمع حرم ہے — (شفیق کوٹی)

وحدت الوجود

ہم کو نہیں مجاز و حقیقت میں امتیاز
ہیں دونوں عالم ایک ہمارے خیال میں — شفیق کوٹی

حسن کثرت میں کہاں گرم تماشا نہ ہوا
لاکھوں جلووں سے عیاں جلوۂ جانانہ ہوا — آذر بابوری

کیا کہوں جلوہ گہ حسن کا عالم آہ
دعوئے ہوش کیا جس نے وہ دیوانہ ہوا

کمال ہوش ہے خود پر ترا گماں ہونا
خودی کی داد مجھے دے سزائے دار نہ دے — رضا لبوی

آخر یہ راز الفت افشا ہوا کہاں سے
یا تیرے رازداں سے یا میرے رازداں سے — حیرت لدھیانوی

اے اعتبار منزل اتنا مجھے بتا دے
نزدیک آستاں ہوں یا دور آستاں سے — حیرت "

بت شکن لاکھوں ہیں لیکن آہ! وہ آذر کہاں
دل کے بتخانے میں جو نور خدا پیدا کرے — شفیق کوٹی

جس کے دل میں ہو براہ راست ذوق کوئے دوست
کیوں وہ راہ عشق میں ما و شما پیدا کرے — شفق صحرائی

انا کے پردے میں تھے آپ ہو گیا معلوم
مگر نہ شور انا الحق کا مدعا معلوم

پلا دے ساقی کوثر وہی شراب کہن
ہو جس کے کیف سے معدوم ماسوا معلوم

بات حق کی ہے گو ذراسی ہے
خود شناسی ہی حق شناسی ہے
(شفق صحرائی)

آمر کو نظر آئے گا ترا جلوہ مستور
آنکھوں سے بظاہر کو جو بیگانہ بنا دے
(مخمور جالندھری)

ذوق نظر ابھی ترا حسن آزما نہیں
جلوہ نما ہی ہے جو جلوہ نما نہیں
(مخمور جالندھری)

رہرو جہاں گرے تو وہی ہو مقام درست
لیکن یہ جانتے ہوئے گزرا روا نہیں
مخمور جالندھری

یہ ہو سکتا ہی نہ ہوں اورائے چشم نظارہ
یہ ممکن ہے حقیقت تک نہ پہنچی ہو نظر تیری
رضا قریشی

کوئی بسمل نہ کوئی قاتل ہے
کاروز احقیقت دل ہے
اے دل ناشناس راہ طلب
نقش منزل سراب منزل ہے
رضا قریشی

جب مجاز کے پردے اٹھ گئے محبت میں
رخ میں حقیقت کی روشنی سی پیدا تھی
تدبیر شیر کوٹی

معصیت زار کہن دنیا ہو انسان کیلئے
دو سرا عالم بنا دی چشم عرفاں کے لئے
چشم ظاہر سے ہو مستور نحن اقرب آشکار
بیخودی اک نیشتر لائے رگ جاں کے لئے
رضا کی زنگی

مذہ الزام تنگئی نظر گوشہ نشینوں کو
اٹھا دیں دل سے گر پردہ تو سیر دو جہاں کرلیں
آلم مظفر نگری

دیکھا تو پردہ دار تھا وہم و حجاب خود مرا
آج میں خود چلا گیا پردہ سرائے راز میں
آلم مظفر نگری

بیخودی رتبۂ عالی پہ پہنچ جاتی ہے
گر خودی چھوڑ دے انسان تو انسان رہے
آلم مظفر نگری

فلک نشیں ہیں ابھی آستاں نشینوں میں
نشان سجدوں کے موجود ہیں جبینوں میں
ضیا چنیوٹی

کفر کے عرفان سے ادراک ایماں چاہیئے
زاہدان واں ہوئے کامران حق ہیں
فی الحقیقت پیکر خاکی نہیں حق سے جدا
ہاں مگر نفس آشنا ادراک انساں چاہیئے
فدا کلیم کرنوی

محصور کرکے مجھکو عناصر کی قید میں
سو سو طرح حجاب سے وہ جلوہ گر ہوا!
قمر سہسرامی

آجا حریم دیر سے بام نگاہ تک
نازک سایہ حجاب بھی کیوں درمیاں رہے
نظر صدیقی

مذاق جلوہ آرائی سے تم تو بے تعین ہو
نگاہ شوق پہ قید کشت رنگ کب تک
آزاد صدیقی

نگاہ مقصود چشم شوق سے مستور ہے
اس قدر نزدیک ہو ذرہ بھی کہنا دور سے
راز چاندپوری

آپکے سامنے چند اشعار مختلف شعرائے آگرہ اسکول کو پیش کر دئے۔ چند اشعار پر مختصر سا نوٹ بھی دیدیا۔ اگر کل اشعار پر تبصرہ کر دیں تو غالباً مضمون بہت طویل ہو جائیگا۔ اسلئے چند اشعار پر اکتفا کیا۔ اب اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ خدا کرے آپ میری بکواس سے ناخوش نہ ہوں اور میری ہرزہ سرائی کو شرف قبولیت بخشیں —

www.taemeernews.com

ہندوستان کا پہلا قادر الکلام ادیب

از ——— محسنِ ادب بابو ہرگوبند دیال صاحب نشتر وکیل اوریٰ

پیشۂ وکالت کی مصروفیتیں کچھ سامانِ ذوق نہیں ہوتیں۔ گو یہ عدیم الفرصتی میرے لئے نہایت مبارک ہے۔ کیونکہ یہ چیز میرے اہلِ پیشہ حضرات کو خوش قسمتی ہی سے ملتی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ ادبی زندگی کے لئے یہ خشک اور ہمہ وقت کی مصروفیت ایک ضربِ کاری ہے جو شعریت اور مضمون آفرینی کو یکسر فنا کر دیتی ہے۔ جس وقت میں نے "شاعر" کے "آگرہ اسکول نمبر" کا اعلان دیکھا تھا اس وقت میرے دماغ میں کچھ لکھنے کا خیال پیدا ہوا اور میں چاہتا تھا کہ ایک بسیط مضمون آگرہ اسکول کے کسی موضوع پر لکھوں۔ لیکن اپنی مصروفیت کو دیکھتے ہوئے بسیط تو کیا دو صفحے کا مضمون لکھنا بھی مشکل تھا۔ موضوع کی تلاش میں بھی کچھ عرصے تک سرگرداں رہا آخر طے کیا کہ مولانا سیماب ہی پر ایک مضمون کیوں نہ لکھ دوں۔ جن کی زندگی کے بیشتر واقعات سے میں وقتاً فوقتاً دوچار ہوتا رہا ہوں۔ لیکن پھر خیال آیا کہ چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی۔ اسی ردوکد میں ایک مہینہ گزر گیا جب جنوری کے شاعر سے مجھے معلوم ہوا کہ آگرہ اسکول نمبر مارچ میں شائع ہوگا تو میں نے مصمم ارادے کے ساتھ ایڈیٹر صاحب "شاعر" کو لکھ دیا کہ میں بھی ایک مضمون عنقریب بھیج رہا ہوں۔

میں محترم مدیر شاعر کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے وہ ریویو روانہ فرمائے جو مختلف رسائل اور ادبی حضرات نے مولانا کے کلام پر کئے ہیں۔ میں نے یہ مضمون ان ہی ریویوز کو دیکھنے کے بعد اور کچھ اپنی معلومات کی بنا پر لکھا ہے۔ یہ میری بدبختی ہے کہ میں اتنے اہم کام پر دو دن سے زیادہ صرف نہیں کر سکا ہوں اور اسی لئے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا کہ میری مساعی کہاں تک کامیاب ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ میری یہ تحریر مولانا سیماب صاحب کے بلند درجے کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور شاید میرا مضمون "آگرہ اسکول نمبر" کو کوئی زینت نہ دے سکے۔

نشتر

صبح کا نور، شام کی تاریکی۔ ابنِ آدم کی جولانی، بلبل و بہار کی نمود۔ حسن کا ناز، انقلابِ زمانہ کی سینکڑوں ہزاروں زندہ مثالیں ہیں۔ ابتدائے دورِ عالم سے انتہائے دورِ عالم تک یعنی وہ زمانہ جس کی ابتدا لامعلوم ہے اور جس کو ازل کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور وہ زمانہ جس کی انتہا لامعلوم ہے۔ اور جسے ہم ایک لفظ ابد کے نام سے پکارتے ہیں۔ تازہ بتازہ نو بنو واقعات سے معمور ہے۔ معلوم ہوا کہ فطرت بھی انقلاب کا گھر ہے۔ بھگوت گیتا کی تعلیم دینے والا دیوتا۔ رامائن کے اشلوک وجود میں لانے والا اکمل انسان جب مختلف ادوار میں جلوہ نما ہوا تو انقلاب نے زندگی کی زندہ مثال پھر پیش کی اور حسنِ تقویم کے علمبرداروں نے کائنات کی تاریخ اپنے ہاتھ میں لی۔ فطرت کی وسعت نظری اور رہنمائی نے نئے سبق دینا شروع کئے

اور قد و قامت کے لحاظ سے مڈل کلاس سے نہ بڑھنے والے حضرتِ انسان کے سینے کو الم نشرح کے خلعتِ گراں بہا سے مزین کیا. جمادات و نباتات، حیوانات کے تابع ہوئے۔ حیوانات کے گروہ اول نے حیوانِ مطلق کی صورت اختیار کرکے نباتات اور جمادات کی طرح حیوانات کے رکنِ اعظم "انسان" کو اپنے کارنامے، اپنی خدمات اور اپنے معاملات سپرد کئے اور اس طرح سپرد کئے کہ کہیں گئو ماتا نے دودھ کی دھاریں پلائیں اور کہیں اسپ تیز رفتار نے ایک عرب کے دل میں "خلف الصدق" سے زیادہ جگہ حاصل کی۔ صحرا کی بسنے والی قوموں نے شترِ بے مہار کی ضرورت کو ضروریاتِ زندگی کا جزو لاینفک سمجھا۔ جزیرۂ لاپلینڈ کے ہرن نے تخلیقِ اعلیٰ کی خدمت میں اپنی کھال لباس کی صورت میں، سینگیاں ایندھن کی شکل میں، آنتیں چارپائی کے بان کے بجائے، اور ہڈیاں چارپائی اور چھت وغیرہ کے لئے پیش کیں۔ ہر نوع کائنات کی بہترین صناعی نے انسان کی صورت اختیار کرکے ایک ہنگامہ خیز زندگی شروع کر دی۔

وہ دن ہے اور آج کا دن، انسان ہی کی تاریخ کروٹیں لے رہی ہے۔ اور قیامت تک لیتی رہے گی۔ پہلا انسان آدم کے نام سے موسوم ہو کر ایشیا کے کسی حصے میں پہونچا۔ شریکِ زندگی نے مفارقت کا صدمہ کرتے ہوئے کہیں ایشیائے کوچک میں ہم آہنگی پیدا کی اور صبح و شام تناسل و توالد کا سلسلہ جاری ہونے لگا۔ آدمِ ثانی تک زندگی کہیں سے کہیں پہونچ گئی۔ وہی انسان جو پتھر کے زمانے (Stone age) اور دھات کے زمانے (Metal age) کی ترقیوں تک محدود تھا، اب لکڑی کی کشتیاں، بلا ڈنگا اور دخانی کشتیاں، بیشہ (Dead Nature) اور ایروپلین (Aeroplane) کی صورت میں جدت و پیداوار کی نظیر ہیں۔ تہذیبِ انسانی بام عروج پر گامزنی کا سبق استادِ ازل سے سیکھ کر آئی تھی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ انسان نے فطرت کے سکھائے ہوئے اکثر اسباق ضرور بھلا دئے ہیں۔ مگر عروجِ تہذیب، عروجِ تمدن اور عروجِ ادب کا سبق نہ کبھی بھلایا تھا اور نہ کبھی بھلائیگا۔ اسی سبق میں ایک وہ چیز شامل ہے، جس کا تعلق قوموں کے عروج و زوال سے ہے۔ اور وہ ادب ہے۔

ادب کا پہلا حرف اپنے قامتِ کشیدہ کے ساتھ کسی تیر انداز کی نگاہِ ناز سے یا کسی حسنِ عالم افروز کی ابروئے خمدار سے یا کسی ماہر دکو سبزۂ نودمیدہ کے الف زار سے سرکشیدہ ہو کر ابجد کی بنیاد ڈالنے میں مصروف ہوا۔ یہ تو علمائے ادب سے پوچھو کہ حروفِ تہجی کب اور کیونکر پیدا ہوئے۔ اگرچہ اس باب میں وہ مستند دلائل بعد کاوشِ پیش فرما چکے ہیں لیکن دلیلِ راہ کے لئے اشارتاً توضیح مزید سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ ہمارا تعلق اس مسئلہ کی ارتقائی صورت سے صرف اس قدر وابستہ ہے کہ دنیائے ادب نے اپنے کمالات سے برہمنوں کو دیوتا! اور یونانیوں کو دیوتا گر بنا دیا اور بتلیوں کو آدمی کی شکت دے کر کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ کوئی قوم اور کوئی ملک اس وقت تک شاہراہ ترقی میں گامزن نہیں ہوتا جب تک وہ ملک یا قوم اپنی زبان میں استعداد کما حقہٗ پیدا نہ کرلے۔ مثال کے طور پر سنسکرت کی دیانت، یونانیوں کا علم و کمال، عربوں کی ٹکسالی زبان، وید کے اشلوک، یا اُدب کی وہ چند مثالیں ہیں جنھیں سینے سے لگانے کے بعد آج تک ان کے بغلگیر کرنے والوں کے دل گرم ہیں۔ رامائین، دستور العمل اور یونانی علم ادب، عربی زبان، سنسکرت کی قواعد خود ہی زندہ نہیں، بلکہ دنیا ان سے زندہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تحفظِ زبان کا مسئلہ تحفظِ ایمان سے زیادہ اہم سمجھا جاتا رہا ہے۔ وہی بات ہے کہ "سو کا مرنا پسند گر سو کے پالنے والے کا مرنا ناپسند" یہی وجہ ہے کہ بھکشوؤں نے بودھ مت کی پروا نہ کی مگر کتب کا مطالعہ نہ چھوڑا۔ برہمنوں نے حکومت ٹھکرا دی لیکن پورانوں کو محفوظ رکھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ سکندر کو ارسطو کا تابع ہونا پڑا۔ اور یہی وجہ ہے کہ لقمان کی حکمت کا اعتراف

کرنا پڑتا ہے کہ سلطنتِ برطانیہ کی عالمگیر وسعت شکسپیر کی تصنیف سے منسوب کی جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رستم کی شجاعت فردوسی کے اس شعر کا مرہون ہے۔

منم کردہ ام رستم داستاں — وگرنہ یلے بود در سیستاں

یہی وجہ ہے کہ آج ہر اس شخص کو جس کے سامنے ہم بے چون و چرا گردن جھکا سکتے ہیں۔ افلاطون کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ بہر حال ادب کا ایک نقطہ ہزار مسلح نوجوانوں سے زیادہ کارآمد ہے۔ نپولین بوناپارٹ میدانِ جنگ میں (سپاہی) (Soldiers) کے بجائے اپنی افواج کو (مہذب انسان) (Civilians) کہہ کر یہ سمجھا دیتا ہے کہ لڑنے والو تم تہذیب کے حامی ہو، مذہب کے محافظ، ملک کے دلدادہ، قوم کے جاں نثار، حق کے شیدائی اور تمدنِ حقیقی کے مالک ہو۔ تم سپاہی نہیں بلکہ ظلم کا انسداد اور حق کا اعلان کرنے والے فرشتے ہو۔ حقیقتاً نپولین کا یہ خطاب جرأت و ہمت بڑھانے والی ایک رجز تھی جس نے میدانِ جنگ سر کرا دیا۔ ورنہ تمام فوجیں تمام اسبابِ جنگ اور تمام آلاتِ حرب بیکار رہتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ احمد شاہ والیِ بخارا کو ہرات چھڑانے والا رودکی کا یہ شعر تھا۔

اے بخارا شاد باش و شاد زی — شاہ سوئے مہماں آید ہمی

یہ امر حقیقت سے دور نہیں کہ ادب عالمِ آب و گل کی بیخ و رواں ہے۔ مٹ جانے والی ہستیوں کے نہ مٹنے والے کارنامے ادب ہی کے [illegible] (تجوری) میں اس طرح محفوظ ہیں جس طرح قفسِ عنصری میں انکی پاک روحیں گویا عالمِ ارواح کو انکی روحوں سے زینت ہے۔ ان کے کارناموں سے عالمِ آب و گل میں بے بحث ترقی نیابت کا مسئلہ اسی لئے پیدا کیا گیا تھا کہ خلیفۃ ارضی چند مثالیں پیشِ نظر رکھ کر تہذیبِ انسانی کے عمارت میں چار چاند لگاتا رہے۔ دیکھا جارہا ہے کہ قومی انحطاط، ادبی انحطاط کے بعد پیدا ہوتا ہے دیکھئے علم کے احیاء (Revival of Learning) نے سلطنتِ عثمانیہ کے عروج کو یورپ کے ہاتھوں میں دے کر چار دانگِ عالم میں پھولوں کی مہک بنا کر چمن چمن بکھیر دیا۔ اور قاہرہ کی یونیورسٹیاں دارالعلوم بغداد، برلن، آکسفورڈ ... پیرس کی یونیورسٹیوں نے ان کی رکاب میں پاؤں رکھا۔ اہلِ یورپ نے ادب کی حفاظت کی۔ ادب نے اہلِ یورپ کو ممتاز خلائق کیا اور اس طرح کہ آج ماسوائے یورپ و امریکہ و جاپان دنیا حقیقی ادب سے خالی ہے اور اسی لئے محکوم ہے۔ آج عرب سے پوچھیں اور "زبانِ حال سے کہے گا کہ عرب کی عظمت اس دن گئی جس دن عرب میں سب سے زیادہ شاعر پیدا ہونے بند ہو گئے۔ یا یہ رسم عرب مٹ گئی یا عربوں نے یہ رسمِ شادی کہ اس گھرانے کو مبارکباد دینا بند کر دیا جہاں کوئی بچہ شاعر پیدا ہو۔ اس میں شک ہی کیا ہے کہ طلسم ہوش ربا کے اڑن کھٹولے کسی اہلِ ادب کے قلم سے اب سے تقریباً ایک صدی پہلے اس لئے تراشے گئے تھے کہ ہوائی جہازوں کی دنیا کو ضرورت تھی۔ سائیکالوجی کا مسئلہ ہے کہ فضائے عالم میں کوئی وہ خیال انسان پیدا نہیں کر سکتا جس کا وجود ناممکن الوقوع ہو۔ شاعر یا ادیب ان اختراعات اور ایجادات کا پیش گو اور پیغمبر ہوتا ہے جن کا عملی نمونہ صدیوں بعد دنیا پیش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملکی اور قومی ترقی کے لئے ملک میں اچھے ادیب اور شاعر کا پیدا ہونا ملکی اور قومی عروج کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

ہندوستان بھی اسی اصول کا محتاج ہے۔ چندر گپت موریہ کی نکہت چانکیہ کی ممنونِ منت ہے۔ بکرماجیت، کالیداس کا، ہرش، بان کا اور اکبر ابوالفضل کا ممنونِ کلام و بیان ہے۔ شاہجہاں کو سعد اللہ خاں کی قابلیت اور اورنگ زیب کو ذاتی استعداد سنبھالے رہی۔ اورنگ زیب کی غلط اور بھیانک تصاویر سے صفحۂ تاریخ جس قدر سیاہ ہے اسی قدر وقائع عالمگیری، رقعاتِ عالمگیری اور فتاوے عالمگیری سے اس کا نام آفتاب و ماہتاب کی طرح درخشاں ہے۔ سلطنتِ مغلیہ کا زوال اسی روز ہو چکا تھا جس روز عالمگیر کے ملفوظات کا جواب دینے والا دنیائے ادب میں کوئی نہ تھا۔ بدقسمتی سے اسی دور میں ایک نئی زبان کی طرح پڑی تھی جبکہ قدیم سلطنت کے زوال و جدید سلطنت کے حملوں نے تزلزل پیدا کر کے اس دور کے شاعروں کو قومی شاعری اور قومی ادب سے محروم کر دیا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ ہماری زبان جس کو ہم اردو کے نام سے تعبیر کرتے ہیں پختہ

www.taemeernews.com

کچھ معصومانہ اور کچھ جارحانہ حملوں سے اپنی بہ مقابل انگریزی زبان کے شدید حملوں کو روک سکے۔ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئی۔ لیکن جب نئی سلطنت کی داغ بیل اپنے ایوانِ سلطنت کو انگریزی ادب کے ستونوں سے مستحکم بنا کر کھڑا کر دیا تو اس دل آویز اور قابلِ رحم زبان کی طرف بھی توجہ فرمائی گئی۔ لیکن ہندوستان کی انحطاطی صورت اور کمزور قوٰی نے جو بگڑنے والی سلطنتوں کے مابعد جودی حالت میں آ جایا کرتے ہیں اپنا تسلط کر کے اُس کو گل و بلبل کے افسانوں تک محدود کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہماری مطمحِ نظر اردو زبان کے نازک خیال شعرا ذوق غالب۔ مومن۔ انیس اور آتش و ناسخ وغیرہ نے حسن و عشق کے اثرات شاہی مدحت نگاری یا ناقدردانی کا شکوہ، عشق کی کوفت، فقیری کا ٹھسکا اور رئیسی کی شان دکھانے تک اس ہمہ گیر زبان کو محدود رکھا۔ خدا بھلا کرے سرسید کا جو [illegible]) کہلاتے ہیں۔ جنھوں نے اردو سے سیاسی۔ مذہبی۔ اخلاقی اور معاشرتی کام لے کر اس حد تک پہونچا دیا کہ اردو زبان کی نگاہوں میں "زبان" نظر آنے لگی۔ اسی دور میں مولوی نذیر احمد ایل ایل۔ ڈی۔ مولانا شبلی۔ خواجہ الطاف حسین حالی پیدا ہوئے اور اب ہندوستانی جاگے۔ یہی اردو زبان کا دورِ متوسط تھا۔

ابھی تک اردو زبان نے ایسا کوئی شاعر پیدا نہیں کیا تھا جو ترقیٔ ملک کا باعث ہوتا اور اس میں وہ جمیع اوصاف ہوتے جو اہلِ ہند کو آزادی کا سبق سکھاتے۔ آخر اقبال پیدا ہوئے اور مسدسِ حالی کی طرح شکوہ۔ جواب شکوہ اور بانگِ درا لکھ کر ایک نئی شاہراہ پر ہندوستانیوں کو لے چلے۔ لیکن اُن کا دقیق فلسفہ قومی گتھی سلجھانے کے لئے رو براہ نہ آ سکا۔ ہندوستان کسی ایسی ہستی کی تلاش میں تھا جو زبان کے ہر شعبے میں ہندوستانیوں کی تسکین کر سکے یہ امر مسلّم ہے کہ قوموں کے بننے اور بگڑنے میں ایک زمانہ چاہیے۔ لیکن جگا دینے والے ادبی لہر خوابیدہ ہستیوں میں بجلی کی سرعت کے ساتھ پیدا کر دیتے ہیں۔ بشرطیکہ سونے والے حشر تک سونے کی قسم کھا کر نہ سوئے ہوں۔ ہائے یہی ہندوستان جہاں ذوق جیسے جواہر پارے بار بار پیدا ہو رہے تھے۔ اب ۱۶۰۶ء سے لیکر ۱۸۵۰ء تک کوئی گوہرِ نایاب نہ پیدا کر سکا۔ اس ماہنی دور میں ہندوستان دو زبانوں کا ماتمی بنا۔ عربی کو دفن کیا۔ فارسی کا جنازہ نکالا۔ اور میر کو اردو زبان کا ابنِ رتبیہ بنا کر کھڑا کیا۔ جس نے اپنے نشتر آفریں تغزل کا رنگ حافظ شیرازی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس طرح پیش کیا

اُن کو آتا ہے پیار پر غصہ　　مجھ کو غصہ پہ پیار آتا ہے

زوال پذیر قوم کے لئے یہ رنگِ شاعرانہ سندِ ناز پر ایک اور تازیانہ تھا ذوق دستار بندی سے فرصت نہ پا سکے۔ غالب شکوہ سنجی کا شکار رہے تاہم قابلِ شکر ہیں کہ جدید فلسفے اور شاہراہِ نثر کی شاخیں بالیدگی کے لئے چھوڑ گئے۔ لیکن قومی عروج اور ملکی ترقی کے لئے اُن کی شاعری تسکین بخش نہ تھی۔ حضرت مومنؔ "آخری وقت میں کیا خاک مسلمان ہوں گے" کا شکار رہے۔ اور ([illegible]) کی دلسوزی عشقِ بتاں میں صرف کی۔ رُخ کو بدلتے ہوئے تغزل کی شان دکھانے والے دیارِ لکھنؤ کے شعرا میں سے ناسخؔ اور آتشؔ بھی قابلِ ذکر ہیں۔ ناسخ شاعر کی بجائے ترجمان کے نام سے یاد کئے جائیں تو بہتر ہے۔ اس وجہ سے کہ اُنکی تمام شاعری دوسری زبانوں کے اچھے اچھے اشعار کا ترجمہ ہے۔ زبان کا تیور نکھرا ہوا ہے آتشؔ زبان کی سلاست کے ساتھ اپنا رنگِ تغزل عشقیہ فلسفے تک محدود رکھتے ہیں۔ البتہ دورِ گذشتہ کے شاعر حضرت حالیؔ غزل میں بھی نظم کا رنگ پیدا کرنے سے غفلت نہیں چھوڑتے۔ مثلاً

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

گذشتہ دور میں اردو رنگِ تغزل سنبھلا اور اقبالؔ کے فلسفے نے جس کا تعلق دورِ حاضرہ سے بھی ہے۔ غالبؔ کے فلسفے کی تجدید کی لیکن دنیا وہ راستہ نہ پا سکی جو عروج قوم کے لئے جادۂ صحیح تھا۔ القصہ فطرت کو رحم آیا۔ غیرتِ حق نے ہندوستان اور زبانِ اردو پر کرم فرمایا۔ اور ۱۸۵۰ء میں مضطرب اور متجسس ہندوستان اور دنیائے ادبِ اردو کو ایک ی

www.taemeernews.com

ہستی کے وجود سے حصولِ بقا اور اکتسابِ ترقی کی قوت بخشی جس نے جلوہ نگن ہوتے ہی یوں زمزمہ سرائی کی ہے

جب صبحِ حیات خواب ہو جب خواب سرانگیز ہو   جب ہو جمود آگیں فضا غفلت کی مستی تیز ہو
جب محفلِ آزادی میں ہو انتشارِ مستقل   جب شورشِ ایام کی ہر موج طوفاں خیز ہو
پھیلی ہوئی ہو جب دنیا میں استبداد کی   جب ہر نفس ہو مضطرب ہر آنکھ اشک انگیز ہو
جب نشترِ احساس خود دل کی رگوں کو چھیڑ دے   جب خاطرِ مجروح کا ہر زخم خوں ریز ہو
جب آدمی مظلوم ہو اور زندگی مظلوم تر   جب بیکسی کے سامنے فرعون ہو چنگیز ہو

اُس وقت شاعر کے تخیل کو تکلیف دے
اجزائے نظم و شعر کو پیرایۂ تصنیف دے

یہی وہ آواز تھی جس نے ہندوستان کو نئی کروٹ بدلوا دی۔ اسی تخیل کی ہندوستان کو ضرورت تھی نظموں کی صحیح بنیاد نظیر اکبرآبادی مرحوم نے ڈالی تھی لیکن زبان اس قدر پست تھی۔ اور کہیں کہیں خیالات ایسے پوچ تھے کہ انھیں متانت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے بھی نظموں کی طرف رخ کیا اور نئے عنوانوں سے اس رنگ کو جابجا پیش کیا لیکن اہلِ ہند کی انحطاطی صورت کو روکنے کیلئے کسی اور چیز کی ضرورت تھی جس کا احساس سرسید کو پیدا ہوا اور احساس کرتے ہوئے کوئی نظم کہنے نہیں پیدا ہوا اس میدان میں بھی [illegible]) ہونے نظم کا زور نثر میں نہ پیدا کر سکے۔ حالی نے مسدس لکھوایا مگر غفلت کے مارے باشندگانِ ہند نہ آنکھیں کھول کے جاگے اور نہ سرسید کے جھنجھوڑنے سے بیدار ہوئے۔ بہرحال اہلِ ہنود تو خوابِ غفلت سے بیدار ہو گئے اور تازہ احساس نے کسی دلیل و رہبر کی ضرورت باقی نہ رکھی۔ مگر اہلِ اسلام محتاجِ رہبر تھے۔ رودں کی اُن کے یہاں بھی کوئی کمی نہیں رہی۔ لیکن تخیل کو بیدار کرنے والا کوئی شاعر نہ تھا ٹھیک اُسی وقت حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی اپنے اہلِ ملک کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے سر پر تاج سے سجتے ہوئے اُٹھے۔

پہلے جو صاحبِ اورنگ تھے اور مالکِ تاج   آج اک نانِ جویں کے لئے بیتاب ہیں آج
نہ حکومت ہے نہ ثروت ہے نہ دولت ہے نہ راج   اس سے پہلے تو نہ تھے ہم کبھی یوں محتاج

گوہر و لعل سے مملو تھا خزانہ اپنا
ہائے وہ دن کہ موافق تھا زمانہ اپنا

چرخ کچھ دور نہ تھا اور رسا ہو پہلے   عرش چھو لیتے تھے ہم دستِ دعا سے پہلے
کر چکے شکوۂ ادبار خدا سے پہلے   یہ سنا تھا کہ وہ سنتا ہے صدا سے پہلے

لیکن اُس نے بھی کبھی گریہ و زاری نہ سنی
اور پھر کس کی سنے گا جو ہماری نہ سنی

مسلم دنیا کو اسکی ضرورت تھی اور اسی کا بہترین ملکہ فطرت نے مولانا سیماب کی طبیعت میں ودیعت کیا تھا یہ بات خلافِ اختصار ہوگی اگر مولانا کے جمیع اوصاف جو آپ کے ایک باکمال شاعر ہونے سے تعلق رکھتے ہیں۔ فرداً فرداً سپردِ قلم کئے جائیں اور آپ کا ممتاز کلام بہ تمام و کمال اہلِ ہند کے مطالعہ کے لئے پیش کیا جائے۔ میں نے عملاً موقع بموقع ایک معتد بہ وقت تک مختلف پہلوؤں سے ہندوستان کے مشہور اور صاحبِ کمال شعرا و ادبا کا رنگ دیکھکر مولانا موصوف کو اپنے دل میں جگہ دی ہے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے اور ہر شخص اپنے تجربے اور قابلیت کی بنا پر کسی نتیجہ پر پہونچتا ہے اور اس شخص کی وہ رائے کبھی غلط نہیں ہوتی بشرطیکہ طرفداری۔ عناد۔ بیجا حمایت یا للّٰہی دشمنی سے اُس کا دل پاک ہو اور اظہارِ حقیقت نیز تحقیق و جستجو پیشِ نظر ہو۔ بایں ہمہ اتمامِ حجت کے لئے میں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے الفاظ کو دشمنی اور دوستی سے تعبیر نہ کرتے ہوئے۔ اگر نقادانِ ادب اپنے ذہن و دماغ کو خطرات و خیالات۔ توہمات۔ بغض و حسد۔ اور رشک و رقابت کی آگ سے پاک کرکے مولانا سیماب اکبرآبادی کے کلام کو سینہ پر رکھ کر میری طرح مطالعہ فرمائیں گے تو بے شک وہ بھی کمالِ نازک خیالی۔ ندرت۔ اور جدت سوزی کی حیرت انگیز مثال اسی شاعر بے مثال میں پائیں گے۔

www.taemeernews.com

اور میرے اس مضمون کو حرف بحرف صحیح دیکھیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ فرقہ بندی اور ذاتیات کا سوال اگر میرے معزز احباب نے ایک طرف رکھ دیا تو میری تحریر سے زیادہ مولانا کی عظمت اُن کے دل میں جاں گزیں ہوگی۔

مجھے اس کا اعتراف کرنے میں بھی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ کہ دورِ حاضر میں ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ حضرت مولانا ظفر علیخاں۔ حضرت جوش ملیح آبادی حضرت اختر شیرانی اور حضرت حکمت آنجہانی نظم نگاری میں جس پایۂ کمال کو حاصل کئے ہوئے ہیں اُسکی مثال دورِ گذشتہ میں کہیں نہیں ملتی۔ اسی طرح تغزل میں حضرت مولانا حسرت موہانی۔ حضرت فانی بدایونی۔ حضرت احسن مارہروی حضرت ثمر بدایونی۔ حضرت سائل دہلوی۔ حضرت آغا شاعر قزلباش دہلوی حضرت بیخود دہلوی۔ حضرت اصغر گونڈوی مرحوم۔ حضرت عزیز لکھنوی مرحوم حضرت مضطر خیرآبادی مرحوم۔ حضرت ریاض خیرآبادی مرحوم۔ حضرت جگر مرادآبادی حضرت صفی لکھنوی۔ اور حضرت شاد عظیم آبادی مرحوم حضرت ثمر دجھن آبادی اپنا جواب نہیں رکھتے یہاں یہ بیان کر دینے کی ضرورت ہے کہ قدما کا رنگ تغزل کیا باعتبار زبان۔ کیا باعتبار تخیل اور کیا باعتبار محاکات موجودہ رنگ تغزل سے کہیں کم پر کیف ہے۔ یہ حضرات غزل گوئی کے پیغمبر ہیں۔ جن کا ثبوت ان کا کلام ہے۔ یہاں تک تو تمام نظم کے باکمال شعرا سے تعلق تھا لیکن جن حضرات نے نثر میں نئی قوتِ بیان۔ نرالی طرزِ ادا۔ سادگی۔ اثر اور زور پیدا کیا ہے اُن کے اسمائے گرامی بھی تاریخ ادب اردو پر تا قیامت ثبت رہیں گے۔ میں اُن میں سے چند حضرات کے نام تحریر کرتا ہوں۔ مغفور نجم علامہ راشد الخیری مرحوم۔ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب بی اے۔ جناب سید سجاد حیدر صاحب یلدرم حضرت سید سلیمان ندوی۔ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔ نواب نصیر حسین صاحب خیال مرحوم۔ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی میر ناصر علی خاں مرحوم۔ حضرت مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی مولانا تاجور نجیب آبادی۔ مولانا شرر لکھنوی مرحوم۔ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔ جناب اسلم جے راجپوری۔ حضرت رشید احمد صاحب صدیقی وغیرہم۔

ہمارا ہندوستان خوش قسمتی سے مغربی ترقی کی تقلید میں ہر شعبہ میں گامزن ہے۔ چنانچہ افسانہ نویسی میں بھی حضراتِ ذیل نے افسانے کی نئی دنیا کو نئے خیال۔ نئے ڈھنگ اور نئے روپ سے سجا کر عروج میں آسمانِ حقیقت تک پہونچا دیا ہے۔ جن میں خصوصیت کے ساتھ حضرت نیاز فتحپوری قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کے علاوہ یہ حضرات بھی آسمانِ افسانہ کے درخشاں ستارے ہیں۔ جناب منشی پریم چند مرحوم۔ جناب ایم اسلم جناب قاضی عبدالغفار خاں صاحب مرادآبادی حضرت سل۔ احمد اکبرآبادی اور حضرت مولانا عبدالحلیم شرر۔ یہ امر بھی خالی از مسرت نہ ہوگا کہ ڈرامہ نویسی میں ہندوستان نے گذشتہ چوتھائی صدی سے ابین صحیح معنی میں قدم بڑھانا شروع کیا۔ اور آغا حشر کاشمیری کے وجود میں شکسپیر نے جنم لے کر ہندوستان کو محبت کا گہوارہ بنا دیا۔ اُن کے ہمرکاب حضراتِ ذیل بھی قابلِ ذکر اور قابلِ تحسین ہیں۔ مہدی حسن احسن لکھنوی۔ پنڈت بیتاب دہلوی۔ طالب بنارسی۔ اور حکیم احمد شجاع وغیرہم۔

الحمد للہ کہ ادب اردو نے ایسی مایۂ ناز اور صاحبِ کمال ہستیاں پیدا کیں۔ لیکن تاریخ ادب اردو میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی ایک ہی شخص میں یہ تمام کمالات موجود ہوں۔ یعنی وہ بیک وقت ایک اعلیٰ ادیب ایک باکمال شاعر۔ ایک بہترین ناظم۔ ایک محقق تاریخ گو۔ ایک ا... ڈرامہ نویس۔ ایک قابلِ تحسین مضمون نگار۔ ایک حیرت انگیز افسانہ ساز زبان کا دھنی۔ اصلاح کا استاد۔ زود گوئی میں فرد۔ اجتہاد میں نباضِ عصر۔ قومی عروج کا حامی۔ خوشامد و تملق سے مبرا ہو۔ کا ہمنوا۔ فلسفہ میں افلاطون کی زندہ یادگار۔ موعظمت ... کا پیرو۔ فرد میں فردوسی کی طرح فرد۔ مثنوی میں ...

www.taemeernews.com

تازہ کرنے والا۔ غزل میں تیرؔ کی سادگی کا وارث۔ غالبؔ کے فلسفے کا مالک داغؔ کی فصاحت کا حامل اور تاریخ گوئی میں مومنؔ کا حریف ہو۔ اس کا مصداق ہمارا نیا مجدد اور آگرہ اسکول کا موسس اول سیمابؔ اکبرآبادی ہے یہ جمیع اوصاف اُس کی ذاتِ واحد میں پائے جاتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ثبوتِ دعوے کے لئے ہر صنف کلام میں آپ کو جو کمال حاصل ہے۔ وہ علٰحدہ علٰحدہ مختصراً بیان کر دیا جائے۔

تغزل۔ تیرؔ کے بعد بوسیدہ شاہراہ سے ہٹ کر غالبؔ نے جو حسن اتفاق سے آگرہ اسکول ہی کے ایک فرد اعلٰی تھے۔ غزل گوئی کا نیا اسلوب پیدا کیا۔ عام تراکیب کو سلام کیا۔ حسن ترتیب، شوکت الفاظ، چست بندش وغیرہ سے مفہوم شعر کو بلند کیا اور فلسفہ کو مکمل طریقہ سے شاعری میں جگہ دی۔ اور دنیا کی پچھلی تین صدیوں سے ہر صدی میں ایک مجدد پیدا کرتی رہی ہے۔ گیارھویں صدی کا مایۂ ناز مجدد فن میرؔ اکبرآبادی تھا۔ بارھویں صدی کا غالبؔ علی کل غالبؔ اکبرآبادی تھا اور چودھویں صدی کا فخر روزگار مجدد ثالث سیمابؔ اکبرآبادی ہے۔ جس کے دیوان غزلیات کے متعلق ہندوستان کے مشاہیر ادبا و شعرا اور اہل قلم حضرات کی صائب رائیں۔ تنقید و تبصرہ کی صورت میں اکثر و بیشتر صفحۂ قرطاس پر رونما ہوتی رہی ہیں۔ سینکڑوں اور ہزاروں رایوں سے صرف چند ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

(۱)

مدیر تیج مورخہ ۷ر اپریل کے "تیج دہلی" میں فرماتے ہیں

"نہ حضرت سیمابؔ کی ذات کو تعریف کی ضرورت ہے اور نہ "کلیم عجم" تبصرہ کا محتاج ہے۔ ملک کے بہت کم ایسے ادبی رسائل ہوں گے جن میں سیمابؔ کا کلام عزت و افتخار کے ساتھ شائع نہ کیا گیا ہو۔ اور ہندوستان میں کوئی ایسا شاندار و دتیج آل انڈیا مشاعرہ نہ ہوا ہوگا جس میں حضرت سیمابؔ کو زحمتِ شرکت پر مجبور نہ کیا گیا ہو۔ اس لئے سیمابؔ کے کلام بلاغت نظام کی خوبی۔ تخیل کی پرواز اور معنی آفرینی سے صرف شعر و ادب کا حلقہ ہی نہیں بلکہ تمام قدر دانانِ سخن بھی طرح واقف ہیں۔"

(۲)

از "منادی" دہلی ۱۳ر مارچ ۳۶ء

حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی فرماتے ہیں "شیخ عاشق حسین سیمابؔ اکبرآبادی فقط رسمی شعرا ہی نہیں بلکہ فنِ شعر کے محاسن سے خبردار اور اصنافِ سخن پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ وہ شاعر ہی نہیں بلکہ سیکڑوں جیسے باکمال شاعر بنانے بھی ہیں۔ "کلیم عجم" اُن کا مجموعہ کلام ہے۔ سیمابؔ صاحب ہندوستان کے مشہور استادوں میں سے ہیں اور اُن کے کلام کا تعارف اتنا ہی کافی ہے کہ یہ سیمابؔ کا کلام ہے"

(۳)

از روزنامہ "وحدت" دہلی۔ ۱۴ر مئی ۳۶ء

ایڈیٹر صاحب "وحدت" نے "کلیم عجم" پر ریویو کرتے ہوئے کہا کہ "کلام میں از اول تا آخر بلندیٔ تخیل۔ ندرتِ فکر، فلسفۂ حسن و عشق اور محسوسات کی لطافت موجود ہے۔ سیمابؔ صاحب نے بعض اشعار میں ایسے بلند حکیمانہ اور نغز جذبات کا اظہار کیا ہے کہ جن کی مثال مشکل سے کسی دوسری زبان کی شاعری میں مل سکتی ہے"

(۴)

از ماہنامہ "کلیم" دہلی۔ مارچ ۳۶ء

حضرت جوشؔ ملیح آبادی مدیر "کلیم" اس طرح اپنے رسالے میں فرماتے ہیں۔ "حضرت سیمابؔ کا کلام کسی خاص تعارف کا محتاج نہیں۔ کلام کے سرسری مطالعہ سے صاف نظر آرہا ہے کہ جوں جوں شاعر عمر رسیدہ ہوتا جاتا ہے اُس کی بلندیٔ فکر میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے اور استادانہ پختگی ہر شعر میں جلوہ فرما نظر آتی ہے۔ بعض شعر

www.taemeernews.com

ایسا ہوتا ہے کہ ناظر جھوم جاتا ہے۔ کبھی دل پکڑ کر رہ جاتا ہے۔ اور کبھی مدہوش ہو جاتا ہے۔ زبانِ سیماب کا کیا کہنا۔ اردوئے معلّیٰ کے مالک ہیں۔

( )

از ماہنامہ "ادب لطیف" لاہور افسانہ ایڈیشن مئی و جون ۱۹۳۶ء

محترم مدیر "ادب لطیف" کی رائے ہے کہ "مولانا سیماب اکبرآبادی موجودہ دور کے بہت بلند پایہ اور مسلم الثبوت شاعر ہیں۔ عرصے سے ملک کی وسعتوں میں آپ کی شاعری کا آوازہ گونج رہا ہے "کلیم عجم" آپ کے خطباتِ شاعری اور غزلیات کا مجموعہ ہے۔ دنیائے اردو میں مولانا سیماب سب سے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے مشاعروں میں خطبۂ شاعری پڑھنے کی رسم ڈالی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ رسم اردو شاعری کے حق میں بہت فائدہ بخش ہے۔ غزلیات میں پختگی۔ علوئے تخیل۔ جدتِ تراکیب۔ رنگین نگارش الغرض وہ تمام خصوصیات موجود ہیں جو کامیاب غزل میں ہونی چاہئیں۔"

(۶)

از رسالہ "جامعہ" دہلی دسمبر ۱۹۳۶ء

مدیر جامعہ یوں رقمطراز ہیں۔ "آپ کی غزلوں کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ آپ کی شاعری کی صحیح ترجمان ہیں۔ سیماب ایک پختہ کار اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اور اس مشق کی بدولت آپ کو تمام اصنافِ سخن پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو شعر گوئی کے لئے کسی خارجی اثر کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ آپ اس ساز کی طرح ہیں جو ہمیشہ نغموں سے معمور رہتا ہے جہاں چھیڑا بس اس میں سے موسیقی نکلی۔ آپ کی غزلوں میں بے ساختگی ہے۔ زندگی ہے روح ہے۔ کشش ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سچ مچ سیماب بول رہے ہیں۔"

(۷)

از ماہنامہ "زمانہ" کانپور۔ جون ۱۹۳۶ء

بانیٔ "زمانہ" صاحب منشی دیا نرائن صاحب نگم بی۔اے "زمانہ" میں اس طرح فرماتے ہیں "مولانا کی شاعری پر ہم اس سے قبل کارِ امروز کے سلسلے میں ریویو کر چکے ہیں۔ اب مزید قلم فرسائی کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کے پختہ کار، کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت آپ کا کلام تعریف سے مستغنی ہے"

( )

از ماہنامہ "شاہکار" لاہور جولائی ۱۹۳۶ء

حضرت مولانا تاجور نجیب آبادی یوں خامہ فرسائی فرماتے ہیں "بلاشک "کلیم عجم" اس پذیرائی کا مستحق ہے کہ اسے ہندوستان کی یونیورسٹیاں اپنے اردو نصاب میں شامل کریں۔ صوبہ کی ٹکسٹ بک کمیٹی کو اس پر اوّل درجہ کا انعام دیکر مصنف ممدوح کی قدر شناسی کا ثبوت دینا چاہئے۔

سیماب کی شاعرانہ خصوصیات کے متعلق کچھ کہنا ضروری نہیں معلوم ہوتا۔ اُن کے کلام سے دنیائے اردو اچھی طرح روشناس ہو چکی ہے۔ آپکی شاعری زلف و خال، مسی اور آرسی کی فرسودہ اور بیہودہ مدح سرائیوں سے پاک اور ادبِ عالیہ کا دلکش نمونہ قرار دی جا سکتی ہے۔ وہ اردو شاعری میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کے کلام کو استادانہ قدرتِ بیان، پختہ کاری و پختہ مشقی، بلند اور خرد افروز خیالات، پاکیزہ اور دلگداز آفرینی، نفیس جذبات نے ممتاز بنا دیا ہے۔ سیاسی حیثیت سے وہ اونچے درجے کے قوم پرورانہ خیالات نظم کرتے ہیں مختصر یہ کہ اردو زبان کے پہلے مرکز (اکبرآباد) کے اس زندہ سخنور نے اپنے تاریخی شہر کی روایات کو تازہ کر دیا۔

www.taemeernews.com

مندرجہ بالا اقتباسات سے مولانا سیماب کے پایۂ تغزل کی بلندی ثابت ہو گئی

نظم نگاری یہ وہ میدان ہے جس میں گامزن ہونے والے صنفِ شاعری میں دورِ حاضر کے مذاق اور ضرورت کے موافق بہترین سمجھے جاتے ہیں۔ یہاں بیچکر مولانا کی جدّتِ طبع نے اہلِ ہند کو جو پیام دیا ہے اس کا زندہ ثبوت "کارِ امروز" ہے۔ جس نے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی "بانگِ درا" کے بعد ملک میں ہر طبقہ اور ہر قوم کے دلوں میں نئی امنگیں نئے ولولے اور نئی روح پھونک دی۔ "کارِ امروز" کو موجودہ دور میں جس قدر قبولیت حاصل ہوئی۔ وہ ماہنامہ "شاعر" کے "کارِ امروز" نمبر سے جو ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا تھا شمیم گل کی طرح گلستانِ ہند میں اُفقِ خیال و شمال پر عطر بیزی کر رہی ہے۔ جمیع اصنافِ نظم پر جس قدر زود گوئی اور قادر الکلامی کے ساتھ مولانا سیماب قلم اٹھا سکتے ہیں۔ اس کی مثال نظر نہیں آتی۔ چنانچہ آپ نے "کارِ امروز" میں ہر قسم کی نظمیں اس پیرایہ اور ندرت سے اہلِ ملک کے لئے پیش کی ہیں کہ ایک مدبّر ایک سیاست داں۔ ایک فلسفی، ایک قوتِ متخیلہ کا دلدادہ، تدبیرِ منزل کا متلاشی تمدن کا جویا۔ محاکات کا خوگر۔ تخیلِ تخیل کا بندہ۔ مناظرِ قدرت کا دلدادہ مشاہدات کا طالب گار۔ حسن و عشق کا پجاری۔ صلحِ کل اور بین الاقوامی اتحاد کا حامی، اپنے مذاق، اپنے معیار، اپنی تعلیم، اپنی تہذیب اور تربیت کے لئے مولانا کے اس شاہکار کو دلیلِ راہ اور خضرِ منزل بنا کر ہر گونہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

مضمون نگاری یہاں قلم کو جنبش دیتے ہوئے تحریر کی انتہا نہیں رہتی۔ سیاست دا[ں] اہلِ شمشیر نہیں ہوتے شاعر نافر نہیں ہوتا نا ثرِ نظم نہیں ہوتا لیے فرزند اور گیتی نے شاذ ہی پیدا کئے ہیں مستثنیات میں شیخ سعدی کی شان نظر رہتی ہے۔ وہ بھی رزم میں آکر درماندہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمارا ہیرو لڑائی کے نقشے اور عیش کی محفلیں اس خوبی کے ساتھ آراستہ کرتا ہے کہ دیکھنے والے عالمِ محویت میں دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ نشہ اُن کے سر سے نہ اترے۔ ادبی مضامین، ثبوت میں مقبولِ شاعری موجود ہیں۔ جن پر ملک اب تک سر دُھن رہا ہے۔ جو موجودہ دانشمند نسلوں کے لئے ایک جدید شاہراہ ہیں۔ مولانا نے نثر میں تقریباً دو سو زائد کتابیں سپردِ قلم کی ہیں۔ جن میں زندگی کے ہر فلسفہ کے ساز کو اس خوبی سے چھیڑا ہے کہ ماں کی گود سے لے کر زندگی کی آخری منزل تک غرض ہر دور کے لئے مفید، سبق آموز، تربیت کن، تعلیم دہ، حوصلہ زا، ولولہ انگیز، تدبّر آموز، نصیحت خیز، تسلی بخش، روح افزا، سلیقہ انگیز، امورِ خانہ داری سے خبردار کرنے والے، فرائض سے آگاہی بخشنے والے، مخلوقِ خدا کی محبت پیدا کرنے والے، بگڑوں کو بنانے والے اصول ایسی سادہ زبان، ایسے لطیف پیرایہ اور ایسے انوکھے طرز میں بیان کئے ہیں کہ انسانوں کا ایک نیا ذخیرہ ترقی کا ایک نیا سبق۔ کامیابی کا ایک نیا گنجینہ فکر و غور کا ایک دلچسپ خزانہ عورتوں، بچوں، ضعیف العمر انسانوں اور نوجوانوں کے لئے موجود ہے مثال کے طور پر مولانا کی تصانیف نثر میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ نوجوانوں کے لئے۔ "آفتابِ زندگی"۔ "شبابِ زندگی"۔ "لاڈلا بیٹا"۔ وغیرہ وغیرہ بچوں کیلئے ادبی نامہ، چڑیا چڑے کی کہانی، ستّرہ کہانیاں، ادبی موتی، چار حصے وغیرہ وغیرہ۔ عورتوں کے لئے۔ "زنانہ لبّہ"، جڑاؤ جیا کلی، نیا باورچی خانہ، معلّم، سگھڑ سہیلی، وغیرہ وغیرہ۔ بوڑھوں کے لئے سوانح خواجہ غریب نواز، سیرۃ الحسین حالاتِ حالی۔ چراغِ داغ۔ الہام منظوم ترجمہ مثنوی مولانا روم، عزیز المطلب ہشت بہشت وغیرہ۔

فسانہ نگاری تقریباً ہر رسالہ اور ہر اخبار آپ کے افسانوں کا حامل ہے۔ آپ کے افسانوں کا رنگ اس قدر مضبوط اور اس قدر دلآویز ہے کہ ملک آپ کے ہر افسانہ پر داد تحسین دئے بغیر نہیں رہتا آپ اپنی جدتِ طبع اور اختراعی قوتوں کو یہاں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے پلاٹ میں باہمی ربط، زبان کی عمدگی، واقعہ نگاری کے پہلو، تخیل کا زور الفاظ کی مناسبت اور نفسیات کی تحلیل اس عمدگی سے افسانوں میں نظر آتی ہے کہ ہر افسانہ کو بار بار پڑھنے کے بعد بھی سیری نہیں ہوتی۔ آپ کے افسانوں کا مجموعہ "اساطیر" کے نام سے عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

www.taemeernews.com

ڈرامہ نگاری

اس مضمون کو لکھتے وقت دو حسرتوں کا شکار بننا پڑتا ہے۔ پہلی تو یہ کہ اگر آغا حشر کاشمیری مرحوم زندہ ہوتے تو مولانا کے ڈراموں کے متعلق اُن ہی کا تجربہ کار قلم کچھ لکھتا اور زمانہ زیادہ حقیقت آشنا ہو جاتا۔ مولانا کے ایک ڈرامہ "آزر کی نسل" کے کسی حصے کو سننے کے بعد مرحوم نے یہ الفاظ ادا فرمائے تھے۔ "مولانا مجھے ڈر ہے کہ آپ ہم لوگوں کی روزی نہ چھین لیں۔ میں تو یہ محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے آغا حشر ہی بول رہا ہے۔" اب تک آپ گیارہ ڈرامے لکھ چکے ہیں۔ جن میں سے بیشتر کلکتہ اور بمبئی میں اسٹیج بھی ہو چکے ہیں اور کچھ شائع بھی ہو چکے ہیں ابھی حال ہی میں آپ نے ایک فلمی ڈرامہ تصنیف فرمایا ہے۔ جسے کئی مشہور فلم کمپنیاں مانگ رہی ہیں۔ اور جو جلد پردۂ فلم پر آنے والا ہے۔ میری دوسری حسرت میری وہ آرزو ہے جو مولانا کی عدیم الفرصتی کا شکار ہے مولانا جیسا کہ ہر صاحب کمال اپنے جوہر کمال کی بنا پر گوشۂ قناعت اختیار کر کے استغنا کا شکار ہو جاتا ہے۔ مولانا بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور اس طرف حسب ضرورت ملک توجہ نہیں فرماتے۔ ورنہ آج ہندوستان میں بھی انگلستان کی سی بیداری آپ کے ڈراموں کے ذریعہ سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور آغا حشر مرحوم کے برپا کئے ہوئے محشر میں اور نئے فتنوں کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

ترجمہ کی اہلیت

مولانا کی قابلیت زبان اردو ہی تک محدود نہیں۔ آپ ایک زبردست لائبریری کے مالک ہیں۔ آپ کی علمی قابلیت زبان انگریزی سے کما حقہ آشنا ہے۔ آپ اکثر ملٹن۔ بائرن۔ گولڈسمتھ۔ اور شیکسپیئر کی تصانیف کا مطالعہ فرماتے رہتے ہیں۔ فارسی کے ہر مشہور شاعر مثلاً نظامی گنجوی۔ فردوسی۔ سعدی۔ خاقانی۔ انوری۔ عرفی۔ نظیری۔ وغیرہ وغیرہ کے خیالات اور کمالات سے برابر مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ عربی میں آپ کو کافی دسترس حاصل ہے۔ عربی ادب کی مشہور کتابیں آپ کی نگاہ اور مطالعہ میں رہتی ہیں۔ آپ نے مولانا روم کی مثنوی کے چند دفتر اس حسن و خوبی کے ساتھ شاعرانہ نکات اور رموز کو مدنظر رکھتے ہوئے منظوم ترجمہ فرمائے ہیں کہ ملک اس کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ اس کے علاوہ عربی خطبات عزیزیہ کا منظوم ترجمہ فطرت کو اس قدر پسند آیا کہ اس کو مسجدوں میں عوام و خواص کی نصیحت کے لئے خطبے کی صورت میں مرتب کر دیا گیا ہے۔

سیاست

شاعر کبھی کبھی کچھ کہتا ہے۔ اور ملک اس کی حقیقت سے آشنا ہونے کے بعد اس پر عمل پیرا ہوتا ہے لیکن مولانا یہاں بھی فطرت کے غیر معمولی عطا کردہ عطیے کی بدولت ممتاز اسٹیج پر نمودار ہوتے ہیں۔ گروہ کو جو یدہ "تاج" سے زینت بخشتے ہیں۔ اور اس توانائی و اہتمام کے ساتھ کہ ملک کو آپ کے تدبر کا لوہا ماننا پڑتا ہے ہندوستان کا مشہور ہفتہ وار "ریاست" ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار بطور پیش کش دیتے ہوئے۔ آپ کے قلم سے ایک سال تک سیاسی گتھیاں سلجھاتا رہا ہے۔ "مدینہ" بجنور اور "زمیندار" لاہور بھی آپ کو مسند سیاست پر جگہ دینے کے لئے یاد فرماتے رہے ہیں۔ "تاج" کے ذریعہ مولانا نے جو علوم و خیالات وقتاً فوقتاً دیے ہیں وہ تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔

تاریخ گوئی

یہ تو مسلم الثبوت امر ہے کہ فن تاریخ گوئی کے معاملے میں قدرت نے نہایت احتیاط سے کام لیا ہے اس نادر فن کا بیش بہا ملکہ مخصوص و محدود ہستیوں ہی کی طبیعتوں میں ودیعت کیا ہے۔ چنانچہ قدما میں سے حکیم مومن خاں دہلوی قابل ذکر ہیں۔ مابعد کوئی ہستی ایسی نمایاں نہیں ہوئی جس نے اس فن میں شہرت عام حاصل کی ہو۔ البتہ سرزمین لکھنؤ ضرور راس فن کو راس آئی اور لیکن وہ ہستیاں اس خاک سے مٹ چکی ہیں۔ لیکن فطرت اپنی جھلک دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی اور ایک معتدبہ مدت تک ہیں پردہ ... اپنا درخشاں چہرہ کہیں نہ کہیں نمود کے ساتھ دکھا ہی دیتی ہے۔ تجدید جو فطرت کا ایک لازمی فعل ہے۔ ہر فن اور ہر شعبہ میں ...

www.taemeernews.com

دہلی اور لکھنؤ کے بعد تناسب تقسیم نعمت کا خیال رکھتے ہوئے فطرت نے اکبر آباد کو یا تو اس خیال سے کہ اردو ادب کا نمایاں اسکول رہا ہے یا تکمیل فن کے لحاظ سے مولانا ممدوح کو فن تاریخ گوئی میں دست رس کامل عطا فرمائی۔ آپ مختصر سے مختصر مگر دلچسپ۔ زود فہم۔ فصیح۔ بلیغ اور سریع التاثیر انداز میں تاریخ پیدائش۔ تاریخ وفات۔ تاریخ تعمیر مکان و باغات وغیرہ۔ عربی فارسی اور اردو میں اس قدر جلد، حسب منشا اور حیرت انگیز لکھ کر دیتے ہیں کہ تحیر کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ جس کا ہر لفظ پڑھنے کے بعد انسان اپنا دل تھام لیتا ہے۔

آپ کے قلم سے ہزارہا تاریخیں نکل چکی ہیں۔ آپ کی تاریخ کے طالب ہیں ذی علم، امرا، عوام غرض ہر طبقہ کے لوگ دوسری تاریخوں کی وقعت دل سے نکال دیتے ہیں۔ یہ فن اس اعتبار سے انتہائی مشکل ہے کہ طبیعت کو مخصوص دن محدود سال۔ اور خاص مقصد سے وابستہ کر کے مادۂ تاریخ نکالنا پڑتا ہے۔ لیکن "ایں سعادت بزور بازو نیست" فطرت نے اس فن کو بھی مولانا کی الکلیت اور تجدید سے نوازا۔ مولانا کے فن کی شہادت کے لئے زندہ انسان تو درکنار۔ مردے بھی بول اٹھیں گے۔ انسان کا دل تو کیا پتھر کا سینہ بھی نقش کالحجر بن کر ابھرے ہوئے الفاظ میں شہر خموشاں کے چپے چپے سے سر اٹھا کر گواہی دینے کے لئے سینہ سپر نظر آئے گا۔ ہندوستان کے کسی بڑے شہر یا قصبے کا قبرستان آپ بغور بامتحان جا کر دیکھیے۔ وہاں مولانا کی تاریخیں آپ کو ضرور ملیں گی۔

زود گوئی

شاعری کا ذوق وجدانی فطرت کا مخصوص عطیہ ہے اکتسابی کاوشیں یہاں کارفرما تو ضرور ہوتی ہیں لیکن کہنے اور سمجھنے کو ورنہ درد دل ہو یا عشق، ہجر ہو یا وصل یہ سب شاعر قدرت نے گھڑ کر بھیجے تھے۔ دنیا کو ان کی تعبیر کا کوئی فخر حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم کا زور اور ان کی موجزن طبع دریائے معانی کی گہرائیوں میں غواصی کر کے نت نئے گوہر ناسفتہ چشم زدن میں سطح ساحل پر پھینکتی رہتی ہے۔ زود گوئی کمال شاعری کا ایک ثبوت ہے اور مولانا موصوف کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ اس معاملہ میں دنیا کا ریکارڈ توڑ رہے ہیں۔ تو دور از حقیقت نہ ہوگا۔ مولانا اگر چاہیں تو بجائے نثر کے نظم میں گفتگو کا انتظام فرما سکتے ہیں۔ مولانا ممدوح کو تسلسل فکر سے ماحقہ نظم بنانے میں اتنی دیر بھی نہیں لگتی جتنی کہ خیرگیٔ نگاہ کو برق خندہ کے اثر سے آزاد ہونے میں لگتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جدید ناول یا افسانے لکھتے وقت، مولانا حسب تقاضائے موقع غزل ہو یا ٹھمری۔ دادرا ہو یا واسوخت فضائے قرطاس پر اس طرح ثبت کرتے چلے جاتے ہیں جس طرح ایک خوش لحن حافظ ماہ صیام میں فضائے دہر کو بلا اختتام آیات قرآنی کے نور سے منور کرتا جاتا ہے۔ یا ایک قابل برہمن مہوان جی کی مقدس گدی میں بیٹھ کر عقیدت مندی کے پھول بھگوت گیتا یا رامائن کے باغ سے آن واحد میں چن چن کر ان کی متبرک اور پاک روح پر نچھاور کرتا رہتا ہے۔ کمال زود گوئی یہ ہے کہ اس طرح جو آمد ہوتی ہے وہ اس آورد سے جو ہزار سعی پیہم کے بعد میسر آئی ہو بہتر ہوتی ہے مولانا سیماب جلد سے جلد بھی جو کہتے اور لکھتے ہیں وہ اس معیار اور پایہ کا کلام ہوتا ہے۔ جو نظر ثانی سے پاک تحریف سے مبرا اور تحسین سے مملو ہوتا ہے۔ جہاں محاکات کا اعلیٰ نمونہ اور تخیل کا بہترین پہلو ہر کابی کا فخر ظاہر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ عطیہ خداداد ہے۔ جو قدرت کی جانب سے آپ کو عطا فرمایا گیا ہے۔ اور دور دراز عظیم الشان مشاعروں میں شرکت عملی اس صورت سے نمودار ہوتی ہے کہ اس شہر میں قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد آغاز مشاعرہ سے کچھ دیر پہلے طرح پر غزل کہنا شروع کرتے ہیں۔ گویا کسی حفظ کردہ مضمون کو تحریر کی صورت میں لا رہے ہیں۔ قبل از وقت غزل کہنے کے معنی یہ ہیں کہ ٹرین کی حرکت کے ساتھ ساتھ مضمون غزل کو بھی حرکت دی جائے اور ان دونوں حرکتوں کی ہم آہنگی سے وہ تحریک

غزل کی صورت میں پیش کی جائے جو تغزل میں ندرت، بلند حوصلگی، متانت تصوف اور اخلاق وغیرہ کا بہترین درس دے۔

قوّتِ اصلاح

اصلاح جزوِ کمال ہے اور اہلِ کمال کا شعارِ خاص۔ ہر اہلِ کمال کی نگاہ عیب پر پڑتی ہے۔ وہ چشم زدن میں محاسن اور عیوب علٰحدہ علٰحدہ نکال کر عیوب کی جگہ محاسن بھر دیتا ہے۔ اور جس طرح ایک باکمال مصور تصویر کے ہر رخ کو محاسن سے آراستہ کر کے تصویر کو تصویر بنا دیتا ہے۔ اسی طرح ایک باکمال شاعر آنِ واحد میں شعر کے محاسن اور عیوب پر نگاہ ڈالتے ہوئے قوتِ تخیل کا صحیح اندازہ کر لیتا ہے۔ اور اگر کوئی شعر برائے اصلاح اُس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ فوراً ہی تخیل کا اعلیٰ ترین پہلو مدِنظر رکھتے ہوئے بہت معمولی ردو بدل کے بعد شعر کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ لیکن قوتِ اصلاح ہر شاعر میں نہیں پائی جاتی

مولانا سیماب اہلِ کمال سے ہیں فطرتاً آپ کی قوتِ اصلاح اعلیٰ پایہ کی ہے۔ آپ ادق سے ادق اور سنگلاخ سے سنگلاخ زمین کے اشعار پر بھی اس خوبی کے ساتھ اصلاح دیتے ہیں کہ کہنے والا اپنے حقیقی مطلب کو اس سے زیادہ اچھے اور خوش اسلوب اندازِ بیان میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ آپ بڑی سے بڑی غزل کو بھی اس قدر تیزی کے ساتھ اصلاح دے کر واپس فرماتے ہیں کہ کوئی خامی کسی نوع سے باقی نہیں رہتی۔ آپ کی اصلاح آپ کی معلوماتِ علمی اور ذوقِ فطری کی ترجمان ہے۔ آپ اصلاح کے اُستاد اور زبان کے دھنی ہیں۔ دنیا میں ایسے بہت سے شاعر موجود ہیں جو آپ کی قوتِ اصلاح کے بھروسہ پر دورانِ مشاعرہ میں اصلاح کیلئے غزل پیش کر دیتے ہیں۔ اور فوراً ہی حسبِ دلخواہ ایک مکمل اور بے عیب غزل کے مالک ہو جاتے ہیں۔ آپ کی اصلاح کے ہر ہر لفظ پر لوگ سر دھنتے ہیں۔ قوتِ اصلاح کا کمال آپ کو اُستاد داغ مرحوم کا ایک روحانی عطیہ ہے۔

خوفِ طوالت اور طلبِ اختصار، ولولۂ جوش کے دشمن ہیں۔ جوشِ صداقت کی وسعتیں بحرِ ناپیدا کنار کے سواحل سے وسیع تر ہیں مگر وسعتِ ظرف کے معیار سے ٹکرانے والی شے پر اکتفا کرنے کا نام ہے اور دوسروں کے جذبات کو رواداری کے احترام سے مزین کرنا ہے۔ میں بھی اسی صبر کا شکار ہو کر روانیِ قلم کو خاموشی کے دریا میں غوطہ دینے سے پہلے اس قدر اور کہنا چاہتا ہوں کہ تلاشِ مقصد اور تلاشِ حقیقت سے مدد لیتے ہوئے شعرائے ہند اور اہلِ آگرہ ملاحظہ فرمائیں کہ تحمید کا بندہ۔ نعت کا شیدائی۔ اصلاح کا دھنی۔ زود گوئی کا مالک۔ جدید رنگِ تغزل کا رہبر۔ موجودہ نظم گوئی کا بلند پرواز بادی، جمیع اوصافِ شاعری میں یکتائے روزگار۔ سادہ مزاج مسکین طبع۔ روشن خیال، حقیقی مصلح، کامل اُستاد۔ واقفیتِ عامہ سے ماہر۔ رسالوں کا سردار۔ بہترین نثار، مولانا سیماب اکبرآبادی کو اگر قلب اور حقیقتِ نفسِ امری کے زیرِ تحت پرکھا جائے تو آپکی ··· اس سے کہیں زیادہ مکمل دماغ نظر آئے گی جو دوستوں کو حسب درجاتِ محبت نظر آیا کرتی ہے۔ یا دشمنوں کو حسب درکات حسد و تعصب محسوس ہوتی ہے۔ غنیمت ہے یہ وقت اور یہ زمانہ کہ ہماری آسودگیٔ ادب کے لئے ایک ایسی ہستی فیض رسان ہم میں موجود ہے۔ قابلِ رشک ہیں وہ لوگ جو آپ سے فیض یاب ہیں اور افسوس ہے اُن پر جو اس کی ذات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

www.taemeernews.com

سیماب صاحب اور آگرہ اسکول

(ایک بے تکلف مضمون)

از ــــــــــ جناب پروفیسر حامد حسن صاحب قادری

میرے محترم جناب پروفیسر حامد حسن صاحب قادری نے جو مضمون آگرہ اسکول نمبر کے لئے مرحمت فرمایا ہے۔ میں اسے شکریہ کے ساتھ بہ تمام کمال درج کر رہا ہوں۔ قادری صاحب اپنی مدت العمر میں اردو کے شعر و ادب کے کئی انقلاب دیکھ چکے ہیں۔ اس لئے قدیم اسلوب بیان سے انہیں بچھڑا ہی جانے۔ میں نے اپنی لیاقت کے مطابق ان کے تنقیدی اشارات کا جواب تحت عنوان دیدیا ہے۔ اس کے لئے میں ان سے معافی کا خواستگار ہوں۔ "آگرہ اسکول" کے متعلق ان کے اختلافی نظریات کا جواب آپ کو "تعارف" میں ملے گا۔ جسے عام اختلاف رائے کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے یہ مضمون وصول ہونے سے پہلے ہی مرتب کر لیا تھا۔ اختلاف رائے یا اختلاف خیال کوئی بری چیز نہیں۔ لیکن اگر واضع کے منشائے خیال تک رسائی حاصل کر لی جائے تو زیر موضوع کے سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ (ایڈیٹر)

سیماب صاحب کو بڑا اصرار ہے کہ آگرہ کا ایک الگ شاعرانہ اسکول یا ادارہ قرار مانا جائے مجھے ان کی یہ ادا ایک اور وجہ سے بہت پسند ہے۔ سیماب صاحب اپنے وطن کے عاشق ہیں نہ صرف نام کے عاشق نہیں، کام کے عاشق' اور میرا یہ مسلک ہے کہ

استواری اصل ایمان ہے ‏ ‏ مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

سیماب صاحب میں لاکھ باتوں کی ایک بات یہی ہے کہ وہ اپنے اکبرآباد کو ہر حیثیت سے اکبر و اعظم ممتاز و سرفراز دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور صرف دیکھنا نہیں، بنانا چاہتے ہیں۔ خوش قسمتی سے سیماب صاحب نے آگرہ کے دور شعر و ادب کی آخری بہار دیکھی ہے اسکی یاد ان کے دل پر نقش ہے۔ اور وہ پھر گردش ایام کو پیچھے کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ یہ خواہش و کوشش کس قدر مستحسن و محمود ہے۔

"آگرہ اسکول کا امتیاز ماننا" اس کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ کو پیش کرنا درست نہیں۔ اس ... میں غیر ضروری بحث ہے تو اس کے متعلق چند باتیں عرض ہیں۔ جب اردو شاعری شروع ہوئی، لکھنؤ کی بھی کوئی ہستی و حیثیت نہ تھی دلی کی سلطنت تھی دلی کی زبان دلی کی شاعری یہی حال آگرہ کا تھا کہ ... سلطنت کا مرکز ... آگرہ سے دلی کو منتقل ہو چکا تھا اس لئے آگرہ کی شاعری بھی دہلی ہی جا پہنچی۔ بلکہ آگرہ میں پیدا ہوئے اور دہلی میں جا کر شاعر بنے۔ میر و غالب اکبرآبادی ہو کر اپنے آپ کو دہلوی کہا اور کہلایا میر صاحب کا ارشاد مشہور ہے۔

بیت

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب ‏ ‏ ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

پھر جب لکھنؤ میں نوابی قائم ہوئی اور دہلی کے شاعر میر و سودا وغیرہ وہاں گئے تو وہاں بھی طرز دہلی ہی کا اتباع شروع ہوا۔ لیکن جرأت و انشا نے رنگ بدلنا شروع کر دیا، اور ان کے بعد ناسخ و آتش اور ان کے شاگردوں نے دہلی کے طرز سے بالکل الگ انداز پیدا کر لیا۔ ایسا کہ دہلی و لکھنؤ کا فرق نمایاں نظر آنے لگا۔ اس امتیاز کو ظاہر کرنے کی ضرورت سے دہلی اسکول اور لکھنؤ اسکول کے نام نکلے ہیں۔

... نہ لکھنوی رنگ تخیل و طرز ادا نے دہلوی شاعروں کو بھی متاثر کیا۔ اور امیر لکھنوی کے ساتھ داغ دہلوی بھی اسی رنگ میں لکھنے لگے۔ تاہم داغ کے یہاں "لکھنویت" پر "دہلویت" غالب رہی۔ یہ فرق ناسخ

سے مرشعر قطعی ہے: تک الگ مصرعوں سے مرکب ہے۔ قلت جا کے سبب سے یہ ترکیب دیدی ہے۔

کے وقت سے آتیرو داغ تک رہا یا ان کے پیرانہ سال تلامذہ جلیل، نوح، سائل وغیرہ میں ہے۔ ورنہ اب لکھنؤ کے کبیرالسن شعرا آرزو لکھنوی، محشر لکھنوی نے بھی رندی و بیباکی کو اپنی غزل سے خارج کردیا ہے۔

اور موجودہ صدی کے شعرائے لکھنویت سے بیزاری کیا معنی، بلکہ قدیم سے بھی زیادہ متانت اور شائستگی اختیار کرلی ہے۔ یہاں شعراء سے مراد اساتذہ و مشاہیر اور ارباب طرز ہیں۔ عوام کا ذکر نہیں۔ اب مضمون، تخیل و جذبات کے لحاظ سے لکھنؤ کا شاعر بھی "لکھنوی" نہیں رہا۔ زبان و محاورہ کا فرق البتہ فطری ہے۔ وہ ہے اور رہے گا۔ ورنہ حسرت موہانی، عزیز لکھنوی، فانی بدایونی، اصغر گونڈوی، جگر مرادآبادی، اقبال لاہوری، حفیظ جالندھری، وغیرہ وغیرہ یو۔پی، پنجاب، دکن، بنگال، بہار، تمام ممالک کے شعرا اصلاح غزل میں متحد ہوگئے ہیں۔

تو جب یہ برسوں اور قرنوں کا فرق مٹ رہا ہے اور دہلی اسکول و لکھنؤ اسکول کے ناموں کی بھی موجودہ غزل کے لئے ضرورت نہیں رہی تو آگرہ اسکول کو ایجاد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور یہ اُن سے الگ کونسا اسکول ہے؟ اس الگ ہونے کی تاویل سیماب صاحب نے یوں کی ہے کہ "خطبات شاعری" صفحہ ۱۰۰ پر تحریر فرماتے ہیں۔

تعلیم یافتہ اور ترقی مآب طبقوں میں دہلی و لکھنؤ کے تصنع و تکلف کی زیادہ قدر نہ رہی۔ کچھ افراد ملک میں ایسے پیدا ہوگئے جو ان دونوں اسکولوں سے الگ ایک جدید رنگ کے علمبردار ہوئے یہ وہ رنگ تھا جو مرزا داغ اور مرزا غالب کے رنگ تغزل کے امتزاج سے بقدر معتدل پیدا ہوا تھا۔ "آگرہ اسکول" بھی آج اسی رنگ کا متبع و موید ہے۔

لیکن اول تو جیسا میں ابھی کہہ چکا ہوں یہ امتزاجی و معتدل رنگ تغزل آجکل تمام ہندوستان کی غزل پر چھایا ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ "تمام سے" عوام کو میں پہلے خارج کرچکا ہوں۔ تو آگرہ کی خصوصیت نہیں۔ دوسری تقلید و اتباع کو "آگرہ اسکول" نہیں کہہ سکتے۔ صرف جدید اسکول کہنا چاہئے۔ اس کے مقلدین میں آگرہ و لاہور و حیدرآباد وغیرہ سب ہیں۔ اور اگر کہہ سکتے ہیں تو کم سے کم ہر بڑے شہر کا ایک اسکول ماننا چاہئے۔ آگرہ کی خصوصیت کیوں ہو؟

اس خصوصیت آگرہ اسکول کی بھی سیماب صاحب نے اسی خطبہ میں صفحہ آٹھ پر یہ تعریف کی ہے:—

"آگرہ اسکول کا ایک طالب علم اپنی غزل والدین، اُستاذ، بہنوں، بیٹیوں اور ملک کی تمام خواتین کے سامنے بے تکلف پڑھ سکتا ہے۔"

یہاں اول تو نفس غزل کی تعریف مسلم نہیں۔ اور تعریف گھڑنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ کوئی کہے کہ ہماری غزل مشارکل سوسائٹی میں جہاں تاریخی مقالات پڑھے جاتے ہیں بے تکلف پڑھی جاسکتی ہے۔ اور ... کے طور پر یہ مطلع پیش کرے۔

کس قدر معصوم تھا ہستی کا عنوان دیکھئے   سب سے پہلا صفحۂ تاریخ انساں دیکھئے

تو یہ اُس کی زبردستی ہے۔ کسی خاص جماعت یا جنس کے سامنے پڑھ سکنا معیار غزل نہیں ہوسکتا۔

دوسرے، "آگرہ اسکول کی صرف غزل میں اس خصوصیت کا ہونا اصلاح اخلاق و ادب و شعر کے لئے چنداں مفید نہیں۔ آگرہ اسکول کے ادیبوں شاعروں، رسالوں کے فسانے، منظومات، تصاویر، ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو سنانے اور دکھانے کے قابل نہیں ہیں تو اُن کے سامنے غزل سرائی کی بھی کیا ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ ساغر نظامی کی وہ غزل جس کا عنوان ہے "محبت ہی خدا ہے" "زیادہ جاذب نظر تو یہ نہیں ہے اسی پر دیکھ لے" ... وش ہے" اور فردوس رنگ و بو کی تصویر ہے، اور فردوس رنگ و بو کی نظم کے ان اشعار سے:—

کناروآب فروکش ہے ایک مہ پارہ   یا لب کوثر ہوا ہے اک ...

www.taemeernews.com

دراز زلف، سیہ چشم، اور تبسم ریز
جوانی اور صباحت، دو آتشہ اور تیز

کہیں تخیل فطرت کا شاہکار رہے
نظر یقین کرے جنت بہار رہے

نہاں تھا تیں جس کے دراز بالوں میں
جواں ہے جس کا تصور مرے خیالوں میں

بجا بجا مجھے اے خالق جمال عجب
نہ لوٹ لے کہیں یہ حسن بے مثال بجا

تیسرے، آگرہ اسکول کی غزل بھی اس خصوصیت کے منافی اشعار سے بالکل خالی نہیں ہے۔ راز چاند پوری، منظر اکبر آبادی، ساغر نظامی، علیگرہی وغیرہ، طلبۂ آگرہ اسکول کی غزلیں حسن و شباب کے پرکیف جذبات و مناظر سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن اس وقت سرسری انتخاب سے سیماب ہی کے چند اشعار کلیم عجم سے پیش کرتا ہوں۔

تم نے تو اپنے حسن کو محفوظ کر لیا
ہم کس کے ساتھ عمر محبت بسر کریں

عالم تصویر میں سو سو کے تو انگڑا رہا
ہم تصور میں تری انگڑائیاں لیتا رکھو

پھر تصور میں مرے زلفیں بکھیرے آئیے
پھر مجھے اپنے تصور میں پریشاں کیجئے

گیا شباب بھی پیری بھی آگئی سیماب
مگر یہ تکیۂ پہلو کسیں سر کتا ہے

پھولوں کے گجرے، کلیوں کے گہنے، سینے پہ جوباں، رخ پہ پریشاں
شامیں معطر، راتیں سہانی، ہائے محبت، ہائے جوانی

سینے میں گرمی، منہ پہ پسینہ، آنکھوں میں شعلے، دل میں شرارے
نظروں میں دنیا لیلائے ثانی، ہائے محبت ہائے جوانی

وہ ان کا جانا دامن جھٹک کر، وہ بیٹھ جانا دل کا دھڑک کر
وہ ان کا آنا، وہ شادمانی، ہائے محبت، ہائے جوانی

وہ شام فرقت آفت کی گھڑیاں، اشکوں کی لڑیاں ساون کی جھڑیاں
آنکھوں سے دل تک پانی ہی پانی، ہائے محبت ہائے جوانی

وہ چاندنی میں نظریں بچا کر، ان کے مکاں کا طوف مسلسل
سب سے چھپانا راز نہانی، ہائے محبت ہائے جوانی

خطوں کو لکھنے راتوں کو اٹھ کر، صفحے کے صفحے دفتر کے دفتر
پیغام پھر بھی دینا زبانی، ہائے محبت، ہائے جوانی

آگرہ اسکول کا ایک طالب علم یہ اشعار والدین، اُستاد، بہنوں، بیٹیوں اور ملک کی تمام خواتین کے سامنے بے تکلف نہیں پڑھ سکتا۔

چوتھے، اس خصوصیت یا اس کی اکثریت میں آگرہ اسکول تنہا نہیں ہے، اس سے پہلے میرٹھ اسکول ہے، جہاں کے مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے نظموں کے علاوہ غزلیں کی غزلیں اسی رنگ میں لکھی ہیں اور اس کے بعد بدایوں اسکول، موہان اسکول، لاہور اسکول، کلکتہ اسکول، حیدرآباد اسکول سبھی شریک ہیں۔ آرزو، عزیز، صفی، حسرت، فانی، اصغر، اقبال وغیرہ کی پوری پوری غزلیں اسی خصوصیت کی حامل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ میرے نزدیک آگرہ اسکول دہلی اسکول کی طرح ایک علٰحدہ ادارۂ فکر نہیں ہے اور ایسا دعویٰ کرنے اور اسکو تسلیم کرنے کی اصلاح و ترقی اردو کیلئے ضرورت بھی نہیں بلکہ ایسا دعویٰ جو کوئی ثبوت نہیں رکھتا اور جسکو تسلیم کرنے کیلئے الگ تھلگ نہیں فیض رسانی کا سدباب ہو سکتا ہے۔

اب میں آگرہ اسکول میں "اسکول" کے دوسرے معنی لیتا ہوں، جو اصل میں پہلے ہیں۔ یعنی تعلیم اور ان کے معنوں میں آگرہ اسکول کو ایک علٰحدہ ادارۂ تعلیم شاعری تسلیم کرتا ہوں۔ اس "آگرہ اسکول" کی کامیابی کا سیماب صاحب کے سر سہرا ہے۔ سیماب صاحب نے اپنے اسکول سے کتنے ہی شاعر بحیثیت ایف اے۔ اور بی۔ اے پیدا کر دئے ہیں۔ غالباً ابھی کوئی ایم اے[1] کی ڈگری حاصل نہیں کر سکا ہے یا مجھے علم نہیں۔ خود سیماب صاحب بلاشبہ اس فن میں ڈاکٹری کا ڈپلوما رکھتے ہیں۔ سیماب صاحب سالہا سال سے اپنے قصر الادب میں بیٹھ کر اپنی نظموں، غزلوں، مضمونوں، خطبوں، شاگردوں کی اصلاحوں، رسالوں، کتابوں کے کثیر و وسیع ذریعوں سے شعر و ادب کی اتنی بڑی خدمت کر رہے ہیں کہ شاید تمام ہندوستان میں کوئی ایک شخص ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں ان کا یہ دعویٰ بالکل درست مانتا ہوں۔

چمن سے تا عدن سیماب ہے فیض سخن جاری
عرب بھی خوشہ چیں میرا عجم بھی خوشہ چیں میرا

یعنی عرب و عجم میں اقامت پذیر شعرائے اردو، عربی و فارسی زبانوں کی شاعری و اصلاح سخن کا دعویٰ مقصود ہے۔

[1] ایم اے ایک نہیں کئی موجود ہیں۔ (اڈیٹر)

شعرا اپنے فضل و کمال کا اظہار غزل کے مقطع میں اکثر کرتے آئے ہیں جو شاعرانہ عادت جاریہ کے سبب سے قابل اعتنا نہیں ہوتا۔ لیکن یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ اس قسم کے مضامین خصوصاً اعتراف قصور صرف "زینت" اور "زیب داستاں" ہو۔ جہاں کلیم عجم میں سیماب صاحب کے یہ دعوے موجود ہیں:—

ہمنوائے طائر سدرہ ہوں ای سیماب میں ہمنوائے بلبل ہندوستاں ہونے کے بعد
جب اے سیماب لکھتی ہیں کبھی الہام کا املا برس جاتی ہیں کچھ نغمے مری طبع غزل خواں پر

وہاں ایسے شعر بھی ہیں۔

سیماب ہم میں عیب و ہنر خود ہیں بے حساب ہم کیا کسی کے عیب و ہنر پہ نظر کریں

ازل سے سہو و خطا ہے سرشت میں میری ہے اعتراف کہ سیماب آدمی ہوں میں

اسی قبیل کا شعر بہت ہی خوب کہا ہے۔

میری فطرت میں ہی سیماب نیاز آگہی ناز ہے مجھ پہ زمانے کو مجھے ناز نہیں

کیا انداز آگہیں نیاز آگہی ہے۔ میرے نزدیک اس ناز پر بھی ناز جائز ہے اس نیاز پر بھی اور اس انداز پر بھی۔

تنقید[1] و تبصرہ شعر و ادب کی اصلاح و ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے لیکن نقاد کو عناد سے کوئی تعلق نہیں۔ تنقید تنقیص کے لئے نہ ہونی چاہئے اعتراض کرتے وقت دیکھنا چاہئے کہ غلطی کی کیا نوعیت ہے۔ اور شاعر کا کیا مرتبہ ہے۔ مثلاً سیماب صاحب فن شاعری کے یقیناً استاد ہیں۔ تو اب ان سے جس قسم کی بھی غلطیوں کا امکان ہو۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ عروض و قافیہ کی غلطی ہو جائے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ علی الاعلان ایطاء کا استعمال جائز قرار دیں اور قافیہ معمولہ کو ترک کر دیں اور میرے نزدیک ایطاء کا ترک اور قافیہ معمولہ کا اختیار اولیٰ ہو۔ بہرحال یہ ممکن نہیں کہ سیماب صاحب کا کوئی مصرع ناموزوں ہو یا جوش ملیح آبادی کی طرح ایک نظم میں دو مختلف بحریں داخل کر دیں۔ اگرچہ اس اعتراض کے معاملے میں بھی میرا مسلک اولیٰ سے جدا ہے۔

اس بات سے خود جوش صاحب بھی انکار نہیں کر سکتے کہ ان کے نقش و نگار کی پہلی نظم کے بعض مصرع ایک بحر کے ہیں۔ بعض دوسری بحر کے۔ اور یہ غلطی جوش صاحب جیسے شاعر سے نہایت غیر متوقع تھی۔ تاہم میرے نزدیک جوش صاحب جیسے باکمال کو محض شاعر تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دینا معترض کی جسارت بیجا ہے۔ اور شاعری و نقادی کی توہین۔

مجھے اس وقت جوش صاحب سے بحث نہیں۔ سیماب صاحب جیسے سیماب صاحب فن عروض کے ایسے ماہر ہیں کہ ان سے اس فن کی غلطی نہیں ہو سکتی۔ کہیں سہو و فرد گذاشت ہو جائے تو ممکن ہے۔ مثلاً کلیم عجم کے صفحہ ۴۲ پر ایک ذو بحرین غزل ہے۔ اس کے مقطع کے پہلے مصرع میں یہ صنعت نہیں رہی۔ مقطع یہ ہے۔

فصل رنگیں کا ہوا سیماب از جلوہ نما اڑ کے پروانہ چلا شمع فروزاں کی طرف

اس کا دوسرا مصرع تو غزل کے باقی ۱۶ مصرعوں کی طرح ان دو اوزان میں پڑھا جا سکتا ہے۔

---

[1] تنقید کا لفظ بیسویں صدی کی ہندوستانی ایجاد ہے۔ عرب و ایران کے لغات و محاورات میں "تنقید" کا وجود نہیں ہے۔ اس مادے سے انتقاد و انتقاد مستعمل ہیں۔ یا اس کی جگہ تبصرہ۔ فارسی جدید میں جابجا یہ الفاظ ملتے ہیں۔ "فن انتقاد" "قواعد انتقاد" "ادبیات" "از روئے انتقاد" ہندوستان کے قدیم علمائے عربی و فارسی نے بھی تنقید کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ لیکن اس زمانے میں اس لفظ کا رواج ہو گیا ہے کہ خواص بھی استعمال کرتے ہیں اور اب اس کا ترک مشکل نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں محاورۂ عرب و عجم کے خلاف ایک ہی لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اور بھی بہت ہیں۔ مثلاً حسین بجائے جمیل۔ عزیز و رشتہ دار کے لئے۔ رئیس دولت مند کے لئے۔ اہل عرب ان لفظوں کے ان معنوں سے واقف بھی نہیں۔ لیکن اب ہماری بول چال یا ادبیات سے ان کا نکلنا آسان نہیں ہے۔ اس لئے میری رائے میں مصلحین زبان کو ان کے ترک پر اصرار کرنا بیجا ہے۔

([illegible])

www.taemeernews.com

۱۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

۲۔ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن

لیکن پہلا مصرع صرف پہلے وزن میں درست ہے اور دوسرے میں نہیں ہے[1] میں اس کو محض فروگذاشت سمجھتا ہوں ممکن ہے یہ مصرع اس طرح ہو۔

نعل رنگیں کا ہے سیماب اک اخر جلوہ نما

معنوی اعتبار سے بھی اگر سیماب صاحب کے کلام میں کہیں کوئی کوتاہی یا کمی رہ گئی ہو تو عجیب بات نہیں۔ "بے عیب تو ذات ہے خدا کی" مثلاً فرماتے ہیں۔

کثرت تعمیر عالم وجہ بربادی ہوئی — بڑھ گئیں آبادیاں اتنی کہ ویراں ہوگئیں

یہاں دونوں مصرعوں کا مفاد ایک ہی ہے۔ ایک دوسرے کی تشریح ہے تمثیل تعلیل کچھ نہیں۔ صرف ایک جگہ عربی فارسی میں کثرت تعمیر عالم ہے دوسری جگہ اردو میں "بڑھ گئیں آبادیاں"۔ ایسے ہی دوسرے ٹکڑے ہیں اس لئے ایک مصرع بیکار ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ اس شعر میں شعریت تغزل مضمون آفرینی وغیرہ بھی کچھ نہیں ہے۔

سیماب صاحب خود بیسویں صدی کے شاعر ہیں لیکن انیسویں صدی کے بہترین غزل گو فصیح الملک نواب میرزا داغ دہلوی کے شاگرد ہیں۔ اور اسی دور کے بعض مشاہیر اساتذہ کی صحبتیں دیکھے ہوئے ہیں۔ اس لئے سیماب صاحب کے کلام میں قدیم وجدید رنگ تغزل کی خوشنما آمیزش ہے۔ اور انھوں نے طرز قدیم کو نئے سانچے میں ڈھالا ہے۔ لیکن یہ صورت ابھی ذرا احتیاط طلب ہے۔ اس روش کو سیماب صاحب سے کچھ پہلے مرزا عزیز لکھنوی وغیرہ اختیار کر چکے تھے۔ لیکن سیماب صاحب اس شاہراہ پر سب سے آگے نکل گئے ہیں۔ اگر سیماب صاحب فرمائیں کہ ان کا "کلیم عجم" صرف آئندہ نسلوں کیلئے ہے جو ابھی نوجوان یا نومولود و منتظر تخلیق ہیں۔ تو میں "کلیم عجم" کو بند کرکے رکھے دیتا ہوں اور اپنی اولاد کے لئے چھوڑے دیتا ہوں۔ لیکن نہیں سیماب صاحب ہم سے بھی طالب داد ہیں۔ تو پھر ہماری رائے سننے کے لئے بھی تیار ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ غزل جدید عصر جدید اور زمانہ مستقبل کے لئے لکھی جاتی ہے۔ تاہم نفس غزل کی زبان، مضمون، طرز ادا دیگر اصناف سخن سے ممتاز ہونے چاہئیں اور نئے الفاظ، نئے محاورے، نئے اسلوب کے اخذ و انتخاب میں مانوس و موزوں ہونے کا خیال رکھنا ضروری ہے سیماب صاحب جدید الفاظ بڑی آزادی سے استعمال کرتے ہیں اور یہ مختلف نوعیت کے ہیں۔ یعنی مغربی زبانوں کے الفاظ بھی اور عربی و فارسی کے وہ الفاظ بھی جو اب تک زبان غزل پر جاری نہ ہوئے تھے۔ میں اس معاملہ میں سیماب صاحب سے ایک حد تک متفق ہوں۔ مثلاً سیماب صاحب کو رومان کا لفظ بہت پسند ہے۔ یہ لفظ اردو لٹریچر کا ایسا جزو لازم ہوگیا ہے کہ ادب لطیف کا کوئی رسالہ اور کوئی کتاب مشکل سے اس لفظ سے خالی ہوگی معنوی لحاظ سے بھی "رومان" کا مترادف کوئی ایک لفظ عربی و فارسی کا موجود نہیں ہے۔ اس لئے فارسی جدید میں بھی یہی لفظ اختیار کر لیا گیا ہے۔ سیماب صاحب فرماتے ہیں :-

واقعات عشق کا تھا ایک مجموعہ اک صدی — ہر نفس میں میں نے اک رومان پورا کر دیا

دامان تحریر کندہ ہے اب تک رومان غم میرا — یہ تاری میری آنکھیں ہیں یہ گریہ ہے شبنم میرا

سیماب صاحب رومان کو مفرد و مرکب دونوں صورتوں میں استعمال کرکے سکۂ رائج الوقت بنانا چاہتے ہیں۔ قدامت پسند طبائع کو یہ لفظ کھٹکے گا۔ میں خود بھی بہت قدامت پسند ہوں اور ہر نئی چیز پر چونکتا ہوں۔ لیکن غور کرنے کے بعد میں رومان کو دل سے نہیں تو عقل سے پسند کرتا ہوں۔

[1] غالباً قادری صاحب نے مصرع کی تقطیع کرنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ ورنہ انھیں پتہ چل جاتا کہ یہی مصرع صلوۃ کی تقطیع یہ ہے۔
نعل رنگیں فاعلاتن کا ہے سیما فعلاتن ب اک اخر فعلاتن جلوہ نما فعلن قادری صاحب کا پیش کردہ مصرع خود تقطیع سے خارج ہے۔ البتہ بحر ہر ایک پہلا مصرع میں ایک نقطہ پیش کیا گیا ہے اور دوسرے مصرع میں اسکی مثال ہے۔ ایڈیٹر

سیماب صاحب کے دوسرے شعر کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اس کے دوسرے مصرع کے آخری ٹکڑے میں تعقید پیدا ہو گئی ہے اور یہی ناگوار ہے[۱] کہ سیماب صاحب کو اس سے بچنے کے لئے مطلع کی قربانی گوارا کر لی چاہئے تھی۔ الفاظ یہ ہیں۔ "یہ گریۂ شبنم میرا" اور مفہوم یہ ہے "یہ شبنم ہے گریہ میرا"۔ "یہ" اور "میرا" کیسی غلط جگہ رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ "گندہ" بھی بے محل ہے۔ اور دامن پہ کوئی چیز گندہ نہیں کی جا سکتی[۲]۔ مغربی زبان و تہذیب کے نئے محاورے بھی سیماب صاحب نے نظم کئے ہیں۔ فرماتے ہیں ۔۔

ممنون ہوں تری نگہ دل نواز کا — اے دوست شکریہ مگر اب دل نہیں رہا

تھینک یو مائی ڈیر اور اس کا ترجمہ "بقول اکبر الہ آبادی مرحوم" ہی کی زبان و موضوع پر زیب دیتے ہیں۔ یہ اسلوب بول چال میں تو عام ہو گیا ہے[۳] لیکن متانت غزل کے لئے مضحکہ خیز ہے۔ اور یہاں تو ممنون ہوں کے بعد تکرار شکریہ کی ضرورت بھی نہ تھی۔

سیماب صاحب نے اپنی زبانوں کے بھی ایسے الفاظ کثرت کے ساتھ استعمال کئے ہیں جو مذاقِ تغزل کیلئے عجیب بھی ہیں اور "غریب" بھی مثلاً

ہر اک نگاہ میں تھا شوق کچھ نہ کچھ تیرا — مگر میں تجزیۂ ہر نگاہ کر نہ سکا
ایک ہی سا ہے نظامِ عشق کا ماضی و حال — میری تجویزِ وفا ناکام تھی ناکام ہے
دل کی تنقید مناسب ہے نہ یوں تیور بدل — مدتوں نکھرا ہے تو آئینۂ دل دیکھ کر

ان الفاظ میں تجزیہ و تنقید خاص علوم کی اصطلاحیں ہیں۔ تجویز میں خاص و عام دونوں شامل ہیں۔ لیکن یہاں "نظام" "ماضی و حال"، "ناکام" کے الفاظ نے تجویز میں بھی قانونی و دفتری شان پیدا کر دی ہے سیماب صاحب سے پچاس برس پہلے امیر مینائی نے اور سو سال قبل ناسخ لکھنوی نے اصطلاحی الفاظ کو غزل میں استعمال کیا اور ان پر اعتراض کیا گیا۔ مثلاً۔

(۱) فرق ہے دونوں میں استدراج اور اعجاز کا (ناسخ)
(۲) طلایہ پھر رہا ہے آنکھ میں طوقِ طلائی کا (امیر)
(۳) وہی اس متن کا شارح بھی ہے ماتن ہی نہیں (امیر)

تاہم غزلِ جدید کیلئے میں سیماب صاحب کے الفاظ کو جائز اور موزوں سمجھتا ہوں۔ بشرطیکہ سیماب صاحب کی طرح ان الفاظ سے بہت نظر رفعتِ خیال اور لطافتِ بیان پیدا کی جائے۔ اوپر کے اشعار میں تیسرا شعر سیماب صاحب کی جدت اور انکا نہایت نادر نمونہ ہے ممکن ہے بعض اشخاص اس طرزِ بیان کو پسند نہ کریں لیکن میری طبیعت زیادہ جدت طلب اور دقت پسند ہے۔ مجھے مومن و غالب، خصوصاً مومن کا یہ انداز کہ وہ ایسے الفاظ اور اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ جو مفہوم پر چند واسطوں سے دلالت کریں، نہایت عجیب و غریب و دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ سیماب صاحب کا یہ شعر عصرِ جدید کی جدتِ فکر کا نتیجہ ہے۔

سیماب صاحب نے جدید منفرد الفاظ کے علاوہ جدید ترکیبیں بھی بے شمار پیدا کی ہیں۔ مثلاً۔

شاہدِ حسن کا مستقبل سلوکِ وفا ہوگا — وفا ہے حسن کا جوہر کسی سے سن لیا ہوگا
آگئی ہستی زیبِ عشرتِ تخلیق میں — ایک عندلا سا خوشی کا نقشِ باطل دیکھ کر

یہاں لفظ تخلیق کی ضرورت نہ تھی۔ زیبِ عشرت کافی تھا تخلیق کے معنی عالم و کائنات کے لینا اختراعِ جدید ہے[۴]

یہی نظری جھلکتے ہیں یہی ذرے چمکتے ہیں — فضائے شبستاں ہی لیا یا شبستاں تک

سیماب صاحب کو ستاں کا لاحقہ نئے نئے لفظوں کے ساتھ لگانے کا بہت شوق ہے۔

۱۔ قافیہ کی ضرورت سے یہ ذرا سی تعقید متقدمین و متاخرین میں جائز بھی گئی ہے (ایڈیٹر) ۲۔ شعر میں صرف دامن نہیں بلکہ دامنِ سحر ہے۔ جو ایک منظر کی حیثیت رکھتا ہے۔
۳۔ جب بول چال میں یہ اسلوب عام ہے۔ تو شعر میں بھی قابلِ اعتراض نہ ہونا چاہئے۔ (ایڈیٹر)
۴۔ تخلیق کے معنی عالم کائنات نہیں بلکہ پیدائش و ظہور ہیں۔ (ایڈیٹر)

شبستاں میں ہو شمعِ پروانہ بیں تم — گلستاں میں ہو بوئے غنچہ نشیں تم
کبھی مصر کی نکہتِ نازنیں تم — کبھی طور کا جلوۂ سرمگیں تم
اشاروں میں بجلی کے تم کوندتے ہو — ستاروں میں ہو لرزشِ شرمگیں تم

یہ سب ترکیبیں خوب ہیں، خصوصاً تیسری نہایت لطیف ہے۔

جو تھی عندوشِ تب بے انتہا جلوؤں کی فراوانی — وہ بجلی جذب ہو کر رہ گئی ترکیبِ انساں میں

"تھی" اور "بے انتہا" دونوں جمع نہیں ہو سکتے صرف ایک کافی ہے "انتہا" بہتر ہے [1]

خالی نہیں جہاں میں کوئی نظارے — دنیا محیطِ کُل ہے نگاہِ نظر سے

محیط کی جگہ محاط ہونا چاہئے۔ یعنی دنیا ہنگامۂ نظر سے گھری ہوئی گی۔ اگر اسمِ فاعل ہی کو کھینچ تان کر درست کیا جائے پھر بھی پہلے مصرع کے دعوے کا ثبوت کسی صورت میں نہیں ملتا [2]۔

سرفروشانِ محبت کو تو ہے امتیاز — محشرِ اہلِ وفا میں پرسشِ قاتل نہیں

کیا خوب کہا ہے سبحان اللہ! یہ شعر، یہ ترکیبیں، یہ انداز، یہ مفہوم سب لاجواب ہیں۔

اُس مرکزِ جمال پہ اب ہے مری نگاہ — جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

کیا کہنا ہے! واہ واہ! یہ ترکیب و اسلوب نہایت نادر ہے۔

شگفتِ غنچۂ گل سے صبوحی پی رہا ہوں میں — ابھی سو کر عروسِ صبح گلشن نہیں اٹھی

پھر یہ عجیب ترکیبیں اور عجیب تر تخیل اور عجیب ترین اسلوب آ گیا ہم ایسے مضامین کو شعر بازی اور سخن آرائی سے تعبیر کرتا ہوں۔ مفہوم یہ ہے کہ ابھی صبح نہیں ہوئی اور میں سیرِ غنچہ و گل میں مست و محو ہوں۔ شگفتِ غنچہ و گل پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ صبح کی سیرِ باغ کو شغلِ صبوحی سے تشبیہ دینا درست ہے۔ بلکہ لطیف و موزوں ہے۔ صبح کو عروس اور عروسِ باغ کر سکتے ہیں۔ اور یہ تشبیہ بھی نازک و خوشنما ہے۔ اس طرح یہ شعر صنعتِ مراعاۃ النظیر کی عمدہ مثال بھی ہے۔ لیکن یہ شاعرانہ تکلفیں پورے مضمون میں کوئی ندرت پیدا نہیں کرتیں۔ بلکہ دوسرے مصرع کی تشبیہ کو پہلے مصرع کے استعارہ و تشبیہ سے کوئی مناسبت نہیں یعنی عروس کے سو کر اٹھنے کو شغلِ میکشی سے کچھ تعلق نہیں۔ اور اگر ہے تو ابتذال سے خالی نہیں۔ اور جب تک یہ تعلق نہ ہو شعر میں ان ترکیبوں اور تشبیہوں کو جمع کرنے سے کوئی حسن پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح کے شعروں سے یہ فائدہ ضرور ہے کہ زبان و ادب میں جدید اسالیب و تراکیب کا اضافہ ہوتا ہے اور ترکیب و اسلوب پیدا کرنے کے طریقے نظر آتے ہیں۔

سیماب صاحب معاف فرمائیں اگر میں یہ کہوں کہ وہ کثرت سے نئے الفاظ، نئی ترکیب، نیا انداز پیدا کرنے کی اس لئے بھی کوشش کرتے ہیں کہ "خطباتِ شاعری" کے صفحہ ۱۰۲ پر انھوں نے شعر کی بہت سی تعریفوں میں ایک یہ تعریف بھی بیان کی ہے کہ

"شعر وہ ہے جو باوجود کوشش جاہل یا کم علم یا ناموزوں طبع شخص نہ کہہ سکے۔"

تو اب وہ اپنے اشعار کو سطحِ عام سے بلند کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتے ہیں، یہ خواہش و کوشش بیشک بجا و مناسب ہے اور ان کی سعی اکثر و بیشتر مشکور رہتی ہے۔ اگرچہ اشکال و دقت معیارِ رفعت و لطافت نہیں ہے۔ چند معنی خیز اشعار وسیع و بلند مضامین جدید الفاظ و تراکیب بلیغ اسالیب اور دیکھئے۔

شوخیِ جلوۂ طغرائے ازل ہم سے ہے — ہم جو افسانہ نہ بنتے تو یہ عنواں ہوتا؟
نقشِ نظارہ سے ہے حاصلِ نظارہ تمام — دیکھتا تجھکو بھی گر تو نہ حیراں ہوتا
ہو گئے درد آشنا نظروں کو صرفِ التفات — تکملہ جب تک نہ ہو میری جنونِ خام کا
تقدیر میں اضافۂ سوز و فنا ہوا — تم نے جو دل میں آگ لگا دی تو کیا ہوا

---

[1] بے انتہا جلووں کیلئے ہے بجلی کیلئے نہیں۔ (ناظم)
[2] شعر کے معنی و مفہوم پہ غور کیجئے تو ثبوت مل سکتا ہے۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں کوئی نظارہ ایسا نہیں جس کو نگاہ نے نہ دیکھا ہو اور تمام دنیا میں صرف نظر ہی کی کارفرمائی ہے۔ مثلاً کوئی نظر کے اثر سے مسمریزم اور ہپناٹزم کے کرشمے دکھاتا ہے، کوئی ستاروں کے اثرات واضح کر رہا ہے کوئی سائنس کے انکشافات میں مصروف ہے۔ یہ سب آخر نظر کی کارفرمائیاں نہیں تو کیا ہیں۔ ایڈیٹر

محشر پندار برپا تھا بقدر خودی — بت نہ تھے تخیّل عالم میں گر بتخانہ تھا

اس قسم کے مضامین اور طرزِ ادا وسعتِ زبان کے لئے ضروری و مفید ہیں۔ سیماب صاحب کو اُن کے اختراع میں خاص ملکہ حاصل ہے شعرائے جدید میں سے ایک کیا دو چار سخن گویوں کے کلام میں بھی اس کثرت سے یہ چیزیں نہ ملیں گی۔ جتنی تنہا سیماب صاحب کے "کلیم عجم" بلکہ اُس کے ایک حصہ (نشید ق) میں موجود ہیں۔ ممکن ہے ان میں سے بعض الفاظ اور ترکیبوں سے مجھے یا کسی کو اختلاف ہو، لیکن ان کی ضرورت و اہمیت و افادہ سے اور سیماب صاحب کے کمال سے انکار کی گنجائش نہیں ہے تاہم میرے نزدیک اس سے زیادہ شاعر کا کمال یہ ہے کہ ان اختراعات سے بے نیاز ہو کر بھی نازک و لطیف، کیف انگیز و اہتزاز آفریں، موثر و دلنشین شعر کہہ سکے۔ سیماب صاحب کا کلام ایسے اشعار سے بھی خالی نہیں ہے مثلاً

بدل گئیں وہ نگاہیں یہ حادثہ تھا اخیر — پھر اس کے بعد کوئی انقلاب ہو نہ سکا
نہ پوچھ مجھ سے ترے جبر و اختیار کی خیر — گناہ ہو سکے یا گناہ کر نہ سکا
فطرت ہی ازل سے ہے برقِ جمال کی — اس نے جسے تباہ کیا طور کر دیا
شام فرقت انتہائے گردشِ ایام ہے — جتنی صبحیں ہو چکی ہیں آج سب کی شام ہے
اس طرح دنیا ہی اک معمورۂ ناز و نیاز — ذرّے ذرّے پر مرا سجدہ ما تمہارا نام ہے
قفس کی تیلیوں میں جانے کیا ترکیب رکھی ہے — کہ ہر بجلی قریبِ آشیاں معلوم ہوتی ہے
آنکھیں ہیں مری بندہ عشق میں یارب — آگے کوئی اس راہ میں ٹھوکر تو نہیں ہے

اس طرح کے سادہ و پُر کار اشعار سیماب صاحب کے ہاں اور سخنورانِ معبر حاضر سے زیادہ نہیں ہیں۔ پھر بھی بہت ہیں اور خوب ہیں۔

سیماب صاحب فنِ شعر و عروض کے بڑے ماہر اور قادر الکلام ہیں۔ اس قدرت و مہارت کے بہت سے ثبوت "کلیم عجم" میں موجود ہیں سیماب صاحب نے ایسی متعدد بحروں میں غزلیں لکھی ہیں، جو عام طور پر اردو میں رائج نہیں ہیں۔ ان میں بعض ہندی بحروں اور گیتوں کا ترنم رکھتی ہیں۔ میرے لئے یہ چیز ہمیشہ سے نہایت دلکش رہی ہے۔ سیماب صاحب نے ایسی غزلوں میں تخیّل و زبان بھی، ترنم کے لحاظ سے نازک و شیریں اختیار کی ہے۔ مجھے ایک غزل بہت پسند ہے۔ پوری نقل کرتا ہوں۔

ہم اک دن جلتے جلتے خاکستر ہو جائیں گے — دیکھیں وہ خاکستر میں کیونکر آگ لگائیں گے
غم کے ناکام افسانے بس اتنی کام آئیں گے — میں کہہ کر پچھتاؤں گا وہ سن کر شرمائیں گے
جوشِ طلب ہے غیرت کیا ہاتھ نہ آگے جائیں گے — کچھ تو انہیں شرم آئے گی جب دامن پھیلائیں گے
ہم کو یارانِ محفل شمعِ سرِ محفل سمجھیں — شب بھر جل کر کاٹیں گے صبح ہوئی بجھ جائیں گے
بادل ہے گھنگھور گھٹا ذوق ہے جو اٹھتے پیمانے ہیں — رہا ہوں ساقی یہ ساون پھر کب آئیں گے
اپنے حکمِ عام دیا کوئی ہمارا نام سے — اب ہم دیوانہ دل کو کیا کہہ کر بہلائیں گے
دیدے اُن کی طلب ہے گر نہ سہی مختصری — ہم دانستہ دیکھیں گے وہ مجبوراً آئیں گے
خیرہ ہم موسیٰ نہ سہی آپ بھی شمعِ طور نہیں — جس دن آنکھیں چار ہوئیں پردے خود اٹھ جائیں گے
تجھ سے ہم سے رشتہ ہے دونوں عالم جان گئے — دنیا ہو یا عقبیٰ ہو تیرے ہی کہلائیں گے

نذر گذاری کا سیماب وہ محفل میں اذن تو دیں
ہم بھی اپنی آنکھوں میں کچھ آنسو بھر لائیں گے

بعض ایسی بحروں میں غزلیں لکھی ہیں جن میں ترنم صرف یا جزِ مکمل سے کچھ کمی یا بیشی ہے۔ یہ بات ایران کی شاعری میں ہمیشہ سے ہے۔ اور اب تک رائج ہے کہ پورے وزن میں بقدر نصف رکن کے کم یا زیادہ کر دیتے ہیں ایسے وزن میں نظم لکھنی بغیر عادت و مشق دشوار ہوتی ہے۔ اردو شاعروں نے اس کو شروع ہی سے ترک کر دیا۔ ایران میں بھی اس کی کثرت دورِ جدید کی جدت ہے۔ سیماب صاحب نے بھی چھوٹی بڑی بحروں میں اس طرح کا تصرف کر کے اپنے کمالِ فن کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً ایک بہت طویل بحر یہ ہے کہ (فاعلن) ایک مصرع میں آٹھ بار آئے۔ سیماب صاحب نے آٹھواں رکن بقدر فاع باقی رکھا ہے اس غزل کا مطلع و مقطع یہ ہے۔

تیرہ دنیا ہے دنیا الٰہی مگر مطمئن ذہنِ دنیا نہیں ہے
کاوشِ زندگی کا ہے شرگ کا کچھ نتیجہ بھی ہے یا نہیں ہے

www.taemeernews.com

فکر کے وقت سیماب خونِ جگر عرش کا طوف کرتا ہے اکثر
شعر کہنا ہے دراصل پیغمبری شاعری ہے تماشا نہیں ہے

اس غزل میں سیماب صاحب نے اپنے رنگِ جدید کے بعض شعر خوب نکالے ہیں مثلاً۔

یادِ صبحِ ازل کو ہے وہ ماجرا جب فرشتوں کا سجدہ یہ تھا
بندہ تادانِ آں جرمِ تقدیس کا، سجدہ انساں کا سجدہ نہیں ہے

تیرے ہونے کا اقرار ہے ہر قدم لیکن اقرار و انکار کیا
ہستی و نیستی کا توازن ہی کیا، لا ابتدا ہر الا انہیں ہے

لیکن مجھے یہ شعر بہت پسند ہے۔

اک نشیمن دو خاشاک وخس کا مکاں، اور اس پر یہ غرّہ ہیں طوفاں[1]
کس قدر تنگ بیں ہی مرا باغباں جیسے دنیا میں صحرا نہیں ہے

یہاں مجھے لفظ "غرّہ" میں ذرا تامل ہے۔ غرّہ (بالفتح) کے معنی غرور کے ہیں۔ یہاں غرانے سے بالضم ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ فصیح نہیں ہے میں نے فصحا کی نظم و نثر میں کہیں نہیں دیکھا۔ اس کی جگہ غصّہ کیوں نہ،

بعض بحریں اس قدر ترنم ریز، کیف انگیز اور ... آفریں ہیں۔ کہ انکی غزلیں پڑھنے سننے ہی سے شعر و موسیقی کا ذوق پیدا ہو سکتا ہے لیکن ہمارے شعرائے قدیم نے ان کی طرف بہت کم توجہ کی ہے ان میں ایک وزن تو وہ تھا جس میں سیماب صاحب کی غزل (آگ لگا ئیں) پہلے نقل کر چکا ہوں۔ دوسرا وزن ہے:۔ مفاعلن مفاعلن مفاعلن مفاعلن اساتذۂ سلف میں سے شاید ہی کسی نے اس میں غزل کہی ہو۔ سیماب صاحب کی جدت آفریں تخیل اور لطف پرور شعریت نے اس بحر کا انتخاب کر لیا۔ اور وزن کے ترنم نشاط آگیں کی مناسبت سے مسلسل غزل لکھ کر کیف وسرور کا ایک عالم پیدا کر دیا۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:۔

پھر اپنے دل میں شورشِ شباب دیکھتا ہوں میں[2]
الٰہی جاگتا ہوں میں کہ خواب دیکھتا ہوں میں

حیات کے نشاط کے کھلے ہوئے ہیں میکدے
تمام ہستیوں کو بے نقاب دیکھتا ہوں میں

جسے ترس گئی تھی دیکھنے کو چشمِ آرزو
اسے بقدرِ شوق بے حجاب دیکھتا ہوں میں

نوید ہے نالہائے سحر اعتبار کو
کسی کے دل میں اپنا اضطراب دیکھتا ہوں میں

جو گر رہی ہیں پیرہن آستیں پہ چشمِ حسن سے
ان آنسوؤں میں موتیوں کی آب دیکھتا ہوں میں

نظر فروز و عقل سوز و روح تاب و جلوہ ساز
پھر اپنی گود میں اک آفتاب دیکھتا ہوں میں

سمٹ کے رہ گیا ہے حسن تنگیٔ کنار میں
نظر کو بے اٹھائے کامیاب دیکھتا ہوں میں

دماغ میں مہک رہا ہے اک جہانِ رنگ و بو
نگاہ میں بھرے ہوئے گلاب دیکھتا ہوں میں

نفس میں لو ہے پھر کسی حنائی دستِ ناز کی
لبوں کے پاس شیشۂ شراب دیکھتا ہوں میں

جو لب فسردگی سے بے نیازِ کیف و رنگ تھے
لب و عذار پہ انہیں خراب دیکھتا ہوں میں

ورود دور دست کی یہ سب جوانیاں ہیں یا ہی تھی کہ
نہ یہ فریب نشہ ہے نہ خواب دیکھتا ہوں میں

اس سے زیادہ کمال سیماب صاحب نے ایک اور بحر کی تلاش

---

[1] اور شعر میں بھی اس لفظ کے معنی یہی لئے گئے ہیں۔ ایڈیٹر

[2] اس غزل کے متن میں آگرہ اسکول کی امتیازی خصوصیت کا دوبارہ ذکر بے جا نہیں جانتا۔ (قادری)

[3] یہاں بتاسب موزوں ہو سکتا ہاں اور (آ) کو تخلص قرار دیتے ہو۔

www.taemeernews.com

میں کیا ہے۔ اور دیکھ کر کہ فنِ عروض سے ناواقف اشخاص اس کو موزوں بھی کہہ اور پڑھ نہ سکیں گے۔ اس کا وزن بھی لکھ دیا ہے۔ یعنی مفاعیلن فعولن مفاعیلن فعولن اس کمال پر کمال یہ ہے کہ اگر یہاں (مفاعیلن) کی جگہ (مفاعلن) ہو یعنی مفاعلن فعولن مفاعلن فعولن، تو ترنم فہمِ عام سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اور نظم کہنے کیلئے زیادہ آسان۔ سیماب صاحب نے شکل تر صورت اختیار کی ہے۔ اور ایک کامیاب غزل لکھ کر پیش کر دی ہے۔ چند شعر یہ ہیں:-

دل اک قطرہ لہو ہے پہ ہی اسکو ہوا کیا ۔۔۔ پھر اسکی آرزو کیا، پھر اس کا مدعا کیا
حریمِ دل رہی گالیوں ہی بے آشنا کیا ۔۔۔ نہیں دنیا میں کوئی پرستارِ وفا کیا
سرِ وادیِ ایمن گھٹائیں آ رہی ہیں ۔۔۔ کہیں سے جام درکف کوئی پھر آ گیا کیا
تخیل کی حدوں سے نکل کر دھونڈھ مجھ کو ۔۔۔ ہو جب صورت نظر میں تصور کا مزا کیا

پریشاں ہو چکے ہیں محبت میں ہزاروں
پھر اے سیماب میں کیا مرا خوابِ وفا کیا

یہ اصل میں شاعرانہ پہلوانیاں ہیں۔ لیکن استادی و کمال میں بھی شک نہیں۔ اگر حسنِ نظم پیدا ہو جائے جیسا سیماب صاحب کے یہاں ہے تو یقیناً یہ فکر ممدوح اور سعی مشکور ہے۔ مجھے ان نوادر و عجائب سے دلچسپی ہے۔ اس لئے بھی میری نظر میں مستحسن ہیں۔

میں شاعری کو مصوری سمجھتا ہوں۔ اس تصویر کشی کے لئے اگر جدید الفاظ، شاندار اسلوب، عربی و فارسی ترکیبوں کی ضرورت ہو تو ان کو احسن و اولیٰ سمجھتا ہوں۔ لیکن مقصد صد زری کا فوت ہو جانا جائز نہیں رکھتا۔ اور کیف و اثر میں اس شعر کا مصداق دیکھنا چاہتا ہوں

دیکھنا تصویر کی لذت کہ جو اس نے کہا ۔۔۔ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

اسی لئے غالب کی اس غزل میں یہی شعر مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ اگرچہ اس کے بعد اس شعر کو بھی صحیح تصویر سمجھتا ہوں۔

بس ہجومِ ناامیدی خاک میں مل جائیگی ۔۔۔ یہ جو اک لذت ہماری سعیِ حاصل میں ہے

اور اس مقطع کی سخن آرائی و نکتہ سنجی کا بھی مداح و معترف ہوں۔

ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب ۔۔۔ رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

اس لئے مجھے سیماب صاحب کا یہ شعر:-

ہے حقیقت میں یہی پردہ حجابِ جزو و کل ۔۔۔ غور سے قطرۂ ترکیبِ انساں دیکھئے

اتنا پسند نہیں ہے جتنا یہ شعر:-

ایک عالم اور بھی ہے صد بیابانِ مدعیٰ ۔۔۔ سرنگوں ہو کر کبھی سیرِ گریباں کیجئے

سیماب صاحب کے یہ اشعار بیشک شاندار ہیں:-

وفا اک لذتِ پُرکیف ہو اک آپ لیکن ۔۔۔ وفا کا نام لینے سے لرزتی ہے زباں مگر بھی
حجاب اندر حجاب ہو لاج طوفانِ تجلی میں ۔۔۔ فروغِ شمع سے پروانہ ہے آتش بجاں پھر بھی

لیکن میں اس مطلع میں بہتر مصوری پاتا ہوں۔

مری فطرت وفا ہے دیدہ ہوں اتنا ہی پُرکیف ۔۔۔ وہ فطرت آشنا ہے اور مجھ سے بدگماں پھر بھی

میں اس شعر کی خوشنما ترکیب اور ندرتِ بیان کا قائل ہوں

بے نذر جہاں کی آسودگی بخیر ۔۔۔ کیوں آپ بہرے خواب پریشاں میرا کر گئے

لیکن جذب و اثر ان شعروں میں زیادہ ہے۔

خود اٹھ کے میرے ہاتھ گریباں تک آگئے ۔۔۔ شاید قدم جنوں کے گلستاں میں آگئے
کیا ہوگا چار پھولوں سوا موسمِ بہار ۔۔۔ یہ تو ہماری گوشۂ داماں میں آگئے

اس غزل کا ایک اور شعر ان سب سے بہتر تھا اگر ذرا تغیر ہو جاتا۔ شعر یہ ہے:

ہماری قدم نظر متحیر، نفس دراز ۔۔۔ کیا ہم حدودِ کوچۂ جاناں میں آگئے

"نفس دراز" سے وہ محاکات پیدا نہیں ہوتی جو طویل سانس یا لمبے سانس سے ہوتی۔ یہ لفظ ہماری قدم کی طرح سبک و فصیح اور روزمرہ میں شامل نہیں ہے۔ فارسی میں دراز نفسی "طویل کلام" کو کہتے ہیں۔ اس سے قطعِ نظر کر کے مضمون لاجواب ہے۔

سیماب صاحب کا یہ شعر انتخابِ الفاظ اور حسنِ ترتیب کے لحاظ سے بہت خوبصورت اور شاندار ہے۔

کریں ارباب جادہ کیا تعین اپنی منزل کا — مسلسل اک سفر لا انتہا ہستی سے تا عدم تک ہے

لیکن ایسے محاسن لفظی کے ساتھ مضمون کی خوبی میرے نزدیک اس شعر میں زیادہ ہے:

مرا کفر محبت ہے فروغ جادۂ ایماں — وہ شمع دیر ہوں جس کی تجلی حرم تک ہے

سیماب صاحب کو مضمون آفرینی میں بھی کمال حاصل ہے۔ اور مختلف اسالیب سادہ و مرصع، آسان و مشکل پیدا کرنے پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ مثلاً اپنا مجتہدانہ اسلوب بیان اختیار کرتے ہیں تو شعر کو کس قدر بلیغ و پر شکوہ بنا دیتے ہیں، دیکھئے۔

آداب تجلی میں ہے گنجائش تر بیم — نظارہ ترے حسن سے بیباک نہیں ہے

اور سادگی و اثر سے کام لیتے ہیں تو دیکھیے نازک و شیریں الفاظ منتخب کرتے ہیں۔

آنکھوں سے ہر اک پردۂ موہوم ہٹا دے — اتنی نگہ شوق ابھی چالاک نہیں ہے

چالاک کا معمولی سا لفظ اور اس کا عامیانہ مضمون یہاں کس قدر فصیح و شستہ نظر آتا ہے۔ اس غزل میں یہ شعر بھی کیا خوب کہا ہے۔

کر چاک گریباں سے نہ اندازۂ وحشت — دیوانے ابھی دامن دل چاک نہیں ہے

جیسے پہلے کہہ چکا ہوں کہ مجھے تخیل کی کار فرمائی وہیں پسند آتی ہے جہاں تصویر کھنچ جائے۔ یا تاثیر پیدا ہو جائے۔ مثلاً۔

دل اور نفس کی یکجائی ساز گار نہیں ہے — بقید نفس محبت کا اعتبار نہیں ہے
انہیں کمال تصور نے جذب کر لیا شاید — مری نگاہ میں اب ننگ انتظار نہیں ہے
دل ان کو دیکھ کے جب ہی نجات پا تو چکا — یہ اور سینے میں کیا ہے جسے قرار نہیں ہے
ہر ایک ذرہ ہو اک نقش پائمال خرابی — وہاں بھی قبر بنا دو جہاں مزار نہیں ہے

یہ شاید میری ندرت پسندی ہو کہ اس بحر کے آخر میں ذرا سے ٹکڑے کا (قید رفع یا ہے) بڑھا دینا مجھے بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ تیسرے شعر کے پہلے مصرع کا آخری لفظ (ہوں) اور دوسرے کا (ہے) نکال دیا جائے تو متعارف وزن نکل آئے گا۔ اور اتفاق سے نظم و مضمون میں بھی کوئی فرق نہ آئے گا۔ یعنی۔

دل ان کو دیکھ کے میں مل سی نجات پا تو چکا — یہ اور سینے میں کیا ہے جسے قرار نہیں

شاعر[1] کے بعض ناشاعر ناظرین تو اسی وزن و شعر کو بہتر سمجھیں گے لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں ذرا سا اضافہ کرنے سے جو لے بڑھ جاتی ہے۔ اس کے ترنم اور آواز میں درد و اثر بڑھ جاتا ہے۔ اور سوز و گداز کے مضامین کیلئے زیادہ موزوں ہو جاتی ہے۔ غالب نے اس میں اور بھی ستم ظریفی کی ہے۔ یعنی آخر میں اسقدر اضافہ کر کے ابتدا میں ذرا سی کمی کر دی ہے۔ اور وہ وزن ترنم میں اور بھی کم ہو گیا ہے۔ لیکن مجھے وہ بھی بہت پسند ہے۔ کیا شعر کہا ہے۔

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو — ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

اور دیکھیے، ایک ہی مرکزی خیال، ذرا سی کمی و بیشی اور ردو بدل سے کیا سے کیا ہو جاتا ہے۔ بیتاب صاحب فرماتے ہیں۔

اس کو اکثر سورش عالم نے برہم کر دیا — جس نقطہ میں مرے بیداد کی تصویر تھی

شعر دلچسپ ہے، مضمون عمدہ، مرے بیداد کی تصویر بہت خوب لیکن یہی بات جب سیماب صاحب نے اس طرح کہی تو عمدگی کے ساتھ تاثیر و دلکشی بھی بڑھ گئی۔ فرماتے ہیں:۔

اڑ رہے ہیں گرد بربادی میں کچھ اوراق دل — ان میں وہ صفحہ ہو جس پر تیری تصویر تھی

[1] یہ اتفاق کس قدر دلچسپ نادرہ کاری ہے کہ دیوان غالب مطبوعہ ۱۸۶۲ء جو غالب (متوفی ۱۸۶۹ء) کی زندگی میں چھپا ہے۔ اور جرمنی ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۲۳ء دونوں میں یہ لفظ یہاں بجائے (تیری) کے (تری) چھپا ہے۔ اور یقیناً اس پون صدی کے عرصے میں جو صدہا ایڈیشن چھپے ہوں گے سب میں (تری) ہی ہوگا۔ حالانکہ تقطیع میں (تیری) آتا ہے۔ اب اس میں کوئی تاویل ہو سکتی ہے تو سیماب صاحب جانیں وہ اس فن میں مجھ سے زیادہ ماہر ہیں۔ (قادری)

تری تصویر اور رجوے سیار کی تصویر میں جو فرق ہے۔ اسی کی مناسبت سے "اوراقِ دل" اور "تصویر" ہیں۔ اور اسی توازن سے "گرد برباد" میں "اڑنا" اور "شرحِ عالم کا برہم کرنا"۔ اور اسی بنا پر دونوں میں جذب و اثر کا فرق ہے۔

میں اسی طرح "کلیم عجم" کی ورق گردانی کرتا رہا اور اشعار میں تحسین و تنقید کے پہلو نکالتا رہا تو شاید نصف کتاب نقل کر دوں گا۔ سیماب صاحب کی فرمائش اور میرے وعدے کو اب بھی اتنی دیر ہو گئی ہے کہ میں دل ہی دل میں نادم ہوں۔ میں سیماب صاحب کے شاعرانہ کمال کو تقریباً ایک چوتھائی صدی سے دیکھ رہا ہوں اور اُن کا مداح ہوں یعنی ۱۳ - ۱۹۱۲ء سے جب شاہ دلگیر مرحوم کے رسالہ "نقاد" میں اُن کی نظمیں شائع ہونی شروع ہوئی ہیں۔ لیکن اُن کے کمالِ غزل گوئی کا "کلیم عجم" کے دیکھنے سے پہلے مجھے اندازہ نہ تھا۔ اس مضمون کے دورانِ تحریر میں جس قدر دیکھا، اور سب نہیں تو بہت سا دیکھ لیا، اس سے اندازہ ہوا کہ سیماب صاحب کے ذہن میں اس قدر جودت، فکر میں جدت، بیان میں تازگی، قلم میں زور ہے کہ معیر حاضر کے اساتذۂ غزل میں اُن کو یقیناً مرتبۂ امتیاز حاصل ہے۔

میرا یہ مضمون بظاہر ادبی و تنقیدی ہے۔ اس لئے اس میں "من و تو" کا دخل نہ ہونا چاہئے تھا، لیکن میں نے بظاہرہٖ ادب و تنقید کے ارادے سے قلم نہیں اُٹھایا تھا۔ اور سیماب صاحب سے ٹھہرا لیا تھا کہ جو کچھ لکھوں گا بالکل بے تکلفی کے ساتھ لکھوں گا۔ اس لئے پہلے ہی عنوانِ مضمون کے نیچے (ایک بے تکلف مضمون) لکھدیا تھا۔ اسی بے تکلفی پر مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی آخر میں سیماب صاحب کی دو پوری غزلیں نقل کرتا ہوں۔ ایک اُن کے مذاق کی ایک اپنی پسند کی۔

—— (۱) ——

نظر کو جز رخصت ہے تجلی گاہِ جاناں تک ۔۔۔ تجلی خود چلی آئے کسی دن چشمِ حیراں تک
بلائے قید بستی نے خاکِ آشیاں میری ۔۔۔ ہوائے گل اگر تکلیف فرمائے بیاباں تک
نظر کو علم ہے چشمِ تماشا کی اسیری کا ۔۔۔ پشیماں کیوں ہو جا کر روزنِ دیوارِ زنداں تک
بڑھا کر ایک لئے اور پیچیدہ ہوا ہوں میں ۔۔۔ تری زلفِ پریشاں سے مری قطبِ پریشاں تک
تماشا اور تماشا بھی نازش ہے صرفِ حیرانی ۔۔۔ نظر کس رنگ سے پہنچی تجلی گاہِ جاناں تک
یہی قطرے چھلکتے ہیں یہی ذرے چمکتے ہیں ۔۔۔ فضائے شبنمستاں سے بسا لیا گلستاں تک
الٰہی کام آ جائے دعا یارانِ ساحل کی ۔۔۔ تباہی کھینچ لائی ہے مری کشتی کو طوفاں تک
شعاعِ آفتابِ عشق کتنی شوخ فطرت تھی ۔۔۔ فرشتوں کی نظر سے چھپ کے پہنچی طورِ سیناں تک
جسے کہتے ہیں رنگِ بزم ہے موقوفِ ویرانی ۔۔۔ یہ سب رونق ہی پروانوں کا اجزائے پریشاں تک
مبارک ہو دلِ سیماب کو آشوبِ سینائی ۔۔۔ نگاہِ شوق جا پہنچی تجلی گاہِ جاناں تک

یہ ساری غزل سیماب صاحب کے جدید اسلوب و تخیل کا نمونہ ہے اور خوب ہے لیکن مجھ میں اس کے لئے دلکشی کے سامان بہت کم ہیں۔ برخلاف اس کے یہ غزل میری نظر میں سراپا دلکش اور سراسر انتخاب ہے:

—— (۲) ——

دل تری تغافل سے خبردار نہ ہو جائے ۔۔۔ یہ فتنہ کہیں خواب سے بیدار نہ ہو جائے
انساں کہیں سرگشتۂ پندار نہ ہو جائے ۔۔۔ بیزار گنہ ہو کے گنہگار نہ ہو جائے
دشواریٔ جادہ سے ہے آسانیٔ منزل ۔۔۔ ہو جائے یہ دشوار جو دشوار نہ ہو جائے
مدت سے یہی پردہ وہی پردہ دری ہے ۔۔۔ ہو کوئی تو پردے سے نمودار نہ ہو جائے!
یکتا ہے یوسف کی طرح حسن ہمیشہ ۔۔۔ کوتاہ اگر عظمتِ خریدار نہ ہو جائے
سجدے ہی سے تقدیسِ پرستار روا ہے ۔۔۔ سر اپنا اُٹھا لے تو گنہگار نہ ہو جائے
مجھ سے مرا افسانۂ ماضی نہ سنو تم ۔۔۔ افسانہ نیا پھر کوئی تیار نہ ہو جائے
نے سبقِ الفت سبقِ کفر دئے جا ۔۔۔ جبتک مجھے ہر چیز سے انکار نہ ہو جائے
ہوتا ہے جو مٹی کو مری خاک ہی سیماب ۔۔۔ پہلے ہی سے کیوں خاکِ در یار نہ ہو جائے

اس وقت یہ غزلیں نقل کرنے کے بعد سوچتا ہوں تو یہ انتخاب ہم دونوں کے پاکم سے کم میرے مذاق کی ضرور غمازی کر رہا ہے۔ بقول غالب

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

مولانا سیماب اکبرآبادی کا ایک کارنامۂ عظیم

"الہامِ منظوم" ـــــ ترجمۂ مثنوی مولانا رومؒ

از ـــــ حضرت مولانا مفتی انتظام اللہ الشہابی

یہ کتاب مولانا سیماب اکبرآبادی کا شاہکارِ ادب ہے۔ مثنوی معنوی کی شہرت اور جلالت شان کا غلغلہ چھ سو سال سے دنیائے اسلام میں بلند ہے۔ عام و خاص حضرات پڑھتے اور سنتے اور سر دھنتے ہیں۔ آج تک لاکھوں ہزاروں آدمیوں نے پڑھا ہے۔ خدا کو علم ہے کہ ان میں سے کتنے دل اس کی معرفت و شوق کی چاشنی سے آشنا ہوئے اور کتنی ارواح وارفتگی شوق سے ہمک جولاں بنیں۔ معرفت اور حقیقت کا ایک بحرِ ذخار ہے جو اس میں غوطہ لگانا اور دُرِ مقصود حاصل کرنا آسان کام نہیں۔

مثنوی کے اشعار سے بیان میں گہری واعظانہ پیدا کرتا ہے۔ بہت سے سامعین کے گوش اس روحانی کلام سے آشنا ہوتے ہیں مگر بہت کم ایسے ہوں گے جنھوں نے مثنوی کا باقاعدہ مطالعہ کر کے اس کے مطالب پر عبور حاصل کیا ہو۔ باوجودیکہ بیسیوں شرحیں لکھی گئی ہیں۔ بہت سے خلاصے ہوئے ہیں۔ ترجمے کئے گئے۔ بلکہ یہ تک التزام کیا گیا کہ منظوم

ا۔ مثنوی کی تصنیف کا آغاز ۶۶۲ھ میں ہوا

مطلع تاریخ این سودا و سود
سال اندر ششصد و شصت و دو بود

مولانا روم نے مثنوی منطق الطیر کے مثل یہ مثنوی لکھی چھ دفتر تصنیف کئے ان کے مطالعے سے صدہا اولیا ہو گئے۔ اگر کوئی شخص مضمون میں بطریق اقتباس اس کے اشعار نقل کر دیتا ہے تو اس میں جان پڑ جاتی ہے۔ اس کتاب سے علما و فضلا نے جس قدر اعتنا کیا ہے۔ کسی اور فارسی کتاب سے نہیں کیا۔ بہت سی نایاب اور مستند کتابیں مثلاً شاہنامۂ فردوسی و حدیقۂ حکیم سنائی و منطق الطیر و الٰہی نامہ و اسرار نامہ و پند نامۂ خواجہ فرید الدین عطار و گلستان و بوستاں موجود ہیں۔ لیکن اُن کو مثنوی کی سی قبولیت نہ ہو سکی۔

مثنوی کی کثرت سے شرحیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے شرح مثنوی موسوم بہ کنز الحقائق (سنہ ۸۴۰ھ) جواہر الاسرار مرتبہ حسین بن حسن (سنہ ۸۴۰ھ) شرح کمال الدین خوارزمی (سنہ ۱۰۲۰ھ) شرح العصل الفوزی ۴ جلد (سنہ ۱۰۳۲ھ) شرح عبد المجید سیواسی (سنہ ۱۰۴۹ھ) شرح شاہ محمد افضل الٰہ آبادی۔ شرح مولانا محمد ایوب لاہوری۔ (سنہ ۱۱۵۵ھ) شرح مولانا ولی محمد اکبرآبادی (سنہ ۱۱۳۳ھ) مولانا محمد رضا۔ مولانا عبد اللطیف۔ ملا نظام الدین سہالوی (سنہ ۱۱۶۱ھ) مولانا عبد العلی بحر العلوم (سنہ ۱۲۲۵ھ) کشف العلوم شرح مثنوی مولانا روم۔ سر المکتوم …… وغیرہ کو زیادہ شہرت اور قبولیت ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر مثنوی کو اہمیت و عظمت حاصل نہ ہوتی تو ایسے ایسے فضلا و علما کو اس کی شرحیں لکھنے کا خیال ہی کیوں پیدا ہوتا؟

اردو میں مثنوی مولانا روم کے ترجمے کئی کئے گئے۔ بیسیوں ترجمے ہوئے ہیں۔ مگر منظوم ترجمہ سب سے پہلے کیا گیا ہے۔ حضرت درد کاکوروی نے لکھا ہے۔ کہ ۱۲۰۹ھ میں منظوم ترجمہ مثنوی کا ہوا ہے۔ قلمی مسودہ اس کا

www.taemeernews.com

اُن کے پاس موجود ہے۔

سنو نے سے کیا حکایت کرتی ہے — کیوں جدائی سے شکایت کرتی ہے
جب سے کی ہے کاٹ کر تن سے جدا — جب سے لگتی ہی نالاں ہے صدا
پارہ پارہ کر یہ سینہ لے فراق — تا کہوں تجھ سے جو درد اشتیاق

اس مثنوی کی نقل کی تاریخ ۱۲۵۵ھ ہے۔ مترجم کا نام معلوم نہ ہو سکا اس کے ایک عرصہ بعد منظوم انتخابات شائع ہوئے۔ نثر کے تبصرہ کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ صرف اس جگہ منظوم تراجم کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

منظوم اردو تراجم مثنوی معنوی

پیراہن یوسفی ۱۸۷۸ء محمد یوسف علی شاہ ولد محمد جلال الدین خاں۔

منتخبات مثنوی مسمی بہ شجرۂ معرفت ۱۸۹۶ء مولوی غلام حیدر گوپاموی

باغِ ارم ترجمۂ منظوم ۱۳۰۰ھ شاہ مستعان مرید افضل العلما قاضی ارتضا علیخاں گوپاموی۔

ان کے علاوہ اور بھی انتخاب شائع ہوئے مگر ضرورت اس کی تھی کہ کامل ترجمہ منظوم ایسا شائع ہو کہ وہ تمام ضرورتوں کو پورا کر سکے۔

باغِ ارم کا آغاز یہ ہے۔

حمدِ حق جو نے زباں پر لا سکے — بے نشاں کا کب نشاں بتلا سکے
ممکن و حادث ہیں سب تا مستقیم — پا دیں کب واجب کے اسرارِ قدیم

یہ تمام منظوم ترجمے بہ لحاظِ زبان و محاورہ ناقص سمجھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا اشعار سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ اب تک کثیر التعداد ارباب علم نے مثنوی کو صرف تصوف کی کتاب سمجھا کئے۔ باوجودیکہ وہ علم کلام کا بہترین مجموعہ بھی ہے۔ جہاں اخلاقیات کو حکایات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ وہاں مسائلِ کلام توحید ثبوت مدح و معاد وغیرہ بھی قصص کے ضمن میں بیان کئے گئے ہیں۔ اردو داں حضرات کے سمجھنے کے لئے بعض حضرات نے ترجمہ کئے مگر جو غرض عام قبولیت پیدا کرنے کی تھی وہ پوری نہ ہو سکی۔ ضرورت یہ تھی کہ مثنوی کے تراجم سے دو عظوں میں کام لیا جاتا مگر نہیں لیا گیا۔ فارسی داں طبقہ جو فیض مثنوی سے حاصل کیا ہے۔ ان ترجموں سے اردو داں طبقہ حاصل نہ کر سکا۔ یہ ایک بہت بڑی کمی تھی۔ نثر میں ترجمہ بھی ہوئے۔ شرح بھی لکھی گئی مگر عام قبولیت نصیب نہ ہو سکی۔ ہم مولوی فیروز الدین صاحب کے شکر گذار ہیں کہ انھوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی سے چھ دفتروں کا ترجمہ "الہام منظوم" کے نام سے مکمل کرا لیا۔ چنانچہ وہ خود "الہام منظوم" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "مثنوی مولٰنا روم کے اردو منظوم و منثور ترجمے گو پہلے سے موجود تھے۔ مگر اول تو اکثر ناتمام اور پھر منظوم ترجمہ تو باعتبار زبان غالباً شمار کے بھی قابل نہ تھا۔ لہٰذا میری دیرینہ آرزو تھی کہ کوئی باکمال صاحب حال اس کام کو انجام دے۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے جناب امیر مینائی مرحوم کی خدمت میں یہ تحریک کی۔ ضرورت اور خیال کو تو انھوں نے پسند کیا مگر اپنی ضعیفی کو کام کی گرانباری کا متحمل نہ پایا آخر رفتہ رفتہ میری نگاہِ انتخاب جناب شیخ عاشق حسین صاحب سیماب صدیقی الوارثی پر پڑی جو شعرائے عصر میں ایک استادانہ درجہ ورتبہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ترجمہ کیا

غرض کہ اس منظوم ترجمہ کرنے کے بعد ساتوں دفتر شائع کئے گئے اور انھیں خاص قبولیت حاصل ہوئی۔ مولوی فیروز الدین نے چھوٹے خوبصورت سائز میں شائع کئے ہیں اس کے ساتھ یہ قابلِ افسوس بات ہے کہ خود مولوی صاحب کو اس امر کا اعتراف ہے کہ یہ ترجمہ مولانا سیماب کا کیا ہوا ہے۔ مگر سرورق پر "الہام منظوم ترجمہ اردو مثنوی مولانا روم مرتبہ مولوی فیروز الدین لکھا ہے۔ یہ طریق اخلاق کے خلاف ہے۔ جس کی تلافی آئندہ ایڈیشنوں میں ہونے کی ضرورت ہے۔" الہام منظوم" کا درجہ دوسری ماضی کی مثنویوں سے

www.taemeernews.com

بہت بلند ہے کہ گویہ فارسی کا ترجمہ ہے۔ لیکن اگر متن سے علٰحدہ کر کے اس کا مطالعہ کیا جائے تو بجائے خود ایک مثنوی معلوم ہوتی ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ ترجمہ کیا کیا گیا ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سیماب کا یہ ترجمہ منظوم ادب کے شاہکاروں سے ہے۔ ترجمہ کرنے میں مولانا نے اصل ترجمہ کے ساتھ لطف زبان کو قائم رکھا ہے۔ اور شاعرانہ نقطۂ نگاہ سے نظم میں کسی قسم کی کوتاہی نہ آنے دی اور اردو داں جماعت کے لئے مثنوی کے طرز میں پڑھنے کے لئے بھی رعایت ملحوظ رکھی ہے۔ اس جگہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے نمونہ پیش کرتا ہوں۔

آغاز دفتر اول

سن تو کیا کرتی ہے باتیں بانسری — یہ شکایت کر رہی ہے ہجر کی
جب سے کاٹا ہے نیستاں سے مجھے — مرد و زن روتے ہیں میرے شور سے
پارہ پارہ کر دے سینہ جب فراق — تو کہیں ہو شرح دردِ اشتیاق
جا رہا ہو اصل سے جو بھی دور — اپنا عہدِ وصل ڈھونڈے گا ضرور

فارسی عبارت ملا کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہتر ترجمہ ہونا مشکل تھا جیسا اصل عبارت میں زور ہے وہی بات ترجمہ میں موجود ہے۔ فارسی داں مثنوی پڑھ کر وجد میں آتا ہے۔ اسی طرح اردو داں "الہام منظوم" کے مطالعہ سے لطف اندوز اور متکیف ہوتا ہے۔ خوشکہ مولانا سیماب کی یہ سعی مشکور ہے۔

مولانا سیماب سے ہمیں یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ مثنوی کے بعض اشعار میں مولانا فیروز الدین نے تصرف کر کے ان میں متروک الفاظ اس لئے بھر دئے ہیں کہ انہیں عوام سمجھ نہ سکیں۔ گو ایسا بہت کم ہے۔ لیکن پھر بھی جہاں کہیں تصرف کیا گیا ہے۔ اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ اتنے بڑے کام کا انجام دینا مولانا سیماب اکبرآبادی کا ایک ادبی معجزہ ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ اردو زبان میں تجاوز و اختصار کی قوت فارسی سے نسبتاً بہت کم ہے اس کے باوجود ہر شعر کا ترجمہ ایک ہی شعر میں اپنے مکمل مفہوم کے ساتھ کر دینا معمولی بات نہیں ہے۔ اردو میں سہل ممتنع کی مثالیں شاذ ملتی ہیں۔ مگر یہاں یہ بحر ذخار اسی صنعت کے جواہر پاروں سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ ایک ادبی فضیلت ہے جو مولانا سیماب اکبرآبادی کے لئے قدرت نے مخصوص کر دی تھی۔

ترجمے قطع نظر اتنا بڑا کام اتنی کم مدت میں کر لینا ہی بجائے خود قادر الکلامی اور زود گوئی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

آج ہندوستانی شاعر کا معراج کمال صرف غزل گوئی تک محدود ہے لیکن مولانا سیماب کا یہ کارنامہ اُن کے کمالِ شاعری کا ایک نقشِ غیر فانی ہے جس سے اُنکی شاعرانہ زندگی کا افادی پہلو بہت زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔

"الہام منظوم" کے یہ چھ دفتر یک لخت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنا بڑا کام آسانی کیساتھ کسی طرح انجام نہ دیا جا سکتا تھا۔ الا ماشا اللہ۔ اس ادبی امتیاز نے مولانا سیماب کی ادبی عظمتوں کو اُنکے معاصرین میں بہت بلند درجہ دیدیا ہے۔ ذالک فضل ربی یعطیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

الہامِ منظوم ۔ ترجمہ مثنوی مولانا روم۔ مترجمہ و منظومہ مولانا سیماب اکبرآبادی مع اصل مثنوی لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ۔
قیمت مکمل چھ دفتروں کی ۱۲ روپے علاوہ محصول ڈاک : ملنے کا پتہ : **منیجر "شاعر" بک ڈپو قصر الادب آگرہ۔**

حضرت سیماب کی الہامی شاعری

از ـــــــــ حضرت مولانا صدرالدین صاحب سرشار گمنڈوی

حضرت سیماب اکبر آبادی مدظلہ العالی سے غالباً ۱۹۲۳ء میں جب میں چھاؤنی سیہور میں تعینات تھا پہلی بار ملاقات ہوئی تھی آپ کیساتھ رسالہ "ایشیا" کے ایڈیٹر جناب ساغر صاحب اور حامد صاحب بھوپالی بھی تھے، میرے لئے وہ دن اور وقت نہایت مبارک و قیمتی تھا جب میں ٹھیک اسطرح موصوف کے حضور نیچی نگاہ خاموش و مؤدب حاضر تھا جس طرح مشرقی فرزند اپنے بزرگوں کے سامنے مؤدب و سرنگوں رہتے ہیں۔ ممکن ہے خالص نئی روشنی والے اصحاب ا۔ اس طرزِ عمل کو مضحکہ خیز سمجھنے لگے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے کچھ اسی قسم کے متین و مہذب ماحول میں پرورش پائی ہے، اور یہی کچھ دیکھا ہے۔ بہر حال میں خاموش و مؤدب تھا اور حضرت سیماب میری سعادت مندانہ گذارش پر اپنی آتش نوائیوں سے مجھے دیوانہ و مسحور بنا رہے تھے۔ گو آپ کی طبیعت موسم کی خرابی کے باعث کسی قدر کسل مند تھی۔ لیکن میرے شوق و ذوق کی حوصلہ افزائی کے خیال سے آپ نے دو تین آتشیں غزلیں نہایت دلنشین انداز میں پڑھ کر سنائیں۔ مجھے آپکا یہ شعر اب تک یاد ہے۔

نہ غرض حرم کے وقار سے نہ صنم کدہ کی بہار سے

ہمیں کام ہے در یار سے در یار پھر در یار ہے

میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اس شعر نے کس قدر لطف دیا اور کس عالم میں پہونچا دیا۔ "ہمیں کام ہے در یار سے، در یار پھر در یار ہے" اس مصرعہ میں جو جذبہ اور کیف ہے۔ وہ بیان کرنے کی چیز نہیں، اُسے دل اور صرف دل محسوس کر سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ آج تک پھر کبھی باوجود انتہائی شوق کے آپ سے ملاقات کی مسرت دوبارہ میسر نہ آسکی، میری غلامی (ملازمت) کی شرطیں اور پابندیاں کچھ اسی قسم کی ہیں جن میں نہ فرصت ہے نہ رخصت کی کوئی گنجائش، ورنہ میں اپنی اس آرزو کو آگرہ جا کر ضرور پورا کرتا۔

سیہور کی ملاقات بالکل اتفاقیہ تھی۔ لیکن میرے لئے وہی بہت کچھ تھی۔ مجھے آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک جملہ اور بھی اب تک یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہے گا۔ وہ یہ تھا کہ جب آپ فضا اور ماحول کو بجلیوں اور شعلوں سے بھر چکے تو مجھ سے کچھ سنانے کیلئے ارشاد فرمایا۔ مجھے تعمیلِ ارشاد میں تو کوئی عذر نہ تھا۔ لیکن سچ جانئے کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ڈر اور خوف سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ آپ کا کلام سن کر جو دماغی اور روحانی کیف مجھے مل چکا تھا میں اسے ضائع کرنا نہ چاہتا تھا۔ میں نے عذر کیا کہ میں کچھ عرض نہ کروں گا، اس لئے کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا، ایک جاہل اور بے پڑھا لکھا شخص ہوں۔ شاعر ہونا تو در کنار معمولی شعروں کا مفہوم بھی نہیں سمجھ سکتا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ میں "ناخواندہ ہوں لیکن خواندہ ہوں" مطلب یہ تھا کہ بے طلب اور بغیر اطلاع آگیا ہوں مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ تمہیں جانتا نہیں۔ آخر میں لاجواب ہوگیا۔ اور بخیال خود اپنا منتخب اور چیدہ کلام عرض کیا۔ جسے سن کر آپ نے اور آپ کے معزز ہمراہیوں نے کافی داد دی، جس کے متعلق مجھے ہمیشہ یہی گمان رہا کہ وہ محض حوصلہ افزائی کے لئے تھی

www.taemeernews.com

زمانہ اور وقت کو جاتے کچھ دیر نہیں لگتی۔ تیرہ چودہ سال کی طویل مدت معلوم ہوتا ہے۔ پلک جھپکاتے گزر گئی، اس درمیان میں کئی مرتبہ خیال ہوا کہ حضرت سیماب کے سحر کن کلام کے متعلق کچھ لکھوں، جس طرح بعض اور لوگ اکثر لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن میں ہمیشہ یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھاتا رہا کہ "چھوٹا منہ بڑی بات" کیونکہ حضرتِ سیماب میرے شفیق استاد حضرت محوی صدیقی لکھنوی مدظلہ کے دوستوں میں بھی ہیں۔ اور معاصرین میں بھی، اس خیال سے مجھے کبھی جرأت و ہمت نہیں ہوئی، ساتھ ہی مجھے اپنی کم نگاہی، کم عقلی اور علمی بے مائگی کا بھی خوف و اعتراف رہا۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ دنیائے صحافت و ادب میں میرا مسلک اور مطمحِ نظر ہمیشہ تنگ نظری اور تنگ خیالی سے مبرا اور منزہ رہا ہے نہ میں بلاوجہ کسی کی پگڑی اچھالنے میں کوئی مسرت محسوس کرتا ہوں نہ کسی کی بیجا تعریف و توصیف کرکے اپنے ضمیر و دل کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن میں اس وقت مجبور ہو جاتا ہوں جب کسی شاعر کا اچھا کلام میرے سامنے ہو۔ اور میں اُسے پڑھ کر سر دھننے کی آرزو اپنے دل کے اندر لرزاں دیکھ رہا ہوں، ایسی حالت میں خاموش بھی نہیں رہا جاتا۔ اور جن الفاظ میں بھی تعریف و توصیف بن پڑتی ہے۔ کر گزرتا ہوں۔ عام اس سے کہ وہ کسی مشہور و معروف شاعر کا کلام ہو یا کسی طالب علم مبتدی کا۔

رسالہ شاعر غالباً میرے پاس اس وقت سے آرہا ہے، جب سے کہ جاری ہوا ہے۔ اور اس کی تمام وہ تدریجی اور ارتقائی ترقیاں میری نگاہ میں ہیں۔ جو جتنے بعد اس قابل قدر اور گرانمایہ رسالہ نے اپنے مایہ ناز اور لائق و فائق "نگرانِ اصول" کی جولانیٔ طبع اور کاوشِ فکر کے طفیل حاصل کی ہیں۔ آپ نے پڑھا اور سنا ہوگا، کہ عنقریب "شاعر کا آگرہ اسکول نمبر" شائع ہونے والا ہے۔ اس اعلان کو دیکھ کر میری دیرینہ آرزوئیں تلملا اٹھیں اور میں نے یہ تہیہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس موقع پر تو ضرور حضرتِ سیماب کی شاعری کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ مانا کہ میں آپ سے عمر میں، رتبہ میں، علم و فن میں کم اور بہت کم ہوں، پھر بھی مجھے اپنے جذباتِ دلی کے اظہار کا بہر حال حق حاصل ہے کم از کم میں خود دیکھ نہیں ہوں تو کچھ ہونے والوں کی آنکھیں تو میں نے بھی دیکھی ہیں اور اُن کی علمی صحبتوں سے بھی مستفید ہوا ہوں

میں نے سوچا اور میں نے غور کیا کہ اگر یہ زرین موقع بھی تذبذب اور تامل کی نذر ہو گیا تو میری حسیات اور میری تمناؤں پر بڑا ظلم ہوگا۔ ایسا ظلم جسکی شاید مدت تک کوئی موزوں تلافی نہ ہو سکے چنانچہ دل و دماغ کو آمادہ کرنے کے بعد "تعینِ عنوان" کا سوال پیدا ہوا۔ اور کامل غور و خوض کے بعد حضرتِ سیماب کی "فلسفیانہ شاعری" تجویز کرکے جناب اعجاز صدیقی مدیرِ شاعر کو اطلاع دیدی کہ میرے لئے بھی صفحاتِ شاعر میں کچھ گنجائش رکھی جائے۔ چنانچہ اعجاز صاحب نے اعلان بھی کر دیا کہ اس موضوع پر میں کچھ لکھ رہا ہوں۔ لیکن بعد کو مجھے خیال ہوا کہ ایسا کیوں کروں، عنوان کا تعین کرکے کچھ لکھنا اپنے تخیلات و احساسات کو محدود کرنا ہے، صرف انھیں اشعار کے متعلق لب کشائی کی جرأت کیوں کروں، جنھوں نے اپنی بے پناہی اور ندرت انگیزی کے باعث برسوں مجھے تڑپایا ہے اور میرے فرصت کے لمحات کو پُرکیف اور سرور انگیز بنایا ہے، شاید آپ اسے باور نہ کریں اگر میں یہ کہوں کہ مجھے حضرتِ سیماب کا جدید کلام اس قدر یاد ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے کو یاد ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ تقریباً سنہ ۲۰ء سے اس وقت تک ہندوستان کے باستثنائے چند تمام رسائل میری نگاہ سے گزرتے رہے ہیں۔ اور ان رسائل میں جہاں کہیں جناب سیماب کی غزل یا نظم نظر آئی ذوق و شوق

کی نگاہوں سے پڑھی۔ اور اس کے کیف و اثر کو دماغ و دل کی انتہائی گہرائیوں میں جگہ دی اور اب تو ایک سال سے "کلیمِ عجم" زیرِ مطالعہ ہے۔ جس نے میرے وجدان و حافظہ کی گنجائشوں میں ایک قابلِ قدر اضافہ کر دیا ہے۔ اور اب میں نے بجائے "فلسفیانہ شاعری" کو "الہامی شاعری" کا عنوان اختیار کیا ہے۔ اور اُن شعروں کو نقل و اخذ کرنے کی مسرت حاصل کر رہا ہوں، جن کی لطافتوں اور پاکیزگیوں نے مجھے پہروں محو و بیقرار رکھا ہے۔ مجھے منصف مزاج "ناظرینِ شاعر" سے توقع ہے کہ میری اس جسارت کو جسے میں حق بجانب سمجھ رہا ہوں محض ستائش پر محمول نہ کریں گے۔ بلکہ ان ادبی اور الہامی نشتروں سے زیادہ سے زیادہ لذتِ اضطراب حاصل کی جائے گی جنھیں میں نے یکجا کر دیا ہے۔

عروسِ فطرت مری نگاہوں پہ چھا رہا ہے شباب تیرا
لطیف پردوں سے چھن رہا ہے جمال زیرِ نقاب تیرا
نہ حسن پرتو سے تیرے خالی، نہ بے نیاز آب و رنگ گوہر
تمام کافر جوانیوں پر برس رہا ہے شباب تیرا
مری رسائی سے دور ہے تو، مگر ابھی تجھ کو یاد ہو گا
کہ میں نے ایمن کی وادیوں میں اُلٹ دیا تھا نقاب تیرا

پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں "جمال زیرِ نقاب" کی لطافت دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ میں "کافر جوانیوں" کی ندرت، اور تیسرے شعر کے مصرعہ اول میں "مگر ابھی تجھ کو یاد ہو گا" کی شعریت پر غور کیجئے، ہر شعر بندش، روانی اور جدت کے باعث وجد انگیز ہے۔

فضائے گوشۂ دل میں تجھے جب جلوہ گر دیکھا | مری نظروں نے حیرت سے بھی کو عمر بھر دیکھا
نظر آتا نہ تھا جو گردِ افکار و حوادث میں | وہ ساحل آنکھ نے طوفانِ غم میں ڈوب کر دیکھا

صلحت میری خودی کی منتظر لطفی رہی ہیں | جب خودی منجائے گی بندہ خدا ہو جائیگا
صنوتاریخ پر کام آئے گا میرا لہو | کب سے کم رنگین عنوانِ وفا ہو جائیگا

بنا لیا مجھے دریا نے جانشینِ حباب | جہاں میں ڈوب کے اُبھرا وہاں حباب نہ تھا
اک انقلاب زمانے میں تھا شباب کے بعد | نظر اُٹھی تو کسی چیز پر شباب نہ تھا

تمہیں تو حدِ نظر تک ورود آساں تھا | اگر بلند میں اپنی نگاہ کر نہ سکا
جسے تمہاری نگاہیں تباہ کر نہ سکیں | کبھی پھر اُس کو زمانہ تباہ کر نہ سکا

اشعار مندرجۂ بالا میں طرزِ ادا اور اسلوبِ بیان بھی مضامین کی بلندی اور شستگی کے ساتھ ساتھ قابلِ ملاحظہ ہے، خیالات و جذبات میں جو اثر و دلاویزی ہے وہ حضرت سیماب کی قادر الکلامی اور لطیف نگاری کی ایک معمولی سی مثال ہے، اور ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کے مجموعۂ کلام میں ایسے ایسے بے شمار نشتر محفوظ ہیں۔

شامِ غربت کی درخشانی کا یہ ہے انتظام | بن گیا ہے صبح کا آنسو ستارہ شام کا
وہ تری خود مست آنکھیں، وہ تبسم بادہ ریز | آج تک نظروں میں عالم ہے چھلکتے جام کا

اب یاس بھی اُمید مری، اب عین خوشی ہے غم میرا
اب عشق نئے عالم میں ہے، اب دیکھ ذرا عالم میرا
ہے روزِ ازل سے دنیا کی ہر وسعت میں محفل میری
میں ہر ذرے سے واقف ہوں، ہر ذرہ ہے محرم میرا

چند اجزائے پریشاں سی تھی میری ترکیب | نہ ہوتا تو بس مرگ پریشاں ہوتا
موت ممکن ہیں کہ ہو دردِ محبت کا علاج | مر نہ جاتا میں اگر قابلِ درماں ہوتا
نقشِ نظارہ سی ہے حاصلِ نظارہ تھا | دیکھتا تجھکو سمجھ کر تو نہ حیراں ہوتا

خدا کی جستجو کرنا نہ کر رکھ تیز خودی طاری | وہ خود تیری خودی کے پردۂ حائل سے نکلیگا
تو دلکو دیکھتا رہ اور پھیلی رات ہو جانے دے | جلوسِ حسن تیری جلوہ گاہِ دل سے نکلیگا

ایوانِ تصوّر سے اپنے نکلا، طلب کی دنیا میں
جب تک ہر ذرّے کو میں نے پھیلا کر دنیا کر نہ دیا

عشق ہے اک جوشِ سیلابِ جوانی تند و تیز   حسن ہے اک موجۂ رنگین طوفانِ شباب
دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے پنہاں ہو گئی   لائی تھی عمرِ شفق شامِ گلستانِ شباب

ان اشعار میں جو فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے گئے ہیں ذرا ان پر توجہ کیجئے۔

"صبح کا آنسو" "تبسّم بادہ ریز" "نفسِ نظارہ" "حاصلِ نظارہ" "جلوۂ حسن" "ایوانِ تصوّر" "موجۂ رنگین" "عمرِ شفق" وغیرہ ایسی درخشاں ترکیبیں ہیں جنھوں نے اشعار کے معنوی حسن و جمال میں بھی چار چاند لگا دئے ہیں۔ پھر اسلوبِ بیان کے ساتھ ساتھ اعلیٰ جذبات کی عکاسی بیاد بخدا الکتعدد زندۂ جاوید شاعری ہے۔

سیکڑوں شمعیں جلا دیتی ہے نفسِ سوز سے   چند پروانوں کی ہستی رائیگاں ہونے کے بعد
دستِ ذوقِ طلب کو ختم ہوتا دیکھ کر   لوٹ جاتا ہوں قریبِ آستاں ہونے کے بعد
آ گیا اشک، پھر کچھ دل کو گُداز پھر تو   یوں چلا ہی مرتب کارواں ہونے کے بعد

سبحان اللہ کیا ترتیب اور کیا حسنِ بیان ہے اکس قدر پُر جوش تغزل ہے نشاط لطفِ دل میں ایک ارتعاشی کیفیت پیدا کرنے کا خاص دزتہ دار ہے محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر

ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر

اس شعر کی مضمون آفرینی اور نزاکتِ تخیل کی نسفات کے سفحات سیاہ کر دینے کے بعد بھی تعریف واقعی ناممکن معلوم ہوتی ہے ظاہری نہیں بلکہ باطنی آنکھیں گریۂ خونیں کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ اس شعر میں باعتبار بندش و روانی، صفائی و شستگی جس قدر حسن ہے اسی قدر بلحاظ تاثیر و جذبات درد ناک بھی ہے، میری تعریف سے کہیں بلند اور پُر کیف ہے، اور دیکھئے۔

مری تصویر کس نے کھینچ دی دیوارِ زنداں پر   نہ رہ جائے یہیں نقشِ غلامی بعدِ آزادی

اس مضمون کا اس سے زیادہ شاندار اس سے زیادہ با اثر آج تک کوئی شعر میری نگاہ سے نہیں گذرا، اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ اس شعر کا نہ صرف معنوی حسن و جمال ہی تابناک ہے۔ بلکہ صوری آرائش و شائستگی بھی نگاہوں کو خیرہ کرنے والی ہے، "نقشِ غلامی" اور "تصویر" دونوں کا محلِ وقوع دیکھئے کس قدر جاذبِ توجہ ہے، یہ شعر بجھے ہوئے دلوں میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے والا ہے۔ اور غلامی کی لعنت میں جکڑے ہوئے دلوں اور دماغوں کو خوابِ غفلت سے جگانے والا ہے۔ تعریف سے بالاتر ہے۔

مری کیفیتیں خود رہ گئیں زنجیر پا ہو کر   جنونِ عاشقی اور قیدِ زنداں ہے معاذ اللہ
مرے پندار میں کوئی جھلکتا ہے خدا ہو کر   خودی و بیخودی سیماب کچھ مجھ میں نہیں لیکن

رفتہ رفتہ سمجھ میں آئے گا   ہر نفس ہے دور کی آواز
کر رہی ہے خود آشیاں سے فریب   تیرے بلبل و بہار کی پرواز

شمعِ ایوانِ حرم ہو یا چراغِ طاقِ دیر   ہم کو دونوں سے تعلق ہے کہ ہیں پروانہ ہم
دفعتاً سازِ دو عالم بے صدا ہو جائے گا   کہتے کہتے رک گئے جس دن ترا افسانہ ہم

تجلیاتِ حقیقت کا آئینہ ہوں میں   خدا نمائی یہی ہے کہ خود نما ہوں میں
اسی سے فیصلہ کر مشکلاتِ طوفاں کا   خدا پکار رہا ہے کہ ناخدا ہوں میں

تجلی کے لئے انساں ہے آوارۂ عالم   تجلی خود نہاں ہے ڈھونڈتی پھرتی ہے انساں
ذرا محمل کو پکارا ہے صورِ مجنوں بانِ لغت کو   یہ دیوانے کہیں بیٹھے نہ رہ جائیں بیاباں میں

www.taemeernews.com

تم نے تو اپنے حسن کو محدود کر لیا ہم کس کے ساتھ عمر محبت بسر کریں
اُس مرکزِ جمال پہ اب ہے مری نگاہ جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

مضامین کی بلندی، الفاظ کی شیرینی، تمام تر صنائع و بدائع کے ساتھ جس دلکش اندازِ تکلم میں مقید کی گئی ہے وہ دریا کو کوزے میں بھر دئے جانے کے مترادف ہے۔ "تشکلاتِ طوفاں" "آوارۂ عالم" "مجذوبانِ الفت" "عمرِ محبت" "مرکزِ جمال" "طوافِ نظر" وغیرہ کس قدر اچھوتی اور دلپذیر ترکیبیں ہیں، یہ سب مولانا سیماب مدظلہ کی قدرتِ کلام، وسعتِ نظر، پاکیزگیِ مذاق کی اتنی کثرت سے شہادت ادا کر رہی ہیں کہ کوئی تردید کی ہمت نہیں کر سکتا۔

وہاں چمن میں ہے تعمیرِ آشیاں پہ عتاب یہاں ہوا پہ نشیمن بنائے جاتے ہیں
لگاؤ ہے مری تنہائیوں سے فطرت کو تمام رات ستارے جگائے جاتے ہیں

بیٹھا دو بزمِ غم میں نے اک فضائے تنگ مجھے محفل میں حکمِ اختصارِ داستاں کیوں ہو
جوانی اور مرگِ عشق! یہ ہی رقص کا موقع غزل خواں ہو کے ماتم میں کوئی نوحہ خواں کیوں ہو

حسنِ رنگارنگ کی ندرت بدامانی نہ پوچھ ہر تصور کے تخیل میں نئی تصویر بھی
میں تشکیل بھی نہ محمل سے کسی کی اٹھ سکا ایک نامعلوم قوت تھی کہ دامنگیر تھی

اُٹھے ابرِ ہجوم کے چار سو، ہو اصافِ مشرقِ رنگ و بُو
گر ایک مطلعِ آرزو، کہ اسیرِ گردِ غبار ہے
نہ غرضِ حرم کے وقار سے، نہ صنم کدے کی بہار سے
ہمیں کام ہے در یار سے، در یار پھر در یار ہے

یہ تم ہنس ہنس کے باتیں کر رہی ہو کہ تقسیمِ جراحت ہو رہی ہے

لبِ لعلیں پہ نظریں جم گئی ہیں بڑی رنگیں جراحت ہو رہی ہے

ازل با ازل اک موسیٰ مائلِ تماشا تھے رفتہ رفتہ ہستی کی ہر اٹھان موسیٰ بھی
میں فریبِ صورت میں بے نیازِ معنی تھا میری زندگی گویا ایک حسین دھوکا تھی

غم کے ناکام افسانے لبوں تک آ گئے میں کہہ کر پچھتایا نگاہ دشمن کو تنہا پائیں گے
بادل تو گھر گھر کے آئے، جو دل کی پیاس نہ تھے پڑ رہا ہوں ساقی سے ساون بھر کے اب آئیں گے

وہ کوئی حیلہ نہ کر دیں نیتِ وعدہ بخیر! آج کچھ افسردہ افسردہ چراغِ شام ہے
اس طرح دنیا ہی اک معمورۂ راز و نیاز ذرّہ ذرّہ پر مرا سجدہ تمہارا نام ہے

ہوش کی دنیا جہانِ خواب بن کر رہ گئی اک نظر ہنستی ہوئی سی کر گئی غافل مجھے
ناخدا پر چھوڑ دی کشتی تو خود اے ناخدا آئے لینے کیلئے طوفان تک ساحل مجھے

باوجود نیتِ اختصار مضمون طویل ہوا جا رہا ہے۔ اور طبیعت کا یہ عالم ہے کہ ہر شعلۂ طلب بیقرار کئے دیتا ہے، ابھی سیکڑوں شعر نظرِ انتخاب کے دامن میں محفوظ ہیں۔ لیکن میں اس سرمایۂ لاجواب اور لذتِ اضطراب کو بیک وقت تقسیم کرکے خود ایک بے کیفی پیدا کرنا نہیں چاہتا، اس لئے چند شعر اور پیش کرکے باقی آئندہ کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔ بشرطِ زندگی پھر کبھی پیش کیا جائیگا۔ دیکھئے ذیل کے اشعار کو اگر الہامی نہ کہیں تو پھر کیا کہیں گے، فنِ کمال کا ایک طوفانِ عظیم اور زبان و محاورات کا ایک سیلابِ لطیف ہے کہ امڈا چلا آتا ہے، فنِ شعر کی جملہ اصناف میں کون سی ایسی صنف اور خصوصیت ہے جو حضرت سیماب کے آتشیں کلام میں نہ پائی جاتی ہو، ہمتِ یک نگاہ اور وقتِ صدا آئے ہو تو ان میں سے کوئی ایک بھی شعر دہرائیے، دہرائیے!.. وجد دیکھئے کیف

سمندر میں غرق ہو جائے، خیالات و تخیلات کی بلندیاں فنی وادبی سنجیدگیاں، زبان و مذاق کی ترقیاں اور شگفتہ الفاظ و تراکیب کی محشر سامانیاں پھر عروسِ فطرت کی جا بجا فطری انگڑائیاں آپ کی متین و باوقار شاعری کی ایسی نادر الوجود خصوصیات ہیں کہ بہت کم حکیموں، شاعروں، ادیبوں اور بناضوں کے حصے میں آئی ہوں گی مضامین و تخیلات جس قدر اعلیٰ ہیں الفاظ بھی اُسی نسبت سے صاف و شستہ، میٹھے اور دلکش ہیں۔ اگر ایک طرف طالبانِ فن و زبان کے لئے آپ کا کلام شمعِ راہ بن سکتا ہے۔ تو دوسری طرف باکمال حضرات کے لئے نشاطِ روح، اور تسکینِ دماغ کا سامان بھی مہیا کرنے کی صلاحیت و قدرت رکھتا ہے، اتنی خوبیوں اور رعنائیوں کا ایک جا جمع ہو جانا یا جمع کر دینا کسی معمولی دل و دماغ رکھنے والے انسان کا کام نہیں ہو سکتا حضرتِ سیماب کی غیر معمولی قدرتِ کلام کا اندازہ کرنا ہو تو آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ کی کسی غزل کا کوئی شعر سامنے رکھ کر ہم قافیہ شعر کہنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کیجئے پھر آپ کو اپنے عجزِ طبیعت اور میرے دعوے کا اعتراف خود بخود ہو جائے گا!

معاف فرمائیے میں جوشِ عقیدت میں کہاں سے کہاں جا پڑا، لیجئے آخری نشتر بھی پیش کئے دیتا ہوں۔

بت دلوں میں جو اس جلوہ گاہ تک پہنچا تجلیوں نے کیا خوب شرمسار مجھے
یہ جوشِ رنگ، یہ سیلِ نمو، یہ شوخیِ نور کہیں اچھال نہ دے دامنِ بہار مجھے
صدائے صور سے میں قبر میں نہ جاگوں گا کسی کی بھلی آواز سے پکار مجھے

ابھی لا انتہا ذروں کو ہے پرواز کی حسرت کوئی آندھی بقدرِ ظرفِ ویرانہ نہیں آئی
تصورِ جلوۂ مستور کو صد رنگ کر دیگا نیا فتنہ اٹھا، دیوارِ بتخانہ نہیں اٹھی
بھڑک اٹھی ہے کیوں دنیا مری آگ محبت پر یہ شورش کیوں خلافِ شمعِ پروانہ نہیں اٹھی
لبالب بزم آئی، شمع آئی، جام سے اٹھا
مگر سیماب اب تک نعشِ پروانہ نہیں اٹھی

یہ انتخاب ۱۹۲۵ء تک کے کلام کا ہے۔ ہنوز مولانا سیماب اکبر آبادی بزمِ سخن میں خدا کے فضل و کرم سے مسلسل الہام آفریں ہیں۔ ظاہر ہے کہ شاعر کی عمر جس قدر بڑھتی جاتی ہے، قوتِ کلام اور زورِ طبیعت بھی بڑھتا جاتا ہے۔ خدا جانے مستقبل میں مولانا کا جب اور کلام شائع ہوگا تو اس میں الہامی قوتیں کس قدر بے پناہ اور ناقابلِ برداشت ہوں گی۔ بیسویں صدی عیسوی اور چودھویں صدی ہجری کا یہ ممتاز عصرِ شاعر" اور "اردو" کو ایک دوامی زندگی عطا کر رہا ہے۔ اب صدیوں کسی مجددِ فن اور امامِ شعر کی دنیا کو ضرورت نہ ہوگی۔

میں آرزومند ہوں کہ مولانا کا جدید دیوان "توراتِ شرق" بھی جلد از جلد شائع ہو تاکہ دنیا مولانا کے سرچشمۂ فیض سے سیراب ہو سکے۔

www.taemeernews.com

مقدمۂ شعر و شاعری اور خطباتِ شاعری

از ——— جناب شریف احمد صاحب بی۔ اے

اردو میں مولانا حالی کی تصنیف مقدمۂ شعر و شاعری کو جو اہمیت حاصل ہے اسکے متعلق کچھ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے۔ بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فی زمانہ نظم اردو میں جو زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ان کی تخلیق میں مولانا حالی اور ان کے مقدمۂ شعر و شاعری کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ اردو شاعری میں مقدمۂ شعر و شاعری ہی وہ پہلی کتاب ہے جس نے اردو شعرا کو زمانے کی ضروریات سمجھنے کی طرف متوجہ کیا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر میں جب شاعری کے مجالات زوال کی آخری حد تک پہونچ چکے تھے۔ اور موضوعاتِ قدیم کی پرستش علی رؤس الاشہاد ہو رہی تھی اس وقت مولانا حالی مرحوم کو قوم کی ذہنی تباہی کا احساس ہوا۔ اور انھوں نے ایک طرف قوم کی اخلاقی تربیت کے لئے مسدس مد و جزر اسلام تصنیف کیا اور دوسری طرف شعرا کی ذہنی تربیت کے لئے اپنے دیوان کا دیباچہ "مقدمۂ شعر و شاعری" کے نام سے لکھا۔

مقدمۂ شعر و شاعری دراصل ہماری معراجِ ترقی کا پہلا زینہ ہے اس میں مولانا حالی نے وہی باتیں تحریر کی ہیں۔ جن کی انیسویں صدی کے نصف آخر اور بیسویں صدی کے ربع اول میں ضرورت تھی۔

مقدمۂ شعر و شاعری کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جہاں شعرا کو رنگِ زمانہ دیکھ کر قدم اٹھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ وہاں وہ علمی معلومات کا بھی ایک ضخیم ذخیرہ ہے۔ شعر و شاعری پر بالتفصیل تبصرہ شعر کی تعریف، مختلف شعرا کے کلام کی مثالیں، نیچرل شاعری کی توضیح زبان و محاورہ کی تشریح اور پھر اپنے بیان کردہ نظریات کی روشنی میں اردو شاعری پر محاکمہ۔ الغرض اس میں وہ سب باتیں آگئی ہیں جو ایک نئے دور کی پیداوار میں معاون ہو سکتی ہیں۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں مولانا حالی کی تصنیف مقدمۂ شعر و شاعری کے بعد ضرورت تھی کہ بیسویں صدی میں ان کے پیام کی پھر تجدید کی جائے۔ اور ضروریاتِ زمانہ کے مطابق اس پیام میں کچھ اضافہ کر کے معیارِ شاعری کو اور زیادہ بلند کیا جائے۔ خطباتِ شاعری کا وجود اسی ضرورت کا ایک عملی پیرایہ ہے۔ جو چیز مولانا حالی کے یہاں شروع ہوئی تھی۔ خطباتِ شاعری میں وہ معراجِ کمال تک پہونچ گئی ہے۔ اور ہم دونوں کو ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں کہہ سکتے ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ مقدمۂ شعر و شاعری ایک مسلسل کتاب ہے۔ اور خطباتِ شاعری ان مختلف خطباتِ صدارت کا مجموعہ ہیں۔ جو علامہ سیماب اکبرآبادی نے پندرہ سال کے عرصہ میں ملک کی ادبی مجالس میں پڑھے۔ لیکن دونوں میں موضوعات کی ہم آہنگی صاف بتا رہی ہے کہ ہم ایک باغ کی دو ہوائیں ہیں۔ اور ایک ہی جذبے سے پیدا شدہ دو صدائیں ہیں۔ اگر مقدمۂ شعر و شاعری اور خطباتِ شاعری کا بالترتیب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مقدمۂ شعر و شاعری ایک تاریخی کتاب سے زیادہ علمی کتاب ہے۔ لیکن خطباتِ شاعری میں علمی معلومات کے علاوہ ہندوستان کی پندرہ سالہ تاریخ بھی ضمناً آگئی ہے۔ مقدمۂ شعر و شاعری اس زمانہ میں لکھا گیا۔ جب کہ ہماری سیاسی حالت زوال تک پہونچ چکی تھی۔ اور مولانا حالی نے زوال کی بڑھتی ہوئی رو کو دیکھ کر اُدھر خطباتِ شاعری کے زمانۂ ترتیب میں ملک کا ذہن علمی انتہا کے علاوہ سیاسی اعتبار سے بھی بیدار ہو چکا تھا۔ اور ضرورت تھی کہ شاعری میں

سیاست کو بھی شامل کر لیا جائے۔ آپ مقدمۂ شعر و شاعری کا زمانۂ تصنیف نظرانداز کر سکتے ہیں لیکن خطباتِ شاعری کے مطالعے میں آپ کو ہندوستان کی پندرہ سالہ تاریخ کا علم ناگزیر ہوگا۔

اس فرق کے علاوہ ایک اور فرق بھی ہے جو بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ مولانا حالی نے دیگر مصنفین کے بیان کردہ نظریاتِ شعری پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے اور جا بجا اُن کے حوالے دیئے ہیں۔ مولانا سیماب کے نظریاتِ شاعری ایک جدید ادارۂ خیال کی بنیاد کہے جا سکتے ہیں۔ مولانا سیماب نے دیگر مصنفین کے کلام سے استفادہ ضرور کیا ہے۔ لیکن اپنے نظریات کی بنیاد ان مصنفین کے بیانات پر نہیں رکھی۔ مولانا حالی کے بیان کردہ نظریات کو اس وقت صحیح مانا جا سکتا ہے جب اُنکے ماخذ پہ بے چون و چرا ایمان لے آیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص ماخذ ہی کو غلط قرار دے دے تو نظریات کی دیوار اگر منہدم نہیں تو متزلزل ضرور ہو جاتی ہے۔

مولانا سیماب کے یہاں یہ بات نہیں ہے۔ وہ اپنے نظریوں کی بنیاد زمانۂ حاضرہ کی ضروریات، مشاہدات، واقعات، اور تجربات پر رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ زمانے کی ضروریات بدل جائیں لیکن مشاہدات اور تجربات کبھی نہیں بدل سکتے۔

مثلاً مقدمۂ شعر و شاعری میں مولانا حالی نے جہاں شعر کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ وہاں اپنے نظریے کی بنیاد صرف "ملٹن کے مقولے" پر رکھی ہے جس کی تشریح میں انھوں نے کافی صفحات صرف کئے ہیں۔ اگر کوئی شخص ملٹن کو اس بیان کو تسلیم نہ کرے کہ شعر کی خوبی یہ ہے کہ "سادہ ہو جوش سے بھرا، اور اصلیت پر مبنی ہو" تو مولانا حالی کی یہ تشریح طویل بالکل بیکار ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس مولانا سیماب کسی مصنف کے بیان کردہ نظریے کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ وہی کچھ کہتے ہیں جو محسوس کرتے ہیں۔

شاعری کی اصلاح کے ضمن میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ زمانے کی ضروریات پر مبنی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ سارے شعرا صرف غزل لکھ کر اپنی قوتوں کو محدود کئے ہوئے ہیں۔ تو اس کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ موضوعات کی تلاش کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ملکی واقعات فطرت کے مشاہدات، انسانی ہمدردی اور محبت، صداقت اظہارِ خیال کے لئے بہترین موضوع قرار دئے جا سکتے ہیں۔ ان کے تمام خطبے اسی نوعیت کے درس و پیام سے مملو ہیں۔ صفحات الٹتے چلے جائیے اصلاحی مواد کے سینکڑوں سمندر موجزن نظر آئیں گے۔ اس مرحلے پر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ مولانا سیماب کا نظریۂ اصلاح منقولات کا تابع نہیں ہے۔ بلکہ انھوں نے ہر جگہ معقولات سے بحث کی ہے۔ "زمانے کی ضرورت" اُن کے یہاں بہترین ماخذ ہے۔

اس کے بعد ہم وہ بات واضح کریں گے جہاں مقدمۂ شعر و شاعری اور خطباتِ شاعری میں بظاہر توازن ہے۔

شعر کی عظمت دونوں مصنفین یکساں محسوس کرتے ہیں۔ مولانا حالی کا بیان ہے کہ "یہ خاصیت خدا نے شعر میں ودیعت کی ہے کہ وہ ہم کو محسوسات کے دائرے سے نکال کر گذشتہ اور آئندہ حالتوں کو ہماری موجودہ حالت پر غالب کر دیتا ہے۔ شعر کا اثر محض عقل کے ذریعے سے نہیں بلکہ زیادہ تر ذہن اور ادراک کے ذریعے سے اخلاق پر ہوتا ہے۔ پس ہر قوم اپنے ذہن کی جودت اور ادراک کی بلندی کے موافق شعر سے اخلاقِ فاضلہ اکتساب کر سکتی ہے۔ قومی افتخار، قومی عزت، عہد و پیمان کی پابندی، بے دھڑک اپنے تمام عزم پورے کرنا، استقلال کے ساتھ سختیوں کی برداشت کرنا ایسے فائدوں پر نگاہ نہ کرنی جو پاک ذریعوں سے حاصل نہ ہو سکیں اور اسی قسم کی وہ تمام خصلتیں جن کے ہونے سے ساری قوم تمام عالم کی نگاہ میں چمک اٹھتی ہے۔ اور جن کے نہ ہونے سے بڑی سے بڑی قوی سلطنت دنیا کی نظروں میں ذلیل رہتی ہے۔ اگر کسی قوم میں بالکل شعر ہی کی بدولت پیدا نہیں ہو جاتیں تو بلاشبہ اُن کی بنیاد تو اس میں شعر ہی کی بدولت پڑتی ہے۔"

اسی موضوع پر مولانا سیماب فرماتے ہیں۔

www.taemeernews.com

"شاعر فردِ حیاتِ زندگی کا جزوِ اعظم ہے۔ حیاتِ حاضرہ کی صحیح ترجمانی اور واقعات بلکہ پر حقیقی تبصرہ جس خوبصورتی اور دقتِ نظر کے ساتھ ایک شاعر کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

"شاعری جس طرح جذباتِ قومی کے نشر و اعلان کے لئے ایک ذریعہ مخصوص ہے۔ اسی طرح مذہب کے اثرات کو ساعت گزیں اور دل نشیں کرنے کا بھی ایک خاص وسیلہ ہے۔ نصیحتیں جو نثر میں کی جاتی ہیں۔ وہ اصلاحی نظموں سے زیادہ اثر آفریں نہیں ہوتیں۔ نثر عبارتیں خواہ کیسی ہی خوش ترکیب کیوں نہ ہوں۔ زبانوں سے نکل کر دلوں میں محفوظ نہیں رہتیں مگر ایک درد میں ڈوبا ہوا شعر۔ تو بآغوشِ سماعت میں جھولا کرتا ہے۔ اور اس کی موجیں فضائے شوق سے باہر نہیں نکلتیں۔

شاعر سماج کا ایک رکنِ عزیز ہے۔ ایک مضبوط ستون ہے۔ ایک ترجمانِ حقیقت ہے۔ اس سے بے نیاز رہ کر سماج کو علمی و ادبی قوتوں سے محروم رکھنا ہے۔ ملکی انجمنوں کی تاریخ میں یہ حقیقت موجود ہے کہ شعرا کی گرم نوائی نے جذباتِ انسانی میں تحریک کی آگ بھڑکا دی ہے۔ اور سرد سے سرد ماحول کو بھی گرم و پُر جوش بنا دیا ہے۔"

مندرجۂ بالا اقتباسات سے معلوم ہوگا کہ شاعری کے افادی پہلو سے دونوں مصنف متفق ہیں۔ لیکن شاعر کی اہمیت کا اعتراف۔ اور شاعر کے کیرکٹر کا اعتبار جس درجے تک مولانا سیماب کرتے ہیں۔ اس درجے تک مولانا حالی نہیں کرتے۔ مولانا حالی نے اس باب میں شاعری کے تاریک پہلو کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ اگر ان کے یہاں روشن خیالی ہے تو صرف اس قدر کہ "شاعری کوئی اکتسابی چیز نہیں ہے۔ بلکہ بعض طبیعتوں میں اس کی استعداد خدا داد ہوتی ہے۔ پس جو شخص اس عطیۂ الٰہی کو مقتضائے فطرت کے موافق کام میں لانے کا ممکن نہیں کہ اس سے سوسائٹی کو کچھ نفع نہ پہونچے۔"

لیکن مولانا سیماب نے شاعر کے درجے کو بہت زیادہ بلند و ارفع دکھا کر اس کی اہمیت کو مضبوط کر دیا ہے۔ شعرائے جدید کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا سیماب حقیقی شاعر کا درجہ اس طرح واضح کرتے ہیں:—

"ابھی آپ کو اپنی عظمت و اہمیت کا صحیح اندازہ و احساس نہیں آپ کی قوم پیغمبروں کی قوم ہے۔ آپ کے دماغ پر خورشیدِ الہام براہِ راست ضیا باری کرتا ہے۔ آپ خدائے سخن آفریں کے شاگرد کہلاتے ہیں۔ اور آپ کے نفوس جاریہ کی صدا ہے۔ زبان آپ کے کلمات و ملفوظات سے عبارت ہے۔ آپ قوم غائب ہیں ملتِ واقع ہیں۔"

ایک اور جگہ پر مولانا سیماب، مولانا حالی کے مندرجہ بالا بیان سے بایں الفاظ اتفاق کرتے ہیں۔

"شاعری ایک فطری جذبہ ہے۔ جو ہر انسان کو فطرت کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے اور جس کا کام میں لانا نہ لانا امر اختیاری ہے، اس فطری جذبے میں علم و ادراک، غور و فکر، تحقیق و تخئیل، ایجاد و اختراع اور نظر و نقد سے ایک قسم کی فنی صنعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور شاعر کا الہام انسانوں کی سماعت کے لئے ایک ایسا دلکش گیت بن جاتا ہے۔ جس کا کیف و سرور کبھی کم نہیں ہوتا اور جس کے سازِ ترنم پر دل وجد کرتا ہے۔ اور روح رقص کرتی ہے۔"

مولانا حالی موجودہ اردو شاعری کی روش سے مطمئن نہ تھے۔ اس لئے وہ اس کے مستقبل سے مایوس نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے

"ظاہر ہے کہ جن ذریعوں سے ایشیا کی شاعری ہمیشہ ترقی پاتی رہی ہے۔ وہ اردو کی شاعری کے لئے فی زمانہ مفقود ہیں۔ اور ہرگز امید نہیں ہے کہ کبھی آئندہ زمانے میں ایسے ذریعے مہیا ہو سکیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ قدرتی سرچشمہ جو ہمیشہ ہر قوم کی ترقی کا منبع رہا ہے۔ یعنی سلف سلیپ۔ اس کی سوتیں بھی ہماری قوم

www.taemeernews.com

سے بند ہیں۔ پس ایسی حالت میں اردو شاعری کی ترقی کا خیال لگانا گویا زمانۂ ناساز گار سے مقابلہ کرنا ہے۔ خصوصاً ایسے زمانہ میں جب کہ اردو سے نہایت اعلیٰ اور اشرف زبانوں کی شاعری بھی معرض زوال میں ہو۔ سائنس اس کی جڑ کاٹ رہا ہے۔ اور سویلزیشن اس کا طلسم توڑ رہی ہے۔ اور اس کے جادو کو حرف غلط کی طرح مٹا رہی ہے لیکن چونکہ یاس اور امید دونوں حالتوں میں آخر وقت تک ہاتھ پاؤں مارنا جاندار کا طبعی اقتضا ہے۔ مذبوح کی حرکت اور مدقوق کی امید دم واپسیں تک باقی رہتی ہے۔ اس لئے جو کچھ ہم لکھنا چاہتے ہیں اس سے یہ ناامقصود نہیں ہے کہ کچھ ہوگا۔ بلکہ یہ ظاہر کرنا ہے کہ کاش ایسا ہوتا۔"

لیکن مولانا سیماب اردو شاعری کے مستقبل سے مایوس نہیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

"شاعری کی قدامت کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا ایک حد تک بجا ہے کہ اب شاعری میں نئے اور تازہ خیالات کی گنجائش نہیں رہی لیکن انسان شاعری سے بھی زیادہ قدیم ہے جب اس کی تخلیق میں ہنوز ندرت و تنوع باقی ہے تو کیا سبب ہے کہ شعر الہامی مخلوق ہونے کی حیثیت سے اب بھی نادر و متنوع نہ ہو۔

نہ دنیا کی کوئی صبح نئی صبح ہے نہ کوئی شام نئی شام ہے نہ تارے نئے ہیں نہ چاند نیا ہے نہ سورج نیا ہے۔ نہ دریا نہ پہاڑ نہ آبشار نہ لالہ زار مگر پھر بھی ہر صبح میں ایک نئی طلعت۔ ہر شام میں ایک نئی زینت ہر رات میں ایک نئی پھبن غرض کہ ہر حیثیت کر طلوع و نمودار ہونے والی چیز میں ایک نیا پن موجود ہے۔ اسی طرح موجودات عالم واقعات و کیفیات کے لحاظ سے اپنا رنگ و اثر اور اپنے ماحول کا عالم بدلتے رہتے ہیں۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ لاتعداد اشعار کے جانے کے بعد بھی کوئی نیا شعر زمانہ سے پیدا نہ ہو۔ یا اس میں کوئی ندرت محسوس نہ کی جا سکے؟ ——— اِلّا ماشاء اللہ"

"جس طرح فطرت کی قدامت نئے واقعات و حادثات سے ہمارے لئے تنوع پذیر کی جاتی ہے اسی طرح ہماری شاعری میں بھی الفاظ نہ سہی کم از کم خیالات و احساسات اتنے نئے ہونے چاہئیں جو ہمارے اشعار کے نئے اور نادر سمجھے جانے پر دنیا کو مجبور کر دیں۔

اسی نظریے کے ماتحت اردو شاعری کا وہ رنگ قدیم جسے تغزل کہتے ہیں۔ بتدریج مٹتا جا رہا ہے۔ اور اس کی جگہ جدید خیالات کو مل رہی ہے۔ جسے جدید شاعری کہتے ہیں وہ حقیقت میں جدید شاعری نہیں بلکہ شاعری کا جدید اسلوب ہے۔ فن شاعری تو اب تک انھیں اصول اور بنیادوں پر مبنی ہے۔ جو واضعانِ فن نے اب سے صدیوں پہلے قائم کی تھیں مگر نفس شاعری بہت کچھ بدل گیا ہے۔ اور یہ تبدیلی نہ صرف وقت اور زمانے کے مطابق ہے بلکہ دنیا کا مستقبل بھی اس تبدیلی کے بعد خوش آئند نظر آتا ہے۔ اب ہماری شاعری میں جذبات کے ساتھ درس و پیام بھی ہے یعنی جو کڑوی سے کڑوی بات ہم نثر میں نہیں کہہ سکتے وہ نظم میں بے تکلف کہہ جاتے ہیں۔ اور سننے والے پر اس کا کوئی تلخ اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اب ہمارے اشعار ایک خاندان کے ہر بزرگ اور ہر فرزند کے سامنے سنائے جانے کے قابل ہیں۔ اور اب ہمارے خیالات اس درجہ مہذب پاکیزہ اور ستھرے ہو گئے ہیں کہ ہم صرف اپنی شاعری سے اصلاح و تہذیب اور تعمیر و تاسیس کا کام بہ آسانی لے سکتے ہیں۔"

اس کے علاوہ اور متعدد مقامات پر بھی مولانا سیماب نے تصویر کا روشن پہلو نمایاں کیا ہے۔ شعر و شاعری اور اردو شاعری کی ہیئت ترکیبی کے بعد شاعروں کا ذکر آتا ہے۔ مولانا سیماب شاعروں کی موجودہ روش کے بالکل خلاف ہیں۔ انھوں نے جا بجا لکھا ہے کہ شاعروں کا موجودہ ہم انعقاد تبدیل ہونا چاہئے۔ اور انھیں زیادہ سے زیادہ اہم ادبی مجالس بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اسی سلسلے

میں مولانا سیماب نے شاعروں میں خطبہ خوانی اور مذاکرہ کو رواج دیا ہے اس کے برعکس مقدمۂ شعر و شاعری میں شاعروں کی اصلاح پر کچھ نہیں لکھا گیا۔ مولانا حالی کا مقصد شاعری کی توضیح تھا اور انھوں نے ایک کورس بک کی حیثیت سے مقدمۂ شعر و شاعری کو مرتب کیا۔ اسی لحاظ سے اس میں موضوعات کا تسلسل ہے۔ اور ایک خاص ترتیب سے عنوانات قائم کئے گئے ہیں۔

مگر خطباتِ شاعری میں ہر خطبہ ایک تقریر مکتوب ہے۔ مختلف ادبی مجالس میں مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ اس لئے اس میں تسلسل نہیں ہے۔ بلکہ انفرادی حیثیت سے ہر خطبے میں مختلف و متعدد عنوانوں کے تحت نظریات قائم کئے گئے ہیں۔

غزل کے متعلق بھی دونوں کتابوں میں بہت زیادہ مواد موجود ہے۔ اور دونوں مصنف غزل کی اصلاح چاہتے ہیں۔ مولانا حالی نے مقدمۂ شعر و شاعری کا ایک حصہ غزل کے لئے وقف کیا ہے۔ اور مولانا سیماب نے بھی ایک خطبہ صرف غزل کے لئے مخصوص کیا ہے۔ ان دونوں حصوں کے مطالعے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ غزل کیا تھی۔ کیا ہے اور اسے کیا ہونا چاہئے۔

مقدمۂ شعر و شاعری میں چند باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر خطباتِ شاعری میں نہیں۔ اسی طرح خطباتِ شاعری میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کو مقدمۂ شعر و شاعری میں جگہ نہیں دی گئی۔

مثلاً مولانا حالی نے مندرجہ ذیل عنوانات پر روشنی ڈالی ہے۔

شعر کی علمی تعریف اور اس کے متعلق مختلف مصنفین کے بالترتیب نظریے۔

۲۔ اصنافِ شاعری کی تقسیم۔ اور ان پر تفصیل تبصرہ۔ مثلاً قصیدہ، مثنوی مسدس وغیرہ۔

لیکن مولانا سیماب نے انکا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ یہ باتیں دیا مباحث فن سے متعلق تھیں۔ مقدمۂ شعر و شاعری کے علاوہ اور بہت سی کتابوں میں بھی انکا ذکر پایا جاتا ہے۔ مولانا حالی کے بیان میں صرف خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے قدیم اور اپنے عہد کے موجودہ شعرا کے کلام سے مثالیں پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا سیماب کا ان موضوعات کا ذکر نہ کرنا اس بات پر بھی مبنی ہے کہ مولانا حالی ان کے متعلق بالتصریح لکھ چکے ہیں اور دوبارہ ان کا ذکر کرنا تحصیل اور اعادۂ محض تھا۔ ایک کورس بک میں تو ان موضوعات کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک تقریر میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

مقدمۂ شعر و شاعری کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ اس میں مولانا حالی نے چند اصول مرتب کرکے انکی تشریح کی ہے وہ اصول اس قدر مختصر ہیں کہ اگر ان کو الگ قلم بند کر لیا جائے تو ایک صفحے سے زیادہ جگہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ انہی اصولوں کی تشریح میں مولانا حالی نے متعدد شعرا کے کلام سے مثالیں پیش کی ہیں۔

اب خطباتِ شاعری کی طرف آیئے۔

۱۔ مولانا سیماب نے اپنی تمام تقریریں مقامی فضا۔ اور ماحول کو پیشِ نظر رکھ کر مرتب کی ہیں۔ اس لئے ان میں ایسی باتیں بھی آگئی ہیں جو کسی خاص وقت یا کسی خاص ماحول میں کہی جا سکتی ہیں

۲۔ مولانا سیماب نے آگرہ کی ادبی عظمت کو بالوضاحت واضح کیا ہے۔ اور آگرے کے شعرا کو گمنامی کے پردے سے باہر لانے کی کوشش کی ہے۔

۳۔ مولانا سیماب نے جو خطبے کالجوں کے شاعروں میں پڑھے ہیں ان میں طلبا اور شاعری سے متعلق اپنے مخصوص انداز میں پیغام دیا ہے۔ اور یہ پیغام ملک کی موجودہ فضا کے اعتبار سے بہت زیادہ قابلِ غور و اہم ہے۔ اور دلچسپ بھی اس لئے کہ "طلبا اور سیاست" کا سوال ملک کے لئے ایک اہم مسئلہ

بنا ہوا ہے۔ طلبا میں شاعری کا مذاق بھی روز افزوں ترقی پذیر ہے اس لئے ان کے لئے ایک شاہراہِ عمل تیار کرنے کی ضرورت تھی۔ ملک کے لیڈروں نے "طلبا اور سیاست" کے موضوع پر تو بہت کچھ توجہ دی لیکن اُن کے ذوقِ شاعرانہ کے متعلق خاموشی سے کام لیا تھا۔ ان خطبوں نے اس کمی کو پورا کر دیا۔

۴۔ شاعروں کی اصلاح مولانا سیماب کے خطبوں کا ایک اہم جزو ہے۔

۵۔ شاعروں میں خطبہ خوانی کا رواج مولانا سیماب کی تحریک ہے۔

۶۔ شاعرے کے بعد اس پر محاکمہ کرنا بھی ایک نئی اصلاحی جرأت ہے

جمعیۃ الشعرا کے قیام کی طرف بھی بعض خطبوں میں توجہ دلائی گئی ہے۔

شعرائے موجودہ کے کلام پر بعض خطبوں میں تفصیلی تبصرہ ہے۔

۹۔ بعض خطبوں میں اُردو پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۱۰۔ شاعروں کا رواج خطبات کا موضوعِ مشترک ہے۔

مندرجۂ بالا سطور سے اردو میں مقدمۂ شعر و شاعری اور خطباتِ شعر و شاعری کا مبحث واضح ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ مقدمۂ شعر و شاعری میں جو کمی تھی اسکو خطباتِ شاعری نے کس حد تک پورا کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے ہمارا یہ کہنا خالی از حقیقت نہیں ہے کہ مولانا حالی نے جس مقصد کی ابتدا کی تھی مولانا سیماب نے اس مقصد کو انتہائے کمال تک پہونچا دیا ہے۔ مقدمۂ شعر و شاعری اور خطباتِ شاعری دو جداگانہ حیثیتیں نہیں رکھتے۔ بلکہ ایک ہی نے کی دو صدائیں ہیں۔ اور ایک ہی ساز کے دو نغمے۔ جو شمع مولانا حالی نے انیسویں صدی کے نصف آخر میں جلائی تھی۔ مولانا سیماب اکبرآبادی نے بیسویں صدی کے ربع اول کے بعد اس کی لو بڑھا دی ہے۔ خدا اس کی روشنی کو رہتی دنیا تک محفوظ رکھے۔

اردو کے لسانی مراکز

سائنٹفک اور لسانی ترقی کی تشکیل و توضیح جو ضروریاتِ عہدِ جدید کی تکمیل میں معاون ہو سکے متحد العمل اور ہم آہنگ تربیت گاہوں کی موجودگی پر منحصر ہے اردو کی موجودہ تکمیل ایک درجن کے قریب علمی مراکز کی گلکارانہ شگفت کی رہینِ منت ہے۔ جو مختلف اوقات میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں قائم ہوتے رہے ہیں۔ نئی ضروریات اور نئے نظریوں کی کثرت و تواتر کے ساتھ ساتھ ان لسانی مراکز کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ اور ان کی کوششوں نے قدامت کو تازگی عطا کی ہے۔

ان کے حیات افروز اور نمو بخش اثرات نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اردو لٹریچر کے قیام و احیا کیلئے قابلِ قدر معاون ہیں۔ ان اداروں میں بہت زیادہ اہم مندرجہ ذیل ادارے ہیں :

(ا) دارالمصنفین (اعظم گڑھ)

(ب) جامعہ ملیہ (دہلی)

(ج) انجمن ترقی اردو (حیدرآباد دکن)

(د) اردو اکیڈمی (الہ آباد)

(ہ) مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

(و) زمیندار (لاہور) (بطور ایک ادارے کے)

(ز) نیاز مندانِ لاہور (نیرنگ خیال۔ سالک۔ تاثیر بخاری۔ تاج احمد شجاع)

(ح) آگرہ اسکول (سیماب)

(ط) نگار اسکول (لکھنؤ)

(ی) آغا حشر اسکول (برائے ڈراما)

ایم حسن لطیفی۔ بی۔ اے۔

www.taemeernews.com

سیماب اور طورِ کلیم

از ـــــــ جناب حکیم ضمیر حسن صاحب دل شاہجہاں پوری

شاعر جس عالم میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اُس کا ہر لمحہ اضطرار سکون اور ہر لمحہ ایک مستقل اطمینان ہے۔ تاریک راتوں میں جب فضا خاموش ہو جاتی ہے۔ ہر طرف خوفناک سناٹا محسوس ہونے لگتا ہے۔ اُس وقت شاعر کی طبعِ رسا تخیلات کے وسیع میدان میں اور زیادہ آزاد اور بشگفتہ پرواز ہو جاتی ہے بزمِ فلک کی شمعیں (تارے) کائنات کے ہر گوشہ میں جب ایک کیفیت جود محسوس کرتی ہیں۔ شاعر بیدار نظر آتا ہے۔ گلشن ایجاد کی پُر کیف بہار۔ قدرت کی شگوفہ کاریوں، پھولوں کی نکہت، عنادل کے نغمے سے اہلِ دل جب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اُس وقت شاعر کا دماغ ایک گلشنِ بے خزاں کی چمن آرائی کرتا ہوا پایا جاتا ہے۔

جب لبِ جو موجوں کی دلکشی اور سبزۂ خوابیدہ کی رعنائی سے نگاہیں کیفِ روحانی حاصل کرتی ہیں۔ اُس وقت شاعر شاہدِ معنی کا دلفریب نقشہ کھینچتا ہوا نظر آتا ہے۔

بزمِ عالم میں رندانِ بادہ پرست کا ساغر جب گردش میں آتا ہے اور جب ساقی توبہ شکنی کا اذنِ عام زاہدانِ خلوت نشیں کو پیغامِ تقویٰ شکنی دیتا ہے اس وقت شاعر اپنے محبوب کی مردم کش نگاہوں سے سرشار پایا جاتا ہے۔

صبح کے سہانے وقت میں جب دیر سے ناقوس کی آواز اور مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی ہے اُس وقت شاعر اپنے معبود کے آستاں پر سجدۂ بے ریا ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

شاعر کی پرستش تعینِ مکاں سے بھی آزاد ہے۔ اسکی جبینِ نیاز اُسی طرف جھکتی ہے۔ جس طرف اس کے محبوب کا اشارہ ہوتا ہے۔ بقول مومن دہلوی

دیر و کعبہ کیا ہیں عاشقوں کو لئے مومن
رہے وہیں کے ہم جی جہاں لگا اپنا

شاعری کو سحر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ میری رائے میں یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ شعر کی رعنائیاں حسن کے غمزہ و کرشموں اور نگاہوں کی سحر آفرینی سے کہیں زیادہ دلکش ثابت ہوتی ہیں۔ یہ مسلم ہے کہ تیر اندازوں کی نگاہوں کے تیر دلوں کو مجروح کرتے ہیں۔ لیکن ان تیروں کی خلش ایذا رساں اور تکلیف دہ ہے۔ شعر وہ تیر ہے جسکی کاوش میں ایک روحانی لذت محسوس ہوتی رہتی ہے۔

شاعر اپنے حریفوں کو قتل کرتا ہے۔ ناکامیوں کے بعد خودکشی کے جرم کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔ لیکن کوئی قانونی گرفت اس پر لاحق نہیں ہوتی شاعر بے نیاز دیر و حرم ہو کر وادیٔ ایمن سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے لیکن لن ترانی کی آواز سننے کا خوگر نہیں، حقیقی تجلیاں اُس کے دامانِ نظر میں کرشمۂ یکتائی دکھاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

شاعر ہی وہ اتالیق ہے۔ جس نے ایک دنیا کو تہذیب کی تعلیم سے آراستہ کیا ہے۔ شاعر ہی وہ جوہر قابل ہے جس نے پست ہمتوں کو عالی ہمت اور مفتوح کو فاتح بنا کر علمِ فتح و نصرت بلند کیا ہے۔

صد حیف! وہ دور گزر چکا جب کہ سلاطین کے درباروں میں شعرا کی منزلت کی جاتی تھی۔ شاعر مقرب بارگاہِ سلطانی سمجھا جاتا تھا۔ اب وہ زمانہ ہے کہ شعرا سے زیادہ ذلیل کوئی گروہ نہیں۔ شاعر کا مفہوم بجز کاذب اور بیکار محض کے اور کچھ نہیں۔ گو زمانہ کی ناقدرشناسی

www.taemeernews.com

کے اثرات بھی اس میں شامل ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شعراء اس الزام کے خود ذمہ دار ہیں۔ شاعری کی تعریف یہ ہے کہ مبالغہ کو حقیقت کی صورت میں نمایاں کرے۔ ہمارے شعراء حقیقت کو مبالغہ بنا کر اہلِ نظر کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شاعر حقائق کی ترجمانی کرے۔ شاعر مناظرِ قدرت کی دلکش اور نظر فریب تصویر کھینچے۔ شاعر جذباتِ عالیہ کو موثر الفاظ میں ادا کرے۔ شاعر معرفت کے نادر موتی چن چن کر قدردانوں کے سامنے پیش کرے۔ شاعر سوقیانہ مذاق سے گریز کرے۔ ابتذال کے بدنما داغ سے شاعر کا دامن پاک نظر آئے۔ وہ شعر شعر ہے۔ جو دل کی زبان سے نکلا ہو۔ وہ شعر شعر نہیں ہے جو دماغ کے خزانہ سے نکل کر چیستاں بن گیا ہو۔

شاعر بوالہوسی کی حدوں سے گزر کر روحانی جذبات کا ترجمان ہو۔ شعر زلف و کاکل کے پیچ سے آزاد ہو کر سادے اور دلفریب لباس میں نظر آئے۔ شاعر اخلاقی نظموں اور فلسفۂ عشق بہترین انداز میں بیان کرے۔ تغزل میں نالۂ عاشق ماتم پلہ مرثیہ نہ بنے۔ انبساطی مفہوم نشاط آفریں ہو۔ بے کیف اور عریاں نظر نہ آئے۔ پروانوں کو شمع پر قربان کیجئے۔ گھٹا نے رنگیں کو منادل کا منظورِ نظر بنائیے فلک کج رفتار کو شکوے کیجئے۔ میکدے میں نشاط انگیز جام لنڈھائیے۔ بتکدوں میں اصنامِ بے زبان کے سامنے سرِ نیاز جھکائیے۔ یہ سب کچھ کیجئے لیکن تصنع کے دائرے سے نکل کر حقیقت نمائی کا انداز اختیار کرتے ہوئے غزل کو قصیدہ اور اخلاقی نظم کو غزل نہ بنائیے۔ مرزا غالب کے خیالات میر کی سادہ زبان میں ادا کیجئے۔ وہ دور گزر چکا جب تغزل میں استعارہ اور تشبیہ کمالِ شعر سمجھا جاتا تھا۔ مذاقِ شعر زمانہ کی گردش کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ یہ دور وہ دور ہے کہ شعر جذباتِ عشق سے معمور ہو۔ مفہومِ شعر حقیقت کی دلکش تصویر نظر آئے۔ لب المفہوم معنی نظم کرنا۔ غیر مانوس الفاظ میں مفہوم ادا کرنا کمالِ شعر نہیں ہے۔ جس شعر کے سمجھنے میں دماغ کو تکلیف محسوس ہو وہ شعر بہترین شعر نہیں ہے۔ وہ شعر شعر ہے۔ جس کی سماعت سے دل میں ایک کیف آفریں جذبہ پیدا ہو۔

ہم میں سے بکثرت ایسے شاعر ہیں جو غزل گوئی تو در کنار تعریفِ غزل اور محلِ استعمالِ الفاظ سے بھی آشنا نہیں ہیں۔ ان کے مذاق میں کسی صنعت کا نظم کر دینا کمالِ شاعری ہے۔ شاعر حسن کے اقتدار سے آگاہ ہو۔ حسن پر طعنہ زنی بھی ایک اندازِ بیاں ہے۔ لیکن ہنگامِ طعنہ اقرامِ حسن قائم رکھنا تکمیلِ شاعری ہے۔ عشق بھی ایک منزلت ہے۔ اس کا قائم رکھنا صحیح المذاقی کی دلیل ہے جو شعر کسی فلسفہ پر مبنی ہو۔ خاتِ تصوف میں ادا کیا گیا ہو۔ بادۂ دنیا کے مفہوم میں نظم کیا گیا ہو مگر اندازِ بیان دلکش ہو مکمل شعر ہے۔

میں اپنے ایک مضمون میں ظاہر کر چکا ہوں کہ دہلی کا رنگِ تغزل بیشتر جذباتِ عالیہ سے معمور ہے اس کی وجہ بھی بیان کی ہے کہ دہلی کی شاعری اس وقت شباب پر تھی جب کہ دہلی کی سلطنت خاندانِ مغلیہ کو پیامِ رخصت دے چکی تھی۔ اس دور کے شعراء نے آہ کا نعرہ بلند کیا۔ واہ کا کوئی محل نہ تھا تغزل میں انقباضی مضامین زیادہ موثر ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا کلام باعتبارِ تاثیر زیادہ مقبول ہوا۔ اکبرآباد کے تغیرات دہلی سے بھی زیادہ افسوسناک ہیں۔ تاج محل کا نظارہ اہلِ نظر کے لئے درسِ عبرت ہے وہ عمارت ۔۔ دنیا میں اپنی مثال نہیں رکھتی اس کا تعمیر کرانے والا لحد کے ۔ ایک گوشہ میں تغیراتِ عالم کو نظرِ حیرت سے دیکھ رہا ہے۔ مگر کچھ کہہ نہیں سکتا۔ قاعدہ ہے کہ ہر تغیر سے اس مقام کے ساکن زیادہ اثر پذیر ہوتے ہیں۔ خصوصاً شعراء آگرہ اسکول کے شعراء بھی ان اثرات کے تحت میں صحیح رنگِ تغزل کے نقاش ہیں۔ مرزا غالب جن کی شاعری فنا ہونے کے بعد زندہ ہوئی اسی سرزمین کی یادگار ہیں۔

اس دور کے مشہور اور مسلم الثبوت شاعر محترمی جناب سیماب اکبرآبادی ان افراد میں سے ہیں۔ جن کو حقیقی شاعر کہا جا سکتا ہے۔ باعتبارِ کمالِ فن۔ باعتبارِ مشاقی۔ با ۔۔ یہ اندازِ بیاں۔ باعتبارِ جدتِ طرزِ ادا باعتبارِ علم و فضل آپ کا پایۂ شاعری بہت بلند ہے۔ ممدوح صرف شاعر ہی نہیں

بلکہ شاعر گر بھی ہیں۔ آپ کے اندازِ بیان میں "ندرت" اور ادائے مفہوم میں جدت پائی جاتی ہے۔ آپ کے کلام کی شوخی میں متانت اور بلند خیالی میں شگفتگی نظر آتی ہے۔

فنِ تنقید بھی ایک جزوِ شاعری ہے۔ میری رائے میں سخن گوئی سے سخن سنجی کا بہت بلند پایہ ہے۔ جناب سیماب دورِ حاضر کے ناقدین میں بھی باعتبارِ سخن سنجی ممتاز ہیں۔ آپ کی تنقیدیں اساتذہ کی اصلاحوں پر رسالۂ شاعر میں اکثر میرے مطالعہ سے گزری ہیں۔

"آگرہ اسکول" "نمبر" میں مجھ سے زیادہ قابل حضرات مولانا سیماب اکبرآبادی کے اسالیبِ کلام پر اظہارِ خیال فرمائیں گے۔ مگر میں ایک خاص موضوع پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ مولانا نے "طور و کلیم" کے متعلق "کلیمِ عجم" میں اس قدر عجیب و غریب مواد جمع کر دیا ہے کہ فی الحقیقت اُن کا مجموعۂ کلام "کلیمِ عجم" کہلانے کا مستحق ہو گیا ہے۔

"طور و کلیم" کے موضوع پر اساتذۂ متقدمین و متاخرین سب نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اور شاید ہی اس موضوع کے متعلق کوئی ایسی بات ہو جو متقدمین کے سہوِ نظر سے رہ گئی ہو لیکن مولانا سیماب اکبرآبادی نے اس موضوع میں نئی جان ڈال دی ہے اور ایسے ایسے الہامی پہلو طور و کلیم کے نکالے ہیں کہ بلا اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

"طور و کلیم" کا واقعہ افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ کہانی نہیں واقعہ ہے۔ تاریخِ عالم اسکی گواہ اور قرآن کریم اسکی تصدیق پر شاہد ہے کہ جب بنی اسرائیل نے خدائے موسیٰ کے دیکھنے پر اصرار کیا تو حضرتِ موسیٰ نے خدا سے تجلی کی التماس کی۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ لن ترانی (تم ہمیں دیکھ نہیں سکتے) لیکن بنی اسرائیل کے اصرار سے حضرتِ موسیٰ مجبور رہے۔ پھر عرض کیا کہ رب ارنی (اے رب مجھے اپنا جمال دکھا ہی دے)، آخر تجلیِ الٰہی نے ظہور فرمایا۔ کوہِ طور جل گیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے۔ واقعہ تو صرف اتنا ہی ہے۔ لیکن ایک ذکی الذہن اور خلاق شاعر کے لئے اس میں بھی نکات و محاکات کے دفتر موجود ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر ہر شاعر نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ مگر سب سے زیادہ داد سب سے بچ کر مولانا سیماب نے اس موضوع کو پامال کیا ہے۔ اس واقعہ کا کوئی نکتہ اور کوئی باریک سے باریک پہلو بھی ایسا نہیں رہا جسے مولانا نے آشکار نہ کر دیا ہو۔ پھر اس ندرت کے ساتھ کہ ہر شعر دوسرے شعر سے بالکل الگ اور متنوع الاثر ہے۔ ہر شعر میں ایک خاص کیف، ایک خاص کنایہ اور ایک خاص اجتہاد پایا جاتا ہے۔

اس موضوع کے اشعار "کلیمِ عجم" میں مختلف صفحات پر بکھرے ہوئے ہیں۔ میں نے اُن سب کو ایک جگہ جمع کر لیا ہے۔ ان اشعار کو یکجائی پڑھنے سے "طور و کلیم" کے واقعے پر مختلف نقطۂ نگاہ سے روشنی پڑتی ہے اور مولانا سیماب اکبرآبادی کی قادر الکلامی، رنگین خیالی، حقائق رسی، نکتہ فہمی اور معارف آگاہی کے اعتراف میں کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔

مولانا کے اشعار میں کہیں صرف "کلیم" کا ذکر ہے۔ کہیں صرف طور کا اور کسی شعر میں کلیم و طور دونوں کا۔ میں نے ایسے تمام اشعار منتخب کر لئے ہیں جنھیں یہاں پیش کرتا ہوں۔ انھیں پڑھئے اور سوز و ساز کا نیا لطف اٹھائیے۔ سب سے پہلے شعر میں شاعر خود حضرتِ موسیٰ کے انسانی پیکر میں جلوہ گر ہو کر واقعۂ طور کا ذکر اس طرح کرتا ہے:-

مری رسائی سے دور ہے تو مگر ابھی تجھ کو یاد ہوگا
کہ میں نے ایمن کی وادیوں میں اُلٹ دیا تھا نقاب تیرا

پھر طور کا تعارف ہوتا ہے۔

طورِ موسیٰ دلِ طائف چمنستانِ خلیل | یادگاریں ہیں تری جلوۂ جاناں کیا کیا

اس کے بعد محاکات، نکات، اشارات، تشبیہات اور کنایات و جذبات کا ایک سمندر موجزن ہے۔ چند نمونے دیکھئے۔

جب تجلی اُنکی بہ "ارزانی" پڑ گئی | آبلے سے دل کے پیدا طورِ سینا کر دیا
سنا ہے طور پہ تم بے حجاب آئے تھے | یہ ننگ ہو کہ ہمیں کیوں نہ دو نمائش

جلوہ گہ تھی ہیں نہ تھا قابل جلوہ کوئی دل   ورنہ وہ اور پہاڑی پہ نمایاں ہوتا

مجھے پہلے کوئی جلوہ مگر دل نہ ہوا   یہ وہ منصب ہے جو موسیٰ کو بھی حاصل نہ ہوا

کوئی لذت نہ ملی اس طور کو بیرزدہ دل سے   جو تری ایک نظر کا متحمل نہ ہوا

حسن سنگ کے مجنوں اٹھا نقاب طور پر   کیا سوال طالب دیدار گستاخانہ تھا؟

فطرت ہی ازل سے ہے برق جمال کی   اس نے جسے تباہ کیا طور کر دیا

محفل کی روشنی میں آنکے جلوے دکھا گیا   چراغ طور سے کیا کم ہے داغ آتش سوز

میرا ذوق حسن کو شعلہ بن گیا دامان طور   تیرے جلووں کو شریک قسمت دل دیکھ کر

وہ بام طور پہ کیوں آئے عالم آشنا ہو کر   مذاق دید پیدا کر دیا جلوہ نما ہو کر

چھپی برق تجلی کوند کر موسیٰ تو شکوہ کیا   بانداز شرارہ گیا ہو کر

مبارک ہو دل بیتاب کو آشوب بینائی   نگاہ شوق جا پہنچی تجلی گاہ جاناں تک

بجھ گئی برق سر طور زمانے گزرے   سرد اب تک نہ ہوئی گرمی افسانۂ دل

کبھی مصر کی نکہت ناز ہیں تم!!   کبھی طور کا جلوۂ سرمگیں تم

یوں نہ جلا مثال شمع تو مجھے بزم ناز میں
طور بنا کے پھونک دے وادی سوز و زمیں
فطرت حسن سے کہو اور کلیم بھیج دے!
خامشی ناگوار ہے انجمن نیاز میں

یہ ربط تھی طور و جمال میں   سمجھا ہوں آج عقدۂ تنگ شرر کو میں

شوق دیدار کا کیوں ان سے اعادہ نہ کریں   لاؤ وہ کام کریں ہم جسے موسیٰ نہ کریں

پھر طور کی نمود ہو خاک کلیم سے   پھر تیرا انتظار ہے بزم جمال میں

ابتک ہے ناز حسن کو تارے   اے عشق کاش تو کبھی آتا جلال میں

بجلی گری اور آنچ نہ آئی کلیم پر   شاید ہنسی بھی آ گئی انکو جلال میں

وہ جلوہ ڈھونڈھ رہا ہوں جو پھونک دے مجھ کو   کلیم میں بھی نہیں تم اگر شرار نہیں

دامان عشق وادی سینا سے کم نہیں   آنسو کی آبرو ید بیضا سے کم نہیں

موسیٰ کے بعد پھر نہ وہاں جل سکا چراغ   گو طور بزم کلیسا سے کم نہیں

آؤ پھر گرمی دل عشق میں پیدا کریں   طور کی مٹی سے تخلیق ید بیضا کریں

جن پہ صدیوں سے مسلط ہے غبار بے خودی   ان نگاہوں کو حریف شرر موسیٰ کریں

یہی حسرتیں ہیں طور پہ کئی بار کھینچ لائیں   کبھی ہم حریف کلیم ہوں کبھی ہم سے طلب دیدار ہو

مرے دل کو سن ہے سکون کا وہ دیدہ خوں نہ مجھے جنوں
میں کلیم ایسی ناز ہوں اسے کیوں نہ مجھے نیاز ہو
یہی اگر خبر گفتگو ہے تو ہم سے بھی روز گفتگو ہو
ہمیں بھی فعل کلیم تم سے مجال عرض سخن نہیں ہے

وہ اس کی سنتے ہیں جو بات کہہ نہیں سکتا   وہ ہے کلیم جو ہر لفظ پر اٹکتا ہے

نہ وہ شور طور و کلیم ہے نہ وہ زور برق و شرار ہے
دل ناشکیب کو کیا کروں کہ ہلاک جلوۂ یار ہے

اب طور کی حدود میں قدغن ہے حسن کا   آئے نہ کوئی چشم تماشا لئے ہوئے

یوں طور کو جلا دیا برق جمال نے   پتھر میں رہ نہ جائے تجلی جمال کی

موسیٰ کو لاؤ طور پہ آجاؤ دیکھ لو   اب بھی یہیں کہیں ہے تجلی جمال کی

طاری ہوئی جو تیرگی حسرت کلیم   بجلی نے آ کے شمع جلا دی جمال کی

اول اول اک موسیٰ اہل تماشا تھے
رفتہ رفتہ ہستی کی ہر اٹھان موسیٰ تھی
بیک چھپ چھپا کر دی کیوں نہ اپنے جلووں کی!
مانگنے کو موسیٰ سے دیکھنے کو دنیا تھی

جلوہ گر ہو میری ہستی میں مذاق طور ہو   آ پھر لپٹ کر خاک ہو جانا مجھے منظور ہو

ان کے جلووں کو لئے نظروں میں سمٹ آئی   آنکھ ہو تو صبح کا تارا چراغ طور ہے

طور کو جس کی تڑپ نے شعلہ پیکر کر دیا   ہم وہی بجلی قریب آشیاں کھائے

خیر وہ ہم موسیٰ نہ سہی آپ بھی برق طور نہیں!
جس دن آنکھیں چار ہوئیں پردے خود اٹھ جائیں گے

ادب سے اے حریف طور دعوی عرض حسرت کر
کہیں ایسا نہ ہو انداز گستاخانہ ہو جائے

انجمن کا ذرہ ذرہ حریف کلیم ہے   مستعد ہے کہ پھر تماشا کرے کوئی

رقص فرما ہیں ہزاروں طور، لاکھوں بجلیاں   کون سے آیا قریبِ جلوہ گاہِ دل مجھے

مدتیں گذری ہیں باقی دعوتِ سینا گئے   جن میں بجلی بھر کے دکھلاتی تھی وہ شیشے کیا گئے

طور اے خاکسترِ سوزِ دلِ موسیٰ بتا   جو دئے تھے برقِ ایمن نے وہ جلوے کیا گئے

چلا ہوں ہیئتِ موسیٰ بدل کر بہرِ نظارہ   تماشا ہو جو یہ کوشش بھی جائے رائیگاں میری

کوئی کیا منصبِ موسیٰ کا ہو امیدوار اب بھی   سوادِ طور پر ہے جلوۂ برقِ منتشر اب بھی

کہاں وہ اور کہاں سینا، کہاں موسیٰ کہاں جلوہ!
کوئی پردہ اٹھا ہوگا تجلی خانۂ دل سے

عشق اک سوزِ مکمل، برقِ حسنِ ناتمام   طور کو لا کر مرے سینے میں پنہاں کیجئے

اب تک ایمن کی وادیوں سے   آتی ہے صدائے لن ترانی

تاب نظر نہیں مگر تکنے کی آرزو تو ہے   ہیبتِ طور سے مجھے نفرت ہو تو کیا ہو

نورِ ظہور ہے نہ کلیم و کلام ہے   بزمِ سحر اداس ہے سنسان شام ہے

ایمن کی وادیوں میں سکوتِ دوام ہے   گر زندگی یہی ہے تو جینا حرام ہے

جب معاملہ بالائے طور تو نے کیا   شرارِ سنگ میں چھپ کر ظہور تو نے کیا

یہی رہا اگر جلوہ دوست کو ارماں   کرے پھر نہ قصدِ تجلائے طور تو نے کیا

آیا مری سمجھ میں مآلِ کلیم و طور   جب سر چڑھا لیا تو نظر سے گرا دیا

اب تک اگر ہے طور کو برقِ جمال سے   اے دشمنِ کلیم مجھے کیوں جلا دیا!

طور جل کر ہو گیا سرمہ، ہوئے بیخود کلیم   میری آنکھیں کھل گئیں دیدارِ جاناں دیکھ کر

کیا دلِ موسیٰ تجلی کے لئے کافی نہ تھا   طور پر تم آئے کیوں جلوہ نمائی کیلئے

نہ موسیٰ ہیں نہ کوہِ طور کی شعلہ سامانی   یہ عالم ہے تو پھر عزمِ تجلی کیا کرے کوئی

یہ کوہ و دشت اور یہ مآلِ موسیٰ کلیم   یارب کرے نہ کوئی کسی کی نگاہ سے

راہِ تاریکِ طلب میں دیکھ کر تنہا مجھے   دور سے موسیٰ دکھاتے ہیں یدِ بیضا مجھے

کیا خرامِ طور کا دیگا یدِ بیضا ثبوت   حضرتِ موسیٰ دکھائیں پاؤں کا چھالا مجھے

شاخِ نہالِ طور سہی شاخِ نخلِ گل   پر کھول لوں تو پھر مری پرواز دیکھنا

موسیٰ بھی تابِ جلوۂ جاناں نہ لا سکے   جل بجھ کے رہ گیا تو یہ تھا ظرف طور کا

موسیٰ سے جن کو طور پہ تم نے بلا لیا   ہم پاس بھی نہ جائیں کہ ہو حکم دور کا

نہ آیا بعدِ موسیٰ کوہِ سینا پر نظر کوئی   رہی بیتاب سونی جلوہ گاہِ وادیٔ ایمن

نہ ملا حسرتِ موسیٰ کا نتیجہ، نہ ملے   اک فسانہ تو بڑھا حسن کے افسانوں میں

اے برقِ جمال ایسی بھی کیا پردہ نشینی   اب طور پہ تو جلوہ نمائی بھی نہیں ہوتی

مانعِ نظارۂ حسن اس لئے حیرت ہوئی   دیکھ لیتے ایک دن موسیٰ تو اکثر دیکھتے

تم ہمیں کیوں نہ دکھا دو ہمیں جلوہ اپنا   طور پر بیٹھ کے جلنے کی ضرورت کیا ہے

کبھی وہ طور پر اب جلوہ فرما ہو نہیں سکتا   اگر موسیٰ بھی آ جائیں تو ایسا ہو نہیں سکتا

ترے جلووں کو پوچھے کوئی ابراہیم سے   بھڑک کر نور ہو جاتا ہے چمک گلزار ہو جاتا

یہ آفتاب ہی جو مرے دل میں ہے عیاں   وہ داغ تھا جو ہاتھ میں موسیٰ کے رہ گیا

جا کر جو میں نے کل ارنی طور پہ کہا   آواز آئی موسیٔ عمراں نہیں ہیں آپ

جب سے نظر پڑی ہے تری جلوہ گاہ پر   چڑھتے نہیں ہیں طور کے جلوے نگاہ پر

وہ مل جاتے تو موسیٰ کی طرح لطفِ طلب جاتا   ہم اس وادی میں سرگرمِ تلاشِ یار پھرتے ہیں

ہوں طور کی چوٹی پہ بھی میں سو قدم آگے   لے آئی کہاں حسرتِ دیدار کسی کی

مآلِ جلوۂ دیدار تو سمجھے نہ کچھ موسیٰ   زباں سے کہہ دیا ہم جلوۂ دیدار دیکھیں گے

ہمیں پہونچائے کہ طور تک اک شوقِ نظارہ   نہیں جلوہ نہ ہو ہم جلوہ گاہِ یار دیکھیں گے

ہم تو جب چاہتے ہیں دیکھتے ہیں جلوۂ دوست   وہ تو موسیٰ ہی سے رب ارنی ہوتی ہے

نورِ ظہور ہے نہ کلیم و کلام ہے   بزمِ سحر اداس ہے سنسان شام ہے

جلووں کے انتظار میں ہر خاص و عام ہے   عالم تمام تشنۂ حسنِ تمام ہے

ایمن کی وادیوں میں سکوتِ دوام ہے   گر زندگی یہی ہے تو جینا حرام ہے

یہ اہتمام ہے تو غلط اہتمام ہے   اے خادمانِ حسن یہ کیسا انتظام ہے

اب تک چراغِ طور پڑا ہے بجھا ہوا

نہ ستا شوق کی نظروں کو زمانے کی طرح   طور پہ پھر نظر آ جا نظر آنے کی طرح
یوں دکھا جلوہ کہ موسیٰ بھی کہیں ہاں دیکھا

پھر خلوتِ جمال میں جلوے سنور چکے   فرسودہ طور ہو چکا موسیٰ گذر چکے
شاید وہ اب کسی کو خرابِ نظر کریں

www.taemeernews.com

اکبرآبادی ہوں اے سیمابؔ میرے شعر میں
رنگ غالبؔ کا ہے شوخی ہے زبانِ میرؔ کی

از ـــــ جناب عطاء اللہ صاحب پالوی

اکبرآباد ارضِ تاج یعنی سرزمین آگرہ شعراء اور اہلِ کمال اصحاب کی بہ تعداد کے لئے خاص طور پر مشہور ہے۔ اس خاک سے ہر زمانے میں ایک نہ ایک عدیم المثال شاعر ایسا ضرور پیدا ہوا۔ جو اس دور میں معیارِ شاعری کا ایک سنگ محک اور آسمانِ صحافت کا ایک روشن ستارہ تسلیم کیا گیا۔ اور جس نے دہلی یا لکھنؤ کو فخریہ طور پر یہ نہ کہنے دیا کہ اس وقت عنانِ شاعری صرف میرے ہاتھ میں ہے" مگر ایک کی برابری جس کا تذکرہ ضروری ہے

جب ہم تاریخ اردو پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے آخری عہد سے اردو شاعری نے خاص طور پر ترقی کی ہے۔ اور اگر اسوقت سے ایک نہ ایک شاعر ہر دور میں مسلم الثبوت شاعر کی حیثیت سے آگرہ اسکول یا اکبرآباد کی نمائندگی کرتا رہا ہے۔ مگر جہاں تک میری واقفیت محدود ہے۔ کبھی آگرہ اسکول کو بمقابلہ دہلی اسکول اور لکھنؤ اسکول کے کوئی امتیازی خصوصیت حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ اکبرآباد پر ہمیشہ دہلویت اور لکھنویت ہی چھائی رہی۔ اور اکبرآبادی شعراء اسی دہلی اور لکھنؤ اسکول کے خوشہ چیں رہے مگر اس دور میں جب کہ اردو زبان یا اردو شاعری معراجِ کمال حاصل کر چکی ہے۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آگرہ اسکول نے دہلی اور لکھنؤ دونوں پر فوقیت حاصل کر لی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کس کی کوشش کا نتیجہ ہے؟ اور یہ کس کی پرکھارت ہے؟ تو اس کے لئے ذرا تفصیل کی ضرورت ہے۔

قصر الادب آگرہ کی اگر ہم چار دیواریں مرتب کرنا چاہیں تو سب سے پہلی دیوار میرؔ کو ماننا ہوگا۔ یہ دیوار نہایت بلند، نہایت صاف ستھری اور بیحد سبک ہے۔ دوسری دیوار غالبؔ کو کہیں گے۔ یہ دیوار بھی گو قطعی ٹھوس، نہایت مضبوط اور بیحد مستحکم ہے۔ لیکن اس دیوار کو اول الذکر سے کوئی نسبت نہیں، تیسری دیوار نظیرؔ اکبرآبادی کو کہنا پڑے گا۔ بلاشبہ میرؔ و غالبؔ بہت بڑے شاعر تھے۔ اور ان کی عالمگیر شہرت حق بجانب تھی۔ لیکن نظیرؔ اکبرآبادی بھی اپنے مخصوص رنگ کا بہت بڑا اور عدیم النظیر شاعر گذرا ہے۔ اس نے اپنے کلام میں اتنے الفاظ استعمال کئے ہیں جو بجز انہیں کے اور کسی شاعر کے کلام میں دکھائی نہیں دیتے اور اس لئے نظیرؔ، میرؔ و مرزا سے کسی طرح کم نہیں کہا جا سکتا۔ بہرکیف چوتھی دیوار اس وقت تک ناپید اور مفقود تھی۔ اور قصر الادب آگرہ اس وقت تک نامکمل تھا جس وقت تک سیمابؔ کا وجود نہ تھا۔ جب وہ پیدا ہوا تو اس سے یہ خالی جگہ پُر ہو گئی اور اس نے قصر الادب آگرہ کو مکمل کر دیا۔

میری اس تقسیم کو ممکن ہے کہ اہلِ نظر حضرات بنظرِ استحسان نہ دیکھیں اور کہیں کہ عہدِ قدیم میں چند اکبرآبادی شعراء بڑے پایہ کے شاعر گذرے ہیں اور ان کو نظرانداز یا فراموش کر دینا صریحاً ظلم ہے۔ اور ممکن ہے کہ ـــ خود جناب سیمابؔ کو بھی اس تقسیم سے اختلاف ہو کیونکہ وہ شاعر آگرہ نمبر صفحہ ۱۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

www.taemeernews.com

"شاہ مبارک آبرو، شرف الدین مضمون، سراج الدین علی خاں آرزو اور مرزا جان جاناں مظہر اکبر آبادی سے تھے ان شعرائے عصر کی ولادت آگرہ میں ہوئی۔ پرورش آگرہ میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت آگرہ میں ہوئی اور مشق سخن آگرہ میں ہوئی۔ پھر جب حکومت کا پایۂ تخت دہلی منتقل ہوا تو یہ بھی ہمرکاب سلطنت رہے اور اردو شاعری میں نمایاں درجہ حاصل کیا۔"

تو میں کہوں گا کہ ان حضرات کی عظمت و بزرگی مسلم اور انکا ادب ولحاظ اپنی جگہ پر، مگر بجز سراج الدین علی خاں آرزو کے اور کوئی ہستی ایسی نہیں جس کو میر اور غالب کا مد مقابل سمجھا جائے۔ رہے خان آرزو تو ان کا بھی شمار اردو شعرا میں کسی طرح نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انکی طبع آزمائیاں فارسی میں ہوئی ہیں اور فارسی شاعری میں تمغہ اولیت فیضی اکبر آبادی کو حاصل ہے۔ مانا کہ بقول آزاد۔

خانِ آرزو وہی شخص ہیں جن کے دامنِ تربیت سے ایسے شائستہ فرزند پرورش پا کر اٹھے۔ جو زبانِ اردو کے اصلاح دینے والے کہلائے"

مگر یہ تو کوئی قابل فخر خصوصیت نہیں۔ اور اس سے تو ان کا شمار ممتاز اکبر آبادی اردو شعرا میں نہیں ہو سکتا۔ رہے ان کے کمالات تو اس کا اعتراف مسلم سہی مگر بقول حکیم اصلح الدین خاں۔

"آرزو خوب است اما ایں قدر ہا خوب نیست"

جناب سیماب نے اپنے اسی مضمون میں ایک جگہ شاعری کے چار ستون رئیس، واصف، نثار اور عالی اکبر آبادی کو قرار دیا ہے۔ اور شاید اسی تحریر و تقسیم کو پیش نظر رکھ کر جناب اعجاز صدیقی نے شاعر آگرہ نمبر کی ترتیب و تدوین کے وقت "اساتذۂ دورِ جدید" کا ایک خاص عنوان قائم کر کے صرف ان چار اساتذہ کا مختصر تذکرہ لکھا اور لکھوایا ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ اکبر آبادی اصحاب یا آگرہ اسکول کے معتقدین کے نزدیک ایسا ہو تو ہو ورنہ کسی غیر اکبر آبادی وسیع النظر کے نزدیک انکی یہ تحریر کوئی وقعت نہیں رکھتی کیونکہ وہ جذبۂ وطن سے علٰحدہ ہو کر بالغ نظری سے کام لیگا اور ایسی صورت میں وہ اکبر آباد کے ادوار شاعری کو ملحوظ نظر اور ممتاز ترین شعرائے اکبر آباد کو منتخب کر کے قصرِ شاعری کے ستون قائم کرے گا۔ اور اس موقع پر میر، غالب، نظیر اور سیماب کے بجائے رئیس، واصف نثار اور عالی کا انتخاب کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی عمل میں نہیں آسکتا بہرکیف! آیئے ادب کی اس چار دیواری کا تجزیہ کیا جائے۔

خدائے سخن میر تقی میر اکبر آبادی بیشک اکبر آبادی تھے۔ لیکن استدادِ زمانہ نے انھیں خدمتِ وطن سے محروم کر دیا۔ اکبر آباد سے نکل کر وہ دہلی اور لکھنؤ کی خاک چھانتے رہے اور بالآخر انکی شمع حیات گل ہوگئی۔ اسی طرح نظیر اکبر آبادی نے بھی باوجود عدیم النظیر اور فقید المثال شاعر ہونے کے کبھی اکبر آباد کو ایک مستقل ادبی مرکز بنانے کی کوشش نہ کی۔ جب غالب مرحوم اس سرزمین میں پیدا ہوئے تو انھیں بھی دہلی نے اپنی طرف کھینچا اور انھوں نے بھی اکبر آباد کو خیرباد کہہ کر دہلی کی راہ لی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مرزا غالب کے وقت تک آگرہ اسکول نے اردو شاعری میں کوئی خاص درجہ حاصل نہیں کیا جب سنہ ۱۹۴۹ء میں سیماب خاکِ اکبر آباد سے اٹھا تو اس نے اس بڑی کمی کو محسوس کیا۔ چنانچہ اسی نے اس اسکول کا بنیادی پتھر رکھا اسی نے اس کو اپنے خون سے سینچا اور اسی نے اسے پروان چڑھایا اور اس لئے بلا خوف، تردید کہا جا سکتا ہے کہ آگرہ اسکول کا سب سے پہلا سب سے آخری اور سب سے بڑا نمائندہ سیماب ہے۔ سیماب کو دولت، شہرت اور حشمت کا خیال نہ تھا بلکہ اسے صرف وطن کی عظمت کو برقرار

www.taemeernews.com

سکھنے کی فکر تھی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے۔ ؎

وہ اے سیماب کیوں سرگشتۂ تسنیم و جنت ہو
میسر جس کو سیرِ "تاج" اور "جمنا" کا ساحل ہے

مگر کہیں اس سے یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ اُسے اس کا احساس نہ تھا کہ دولت و شہرت کے لئے وطن کی سرزمین غیر موزوں ہوا کرتی ہے کیونکہ وہ ایک جگہ کہتا ہے ؎

بہت دلچسپ ہے سیماب شام وادیٔ غربت
وطن کی صبح میں کچھ اور بھی رنگینیاں ہیں بھی

اگر سیماب بھی میر و مرزا کی طرح آگرہ کو خیرباد کہہ دیتا تو آج آگرہ اسکول کا وجود بھی نہ ہوتا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اس کے ہم وطن اُس کی قدر نہیں کرتے۔ جس کا اظہار اس شعر میں کیا گیا ہے۔

سیماب مری قدر کریں یا نہ کریں آج   مرنے پہ مرے اہلِ وطن یاد کریں گے

مگر اسکے باوجود بھی اس کے پائے استقلال میں جنبش نہیں ہوتی اسکی نیت مستقل اس کا ارادہ پختہ اور اس کا عزم راسخ نظر آتا ہے وہ کہتا ہے ؎

گیا شباب بھی پیری بھی آگئی سیماب   مگر یہ تکیۂ پہلو کہیں سرکتا ہے

سیماب اکبر آبادی داغ دہلوی کے شاگرد ہیں مگر اُن کے کلام کا اگر بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے اور غور سے دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوگا کہ استاد اور شاگرد میں بعد المشرقین ہے الا بجز زبان کے کوئی مماثلت نہیں چنانچہ وہ ایک لطیف پیرایہ میں اُسکا اظہار یوں کرتے ہیں

ہم نوائے طائرِ سدرہ ہوا ہے سیماب میں   ہم زبانِ بلبلِ ہندوستاں ہونے کے بعد

اور حقیقت یہ ہے کہ داغ کا تتبع بجز زبان کے اور کسی حالت میں مستحسن بھی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اُنکی شاعری کا تمام تر جو ہر رندی و ہوسناکی اور یہ رنگ تعلیم یافتہ طبقہ میں کسی طرح پذیرائی کے قابل نہیں۔ بہرکیف میں یہ سمجھتا ہوں کہ سیماب کے کلام میں اُن کے ہم وطن میر تقی میر کا رنگ بہت زیادہ غالب ہے۔ اور خود جناب سیماب کا بھی یہی دعویٰ ہے۔ مگر جو چیز سب سے زیادہ

نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ وہ عشق حقیقی کے ساتھ عشق مجازی کا پاک تصور ہے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ میر نے تو اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی لیکن اُن کے بعد سودا، یقین، میر حسن، قائم اور مصحفی وغیرہ کے کلام میں بھی یہ عنصر ایک حد تک نظر آتا ہے۔ اور اس دور میں یہ رنگ صرف سیماب کے کلام میں پایا جاتا ہے اور اس لئے سیماب کا کلام ہر جگہ ہر طبقہ اور ہر حالت میں پڑھنے کے لائق ہے۔ مگر اس کے علاوہ اور بھی چند خصوصیات ہیں جو میر اور سیماب کو ایک کرتی ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

میر کے کلام میں فصاحت و شستگی، سلاست و شگفتگی بدرجۂ اتم ہے۔ یہ خصوصیت سیماب کے کلام میں بھی ہے۔ میر کا کلام بھونڈے اور بیجا تکلف و تصنع اور فضول لفاظی سے پاک ہے۔ سیماب کے بیان بھی یہ چیز پائی جاتی ہے۔ میر کا انداز بیان اور اسلوب نگارش دلکش اور سنجیدہ ہے۔ سیماب کا کلام بھی اس حسن سے خالی نہیں میر کے دواوین میں اخلاقی اور حکیمانہ اشعار بھرے پڑے ہیں سیماب بھی اس خصوصیت میں میر کے ہم پلہ ہیں۔ میر نے ارضِ تاج سے پیدا ہونے کے بعد بساطِ قدیم کو الٹ کر اپنا رنگ پھیلا دیا تھا۔ اور سیماب نے بھی سرزمینِ آگرہ سے پیدا ہو کر رنگ قدیم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اپنا ایک خاص امتیازی رنگ قائم کیا۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ ؎

اجتہاد ہے حسنِ طلب مرا
ترمیم چاہتا ہوں مذاقِ جمال میں

میر کی شاعرانہ عظمت کا یہ عالم تھا کہ ان کے ہزاروں شاگرد ہو گئے ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہیں جہاں میر کے شاگرد موجود نہ ہوں چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں ؎

اگرچہ گوشہ نشیں ہوں میں شاعروں میں میر
پہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

سیماب میں بھی یہ خصوصیت ہے۔ ان کے کلام میں ایک خاص

کشش ایک خاص جاذبیت اور ایک خاص حلاوت ہے۔ جسکی وجہ سے ایک خلقت ہے۔ کہ ٹوٹی پڑتی ہے۔ ایک گھٹا ہے کہ چھائی آرہی ہے اور ایک دریا ہے کہ اُمڈا آرہا ہے۔ چنانچہ اُن کا دعوے ہے کہ ؎

بساطِ دہر کے سیماب گرمی ہیں مرے نغمے
مرا چرچا عرب تک ہے مری شہرت عجم تک ہے

میرؔ کی شہرت اُن کے وقت ہی میں ہوئی اور اُنھیں اُن کے کلام کی داد بھی ملی۔ مگر پھر بھی اُن کو یہی گلہ رہا کہ ؎

تری چال ٹیڑھی تری بات روکھی
تجھے میرؔ سمجھا ہے یاں کم کسو نے

سیمابؔ بھی آج جس شہرت کے مالک ہیں وہ مخفی نہیں اور اُنھیں بھی اُن کے کمالات کی قرار واقعی داد ملی اور مل رہی ہے مگر پھر بھی یہی شکایت ہے کہ ؎

میں اس دنیا میں اے سیمابؔ اک رازِ حقیقت تھا
سمجھنے کی طرح اہلِ جہاں مجھ کو کہاں سمجھے

میرؔ کو اپنی قادر الکلامی کا بڑا غرّہ تھا وہ اپنے کو مسلم الثبوت اُستاد اور مستند اہلِ زبان سمجھتے تھے۔ چنانچہ بعض جگہ اُنھوں نے اس دعوے کو انتہا تک پہونچا دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا!

سیمابؔ کو بھی اسی طرح کا دعوے ہے اُنھیں بھی اپنے کلام پر ناز ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

سیمابؔ لفظ لفظ اُترتا ہے عرش سے
میری بیاضِ شعر خدا کی کتاب ہے

میرؔ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُن کا ہر شعر ایک آئینہ ہے۔ جسمیں اُن کے چہرے کا عکس ہے۔ مگر ہر شخص اس عکس کو اپنے ہی چہرے کا عکس سمجھتا ہے۔ سیمابؔ کو بھی یہی دعوےٰ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

کہانی میری روداد جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اُسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے

ممکن ہے کہ اور لوگوں کو اس سے اختلاف ہو مگر مجھے اس کا اعتراف ہے۔ چنانچہ اُن کا یہ شعر ؎

کوئی ہمدم ہے نہ اے سیمابؔ کوئی ہمنفس
آجکل خود گھٹا پڑ خاطرِ ناشاد ہوں

بالکل میرے حسب حال ہے اور اس لئے میں اسے ہر وقت پڑھتا رہتا ہوں۔

میرؔ کو اپنی زبان پر اتنا غرور اور ناز تھا کہ بیسیوں جگہ اس افتخار کو ظاہر کرچکے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

اس فن میں کوئی بے تہ کیا ہو مرا معارض
اوّل تو میں سند ہوں پھر یہ مری زباں ہے

یہ کوئی نئی چیز نہیں عہد قدیم سے شعرا کا یہی دستور رہا ہے۔ اس لئے میرؔ نے بھی اگر یہی روش اختیار کی تو کوئی گناہ یا کوئی نئی بات نہیں کی سیمابؔ کے اُستاد داغؔ دہلوی کو بھی اسی طرح دعوئ زبان تھا چنانچہ فرماتے ہیں ؎

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

سیمابؔ نے بھی زبان کا دعوے کیا ہے مگر اس طرح نہیں جس طرح میرؔ و داغؔ نے کیا ہے۔ سیمابؔ میں متانت بدرجۂ اتم موجود ہے اور وہ ہر ایک بیان میں حسن پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ بڑی خوبصورتی سے یوں فرماتے ہیں ؎

مذاقِ ہمزبانی کو نہ ترسوں باغ جنت میں
کوئی سیمابؔ حوروں کو سکھا دیتا زباں میری

سبحان اللہ۔ نہ تو میرؔ کی سی رعونت ہے نہ داغؔ کا سا تفاخر۔ نہ

بات وہی ہے جو سب نے کہی ہے۔ یہ ہے آگرہ اسکول کے جو سب سے بڑے نمائندہ کا قابلِ تقلید اندازِ بیان۔ اور یہی آگرہ اسکول کے کامیاب شاعر کا طریقۂ گفتگو، بہر کیف یوں تو سیماب کے کلام میں میر کا سوز، سودا کا زور، غالب کی شوکت اور داغ کی سلاست سب کچھ موجود ہے۔ آج کی صحبت میں میر اور سیماب کے چند ہم قافیہ اور ہم وزن اشعار درج کرکے میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اکبرآباد کے دو بڑے شاعروں میں کس حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ اور یہ کہ سیماب کا یہ دعویٰ کہ "شوخی ہے زبانِ میر کی" کس حد تک صحیح ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ سیماب کی فصاحتِ زبان میر مرحوم کی قدیم اردو سے اس طرح ممیز نظر آتی ہے۔ جس طرح متفرق رنگ کے پھولوں سے سجائے ہوئے گلدستے میں گلاب کا پھول۔ ملاحظہ ہو۔

ہر سحر آئینہ بتا ہے ترا منہ تکتا (میر) دل کی تقلید نہ کرتا تو نہ حیراں ہوتا
نقشِ نظارہ سہی حاصلِ نظارہ تباہ (سیماب) دیکھتا تجھ کو سمجھ کر تو نہ حیراں ہوتا

ربطِ دل زلف سے اس کی جو نہ (میر) اس قدر حال ہمارا نہ پریشاں ہوتا
نہ معلوم تو ہے میری پریشاں خوابی (سیماب) کیوں مری خواب میں آکر وہ پریشاں ہوتا

میر بھی دیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا (میر) کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا
کفر کی ضد ہی پہ سیماب اساسِ اسلام (سیماب) عشق کافر تھا اگر حسن مسلماں ہوتا

اک نگاہِ آشنا کو بھی وفا کرتا نہیں (میر) آہ ہو میں مژگاں کو سبزہ سبزۂ بیگانہ تھا
دشتِ غربت میں بھی سنتے تھے غمگسار بیکسی (سیماب) شبنم آوارہ تھی یا سبزۂ بیگانہ تھا
یاد ایامے کہ اپنے روز و شب کی جا باش (میر) یا درِ باز و درِ جا یا یا درِ میخانہ تھا
رات کا جانا وداعِ شیشہ و پیمانہ تھا (سیماب) صبح کا آنا نہ تھا قفلِ درِ میخانہ تھا

بعد خوں ریزی کرامت پر خدا لگتیں رہا (میر) ہاتھ اس کا جو سے نہیں گستاخانہ تھا
حسن تنگ آگ بھڑک اٹھا فضا نے طور پر (سیماب) کیا سوالِ طالبِ دیدار گستاخانہ تھا

شب فروغِ بزم کا باعث ہوا تھا حسنِ دوست (میر) شمع کا جلوہ غبارِ دیدۂ پروانہ تھا
آنکھ والو، سوزِ فطری کے کرشمے دیکھنا (سیماب) ہو ابھی خاکسترِ محفل ابھی پروانہ تھا

رات اس کی چشمِ میگوں خواب میں دیکھی تھی میں (میر) صبح سوتے سے جو اٹھا تو سامنے پیمانہ تھا
مات دن سیماب میں دنیا میں سرگرداں رہا (سیماب) پاؤں کا چکر جوابِ گردشِ پیمانہ تھا

بھلا ہوگا کچھ اک احوال اس سے یا برا ہوگا (میر) مآل اپنا ترے غم میں خدا جانے کہ کیا ہوگا
ہوس رکھا ہی اس نے نام جذباتِ محبت کا (سیماب) نہ جانے لے مذاقِ دل ترا انجام کیا ہوگا

خیال اس بے وفا کا ہمنشیں اتنا نہیں اچھا (میر) گلا رکھتے تو ہم بھی یہ کہ ہم سے آشنا ہوگا
جسے تکلیفِ احساسِ محبت میں سمجھتا تھا (سیماب) خدا رکھے وہ درمانِ دلِ درد آشنا ہوگا

کچھ نہیں خط اصفت پر شہرۂ آفاق ہوں (میر) میر کے قابل یہی ہوتا ہی میرے نام کا
ہی تپش نامدود دل اک برقِ نامعلوم کی (سیماب) جلوہ مجھے کس سے پوچھا اس جلوۂ بے نام کا

روز و شب یادِ زلف میں اس کی تو پھرتا ہوں (میر) صبح تک جاتا نہیں ہے جیسے آیا شام کا
شامِ غربت کی درخشانی کا یہ ہے انتظام (سیماب) بن گیا ہی صبح کا آنسو ستارا شام کا

ہجر کی راتیں بڑی چھوٹی جو کٹ سکتیں کبھی (میر) اس میں کچھ نقصان ہوتا تھا مگر ایام کا
صبحِ منزل اور شامِ کارواں ہوتی بہم (سیماب) کاش ایسا دور بھی ہو گردشِ ایام کا

شیخِ عزلت تو تہِ خاک بھی پہنچی ہی بسم (میر) مفت ہے میر کہ یہ عالم ایک جا نہیں

www.taemeernews.com

دل کی تجدید کا تم اہتمام کر نہ سکے (سیماب) ذہن تخلیق میں گنجائش ایجاد نہیں

داد لے چھوڑوں میں صیاد سے اپنی لیکن (میر) ضعف سے میرے تئیں طاقت فریاد نہیں
وہ ہم فریاد نہیں اے دل ناشاد نہیں (سیماب) مسلک اہل وفا ضبط ہے فریاد نہیں

ملتے ہی آنکھ ملی اس کی تو برہم بے نہ (میر) خاک میں آپ کو فی الفور ملا دیتے ہیں
رنگیلیاں اپنا حسینوں میں جما دیتے ہیں (سیماب) آنکھ ملتی ہے تو ہم دل بھی ملا دیتے ہیں

دل نہ صناع میں لے تیرہ موزوں طبعاں (میر) بات جاتی ہے بگڑ بھی تو بنا دیتے ہیں
چھیڑتے ہیں مجھے سودائی سمجھ کر ان کا (سیماب) لوگ تو اور بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

کہیں شام و سحر رہتا تھا مجنون عشق لیلیٰ میں (میر) ہنوز آشوب نوں بہت تنہا ہے بیاباں میں
ذرا کھل کر پکار اے صور محشر داستان الفت کو (سیماب) یہ دیوانے کہیں بیٹھے نہ رہ جائیں بیاباں میں

ہوائے ابر میں کیا تیرہ بختی باغ میں تھا (میر) لگی پڑتی ہے بجلی آج کچھ صحن گلستاں میں
وہ جوہر جو فضا کو رنگ و بو تقسیم کرتا ہے (سیماب) بکھر جاتا ہے شبنم بن کے دامان گلستاں میں

ستم کے تیر اس کے آ سینے میں بہت ٹوٹے (میر) کیا جاتا ہے شکل زرقاب دل اب پیکاں میں
دل غمگیں معاملات غم کی بات بہلا دی (سیماب) لہو کی بوند بن کر جذب ہو جاتا ہے پیکاں میں

جو دیکھو تو نہیں یہ حال اپنا حسن کے کمال (میر) نمک لاس کی سی ہے ہماری چشم حیراں میں
نئی تحقیق ہے وہ جلوہ فرمائے گا کیا ہے (سیماب) اضافہ ہو رہا ہے ذوق چشم حیراں میں

نکل آتا ہے گھر سے ہر گھڑی ننگے بدن باہر (میر) ترا یہ آپڑا ہے عیب تن آسائش جاں میں
یہ اچھی اچھی نظریں اللہ بھی پہچان کرتی ہیں (سیماب) ہم اتنا جانتے ہیں جذب ہو جا رگ جاں میں

جہاں سے دیکھو اک شعر شور انگیز نکلے ہے (میر) قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں
کوئی سیماب سا دیوانہ شاعر ہو تو کیا کہنا (سیماب) مذاق دیدہ دیکھا ہی نہیں اک شعر دیواں میں

کیا میر اس خرابے کا بہت اب جل کہ سوچیے (میر) کسو دیوار کے سائے میں منہ پر لیکر داماں کو
جوانی و مایہ صحت کی جگہ تجویز کرنی ہے (سیماب) کہاں تک پھیلائے ہے رحمت بالینہ داماں کو

ظالم ہو میری جان پہ ناآشنا نہ ہو (میر) بے رحمی اتنی عیب نہیں بے وفا نہ ہو
حسن اختیار کرلے اگر وضع التفات (سیماب) میرے لئے عذاب مذاق وفا نہ ہو

کھینچا ہے آدمی نے بہت دور آپ کو (میر) اس پردے میں خیال تو ٹک اے خدا نہ ہو
جو خودی نہ ہو وجود کا ذوق کیا کرے (سیماب) جس کی نظر میں حد خودی تک خدا نہ ہو

ہم رہ جگر نکال رکھیں اس کے زیر پا (میر) جلدی سے کیے ادھر سے نظر آشنا نہ ہو
الجھا ہوا ہوں لطف تصور میں بہت شوق (سیماب) اللہ اس طرح کوئی محو ہوا آشنا نہ ہو

کچھ موج ہوا پیچاں اے میر نظر آئی (میر) شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی
وحشت کی بہاروں میں تاثیر نظر آئی (سیماب) پھولوں کی جو رگ ابھری زنجیر نظر آئی
دل کے تئیں تھے کچھ اوراق مصور سے (میر) جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی
جب اپنے تصور کو صد رنگ میں نے دیکھا (سیماب) ہر آئینے میں تیری تصویر نظر آئی

وحشت سے ہے میری یار خاطر نہ جمع رکھیو (میر) پھر آئے یا نہ آوے تو میرا اٹھا گھر سے
شاید ہوا کھل پڑا ہے (وحشت) (سیماب) دیوانوں کے نظر پیدا ہیں آنگن گھر سے

اب جوں سرشک ان سے پھر نکلی چشم سے کر (میر) جو خاک میں ملا ہیں گر کر تری نظر سے
خو کردہ خلش ہوں مجھ سے یہ نہ اٹھ کہیں (سیماب) اک درد مانگتی ہو وہ بھی تری نظر سے

www.taemeernews.com

چھلنی کے جلوے ہی شاید کہ آگ سلگے (میر) اٹھنے لگا دھواں اب میرے دل جگر سے
جب سلطنت ہوئی ہو آئی سکوں نگاہی (سیماب) چمن چمن سے گئی ہے کانٹے دل جگر سے

آوارہ میر شاید واں خاک ہو گیا ہے (میر) یک گرد اٹھ چلی ہے گاہ مکی بلند سے
گزرا وہ دور میں ہوں آوارۂ منازل (سیماب) نکلے ہوں پھر بھی کوسوں پابند بلند سے

گلشن ہوسِ قفس تک آواز یکسی ہے (میر) کیا طائر گلستاں ہیں نالہ کش اثر سے
محویت تصور صورت بدل رہی ہے (سیماب) تصویر بن گیا ہوں تخیل کے اثر سے

دیدے مارتے ہیں ہجراں میں میر صاحب (میر) یا اب پھر آوان کو چاہت کی دو دو سرے
گردش ہے کچھ زیادہ تدبیر چارہ گر سے (سیماب) تھا دوسری بہتر دو ملیں دو دو سرے

یہ چند مثالیں لطفِ زبان کیلئے کافی ہیں۔ اب ناظرین خود دیکھیں سمجھیں اور پرکھیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میر اور سیماب ہم پلہ ہیں۔ بلکہ یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان دونوں میں کس حد تک مماثلت ہے۔ اور ہاں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میر کی طرح سیماب کا کلام "پستش نہایت پست و بلندش نہایت بلند" نہیں ہے بلکہ ہموار اور تعلی مناسب ہے اور جہاں پستی ہے وہاں ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے پڑھتے ہوئے شرمندگی و خجالت ہو۔ میر کا یہ شعر ؎

لذت دنیا سے کیسا بہرہ ہمیں
پاس سے رنڈی وار پہ ضعفا

اسی قبیل کا ہے۔ بخلاف اس کے سیماب کا کلام جید و متین ہے۔ سیماب کی زبان نہایت پاکیزہ اور سیماب کے الفاظ تمام سر شستہ اور صاف ہوتے ہیں۔ ان کا حسنِ بیان نہایت اعلیٰ، ان کی تراکیب جمیل سبے حد دلچسپ ——— ان کی لطیف بندشیں از حد چست، ان کے ملیح تمثیلات، تشبیہات اور ان کے فصیح استعارات بیحد موزوں، برجستہ اور دلکش ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ بعض اوقات اُن کے اشعار اتنے سحر کن ثابت ہوتے ... ہیں کہ نثار کا یہ شعر بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے ؎

اکبرآباد میں ہیں حضرتِ سیماب نثار
یا کہ اک نغمہ سرا گلشن شیراز میں ہے

ممکن ہے کہ اس حقیقت سے بعض نکتہ چیں اعتراض کریں مگر مجھے اتنی فرصت نہیں کہ میں اپنے اس دعوے کے ثبوت میں منتخب اشعار کے نکات کھول کھول کر بتاؤں۔ پھر بھی ابتدائے دیوان سے نعت کا ایک شعر پیش کر کے یہ دکھا دینا چاہتا ہوں کہ سیماب نے اپنے اشعار و مصارع میں دفتر کے دفتر بند کر دئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

دیر خودی و کبر میں آئے اذانِ صبح کی
تیرا جمالِ زندگی چاند ہے پچھلی رات کا

کیا کسی اور شاعر کا کوئی ایک ایسا شعر ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے جس میں رسولِ اکرمؐ کی جامع سوانح عمری، حقیقی تعریف اور مکمل تاریخ اسلام نظم کر دی گئی ہو؟ سیماب کا یہ شعر بیک وقت ان خوبیوں کا حامل ہے۔ ملاحظہ ہو!

سوانح عمری یہ ہے کہ رسولِ اکرمؐ سب سے پیچھے بحیثیت پیغمبر آخر الزماں تشریف لائے۔ آخر شب میں یہ آفتاب رسالت ہویدا ہوا اور اس دیر میں نزول فرما ہوا۔ جو گہوارۂ کفر تھا۔ اُس نے پیدا ہوتے ہی اذان دی اور آخر اُس کا جمالِ زندگی چاند کی طرح چمکا۔

حقیقی تعریف یہ ہے کہ رسولِ اکرمؐ نہایت حسین تھے جس طرح پچھلی رات کا چاند ہوتا ہے۔ یہ چاند کہاں طلوع ہوا جہاں کفر کی ظلمت چھائی ہوئی تھی اور اس چاند کے طلوع ہوتے ہی وہ تاریکی زائل ہو گئی اور آ... رسالت چمکنے لگا۔ اور اس پیغمبر کی ذات خودی و کبر سے اس طرح منزہ اور پاک تھی جس طرح صبح کی لطافت تمام کثافتوں سے پاک ہوتی ہے۔

مکمل تاریخ اسلام یہ ہے کہ پیغمبر خدا نے بحیثیت نبی آخر الزماں اُس خطۂ زمین پر ظہور اجلال فرمایا جہاں خودی اور نخوت کبر معراج کمال حاصل کر چکا تھا۔ وہاں اس ہادی نے ایک لطیف و صحیح مذہب کا اعلان کیا اور ایک ایسی اذان دی جو صبح کی ملاحت و نرمی کی شاہد تھی اور بالآخر وہ مذہب پچھلی رات کا چاند بن کر چمکا۔ عالم ...
یہ صرف ایک شعر کی حقیقت جو دیوان کے دوسرے ورق سے پیش کیا گیا اور ایسے سیکڑوں اشعار دیوان میں موجود ہیں ہماری غلط ناشناسی ... خود سیماب کو اعتراف ہے

www.taemeernews.com

یوپی کا چاند

از ـــــــ حضرت جذب جالسی

لایا ہم کو شراب ارغوانی ساقیا — جس کے پینے سے ہو مستی فزونی ساقیا
تازہ بالی کی نہ کرنا بدگمانی ساقیا — آگ پی لیتے ہیں ہم تو گر کے پانی ساقیا
ہو کرم تیرا ہو تیری مہربانی ساقیا — شاید آ جائے قلم میں کچھ روانی ساقیا

ایک کوزے میں ہمیں بھرنا ہے دریائے ادب
جو جنوں سی آج نظروں میں ہے دنیائے ادب

قابل صد رشک ہے اردو کی یہ خوش قسمتی — میر و سودا کی مبارک گودوں میں پلی
تربیت پھر درد و سوز و جرأت و انشا سے لی — آتش و ناسخ کے ہاتھوں اس کی آرائش ہوئی
ذوق و [illegible] اور [illegible] انیس [illegible] — خوشنمائی اور نفاست ان سے اردو کو ملی

شستگی برجستگی پاکیزگی دی داغ نے
کیا سلاست اور کیسی دلکشی دی داغ نے

فیض پہونچا کر ہوئے سب داغ ہی ملک بقا — یوں کچھ ابر [illegible] برسا برس کر کھل گیا
بزم اعظم پہ جہاں سے اک اندھیرا سا ہوا — یعنی یوپی کی نظر آنے لگی دھندلی فضا
داغ کا فیضان ہے ہاں مرحبا صد مرحبا — آج یوپی میں نیا اک چاند روشن ہو گیا

گوشہ گوشہ میں ہے جس کی چاندنی پھیلی ہوئی
ہے ضیا جس کی جہاں میں واقعی پھیلی ہوئی

چاند کیسا؟ جس کی کرنیں ہیں فروغ [illegible] — چاند کیسا؟ چاندنی ہے جس کی دل [illegible]
چاند کیسا؟ دل زباں سے جس کا شیدا — چاند کیسا؟ ثبت کر دے دل پہ جو نقش نگار
چاند کیسا؟ کھینچ دے لفظوں میں جو تصویر یار — چاند کیسا؟ مانی و بہزاد ہوں جس پہ نثار

روشنی ہے چاند میں بیشک مگر [illegible] ہے
اور یہ یوپی کا سوز اور روشن [illegible] ہے

کیا کہیں پوشیدہ ہیں کیا خوبیاں سیماب میں — ہے عجب زور قلم زور [illegible]
ہے نہاں شعر و سخن کا [illegible] — علم و فن کے فیض کا دریا رواں سیماب میں
عالم پیری ہے گو جلوہ فشاں سیماب میں — لیکن استعداد شعری ہے جواں سیماب میں

چاند میں یوپی کے نور [illegible] ان مستور ہے
جذب کر سکے جذب اسے الفاظ میں معذور ہے

www.taemeernews.com

زہر دل بہ برادر دہم نہ یعقوبم
کہ پور خویش بود دلستانِ دلبرِ من

از

ابو المعظم نواب سراج الدین احمد خاں صاحب سائل دہلوی

مسند نشین قصر الادب دار الخلافہ اکبر آباد کا تقاضا ہے کہ سالنامۂ شاعر کے لئے میں کچھ بزم سرائی کروں، مسند نشین قصر الادب کون؟ مقتدائی عاشق حسین سیماب تخلص بہین تلامذہ و یادگار جہاں استاد نواب فصیح الملک داغ دہلوی سے ہیں۔

سالنامۂ شاعر سے تو بحث وہ لوگ کریں جن کو ادعائے مضمون نگاری و نثاری ہو۔ ہاں جس سے سالنامہ وابستہ ہے اُس کی ذات سے مجھے نہایت مثل برادر علاقہ ہے۔ اسی کے لئے میں خامہ فرسائی کرنے کو حاضر ہوں کہ وہ میرا قوت بازو ہے۔ ہنرمند ہے۔ محاسن ادب میں بے مثل ہے، جدت پسند طبیعت فطرت سے لے کر پیدا ہوا ہے۔ اپنے اُستاد بھائیوں کے لئے مایۂ نازش و افتخار ہے، ہم سب کا لقب زدہ [illegible] ابر بڑھنے کے لئے ہمارا ہم سلک قدرت نے اُسی کو کر دیا ہے۔

نواب فصیح الملک مرحوم کی بلند بختی کا دنیائے ادب میں جو شخص معترف نہ ہو وہ مرتکب معصیت عظیم ہونے کے مترادف کہا جا سکتا ہے۔ اُس مرحوم میں وہبیت تو تھی ہی جس کا ہر فرد موزوں طبع عالم اس سے کہ مبتدی ہو یا منتہی قائل ہے ساتھ ہی اقبالِ شاعری نے وہ ارتقا حاصل کیا تھا کہ شاہ سے لیکر گدا تک نے اُس سے استفادہ و لذت لیا نیز یہ کیا کم اُس مرحوم کی ہنرمندی تھی۔ اپنی آنکھیں بند ہونے کے بعد اُس نے کچھ اپنے نام لیوا والے ایسے چھوڑ دئے جن کی دست بوسی اہل سخن اور قدردانانِ سخن کرتے ہیں۔ اور عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہستی ہے جو مجھے عزیز تر از جان نظر آتی ہے۔ اُسکی جامعیتِ شاعری ایسی انوکھی ہے جس سے بعض اوقات ایک حیرت سی طاری ہو جاتی ہے اور دعائے سلامتی دل سے نکلتی ہے۔ شاعری کے چند اصناف ہیں۔ بڑے بڑے نامور شعرا جنھوں نے اپنے کمالات کے ڈنکے بجائے ہیں۔ وہ بھی بعض خاص اصناف پر قادر ہوئے ہیں۔ مثلاً قصیدہ گو مخصوص قصیدہ کی صنف کے اُستاد مانے گئے ہیں، غزل گو غزل کے، مثنوی نگار مثنوی کے، رباعی گو رباعی کے۔ اس عزیز میں یہ صفت خاص دیکھی کہ جس صنف پر قلم اُٹھایا اُسمیں ثابت کر دیا کہ جا بجا یہ فن یوں طے کیا کرتے ہیں۔ آگرے کا موقر الشیوع جریدہ عزیز موصوف کی نگرانی میں برخوردار اعجاز حسین کے اہتمام سے شائع ہوتا ہے۔ جس کے اوراق و صفحات اس بات کے شاہد نظر آئیں گے۔ میری قول کی تصدیق ہو سکتی ہے کہ اس کی بیش از بیش مضامین بعنوانات مختلفہ سحر کاری ہوتی ہے۔ اصلاح کے عنوان کے صفحات کھولو تو اصلاح کا مضمون جس سے تعلیم ادب ثابت ہے۔ وہ اصلاح جن کے کلام پر ہوتی ہے۔ وہ اپنا کلام عیوب سے پاک ہوتا ہوا دیکھ کر دل میں مزید خوش ہوتے ہونگے اگر صحیح ذوق اور عقیدت رکھتے ہوں۔ لیکن وہ اصلاح صرف اُن ہی مبتدی لوگوں کو فائدہ رساں نہیں ہوتی۔ وہ ہر بالغ نظر کے لئے وقت مطالعہ سبق دہ ثابت ہوتی ہے۔ نیز مصلح کا رتبہ بتاتی ہے۔ اصلاح کا ہر لفظ، ہر جملہ اپنا معنوی وزن اور محل صرف استعمال بتاتا ہے۔

شاعر کے عنوان تنقید کو دیکھ کر مجھے اکثر و بیشتر خوف سا پیدا ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ زمانہ ہنر پسند نہیں رہا۔ اس میں بجائے ممنون

ہوسکے اور سبق حاصل کرنے کے لوگ ناقد کو حاسد و بد خواہ سمجھ کر خود اس کے بد اندیش اور دشمن ہو جاتے ہیں۔ میں اس عزیز کو چاہتا ہوں کہ دنیا عزیز اور دوست رکھے لیکن صورت دگرگوں پیدا ہو جاتی ہے۔ لطف یہ ہے کہ اس مفید تجربے سے فائدہ مفت حاصل کر لیتے ہیں اور بد اندیشی کو قائم رکھتے ہیں یہ کس قدر ستم ظریفی ہے۔

"شاعر" کا ہر وہ عنوان جو مدیر "شاعر" کی خاص تصنیف و تالیف سے تعلق رکھتا ہے۔ دیکھنے کی چیز ہوتا ہے۔ میں اس شاعر کے محاسن کو دیکھ کر محو ہو جاتا ہوں۔ معانی و لطافت و پاکیزگی مفہوم کے اعتبار سے جس میں زیب و جدت کچھ نہ کچھ مزید ہوتی ہے۔

میں برادر عزیز سیماب صاحب کی زیادہ تعریف یوں جائز نہیں سمجھتا کہ وہ اور میں بروئے یگانگت ذوقِ ادب ایک ہیں۔ اپنے کی تعریف اپنی تعریف سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے مدحت نگاری سے قطع نظر کر کے کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔ اس سے مجھے انکار نہیں کہ بانی اردو کی خدمت بہ تعداد رسالے کر رہے ہیں۔ جن کا ذخیرہ اک حد تک قابلِ قدر ہوگا۔ لیکن شاعر نے جس خدمت پہ کمر باندھی ہے یہ مدیر ہی کا حق ہے ۔ اس کا مفید تر ہونا اسی جدوکوشش پر منحصر ہے۔ جو ہنوز ہو رہی ہے۔ کسی نہ کسی وقت یہ سعی حسب مراد مشکور ہوگی۔ اور ایک وقت خدا وہ لائے گا کہ کسی نکتہ شناس صاحب قلم کی ادبی خدمت میں "شاعر" ہی آئینہ داری کرے گا۔ بحکم رشِ ادب میں فی زمانہ جو امامت کا منصب رکھتا ہے۔

اس رسالے کے کسی نہ کسی صفحہ پہ ایک نظم اہلِ مطالعہ کے نظر میں آئیگی وہ نظم دہلی کے براڈ کاسٹ اسٹیشن سے داغ ڈے کے موقع پر نا

عالم ہوئی ہے۔ اسکی مقبولیت کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ مصنف کے جلسے سیکڑوں اصحاب نے اسکی نقل مانگی ہے۔ اور بعضیوں نے مجھ سے اسکی کاپی طلب کی ہے۔ بہیدو نعایت اس کے مضمون کی جہاں استاد مرحوم کی مدحت ہے جو قصیدہ کی شان میں قصیدہ ہے۔ اور مرثیہ کے پیرایہ میں مرثیہ اس کو ملاحظہ کرنے کے بعد مجھے یقین ہے کہ میں نے جو صفات ادبی اپنے بھائی کے مدح مضمون میں لکھے ہیں وہ مبالغہ سے معذور نہوں گے۔

اس مضمون کو میں ختم کرنا چاہتا ہوں سیماب بھائی کو معزز خطاب "جانشین داغ" دے کر جس کا حق مجھے حاصل ہے۔ کہ میں جناب فصیح الملک داغ دہلوی مرحوم کے سلسلۂ تلامذہ میں وہ منصب رکھتا ہوں جو ان کے کسی شاگرد کو میسر نہیں ہے۔ خواہ بروئے فن اکثر ان میں مجھے افضل و اعلےٰ ہی کیوں نہ ہوں۔ استاد مرحوم کے شاگرد جو سیماب صاحب کو جانشین استاد کے خطاب سے مخاطب نہ کریں گے۔ ان سے مجھے شکایت ہوگی۔

میری شکایت انکی حقارت ہوگی۔ میرے عزیز رکھنے والوں کو واجب و لازم ہے کہ سیماب صاحب کی ہستی کو اتنا ہی عزیز رکھیں جو انکی وقعت میری نظر میں ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ یہ ہستی جس پر فنِ ادب کے محاسن و اختصاص سے میں فریفتہ ہوں اس کو خدائے عزوجل عمر طبعی عطا فرمائے اور مساعد قلبی دینی و دنیوی اپنے مس کو کامران و دنیا کر دکھائے۔ آمین ثم آمین۔

آثم ابر اعظم سراج الدین احمد ثاقب

ریاست ...

اقبال اور سیماب
ہندوستان کے دو بے مثل نظم نگار

از ـــــ سید عنایت علی صاحب بی اے (علیگ)

گزشتہ چوتھائی صدی میں نظم اردو نے جس شان وشوکت کیساتھ ترقی کی ہے۔ اس کا نتیجہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے شعرا کا عام طور پر نظم کی طرف میلان اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ گزشتہ پچیس سال کے عرصے میں ایک زمین تیار کی جارہی تھی جو اپنی پیداوار کے لحاظ سے آج زرخیز ثابت ہو رہی ہے نظم اردو کے معماروں میں اقبال اور سیماب اہمیت حاصل ہے اسی کو ہم اپنے اس مضمون میں واضح کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کریں اقبال اور سیماب کے ماحول ان کی دماغی نشوونما اور عام حالات کا مطالعہ ضروری سمجھا گیا اسی دوران میں ہم یہ دکھائیں گے کہ ایک ہی موضوع دو اہل قلم کے ہاتھوں میں کیا صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور یہ صورت حالات ماحول اور دماغی نشوونما کے کس قدر تابع ہوتی ہے۔

اقبال کی سوانح حیات مغربی روش پر ڈھلی ہوئی ہے انہوں نے سب ہی کچھ کیا جس کی ہند جدید میں ایک صاحب کمال انسان کو گنجائش مل سکتی تھی اقبال نے ہندوستان کی انگریزی تعلیم گاہوں سے فائدہ اٹھایا اور جب وہ ہندوستان میں ذخیرۂ ادب کو خالی کر چکے تو یورپ کا رخ کیا تعلیم سے فارغ ہوئے تو مغربی طرز معاشرت پر بود و باش اختیار کی۔ ہندوستان کے علمی اداروں میں شریک ہوئے۔ ملکی اور قومی جد و جہد میں بھی اپنے رجحانات کے مطابق حصہ لیا۔ اور آخر وہی کچھ بن گئے جو ہند جدید کا ایک صاحب کمال انسان بن سکتا تھا۔ یعنی حکومت نے اعترافِ کمال کر کے انھیں علامہ سے سر بنا دیا۔

لو مدرسۂ علم ہوا قصرِ حکومت | افسوس کہ علامہ سے سر ہو گئے اقبال
پہلے تو سرِ ملتِ بیضا کے تھے سرتاج | اب اور سوا "تاج" کے سر ہو گئے اقبال
کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پر کوئی گستاخ | سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

یعنی اب زبان اردو کا عظیم المرتبت شاعر" ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لا" تھا۔ اقبال کی شہرت صرف اُن کے کلام کی مرہونِ منت نہیں۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں۔ حقائق سے ناآشنا ہیں۔ اُن کی شاعری کے ساتھ ساتھ اُن کا فلسفہ، قومی اور ملکی سیاست میں اُن کی خدمات، اور علوم مغرب میں اُن کا تبحر تھا۔ غرض ان سب باتوں نے مجموعی حیثیت سے ہمارے سامنے ایک شخصیت پیش کی جس کا نام "اقبال" ہوا۔ اقبال ایک ہی وقت میں شاعر بھی ہے، فلسفی بھی ہے، سیاست داں بھی ہے، اور قانون داں بھی۔ ایک حلقے کی شہرت، دوسرے حلقے کی اعانت کرتی ہے

اور یہی سبب ہے کہ ہم آج اپنی دنیا میں اقبال کا نام سنتے ہیں۔

دوسری طرف آیئے۔ سیماب کی پیدائش مشرقی ماحول میں ہوئی۔ تربیت بھی مشرقی اثرات کے زیر اثر پائی۔ وہ مشرقی سوسائٹی میں پروان چڑھے اور اپنی زندگی کے بیشتر اور اکثر حصوں میں انھیں مشرقیوں ہی سے واسطہ پڑا۔ اس اعتبار سے مشرق کی ضروریات، اور مشرقی خصوصیات کی ترجمانی و نمائندگی جس طور سے سیماب نے کی وہ مشرقی تعلیم و تربیت ہی کا نتیجہ تھا۔

سیماب کی ابتدائی شاعری مشاعروں سے شروع ہوئی انھوں نے وہ تمام مراحل طے کیے جو ایک اردو زبان کے شاعر کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ مشاعروں کے اسٹیج پر انھیں اپنے تمام ملکی شعرا سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے ان سب چیزوں سے اثر لیا اور پھر روش عام سے ہٹ کر اپنے لئے ایک نصب العین قائم کر لیا۔ جو تمام تر مشرقی ماحول کا پیدا کردہ تھا۔ اور جس کی مشرقی سوسائٹی کو ضرورت تھی۔

اقبال نے مشاعروں میں شرکت کی لیکن بہت کم۔ ان کی شہرت مشاعروں کے اسٹیج سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اخبارات و رسائل کے صفحات بیشتر اس شہرت کا ذریعہ بنے۔ انجمن حمایت اسلام میں نظمیں پڑھنا بھی اقبال کی شہرت کا باعث ہوا۔ اس اعتبار سے بام شہرت تک پہونچنے کے لئے جن دشوار منزلوں سے سیماب کو گزرنا پڑا۔ اقبال اپنی خوش بختی سے اُن سے بچ گئے۔ سیماب کو بہت بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ مشاعروں کی شرکت، تمام سوسائٹی اور عام مذاق طبیعت کا مطالعہ اور تعائی خیالات کی ترجمانی، یہ سب ایسی شرائط ہیں جو اُن دو شاعری اپنے مستند اور مشاہیر شعرا کے لئے ہمیشہ سے قائم کر رکھی ہیں اس تمام تر تفصیل سے مقصد یہ تھا کہ سیماب نے اپنے لئے جو روش اختیار کی وہ اقبال کی روش سے جداگانہ تھی۔ اقبال نے اپنے لئے زمانۂ جدید کے مختلف ذرائع استعمال کئے۔ علمی سوسائٹیوں میں شرکت کی، کانفرنسوں میں نغمہ سرائی کی اور اخبارات و رسائل کے ذریعے ملک کو پیام دئے۔ اس کے برعکس سیماب نے مشاعروں کی راہ سے نمود حاصل کی۔ اپنے ہمعصر شعرا سے مقابلہ کیا اور ایک عرصے کے بعد جب یہ سب مراحل طے کر لئے تو اپنے نصب العین اور اپنی زندگی کے پروگرام پر عمل کیا۔

سیماب پر مشرقیت اس قدر چھائی ہوئی ہے کہ اب تک مشرقی روایات پر عامل ہے۔ اس کے روزانہ معمولات، اس کے عقائد اور اس کا برتاؤ تمام تر مشرقی ہے۔ ملک میں اس کی ایک خاص جماعت ہے۔ اس کا ادارۂ الخیال مخصوص ہے۔ اور وہ اپنے کاروان کی رہنمائی کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین سمجھتا ہے۔ اُس کا تمدن، تہذیب اور معاشرت بھی مشرقی ہے۔ وہ اپنے معنوی فرزندوں سے اسی طرح محبت کرتا ہے۔ جس طرح ایک مشرقی بزرگ کے شایان شان ہے۔

دوسری طرف اقبال تن تنہا پیام دیتا ہے۔ اس کو اپنے افکار و انہماک سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ کسی کاروان کی بنیاد ڈالنے کا خیال قائم کرے۔ اور یہ چیز اس کے مسلک اس کی تعلیم اور اس کی زندگی کے گزشتہ تجربات کے بھی منافی ہے اس لئے کہ وہ مغربی ماحول کا پیدا کردہ ایک مشرقی انسان ہے۔

یہ واضح کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ دو شعرا کے مسلک اور طرزِ عمل میں مندرجۂ بالا تفاوت کسی تفوق یا ترجیح کے لئے نہیں دکھایا گیا بلکہ دماغی نشو و نما، اور شاعری کے استحکام کے بیان میں یہ چیزیں بہت اہم درجہ رکھتی ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر ضروری تھا۔

آپ میر، نظیر، غالب، مومن، داغ اور امیر و جلال وغیرہ کی صف میں سیماب کا ذکر کر سکتے ہیں۔ لیکن اقبال کی ...... کا رنگ دیکھتے ہوئے انھیں صرف مغربی شعرا کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

www.taemeernews.com

اردو شاعری ایک مسلسل زنجیر سے وابستہ ہے۔ سیماب نے اسی کڑی میں اضافہ کیا ہے۔ مگر ان کے مقابلے میں اقبال مغربی شعرا کی زنجیر میں منسلک نظر آتے ہیں۔ یہ تفاوت بجائے خود اس قدر اہم ہے کہ اردو کا کوئی ناقد و مورخ اسے کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتا موجودہ زمانے میں قدیم طرز عمل کا پابند ہو کر اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے ایک جدید شاہراہ پیدا کرنا سیماب کا ایک ایسا تاریخی اختراع ہے۔ جسے ہم اس وقت کسی مصلحت سے نظر انداز کر دیا تو کر دیں لیکن ہماری تاریخ شاعری اسے کبھی نہیں بھلا سکتی۔

سیماب کے یہاں چند خصوصیات اور بھی ہیں۔ جن کا ذکر یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ اس کے رجحانات اور اس کی دماغی تعمیر کو ہم پوری طرح سمجھ سکیں۔ ادب اردو میں ایک مستحکم اور نمایاں درجہ حاصل کرنے کے بعد سیماب نے ترقی کی راہ میں ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اور یہ لازمہ تھا۔ جدید زمانہ اور جدید ضروریات کا۔ ہمارے قدیم شعرا کو مختلف زمانے میں زندگی بسر کرنی پڑی ہے۔ ان کی ضرورتیں مختلف تھیں اور اسی اعتبار سے ان کی فضائے کار بھی مختلف تھی سیماب نے بھی اپنے زمانے کی ضروریات پر توجہ دی۔ اور اپنے ملکی ادب کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ایک ایسی نئی روش قائم کر دی جو ماضی کا مستقبل سے رشتہ قائم کر سکے اور جو غیر فطری نہ ہو بلکہ ارتقائے خیالات کا تدریجی نتیجہ ہو۔ ہم اپنی ذہنیت میں یک لخت کبھی انقلاب پیدا نہیں کر سکتے۔ اگر فوری انقلاب کسی سبب سے پیدا ہو بھی جاتا ہے تو وہ دیرپا اور قوی الاثر نہیں ہوتا۔ اس لئے چند ایسے ذرائع کی ضرورت ہر زمانے اور عہد میں محسوس ہوتی ہے۔ جو ملکی ذہنیت کو تدریجی ارتقا اور انقلاب کی طرف مائل کر سکیں۔ سیماب نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا کام یہ انجام دیا ہے کہ اردو شاعری کو مستقبل کی روشنی میں اس قدر مستحکم بنا دیا ہے کہ وہ آئندہ چل کر ہر انقلاب اور ہر تبدیلی کی متحمل ہو سکتی ہے۔ اپنے کارواں کی تربیت میں سیماب کا یہ مسلک بہت نمایاں ہے۔

حالات اور رجحانات کے تفاوت کے بعد اب اقبال اور سیماب کی نظموں کو لیجئے۔

ہم بتا چکے ہیں کہ اقبال کی شاعری مغربی تربیت کی پیداوار ہے۔ اقبال کی نظموں کے مطالعے کے لئے ہمیں مغربی شعرا کی نظمیں اپنے ذہن میں محفوظ رکھنی چاہئیں۔ اقبال کی شاعری کی صحیح قدر و قیمت ہم اسی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ من حیث المجموع اقبال کی شاعری جن ادوار سے گزری وہ ادوار بھی اقبال کی ذہنی تربیت کے اثر ہیں۔ ابتدائے شاعری میں اقبال ایک فطرت پرست شاعر تھا۔ اور اس کی بعض نظمیں مغربی شعرا کی نظموں کا ترجمہ تھیں "ہمالہ" "گل رنگیں" "عہد طفلی" "ابر کوہسار" "موج دریا" "آفتاب صبح" وغیرہ سے اقبال کی اندرونی کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے اسی فطرت پرستی کے ساتھ ساتھ اس میں انسان اور انسانیت کا درد، زندگی و موت پر غور و فکر کے مادے کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی قوم کی نکبت اور زوال کو بھی محسوس کرتا ہے لیکن محض ایک فطرت پرست شاعر کی نظر سے۔ اس احساس میں ذرا او رغور و فکر کو دخل نہیں ہے۔ یہ چیز اقبال میں مرور ایام کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ قوم کے معاملے میں آئندہ چل کر اس کا مسلک شاعرانہ نہیں رہا۔ بلکہ فلسفیانہ ہو گیا۔

اپنی شاعری کے دوسرے دور میں اقبال یورپ میں تھا۔ یورپ کا اثر اس کی نظموں میں بہت نمایاں ہے۔ لیکن ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس کی روح بے چینی محسوس کر رہی ہے۔ وہ تنہائی کا جویا ہے۔ اور فراق کا شکوہ سنج۔ وہ کوشش ناتمام کا ماتم کرتا ہے اور نوائے غم سے تسکین حاصل کرنا چاہتا ہے۔

سنہ ۱۹۱۰ء کے بعد کا زمانہ اس کی شاعری کا تیسرا دور ہے اسی زمانے میں "شکوہ" جیسی پُر شکوہ نظم اس کے قلم سے نکلی اور اسی زمانے میں اُس نے اسلامیات کی طرف رُخ کیا۔ یہاں تک کہ اسکی شاعری "یکسر اسلام" بن کر رہ گئی۔ اور اردو کا ایک جلیل القدر شاعر ہندوستانی قوم کی ذہنی تربیت میں معاون ہونے کی بجائے اسلام اور اسلامی فلسفے کی تشریح و توضیح میں مصروف ہو گیا۔

اقبال کی شاعری کے مختلف رُخ دکھانے کے بعد اب ہم سیماب کی شاعری کی طرف آتے ہیں۔

سیماب اپنی شاعری کے ابتدائی دَور میں اسلامی موضوعات اور روحانی جذبات کے اظہار میں طمانیتِ روح محسوس کرتا ہے اس کی ابتدائی شاعری میں عام طور پر تصوّف کی جھلک ہے۔ یہ چیز وہ ہے جو اقبال کی شاعری کے تیسرے دَور میں پیدا ہوئی۔ لیکن سیماب کا ابتدائی دور ہی اسلامی فلسفے اور اسلامی خیالات کے اثر سے مملو تھا۔ اقبال کے نظرئے سے سیماب کا نظریہ مختلف ہے اقبال اسلامی حکومت، اسلامی فلسفہ اور اسلامی معاشرت کو دوسری قوموں کے مذہب اور فلسفے سے مرجح سمجھتا ہے۔ اور بالآخر کار اسلامی ڈکٹیٹر شپ قائم کرنے کے خیال میں منہمک ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس سیماب اسلامی تصوّف، اسلامی موضوعات اور اسلامی عنوانات سے اس لئے دلچسپی نہیں لیتا کہ یہ چیزیں دوسری قوموں کے سامانِ حیات کے مقابلے میں افضل و برتر ہیں۔ اس قسم کی رقابت اور اس نوعیت کے رنگ سے سیماب بہت دور ہے بلکہ اسلامی فلسفہ کی تشریح و توضیح اس کی روح کی تعمیر میں معاون ہوتی ہے۔ اور وہ اپنی روح کے اطمینان کے لئے اسلامی تصوّف کی جا پہن لیتا ہے۔ خورشیدِ رسالت، مکّہ کی ایک صبح، طوافِ کعبہ، بیت اللہ کی تصویر دیکھ کر، وغیرہ "نیستان" کی ایسی نظمیں ہیں۔ جن کے مطالعہ سے ہم سیماب کی شاعری کے ابتدائی دور کی خصوصیات سمجھ سکتے ہیں۔

سیماب کی شاعری کا دوسرا دور بلبلِ اسیر۔ دوشیزۂ بہار نسیمِ برشکال، عرضِ تجلی، جوشِ انتقام، جیسی نظموں سے شروع ہوتا ہے۔ ان نظموں کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ سیماب اپنی زندگی کے نصب العین کی تلاش میں مصروف ہے۔ وہ اپنے ماحول کی الجھنوں سے سخت نالاں ہے۔ اس کی شاعری کے ابتدائی دَور میں اسلامی فلسفے اور اسلامی تصوف سے اسکی روح مکمل ہو چکی ہے اور اب آگے بڑھنا چاہتی ہے۔

سیماب کی شاعری کے تیسرے دور سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی کا مقصد معلوم کر لیا ہے۔ اس دور کی یادگار "کارِ امروز" ہے۔ جس میں سیماب پورے وقار اور ایک عظیم المرتبت پیامی کی حیثیت سے رونق افروز ہوتا ہے۔ اس کو اب کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ وہ "نوائے تجدید" کے عنوان سے اپنے مقصد کا اعلان کرتا ہے۔ اور اس کے بعد ایک ایسے انسان کی تعمیر میں معاون نظر آتا ہے۔ جو سیماب کے ارتقائی خیالات کا صحیح طور پر نمائندہ کہا جا سکے۔ وہ انسان مکمل انسان ہے۔ اس انسان کا وطن بھی آزاد ہے اور روح بھی، ملک و وطن کی ضروریات، ابنائے وطن سے ہمدردی، سرمایہ اور سرمایہ داری کے مقابلے میں مزدور اور مزدوری چند ایسی خصوصیات ہیں جو زمانۂ حاضر کی پیداوار ہیں۔ اور جن سے عہدِ حاضر کا انسان ناشناس نہیں رہ سکتا۔

سیماب اور اقبال کی سوانحِ حیات کا اُن کے کلام پر اثر دکھانے کے بعد اب ہم چند مثالیں اپنے بیان کردہ اصول کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔

اقبال:—

پہلا دَور

تکتے رہنا ہائے وہ پہروں تلک سوئے قمر — وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پا اس کا سفر
پوچھنا رہ رہ کے اس کے کوہ و صحرا کی خبر — اور وہ حیرت دروغِ مصلحت آمیز پر

آنکھ محوِ دید تھی لب مائلِ گفتار تھا
دل نہ تھا میرا سراپا ذوقِ استفسار تھا

(عہدِ طفلی)

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقابِ نیل — ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آبِ نیل
طشتِ گردوں سے ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب — نشترِ قدرت نے کیا کھول دی ہے فصدِ آفتاب

چرخ نے بالی چرا لی ہے عروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیمِ خام کی

سیماب :——

پہلا دور

اندریں جلوہ گہہِ گوناگوں — میں جو سرگشتۂ تحیر ہوں
کیا بتاؤں کہ ہے یہ حیرت کیوں — فرصتِ عرض ہو تو کچھ بولوں
دیکھتا ہوں جو اس زمانے میں — ہر دو اسرار و راز کا جیحوں
آب و خاک و ہوا و آتش میں — فطرتِ عالیہ ہے بوقلموں
کیا ہیں یہ کوہ و دشت و برگ و شجر — خوف ہے میں نہ ہو تو کچھ کہہ دوں
آج جس چیز پر نظر ڈالو — کہہ رہی ہے زبانِ حال سے یوں

ہم آئینۂ جمال کے
نقش ہیں مظہرِ کمال کے

(ہمہ اوست)

ہم گنہگار ہیں؟ اچھا تو سزا دو ہم کو — ہاں سزاوار ہیں، دنیا سے مٹا دو ہم کو
جیسے چاہو صلۂ جرم و خطا دو ہم کو — جیتے جی خاک کے پردوں میں دبا دو ہم کو

ہم کبھی اپنی سفارش نہ کریں گے آقا
کام جیسے کئے ویسا ہی بھریں گے آقا

مگر اب دردِ اسلام کے بھوکے ہیں ہم — فطرتاً جذبۂ اسلام سے معمور ہیں ہم
ہیں گنہگار مگر کیا کریں مجبور ہیں ہم — آپ کے روضۂ انور سے بہت دور ہیں ہم

قرب حاصل نہیں ہوتا تو دکھا دیتے ہم
جالیاں تھام کے دنیا کو ہلا دیتے ہم

(سرکارِ طیبہ کے حضور میں)

اقبال :——

دوسرا دور

تنہائیِ شب میں ہے حزیں کیا — انجم نہیں تیرے ہمنشیں کیا
یہ رفعتِ آسمانِ خاموش — زمیں، جہانِ خاموش
یہ چاند، یہ دشت و در، یہ کہسار — فطرت ہے تمام نسترن زار
موتی خوش رنگ پیارے پیارے — یعنی ترے آنسوؤں کے تارے

کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل
قدرت تری ہم نفس ہے اے دل

(تنہائی)

تلاشِ گوشۂ عزلت میں پھر رہا ہوں میں — یہاں پہاڑ کے دامن میں آ چھپا ہوں میں
شکستہ گیت میں چشموں کے دلبری ہے کمال — دعائے طفلکِ گفتار آزما کی مثال
ہے تختِ لعلِ شفق پر جلوسِ اخترِ شام — بہشتِ دیدۂ بینا ہے حسنِ منظرِ شام

سکوتِ شام جدائی ہوا بہانہ مجھے
کسی کی یاد نے سکھلا دیا ترانہ مجھے

(فراق)

سیماب :——

دوسرا دور

اٹھا دو چنگ و رباب اپنی بزمِ عشرت سے — گرا رہا ہوں میں صد محشرِ جنوں بردوش
ہے میرے ساتھ پریشانیوں کی اک دنیا — بپائے حشر چکان و فغانِ صور فروش
نظامِ بزمِ محبت کو فرصتِ تغیر — اک انقلاب ہے میری صدا میں ہم آغوش
مسل کے پھینک دو پھولوں کو آئینے توڑ دو — ہٹا دو پردۂ رنگیں و مسندِ گل پوش

(جوشِ انتقام)

www.taemeernews.com

زیبِ جلوہ ہیں یہ پردہ ہائے شبنم و گل — چمن طرازِ حقیقت مجھے خراب نہ کر

سرور بن کے سما جا نگاہِ حیراں میں — ہلاکِ جلوہ کو ناآشنائے خواب نہ کر

شگفت لالہ میں کر سیرِ خونچکانیٔ دل — کلی میں چھپ کے تماشائے اضطراب نہ کر

(عرضِ تجلی)

سیماب اور اقبال دونوں کا دوسرا دورِ شاعری چند مشترک خصوصیات کا حامل ہے۔ دوسرا دور چونکہ پہلے اور تیسرے دور کے درمیان میں واقع ہوتا ہے۔ اس لئے اس دور میں کسی مستقل نصب العین کا پتہ نہیں ملتا۔ اور یہ بات دونوں شعرا کے یہاں موجود ہے روح کا اضطراب، بے چینی اور بے کلی سیماب کے یہاں بھی موجود ہے اور اقبال کے یہاں بھی۔

اقبال: ——

تیسرا دور

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے — وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

تمدن آفریں خلاقِ آئینِ جہاں داری — وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا

(خطاب بہ جوانانِ اسلام)

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے — مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

کوہ میں دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے — اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے — نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے

تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے — تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے

پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں

ہم وفادار نہیں، تو بھی تو دلدار نہیں

(شکوہ)

سیماب: ——

تیسرا دور

ہوشیار اے اہلِ عالم اب نہیں ہنگامِ خواب — منتظر ہستی یوں ہی کب تک اسیرِ انقلاب

بربری تہذیب ہنگامۂ تخریب سے — تم نے دنیا کے ہزاروں دور کر ڈالے خراب

دور کر سکتی ہے اک انگڑائی اب بھی روح کی — شخصیت کی تشنگی، جمہوریت کا اضطراب

پھر نظامِ دہر کو پیرایۂ تجدید دو — اپنی دنیا کو بنا دو بزمِ فطرت کا جواب

قومیت، فرقہ پرستی اور نسلی امتیاز — پیکرِ انسانیت پر اک طرح کا ہیں عذاب

قلعۂ پندار کو مسمار کر دو توڑ دو — چاک کر کے پھینک دو یہ مادیت کا حجاب

صرف تم "انسان" بن کر اپنی دنیا میں رہو — پُرسکوں، آزاد، یکسو، کامگار و کامیاب

بادۂ کبر و خودی ناپاک ہے ملعون ہے

پی رہے ہو تم جسے انسانیت کا خون ہے

(ایک پیغام اہلِ عالم کے نام)

سیماب کا پیغام کسی خاص قوم اور کسی فرقے تک محدود نہیں۔ وہ روئے زمین پر ایک قوم دیکھنا چاہتا ہے۔ تمام نوعِ انساں کو انسانیت کے رشتے میں منسلک دیکھنے کی آرزو کرتا ہے اور کائنات میں ایسے انسان کی نمود کا خواہش مند ہے جو جارحانہ قومیت، فرقہ پرستی اور نسلی امتیاز سے مبرا ہو۔ وہ جب ہندوستانیوں سے مخاطب ہوتا ہے تو ہندوستان میں اسے صرف مسلمان ہی نظر نہیں آتے وہ ہندوستان کو من حیث المجموع دیکھتا ہے اور اپنا پیام

بہار موت کا پیغام ہے خزاں کیلئے — یہ انقلاب مبارک ہو باغباں کیلئے

نہ خاکِ جادہ اگر پیش رو کو جذب کرے — تو راہ بند ہو پس ماندہ کارواں کیلئے

نئی نئی روشیں باغ میں ہوئیں پیدا — نوید سبز جوانانِ گلستاں کیلئے

نئے اصول مرتب کریں برائے چمن — بنائیں پھر نئے انداز آشیاں کیلئے

بہار اب کے جو آئے تو پھر نہ جائے کبھی — ہو بند دستِ تصرف عشق جاوداں کیلئے

جبینِ ذوق مہیا کرے نئے سجدے — وطن کی خاکِ محبت کے آستاں کیلئے

نئی فضا ہے نئی آرزو نئے جذبات — دعائے فتح تمنائے رفتگاں کیلئے

جواں دلوں میں پھر اک عزم کامیاب ہے آج
وطن بجز وطن پہ نیا شباب ہے آج

(ز جوانانِ ہندوستان سے)

ان شواہد سے یہ ماننا پڑے گا کہ اقبالؔ کا پیغام مسلمانوں تک یا اُن لوگوں تک محدود ہے۔ جن کو مسلمانوں سے کچھ نہ کچھ تعلق ہے۔ لیکن سیمابؔ کا پیغام عالمگیر ہے۔ حقیقتاً ایک مسلمان داعی دنیا کی صحیح تبلیغ اُسی وقت ہوسکتا ہے۔ جب کہ وہ آنحضرت کا طریق ہمہ گیری اختیار کرے جو رحمۃ اللعلمین تھے۔ جو صحیفہ اُن پر نازل ہوا وہ بھی تمام عالم کے لئے ایک قانون اور پیغام ہے۔ اسی اتباع میں سیمابؔ بحیثیت شاعر ایک ایسا ذہن رسا اور دُور رس دماغ دنیا میں لے کر آئے۔ جس کی وسعتیں لامحدود اور لامتناہی ہیں۔ آپ کو مزدور سے محبت ہے۔ اب خواہ وہ مزدور امریکہ کا ہو یا آسٹریلیا کا۔ سیمابؔ نے "عبد و معبود" کے تعلقات بیان کئے ہیں۔ لیکن اس طرح کہ ہر مذہب و ملک والا اُس سے متفق ہو جاتا ہے۔

سیمابؔ نے انسانی روح کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر بیدار کیا ہے۔ اس لئے اُن کی نظمیں پڑھتے وقت ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا خواب سے آنکھیں کھل رہی ہیں۔ اور منجمد جسم میں نئی روح سرایت کر رہی ہے۔ دل میں اُمنگ اور جوش پیدا ہو رہا ہے۔ سیمابؔ کی نظموں کے پڑھنے سے اولوالعزمی اپنی مستقل جگہ تلاش کر لیتی ہے۔ اور نیک عملی کی طرف انسان رجوع ہو جاتا ہے۔

سیمابؔ کے کلام کی خصوصیات لاشریک ہیں۔ ہر شخص نے اپنے خیال کے مطابق سیمابؔ کے کلام میں بہترین شعراء کی سی لے پائی ہے کسی نے ورڈسورتھ کی۔ کسی نے لانگ فیلو کی۔ کسی نے گولڈ اسمتھ کی کسی نے کالرائل کی۔ مگر میرے خیال میں سیمابؔ کا انداز اور رنگ اُس کا ذاتی انداز اور رنگ ہے۔ جس میں جدت، اثر اور حلاوت بیک وقت موجود ہیں۔ اور وہ اپنے طرزِ بیان و ادا کے مفہوم کا تنہا مالک ہے۔

اقبالؔ اور سیمابؔ کی پیدائش کا صوبوں کی اختلاف نظموں کی زبان کا ایک فطری اختلاف ہے۔

اقبالؔ۔ پر بانگِ درا کے بعد غزل کا میدان تنگ ہو جاتا ہے اور غزل گو شعراء کی صنف میں دائیں بائیں نیچے اوپر کہیں اُس کا پتہ نہیں چلتا۔ مگر سیمابؔ اپنی دیرینہ روایاتِ غزل گوئی کو بھی نظم نگاری کے ساتھ ساتھ جاری رکھتا ہے۔ اور تغزل میں ایسے ایسے نوادر پیش کرتا ہے۔ جن کی مثال تاریخ ادبِ اردو میں نہیں ملتی۔ مثلاً چند شعر دیکھئے۔

صدائے صور سے میں قبر میں نہ جاگوں گا		کسی سنی ہوئی آواز سے پکار مجھے

کوئی یہ شکوہ سرایانِ جور سے پوچھے		وفا بھی حسن ہی کرتا تو آپ کیا کرتے؟

رات کی افسردگی پر غور کرنے کے لئے		صبح کے اُٹھتے ہوئے کچھ پھول کمہلا گئے ہیں

"پیامِ فردا" کے لئے نظموں کی تصنیف کے ساتھ ساتھ سیمابؔ کی پرواز آفرینی ابھی بدستور جاری ہے۔ جسے آپ "وارداتِ مشرق" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ مگر اقبالؔ اپنی تخیل کی پہنائیوں کو سمیٹ رہا ہے۔ اب اس کی نظمیں فلسفہ کی مختصر دفعات بن کر رہ گئی ہیں۔ "ضربِ کلیم" اس کے ثبوت میں شاہد ناطق ہے۔ لیکن "پیامِ فردا" میں آپ طویل و بسیط نظمیں مختلف عنوانوں سے دیکھیں گے۔ سیمابؔ اور اقبالؔ شاہراہِ ادب میں چلتے چلتے ایک مقام پر ہم سطح ہو جاتے ہیں۔ لیکن سیمابؔ آگے نکل جاتا ہے۔ بہت دُور پہونچ جاتا ہے۔ اور اقبالؔ ایک واماندۂ منزل کی طرح ستانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

یہ وقفہ "جمودؑ وعمل" وقت آنے پر خود واضح ہوجائے گا۔ بحیثیت شاعر اقبالؔ اپنا کام پہلے دور ہی میں ختم کرچکا ہے۔ اور سیمابؔ تیسرے دور تک اپنے نصب العین اور اپنے پروگرام کی تشریح و توضیح میں مصروف ہے۔ سیمابؔ کا پہلا دور دوسرا دور اس کی روح کی تکمیل، اس کے خیالات کی ہم آہنگی، اور اس کے قلم کی پختگی میں صرف ہوا۔ لیکن تیسرے دور میں آکر اس نے محسوس کیا کہ یہ دنیا بہت وسیع ہے اور اسی اعتبار سے شاعر کی نظر بھی وسیع ہونی چاہئے

اقبالؔ نے شاعر کی حیثیت سے دنیائے عمل میں قدم رکھا۔ لیکن اسکی دوسری حیثیتیں اس کی شاعری پر غالب آتی چلی گئیں۔

اس کے بعد ہم چاہتے تھے کہ اقبالؔ اور سیمابؔ کی نظموں کو سامنے رکھ کر دونوں کی پختگیٔ خیال اور شاعری میں دونوں کے مقام کی توضیح کریں۔ لیکن چونکہ مضمون بہت طویل ہوگیا ہے اس لئے یہ بات کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ اس زمانے کو مبارکباد دو جس میں اقبالؔ اور سیمابؔ سے حقیقی شاعر موجود ہیں۔ اور انکی موجودگی کو غنیمت سمجھو۔ پھر کہاں لوگ ایسی طبیعت کے"

علامہ سیمابؔ

ملک کے چند در چند منتخب شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ اُن کی شاعری بلند خیالات، پاکیزہ جذبات اور دلنشیں تغزل کی سرمایہ دار ہے۔ اُن کی غزلیات شاداب زمینوں، بولتے ہوئے قافیوں اور فلسفیانہ نکتہ آرائیوں سے غزل سرا معاصرین میں درجۂ امتیاز رکھتی ہیں۔

اُن کی بعض نظموں اور غزلیات کے متعدد اشعار پڑھ کر خیال ہوتا ہے کہ کوئی پیغام دینا چاہتے ہیں آگرے کی بجائے لاہور کے باشندے ہوتے تو پیغمبرانہ کتاب بنا دئے جاتے۔

"کارِ امروز" اور "کلیمِ عجم" اُن کے ساحرانہ کارنامے ہیں۔ افسوس ہے کہ ایسا باکمال سحر کار اس عالمِ ضعیفی میں زندگی کی کشاکش سے دوچار ہے۔

یوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے، تجھ پر کمال افسوس ہے

یہ افسوس زیادہ دلگداز بن جاتا ہے۔ جب بے مایہ اور زرد مایہ تنک بندوں کو عام کالعوام کی پذیرائی اور اس سبب سے زندگی کی کامرانیوں سے ہمکنار دیکھا جاتا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ ذوقِ سخن فہمی سے اس قدر دور ہے۔ جتنا گروہ عوام اور تعلیم یافتہ جماعت چونکہ تہذیبِ حاضرہ کی نمائندہ علوم و فنون کی حامل ہے۔ اس لئے اس کی بے فہمی اور شاعروں کے لئے شاعری سے بیزاری کا سبب بن گئی ہے

حضرت تاجورؔ نجیب آبادی
"شاہکار" لاہور اپریل ۱۹۴۳ء

"تاج" اور "شاعرِ تاج"

از ——— حضرت علّامہ ماثرؔ سیالکوٹی

ہے تاجِ مرمریں گہوارۂ انوارِ ضوتابی
کہ اس کے ذرّے ذرّے میں ہے رقصانِ عشق کیمیابی

لیے صبحِ ازل کا اک نہالِ آرزو کوئی
اسے شامِ ابد کا اک سمجھئے نخلِ شادابی

یہ سوزِ عشق کا ہی ایک نقشِ غیر فانی ہے
کہ سانچے میں سکوں کے ڈھل گئی ہے جانِ بیتابی

زمینِ تاج طوفانوں میں یوں محفوظ رہتی ہے
کہ جھولے جھولتی ہے جس طرح موجوں میں مرغابی

زمینِ تاج پر بھارت کے باسی ناز کرتے ہیں
یہ بنگالی، وہ مدراسی، یہ گجراتی وہ پنجابی

یہاں میرا و فیضی مثلِ نغمہ جاگ اٹھے تھے
کہ اس مٹی میں ہے خاصیتِ تقدیرِ مضرابی

زمینِ عشقبازاں برملا معمارِ عالم ہے
کبھی شاہِ جہاں اس سے کبھی حسنِ جہاں تابی

زمینِ عشقبازاں میں ضمیرِ سنگ روشن ہے
کہ جیسے تاج نور افشاں ہے زیرِ نورِ مہتابی

زمینِ عشقبازاں ہی سے کسبِ فیض کرتے ہیں
وہ افرنگی و جاپانی یہ ایرانی و اعرابی

زمینِ عشقبازاں ہر زماں تخلیق کرتی ہے
کبھی دیروزِ غالبؔ اور کبھی امروزِ سیمابی

نگاہِ عشقبازاں بے نیازِ خواب ہی ماثرؔ
یہ خوابِ مرمریں ہے درسگاہِ درسِ بےخوابی

کمالِ سوز سے ہوتا ہے سامانِ جہاں پیدا
مکیں پیدا مکاں پیدا، زمیں پیدا زماں پیدا

کمالِ سوز دنیائے جنوں تعمیر کرتا ہے
نوائے بلبلاں پیدا، فغانِ عاشقاں پیدا

کمالِ سوز سے حق پرور و حق کوش ہوتے ہیں
خدا کے ہمزباں گاہی خدا کے ترجماں پیدا

کمالِ سوز خلّاقِ جہانگیری جہانداری
کبھی آئیں گراں اس سے کبھی صاحبقراں پیدا

کمالِ سوز مشتِ خاک کو گوہر کی تابانی
اور اُس کی تابشِ جوہر سے پیرِ نیرواں پیدا

کمالِ سوز سے پھر روح کو ملتی ہے بیداری
اور اُس کی چھیڑ سے ہوتا ہے پھر ہندوستاں پیدا

کمالِ سوز سے دیر و حرم یک جان ہوتے ہیں
اور اس اکسیر سے ہوتا ہے تاجِ عارفاں پیدا

اسی اکسیر سے پھر تاج کا "شاعر" چمکتا ہے
ہے جس کے نغمۂ رنگیں سے خیلِ شاعراں پیدا

میں یوں سیماب کو پیغمبرِ مشرق سمجھتا ہوں
کہ اُس کے نطق سے ہوتا ہے سرِ قدسیاں پیدا

خیالِ خام سے ہرگز نئی دنیا نہیں بنتی
خرد کرتی نہیں ہرگز خدا کے رازداں پیدا

زمینِ ہند کے شاعر، جہاں کا رہنما تو ہے
محبت کی ادا تو ہے۔ اخوت کی ضیا تو ہے

تری ہستی نگاہوں کو نشانِ سربلندی ہے
دیارِ زیر دستاں میں ترفّع کی بنا تو ہے

تری ہستی، ہے گوشِ ہوش کو پیغامِ آزادی
غلام آباد میں لاریب آوازِ درا تو ہے

تری ہستی، دماغوں کیلئے ہے درسِ خودداری
جہانِ خود فراموشی کا وہ معجز نما تو ہے

تری ہستی دلِ آگاہ کو ہے کیفِ سرمستی
کہ اک بہکی ہوئی قدوسیت کا ہمنوا تو ہے

تری ہستی زبانِ شعر میں ہے، خالقِ اردو
زبانِ بے زبانِ ہند کا حاجت روا تو ہے

تری ہستی دلِ احساس کو تجلی کی ارزانی
کہ تخئیلِ ضمیرِ عاشقاں کا دلربا تو ہے

تری ہستی سے ہر ساعت ہزار دل لا رکھتی ہیں
جمالِ ہستیٔ کونین کا پردہ کشا تو ہے

شرارِ عشق سے ہی طیش اندوز ہوتی ہے
وہ ہی سیماب بن کر نغمۂ دل سوز ہوتی ہے

آگرہ اسکول کا ایک قدیم ہیرو

"ابوالفاضل رازؔ چاندپوری"

از ——— حضرت خلیق فیض آبادی

شاعری کا مخرج اوّل عرب ہے۔ اور وہیں کے شعراء نے غزل کی ابتدا کی۔ ایران و فارس نے عرب سے اور ہندوستان نے موخرالذکر سے اس کو حاصل کیا۔ عربی شعرا غزل میں اپنا مخاطب صرف صنفِ نازک ہی کو بنایا کرتے تھے، ایرانیوں نے مردوں سے بھی اظہارِ تعشق کیا اور تمام لوازمات مردانہ خط و خال وغیرہ نظم کرنے لگے۔ جن کا اتباع شاعرانِ ہند نے کیا اور اس قدر پستی میں اتر آئے کہ فنی شئی کا عنصر بھی غزل میں داخل کر دیا۔ میرؔ و سوداؔ کے زمانے سے داغؔ و امیرؔ کے دور تک اس طرزِ سخن کا بڑا زور رہا بلکہ اکثر شعرائے لکھنؤ اب تک اسی تبذلِ انداز بیان کے شکار رہیں۔ اسکی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ ہند نے صحیح معنی میں فارسی شاعری کا تتبع نہیں کیا۔ فارس کے سحر طراز شاعر جہاں نعیم اکرام خسروانہ کی امید میں کسی بادشاہِ وقت کی تعریف و مدح میں غلو کرتے تھے۔ وہیں اکثر و بیشتر اصلیت کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ مگر ہمارے ہندوستانی شعراء قصیدہ و نظم حتیٰ کہ غزل بھی اسی لالچ میں کہتے تھے۔ کہ والیانِ ملک سے انعامات حاصل کریں نتیجہ یہ ہوا کہ ادب و شعر کی رعنائیاں نذرِ شاہدِ گیسو ہو کر رہ گئیں۔ البتہ ہم صرف خواجہ میر دردؔ کا دامن اس بدنما داغ سے پاک دیکھتے ہیں ان کا کلام باوجود متانت و سنجیدگی کے تغزل کا بہترین نمونہ ہے۔ اور جہاں تک تصوف کا تعلق ہے۔ عصرِ حاضر کے اردو شعراء خواجہ صاحب ہی کا اتباع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ایران میں فغانیؔ نے اور ہندوستان میں غالبؔ و مومنؔ نے اپنی دقیقہ سنجی سے کلام کو عوام کی سطحی نظر سے بہت بلند کر دیا۔ اور بیان کے وہ لطیف پہلو نکالے کہ جن پر شاعری جس قدر ناز کرے کم ہے۔

غالبؔ پرستی اور مومنؔ شناسی کے اس دورِ جدید میں دردؔ کا تصوف، غالبؔ و مومنؔ کا اسلوبِ بیان کامیاب شعراء کے کلام میں موجود ہے۔ لیکن سوقیانہ مضامین اور مبتذل خیالات کی عادی طبیعتیں اُن سے لطف اندوز نہیں ہو سکتیں اور یہی وجہ ہے کہ سطحی نظریں آگرہ اسکول کے قدیم ہیرو ابوالفاضل رازؔ چاندپوری تلمیذِ ارشد حضرت مولانا سیمابؔ اکبرآبادی کے کلام کی گوناگوں خوبیاں دیکھنے سے عاجز ہیں۔

اس مایۂ نازِ روزگار شاعر کا معاصرین میں بہت بلند مرتبہ ہے گو مقابلہ و مجادلہ سے ہی فضائے ادب کو متعفن و مکدر نہیں کرتا جاتا۔ ورنہ معلوم ہو جاتا کہ بہت سے ناکام شاعر اپنی خوش الحانیوں کے باعث مشہور و معروف ہو گئے ہیں۔ برخلاف اس کے حضرت رازؔ جو بزمِ ازل سے ایک نکتہ رس اور فکرِ بلند دل لے کر آئے ہیں۔ ابتذال و ترنم کو شاعرانہ شان و شوکت کے منافی سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ۔ ع

www.taemeernews.com

شکل نہیں کہ گرمیٔ محفل نہ بن سکوں   لیکن میں اپنے رنگِ طبیعت کو کیا کروں

یہ واقعہ بھی ہے۔ تاہم سخن سنج حضرات سے یہ بات مخفی نہیں کہ حضرتِ رازؔ حقیقی اور خلقی شاعر ہیں۔ وہ آگرہ اسکول کے ایک روشن چراغ ہیں۔ جن کی ضیاؤں سے مستقبل جگمگائے گا وہ اپنے استادِ محترم حضرت علامہ مولانا سیمابؔ مدظلہ العالی کی حقیقی یادگار، اُن کے صحیح معنوں میں مقلد اور مولانا کے پرستاروں میں بہت نمایاں اور فائق ہیں۔ اور وہ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ یعنی :—

رازؔ ہیچ اسرار یہ دارِ رازِ فطرت ہے

غزل کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ شاعر جذبۂ حسن و عشق کے تحت سب کچھ نظم کر سکتا ہے۔ اس پر بھی اگر کوئی خیال کیفیاتِ روحی سے متعلق نہ ہو تو حکما اُس کو نغزِ خارج از آہنگ تصور کرتے ہیں۔

جناب رازؔ چاندپوری کا بہت مختصر سا کلام میرے پیشِ نظر ہے۔ مگر میں حیران ہوں کہ کس شعر کے اوصاف بیان کروں اور کس کو قلم انداز کر دوں۔ یعنی ہر شعر تراکیبِ الفاظ، بلند خیالی، فلسفۂ حسن و عشق، محاکات، سلاست اور اسرار و معارف کا بجائے خود ایک جامِ پرکیف ہے۔

غالبؔ و مومنؔ کا مخصوص اندازِ بیان یہ تھا کہ شعر میں کچھ ایسے محذوفات رکھ دیتے تھے۔ کہ سامع یا قاری کا ذہن خود بخود معانی کی طرف رہبری کرتا تھا اور اس طرح موضوع میں بھی گونہ لطافت پیدا ہو جاتی تھی مثلاً

جیبِ دوست لائقِ لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں   (مومنؔ)

قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم
گری تھی جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

حضرتِ رازؔ کے یہاں اس طرزِ ادا کے اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں۔

کیوں روکتا ہے واعظِ آشفتہ سر مجھے   ہلکا کروں گا بارِ غمِ روزگار کو
حیف اے کامیابِ بزمِ جہاں   اب زباں پر بھی اُس کا نام نہیں

سنتا ہوں آج کل ہے صہبائے عشق سستی   صہبائے عشق! آ جا تو ہے ہوس پرستی
بے ادب کم ظرف خود بیں بد زباں بد طینت   یاد رکھ اس میکدے میں دور کا دستور ہے
تیرے صدقے نگاہِ جانانہ   کوئی اپنا ہوا نہ بیگانہ

جدتِ اسلوب

تراکیبِ الفاظ و جدتِ ادا سے معمولی اور پامال مضامین کو دوبارہ زریں بنا دینا جدتِ اسلوب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بندش سے بلند تخیل بھی اُس وقت تک بیکار رہتی ہے۔ جب تک بیان میں نزاکت و جدت نہ ہو اور کچھ اسی سے شاعر کی قادر الکلامی کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ حضرت رازؔ کی یہ حکیمانہ خصوصیت بھی ذیل کی مثالوں سے واضح ہوتی ہے۔

شعرائے حال و ماضی نے حسن کی بے التفاتیوں کا اظہار صدہا طریقوں سے کیا ہے۔ مگر کیا کہیں اس لطافتِ بیان کی بھی نظیر مل سکتی ہے؟ ہزار افسوس

گناہگارِ وفا کا نصیب کیا کہنا   ہزار حسنِ عمل پر بھی کامیاب نہیں

دو راہ کا مضمون عام طور پر شعراء کا مطمحِ نظر رہا ہے۔ اور بدیں وجہ نہایت فرسودہ ہو چکا ہے۔ مگر حضرتِ رازؔ کے حسنِ بیان نے اُس کو بھی پرلطف و رنگیں بنا دیا ہے ؎

شاہدانِ رہِ وحدت کیا کہوں تم سے   قدم قدم پہ لئے سجدہ گر پڑا ہوں میں
لئے جاتا ہے ترکستاں کی جانب   عجب گمراہ میرا راہبر ہے

یعنی وہ مجاز کی طرف لئے جا رہا ہے اور میں راہِ حقیقت پر گامزن

شعراء نے آسمان کے ڈھا دینے کی کیا کیا تدبیریں نہیں کیں۔ کسی نے نالۂ گرم سے آبلے ڈالدئے جو مہ و انجم بن کر چمکے، کوئی اتنا ہی کہہ کر رہ گیا کہ افسوس میری آہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ مگر جناب رازؔ حدِ ادب سے آگے بڑھنا گستاخی سمجھتے ہیں اور یہی سچے عاشق کی شان بھی ہے ؎

کچھ پاسِ ادب ہے ورنہ واعظ   یہ چرخ یہ فتنہ ساز کیا ہے

دوسری جگہ اسی سے ملتا جلتا خیال نہایت پرکیف انداز میں ادا کیا ہے

www.taemeernews.com

بجلی ہے نازِ محبت بجا ہی فخر وفا — مگر ہیں یہ حد و دِ نیازِ شک محدود

ایک خیال کو بار بار نظم کرنا اور اس خوش اسلوبی سے کہ ذوقِ لطیف پر گراں نہ گذرے معمولی شاعر کا کام نہیں۔ آئیے ذریب کاری عالم کو متعدد صورتوں میں ملاحظہ کیجئے ؎

دوست دشمن ہیں یا ہیں دشمن دوست — کیا زمانہ ہے کیا قیامت ہے
یارا بار وفا کا حسنِ عمل نہ پوچھو — نامِ وفا جہاں میں بدنام ہو گیا ہے
یہ سچ ہے واقعی سچ ہو کر خود نما ہوں میں — زیبِ دہر کو اب عام کر رہا ہوں میں
ذکرِ خدا ہے کافر خود بیں کی بزم میں — کچھ بھی نہیں ہے شیوہ ارباب فن کو در د
یہ حسنِ سخن یہ خوش کلامی — لے جانِ خلوص راز کیا ہے

غرض کہ حضرت راز ایک مضمون کو ہزار طریقوں سے ادا کر سکتے ہیں اور لطافت میں بھی کمی نہیں ہوتی

اسرار و معارف

جلوۂ شاہدِ حقیقت کہاں نہیں موجود ہے؟ لیکن
"آنکھ والا ہو تو دیکھے جلوہ ہائے رنگ رنگ"

ہمارے شعرا ہمیشہ سے اس موضوع پر اپنا اپنا کمال دکھاتے چلے آرہے ہیں اس لئے یہ اس قدر پامال ہو گیا ہے کہ مشکل ہی سے کوئی نئی بات مل سکتی ہو مگر کسی مضمون میں کوئی اضافہ ذرا سی کر دینا یا پیشتر سے لطیف و نادر طرز ادا میں ادا کر دینا بھی محاسنِ شاعری میں لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اشعارِ ذیل جو اسرار و معارف کی نمایاں خصوصیات کے حامل ہیں۔ قابلِ ذکر ہیں ؎

یہ دنیا جو بظاہر اک نمودِ حقیقت ہے — بہارستانِ معنی ہے نگارستانِ فطرت ہے
آئے کہاں ہو بے خبر رازِ بتکدہ — کمبخت کہہ رہا تھا یہ اُس کا مکاں نہیں
آنکھ والا ہو تو دیکھے جلوہ ہائے رنگ رنگ — شاہدِ کل جلوہ فرما ہے حجابِ ناز میں
ہدایت رہ دوست کیا کہوں تجھ سے — قدم قدم پہ ہے سجدہ گر پڑا ہو نہیں
سر بہ سجدہ ہو بتکدے میں راز — بس یہی حد حق پرستی ہے
مطلعِ انوارِ وحدت ہے جبینِ برہمن — سجدہ بے لوث نے ناقص کو کامل کر دیا
ذرے ذرے سے عیاں شانِ خود آرائی کی — کثرت جلوہ گری شاہدِ یکتائی ہے

دیدار ہیں آئینۂ حسنِ معنیٰ — کنجِ خلوت میں عجب انجمن آرائی ہے
مطلعِ ہر حقیقت ہے دلِ حق آگاہ — ذرے ذرے میں جو ہاتھ سن کی خلائی ہے
جو نہ جاتی ہو کوئے جاناں تک — کوئی دنیا میں ایسی راہ نہیں
خلوتِ دل عجیب خلوت ہے — سب کو اس پر گماں ہے محفل کا
کیا بتاؤں کہ آدمی کیا ہے — اک نمونہ ہے حسنِ کامل کا
رازدانِ حریمِ جانانہ — مثلِ تصویر محوِ حیرت ہو
کوئی کعبہ ہے کفرستانِ الفت — کہ ہر کافر کو انساں دیکھتا ہوں

اگر ایک بندۂ محبت شاہدِ حقیقت کو جلوہ فرما دیکھ کر ہر شے کے سامنے سر بسجدہ ہو جائے تو ظاہر بیں نگاہیں یقیناً اُس پر کفر کا فتویٰ لگا دیں گی لیکن یہی محبت و حق کیشی عین انسانیت ہے۔ اب آخر شعر کو پڑھئے اور لطف لیجئے ؎۔

کوئی کعبہ ہے کفرستانِ الفت — کہ ہر کافر کو انساں دیکھتا ہوں

ایسے حق کیشانِ محبت کا اجتماع بیت اللہ ہی میں ہو سکتا ہے۔
سبحان اللہ، سبحان اللہ۔

شاعرانہ مصوری

آرٹسٹ زیادہ سے زیادہ خد و خال کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔ جذبات و کیفیاتِ قلبی کی مصوری نہیں کر سکتا۔ تمثیلاً علامہ سیماب اکبر آبادی کا یہ شعر ذہن میں محفوظ کیجئے

ہجومِ غم سے ٹپکتی تھی چشمِ تر کل تک — وفورِ اشک سے آج آشیاں ٹپکتا ہو

اشک، آشیاں اور آنکھ کی تصاویر مصور الگ الگ کھینچ سکتا ہے مگر کیا جس جذبے کا نقشہ شاعر شعر میں کھینچ رہا ہے۔ یہ بھی اُس کے امکان میں ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں وہ اس جگہ پر قلم ٹیک دیتا ہے۔ یہ شاعر اور صرف شاعر کا حصہ ہے کہ محاکات و انتخابِ الفاظ سے بعینہٖ اصل چیز کو پیش کر دیتا ہے۔ حضرت راز کے کلام میں اسکی بھی کمی نہیں۔ ان اشعار کو پڑھئے اور وجد کیجئے ؎

تجدیدِ ارتباط بعنوانِ نو ہوئی — دیتا ہوں داد میں نگہِ نیم باز کی

www.taemeernews.com

نازاں ہوا اپنی بحث پہ رعنائی خیال　اک شاہکارِ صنعتِ آذر لئے ہوئے
سر بہ سجدہ کون ہے یہ آستانِ غیر پر　غالباً کوئی ساز منزلِ تدبیر کا
رازدانِ حریم جانانہ　شبلِ تصویر محوِ حیرت ہے

نفظِ تصویر جس تحیر و استعجاب کو ظاہر کرتا ہے۔ اُس کی تصویر نہیں کھینچی جا سکتی۔ اور شعر اوّل میں نگہ نیم باز کی داد جس طرح شاعر نے دی مصور ہرگز نہیں دے سکتا۔ تجدید ارتباط' بعنوانِ نو' نگہ نیم باز اپنی اپنی جگہ پر اٹل ہیں

فلسفہ یا رموز و نکات

طبقۂ عوام خدا معلوم کس چیز کو فلسفہ سمجھتا ہے۔ جہاں کسی بڑے شاعر کا کوئی شعر سنا اور سمجھ میں آیا تو اس شعر پر فلسفیت کا حکم لگا دیا یا یوں ہاتھ کا کھیل ہو گیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ شعر کے اصل محاسن کیا ہیں ؟ مگر وہ فلسفہ جو شاعری سے متعلق ہو سکتا ہے۔ صرف حسن و عشق کے نکاتِ سربستہ کو دلکش پیرایۂ بیان میں اٹھا کر دینا ہے۔ اور جناب رازؔ جوان رموز و نکات سے واقف ہونے کے باوجود قلب میں احساساتِ لطیف بھی رکھتے ہیں۔ اسی لئے پرعمل پیرا ہیں آپ کو صدہا ایسے اشعار ان کے کلام میں ملیں گے۔ صوفیائے کرام اصطلاح سلوک میں حسن و عشق کو وحدت الوجود کہتے ہیں ؎

نہ خود پرست، نہ خود بیں، نہ خود نما ہوں میں
کسی کے حسن کا افسانہ کہہ رہا ہوں میں

صفات و ذات میں تفریق کیسی　حقیقت ہی نہیں تو آشنا کیا
حسنِ پنہاں کا ایک مظہر ہوں　کتنی روشن مری حقیقت ہے
مصلحت تھی یہی کہ دنیا میں　میں رہا بندۂ خدا ہو کر
ذرے ذرے سے عیاں شانِ خود آرائی ہے　کثرتِ جلوہ گری شاہدِ یکتائی ہے

عشق خود خالقِ حسن ہوتا ہے ؎

پیشِ نگاہ جلوے جمال و جلال کے　نیرنگ تو نہیں مرے حسنِ خیال کے

عاشق کو کسی حالت میں حدودِ نیاز سے باہر قدم نکالنا زیبا نہیں ؎

نوازشات و عنایاتِ چشمِ ناز بجا　مگر تو دل کو رہین نیاز رہنے دے
کہدے کہ خطا ہوئی کرم کر　گستاخ یہ قیل و قال کیا ہے

زیادہ تفصیل میں مضمون طویل ہو جائے گا۔ اس لئے صرف چند اشعار ہی پر کفایت کرتا ہوں ؎

خلوتِ دل عجیب خلوت ہے　سب کو اس پر گماں ہے محفل کا
اچھے بُرے کا جس کو کچھ احساس نہ ہوگا　دنیائے عشق میں وہ کیا سرفراز ہوگا
میری نظر تو تیرے جلووں کو دیکھتی ہے　محمود کی نظر میں حسنِ ایاز ہوگا
بے غرض سجدے میں کچھ طلبِ جبیں سائی ہے　داد سجدہ، طلبِ سجدہ کی رسوائی ہے
نیازِ عشق حریفِ غرورِ حسن ہوا　فتادگی میں ملا مجھ کو گوہرِ مقصود
بجا ہے نازِ محبت بجا ہے فخرِ وفا　مگر ہیں یہ حدودِ نیاز تک محدود

ایجاز

آئے دن غزل گوئی کے خلاف جدوجہد ہوتی رہتی ہے۔ پھر بھی یہ نافانی شے مٹتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اس کی بقاؤ حیات کا سب سے بڑا راز اس کا ایجاز و اختصار ہے۔ ایک بڑے سے بڑا تخیل جو شکل سے کسی بڑی نظم میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ غزل کے دو مصرعوں میں ادا ہو جاتا ہے۔ اور اگر شاعر صنفِ شاعری پر قادر ہے۔ تو وہ غزل کی چھوٹی سے چھوٹی بحر میں بھی صرف ایک شعر میں طویل خیال کو حسین و پُر کیف پیرائے میں نظم کر دیتا ہے کلامِ رازؔ میں ایسے جواہر پارے بکثرت ملتے ہیں ؎

نہ جانے ہو گئے جاناں تک　ایسی دنیا میں کوئی راہ نہیں
کیا بتاؤں کہ آدمی کیا ہے　اک نمونہ ہے حسنِ کامل کا
رازدانِ حریمِ جانانہ　شبلِ تصویر محوِ حیرت ہے
لگے وقتوں کی بات رہنے دے　آجکل بھی ہے کیا کوئی غمخوار
کیا کہا ایک بار پھر کہنا　ہائے ظالم شراب سستی ہے
مصلحت تھی یہی کہ دنیا میں　میں رہا بندۂ خدا ہو کر
سر بسجدہ ہو بتکدہ میں رازؔ　بس یہی حدِ حق پرستی ہے

www.taemeernews.com

اس حد کی تعریف حدِ امکان سے باہر ہے۔

خمریات شراب کا موضوع پہلے بھی چند مخصوص شعرائے ایران وہند کا طرۂ امتیاز رہ چکا ہے اور اب بھی کچھ لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مگر اربابِ علم نظر ابھی نظروں سے نہیں دیکھتے۔ اُن کو یہ کون سمجھائے کہ ؎

مطلب سعدی ست پنہاں در غزل
راز ذکرِ مے برائے نام ہے

"مطلب سعدی ست" کو پیشِ نظر رکھ کر مندرجۂ ذیل اشعار کو پڑھئے اور خود ہی انصاف کیجئے کہ خمریات میں اس ماہرِ فن کا مرتبہ کس قدر بلند ہے

کیا کہا" ایک بار پھر کہنا
ہائے ظالم شراب سستی ہے

نگاہِ بادہ پرستاں ہے دستِ ساقی پر
نگاہِ ساقی رعنا کو دیکھتا ہوں میں

کیوں روکتا ہے واعظِ آشفتہ سر مجھے
ہلکا کروں گا بارِ غمِ روزگار کو

فکرِ بیش و کم نہ کر اے میکشِ عالی مقام
تیرے ساقی کی نظر میں تو ہر اک پیمانہ ہے

ساقی خدا گواہ کہ عادت نہیں مجھے
دیتی ہے دادِ توبہ مگر دورِ بہار کی

صنائع و بدائع لفظی بعض شاعر لفظی صنعتوں میں پھنس کر شعر کی معنوی خوبیاں کھو بیٹھتے ہیں۔ جو کسی طرح مستحسن نہیں کہا جا سکتا۔ کمال تو جب ہے کہ صنائع و بدائع لفظی کے ہوتے ہوئے بھی ذہن معنویت سے دست و گریباں ہو کر رہ جائے۔ البتہ غور کرنے پر یہ معلوم ہو سکے کہ معنی کے علاوہ لفظی محاسن بھی شعر میں موجود ہیں۔ حضرت رازؔ اس شاعرانہ حسن کو ہاتھ سے کبھی نہیں جانے دیتے ؎

یہ فصلِ بہاری یہ خوش کیف منظر
تو کیا آج تو یہ احسان نہ ہوگا
(لف و نشر مرتب)
ایک خواب کے سب ہیں حلقہ بگوش ہم
ہم فقیروں میں کوئی شاہ نہیں

نازِ محبت بجا ہے فخر وفا
مگر نہیں یہ حدودِ نیازِ کمک محدود

کافر صفت ساقی کوئی بیخوار نہیں
حیف یہ بادہ پرست ایک بھی دیندار نہیں

(طباق)

میری نظر نے تیرے جلووں کو دیکھی ہے
محمود کی نظر میں حسنِ ایاز ہوگا

چل تو ہی حوصلہ کر دیدم کشن کر تازہ
ارنی گو کوئی اے رازؔ سرِ طور نہیں

(تلمیح)

ہمدرد و ہمنوا ہے مخلص ہے اپنا ہی
اے خوش بیاں خدارا کیا بات کہہ رہا ہے

اے آبروئے بزمِ محبت خفا نہ ہو
کہتا ہے کون تجھ سے کہ تو خود فروش ہے

(ایہام)

وجدانیات شعر کی روح جذبات ہیں۔ لیکن جذبات سے مراد الفاظ یا زیادہ نہیں۔ جیسا کہ عوام سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ کیفیات روحی ہیں۔ جو دل و دماغ پر عالمِ وجد و حال طاری کر دیتے ہیں۔ اور چونکہ حضرتِ رازؔ چاندپوری جذباتی شاعر ہیں۔ ان کا سارا کلام وجدانیات سے پُر ہے۔ مثال کے طور پر کچھ اشعار ملاحظہ کیجئے۔ ان میں جوش و مستی کے علاوہ بے ساختگی و روانگی بدرجۂ اتم موجود ہے ؎

مجھکو ہمیں جمال کی بجلی سے پھونک دے
اب کون تاب لا کے جلوۂ تری جلوہ گاہ کی

یہ فصلِ بہاری یہ خوش کیف منظر
تو کیا آج تو یہ احسان نہ ہوگا

رازدانِ حریمِ جانانہ
شغلِ تصویر محو حیرت ہے

بے غرض سجدہ ہیں کچھ لطفِ جبیں سائی ہے
دادِ سجدہ طلب سجدہ کی رسوائی ہے

کرتا ہوں دل کو دردِ خیالِ بہار کو
کب تک منائیں وہ دن فلکِ فتنہ کار کو

بہت رنگیں ہے دلکش ہے جوابِ صبحِ جنت ہے
مگر یہ شامِ غربت کیا کہوں میں شامِ غربت ہے

نازاں ہے اپنے بخت پہ رعنائی جمال
اک شاہکارِ صنعتِ آذر لئے ہوئے

تکلفاتِ قیام و سجود ہیں بے سود
پڑا تو میں توڑوں گا یہ رسوم و قیود

خدا کا شکر ہے بس اور کیا کہوں اے رازؔ
وطن سے دور بہت دور ہو گیا ہوں میں

افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی کے باعث سطورِ بالا میں حسبِ دلخواہ کلامِ رازؔ کے اوصاف نہیں دکھائے جا سکے جس کی تلافی انشاء اللہ تعالیٰ کسی اور موقع پر کر دی جائے گی۔ سردست ایک پُرکیف غزل نقل کر کے مضمون ختم کیا جاتا ہے ؎

غزل

پریشانِ خود نمائی یہ جوشِ خود پرستی — دیوانہ ہو گیا ہے از ننگ بزمِ ہستی
سنتا ہوں آجکل ہے صہبائے عشق سستی — صہبائے عشق اگر ہے تو ہے ہوس پرستی
اے بوالہوس خدارا یہ دعوائے باطل — کہتے ہیں عشق جس کو وہ ہے دراصل ہستی
ہے پردہ پوش ساقی اب کیا کہوں میں تجھ سے — یہ ظرف اور اس پہ دعوائے مے پرستی

تو اور دلنوازی ہاں ہاں غلط نوازی — بس رحم کر خدارا او نیک نام ہستی
یہ زور و شور قرباں سو جان سے تری آن — میری شکستہ کشتی ہے اور ہے بحرِ ہستی
کیا بات کہہ رہا ہے تو کس سے کہہ رہا ہے
دنیا سے اٹھ چکی ہے اے راز حق پرستی

بقیہ مضمون "آگرہ اسکول" معیارِ تخیل صفحہ ۲۰۴ سے

آنسوؤں کی آبرو ریزی نہ کر اے چشمِ تر — جب تک ان میں ہر قطرہ اک دریا نہ ہو
اور ابھی نظروں کو اپنی وسعتِ نظارہ دے — تو جسے ذرہ سمجھتا ہے کہیں دریا نہ ہو
(برق فتحپوری)

زندگی اک ماہرو دنیا فریبِ ناتمام — کیا یقیں عالمِ خوابِ پریشاں کیجئے
یہ طریقہ بے کہے سب کچھ سنا دینے کا ہے — خامشی کو داستانِ دل کا عنواں کیجئے
برقِ نگاہ بن کر آ میری انجمن میں — او جگمگانے والے جگنو کی پیرہن میں
یہ اختلافِ رنگیں دیکھے ہیں سب نظر کے — جو رنگ ہے سمن میں وہ بو ہے نسترن میں
قیدِ ہستی کی کشمکش سے فضائے آباد میں نکل آ — ہیں یہی تجھ کو نشاں ملیں گے [illegible]
(خلیق ٹونکی)

دل کا صحت کدہ بت خانۂ آذر نکلا — بت شکن جلوہ کعبے تھے وہ بت گر نکلا
ظلمت سرائے قلب کو جنت نشاں بنا — پھر میہماں بنا اسے یا میزباں بنا
احساس کا ہے نام جہاں شادی و الم — احساس کی فضا سے بلند آشیاں بنا
افتادہ ہماری قسمت کی آسودۂ ساحل کیا بنتی — منظر ہے فنا کا پیشِ نظر کانوں میں صدائے ساحل
جب عشق غرض سے آلودہ ہوتا ہے، ہوس بن جاتا ہے
عشق اور ہوس کی وادی میں نازک سی یہ حدِ فاصل ہے
اے راہرو نابلد سمجھ رکھ سوچ کے اس منزل میں قدم
ہر خشت ہے سنگِ راہِ طلب ہر ذرہ حجابِ منزل ہے
(ضیا کاندھلوی)

مریضِ غم کے جینے اور مرنے کی یہ صورت ہے — وہ آجائیں تو زندہ ہے چلے جائیں تو رخصت ہے

تصویر میں ہے تیری اس رنگ کی رعنائی — آنکھوں میں اتاری تھی اور دل میں سمائی
میں کہاں سے لاؤں اتنے دل کہ ہر ذرہ کو دوں — وہ اگر چاہیں تو ہر ذرہ میں دل پیدا کریں
(شوق چاندپوری)

پتہ منزل کا ایسے ڈھونڈھتا ہے آسماں ہو کر — میں پھر انگڑائی لیتا ہوں غبارِ کارواں ہو کر
زمانہ میں رہی کچھ یادگارِ فطرتِ فانی — اگر مٹنا مقدر ہے تو مٹ جا آسماں ہو کر
فضائے عرشِ اعظم میں [illegible] — مری تکبیر میں جو لاہوتی ہے صبحِ آزادی
اگر گنجائشیں ہوتیں نہ میرے رازِ خلقت میں — کہاں انگڑائیاں لیتی تمہاری عالم ایجادی
(ساغر نظامی)

ہر بلند و پست سے ممتاز ہونا چاہئے — آدمی کو آدمیت ساز ہونا چاہئے
ہے بنائے عشق بھی مشکل کہ پہلے آنکھ کو — محرمِ پردہ سرائے ناز ہونا چاہئے
صرف رو لینا نہیں ہے فرضِ احساسِ فنا — ہو سکے تو زندہ او مرگِ انساں بنئے
(منظر اکبر آبادی)

یہ تیری کشمکش ہے انقلابِ مہرو جاں تک ہے — گرانے عشق پر ہے دل کی دنیا کہاں تک ہے
ہے آنسوؤں میں تیرا تصور بسا ہوا — تاروں میں پھر رہا ہوں تجھے ڈھونڈتا ہوا
بیٹھے ہیں پی میں خون کے زنداں میں ہاں تو کیا — شاید کوئی بہار کا قیدی رہا ہوا
قانونِ بزمِ حسن پہ ہے مجھ کو اعتراض — جائز نہ تھا کرم تو ستم کیوں روا ہوا
(آغا زبیر صدیقی اکبر آبادی)

بے مزہ حسنِ عمل پر کس قدر مغرور ہے — کامیابی ہے [illegible]
بات سن واعظِ [illegible] — [illegible]

[illegible]

آگرہ اسکول کا اکبر ثانی

از ——— حضرت عنایت علی صاحب رضوی بی۔اے (علیگ)

بعض محققین کی رائے ہے کہ حقائق فضاء عالم میں لہروں کی طرح متموج ہیں۔ اور ذی حیات میں سے وہ صاحب دل جس میں ان حقائق کے ادراک اور تخیل کی اہلیت ہوتی ہے۔ وہ خود بخود اُن کا اظہار اس طرح کرنے لگتا ہے کہ خود اُس کو بھی یہی یقین ہوتا ہے۔ کہ میں ان خیالات کا موجد ہوں اور اس عالم میں ان خیالات کا اظہار اور اُن کی توسیع میری ہی ذاتِ واحد کی محتاج ہے حالانکہ بقولِ محققین یہ خیالات قدرت کی مہربانیوں یا فیاضیوں یا مدد سے ہر ذی حیات تک پہونچتے ہیں۔ مگر ذی حیات کی قوتِ جاذبہ تخیلہ کی استعداد پر موقوف اور منحصر ہے کہ اُن میں سے جتنے ہوسکیں خود میں جذب کرے اور اپنے بنالے۔ اور اُنکا اظہار اس پیرایہ میں کرے۔ کہ تمام دنیا متحیر ہو جائے بلکہ خود بیان کرنے والے کو بھی یہی محسوس ہو کہ اُسے القاء ہوا ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے۔ کہ پروردگار نے اپنی مخلوق کو مختلف مدارج کے دماغ عطا کئے اور اُن میں حسب قدر استعداد اپنا جلوہ بھر دیا۔ اس جلوہ کی ہستی کچھ اس طرح ان دماغوں پر طاری ہوتی ہے کہ حقائق کا عکس ان پر نمودار ہو جاتا ہے۔ اور وہ خود بخود بےساختہ ان حقائق اور نکات کا اظہار اور انکشاف کرنے لگتے ہیں۔ دنیا اسے الہام اور القاء کے نام سے منسوب کرتی ہے۔

یہ الہام ابتدائے زمانہ سے آج تک ہر زمانہ میں اُن ذی حس ہستیوں کو ہوتا رہا۔ جنھیں قدرت نے اُس کی استعداد عطا فرمائی۔ اُس کو پیغمبری سے کسی قسم کا واسطہ نہیں۔ اور اگر ہے تو بس صرف اسی قدر کہ جیسے اس زمانہ میں ایک قانون داں وکیل کو حکومت کسی عہدۂ منصفی پر مامور کردے اور وہ دوسرا قانون داں باوجود علم قانون کے کسی قسم کا اختیار نہ رکھتا ہو اور کسی طرح اس کی کسی پر حکومت نہ ہو۔ دوسرے ذیل میں شعرائے باکمال آتے ہیں جن کو دنیا پیغمبرانِ اقلیم سخن سمجھتی ہے۔ فارسی شعراء میں بقول شخصے سہ

در شعر سہ کس پیغمبرانند　　ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را　　فردوسی و انوری و سعدی

فردوسی، انوری اور سعدی کو اس پایہ کا مانا گیا ہے۔

ایک شخص کی رائے ہے کہ رزمیہ کلام کہنے والے شاعروں میں دنیا نے ابتک پانچ ایسی زبردست ہستیاں پیدا کی ہیں۔ جو اگر یکجا کی جائیں تو صرف ایک گول میز کے اردگرد بٹھائی جاسکتی ہیں؛ کیونکہ زمانہ کے اعتبار سے البتہ اولیت ہے۔ لیکن کلام کے لحاظ سے کسی ایک کو دوسرے سے بڑھ کر نہیں۔ بتایا جاسکتا۔ دنیا نے سب سے پہلے یونان میں ہومر شاعر کو پیدا کیا جس نے ایلیڈ (Illiad) اور اوڈیسی (Odasey) لکھی اور اس میں کئی لاکھ دیوتاؤں کی باہمی خانہ جنگیوں اور محبتوں کا بیان اس طرح کیا کہ معاشرت و معیشت کی کوئی بات ایسی نہیں رہ گئی جس کا اس میں تذکرہ نہ آگیا ہو۔ ہومر کے بعد دنیا نے ایران کی سرزمین میں فردوسی طوسی کو پیدا کیا جس نے ایرانیوں کی فر[illegible]

www.taemeernews.com

تاریخ کو تذکرہ کی صورت میں اس طرح منظوم کر دیا کہ آنے والے زمانہ کی کوئی بات اس کی نگاہ سے رہ نہ گئی۔ ساٹھ ہزار اشعار کا شاہنامہ لکھا۔ فردوسی ہی تھا جس نے مضامین کے اس زبردست سیلاب عظیم کا اس طرح مقابلہ کیا کہ انھیں منظوم کر کے دنیا کے سامنے شاہنامہ کی صورت میں پیش کر دیا۔ اس کے بعد سرزمینِ ہند کو یہ فخر ہے کہ اس کی آغوشِ مادری میں پل کر جوان ہونے والا ویاس جی ہے جس نے مہابھارت لکھی۔ چوتھا نمبر انگلستان کے زبردست شاعر ملٹن کا ہے۔ جس نے ادھیڑ عمر تک جبتک اس کی دونوں آنکھیں سلامت رہیں ایک شعر بھی موزوں نہ کیا اور اندھا ہوتے ہی جو الفاظ و شعری کا سیلاب عظیم تو پیراڈائز لاسٹ (Paradise Lost) اور پیراڈائز ری گینڈ (Paradise Regained) کی جلدیں کی جلدیں۔ جنتی چلی گئیں۔ زمانہ کے لحاظ سے پانچویں حضرت میر انیس لکھنوی ہیں۔ جن کے مرثیوں میں دو لاکھ سے زائد بند لکھے گئے ہیں۔ زبانیں اگرچہ ان پانچوں شعرا کی مختلف ہیں۔ موضوع مختلف ہیں۔ ان کا زمانہ مختلف ہے۔ مگر انکی طرزِ آن کا اظہار اور طریقِ ادا تقریباً یکساں ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ان پانچوں کا رنگ یکساں ہے۔ اور انیس کو ہومرِ ہند یا فردوسی کو ملٹن ایران یا ویاس جی کو فردوسی ثانی بھی کہنا غلط نہ ہوگا۔ بالکل اسی طرح شاعری کی دوسری اقسام میں اگر ایک شاعر دوسرے شاعر سے ملتا جلتا نظر آتا ہے تو بیساختہ اس کی پہلے شاعر سے مثال دے دی جاتی ہے۔ میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ تشبیہ دینے سے شاعر کی انفرادیت کبھی بھی فنا نہیں ہو جاتی۔ ہر مشابہت میں تضاد اور ہر تضاد میں مناسبت پائی جاتی ہے۔ اور اسی طرح انفرادیت قائم ہوتی ہے ورنہ اگر ہر لحاظ سے ایک شاعر دوسرے شاعر سے بلحاظِ کلام مشابہ ہو جائے تو پھر ان دونوں کی انفرادیت یکجا ہو کر ایک ہی شاعر رہ جائے اور ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ یہ نفسیاتی مسائل ہیں۔ جن سے اس نظریہ کے اسباب پر زبردست روشنی پڑتی ہے۔ یہاں صرف مقصد اسی قدر ہے کہ اختلافِ زمانہ اختلافِ ملک اختلافِ معاشرت کے باوجود بھی بلحاظ ایک کلام کے دو شاعر ایک دوسرے سے بہت کچھ مشابہ ہو جاتے ہیں۔

اسکی مثال میں یہاں لسان العصر حضرت اکبر حسین مرحوم اکبر الہ آبادی سشن جج اور اجمیر شریف کے جناب شاعر الملک شیخ محمد علی صاحب تیرا سعدی اجمیری پیش کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ دونوں کے کلام میں بہت کچھ مشابہت ہے۔ جس کا اقتباس بطورِ نمونہ آگے چل کر درج کیا جائے گا۔

حضرت اکبر مرحوم باوجود سشن جج کی مصروفیتوں کے اس قدر اشعار کا ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ آخر ان کو اس قدر اشعار کہنے اور لکھنے کی فرصت کس وقت ملی یا وہ کوئی اشعار ڈھالنے کی بجلی سے چلنے والی چار سو پچاس دورنی منٹ کی مشین تھے جس سے اشعار کے انبار نکل آتے تھے۔ اس سے ہمی مذکرہ الصدر بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ حقیقی معنوں میں قدرت کے مقرر کردہ شاعر تھے۔ جن کی ذات سے قدرت کو بنی آدم کی بہتری کا ایک زبردست کام لینا تھا۔ اکبر مرحوم نے جہاں شاعری کی دیگر اقسام میں بہت کچھ ہم لوگوں کے لئے چھوڑا ہے۔ وہاں انکی رباعیات اور قصائد جن میں ہندوستان کی سوشل اور پولیٹکل ناقص حالت کا فوٹو کھینچتے ہوئے ہنسی ہنسی میں خستہ حالی کا مذاق اڑایا ہے۔ اور وہ بھی آجکل کی روزمرہ اردو میں جس میں ایک حد تک انگریزی کا استعمال عام طور پر ہے۔ اردو ادب میں ایسا بیش قیمت اضافہ ہے یا یوں کہئے کہ اردو ادب پر ہی نہیں بلکہ ہم تمام ہندوستانیوں پر ایسا احسان کیا گیا ہے۔ کہ جب تک ہندوستان میں اردو زبان بولی اور سمجھی

www.taemeernews.com

جائے گی۔ اس احسان کا بدلہ نہیں ہو سکے گا اور نہ یہ احسان دل سے فراموش ہو سکے گا۔

حضرت اکبر مرحوم کا کلام حقیقت پر مبنی ہوتے ہوئے سادہ مگر پُر جوش الفاظ سے لبریز ہے اور یہی شعر کی خوبی کا معیار اصلی مانا گیا ہے ایسے شعرا جن کی شاعری اس نظریہ کی تائید میں پیش کی جا سکے۔ اردو میں اس قدر کم ہیں کہ انکی گنتی صرف انگلیوں ہی پر کی جا سکتی ہے۔ اسکی وجہ ظاہرا یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح ضروریات زمانہ نے ہر انسان کو مختلف ماحول اور مشاغل کی وجہ سے مختلف جماعتوں میں منقسم کر دیا ہے۔ اور باہمی امتیازات قائم کر دئے ہیں۔ اسی طرح اقتضائے فطرت اور فطری میلان کا اشتراک کے باوجود شاعر کے رنگِ کلام میں اچھی خاصی مغائرت نمایاں ہو گئی ہے عام انسان اور شاعر میں یہ اور صرف یہ فرق ہے کہ وہ دنیا کو اپنے لئے دیکھتا ہے۔ اور شاعر دوسروں کے لئے دیکھتا ہے یا اسے دنیا دکھائی جاتی ہے۔ جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے غالباً یہ ایک حقیقت ہے کہ شاعر کا دماغ خارجی دنیا سے اپنے لئے مضامین فراہم کرتا ہے۔ اور پھر خارجی تاثرات اور ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ تاریخ اد.. اردو اس امر کی شاہد ہے کہ ہر شاعر اپنے زمانے کا تذکرہ کئے بغیر نہ رہ سکا اور جس دور میں وہ خود ہوا اس دور کا اثر اس کے کلام پر بلاواسطہ پڑ کر ہی رہا۔ شاہانِ اودھ کی طرز زندگی اور انکی مشغولیتوں کا اثر لکھنو کے اس زمانہ کے ہر کس و ناکس پر پڑا تو غریب شاعر کیسے مستثنیٰ ہو سکتے تھے۔ اُن کے کلام پر بھی اثر ہوا۔ اور خوب ہوا۔ چنانچہ اُن کے آدم شاعری مصحفی سے لیکر جلال تک جتنے شعرا ہوئے۔ سب کا معیار شعر خالص بازاری اور بیباک گستاخ معشوق کی اداؤں کی تصویر کشی اور زلف و رُخ کی یاد میں مست رہ کر معشوق کے جوبن اور محرم کی تعریف میں دون کی لینا۔ اور پازیب کی جھنکار اور بیباک محفل آرائیوں کی دھن میں رقصاں اور سرشار رہنا اس وجہ سے تھا کہ دورِ شاہی میں لکھنو کا مذاق ہی پست تھا۔ اور وہاں کی معقول جماعت کی ذہنیت نہایت عامیانہ ہو گئی تھی۔ اب ایسی حالت میں اگر شاعر مذاقِ عامہ کے خلاف کچھ کہے تو اسے مقبولیت اور ہردلعزیزی کیونکر حاصل ہو سکے؟

جس شخصیت نے اردو شاعری سے ان تمام لغویات کو دور کر کے اردو شاعری کو پاک کیا اور شعر کو صحیح معنوں میں شعر بنایا اور شاعری کے مجددِ اعظم ہونے کا سہرا اپنے سر باندھا۔ وہ لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم ہی کی ذات تھی۔ انہی کی بدولت اردو شاعری اپنی پستیٔ مذاق اور عریاں نگاری کے قعرِ مذلت سے نکالی گئی اور مہذب سوسائٹی میں وقعت کے مرتبہ پر پہونچی۔ یوں تو ان سے پہلے حالی اور آزاد قوم کو دردانگیز مرثیے سنا چکے تھے۔ مگر ان کا محض ایک ہنگامی اثر ہوا۔ اکبر مرحوم نے ان دونوں سے الگ ہی ایک شاہراہِ عمل اختیار کی یعنی دنیا کو ہنسا ہنسا کر رُلایا۔ اور مردہ قوم کو گدگدا گدگدا کر جگایا۔ اب کیا تھا۔ دیوبند کی خانقاہِ تقشف اور علی گڑھ کے کلیسائے تفریح سے لے کر پردہ نشین دیویوں کے حریم ناز تک اُن کے اشعار کا چرچا ہونے لگا۔

یہ بیان کرنا یہاں ضروری ہے کہ جس طرح حضرت اکبر کی شاعری کا رنگ اور انداز بیان اُن کا اپنا خاص رنگ تھا اسی طرح اُن کی زبان بھی خاص تھی۔ اُن کی لغت شعری میں اونٹ سید۔ انجن۔ ماسٹر۔ ریل۔ گائے۔ ہوٹل۔ شیخ۔ جمعہ۔ اور اسی قسم کے متعدد الفاظ کے معنی ہی دوسرے ہیں۔

www.taemeernews.com

حضرت اکبر کا اجتہادِ شعری بڑے عرصہ تک معرکتہ الآرا بحث بنا رہا۔ اور زلف' دوچوٹی پہننے والے اساتذۂ لکھنؤ نے اُن کو تسلیم نہ کیا۔ لیکن مرحوم اُن کے حملوں کے جواب میں ہمیشہ ؎

تم سے اُستادوں میں میری شاعری یکتا ہی
ساتھ سارنگی کا بلبل کے لئے دشوار ہی

کہہ کر خاموش ہو گئے۔

مرحوم کی شاعرانہ ذہنیت عجیب وغریب ہے۔ وہ اردو کے دیگر اساتذہ کی طرح "شیخ" سے متنفر ہیں۔ مگر اس لئے نہیں کہ وہ شراب کی مذمت کرتا ہے۔ ساغر ومینا کا دشمن ہے۔ اور شاہد پرستی کا مخالف بلکہ اس لئے کہ بڑی حد تک بندۂ شکم۔ زن مرید اور بہروپیا ہے۔ اُس کا باطن اس کے ظاہر کا برعکس ہے۔ اور روز بروز جدید روشنی کے اثرات سے متاثر ہو جاتا ہے۔ اسکی اخلاقی پستی اور گراوٹ بھی قابلِ نفریں ہے۔ سیاستِ حاضرہ اور تغیراتِ زمانہ سے قطعی بے خبر اور تکفیر وتفسیق اس کا خاص حربہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادات   وضو کی اور مناجاتِ سحر کی
مگر ہاں چائے پی کر حسبِ دستور   تلاوت کرتے ہیں وہ پائنیر کی

رنگِ زمانہ طرزِ طبائع کا بھی ہے پابند   تقوے کا گو خیال بہت ہے جناب کو
مرعوب ہو گئے ہیں ولایت سے شیخ جی   اب صرف منع کرتے ہیں دیسی شراب کو

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے ہیں مگر   گھر میں بیٹھے ہوئے دالتین پھاڑا کرتے ہیں
شیخ کی وہ وضع نہیں شیخ کی داڑھی نہیں   دوستی مذہب سے ہی پر اسقدر گاڑھی نہیں

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہہ دیا   آپ بی۔ اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے
اس زمانہ میں شکنجے دیکھ کر قانون کے   شیخ نے ہجرت کی طرف بنیلون کے

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ   رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

سڑک میں مانگ ہے چلیونکی اور بیٹونکی   کچہریوں میں طلب ہے گریجوایٹوں کی
یہیں ہے مانگ تو بس زید اور عمرو کی   خرابی ہے تو فقط شیخ جی کی بیٹوں کی

حضرت اکبر اس کے بہت مخالف تھے۔ کہ جا وبیجا مغرب کی تقلید کی جائے۔ اور یہ دیکھکر بے حد رنجیدہ ہوتے تھے کہ مشرقی تہذیب وتمدن کو چھوڑ کر ہندوستانی مغربیت پر دلدادہ ہو رہے ہیں۔ نئی روشنی کے اثرات اور کالج کے طلبا کی تنقیص میں آپ نے بہت کچھ فرمایا ہی چنانچہ فرماتے ہیں۔

ان میں موجِ مغربی مجھ میں ہوائے مشرقی   حضرت گزٹ میں غرق ہیں بندہ ہے غزلوں میں بہک

واسطہ کم ہو گیا اسلام کا قانون سے   دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

دلوں پر ملتے جاتے ہیں چھاپے شیکسپیر   پڑھو گے حضرتِ سعدی کی بوستان کب تک

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز   بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

کونسلوں کالجوں اور ہسپتالوں کے اجراسے مادی وظاہری منفعت پہونچا کر حکومت نے جو ہندوستانی مذہب کی تخریب کی ہے اور جو ہند کی تہذیب کو خراب کیا ہے۔ اکبر مرحوم کی نگاہ میں حکومت کی پالیسی نہایت غلط اور خطرناک ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ہوئے اسقدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا   کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جاکر

ہوٹل میں برہمن نے اگر بھوگ لگائی   سمجھو کہ دھرم کو یہ بڑی روگ لگ گئی

www.taemeernews.com

گھوگھا گھپ حسرت دنیا کی ہٹری میں   اندھیرا ہوا ہے بجلی کی روشنی میں

ملک کی خستہ حالی اور ملکی سیاست پر ہر موضوع اور ہر بحث پر حضرت اکبر نے کچھ نہ کچھ فرمایا ہے۔ بالتفصیل اگر تمام مضامین کو بیان کیا جائے تو علیحدہ ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہو، یہاں مختصراً کچھ لکھ دیا گیا۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔ ؎

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند   یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن رام ہے ہند
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش   یورپ کے لئے بس ایک گودام ہے ہند

بھائی خرد دوست اب ہند و بادشاہ انگریز ہے   آپ کی فکر ترقی اختلاف انگیز ہے

گرجا میں لاٹ صاحب مسجد میں شیخ صاحب   بدھو فلاسفی کے کمرے میں شرری ہیں
خاک اڑ رہی ہے گھر میں لڑائی میں غل مچا ہے   مذہب کے ہیں مخالف بھائی سے لڑ رہے ہیں

کفر پہ غصہ نہیں فطرت پہ کچھ تنبیہ نہیں   خانہ جنگی کے سوا اب اور کچھ غیبت نہیں
انشاء کو آخر صرف کریں ہیں ضرور   کیا کریں زور قلم ہے اور کچھ طاقت نہیں

مذہب سوسائٹی ہے اور دین آخرت ہے   پولیٹکل جو پوچھو طاقت ہے اور سکت ہے

بابو صاحب کا یہ شکوہ اخلاص بجا   سچ تو کہتے ہیں کہ پھیلی نہیں بھگوت ہے

باوجود انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے اور باوجود اس حقیقت کے کہ حضرت اکبر عہدۂ جلیلہ سشن جج پر فائز تھے اور ہزار ہا موقعہ اُن کو انگریزوں کی صحبت کے ملتے تھے مگر مرحوم پکے مسلمان تھے اور قرآن پاک کی اسلامی پیروی اپنا فرض اور اپنی اصلیت سمجھتے تھے اور اس سے ذرا سی بھی دوری اُن کو قلبی ناگوار تھی اور اس میں وہ خرابیٔ دین و ایمان اور تباہیٔ قوم مسلمان خیال کرتے تھے۔ مثلاً اسلامی رواج پردہ کے خلاف جب ملک میں برادرانِ وطن کو جدید تہذیب کے علمبرداران نے سب سے پہلے ابھارا کہ آخر تم کیوں اس مصیبت میں گرفتار ہو۔ مسلمان اگر پردہ کراتے ہیں تو یہ تو پہلے ہی سے بہت سی باتوں میں پیچھے ہیں۔ ان میں تعلیم کا اوسط فی صدی بہت کم ہے وغیرہ وغیرہ اور جب غیر مسلم جماعتوں نے اس آواز پر لبیک کہا اور اُن کی دیکھا دیکھی مسلمانوں پر بھی یہ غفلت طاری ہونے لگی تو حضرت اکبر مرحوم نے فوراً اس پر اپنی رائے اس طرح دی :-

بٹھائی جائیں گی پردہ میں بیبیاں کب تک   بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک
جو بد نمائی کی رسموں پہ ہے مُصِر ابلیس   چھپیں گی حضرت حوا کی بیٹیاں کب تک
جناب حضرتِ اکبر ہیں حامیٔ پردہ   مگر وہ کب تک اور ان کی رباعیاں کب تک
حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی   تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

الغرض حضرت اکبر نے اُن تمام باتوں پر قلم اٹھایا جو اسلامی نکتہ خیال اور اسلامی احکامات کے خلاف مسلمانوں میں رواج پکڑ گئی تھیں۔ اور نصیحت کا پیرایہ تو جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اُن کا ایسا خاص اور بااثر ہے کہ مخالف بھی تھوڑی سی ہنسی کی خاطر اُنکی بات کو دل لگا کر سن لیتا ہی نہیں ہے بلکہ سننا چاہتا ہے۔ اور آرزو سے سنتا ہے۔ بخوفِ طوالت تمام موضوع کو یکجا کر کے یہاں درج نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہاں اصل مقصد حضرت تیر اجمیری کے کلام کا حضرتِ اکبر مرحوم کے کلام سے موازنہ کرنا ہے۔ حضرت اکبر کے کلام کو تین حصوں پر عام طور سے تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا حصہ غزل گوئی کا۔ دوسرے حصہ میں ہنس ہنس کر قوم کو طنزیہ اشعار کے ذریعہ نادم کرنا۔ اور تیسرے حصہ میں۔ ایک زبردست

استاد کی صورت سخت کلامی و شفقت سے کبھی نرمی سے تو کبھی سختی سے اپنی قوم کو اپنا شاگرد سمجھتے ہوئے نصیحت کرتے ہیں۔ اور حضرت اکبر مرحوم کی یہ آخری خصوصیت اس درجہ مقبول ہوئی ہے کہ آجکل انکی تمام شہرت کا مدار اسی میں مضمر ہے۔ اس مخصوص رنگ میں اردو کے کسی شاعر کا کلام مرحوم کے کلام میں نہیں پیش کیا جا سکتا ہے یہ انفرادیت انہی کو حاصل ہے۔ البتہ خیالات کی یکسانیت تخیل اور انداز بیان کے لحاظ سے چند شعرا نے مرحوم کا ایک حد تک تتبع کیا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ تتبع بالکل اصلی معنی میں کیا گیا۔ مثلاً حضرت احمق پھپھوندوی۔ حضرت ظریف لکھنوی مولانا حسرت موہانی وغیرہ نے اُن کے رنگ میں کہنے کی کوشش کی مگر جناب شاعر الملک تیر احدی اجمیری کے کلام کو ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ کوئی ذی علم اس روشن حقیقت سے انکار کرے کہ جناب تیر احدی کا کلام حضرت اکبر مرحوم کے کلام سے ملتا جلتا نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تو جناب تیر احدی کے کلام پر لوگوں کو یہ خیال ہوا ہے کہ یہ حضرت اکبر مرحوم ہی کا کلام ہے۔ اور یہی ایک دلیل انکے کلام کے ہم رنگ کلام اکبر ہونے کیلئے کافی ہے چنانچہ مرتب کلام اکبر نے تیر صاحب کے مندرجہ ذیل شعر کو کلام اکبر میں حضرت اکبر مرحوم کا شعر سمجھ کر درج فرما دیا ہے۔

گنوا دی لیڈری اک فیشن کے پیچھے
گئی مونچھ جس طرح کرزن کے پیچھے

تیر صاحب کو حضرت اکبر مرحوم کی ہمعصری پر بڑا فخر ہے۔ فرماتے ہیں۔

مرے اشعار کی کیونکر نہ عالمگیر شہرت ہو ۔۔۔ خدا کے فضل سے اک تیر میں ہمعصر اکبر ہوں

تیر صاحب بھی حضرت اکبر مرحوم کی طرح غیور۔ غیرت قومی سے سرشار۔ قوم کے غم سے دل پُر درد رکھنے والے۔ احکامات اسلام کی زیر زبر کے ساتھ دل سے اتباع اور پیروی کرنے والے۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں پر ناز اور فخر کرنے والے باحیا۔ بامروت۔ اپنے اسلاف کے کارناموں پر نازاں اور آئندہ کے لئے اپنی ذاتی کوشش اور خداوند کریم جل شانہٗ کی فیاضیوں کے دل سے طلبگار اور انہیں پر بھروسہ رکھنے والے ہیں۔ عنوان مضمون ہذا اس بات کا متقاضی ہے کہ یہاں ایک شعر اکبر مرحوم کا پیش کر کے اسی کے مقابل تیر صاحب کا ایک شعر پیش کیا جاتا اور دونوں اشعار کا موازنہ کیا جاتا۔ اور نتیجہ کے طور پر یہ بتایا جاتا کہ اس میں [illegible] ثابت ہوئی۔ مگر قلت گنجائش [illegible] اور ناظرین [illegible] کی [illegible] پر بھروسہ کر کے ایسا نہیں کیا جاتا ہے۔ بلکہ تیر صاحب کے کلام سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔ [illegible] بالا بیان کی تصدیق کر دیں گے۔

اکبر مرحوم اپنے کلام کے متعلق [illegible] فرماتے ہیں۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کلام پہ [illegible] مجھے [illegible]

اک نوحہ خوانِ قوم ہوں شاعر نہیں ہوں میں

تیر صاحب کے کلام میں اکبر مرحوم کی ظرافت کی چاشنی سے کسی طرح کم چاشنی نہیں پائی جاتی۔ فرماتے ہیں ؎

یورپ کے فیشنوں کی تو جاؤ پہ [illegible] ۔۔۔ دولت اُڑا [illegible] جا [illegible]

اپنی بسنت قبلِ ظفر کی کلید ہو | یورپ کی طرح ہند بھی اپ ٹو ڈیٹ ہو

دو رہا ہے یہ مریضِ لب کو سوڈا بار بار | چارہ گر کو دشمنی ہے شربتِ عناب سے

حضرت اکبر مرحوم کی طرح تیر صاحب بھی حضرت شیخ کے ہاتھ دھو کر ہی پیچھے پڑے ہیں اور اُن کا بھی یہی خیال ہے کہ شیخ گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا ہے اور ذاتی سرمایہ اور جوہر سے عاری ہے اور ابن الوقت بنا ہوا ہے۔ اس کو دوسروں کا سطحی درد نہیں ہے فرماتے ہیں ؎

شیخ جی بھی جیل جانے کیلئے تیار ہیں | کر رہے ہیں آجکل ایڈیٹری اخبار کی

نثار ہو گئی کالج پہ حضرت سید | جناب شیخ دیے میں بیان کچھ ہیں

بنی جب جان پر آ کر تو حضرت منہ چھپاتے ہیں | جناب شیخ نے بھی حق کو ناکارہ کر جانا

کونسل میں شیخ اس سبھا کا بنا ہے رکن | وہ بھی مبتلا ہوا افضلی بخار میں

ناگری پہ فدا نہ ، | شیخ جی آریا نہ ،

جناب شیخ نے بدلا ہے بھیس لیڈر کا | یقیں نہ ہو تو کبھی امتحان کر لینا

خان صاحب ہو گئے اب تو جناب شیخ جی | شکر ہے اُنکی بھی عزت ہو گئی سرکار میں

تیر صاحب بھی حضرت اکبر کی طرح انگریزی الفاظ کو نظموں میں بڑی صحت اور کامیابی کے ساتھ باندھتے ہیں۔ دونوں جگہ زیادہ تر وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو عام ہیں۔ اور عوام بھی جنھیں آسانی بولتے ہیں۔ حضرت اکبر مرحوم فرماتے ہیں ؎

اُن کے دستِ نازنیں سے پانی "پی" | اب کہاں باقی ہے ہم میں "پائیٹی"

تیر صاحب فرماتے ہیں ؎

پسند آئی نہیں شر تمہاری چاکلیٹ اینڈ | کہ اس سے تو کہیں خوش ذائقہ دیسی مٹھائی ہے

تیر میں ہوں سیدھا سادھا آدمی | وہ پری میرا رسیپشن کیا کرے

نہ سلطنت نہ دولت اولاد ہے نہ وائف | یہ مسٹری ہے اپنی یہ ہے ہماری لائف
تب یہ ہوا ہے ہر چیز کی کمی کہ | دینے لگے جب کیا ریزر کا کام نائف

رتبہ ملا ہے ہم کو بندر سے آدمی کا | اظہار کر رہی ہے یہ ڈارون کی لائف

جس دن سے انڈین ہوا فیشن پہ شیفتہ | ہر شے کی انڈیا میں بہت ریٹ بڑھ گئی
دولت کو اپنے پیرہن آذر ہیم دھوئیں | پر کیا کریں کہ خواہشِ سگریٹ بڑھ گئی

پھرتا ہے اس طرح اس کے بنگلے پہ رقیب | جس طرح پھرتا ہے کوئی گیٹ کیپر رات کو

پردہ کے متعلق تیر صاحب فرماتے ہیں۔

فخر ہے یہ لے لیا میرے گھرانے کیلئے | میم آتی ہے مجھے انگلش پڑھانے کیلئے
کیا بتاؤں کیا ہوؤں کی عقل پہ پردے پڑے | مرد پھرتے ہیں اب پردہ اٹھانے کیلئے

مذہب کی طرف سے ہندوستانیوں کا ایک حد تک بد شوق چلانا تیر صاحب کے ذیل کے شعر سے صاف ظاہر ہے۔ ایسے اشعار آپ کے کلام میں کثرت سے ہیں۔ یہاں صرف اسی ایک شعر کو پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں۔

گھٹتا چلا ہے مذہبی تعلیم کا رواج | ہوتی چلی ہے ماند شریعت کی روشنی

ذیل کے اشعار میں ضرورتِ زمانہ کے مطابق نوجوانوں کو تیر صاحب صنعت و حرفت کی طرف مائل کرتے ہیں، یا یوں کہئے کہ اُن کے لئے ایک نصابِ تعلیم مرتب کرتے ہیں۔

کہو ہرگز نہ کیا صنعت و حرفت میں کمال آئے   مڈل یا انٹرنس تک پڑھ پڑھا کر کاروبار کرلو
نہیں ملتی کسی تاجر کی بھی تم کو ہرگز آزادی   یوں کرنا اگر پیشہ منشی گری تو جی کرلو
یہ لازم ہے کہ سیکھو جیوگرافی بھی تھوڑا انگلش بھی   مذاق اردو زباں تم ہسٹری ہی ہسٹری کرلو
اسی کے ساتھ رکھو میاں بھی تعلیمِ مذہب کا   پڑھو سائنس بھی تحصیل بھی کیمسٹری کرلو

آجکل کے نام نہاد مولویوں کی شان میں تیر صاحب کا بہت بُرا خیال ہے اُن کے خیال میں یہ حضرات بھی "شیخ" کی طرح ابن الوقت، تنگ خیال، ندو رنج مگر غریب اور بیکس کے ساتھ، کوتاہ اندیش اور اقتدار پرست ہوگئے ہیں۔ مگر جواب بھی اس متبرک نام کے اہل ہیں وہ ہیں اور اُن کو زمانہ اسی تعظیم و تکریم سے دیکھتا ہے۔ جو مولوی کا اسلامی حق ہے۔

ماسٹر کہتے ہیں تیزی سے چلو آگے بڑھو   مولوی کہتے ہیں قسمت کے سوا کچھ نہیں

لدے ہوئے ہیں خطاؤں سے مولوی صاحب   خدا کے پاس یہ بیچارے کیا جائیں گے

سنیں اے تیر ہم نے خود سے واعظ کی کل باتیں   اب اس کمبخت ذہن میں بھی کہ لیکن البتہ باتیں

"قوم کی لیڈر اور کمیٹی کی ممبر"

خدا کے فضل سے جائیں گے ہم تو حج کعبہ کو   سفر اے حضرتِ لیڈر مبارک تم کو لندن کا

لئے چندہ تو قوم سے ہم بھی ولایت جائیں گے   لیڈری کا ملک پر سکہ جمانے کیلئے

کچھ کم نہیں ہیں شوکتِ گاندھی بھی ہوتے سے   تو شوہر ہیں بھی ابھی چپکے بہار میں

الیکشن سے ممبری کے طلبگار نہ کہا   بندہ نواز جیل سے کا ذرا ووٹ دیجئے

آج ہم بھی جائیں گے قومی ڈالنے دیکھنے   شہر میں یہ دھوم ہے آئیں گے لیڈر رات کو

حضرت اکبر مرحوم کی طرح جناب تیر بھی مشرقی تہذیب کے مخالفوں سے اختلاف اور مغربیت زدگی سے نفرت کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں۔

یورپ کے فیشنوں کی کئی جا کی پیروی   دولت اُڑائی جا کے چرٹ اور سگار میں

لی جزا آخر نہ اس سے نے دلِ بیمار کی   پانیر کو لا کے بھیجی تیر کالی تار کی

واعظا سنا مزور سلف کی کہانیاں   اتنا ہے خیال کہ دورِ جدید ہے
وائے غفلت لکھنؤ دہلی جگر کو بھی رکھ   ٹینس بازی لے گیا تسلیم و آداب سے

زنانے ٹھاٹ سے پہونچے جو مسٹر بزمِ یاراں میں   کسی نے آدمی سمجھا کسی نے جانور جانا

اس چرخِ ستمگار کا اندھیر تو دیکھو   گوروں کی نگاہوں میں یہ کالے ہیں کالے

کمرہ میں اخبار نے دھجیاں سگرٹ کی   وائے قسمت ہم یونہی سمجھے ہوئے جلیس رہے

"نسوانی آزادی" پر تیر صاحب فرماتے ہیں۔

کچھ غم نہیں ہوا سکا پکڑا گیا جو شوہر   اب قوم کی خوشی سے خدمت کریگی بندی

خدا رکھے سلامت اندرین کے لیڈر کو   سنا ہے لیڈیاں کرتی ہیں کام آفس کا

تیر صاحب کے کلام سے قوم کو بیدار کرنے والے نصیحت آمیز چند اشعار یہ ہیں

حضرت اکبر مرحوم کے رنگ کی جھلک ہے۔ درج ذیل ہیں۔

محتاج کر دیا ہے گرانی نے اسقدر — مسلم غریب پیٹ بھی بھر لے تو عید ہے

گئے ہزار کلب سیکڑوں پڑھے اخبار — نہ آیا خاک بھی نیشن کو کچھ خبر لینا

دیکھ لیں او چرخ تیری تفرقہ پردازیاں — باپ بیٹے سے بھتیجے سے چچا ملتا نہیں

جناب میر کی افلاس نے گت بنائی ہے — نہ روٹی ہے نہ کپڑا ہے نہ کالر ہے نہ ٹائی ہے

ختم کرتے تھے اگلے لوگ قرآن روز — ختم کر دیتے ہیں ناول ہم بھی پڑھ کر رات کو

کسی صاحب سے بھی سرگرمی نہ اپنی قوم میں آئی — کمانک کرتے مجبوری کا کیسے انسان انجمن میں

مرا بگڑا ہوا بن جائے ہر اک کام ابھی — گر کوئی لاٹری آجائے مرے نام ابھی

زہد کا ڈھونڈے سے دنیا میں پتہ ملتا نہیں — پارسی ملتے ہیں لیکن پارسا ملتا نہیں

حاصل ہوا نہ آج تک انسانیت کا جامہ — گو ایکٹر کی صورت بدلے ہزار جامے

طے کی انہوں نے جلد ترقی کی منزلیں — جو قیس بن کے لیلیٰ انجمن پہ مر گئے

سے لیتی ہے غلطی اس کی خبر — ہے بہت حیران فیشن کیا کرے
گاڑیاں جب اس کے قابو کی نہیں — آپ ہی بتلائیں انجن کیا کرے

انسان جس طرح ہو کہے جبر اختیار — میرے خیال میں تو یہی ہو سوال ہے

میر صاحب کے متعلق خواجہ حسن نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

نثار الملک میر احدی فطرت قلم ہیں۔ اُن کے کلام میں فطرت کی رنگینیاں نظر آتی ہیں۔ حضرت اکبر الہ آبادی (مرحوم) کی ظرافت۔ جناب میر تقی مرحوم کی سادگی اور بیساختگی اُن کے کلام میں پائی جاتی ہے.... بہت خوب کہتے ہیں۔ اُن کا کلام جن اخباروں اور رسالوں میں چھپا ہے۔ ہندو مسلمان بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔

جدت طرازی کی دولت کے اعتبار سے جہاں تک میں اپنے ذہن کا اندازہ کر سکتا ہوں۔ میر احدی کو اپنے سے زیادہ دولتمند پاتا ہوں۔ اُن کے کلام میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ عام فہم ہے بڑی لیاقت اور کم لیاقت کے سب لوگ اس سے فائدہ اور لطف اُٹھا سکتے ہیں۔

خدا میر احدی کو جیتا رکھے کہ اُن کے کلام میں اردو کی زندگی کا سامان پایا جاتا ہے۔ اجمیر شریف نے اسلامی ہند کو سب سے پہلے زندہ کیا تھا۔ اور میر احدی اجمیری ہونے کے سبب یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ اُن کا کلام بھی زبان ہند کو زندہ کرے گا۔ (صفحہ ۱۵ ایشیا رسالہ منادی تاج)

سید عبد الباری صاحب حسنی اجمیری تحریر فرماتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے آج سرزمین ہندوستان میں بعض ایسے شعرا موجود ہیں۔ جو اپنی زبان سے قوم کی خدمت کرکے جہاد بلسانہ کا فرض منصبی ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن ہی میں سے نثار الملک فطرت قلم میر احدی ہیں۔ جو میر تقی مرحوم کی طرح غریب اور سادہ وضع ہیں۔ مگر طبیعت عجیب و غریب پائی ہے۔ جس کی بدولت بہت بڑے مالدار ہیں۔ کہا:۔

"گو نہیں حکم وہاں طبع رواں رکھتے ہیں"

شعر نہایت فصیح زبان اور سلیس اردو میں کہتے ہیں یہاں تک کہ ہر خاص و عام اُن کے کلام سے مستفید اور مستفیض ہوتا ہے.....

ہر فقرے میں درد ہے۔ ہر جملہ غم کی داستان .. .. یہ کلام اک طلسم ہے۔ جس کے دلکش اور دلفریب مناظر لوگوں کو مسخر اور مسحور بنانے کے لئے کچھ کم نہیں۔ "ان من البیان لسحرا و ان من الشعر لحکمۃ" ہر شعر میں باریکی، بات بات میں ظرافت انداز سخن سب سے انوکھا سیدھے سادے مضامین، پھر جدت طرازی، سونے پر سہاگہ۔ تیر صاحب کی چلبلی طبیعت نے جب کبھی پامال زمینوں میں قدم رکھا ہے تو ایک نہ ایک نئی بات ضرور نکلی ہے۔ غرضیکہ تیر صاحب کی شاعری قوم کے لئے مفید شعرا کے لئے نظیر ہے۔ (صفحہ ۲۰۲ رسالہ تاج حریت)

"کلیمِ عجم" اور "کارِ امروز"

از ——— جناب واجد صدیقی الوارثی سلونوی بوندوی

چہل سالہ مشقِ سخن کا نتیجہ — "کلیمِ عجم" "کارِ امروز" گویا
سرور آفریں وجد آور فضائیں — محاکات کا سر بسر ہیں خزینہ
تغزل کا ہی دیکھنے سے تعلق — کہ ہی بھر دیا گویا کوزے میں دریا
مجلّہ ادب اور رجانِ فصاحت — صفات انکی تحصیلِ حاصل ہی گویا
ہوئے جلوہ گر آسمانِ ادب پہ — تھی اک عرصہ سے منتظر جنکی دنیا
خدا کی قسم گوہرِ بے بہا ہیں — "کلیمِ عجم" "کارِ امروز" گویا

نہیں ذاتِ سیماب محتاجِ تعریف
زمانہ کی نظروں میں اُنکا ہی رتبا

سیماب لٹریری سوسائٹی آگرہ

از ——— جناب محمد اعجاز حسین صاحب متعلم آگرہ کالج آگرہ

مشاہیر کے نام پر ادبی انجمنوں کا انتساب ہمارے ملک کی ایک قدیم رسم مقدس ہے۔ مولانا سیماب اکبرآبادی کی شہرت وعظمت کا اقتضا تھا کہ اُن کے نام سے بھی ادبی ادارے منسوب کئے جائیں اور اُن کی زندگی ہی میں اُن کی ہردلعزیزی و مقبولیت کا اعتراف کر لیا جائے۔

چنانچہ "سیماب لٹریری سوسائٹی" کے نام سے اقصائے ہند کے مختلف شہروں میں ادبی سوسائٹیوں کا افتتاح ہو گیا ہے۔ ٹونک بجنور۔ اٹاوہ وغیرہ شہروں میں یہ سوسائٹیاں قائم ہیں۔ اور اپنا کام نہایت تن دہی سے کر رہی ہیں۔ بمبئی میں بھی اس کا انعقاد زیر غور ہے۔ آگرہ میں بھی مرکزی حیثیت اور مقامی اعتبار سے سیماب لٹریری سوسائٹی کا افتتاح ضروری تھا۔ اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آگرہ اسکول کے نوجوان ہیرو مسٹر محمد صادق صبا بی۔ اے کی تحریک اور چند تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تائید سے ۱۰ دسمبر ۱۹۳۲ء کو سوسائٹی کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ یہ ایک ادبی جماعت ہے جو "آگرہ اسکول" کے مقاصد کی تشریح و توضیح کے لئے ایک عرصے سے مصروفِ عمل ہے۔ یہ ایک ادارہ ہے جس میں "آگرہ اسکول" کے خیالات عملی طور پر واضح ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سوسائٹی اپنے پروگرام کی اشاعت میں سرگرم کار ہے۔ سیماب لٹریری سوسائٹی کا حلقۂ عمل آگرے تک محدود نہیں بلکہ اسکی شاخیں ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی موجود ہیں اور بحدِ امکان "آگرہ اسکول" کے مطمحِ نظر کی اشاعت کرتی رہتی ہیں "آگرہ اسکول" ایک ادارۂ خیال ہے اور سیماب لٹریری سوسائٹی اس ادارۂ خیال کا عملی اظہار۔ آگرہ اسکول کے مقاصد کی توضیح کے لئے ایک ایسے ادارے کی ضرورت بھی تھی اور ہمیں مسرت ہے کہ "سیماب لٹریری سوسائٹی" اپنے اس مقصد کو نہایت کامیابی سے پورا کر رہی ہے۔

اس کی کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ یہ سوسائٹی ملک کے نوجوان اور تعلیم یافتہ حضرات کے ہاتھوں میں ہے جو اپنے ذوق اور شوق کی سرگرمی سے سوسائٹی کے وقار کو بلند کرتے رہتے ہیں۔

سوسائٹی کے ہر جلسے میں مناظرہ، مناظمہ اور مشاعرہ لازمی طور پر صورت پذیر ہوتا ہے۔ مناظرے کے لئے ایک خاص موضوع کا اعلان کیا جاتا ہے۔ جس پر تقریریں ہوتی ہیں۔ مناظمے کے سلسلے میں عنوانِ نظم کا اعلان ہوتا ہے۔ اور مشاعرے کے لئے مصرع طرح کا۔

سوسائٹی کے جلسے ماہانہ ہوتے ہیں۔ اور شعراء اور مفکرین کو اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ ہر سال ماہِ محرم میں "بزم حسین" منعقد کرنا سوسائٹی کی ایک نمایاں خصوصیت ہے

www.taemeernews.com

جس میں ہر موضوعِ شہادت پر مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ نظمیں سنائی جاتی ہیں۔ اور سلام کہے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ سوسائٹی مشاہیر شعراء اور ادبا کی یادگار کے سلسلے میں خاص جلسے بھی منعقد کرتی رہتی ہے۔ جن میں یومِ غالب یومِ میر۔ یومِ اکبر کو خاص خصوصیت حاصل ہے۔ ۱۰ مئی ۱۹۶۲ء میں سوسائٹی کے پیشِ نظر "یومِ نظیر" کا انعقاد ہے۔ جس کی تیاری بہت بڑے پیمانے پر کی جا رہی ہے۔

ہر جلسے کا ایک علٰحدہ صدر منتخب کیا جاتا ہے۔ اس وقت تک سوسائٹی کو حسبِ ذیل مشاہیر کے خیالات سے مستفیض ہونے کا موقع مل چکا ہے جن کو سوسائٹی نے صدر منتخب کیا تھا۔ اور جنھوں نے ازراہِ عنایت صدارت فرما کر سوسائٹی کی عزت افزائی فرمائی

سید عابد حسین ایم۔ اے۔ پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ۔ مسٹر طاہر فاروقی ایم اے۔ مولوی مہدی حسین ایم ۔ اے۔ مسٹر احمد علی ایم اے پروفیسر آگرہ کالج آگرہ۔ خان بہادر اختر عادل ایم۔ اے ذیل/ شاہ نظام الدین دلگیر مرحوم۔ حضرت آنی جالسی وغیرہ

مندرجہ ذیل عنوانات سے واضح ہوگا۔ کہ سوسائٹی میں کس قدر اہم موضوعات پر مضامین پڑھے جا چکے ہیں۔

(۱) اتحادِ قومی و ملکی: اتحادِ لسانی پر موقوف ہے۔
(۲) معیارِ تنقید
(۳) واقعاتِ شہادت کی تاریخی غلطیاں
(۴) تعمیرِ سیرۃ میں ادب کا حصہ
(۵) فلسفۂ شہادت
(۶) ادبِ اردو کی موجودہ رفتار کا رُخ
(۷) ظلم اور ادبِ اردو
(۸) شہادت اور موت
(۹) غالب اور فلسفۂ غم
(۱۰) ہندوستان کی مشترکہ زبان۔ اردو ہونی چاہئے یا ہندی؟
(۱۱) شاہ دلگیر اور ادبِ اردو
(۱۲) ملکی و قومی ارتقا میں خواتین کا حصہ
(۱۳) ارضِ تاج اور ادبی ذوق۔ وغیرہ وغیرہ

نظموں کے عنوانات۔

(۱) سردی کا چاند	شکایت
(۲) خوابگاہِ شہید	(۱۲) صبحِ بہار
(۳) آہ زحمت	(۱۳) پیامِ شہید
(۴) جگنو کی سیر	کیفِ غم
(۵) وطن	تصور
(۶) عید اور بسنت	میر
(۷) دل کی پیاس	غالب
(۸) کسان	(۱۸) کالی گھٹائیں
(۹) شباب	(۱۹) شاہی کھنڈر
(۱۰) شہید	(۲۰) نوروز وغیرہ

سیماب لٹریری سوسائٹی کا لائحۂ عمل بہت وسیع ہے۔ اکیڈیمی اور ایک وسیع لائبریری کی تجاویز بھی زیرِ غور ہیں۔ جن کو عالمِ وجود میں لانے کیلئے سوسائٹی بہترین کوشش کر رہی ہے۔

سوسائٹی کا لائحۂ عمل اس قدر مفید ہے کہ ہندوستان آئندہ اس کے نقوشِ قدم پر چلنا اپنا فخر سمجھے گا۔ اور سیماب لٹریری سوسائٹی نشر و اشاعتِ ادب کے لئے ہندوستان میں ہمیشہ قابلِ تقلید سمجھی جائے گی۔

نذرِ سیماب اکبر آبادی مدظلہ

از ــــــــــ حضرت ہوش ملیح آبادی

رنگِ غالب کا مقلد، میر پر مائل ہو تو
شاعرِ اعظم ہے تو اور رہبرِ کامل ہے تو

ہر مضموں تیری تخیلِ بلند آوارہ ہے
تیرے شعروں کا جو ٹکڑا ہے وہ شہ پارہ ہے

جس نے دیکھا ہو تجھے اور جس نے دیکھا ہو "کلیم"[1]
تجھ کو کہہ سکتا ہے بیشک نبضِ اردو کا حکیم

"کارِ امروز"[2] آج کا ہی کام جو تو نے کیا
دشتِ ویرانِ تخیل میں جلایا ہے دیا

تیرا ہر ہر لفظ ہے گویا پیامِ زندگی
تیرا ہر ہر شعر ہے لبریز جامِ زندگی

تو سراپا شعر اور الہامِ تیری شاعری
تیری ادنیٰ بات ہے گویا حدیثِ بیخودی

تو نے دنیائے ادب میں جانِ تازہ ڈال دی
جو مصیبت آئی تجھ پر تو نے ہنس کر ٹال دی

تو ہے قائم اپنے جادہ پر بہ طرزِ مستقل
اختلافاتِ زمانہ سے نہیں تو مضمحل

رفتہ رفتہ کوششیں مشکور ہو کر رہ گئیں
بد مذاقی کا زمانے میں نشاں ملتا نہیں

مولدِ غالب کو تجھ پر ناز کرنا چاہئے
عرش سے بھی اس طرف پرواز کرنا چاہئے

اکبرآبادی ہے تو یہ فخر بھی کچھ کم نہیں
لکھنؤ والے نہ مانیں اس کا کوئی غم نہیں

کچھ نہ کہنا ہے مجھے اب اور نہ سننا ہی مجھے
میں تہِ دل سے مبارکباد دیتا ہوں تجھے

---

[1] کلیم عجم دیوانِ غزلیات مولانا مدظلہ۔ [2] کارِ امروز مجموعۂ نظمیات۔

تجزیۂ وابستگانِ کاروانِ سیماب

۱۳ ۵۶ ھ

تلامذۂ حضرت قبلہ علامہ مولانا سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی مدظلہٗ العالی کی ایک نامکمل یکجائی فہرست

قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ کا فیضِ سخن کب سے جاری ہے۔ اور اس فیضِ بے پایاں سے کون کون مستفید ہو چکا ہے۔ اس کا شمار از بس مشکل ہے۔ ۱۹۱۹ء تک کی بعض فہرستیں تبدیلیٔ مرکز کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ اُن فہرستوں میں سے جو مشہور نام یادداشت میں رہ گئے وہ اس فہرست میں شریک کر لئے ہیں۔

۱۹۱۹ء سے مندرجۂ ذیل فہرست میں ایک بہت بڑی تعداد مولانا مدظلہٗ کے فیضانِ سخن سے بہرہ مند ہونے والوں کی ہے۔ کچھ لوگ اس میں ایسے بھی ہیں جو فارغ الاصلاح ہو چکے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جنھوں نے اصلاح لینا کچھ عرصے سے بند کر دیا ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو اصلاح تو برابر لیتے ہیں لیکن "کارواں" میں اپنا تذکرہ بعض وجوہ کی بنا پر نہ بھیج سکے

جن حضرات کا سنِ تلمذ یاد رہ سکا ہے۔ یا یادداشت میں محفوظ تھا وہ بھی نام کے ساتھ ہی لکھ دیا گیا ہے۔

اعجاز صدیقی

(بہ ترتیب حروفِ تہجی)

نمبر شمار	تخلص	نام	مقام	سنہ	نمبر شمار	تخلص	نام	مقام	سنہ	نمبر شمار	تخلص	نام	مقام	سنہ
۱	ابر	دیلراج صاحب شرما	جہلمی	۰	۹	ادیب	فیض محمد خاں صاحب	اکبرآبادی	۱۹۲۲ء	۱۷	اکبر	سید اکبر حسین صاحب	جودھپوری	۱۹۳۰ء
۲	اثر	محمد صغیر صاحب	اکبرآبادی	۱۹۱۸ء	۱۰	ارشاد	ارشاد الحسن خاں نظامی مرحوم	اکبرآبادی		۱۸	اکسیر	سید محمد حسن شاہ صاحب	دہلوی	۱۹۱۸ء
۳	اقبال	علی میاں صاحب	بمبئی		۱۱	آسی	محبوب حسن صاحب صدیقی	شکوہ آبادی	۱۹۳۰ء	۱۹	الفت	اولاد قاسم کوبلی بی اے	[illegible]	
۴	اثر	فضل الدین صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۱ء	۱۲	اسد	کے ای صاحب شیخ	نصیرآبادی		۲۰	امیر	محمد امیر خاں صاحب چشتی	پرکاری	
۵	اثر	مظہر حسین صاحب صابری	جدّہ	۱۹۳۲ء	۱۳	اصغر	اصغر علی صاحب	شاہجہانپوری		۲۱	انجم	سراج الٰہی صاحب مرحوم	میرٹھی	۱۹۳۲ء
۶	احمر	غلام صمد صاحب بی اے	اکبرآبادی	۱۹۲۵ء	۱۴	اعجاز	اعجاز حسین	اکبرآبادی	۱۹۲۸ء	۲۲	انور	محمد نورالدین صاحب	بھوپالی	۱۹۳۲ء
۷	اختر	کنول نین صاحب ادیب فاضل	رودھانی	۱۹۳۰ء	۱۵	آفاق	محمد الیاس صاحب	اجمیری		۲۳	انور	لطیف احمد صاحب جیلانی	گرداسپوری	
۸	اخگر	سید محمد موسیٰ صاحب	سبزواری	اپریل ۱۹۲۲ء	۱۶	اکبر	اکبر اسمٰعیل صاحب	عدن	۱۹۲۲ء	۲۴	آلم	مولوی محمد علی صاحب ایم اے بی	مظفرنگری	۱۹۳۰ء

www.taemeernews.com

۲۵	اوران	اشرف نبات علی خاں صاحب	اکبرآبادی	۱۹۲۴ء
۲۶	احمر	عبدالصمد صاحب	اکبرآبادی	۱۹۲۳ء جون ۱۹۲۴ء
۲۷	اعجاز	منشی ولی بیانس صاحب	کانپوری	۱۹۲۸ء
۲۸	اکمل	بابو رسول بخش صاحب	اکبرآبادی	اجلالی
۲۹	آغاز	سید عنایت علی صاحب	بہانپوری	۱۹۳۲ء
۳۰	اشرف	حکیم محمد اشرف خاں صاحب	دہلوی	۱۹۳۳ء
۳۱	آذر	وزیر محمد خاں صاحب	سرحدی	۱۹۳۲ء
۳۲	انگر	محمد شریف صاحب	"	۱۹۳۲ء ۱۱ اپریل
۳۳	امجد	امجد حسین صاحب	چھپروی	۱۹۳۵ء
۳۴	اختر	عبدالکریم صاحب بیٹھ	تہروی	۱۹۳۶ء اپریل
۳۵	آرزو	سادھو رام صاحب	سہ پوری	
۳۶	افضل	شیخ افضال حسین	اکبرآبادی	۱۹۳۶ء
۳۷	اختر	محمد اسحاق صاحب		۱۹۲۵ء ۱۹۳۲ء
۳۸	آزاد	محمد حمید خاں صاحب	بیاوری	جنوری
۳۹	ارغوان	جسونت سنگھ صاحب	گورداسپوری	۱۹۳۱ء
۴۰	اختر	خواجہ حسین صاحب	اعظم گڑھی	۱۹۳۴ء
۴۱	آمنہ	بنیادی بیگم صاحبہ	فتح گڑھ	۱۹۳۰ء
۴۲	اختر	محمد سعیدالدین صاحب	اکبرآبادی	۱۹۱۳ء
۴۳	امین	خواجہ محمد امین صاحب	بدایونی	
۴۴	احمد	احمد حسین صاحب	بنگلوری	
۴۵	بشیر	نیازی	بمبئی	۱۹۳۹ء
۴۶	بلیغ	شیخ قمرالدین صاحب	اکبرآبادی	۱۹۰۲ء اپریل
۴۷	باغ	منشی محمد ایوب صاحب		۱۹۱۰ء
۴۸	باصر	سیوک رام صاحب	سنبھل	۱۹۳۰ء
۴۹	بحر	سید عبدالجلیل صاحب	الہ آبادی	۱۹۳۵ء
۵۰	بشیر	بشیرالدین صاحب مرحوم	اکبرآبادی	۱۹۱۳ء
۵۱	بشر	غلام حسین صاحب بی۔ اے مرحوم	امرتسری	۱۹۲۹ء
۵۲	برق	عبدالحمید صدیقی	فتح پوری	۱۹۲۳ء

۵۳	بسمل	سید عیسیٰ میاں صاحب سعدی	ٹونکی	۱۹۲۹ء
۵۴	بہار	محمد یوسف صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۲ء
۵۵	بسمل	حافظ محمد اللہ صاحب	اعظم گڑھی	۱۰ اگست
۵۶	بیتاب	حفیظ الدین صاحب	اکبرآبادی	
۵۷	بیدل	محمد عبدالباری صاحب	الہ آبادی	
۵۸	برق	محمد انوار حسین برق	اکبرآبادی	۱۹۳۴ء یکم اگست
۵۹	برگ	شیو پرشاد صاحب	باندہ	لاہور
۶۰	باسط	باسط حسین صاحب	اکبرآبادی	
۶۱	پرتاب	کے حقیقت رائے صاحب	لاہور	
۶۲	پرواز	کے محمد سلیمان صاحب شبلی بی اے	بنگلوری	۱۹۲۵ء
۶۳	تاب	عبدالرحمن صاحب	گوالیاری	۱۹۳۱ء
۶۴	تبسم	حامد رضا خاں صاحب	علی گڑھی	۱۹۲۵ء
۶۵	تپش	خورشید حسن صاحب	امرتسری	
۶۶	تنویر	:	نگینوی	
۶۷	تمنا	عبدالواسع صاحب	بنگلوری	۱۹۲۹ء
۶۸	تاب	احمد بخش صاحب مرحوم	نصیرآبادی	۱۹۳۰ء مئی
۶۹	تاجر	حافظ محمد بشیر صاحب	اکبرآبادی	
۷۰	تاب	مسٹر سیوک لال لانڈ	میرٹھی	۱۹۳۳ء
۷۱	تاجور	علی محمد صاحب	پیلانوی	۱۹۳۱ء
۷۲	تصدق	تصدق حسین صاحب	بریلوی	۱۹۲۵ء ۱۲ مارچ
۷۳	ثمر	عبدالحفیظ صاحب	چھپروی	۱۹۳۳ء
۷۴	ثمر	غلام جیلانی صاحب مرحوم	اکبرآبادی	
۷۵	ثمر	مرزا فدا حسین خاں صاحب	دتیا	جون ۱۹۳۶ء
۷۶	ثروت	صاحبزادہ سلطان جان خاں صاحب	جاورہ	مارچ ۱۹۳۲ء
۷۷	جگر	علی سکندر صاحب	مرادآبادی	۱۹۱۰ء
۷۸	جانی	جان محمد صاحب	کوچین	۱۹۲۷ء
۷۹	جذبی	ماسٹر محمد حمزہ خاں صاحب	اندورہ	
۸۰	جذبی	منشی محمد حسن صاحب نظامی	کوچین	۱۹۲۳ء

۸۱	جمیل	محمد جمیل صاحب انصاری	لکھنوی	
۸۲	جمیل	خواجہ نثار الحسن شاہ صاحب	اکبرآبادی	۱۹۲۶ء
۸۳	جلال	عابد رضا خاں صاحب	علی گڑھی	۱۹۲۳ء
۸۴	جوہر	منشی شرف الحسن صاحب مرحوم	اکبرآبادی	۱۹۲۶ء
۸۵	حافظ	حافظ محمد حسین صاحب	علی گڑھ	
۸۶	حسرت	سید احمد صاحب	نگینوی	
۸۷	حشر	سید حمیدالدین صاحب	سہسرامی	۱۹۳۲ء
۸۸	حفیظ	محمد حفیظ اللہ صاحب حفیظ		۱۹۳۰ء
		ایس۔ آر۔ کے	اکبرآبادی	
۸۹	حکیم	عبدالمجید خاں صاحب	انڈول	
۹۰	حیرت	آغا احمد میر صاحب درانی	لدھیانوی	۱۹۳۱ء
۹۱	حسرت	پیرزادہ سید علی صاحب	اجمیری	
۹۲	حیدر	نصیرالدین صاحب	کرنالی	۱۹۳۳ء
۹۳	حسامی	سردار عالم صاحب	ناگپوری	۱۹۳۶ء
۹۴	حسرت	محمد یحییٰ خاں صاحب	بہارپوری	
۹۵	حیدر	بابو امیرالدین صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۴ء
۹۶	حیا	خورشید اقبال صاحب حیا	میرٹھی	۱۹۳۸ء
۹۷	حور	گوہر اقبال صاحبہ حور	"	
۹۸	حاذق	حکیم محمد بخش صاحب	اکبرآبادی	
۹۹	حسرت	ابوالنصرت فتح محمد خاں صاحب	لکھنوی	۱۹۳۰ء
۱۰۰	خالد	نوابزادہ شیخ محمد عبدالخالق صاحب	بھاولنگرول	
۱۰۱	خادم	منشی غلام محی الدین صاحب	بھڑوچی	۱۹۳۱ء
۱۰۲	خمار	حنیف ہاشمی صاحب بی۔ اے (مرحوم)		
۱۰۳	خنداں	رام جوایا صاحب	جنتی	

نمبر	تخلص	نام	مقام	تاریخ
۱۰۴	نثار	حامد سعید خاں صاحب		جون ۱۹۳۳ء
۱۰۵	عقیل	عبدالستار خاں صاحب	گلاری	۱۹۳۶ء
۱۰۶	درد	عبدالرشید صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۵ء
۱۰۷	دلکش	محمد حسن صاحب جعفری مرحوم	مدنی	۱۹۳۶ء
۱۰۸	راوی	حافظ مولوی عبدالرؤف صاحب	اجمیری	۱۹۰۰ء ۱۹۱۲ء
۱۰۹	راز	ابوالفضل محمد صادق صاحب	چاندپوری	۱۵ جولائی
۱۱۰	رسوا	محمد احمد صاحب وارثی	سہارنپوری	۱۹۳۳ء
۱۱۱	رضا	عبدالرضا صاحب قریشی	اکبرآبادی	۱۹۳۳ء
۱۱۲	رعنا	دشرتھ ناتھ صاحب	لاہور	لاہوری
۱۱۳	رونق	سراج الدین صاحب	اکبرآبادی	۱۹۱۳ء
۱۱۴	رعنا	جونت رائے صاحب	لمبوی	۱۵ مارچ ۱۹۳۵ء
۱۱۵	ریاض	ریاض الدین احمد صاحب	اکبرآبادی	۱۹۱۶ء
۱۱۶	رسوا	حکیم محمد اسحاق صاحب	″	
۱۱۷	ساغر	محمد بابر خاں صاحب نظامی	علی گڑھی	۱۵ اگست ۱۹۱۸ء
۱۱۸	ساحل	صاحبزادہ حامد سعید خاں صاحب	ٹونکی	۱۹۳۳ء
۱۱۹	سائر	محمد خلیل صاحب صدیقی	اکبرآبادی	۱۹۲۶ء
۱۲۰	ساز	حکیم سلطان محمود خاں صاحب	دہلوی	
۱۲۱	ساحر	مولوی ضمیر عالم صاحب	اکبرآبادی	۴ دسمبر ۱۹۱۸ء
۱۲۲	سرشار	نذیر حسین صاحب	فیروزآبادی	
۱۲۳	سرور	سید عباس علی صاحب مرحوم	اکبرآبادی	۱۹۲۳ء
۱۲۴	تسلیم	غلام محمد صاحب قریشی	پنڈدادن خاں	فروری ۱۹۳۵ء
۱۲۵	سیفی	اسلام الحق صاحب صدیقی	بلوچستان	مارچ ۱۹۳۵ء
۱۲۶	سیفی	حافظ عزیز الرحمن صاحب	بجنوری	۱۹۳۲ء
۱۲۷	سیفی	ریاض حسین صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۳ء
۱۲۸	سنجر	حاجی عبدالستار صاحب	″	
۱۲۹	سحر	سید علی صاحب	اجمیری	جون ۱۹۱۸ء
۱۳۰	سرور	غلام سرور صاحب حسینی مکدی	ساہیوالی	۱۹۳۶ء
۱۳۱	شاعر	صاحبزادہ سلطان منیر صاحب	امرتسری	

نمبر	تخلص	نام	مقام	تاریخ
۱۳۲	سیف	سید سیف علی صاحب علوی	اکبرآبادی	۱۹۳۳ء
۱۳۳	شاداب	عبدالحکیم خاں صاحب	″	
۱۳۴	شاد	محمد حسین صاحب	کاندھلہ	
۱۳۵	شاعر	حضور احمد صاحب	اکبرآبادی	
۱۳۶	شگفتہ	ایم۔ اے رشید صاحب	سیمابی	۱۹۲۹ء
۱۳۷	شفق	بابو جگت نرائن صاحب	علی گڑھی	
۱۳۸	شفق	کنور ناتھ صاحب سیالکوٹی	سیالکوٹی	۱۹۲۶ء
۱۳۹	شفیق	شفیق اللہ خاں صاحب	کوٹی	۱۹۳۰ء
۱۴۰	شفق	صاحبزادہ شفیق الرحمن خاں صاحب	ٹونکی	۱۹۲۸ء
۱۴۱	شکیل	ننھے خاں صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۳ء
۱۴۲	شفق	محمد خاں صاحب	″	
۱۴۳	شفیق	شفیق احمد صاحب	بنگلوری	
۱۴۴	شمیم	منشی صداقت علی صاحب	اکبرآبادی	۱۹۱۰ء
۱۴۵	شوق	ماسٹر مشتاق احمد صاحب	چاندپوری	۱۹۳۳ء
۱۴۶	شیدا	ابوالحسنین خیر الدین صاحب	رام نگر	
۱۴۷	شعلہ	بابو شفیع احمد صاحب	اکبرآبادی	
۱۴۸	شہید	محمد عارف صاحب	بجنور	جولائی ۱۹۳۶ء
۱۴۹	شوق	ابوالاحسان محمد حسین صاحب	شیالوی	مارچ ۱۹۳۵ء
۱۵۰	شباب	شرف علی خاں صاحب		فروری ۱۹۳۰ء
۱۵۱	شیفتہ	محمد شفیع صاحب		۲۴ مئی
۱۵۲	شجر	منشی ولایت احمد خاں صاحب	کرنی	۱۹۳۶ء
۱۵۳	شفق	ولایت حسین خاں صاحب		
		اکبرآبادی	بمبئی	
۱۵۴	شہزور	غلام قادر صاحب بی اے	کشمیری	۱۹۳۶ء
۱۵۵	شمس	شمس الدین احمد صاحب بی اے ایل ایل		
		بی وکیل	جلال آبادی	
۱۵۶	صابر	غلام مہدی صاحب	شیاری	
۱۵۷	صابر	غلام مرتضیٰ	بازید پوری	۱۹۳۶ء

نمبر	تخلص	نام	مقام	تاریخ
۱۵۸	صابر	محمد ایوب خاں صاحب	انجہری	۱۹۳۰ء
۱۵۹	صابر	اے بی غلیس صاحب		
		بی۔ اے	اکبرآبادی	۱۹۳۰ء
۱۶۰	صبا	رفیع احمد صاحب	متھراوی	۱۹۳۵ء
۱۶۱	صحرائی	راجپال صاحب	لاہور	۱۹۳۵ء
۱۶۲	صغیر	صغیر احمد صاحب	جلال آبادی	
۱۶۳	صہبا	اعجاز حسین صاحب	چاندپوری	۱۰ جون ۱۹۳۲ء
۱۶۴	ضیغم	محمد نعیم صاحب	امروہی	۱۴ مارچ ۱۹۱۶ء
۱۶۵	صدیقی	محمد بشیر علی صاحب صدیقی	بدایونی	
۱۶۶	ضیا	حاجی ضیاء الاسلام صاحب	کاندھلوی	۱۹۳۰ء
۱۶۷	ضیا	محمد عبداللہ خاں صاحب	وطن	
۱۶۸	ضیا	محمد صادق صاحب بی اے	چینیوٹی	۱۹۳۰ء
۱۶۹	ضیا	ہرلال صاحب ایم اے	فتح آبادی	۱۹۳۵ء
۱۷۰	ضیا	عبداللہ خاں صاحب	میانوالی	
۱۷۱	ضمیر	محمد ضمیر الدین صاحب	بورنگ پیٹھ	۲۰ جنوری ۱۹۳۱ء
۱۷۲	طالب	عبدالمجید صاحب ندوی	جہلمی	۱۹۲۴ء
۱۷۳	طالب	پنڈت نندلال صاحب		
۱۸۰		ایم۔ اے	کاشمیری	
۱۷۴	طالب	سبحان خاں صاحب	[illegible]	۱۹۳۶ء
۱۷۵	طاہر	طاہر حسین صاحب	دیوبندی	
۱۷۶	ظفر	سراج الدین صاحب		
۱۷۷		بی۔ اے	جہلمی	۱۹۳۳ء
۱۷۷	ظہیر	محمد ظہیر عالم صاحب		
۱۸۶		بی۔ اے	اکبرآبادی	
۱۷۸	ظفر	سید ظفر صاحب ہاشمی	سیالکوٹ	
۱۷۹	ظہور	ظہور الحسن صاحب بی اے		
		ایل ایل بی وکیل	متھراوی	
۱۸۰	ظفر	ظفر محمد صاحب	بہاری	

١٨١	عروج	سید محمد صاحب ہاشمی ترمذی	بدایونی	•	٢٠٨	کاتب	منشی محمد حفیظ صاحب	اکبرآبادی	•	٢٣٦	تیر	تیر احمدی صاحب	اجمیری	۱۹۰۵ء
١٨٢	عیاں	ہاشمی		•	٢٠٩	کوثر	ڈاکٹر سید علی صاحب	چاندپوری		٢٣٧	مجاہد	حافظ عبد النعیم خاں صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۶ء
١٨٣	عمر	حاجی محمد عمر صاحب مرحوم	اکبرآبادی	۱۹۳۳ء	٢١٠	کوثر	سید محمد اشفاق حسین صاحب	کرسی ضلع [illegible]	۱۹۳۳ء	٢٣٨	ممتاز	ابوالامتیاز علی صاحب	علی گڑھی	•
١٨٤	عفت	ڈاکٹر مولوی [illegible] صاحب	بھاگلپوری	۱۹۳۵ء	٢١١	کوثر	شیخ منظور الٰہی صاحب	کشمیری	۱۹۳۳ء	٢٣٩	محمود	سید محمود حسن صاحب	الٰہ آبادی	•
١٨٥	عشق	محمد [illegible] صاحب	لکھنوی	•	٢١٢	کوثر	عبد الغفور صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۶ء مئی	٢٤٠	محمود	محمود الرحمٰن خاں صاحب	گونڈہ	۱۹۳۵ء
١٨٦	عطا	حاجی محمد عطاء اللہ صاحب	اکبرآبادی	•	٢١٣	کلیم	شیخ حسن صاحب	کسادوی	۱۹۳۳ء	٢٤١	ماہر	خاں صاحب حکیم محمد [illegible]	اکبرآبادی	۱۹۳۳ء
١٨٧	علام	غلام احمد خاں صاحب	شیر گڑھ ضلع	بانس بریلی	٢١٤	کیفی	بابو منور خاں صاحب		۱۹۰۵ء اپریل	٢٤٢	نثار	عبد اللطیف صاحب	[illegible]	•
١٨٨	غفار	عبد الغفار صاحب	اکبرآبادی		٢١٥	کیفی	محمد علی صاحب	جام پوری	۱۹۳۳ء	٢٤٣	نایاب	عبد المجید خاں صاحب	اکبرآبادی	•
١٨٩	فنا	مرزا اسلام اللہ بیگ صاحب	الٰہ آبادی	۱۹۳۵ء	٢١٦	اشرف	محمد شفیع صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۷ء	٢٤٤	نذیر	نذیر احمد صاحب	شیرکوٹی	۱۹۳۵ء
١٩٠	فنا	مولوی محمد اسمٰعیل صاحب	اکبرآبادی	•	٢١٧	کلیم	عبد المجید خاں صاحب	ازندول	•	٢٤٥	نیر	مصطفیٰ حسین صاحب بی [illegible]	[illegible]	
١٩١	فنا	یعقوب علی خاں صاحب		۱۹۳۶ء ۱۴ مئی	٢١٨	•	کرم بخش سنگھ صاحب	سکلانہ	•	٢٤٦	نادر	ماسٹر نادر حسین صاحب	اٹاوہ	۱۹۳۳ء
١٩٢	فارغ	محمد سعید صاحب	پشاوری	•	٢١٩	لیاقت	حافظ لیاقت حسین صاحب	اکبرآبادی	•	٢٤٧	نسیم	حبیب احمد صاحب	متھراوی	۱۹۳۵ء
١٩٣	فدا	ماسٹر سری کرشن صاحب	پشاوری	۱۹۳۵ء	٢٢٠	مضطر	محمد عبد اللہ صاحب	لاہور	۱۹۳۳ء	٢٤٨	نظر	منشی امیر اللہ [illegible] صاحب مرحوم	اکبرآبادی	۱۹۳۶ء
١٩٤	فدائی	مولوی حبیب اللہ صاحب	ٹونکی	۱۹۲۵ء	٢٢١		شرد [illegible]	[illegible]	•	٢٤٩	ناظر	محمد حسین صاحب	۔	•
١٩٥	فہیم	حکیم الدین صاحب انصاری	فیروزآبادی	۱۹۲۵ء	٢٢٢	ماہر	مولوی عبید اللہ [illegible]	دہلوی	۱۹۳۳ء	٢٥٠	نکہت	[illegible] خاں صاحب		۱۹۳۳ء ۳ رمضان
١٩٦	فہمی	اسمٰعیل شاہ صاحب	رتناگیری	•	٢٢٣	مانوس	الطاف حسین صاحب	سہسرامی	•	٢٥١	ناقد	سید حامد علی صاحب	ٹونکی	•
١٩٧	فیاض	سید فیاض علی صاحب	بدایونی	•	٢٢٤	محسن	محمد محسن صاحب	اکبرآبادی	•	٢٥٢	نادر	عبد الرزاق [illegible]	عدنی	
١٩٨	فیاض	محمد فیاض حسین صاحب	اکبرآبادی		٢٢٥	محشر	[illegible] خاں صاحب	دہلوی		٢٥٣	نازش	رضوی	دہلی	
١٩٩	فضا	فضل الدین صاحب	دیناگری	۱۹۳۳ء	٢٢٦	مخمور	کرم بخش سنگھ صاحب	جالندھری	۱۹۳۵ء	٢٥٤	نشتر	امتیاز محمد صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۳ء
٢٠٠	قدسی	عبد الستار خاں صاحب	بیادر	۱۹۳۶ء	٢٢٧	مسلم	منشی فضل محمود صاحب	پشاوری	•	٢٥٥	نور	محمد نور صاحب	۔	
٢٠١	فصیح	محمد فصیح صاحب [illegible]	دیوبندی	•	٢٢٨	مظہر	حافظ محمد مظہر الدین صاحب	مدراس	۱۹۳۳ء	٢٥٦	ناظر	محمد ناظر صاحب	۔	•
٢٠٢	قاتل	شاہ میر احمد صدیق صاحب	لکھنوی ثم الاجمیری		٢٢٩	مفتون	سید شوکت حسین صاحب	[illegible] آبادی	۱۹۳۵ء	٢٥٧	نسیمہ	مسرت جہاں صاحبہ		۱۹۳۵ء
٢٠٣	قدسی	محمد عبید اللہ صاحب قدسی		۱۹۳۰ء	٢٣٠	منظر	شمشاد حسین صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۵ء	٢٥٨	نسرین	عابدہ جہاں خانم صاحبہ	متھراوی	۱۹۳۳ء
		ایم۔ بی۔	ٹونکی		٢٣١	منظر	سید منظور احمد صاحب رضوی	بھوپالی	۱۹۳۳ء	٢٥٩	وحید	[illegible] عبد الوحید خاں صاحب	[illegible]	
٢٠٤	قمر	حکیم بدیع الزماں صاحب	سہسرامی	۱۹۳۶ء	٢٣٢	مسرور	عبد الرحیم صاحب صدیقی	جہلم		٢٦٠	وفا	محمد عثمان خاں صاحب	[illegible]	
٢٠٥	قیصر	غلام احمد صاحب	اکبرآبادی	•	٢٣٣	[illegible]	[illegible] لطیف خاں صاحب	دہلوی	۱۹۳۳ء	٢٦١	وفا	شنکر لال صاحب	اکبرآبادی	۱۹۳۶ء
٢٠٦	قیس	ڈاکٹر بشیر محمد خاں صاحب	جموں	•	٢٣٤	مفتون	شنکر سروپ صاحب	شکوہ آبادی	۱۹۳۱ء	٢٦٢	یاور	حسن یاور صاحب	جلالپوری	۱۹۳۵ء
٢٠٧	قوی	فضل اللہ صاحب	ٹونکی		٢٣٥	قمر	سورج نرائن صاحب	بجے پور		٢٦٣	یونس	ماسٹر یونس علی خاں صاحب	[illegible]	۱۹۳۵ء

www.taemeernews.com

جماعتِ عقیدتمندانِ سیماب

۱۳۵۶ھ

www.taemeernews.com

جہاں منزل پہ میرے کارواں کے بعد پہونچے گا
امیرِ کارواں ہے کارواں میرا حقیقت میں

(کلامِ امروز) سیماب (مدظلہٗ)

آغاز — سید عنایت علی صاحب حسنی الحسینی برہانپوری (۱)

آپ کے والد کا نام سید حافظ علی تھا۔ ۱۳۲۲ھ مطابق جولائی ۱۹۰۴ء میں بمقام برہانپور پیدا ہوئے۔ آبائی وطن مارواڑ متصل فیض پور شرقی خاندیش ہے۔ آپ کا نسبی سلسلہ ننھیال کی طرف سے چند واسطوں کے بعد سبطِ رسول زین سیدنا امام حسنؑ سے ملتا ہے اور ددھیال کی طرف سے سید الشہدا امام حسینؑ سے۔ اسی لئے آپ حسنی الحسینی کہلاتے ہیں۔ آپ کو حضرت مولانا شاہ احمد حسین صاحب امروہوی سے نقشبندی سلسلے میں بیعت حاصل ہے۔

آپ کے مورثِ اعلیٰ ساداتِ بارہہ بزمانۂ عالمگیر ثانی مارواڑ آئے جہاں اسوقت قزاقوں کی بود و باش تھی چنانچہ آپ کے مورثوں نے اُن ظالموں سے اس سرزمین کو پاک کیا اور وہیں اقامت گزیں ہوگئے۔ مارواڑ ست پڑہ پہاڑ کی ایک زرخیز وادی کے دامن میں واقع ہے۔ یہاں کی آبادی زیادہ تر آپ کے ہی اہلِ خاندان و ساداتِ بارہہ پر مشتمل ہے

آپکے والد بزرگوار کے زمانہ تک کچھ موروثی معافی اراضیات تھیں جو انہیں کے زمانہ میں خاندانی تنازعات کی نذر ہوگئیں اور آپ کے والد وطنِ مالوف سے برداشتہ ہوکر برہانپور چلے آئے۔ اور وہیں ایک معزز خاندان میں متاہلانہ زندگی کے حامل ہوئے آپ کے دو بھائی صغر سنی ہی میں انتقال کر گئے تھے دو بہنیں باقی ہیں۔

۱۳۴۳ھ میں آپ کی شادی مولوی محمد شاہ زماں کے دختر سے ہوئی جن کا پانچ سال کے بعد ۱۳۴۸ھ میں انتقال ہوگیا چونکہ مرحومہ نے اپنی یادگار ایک دو سال کی بچی چھوڑی تھی اس لئے اُس کی پرورش کے خیال سے آپ نے ایک معزز خاندان میں دوسری شادی کی۔ آپ کے دو لڑکے مشتاق علی اور اشتیاق علی ہیں۔ سب سے چھوٹے بچے اشفاق علی کا بعمر ایک سال ۱۰ دسمبر ۱۹۳۵ء کو انتقال ہوگیا۔

والد کی وفات کے بعد اگست ۱۹۳۳ء میں آپ کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ یہ آپ کیلئے ایک سانحۂ عظیم تھا جس نے آپ کی مشکلات میں اور اضافہ کر دیا۔

آپ ابتدا ہی سے آلام و مصائب کے شکار ہیں۔ اور ابھی تک آپ کو سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا ہے۔ آپ برہانپور کے ایک میونسپل اسکول میں مدرس ہیں۔ اور ایک قلیل مشاہرہ پر دن پورے کر رہے ہیں۔

آپ کو پانچ سال کی عمر میں جناب فخرالدین صاحب فخرؔ کی خدمت میں تحصیلِ علم کے لئے بٹھایا گیا۔ جہاں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اس کے بعد مولانا غلام محمد صاحب اور مولوی محمد ابراہیم صاحب سے علوم متداولہ حاصل کئے۔

برہانپور صوبہ ممالک متوسط کا ایک تاریخی شہر ہے جہاں شاہانِ فاروقیہ خاندانِ مغلیہ اور سلاطینِ آصفیہ کا دور دورہ رہ چکا ہے۔ اور شاہی دور میں یہ شہر اربابِ علم و فن کا مرکز رہا ہے جس وقت آپ نے آنکھ کھولی تو وہاں کے رنگِ تغزل پر گل و بلبل کا عنصر غالب تھا چنانچہ آپ بھی اُسی طرف بہنے لگے۔ جوں جوں اردو شاعری میں انقلاب پیدا ہوا یہاں کے رنگِ تغزل میں بھی کچھ تبدیلی پیدا ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ہمیشہ کے لئے اس رنگ کو چھوڑ دیا۔ اور رنگِ جدید اختیار کیا۔ آپ کی شاعری کے محرک سید شاہ برکات احمد جمیلؔ مرحوم تھے جن سے آپ کو صد درجہ محبت تھی جمیلؔ صاحب کا انتقال عالمِ جوانی ہی میں ہوگیا۔ آپ ہی کی سعی و کوشش سے آغاز نے رجب ۱۹۱۴ء میں شعر کہنا شروع کیا۔ مرحوم ہی نے آپ کو حضرتِ راغبؔ برہانپوری کے سلسلۂ تلمذ میں داخل کرایا دس بارہ سال تک آپ حضرتِ راغبؔ سے مشورۂ سخن لیتے رہے وقتاً فوقتاً مولانا اخترؔ رامپوری سے بھی اصلاح لی جو حضرتِ راغبؔ کے استاد ہیں۔ اس کے بعد بخیالِ ترقی مزید نواب فصاحت جنگ بہادر حضرتِ جلیلؔ مانکپوری سے اصلاح لینی شروع کی اور ۱۳۴۳ھ میں ایک ماہ حیدرآباد رہ کر استاد سے بہت کچھ حاصل کیا۔ اس اثنا میں کبھی کبھی آپ اپنی نظمیں حضرت قبلہ مولانا سیمابؔ اکبرآبادی مدظلہ کو بھی بھیجتے رہتے تھے۔ چونکہ بوجہ پیرانہ سالی حضرتِ جلیلؔ مانکپوری کے یہاں سے اصلاح شدہ کلام آنے میں بہت کافی وقت صرف ہوجاتا تھا اس لئے

مستقلاً حضرت مولانا سیماب ہی کو اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ چونکہ آپ کو غزل سے طبعی لگاؤ نہیں اس لئے زیادہ تر نظمیں ہی زیادہ کہتے ہیں۔ آپ کو حضرت مولانا سیماب سے انتہائی ارادت ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں علامۂ مرحوم کو پرستش کے درجہ تک مانتا ہوں۔ آپ کا رنگ "آگرہ اسکول" کا صحیح نمونہ ہے۔ سلاستِ الفاظ اور معانی و مطالب کی گہرائیاں۔ الفاظ کی بندش وغیرہ بہت خوب ہوتی ہیں۔

آپ کی تصانیف میں سے ایک کتاب "چراغِ حسینی" سلاموں کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ اس کے علاوہ "شاہنامۂ دکن" رسلاطینِ دکن کی منظوم تاریخ "عناصر اللغات" اردو زبان کے مستند محاورات جس میں مشاہیر شعرائے ہند کے کلام سے سندیں لی ہیں۔ "مرقعِ عجم" ساڑھے تین سو مشاہیر شعرا کے حالات و تعداد اور کلام کا مجموعہ۔ "محامد محسن کی مصحفی" نعتیہ دیوانِ غزلیات۔ "جذبۂ مشرق" غزلیات کا مجموعہ۔ "آرائشِ سخن" اساتذۂ عصرِ حاضر کے اصلاحی نمونے "آفتابِ مشرق" غیر مطبوعہ ہیں۔ چونکہ آپ اتنے فارغ البال نہیں کہ ان کو چھپوا سکیں اس لئے یہ تمام نوادرات یونہی پڑے ہوئے ہیں۔

نمونۂ تغزل

حُسن موشکلوں سے چھپ کا پردہ ہے تا ثیر میں — کتنی تصویریں کھنچیں اک آپ کی تصویر میں
پھونک دی یہ روحِ غم حسرت نے تقریر میں — میری گویائی کو زرش ہے لبِ تصویر میں
بوگئیں تقسیم حُسن و عشق کی رنگینیاں — کچھ مری تصویر میں کچھ آپ کی تصویر میں
میری حیرانی ہے حُسنِ جلوہ گاہِ کائنات — جوہرِ آئینہ ہوں آمنینۂ تصویر میں

غیر ممکن ہے مجھے آغاز کوئی پا سکے
کھو گیا ہوں دستِ جذباتِ عالمگیر میں

میری غزل سرائی آہنگِ عاشقانہ — جذب آفریں ترنم وجد آفریں ترانہ
ہستی کے بام و در سے مستی برس رہی ہے — ہستی بقدرِ مستی ہے اک شراب خانہ
اے خاکِ راہِ الفت دامن دراز ہو جا — آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنے لگا خزانہ
یہ کون آ رہا ہے تاروں کی روشنی میں — قسمت کو میں جگا لوں سوتا رہے زمانہ

تجھ سے سکون چاہوں توہین ہو یہ میری — ٹھکرا چکا ہوں تجھ کو اے گردشِ زمانہ

جب حُسن حجابِ حُسن میں تھا جب عشق خیالِ عشق میں تھا
اکثر یہ تصور کرتا ہوں اُس وقت مرا دل کیسا ہو گا
وہ پہلی نظر جب اٹھی تھی اس وقت تجھے مٹ جانا تھا
اتنا بھی اگر تجھ سے نہ ہوا تو او پھر لے دل کیا ہو گا

جب گھٹا چھا گئی میں بے خود و مستانہ ہوا — سایۂ ابر مجھے سایۂ میخانہ ہوا
اللہ اللہ اثرِ میکدۂ ابرِ بہار — خندۂ برق مجھے خندۂ پیمانہ ہوا
دل کی آتش اثری کا تری محفل میں جواب — شعلۂ شمع نہ سوزِ دلِ پروانہ ہوا

ذکرِ رنگینیٔ شباب نہ چھیڑ — ختم افسانۂ شباب ہوا
اک جہاں ہو ادا شناسِ جمال — تو کہاں آج بے نقاب ہوا
عشق بھی فتنہ حُسن بھی فتنہ — جب ملے دونوں انقلاب ہوا

حشر برپا حریمِ ناز میں ہے
شاید آغاز باریاب ہوا

یہ حسیں شب یہ طوافِ کعبۂ حسن و جمال — چادرِ مہتاب مجھ کو جامۂ احرام ہے
سانس بھی ڈوبی ہوئی ہے نبض بھی ٹھہری ہوئی — اب ترے بیمار کو آرام ہی آرام ہے

دل جواں دل کی تمنائیں جواں ہمت جواں — ایک عالم کو جواں پایا جواں ہونے کے بعد
دو جہاں اپنی حدیں مجھ سے ملائیں کیا ضرور — وہ بھی میرے بے نیازِ دو جہاں ہونے کے بعد

یہ عالمگیر استقبال ہے جوشِ جنوں میرا — بگولے اٹھ رہے ہیں جا بجا صحرا کے داماں میں
یہ میرے اشکِ غم یہ جلوۂ مہتابِ عالم — ستاروں کا خزانہ بھر لیا ہے جیبِ داماں میں
فنا ہو کر بھی پیکا جا رہا آغاز اور دنکو — یہ مانا ہوں مثالِ شبنمِ آوارہ گلشن میں

اک جہاں سوز بھی اک جہاں ساز بھی ہے — کتنی تاثیر مری شعلۂ آواز میں ہے
بزمِ عالم کا ۔ انجام نہ جانے کیا ہو — حسن اک ناز میں ہے عشق اک انداز میں ہے

اے نگاہِ شرمگیں اٹھ اور برقِ طور بن — یہ رعایت ہو جانِ حسن کی محفل نہیں
فکر ہو گر یہ ہی بجلیوں پہ بجلیاں — ذکر یہ ہو دل کے لائق اضطرابِ دل نہیں
ذرہ ذرہ فتنہ ساماں ذرہ ذرہ حشر خیز — خاکِ دل ہے خاک لیکن صرفِ تماشا دل نہیں
شمعِ کشتہ بھی اٹھالی جائے پروانوں کے ساتھ — اب کہاں محفل کہ باقی گرمیِ محفل نہیں
اضطرابِ شوق نے پہونچا دیا تو کیا ہوا — میری منزل کہہ رہی ہے میں تری منزل نہیں

نمونۂ نظم

ناظر سے خطاب

ہر جلوۂ صد رنگ ہے فردوسِ نظر دیکھ — اعجاز نما طلعتِ خورشیدِ سحر دیکھ
ہر تارِ شعاعی ہے کمندِ نگہِ شوق — مشرق نے کیا چاک گریبانِ سحر دیکھ
پست گھٹائیں یہ اُبلتے ہوئے چشمے — سو رنگ چھلکتے ہیں ادھر اور ادھر دیکھ
ہر جذبۂ تاثیر میں اک سحر ہمہ گیر — ہے گرمِ تماشا فلکِ شعبدہ گر دیکھ
محدود نظر کھول یہاں دیدۂ تحقیق — اک جادۂ نو خیز ہے ہر راہ گذر دیکھ
یہ دشت و چمن اور یہ کہسار خوش آثار — ہر رنگ ہے اک موجِ صدِ حسنِ نظر دیکھ
ہر ذرے کے سینے میں ہے دل کی بھی مستی — ہر گل کی تاثیر ہے اب شعلۂ اثر دیکھ
صد جنتِ نظارہ ہے ہر جلوۂ معصوم — فطرت کے سنگھار کو با اندازِ دگر دیکھ
ہے خاک کی آتش اثری دیدہ کے قابل — ہر ذرہ ہے اک سلسلۂ رقصِ شرر دیکھ
اب کارگہِ دہر کا ہے تجھ سے اشارہ — اس عالمِ ایجاد کو تا حدِ نظر دیکھ
اٹھ تو بھی دکھا فطرتِ آزاد کی پرواز — آزاد پرندے بھی ہیں تولے ہوئے پر دیکھ
یہ کعبۂ فطرت یہ دو عالم کی عبادت — سجدے میں نظر آتا ہے کونین کا سر دیکھ

ہر ذرہ میں عرفانِ خدا تیرے لئے ہے
ہر منظرِ اعجاز نما تیرے لئے ہے

تو سیر گہِ عالمِ امکاں سے گزر جا — ہر راہ سے ہر منظرِ حیراں سے گذر جا
اے فطرتِ رنگیں کا سماں دیکھنے والے — تو آ کے گلستاں میں گلستاں سے گذر جا
نظروں میں لئے سادگیِ حسنِ مناظر — کہسار سے جنگل سے بیاباں سے گذر جا
ہر عالمِ رنگیں کو نگاہوں میں چھپا لے — ہر منظرِ فردوس بداماں سے گذر جا
ہستی کی فضا دسترسِ وسعتِ نظری ہو — کوتاہ نظر تنگیِ داماں سے گذر جا
ساحل پہ کہیں کھلتی ہے دریا کی حقیقت — اس موج سے گرداب سے طوفاں سے گذر
رفتارِ زمانہ پہ اگر تیری نظر ہے — تو سلسلۂ گردشِ دوراں سے گذر جا
یہ گنبدِ بے در یہ طلسمات کا عالم — تو دیکھ چکا اب کسی عنواں سے گذر
منظور ہے گر سیرِ نمائشگہِ ہستی — وابستگیِ خلوت و ایواں سے گذر جا
اک تیز نظر بن کے سوئے منزلِ خورشید — مشرق کے حجاباتِ درخشاں سے گذر جا
کھولے ہوئے آغوش ہیں فطرت کی فضائیں — محدود نظر سرحدِ امکاں سے گذر
رکھتا ہے اگر ذوقِ تماشائے حقیقت — اس منزلِ ہستی میں دل و جاں سے گذر جا
اے ناظرِ قدرت متلاشیِ حقیقت — منزل کیلئے جادۂ عرفاں سے گذر جا

آثار چمک اٹھے ہیں انوارِ سحر سے
اب دیکھ مناظر کو حقیقت کی نظر سے

نمونۂ تاریخ گوئی

فیوضِ لطفِ بے پایاں مبارک — یہ اسلوب ملے شہِ عثماں مبارک
۱۳۵۴ھ — ۱۳۵۴ھ
فلکِ عزت یہ دورِ جشنِ سیمیں — یہ بزمِ تہنیت ساماں مبارک
۱۳۵۴ھ — ۱۳۵۴ھ

تاریخِ جشنِ سیمیں سلطانِ جم جاہ ۔ مہرِ عدل فضل، شہ
۱۹۳۶ء — ۱۳۵۴

شرفِ اقبالِ سلطان العلوم آصفجاہ سابع
۱۳۵۴ھ

سید عنایت علی صاحب آغا حسنی الحسینی کی نظم پر حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی ظلہٗ کی اصلاح

"کیفِ دوشیں"

وہ ساقیٔ ازل وہ دورِ بادۂ الست کا — وہ جلوۂ لطف و کیف ہر فضا سے نکلا
وہ عالمِ طلوعِ صبح میکدہ بدوش تھا — فضا جو دل کی تھی وہ مستیوں کا جوش تھا
وہ دورِ کیف آفریں شرابِ خانہ ساز کا — وہ جرعے جرعے میں خمارِ لطفِ حق نواز کا
وہ ہر کتابِ سیلِ نور کاروانِ موج سے — وہ جوشِ نشۂ مدام و جہانِ موج سے
وہ مستیوں کی بارشیں فضا کائنات پر — وہ کیف زا ترا وشیں فضا کائنات پر
وہ روحِ روح آگہانِ سرخوشی لیے ہوئے — وہ مستیوں میں جوشِ کیفِ سرمدی لیے ہوئے
وہ نشۂ مدام فزو جو مست ہوا — وہ فیضِ عام ازل کہ میکدہ کا در کھلا ہوا
وہ دور زرفشاں بنے وہ من کی سبیل میں — شرابِ حسن و عمل ہی تھی ساغرِ جمیل میں

وہ ذوقِ مے سبوکشانِ محفلِ قدیم کا
وہ ظرف ظرف مستحقِ نوازشِ عظیم کا

وہ شانِ ساقیٔ ازل سرورِ حق پناہ میں — ہزارہا میکدے چھلک رہے تھے ہر نگاہ میں
تجلیاتِ حسن تھیں محیط کائنات پر — گھٹائیں آ کے چھا گئی ہوں جیسے شش جہات پر
وہ ہر طرف اثر خمارِ بادۂ جمال کا — تجلیِ جمال تھا کہ جلوہ نوشِ حال کا
اُمنگ اُمنگ کیف زا غزلیں لیے ہوئے — وہ رنگ رنگ احمریں گلابیاں لیے ہوئے
وہ بزمِ لطف و کیف جب بزمِ ناز و نوش تھی — ہزارہا میکدوں کی روح خودی میں مدہوش تھی
وہ ایک لغزشوں میں جذبِ دو جہاں کی مستیاں — وہ کائنات میکدہ وہ عالمِ سرپرستیاں
وہ بزمِ دوش اور شورِ ناؤ نوش کہاں — وہ عالمِ سرور وہ صلائے جوش اب کہاں
وہ عالمِ خمار و کیف آہ خواب ہو گیا — وہ لطفِ جاں نواز نذرِ انقلاب ہو گیا

وہ ذوقِ لطف و کیف پھر بقدرِ ہوش چاہیے
ازل کا جرعہ نوش ہوں مجھے کیفِ دوش چاہیے

www.taemeernews.com

انور ـ مولوی محمد نورالدین صاحب انصاری بھوپالی ـ ۲

آپکے والد کا اسمِ گرامی حافظ صدرالدین بن حافظ ضیاءالدین بن منشی خیرالدین صاحب ہے سلسلۂ نسب سعد بن معاذ انصاری سے ملتا ہے۔ آپ ۲۰ ذی قعدہ بمقام قاضی زین العابدین صاحب محلہ سبزی منڈی بھوپال ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۱ء بوقت ۲ بجے شب پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد دکن سے رام پور آکر آباد ہوئے۔ پھر بھوپال میں آپ کے جدِ امجد منشی خیرالدین صاحب سرکار عالیہ کی ڈیوڑھی خاص کے کاردار اور ندیمِ خصوصی کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اُن کے بعد آپ کے دادا مرحوم حافظ ضیاءالدین صاحب کا سرکار سے منصب مقرر ہو گیا۔ آپ اسی پر قانع رہے اور ملازمت نہ کی۔ آپ اکثر فنون میں ماہر تھے۔ ہر شخص آپ کے کمالات کا قائل تھا۔ انتہائی ملنسار اور خلیق تھے۔ دادا صاحب کی وفات کے بعد وہ منصب آپکے والد بزرگوار کو منتقل ہو گیا لیکن انھوں نے اس سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل نہیں کیا کیونکہ اپنے والد کی وفات کے ایک سال بعد ہی آپ بھی رحلت فرما گئے۔ آپکے والد صاحب مرحوم نے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی تھی بلکہ آپ کے والد منشی خیرالدین صاحب نے مولوی مظفر میاں صاحب ظفرؔ کو مقرر کر دیا تھا جن سے گھر ہی پر عربی فارسی کی تعلیم لی جاتی تھی۔ انورؔ صاحب کے والد ماجد شاعر بھی تھے وحیدؔ تخلص فرماتے تھے اور مظفر میاں صاحب ظفرؔ ہی کو اس فن میں اپنا استاد سمجھتے تھے۔ اُن کا ایک شعر یہاں درج کیا جاتا ہے۔

کوئی تدبیر نہ سوجھی تو یہ تنگ آ کے وحیدؔ ـ اب کئے دیتے ہیں قسمت کے حوالے دل کو

آپ کی ننھال بھی بہت معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ بھونرا سا گوالیار اور ریاست گوالیار کے قاضی و خطیب خصوصی قاضی سید منور علی صاحب حسینی کی نواسی آپ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ انورؔ صاحب کے ایک چھوٹے بھائی اور ایک بہن اور ہیں آپ کے والد صاحب کا منصب آپ تینوں بہن بھائیوں کے نام منتقل ہو گیا لیکن بشرطِ تعلیم۔ چونکہ آپ مولوی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے سرکار کے اصرار کے باوجود انگریزی ہائی اسکول کے بجائے سلیمانیہ مدرسہ میں داخل ہو گئے۔ آپ نے اپنے خالہ زاد بھائی مولوی محمد انصاری صاحب (حال مفتی ریاست) کی زیرِ نگرانی عربی فارسی کی تعلیم پائی۔ گھر پر بھائی صاحب سے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا۔ آپ اتنے ذہین تھے کہ دو بار مطالعہ کرنے سے آپ کو سبق یاد ہو جاتا تھا۔ اس لئے تمام اساتذہ آپ سے خوش رہتے تھے۔ اور ہمیشہ آپ اوّل نمبر پاس ہو کر انعامات حاصل کرتے رہے۔ جس وقت آپ جماعتِ نہم (فارسی) میں تھے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ نے کلامِ مجید حفظ کرنا ترک کر دیا اور اسی سال فیل بھی ہو گئے۔ وہ عزیز جو اب تک نرمی کا برتاؤ کرتے تھے اب سخت گیر ہو گئے۔ چنانچہ آپ کے دل میں ایک جوش اٹھا اور آپ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ایک مستحکم ارادہ کر لیا۔ اور اس ذوق و شوق سے تعلیم حاصل کی کہ تمام اسکول کو آپ پر اور آپ کی کلاس پر فخر تھا۔ جماعتِ ششم فارسی ہی سے آپ نے عربی بھی لے لی تھی۔ ۱۹۲۰ء میں بعمر ۱۸ سال الٰہ آباد سے مولوی کا امتحان نمایاں حیثیت سے پاس کیا جس کے تمام مصارف سرکار نے برداشت کئے ۱۹۲۱ء میں عالم اور ۱۹۲۲ء میں فاضلِ ادب (عربی) کا امتحان بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور انعام وغیرہ کے علاوہ امتیازی وظیفہ حاصل کیا۔ مدرسہ سلیمانیہ سے آپ احمدیہ اورینٹل کالج بھوپال میں منتقل ہو گئے۔ یہاں مولوی فاضل کی تیاریاں کیں ۱۹۲۳ء میں الٰہ آباد سے فاضلِ دینیات اور پنجاب سے منشی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔

گو آپ کے والدین منقولہ و غیر منقولہ جائداد اس قدر چھوڑ گئے تھے کہ وہ عمر بھر کیلئے کافی ہوتی لیکن رنگِ دنیا اور علمی لگاؤ سے آپ نے مجبور ہو کر ۱۹۲۴ء میں محمدعلی میموریل ہائی اسکول بیاور راجپوتانہ میں بحیثیت ہیڈ مولوی ملازمت اختیار کی۔

شعر و شاعری کا مذاق بچپن سے ہے۔ آپ نے بہت کم عمر سے شعر کہنا

شروع کر دیا تھا۔ لیکن نہ کسی کو سناتے تھے اور نہ دکھاتے تھے۔ اردو فارسی کے علاوہ عربی میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں۔ چنانچہ اسکول اور کالج کے سالانہ جلسۂ تقسیم انعامات میں آپ نے تین عربی قصیدے لکھے۔ ایک میں خدا کی تعریف تھی۔ دوسرے میں نعتیہ اشعار تھے اور تیسرے میں اسکول کے تعلیمی ماحول کی تصویر کھینچی تھی۔

جب ملکۂ سخن گوئی زیادہ بڑھ گیا تو آپ نے جناب ذکی بھوپالی کو پانچ سات غزلیں دکھائیں لیکن اُن کی غیر معمولی مصروفیت کی وجہ سے ایک مدت تک مشورۂ سخن بند رہا۔ آپ کی طبیعت کسی ایسی ہستی کی متلاشی تھی جو آپ کے معیار کی ہی اصلاح دے سکے چنانچہ آپ حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کے شاگرد ہو گئے۔ اور شفیق استاد کی توجہ سے بہت جلد ایک خاص امتیاز حاصل کر لیا۔ آپ کی طبیعت بہت بے نیاز واقع ہوئی ہے۔ مشاعرے وغیرہ میں بہت کم شرکت کرتے ہیں۔ کلام بھی یوں ہی بے ترتیب پڑا رہتا ہے۔ آپ کی طبیعت تعلیم کی طرف انتہائی طور پر مائل ہے۔ چنانچہ مطالعہ اب بھی جاری رہتا ہے۔ کلاسیکل عربی فارسی کے ساتھ جدید عربی فارسی بھی آپ نے اپنے مطالعہ میں رکھی ہے۔ فاضلِ ادب عربی کے امتحان کے سلسلہ میں مڈل تک آپ نے انگریزی پڑھی تھی اس کے بعد اُس کا بھی سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور آپ نے انگریزی میں بھی کافی دستگاہ حاصل کر لی ہے۔

۱۰ سال کی عمر میں آپ کو حضرت شاہ محمد احمد صاحب نقشبندی کے حلقۂ ارادت میں داخل کر دیا گیا۔ اکثر آپ وہاں بھی حاضر ہوتے رہتے ہیں آپ کی تصانیف میں مجموعۂ ادبی مقالات۔ مختصر افسانوں کا مجموعہ۔ عالمگیر (ڈرامہ) یوسف زلیخا (ڈرامہ)، محاسنِ کلام ابوالطیب کندی۔ المعروف بمتنبی۔ الفصاحۃ والبلاغۃ (مختصر رسالہ) ہیں جو مسودات کی صورت میں ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ انور صاحب کا رنگِ شاعری اس درجہ کیف آفریں اور جذباتی ہوتا ہے کہ پڑھنے والا پھڑک جاتا ہے۔

نمونۂ تغزل

کیف سے جھومتی ہوئی بہکی ہوئی تھکی ہوئی   جیسے موجِ بادہ میں رواں زندگی
کم سے کم اتنا تو اک دن آ کے سمجھا دو مجھے   سرگراں تم ہو کہ مجھ سے سرگراں ہے زندگی

زندگی میں جو تجھ سے ہم آغوش   خواب میں دیکھتا ہوں خواب ہنوز
کھیلتا ہے مری تصور میں   وہ نکھرتا ہوا شباب ہنوز

نمودِ سینہ سیمیں یہ ابھرے ابھرے جیں   حسین بانہوں کی یہ باریاں معاذ اللہ
وہاں تو کوثر و تسنیم تک بھی سب جائز   یہاں حرام ہیں میخواریاں معاذ اللہ

عشق میں جو رہی ہوں پیرِ دشنو ربھی ہوں   یعنی میں طور بھی ہوں برقِ سرِ طور بھی ہوں
تو مرے پردے میں ہو تو دل کی نوا در تو نہ   ساز ہی ساز نہیں سوز سے معمور بھی ہوں
قابلِ رحم ہو کے دوست مرا حال نہ پوچھ   ہوں ہم آغوش بھی اور تجھ سے بہت دور بھی ہوں
گو ہر اک بات میں آزاد ہوں مختار ہوں میں   پھر کوئی چیز ہے ایسی بھی کہ مجبور بھی ہوں

جلتا کہ جاں ہے تن سے گریزاں ترے بغیر   سر تا بپا ہوں شعلۂ لرزاں ترے بغیر
اک آتشِ تمام ہے دل اے مرے خلیل!   آتش کدہ ہے آہ گلستاں ترے بغیر
یہ نکھری نکھری سی نئی دوشیزگی صبح!   یہ بھیگی بھیگی شام گلستاں ترے بغیر
یہ بھیگی بھیگی مست ہوا یہ فضا یہ کیف!   اف! یہ گھٹا یہ موسمِ باراں ترے بغیر
یہ بیخودی و نشہ میں ڈوبی ہوئی فضا!   یہ اضطرابِ جوششِ بہاراں ترے بغیر
مہکی ہوئی فضا میں یہ بہکی ہوئی ہوا   یہ مستیٔ تمام گلستاں ترے بغیر
سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے مرے لئے   میں کیا کروں گا یہ سر و ساماں ترے بغیر

تمام عمر وہ کچھ یوں کرشمہ ساز رہے   نفس نفس میں سمٹے ہوئے جذب پھر بھی راز رہے
ترے نثار مرا حال پوچھنے والے   دل اور درد میں کوئی تو امتیاز رہے

جذبِ دل کھینچ کے مجھ تک انھیں لایا ہی نہ تھا   اس سے پہلے تو یہ عالم نظر آیا ہی نہ تھا

www.taemeernews.com

حسن اور سادگی حسن آگئی تو یہ جیسے خالق نے کوئی داغ چھپایا ہی نہ تھا
اب یہ عالم ہے کہ تفریقِ سر و سجدہ محال سر بھی وہ جس کو کسی در پہ جھکایا ہی نہ تھا
ہائے یہ اس کی تلافی کی نگاہیں انور
جیسے اس نے مجھے دیوانہ بنایا ہی نہ تھا

بے سکونی سے بھی اب حاصلِ سکونِ دل نہیں دل ابھی سرمایہ دارِ جذبۂ کامل نہیں
اب رفیقِ زندگی بس اک تمہاری یاد ہے زندگی ہر چند مشکل ہے مگر مشکل نہیں
بھولی بھالی شکل ہے سر تا پا معصوم ہو کون کہتا ہے کہ تم قاتل ہو تم قاتل نہیں

وہ زندگی وہ حاصلِ صد زندگی کہ جب نغمے سنا رہے تھے وہ سازِ شباب سے
وہ عشرتِ فتادگی و بیخودی کہاں جب زندگی مراد تھی اک اضطراب سے
کرلوں نہ چاک چاک کہیں دامنِ حیات تنگ آگیا ہوں اس دلِ خانہ خراب سے
انور نہ پوچھیے کہ یہ ہے خاص رازِ عشق
میں نے جو لطف اٹھائے اٹھائے عتاب سے

نمونۂ نظم

یادِ حیات

ٹھوکریں در در کی کھانا یاد ہے ان کو ٹھکرا کر پھر نہ پانا یاد ہے
یاد ہے سارا فسانہ یاد ہے زندگی کا ہر زمانہ یاد ہے
مے بھی تھی مینا بھی تھا ساقی بھی تھا ہائے اب تک وہ زمانہ یاد ہے
بھیگی بھیگی شام کی سرمستیاں وہ لبِ جو بیٹھ جانا یاد ہے
ہر طرف ٹھنڈی ہوا کے ساتھ ساتھ ابر کا اٹھ اٹھ کے آنا یاد ہے
کالی کالی بدلیوں کا کیف سے جھوم جانا پھیل جانا یاد ہے
آبشاروں کے حسیں نغمات سے مست ہو کر گنگنانا یاد ہے
آتشیں مے کا بلوریں جام میں سرخوشی سے جوش کھانا یاد ہے
پیکرِ بلور کی دوشیزگی ! وہ نگہ کا رنگ لانا یاد ہے
وہ فضا وہ آبشارِ سلسبیل روح کا وہ جھوم جانا یاد ہے
یوں کہ آنکھوں کو نہ ہو کچھ بھی خبر دل میں آکر بیٹھ جانا یاد ہے
اعتبارِ نظمِ الفت کے لئے لب پہ شکووں کا نہ لانا یاد ہے
رس بھری آنکھوں کے سازِ مست سے پیت کے نغمے سنانا یاد ہے
کیف آور دلنشیں آواز سے نغمۂ رامشگرانہ یاد ہے
پھونکدے پھر آتشِ نغمات سے مطربہ کوئی ترانہ یاد ہے
آتشِ سیال قربانت شوم خون کو بادہ بنانا یاد ہے
وصل میں بادِ خمارِ صبح سے روح کا وہ کانپ جانا یاد ہے
شاخسارِ برق پہ تھا آشیاں زندگی کا وہ زمانہ یاد ہے
اپنے ہاتھوں سے دلِ آسودہ کا درد کی دنیا بسانا یاد ہے
وہ تصور کا جحیمِ شوق میں آنسوؤں کا ڈبڈبانا یاد ہے
اے سحر اے ابر اے رنگِ شفق وہ مجھی کو کھلنے جانا یاد ہے
درد میں ڈوبے ہوئے نغمات سے دل کو اپنا رنگ لگانا یاد ہے
میٹھے میٹھے درد کی اس میں خلش رات بھر آنسو بہانا یاد ہے
وہ ریاکاری ہو اور دنیائے دل اب فقط رونا رلانا یاد ہے
ہیں رلائے آسماں کی گردشو! ہم کو بس کر رنگ لانا یاد ہے
آنکھ ویراں، دل تپاں، اشکوں لبریز خاکِ صحرا کی اڑانا یاد ہے
اب کہاں اگلے سے وہ رازِ نیاز سر جھکا کر بیٹھ جانا یاد ہے
یاد ہیں نظریں کبھی تھیں دلنواز یاد نہیں اب دل لگانا یاد ہے
اہتزازِ نور کا عالم کہاں؟ صبحِ دوشیں کا نہانا یاد ہے
اب کسی کافر کی صورت دیکھ کر ان کی صورت یاد آنا یاد ہے
زندگی پاس کی تنظیم کی بس تڑپنا تلملانا یاد ہے
کیوں نہ روئیں ہم تجھے اے زندگی اب فقط رونا رلانا یاد ہے
زندگی انور مجسم زندگی
ہائے کیا تھا وہ زمانہ یاد ہے

نمونۂ نثر

"اگر یہ صحیح ہے کہ جو کلام انسانی جذبات کو برانگیختہ کرے اور ان کو تحریک میں لائے وہ شعر ہے" تو مجھے کہنے دیجئے کہ "رازِ کشش" تمام تر شعر ہے اور اصنافِ شعر میں سے بھی اس خاص صنفِ سخن سے متعلق ہے جو فطرتِ انسانی کا سب سے زیادہ نازک اور لطیف جذبہ ہے۔ کوئی کچھ بھی کہا کرے میں نے تو ہمیشہ اسے ایک مسلسل غزل ہی سمجھ کر پڑھا اور لطف اندوز ہوا۔ کیونکہ لغوی معنی کے علاوہ اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے بھی تمام وہ چیزیں جو غزل کیلئے ضروری خیال کی جاتی ہیں "رازِ کشش" میں تمام و کمال موجود ہیں۔ بلندیٔ خیالات، پاکیزگیٔ جذبات، صلاحتِ زبان، رنگینیٔ واقعات، نفسیاتی واقفیت، معاملہ بندی، مصوری و محاکات، وارفتگی و ازخود رفتگی، قوتِ مشاہدہ، صداقتِ اظہار، بداعتِ اسلوب، ندرتِ ادا، سادگی و پرکاری، موسیقی، تلاش اور سب سے زیادہ زبردست چیز سوز و گداز، لب و لہجہ کی تازگی و شکفتگی اور زبان و بیان کا لوچ و رچ، کہ میں جانِ تغزل کہتا ہوں۔ الغرض انہیں تمام ضروری اشیا اور انکے لوازم و متعلقات کو نہایت لطیف و شیریں امتزاجی کیفیت کے ساتھ "رازِ کشش" میں محسوس فرمائے گا:

"میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ نہ تو کلامِ نیاز کو اس کی ضرورت ہے اور نہ ناظرین کو، بلکہ میں خود اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔" "آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک مصور اگر کسی منظر یا واقعہ کی تصویر کھینچے گا تو اس کا موقلم یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے گا کہ وہ فی نفس الامر کیا ہے۔ اور اس کے تمام یا اکثر جزئیات کو پیش نظر کر دے گا۔ لیکن ایک شاعر یا انشا پرداز جب اسی میدان میں اپنے اشہبِ قلم کو جولانیاں دکھائے گا تو صرف اس حیثیت سے کہ اس منظر یا اس واقعہ کو دیکھ کر اس کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بظاہر وہ تصویر تو ہوگی اسی منظر کی لیکن باطن وہ ایک خاکہ ہوگا اس کے اپنے ان جذبات و احساسات کا جو اس منظر کو دیکھ کر اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی صاحبِ ذوق کے دل میں ایک منظر سے متاثر و منفعل ہو کر جذبات، تاثرات اور احساسات کا ایک طوفان برپا ہو جانا اتنا حیرتناک نہیں ہے جتنا ان کو سادگی و پرکاری کے ساتھ مترنم اور سادہ زبان میں ادا کر دینا۔" (ماخوذ از نیاز و رازِ کشش)

مولوی نورالدین صاحب آنوؔ انصاری بھوپالی کی غزل پر حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہ کی اصلاح

بیاں جا ہو؛ اب وحشت میں بن ... گفتگو
~~نہ بے منہ میں زباں ... گفتگو میری~~ — چمن کی پتی پتی ہے زبانِ آرزو میری

سمجھتا ہے جو کر ان کے سامنے کہنے کا کیا حاصل؟ — مری حالت تو خود ہی ترجمانِ آرزو میری

خلش سی دل میں رہ رہ کر مری ہوتی تو ہے ہمدم! — مگر یہ کچھ نہیں معلوم کیا ہے آرزو میری

کرتی ۔ ہر ساعت
رگ پے میں ~~...~~ کسی شے دوڑتی پھرتی ہے — مجھی میں کر رہا ہے کوئی شاید جستجو میری

اسیرانِ جنوں بھی اب مزے دار لے کے سنتے ہیں — قفس میں بیٹھے بیٹھے بہکی بہکی گفتگو میری

بیتاب ہیں ۔ الفت
مگر وارفتہ رفتار ہے دشتِ ~~محبت~~ میں — کہ میری جستجو میں کھو گئی خود جستجو میری

نہ ہو کس ... کی اتنی غیر ممکن ہے — فلک سے بھی بہت اونچی ہے ~~...~~ بزم آرزو میری

"بام" مذکر ہے

www.taemeernews.com

ارمان مولوی بشارت علی خانصاحب آفریدی اکبرآبادی ۳

آپ سنہ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے ۔ والد کا نام مولوی امداد حسین خانصاحب آفریدی ہے ۔ آپ قوم کے آفریدی پٹھان ہیں ۔ وطن اول تیراہ اور وطنِ ثانی آگرہ ہے ۔ آپ کے آباء و اجداد عہدِ شاہجہانی میں ہندوستان آئے ۔ اور لاہور، دہلی لکھنؤ اور آگرہ میں مقیم ہوئے ۔ آبائی پیشہ سپہ گری اور لکڑی کی تجارت تھا ۔ آپکے والد نے سرکاری ملازمت اختیار کی ۔

آپکے دادا صاحب مرحوم ایک عالم متبحر اور فارسی کے ماہر تھے ۔ جن کا مشغلہ درس و تدریس تھا ۔ اسلاف کی تمام علمی و اخلاقی خصوصیتیں آپ میں بھی پائی جاتی ہیں چونکہ آپ ایک سپاہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اس لئے وہی شجاعت و ہمت آپ میں بھی موجود ہے ۔ فنونِ سپہ گری کے بھی آپ ماہر ہیں ۔

بچپن ہی سے آپ میں ذکاوت و ذہانت کے بہترین آثار پائے جاتے تھے چنانچہ اسکول کی زندگی میں آپ تمام طلبا سے ہمیشہ ممتاز رہے ۔ اساتذہ آپ سے انتہائی شفقت و محبت کیساتھ پیش آتے تھے ۔ یہاں تک کہ آپ سے بعض امور میں مشورہ بھی لیا جاتا تھا ۔ آپ نے شعیب محمدیہ ہائی اسکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا ۔ چونکہ اردو، فارسی اور عربی کی قابلیت آپ میں پہلے ہی سے تھی اس لئے اسی اسکول میں آپ بڑے مولوی کی جگہ فائز ہو گئے ۔ اور اب تک اپنے فرضِ منصبی کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں ۔ تمام خارجی تفریحات اور بیشتر تقاریب جو آئے دن اسکول میں ہوتی رہتی ہیں ۔ آپ ہی کے حسنِ انتظام سے تکمیل پاتی ہیں ۔ آپ اسکاؤٹ ماسٹر بھی ہیں ۔ آپ کے دل میں قوم کا درد ہے اور مقامی طور پر آپ مسلمانوں کی فلاح کے لئے بھی کچھ نہ کچھ ضرور کرتے رہتے ہیں ۔ آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بلا امتیازِ قومی آپ لوگوں کی مدد کے لئے تیار رہتے ہیں ۔

آپ کو تقریر کرنے میں وہ ملکہ ہے کہ کتنا ہی مشکل سے مشکل موضوع کیوں نہ ہو اور فوراً ہی آپ کو کیوں نہ بتایا گیا ہو جس وقت آپ اس موضوع پر تقریر کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معلومات کا ایک سمندر اُبل رہا ہے الفاظ کی بندش و صحت ۔ اور تقریر کی روانی لوگوں کو بے ساختہ داد دینے پر مجبور کرتی ہے نہ صرف یہ بلکہ آپ کو اداکاری میں بھی خاص ملکہ حاصل ہے چنانچہ آپ نے اپنے چند احباب کی مدد سے ایک ڈرامہ اسٹیج کیا تھا اور خود ہی اُسے ڈائرکٹ بھی کیا تھا جو تین روز تک انتہائی کامیابی کے ساتھ کھیلا گیا ۔ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ آپ نے اتنے قلیل عرصہ میں اتنا زبردست ڈرامہ اتنی کامیابی کیساتھ کس طرح اسٹیج کر دیا ۔ یہ آپ ہی کی قابلیت کا نتیجہ تھا کہ ہر اداکار اس لائن میں ماہرِ فن معلوم ہوتا تھا حالانکہ سب آپ ہی کے اسکول کے طلبا تھے ۔ ڈرامہ نگاری میں بھی آپ کو کمال حاصل ہے اب تک کئی ڈرامے تصنیف فرما چکے ہیں ۔

شعر و شاعری سے آپ کو بچپن ہی سے لگاؤ ہے تھوڑے ہی عرصہ میں آپکو اس صنف میں کافی مہارت پیدا ہو گئی ۔ ابتدائی دور کا تمام کلام شیخ بزرگ علی صاحب خالی کو دکھایا ۔ روز بروز آپ کا معیار بلند ہوتا گیا ۔ خالی صاحب کی وفات کے بعد آپ حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی طرف رجوع ہوئے ۔ شاعری کی ہر صنف پر آپ کو قدرت حاصل ہے ۔ بدیہہ گوئی میں خاص ملکہ ہے ۔ آپ کی نظمیں اور غزلیں آگرہ اسکول کا صحیح نمونہ ہیں ۔ الفاظ کی شوکت، خیال کی ندرت اور مضمون آفرینی آپ کا خاص حصہ ہے ۔ جدید طرز کی نظمیں آپ خوب لکھتے ہیں ۔ نہایت سنجیدہ اور خوددار انسان ہیں ۔ طبیعت نام و نمود سے بے نیاز ہے ۔ عرصہ تک آپ سیماب لٹریری سوسائٹی آگرہ کے صدر رہ چکے ہیں ۔

چونکہ آپ کا ماحول تعلیمی ہے اس لئے آپ کی بیشتر تصانیف درسی ہیں جو طبع ہو چکی ہیں ان کے علاوہ مسلمان بچہ بچہ ، مثنوی کی قیمت فتح اسپین ۔ تصویرِ وفا ۔ یہودی کی لڑکی

www.taemeernews.com

دادا آغا حشر مرحوم کے ڈرامہ کا دوسرا حصہ (غیر مطبوعہ) ہیں۔

نمونۂ تغزل

رہنے دے ذوقِ طلب وقفِ رہِ منزل مجھے		حاصلِ صد سعی ہے اک سعیِ لاحاصل مجھے
اپنے منہ سے آپ فرمانے لگے سائل مجھے		اب تو کرنی ہی پڑی شرحِ مراد دل مجھے
دل دیا اور دل بھی اپنے درد کے قابل مجھے		آپ نے تو دے دیا کونین کا حاصل مجھے
موجِ طوفاں بن گئیں آخر مری خود داریاں		جب نظر آنے لگا امید کا ساحل مجھے

نا مکمل سا ہیں افسانہ تھا شوق و درد کا
آپ نے ارمان سے کر دیا کامل مجھے

موت کی تلخی نہیں موتِ شکستِ ساز ہے		یہ مرے تارِ نفس کی آخری آواز ہے
کشتۂ ناز آ گئے آپ ہی حقیقت کھل گئی		میں نے پوچھا یہ مری ہستی ہے یا بود میرا راز ہے

کھل گیا تیری حقیقت اور مری ہستی کا راز		یعنی میں جس نور کا پرتو ہوں تو وہ نور ہے
آخری دیدار کر لو کھول کر بندِ نقاب		نشہ باد کہ چشمِ منتظر بے نور ہے
میرے قفس میں جا کے مجبوروں کے لئے تیرا کرم		اے چمن والے چمن کا کیا یہی دستور ہے

جہانِ شوق کی مجبوریاں ارے توبہ		نہیں نظر پہ مجھے دل پہ اختیار نہیں
تری عطاؤں کا حاصل تری کرم کا نچوڑ		یہی تو دل ہے مجھے جس پہ اختیار نہیں
کسی کے شوقِ نمائش کا مرثیہ خواں ہوں		میں اپنے ذوقِ تماشا کا سوگوار نہیں

خدا معاف کرے ارماں گنہگار تو ہے
مگر بقدرِ کرم آگنہ گنہگار نہیں

نشیمن لٹ چکا میں ہوں قفس ہے اور اسیری ہے		چمن والو بتا دو کیا چمن میں ہے بہار اب بھی؟
یہ مختاری کہ دل مجبور ہے بیزار جینے سے		یہ مجبوری کہ مرنے پر نہیں ہے اختیار اب بھی
یہ وحشت نا ہے چشمِ تر اور فاتحہ خوانی		مجھے سونے نہ دو گے آپ کیا زیرِ مزار اب بھی
سیہ چادر ہے تاریکی ہے شب ہے ہو کا عالم ہے		لئے بیٹھے ہیں آنسو شمع میرے مزار اب بھی

یہ تیرا کرم یہ تیری عطا اے حسنِ فسوں گر کیا کہنا
یہ لطف کہ خود دل بھی بخشے خود درد کے بھی قابل کر دے

یہ الفت کے افسانے بھی کیا خوب فسانے ہوتے ہیں
تم ہنستے ہو اور سنتے ہو ہم کہتے ہیں اور روتے ہیں

بیگانۂ ذات و صفات ہوں میں آزادِ حیات و ممات ہوں میں
میں خود خلاقِ عالم ہوں ہر سانس ہے اک عالم میرا
جب چاندنی چھٹکی ہوتی ہے میں چاند سے کھیلا کرتا ہوں
ہر تارے کا دمساز ہوں میں ہر تارہ ہے ہمدم میرا

کیوں وہ آخر مجھ کو سر سے پاؤں تک دیکھا کریں		کیا یہ مطلب ہے کہ ہم رگ رگ میں دل پیدا کریں
حسن سے بڑھ کر ہے نازک غیرتِ ناموسِ غم		آہ کر کے کیوں مذاقِ درد کو رسوا کریں
مرکزِ مسجودیت سے تم ذرا آگے بڑھو		سرحدِ سجدہ سے آگے بڑھ کے ہم سجدہ کریں

عصمتِ شوق نے تحقیق کی مہلت ہی نہ دی
ہم وہ مجنوں ہیں کہ پوچھا کئے محمل خالی

نمونۂ نظم

"فتحپور سیکری کے شاہی کھنڈر سے"

اے کھنڈر اے سرگزشتِ عظمتِ ہندوستاں		اے ستم جبرِ گمنامی کے روز و ماہ و سال
اے مزارِ شانِ مسلم کے پرانے نوحہ خواں		اے سراغِ قومِ رفتہ کے نشانِ بے نشاں

تو اسی دنیا کی اک تعمیرِ عالیشان تھا
وہ بھی دن تھے تو محل تھا قصر تھا ایوان تھا

تیری وہ عظمت وہ رفعت اور وہ شوکت کیا ہوئی		رہ گئے ہیں بام و در کچھ شکستہ ہو نشاں
ہائے تیری نعمتیں اب بن رہی ہیں بستیاں		جیسے اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے غبارِ کارواں

نام پر مٹنے والوں کا نشاں بھی مٹ گیا
جس پہ جھکتا تھا فلک وہ آستاں بھی مٹ گیا

اک جھلک اپنی دکھا کر چھپ گئی برق تپاں   بجھ گئے شعلے سلگتی رہ گئیں چنگاریاں
اب فروغِ عیش و عشرت کی جھلک تجھ میں کہاں   تو ہے شمعِ کشتۂ ملت کا ہلکا سا دھواں

کوئی دم میں تو بھی ہم خواب فنا ہو جائے گا
ایک جھونکے سے حوادث کے ہوا ہو جائے گا

سیکڑوں نغمے تری دیوار و در میں جذب ہیں   قہقہے کتنے فضاؤں کے جگر میں جذب ہیں
دلنشیں چالوں کے فتنے رہگذر میں جذب ہیں   مستیاں لاکھوں ترے اک ایک پتھر میں جذب ہیں

جھوم اٹھی خود تیری ہستی مے پرستوں کی طرح
لڑکھڑا کر گر پڑا خود تو ہی مستوں کی طرح

تو نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے شاہوں کا حشم   تو نے برتے ہیں بہت تیغ و تبر طبل و علم
تیری خدمت کیلئے موجود تھے خیل و خدم   تیرے آگے سر دلیروں نے جھکا کر دی تھی خم

آج تو سرتا پا عبرت کی اک تلقین ہے
تیری پامالی مگر نظارے کی توہین ہے

اب مجسم مرثیہ ہے تیری افسردہ فضا   آندھیاں بھی کیا کرتی ہیں ماتم سا بپا
ٹوٹی دیواروں کو آ کر چھیڑتی ہے جب ہوا   تیری خشت و سنگ سے آتی ہے آواز بکا

اب ہے مٹی، خاک کیچڑ فرشِ قالیں کی جگہ
ہر طرف کائی جمی ہے نقشِ رنگیں کی جگہ

چند اور چمگادڑیں ہیں اب مکانوں میں ترے   کرگس و زاغ و زغن ہیں آشیانوں میں ترے
جھینگروں کا شور ہے نقار خانوں میں ترے   مکڑیاں بکھری پڑی ہیں پاسبانوں میں ترے

زندگی کے کچھ بھی اب آثار پیدا ہی نہیں
جیسے تو انساں کی آرام گہ تھا ہی نہیں

اُف یہ پامالی، یہ ویرانی، یہ پستی اور تو   تیرے باغ و راغ تھے گویا سبھی بیتِ رنگ و بو
پی لیا دنیا نے سیری طرح تیرا بھی لہو   ایک شاخِ خشک ہے تو، اک دلِ بے آرزو

آ چھپا لوں تجھ کو سینے میں، جگر میں، جان میں
آرزو میں، حسرتوں میں، درد میں، ارمان میں

نمونۂ نثر

ڈرامے کا ایک سین

(سین ۱۵)

{ڈپٹی صاحب کا مکان۔ دو روز بعد رعنا باورچی خانہ میں برقعہ اوڑھے کھانا پکا رہی ہے صرف نقاب اٹھا ہوا ہے۔}

رعنا۔ (خود بخود) رعنا۔ بہت آرام کیا۔ چل اب آرام کے گناہ کا کفارہ ادا کر۔ غریبی ایک مہکتا ہوا پھول ہے جس میں معصومیت کی خوشی اور مظلومیت کا رنگ ہے اور جو اسی لئے کھلتا ہے کہ امیری کی ٹھوکروں میں روندا جائے۔ ٹھوکروں کی پرواہ نہ کر۔ بلکہ گیند کی طرح ٹھوکر کی چوٹ سے اچھلنا سیکھ اور ہر ٹھوکر کے ساتھ زندگی کے میدان میں آگے بڑھتا جا۔

{مسالہ پیسنے بیٹھتی ہے آنکھ میں چھینٹ پڑ جاتی ہے۔ ہاتھ جل گئے ہیں مرچیں لگتی ہیں۔ دھوتی ہے۔ خون جھلکتا ہے۔}

(خون دیکھ کر) جھلک رہا ہے تازہ تازہ خون تجھے ڈرانے کے لئے جھلک۔ اے رعنا۔ خبردار ہمت نہ ہارنا۔ ابھی بدن میں بہت خون ہے۔ دو چار بوندیں نکل جائیں تو نکل جانے دو۔ یہ خون نہیں انسانیت کے ماتھے کا پسینہ ہے جو دولتمندی کی سیاہ کاریوں کو دیکھ کر شرم سے نکلنا چاہتا ہے۔ اچھا چلو آگ جلاؤ۔

{آگ جلاتی ہے۔ دیر تک پھونکتی رہتی ہے آگ نہیں جلتی اکتا کر پھونکنی ڈال دیتی ہے (مسکرا کر) سنا ہے کہ دیپک راگ گانے سے آگ جل اٹھتی ہے۔ گانا چاہیئے۔ گاتی ہے۔}

گانا

(آگ جل اٹھتی ہے۔ ہانڈی چڑھا کر، بی پکانے بیٹھتی ہے۔ مگر روٹی پکانے میں ہاتھ جل جاتے ہیں۔ تیوری پر بل آتا ہے۔ آبلہ پڑ جاتا ہے۔)

رعنا۔ (خود بخود) (آبلوں کو دیکھ کر) تم ہمت ہار گھبرا گئیں؟ آبلوں کو کیا دیکھتی ہے۔ ان میں پانی بھرا ہے پانی جس چیز سے بنا ہوگا امیرانہ نوالوں سے جو غریبوں کا پیٹ کاٹ کر حاصل کئے گئے ہوں گے (بیلن اٹھا کر روٹی بیلتی ہے) آبلہ پھوٹ جاتے ہیں تھم جاتی ہے (آبلوں کا پانی پونچھ کر) اور یہ زندگی خود ایک آبلہ ہے جس میں "ہائے" کی ہوا اور آنسوؤں کا پانی بھرا ہے۔

{ کھانا پکانے لگتی ہے۔ بیگم صاحبہ کی آواز آتی ہے کہ کھانا دسترخوان پر۔ }

مولوی بشارت علی خانصاحب ارمان آفریدی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ کی اصلاح

آہ کا اسلوب نو ایجاد ہونا چاہیے
سانس کی ~~بھی قید سے~~ (الجھن سے بھی) آزاد ہونا چاہیے

پھر ضرورت ہے کہ کروٹ لے نظامِ انقلاب (کرنے)
یعنی مجھ کو مائلِ فریاد ہونا چاہیے

~~ہر خلش میں ٹیس ہر رگ میں خلش کی بستیاں~~ (نشتر فروش)
اک جہانِ دل نیا آباد ہونا چاہیے

~~میری بربادی کو ہر قصے سے اک دنیا بسے~~ (نام کے ذرے سے میری رگ نئی دنیا بنے)
~~ہاں مجھے~~ (مجھ کو ایسی) اس شان سے برباد ہونا چاہیے

بن گئے آئینِ نو ایوانِ استبداد میں
۲ فطرتِ مظلومیت کو شاد ہونا چاہیے

اف مذاقِ شادکامی اس قدر پست و رکیک
اب تو مجھ کو فطرتاً ناشاد ہونا چاہیے

گر تمنا ایک انداز لغزشِ تخلیق ہے
پھر تو مجھ کو بھی تمنا زاد ہونا چاہیے

آپ اے ارمان ہیں ناموسِ ملت کے امیں
آپ کا ہر شعر اک ارشاد ہونا چاہیے

آلم، مولوی محمد اسحاق صاحب مظفرنگری ۴

ضلع مظفرنگر اور ضلع سہارنپور میں افغانوں کی باون بستیاں مشہور ہیں اور عام طور پر وہ جماعتیں جوان تمام بستیوں کی عہد انگلشیہ سے پہلے مالک تھیں آج تک لفظ "باونی" کے نام سے پکاری جاتی ہیں انہیں بستیوں میں سے ایک بستی "بڑانہ" ہے جو ضلع مظفرنگر میں قصبہ شاملی سے مغرب کی جانب قصبہ جھنجانہ کی سڑک پر جانب شمال واقع ہے۔ آلم صاحب کے پردادا "حسین خاں" اسی بستی کے ایک مشہور و معروف افغان زمیندار تھے جن کی دولت کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ان کے والد "کڑے خاں" ہاتھی نشین تھے نیرنگی فلک کا ایک کرشمہ کہئے یا عالم سلوک جذب کی ایک ادنیٰ کشش کہ "حسین خاں" ایک خاندانی نزاع کی بنا پر اپنے بڑے بھائی "حسن خاں" سے ناراض ہوکر دفعتہً ترک وطن پر آمادہ ہوگئے اور تمام املاک بڑے بھائی کے سپرد کرکے توکل بخدا صرف بیوی کو ساتھ لیکر جن کا نام "مینا" تھا وطن مالوف کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ کر چل کھڑے ہوئے کچھ روز ادھر ادھر پھرتے رہے آخر کار ۱۸۵۵ء میں قصبہ مظفرنگر میں وارد ہوئے اور ایک مشہور درویش "سیدنا مدار علی شاہ" کے ہاتھ پر بیعت کی اور زوال دنیا کو ہمیشہ کیلئے طلاق دے کر مردانِ خدا کے زمرہ میں داخل ہوگئے۔

آلم صاحب کے والد قبلہ اللہ دیا شاہ صاحب مرحوم نے سید نامدار علی شاہ کے حالات مختصر طور پر اپنے بزرگوں کی کہانی سنکر قلمبند فرمائے تھے افسوس کہ وہ تحریر ان کے پاس اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے البتہ چند غیر مرتب اوراق ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے کامل درویش تھے اور علاوہ ازیں علوم متداولہ میں کافی دستگاہ رکھتے تھے قصبہ مظفرنگر میں سید موصوف کی بڑی عوض [illegible] میں کافی جائداد تھی جس میں سے انہوں نے بوقت رحلت کھیوٹ ۱۵ و ۱۶ آلم صاحب کے پردادا "حسین خاں" کے نام کردی تھیں آلم صاحب کے والد کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب موصوف کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے غالباً ان کی بقیہ جائداد ان کے خاندان کے دیگر افراد کی طرف منتقل ہوگئی ہوگی۔

چونکہ اب حسین خاں حلقۂ دام ہوس سے آزاد ہوکر دارالامن فقر میں داخل ہوچکے تھے اس لئے لفظ "خاں" کی تمکنت لفظ "شاہ" کی سکون انگیز مسرتوں میں تبدیل ہوگئی اور بجائے حسین خاں کے "حسین شاہ" کہلانے لگے۔ چنانچہ بندوبست اولین میں کھیوٹ ۱۵ و ۱۶ پر ان کا نام حسین شاہ درج ہوا اور اس کے بعد خاندان میں لفظ "شاہ" بطور امتیاز خصوصی نام کے ساتھ بدستور قائم رہا اور ساتھ ہی اس کے پیری مریدی کا سلسلہ بھی قائم رہا۔ آلم صاحب کا خاندان متذکرہ بالا کھیوٹوں پر ایک عرصہ تک قابض و متصرف رہا لیکن آخر میں نزاعات خاندانی کی بنا پر وقتاً فوقتاً اس جائداد کا تھوڑا تھوڑا حصہ قبضہ سے نکلتا رہا یہاں تک کہ آلم صاحب کے والد کی حیات میں چند معوج الذہن حضرات کی [illegible] اور فتنہ سامانیوں کی بدولت یہ تمام جائداد ان کے خاندان کے قبضہ و تصرف سے نکل گئی۔ فی الحال آلم صاحب جائداد مذکورہ کے بہت قلیل حصہ کے مالک ہیں۔

آلم صاحب کے پردادا حسین خاں کے بڑے بھائی "حسن خاں" اس تمام جائداد پر جو موضع بڑانہ میں تھی بدستور قابض و متصرف رہے چنانچہ آج تک ان کی اولاد اس قدیم جائداد کے ایک معتدبہ حصے پر قابض و متصرف ہے۔ اور تمام خاندان موضع مذکور میں آباد ہے حسن خاں کی بیوی کا نام "[illegible]" تھا اس نسبت سے یہ تمام خاندان

www.taemeernews.com

آج تک "ماڑیہ" کہلاتا ہے۔ سالم خاں جو آج کل خاندان "ماڑیہ" میں ایک معمر بزرگ ہیں تہذیب قدیم کا مکمل نمونہ ہیں۔

آلم صاحب کے والد خاندانی دستور کے مطابق سید مظہر علی شاہ ساکن شہر میرٹھ سے مرید اور ان کے خلیفہ اول تھے۔ سید مظہر علی شاہ حضرت شاہ خاموش حیدرآبادی کے اعلیٰ مریدین میں سے تھے یہ خاندان ہندوستان میں سلسلۂ تصوف کیلئے بہت مشہور ہے اور عام طور پر اطراف و جوانب ملک میں اس سلسلہ کے لوگ اکثر پائے جاتے ہیں سید مظہر علی شاہ صاحب کا مزار شہر میرٹھ میں ہے اور وہاں آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے۔ آپ نے عربی زبان کی تکمیل اپنے مکان ہی پر کی اور عربی لٹریچر کا خصوصیت سے مطالعہ کیا اس کے علاوہ پنجاب و الہ آباد یونیورسٹیوں سے علوم مشرقیہ کے اعلیٰ امتحانات بھی پاس کئے ادبیات سے آپ کو گہرا تعلق ہے اور تفسیر و حدیث سے فطری طور پر دلچسپی رہی وجہ ہے کہ آپ کی نظر بہت وسیع ہے عربی کے علاوہ آپ نے فارسی ادبیات کا مطالعہ بھی بہ امعانِ نظر کیا ہے۔ [ہن]دوستان کے فارسی شعراء میں آپ حضرت امیر خسروؒ اور مرزا غالبؒ کے بہت مداح ہیں۔ فن تنقید پر بھی آپ کو کامل دستگاہ ہے

آپ حنفی مسلمان ہیں اور طبعاً بمشرب صوفی، آپ کے کلام منظوم و منثور میں جا بجا مسائلِ تصوف پر بحث نظر آتی ہے اور آپ جذب و سلوک کے مقامات کو جب بھی لکھتے ہیں تو نہایت کامیابی کیساتھ واردات و واقعات روحانی کو قلمبند کرتے ہیں۔ آپ گوشہ نشین، خوددار، خلیق اور بڑے با بزرگ ہیں، ذہنیت قدامت کے اُن کن جراثیم سے محفوظ ہیں۔ نام و نمود سے پرہیز کرتے ہیں۔

مولوی محمد اسحاق جہاں ایک عالم ہیں وہاں آپ کی شاعرانہ شخصیت بھی بلند ہے مظفر نگر میں آپ کی حیثیت ایک ماہرِ فن کی ہے اور اکثر حضرات آپ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں آپ نے دس گیارہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا اور فن شعر کے ابتدائی زمانے میں چند غزلیں مولانا محمد یعقوب صاحب کلام بی اے ساد بیدری کو دکھائیں جو اس نواح کے باکمال شعراء میں سے سمجھے جاتے ہیں انھیں سے آلم صاحب کو اولاً تلمذ کا فخر حاصل ہے اور آپ اس فخر کو محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اب مستقل طور پر ۱۹۴۳ء سے آپ حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ سے بذریعہ خط و کتابت مشورہ لیتے ہیں آپ مذاقِ سلیم سے بہرہ ور ہیں۔ اور ادبیات میں آپ کی رائے صائب رہتی ہے۔ آپ کی شاعری میں متصوفانہ خیالات کا غلبہ ہے۔ اور وہ گہرائیاں موجود ہیں جو کلام کی جان سمجھی جاتی ہیں۔ فن عروض سے اچھی طرح واقف اور قدماء کے کلام کی خصوصیات کے نباض ہیں جو کچھ کہتے ہیں نہایت خوب کہتے ہیں اور سمجھ کر کہتے ہیں۔ آپ کی شاعری تصوف حقائق اور معارف کا مجموعہ ہے شعرائے اردو میں غالب و انیس اور دورِ جدید میں حضرت مولانا سیماب کے معتقد ہیں انہی کو اردو شاعری کا مجدد تصور کرتے ہیں۔ اصنافِ سخن میں قصیدہ، غزل، نظم سب کچھ کہتے ہیں فن تاریخ گوئی میں بھی آپ کو ملکہ ہے۔ آج کل آپ اسلامیہ ہائی اسکول مظفر نگر میں مدرس فارسی ہیں نظم کی طرح نثر نگاری پر بھی آپ قدرت رکھتے ہیں۔ آپ کی نثر فاضلانہ اور ناقدانہ ہوتی ہے۔ وسعتِ مطالعہ اور فطری اصابتِ رائے نے قوتِ نقد و نظر کو مضبوط بنا دیا ہے آپ نے متعدد تنقیدی مضامین کے سلسلے لکھے ہیں "ابونواس اور عمر خیام" کے عربی اور فارسی کلام پر آپ نے سیر حاصل مقالہ اور غالب پر ایک بسیط تنقیدی مضمون لکھا جو رسالہ پیمانہ میں شائع ہو کر بہت مقبول ہوا۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

نمونۂ تغزل

آخر آخر عشق میں حیرت یہ دامنگیر ہے — میری ہر تصویر گویا آپ کی تصویر ہے
منحصر تقدیر پر میرا مآلِ غم نہ کر — مجھ کو پہلے ہی سے کچھ اندازۂ تقدیر ہے

چارہ سازوں کی غلط سامانیاں کچھ کوئی — ہو جنوں آزاد میرے پاؤں میں زنجیر ہے

میں مطمئن ہوں اپنے غم کامیاب سے — تسکین پا رہی ہے مرے اضطراب سے
جو حسن رہ گیا تھا ترے علمِ خاص میں — وہ بھی نہ بچ سکا نظرِ انتخاب سے

وحشتِ قیس بھی ہے حسرتِ فرہاد بھی ہے — اک جہاں عشق کا آباد ہے ویرانوں میں
پھر نئے سر سے وہ اقرارِ وفا کرتے ہیں — زندگی جاگ اٹھی پھر مرے ارمانوں میں
اللہ اللہ یہ گلکاریِ خونِ مجنوں — صحنِ فردوس کا منظر ہے بیابانوں میں
میرے دل میں ہے جو فردوسِ محبت بکنار — وہ جہنم ہے کہاں شمع کے پروانوں میں
ہے کوئی دعوتِ ساقی پہ جو لبیک کہے — آج میخانہ کا میخانہ ہے پیمانوں میں
ہے ترقیِ جنوں قابلِ صد رشک آلمؔ
تم بھی اب فرد ہوئے عشق کے دیوانوں میں

ان کا ہر اک تبسمِ خاموش — جلوۂ برقِ طور ہوتا ہے
حسن اور رازِ عشق سے واقف — یہ بھی دل کا قصور ہوتا ہے
تیرا وہ رہ کے جھومنا ساقی — اک بہشتِ سرور ہوتا ہے
وہ بھی کیا وقت ہے مسافر کا — جب وہ منزل سے دور ہوتا ہے

جو خزاں بھی ہے ستمِ باغباں بھی ہے — ہاں ہم مجھے ہوسِ آشیاں بھی ہے
اے آرزوئے حسرت آزار شاد باش! — صیاد کی نظر طرفِ آشیاں بھی ہے
بجلی چمن کو چھوڑ گئی باغباں مگر — محفوظ اس چمن میں مرا آشیاں بھی ہے؟
ہوں بیخودی میں سجدہ گزارِ حریمِ دوست — میری جبیں جبیں ہی نہیں آستاں بھی ہے
یہ کونسی منزل ہے گردابِ حقیقت میں — ساحل ہے نہ دریا ہے کشتی ہے نہ طوفاں ہے
خاطر میں آلمؔ لائے کیا شورِ قیامت کو
وحشیِ محبت ہے صد حشر بہ داماں ہے

مست تھی آزاد تھی بزمِ ازل کی کیف سے — روح جب تک قیدیِ زندانِ آب و گل نہ تھی
ذرہ ذرہ دے رہا تھا ایک پیغامِ حیات — مہبطِ الہامِ فطرت تھی مری منزل نہ تھی
تم ٹھہر جاؤ ہمارے ساتھ دم بھر کیلئے — وادیِ الفت میں کیا ایسی کوئی منزل نہ تھی

سیکھتا تھا اضطرابِ موجِ دریا سے سبق — درس آموزِ گلِ خاموشیِ ساحل نہ تھی

بس اک لمحہ ہی باقی ہے اندازِ موسمِ گل کا — چمن کی سیر کر لیں یا طوافِ آشیاں کر لیں
نہ دی الہام تجلی نظر گوشہ نشینوں کو — اٹھا دیں دل سے اک پردہ تو سیرِ دو جہاں کر لیں
سزاوارِ قفس کیوں ہوں وہ گلشن کے دیوانے — جو سامانِ تباہی آشیاں در آشیاں کر لیں

یہ فریبِ جلوہ سامانی یہ سرابِ دلنوازی — کہ نیاز مند ہو کر ہوں اسیرِ بے نیازی
تری آنکھ مے کدہ ہو تو خیالِ زہد کیسا — جو شراب تو پلائے تو کہاں کی پاکبازی
یہ فسردگیِ پیہم یہ فتادگی برہم — ترے دل پہ چھا گیا ہے مرا رنگِ شعبدہ بازی
آلمؔ آتشِ عقیدت ہو حرم فروز کیوں کر
کہ خرابِ بتکدہ ہے مرا نغمۂ حجازی

بتوں کی خامشی ہے ترجماں دیر میں تیری — نئی طرزِ پرستش ہے باندازِ کہن تیری
لو بھڑک مرے جذبات دل میں کھیل جاتے ہیں — شفق جب یاد آ جاتی ہے اے شامِ وطن تیری
خرامِ مست سے دشواریاں کچھ اور بڑھتی ہیں — مسافر تیز رو ہو جا کہ منزل ہے کٹھن تیری
شہیدِ عشق تجھ پر سایۂ ابرِ محبت ہو — بیاباں میں پڑی ہے لاش بے گور و کفن تیری
آلمؔ تیرے مذاقِ فکر سے شعلے برستے ہیں — طبیعت آگ ہو گئی ہے دمِ فکرِ سخن تیری

بلندی پر ستارہ ہے جنونِ فتنہ ساماں کا — نظر میں چاند بن جاتا ہے ہر ذرہ گریباں کا
محبت کیوں نہ ہو جائے اسیرِ فطرتِ انساں — بساطِ قلب میں اک جال سا پھیلا ہے رگِ جاں کا

نمونۂ نظم

چاند

دنیا کی وسعتوں میں ہے آئینۂ شباب — اک بے مثال نور کی تصویرِ لاجواب
اک شعلۂ خموش بہ عنوانِ آب و تاب — شہزادۂ فلک [illegible] آفتاب
نکلا وہ ماہتاب

آغوش میں سرور کی دنیا لئے ہوئے ۔۔۔ جلووں میں انبساطِ تمنا لئے ہوئے
روحانیت فروز اُجالا لئے ہوئے ۔۔۔ اپنی جلو میں نور کا دریا لئے ہوئے

نکلا وہ ماہتاب

دکھتے ہوئے دلوں کو وہ سمِ لطیف تر ۔۔۔ بھٹکے ہوؤں کو قابلِ تعظیم راہبر
اپنے کمالِ نور سے عنوانِ رہ گذر ۔۔۔ تصویرِ زندگی کا تبسم ہو سر بسر

نکلا وہ ماہتاب

اے سرگرانِ ہستیٔ پُر پیچ و تاب اُٹھ ۔۔۔ اے روز سو گئے ہوئے غمگیں شباب اُٹھ
اے انتہائے یاس کے معروفِ خواب اُٹھ ۔۔۔ نظارہ تیرا ہونے کو ہے کامیاب اُٹھ

نکلا وہ ماہتاب

نمونۂ نثر

کسی تصنیف یا تالیف کیمتعلق کسی تنقید نگار کا یہ طے کر دینا کہ وہ قطعی طور سے اخلاق انسانی اور سوسائٹی کی بنیادوں کیلئے سخت تباہ کن ہے اور یہ کہ اس قسم کی تصنیف و تالیف تمدنِ انسانی اور معاشرتِ حیات کیلئے ایک زہریلی چیز ہے۔ ہماری خیال میں ایک شدید غلطی ہے جسے تنقید نگار کی ایک جسارت سے زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی۔ افسوس یہ ہے کہ بہت سی اچھی تصانیف محض اس غلط اصولِ تنقید کی نذر ہو گئیں اور آج اُن کا نشان تک نہیں ملتا اور تاریخِ عالم میں اس قسم کی تباہی کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ آنیوالی نسلیں اسلاف کی ان فروگذاشتوں کو معاف نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ ان کی یہ تنگ نظری کسی نہ کسی خصوصی فن یا علم و ہنر کی معراج کو تباہ کرنیکا باعث بن چکی ہے۔

ایک صحیح ناقدِ فن کا تو یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ جس قسم کی تصنیف و تالیف پر اپنے قلم کو جنبش دے رہا ہے۔ دنیا کو بتا دے کہ وہ تصنیف یا تالیف اپنے موضوعِ فن کے لحاظ سے کہاں تک کامیاب یا ناکامیاب ہو سکتی ہے اور یہ کہ وہ کس زمانہ اور کس ماحول میں لکھی گئی ہے۔ اس کے مصنف نے نوعیتِ فن اور زیرِ بحث مسئلہ پر کس قدرت یا عدمِ قدرت کیساتھ قدم اٹھایا ہے وہ صرف اپنے مخصوص موضوع کی حد میں کس درجہ تک کامیاب و ناکامیاب ہے ایک سائنسداں کی کتاب میں شاعری کے نکات تلاش کرنا فعلِ عبث ہے۔ بالکل اسی طرح ایک شاعر کے کلام میں علمِ ہندسہ کے موضوعات کی تفتیش بیکار سی بات ہے۔

مولوی محمد اسحاق صاحب آلم مظفر نگری کی غزل پر حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ کی اصلاح

بن کے اک شورشِ آہنگِ رگِ ساز کبھی ۔۔۔ ہو مغنیٔ ازل زمزمہ پرداز کبھی
اب تلک سوز ہوں نغمہ گر ساز کبھی ۔۔۔ درد ہوں، درد میں ہوتی نہیں آواز کبھی
تھا تصور میں تجلی کا مری ہمراز کبھی ۔۔۔ حیرتِ آئینہ تھی آئینہ پرداز کبھی
ہے کبھی شمع کبھی پروانۂ جانباز کبھی ۔۔۔ عشق کا راز کبھی حسن کا اعجاز کبھی
طعنِ صیاد نہ کر بے پروبالی یہ مری ۔۔۔ لے اڑی گی مجھے یہ جوششِ پرواز کبھی
دوست تو دوست عدو بھی نہ یہ سمجھیں ۔۔۔ ان کی محفل کا بدلتا نہیں انداز کبھی
کس کے جلووں کی نمائش ہو چراغِ محفل ۔۔۔ تو نے سوچا بھی ہے پروانۂ جانباز کبھی
مر گیا قیدیٔ زنداں ہوئی تکمیلِ جنوں ۔۔۔ اب نہ آئیگی زنجیر کی آواز کبھی
ہے نہاں دل کی ہر اک پردہ میں آہنگ ترنم ۔۔۔ تو نے چھیڑا ہی نہیں تارِ رگِ ساز کبھی
سچ ہے کیونکر قلقِ ہجر کی ہو تم کو خبر ۔۔۔ میرے نالوں کی نہ پہنچی تمہیں آواز کبھی
خونِ وحشی سرِ دیوار ہے تاریخِ جنوں ۔۔۔ اہلِ زنداں نے نہ دیکھا تھا یہ اعجاز کبھی
دیکھتا ہوں کہ ازل سے ہیں نگاہیں تیری ۔۔۔ طرحِ انداز کبھی خانہ برانداز کبھی

بے غمِ عشق میسر ہو کسے عیشِ حیات
لطف دیتا نہیں بے سوز آلم ساز کبھی

آذر — فضل الدین صاحب اکبرآبادی بی۔ اے — ۵

آپ کا نام فضل الدین اور آذر تخلص ہے۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۱۲ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی شیخ بند ے حسن تھا جنہوں نے ۱۹۱۸ء میں وفات پائی۔ مرحوم معززین آگرہ سے تھے۔ آپ پانچ بھائی ہیں۔ وحید الدین، معین الدین، ڈاکٹر ولی الدین، فضل الدین آذر اور رفیع الدین۔

جب سے آذر صاحب نے ہوش سنبھالا اسی وقت سے آپ کو تعلیم سے لگاؤ تھا لیکن کسے معلوم تھا کہ یہ لگاؤ بہت جلد آپ کو علم کے ہر تقا تک پہونچا دے گا۔ ابتدا انجمن شعیب محمدیہ پرائمری اسکول کے مکتب میں آپ نے تعلیم پائی۔ ۱۹۲۲ء میں سینٹ جانس ہائی اسکول کے تیسرے درجے میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ۱۹۳۰ء میں انٹرنس پاس کیا اور سینٹ جانس کالج آگرہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل ہو گئے۔ وہاں امتیازی خصوصیتوں کیساتھ بی اے پاس کیا اور ایم اے کلاس میں شریک ہو گئے۔ اس زمانے میں کالج کی طرف سے آپکو اسکولرشپ بھی ملتا تھا ۱۹۳۴ء میں انگریزی ادب اور فلسفہ میں ایم اے پریویس کا امتحان پاس کیا ۱۹۳۶ء میں ایم اے کا فائنل امتحان دینے والے تھے لیکن فطرت کا منشا کچھ اور تھا امتحان سے صرف چند ماہ پیشتر بعض ایسے عوائق پیدا ہو گئے کہ آپ کو مجبوراً کچھ عرصے تک آرام کرنا پڑا۔ آج کل صرف آرام اور تفریح میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ گو یہ چیز آپ کی طبیعت کے بالکل خلاف ہے لیکن قدرت کو یہی منظور ہے۔ اس لئے مجبور ہیں۔

اسکول کی زندگی عموماً جیسی اکثر طالبعلموں کی گذرتی ہے اسی طرح آپ کی بھی گذری لیکن وہ تمام باتیں جنہیں آج آپ کی ادبی، ذہنی اور اخلاقی خصوصیات کہا جاتا ہے ان سب کی بنیاد اسکول ہی میں پڑ چکی تھی۔

چنانچہ آپ کو ہر اس شغل سے نفرت تھی جو آپ کی تعلیم اور مقصود نظر کے حصول میں حارج ہو۔ خیالات نظم کر لینے کی استعداد اسکول ہی میں پیدا ہو چکی تھی اس استعداد فطری کی نشو و نما میں مولوی نجم الحسن صاحب کی شفقتیں اور کاوشیں بھی شامل تھیں۔ آپ نے انگریزی مضمون نویسی میں آٹھویں جماعت ہی سے امتیاز حاصل کر لیا تھا اور یہ بات قابل فخر تھی کہ آپ کے انگریزی مضامین کلاس میں پڑھ کر سنائے جاتے تھے۔

جن باتوں کی بنیاد اسکول میں پڑی تھی وہ کالج میں آکر عمارت کی شکل اختیار کرنے لگیں۔ کالج کی زندگی میں آپ کو اردو ادب کے مطالعہ کا بہت زیادہ موقع ملا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۲ء کو آپ حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ ادھر حضرت مولانا مدظلہٗ کی خاص توجہ ادھر مولانا حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ کی ہمت افزائی غرض آپ بہت جلد ناثر سے شاعر بن گئے۔ اور شاعر ہی نہیں بلکہ ایک اچھے نظم نگار۔ اسی طرح انگریزی مضمون نویسی میں پختگی پیدا ہو گئی۔ ان چیزوں میں دن رات بڑی سرعت سے ترقی ہو رہی تھی۔ لیکن بی اے کے بعد آپ کو عملی طور پر اس دنیا میں آنا پڑا اور کاوش و فکر کیساتھ اپنی ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے آپ ادبی تعمیر میں مصروف ہو گئے۔ چونکہ فطری رجحان اور ذوق صحیح تھا اور رہنما بھی ایسا ملا تھا جس نے بیشتر نکات شعری بقول شخصے گھول کر پلا دیئے تھے اس لئے آپ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اردو اور انگریزی ادب سے دلچسپی رکھنے کے باعث جولائی ۱۹۴۳ء سے اپریل ۱۹۴۶ء تک سینٹ جانس کالج میں ایف اے کی جماعت کو اردو اور انگریزی تنقید کے علاوہ دونوں زبانوں کی مضمون نگاری کا درس بھی آپ دیتے تھے

www.taemeernews.com

دوسرے سال جب آپ فائنل میں آئے تو اردو کی جگہ صرف انگریزی درس دینے کی خدمت آپ کے سپرد کی گئی اور اس مرتبہ بجائے ایف اے کے بی اے کلاس آپ کے سپرد کی گئی۔ کالج میں علاوہ شعر و سخن کی سرگرمی کے آپ بحث و مباحثہ میں بھی امتیازی حیثیت سے حصہ گیر رہے اور اول درجے کے انعامات حاصل کرتے رہے۔ انجمن ترقی اردو سینٹ جانس کالج آگرہ کے آپ سکریٹری اور وائس پریسیڈنٹ بھی رہے ہیں۔

آپ کو کالج اور اسکول میں جس قدر امتیازات حاصل ہوئے وہ سب آپ کی ذہنی استعداد اور اساتذہ کی توجہ کا نتیجہ تھے۔ آپ سے کالج اور اسکول کے تمام اساتذہ ہمیشہ خوش رہے بعض تو آپ پر انتہائی کرم فرماتے تھے چونکہ اساتذہ کے کردار کی بعض خصوصیتیں آپ میں بھی پائی جاتی ہیں اس لئے آپ اپنے اساتذہ کے صحیح معنوں میں شاگرد ہیں۔ اسکول اور کالج کے علاوہ جناب مولوی سید احمد صاحب مارہروی مہتمم شعیب محمدیہ ہائی اسکول کی بزرگانہ شفقتیں آپ کیلئے انتہائی مفید اور سکون بخش ثابت ہوتی رہی ہیں۔ آپ نفاست پسند اور ہر چیز میں آرٹ کی جھلک دیکھنے کے عادی ہیں۔ متانت آپ کو فطرتاً ودیعت ہوئی ہے۔ آپ آزاد خیال اور ہیں۔

آپ کی غزلیں اور نظمیں نگار۔ زمانہ۔ نیرنگ خیال۔ ادبی دنیا اور شاعر وغیرہ میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آپ کو تصنیف و تالیف سے انتہائی شغف ہے آپ کی کئی کتابیں اردو اور انگریزی میں چھپ چکی ہیں۔ "اردو پوئٹری" جو انگریزی زبان میں ہے بہت مقبول ہوئی ہے۔ آپ اپنی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ "ناتمام" کے نام سے جلد شائع کرنیوالے ہیں۔ اثر صاحب صحیح معنوں میں ادیب ہیں۔ مستقبل میں ملک کو آپ کی ذات سے کافی فائدہ پہونچنے کی امید ہے۔ نظم غزل افسانہ مضمون غرض سب کچھ لکھتے ہیں اور ہر صنف کلام میں "آگرہ اسکول" کا بہترین معیار پیش کرتے ہیں۔

نمونہ تغزل

اسلام اور کفر کا کیوں کر ہو فیصلہ — گر اپنا سر اٹھائیں ترے سنگِ در سے ہم
کافی ہے بزمِ دل حرمِ روح کیلئے — گر اک چراغ ہمک لیں داغِ جگر سے ہم

مرے شکیب کو تھا انتظارِ صبح ابھی — چراغ وقت سے پہلے بجھا دیا تم نے
پڑا مجاز و حقیقت کے درمیاں کر — وہ اک حجاب جو دل سے اٹھا دیا تم نے
نظر کی ہلکی سی جنبش سے جو شکستہ ہوا — وہ بزمِ دل کیلئے آئینہ دیا تم نے

ظرفِ نظر میں فطرتِ پروانہ چاہیئے — ہم لاکھ بار آئیں گے بزمِ جمال میں
الجھی وجود و حاصلِ ایجادِ کائنات — وہم و خیال ہو تو وہ آئیں خیال میں

غنیمت ہے کہ تو ہی وہ نگاہِ نشتریں نکلا — وگرنہ میں خزاں میں بھی خرابِ گلستاں ہوتا

جذب کرنے آئی ہے محبت کی کرن — ہنستے ہنستے کوئی آنسو جو گرا جاتا ہوں
آؤ زرہ دامنِ غمِ عشق مکمل کرلیں — تم ہو شمع میں پروانہ بنا جاتا ہوں

تمہاری ہر نظر تسکیں اثر معلوم ہوتی ہے — جدھر ہوتے ہو تم دنیا ادھر معلوم ہوتی ہے
اثر پتھر کے ٹکڑوں میں وہ چھپ کر بول اٹھتے ہیں — جبیں گھسنے پہ قدرِ سنگِ در معلوم ہوتی ہے

انقلاباتِ محبت مستقل تاریخ ہیں — حسن کو میرا فسانہ یاد ہونا چاہیئے
میری بربادی تو اک امرِ مسلم ہے مگر — بحث یہ ہے کس طرح برباد ہونا چاہیئے

سنا اب داستاں ہی کچھ جو دلچسپیاں پیدا — یہ دنیا سنتی آئی ہے ملا افسانہ برسوں سے

مجھے حیرت نہیں ہے آئینہ خانہ کو حیرت ہے | کہ جلوہ پیدا کر لیا مری نظروں کی فطرت نے
نیازِ عشق رسمِ عام ہو کر رہ گیا آخر | انہیں اک سجدہ کرنے کی بھی اب تک فراغت ہے
بقیدِ ہوش سازِ بیخودی وہ دن کو کیا سمجھے | ذرا دیوانہ ہو جاؤں تو پھر فرصت ہی فرصت ہے
وہ کوئی مادہ ہو کفر و ایماں نذر تو مانگیں | ہماری پاس بھی اک چیز ہے اور وہ محبت ہے،

تشنگیٔ ذوق کا مٹنا حقیقی موت ہے | سامنے آنے سے بہتر ہے کہ وہ پردا کریں
زندگی ہو نام ان کا زندگی ہو اضطراب | ولے جو آئیں تو کیوں کر دل کو رسوا کریں
دل کی قیمت پوچھنی ہو تو خدا سے پوچھئے | دل امانت ہے، امانت کا بھی کیا سودا کریں
دیر و کعبہ برہمن اور شیخ کی جاگیر ہیں | اے تعینِ دوست ہم آخر کہاں سجدا کریں
یا ہمیں بیچارگی کے طعن دنیا پھر نہ دے | یا وہ اک آنسو بتا دو ہم جسے دریا کریں
کر رہی ہیں گے تمام آزردہ ان کبھی گفت و شنید | پتھروں سے پھوڑ کر سر کیا تجھے رسوا کریں

حسن کی معصومیت کو چاہئے آسودگی | پہلے خود مجھ کو مری نظروں سے پنہاں کیجئے
کب تک بے کیفیٔ فطرت کا ہو بیچارہ عاشقی | حسن کے نغمات کو جذبِ رگِ جاں کیجئے
اختیارِ نامکمل ننگِ آزادی رہا | میری جانب سے اسے بھی نذرِ زنداں کیجئے

یہ فریب ہو کہ ہو مصلحت ہمیں اس سے کیا سروکار ہے
وہ قرار بن کے جب آ گئے تو سمجھ لیا کہ قرار ہے

اس لطف و کرم کے کیا کہنے، ساقی نہیں تم کچھ اور بھی ہو
اب بادہ دینے آئے ہو جب ہاتھ سے ساغر چھوٹ گیا

تاب کہاں کہ دے سکوں حسرتِ حسن کا جواب | میں نے انہیں کو کر دیا ان کی نظر کے سامنے

معتقد ہے ماسوا سے تیری طرح محبت | لیکن یہ سوچتا ہوں تجھ سا کہاں سے لاؤں
ان چند آنسوؤں کی تضحیک کر نہ اتنی | قطرے نہیں میسر دریا کہاں سے لاؤں

تصور نے جدائی کو جدائی بھی نہیں رکھا | کہ ہر تارِ نظر کے دامن میں تری تصویر ہوتی ہے

ختم ہو کس طرح مرا سلسلۂ مطالبات | عشق تو ایک مستقل تشنہ لبی کا نام ہے

وہ بھی تھا اک مسافرِ ایمن مری طرح | تم نے بیک نظر جسے موسیٰ بنا دیا

نمونۂ نظم

مصوّر

فضائے رنگ و بو میں اپنے شہپر تولنے والا | قلم کی جنبشوں سے رازِ فطرت کھولنے والا
رسائی روحِ صنعت تک خیالوں ہی خیالوں کر | کبھی سیراب ہونٹوں میں کبھی سرگشتۂ آذر
کبھی بدمستِ صہبائے زریں نکھروں کی سی دُ | کبھی ہشیار اندازِ طرازِ زندگی سے
حجابِ کنہِ فطرت کی پردہ کھولنے والا | لبِ خاموشی میں تصویر کے خود بولنے والا
نکالا ہو قلم سے چھیڑ کر تارِ رگِ جاں کو | ابھارا صفحۂ بے رنگ سے اسرارِ پنہاں کو
جو پھول اب تک نہ پیدا ہو سکا دنیائے ظاہر میں | شگفتہ ہیں ہزاروں نگہتِ ذہنِ مصور میں
جو صورت پردۂ تخلیق پر اب تک نہیں آئی | بہر صورت وہ اس کی فکر میں لیتی ہے انگڑائی
جو منظر سینۂ ہستی میں اک رازِ نہفتہ ہے | وہ اسکے دل میں مثلِ آئینہ ہر وقت پیدا ہے
رگیں پتھر کی جو اب تک نہیں ابھریں ابھارے ہے | وہ کاغذ پر ابھر آتی ہیں اسکی اک اشارے کی
ادا جو حسن کو اب تک ودیعت کی نہ فطرت نے | اسے بھی آشکارا کر دیا اسکی بصیرت نے
جو کچھ نامکمل ہے ابھی تک بطنِ مادر میں | وہ جیتا کھیلتا ہے اسکی تخئیلِ منور میں
شگوفہ جو بہاروں میں ابھی فطرت کی بنتا ہے | قلم سے اسکے بن کر نکہتِ گل بن کے کھلتا ہے
رہے جب ہلکی سی بھی فکر کو پرواز دیتا ہے | تو ہر نقشِ حقیقت دوسری آواز دیتا ہے
نگارستانِ ہستی کی یہی ہے اس کو خلاقی | نہ ذرہ میں نقوش اس کے رہیں گے تا ابد باقی

ہے خود تصویر اور صورت گری میں شکِ آذر ہے
مصورِ صانعِ ہستی کی اک کلکِ مصور ہے

www.taemeernews.com

نمونۂ نثر

ظاہر ہے کہ عشق صرف اپنے ہی خط و خال والے کسی رومانِ لطیف کے گز ڈیڑھ گز لانبے گیسوؤں میں اسیر رہنے کا نام نہیں ہے، بلکہ کارگہِ حیات میں ہم اپنے ہر فعل کو عشق بنا سکتے ہیں۔ دل کا درد دوست کہلانے والے کسی انسان کی مفارقت ہی پر منحصر نہیں، بلکہ دل کا درد اپنے وطن کے فاقہ کش مزدوروں اور جز رس کسانوں کے تعدد پر بھی زندگی کے سانس لے سکتا ہے۔ ہمارے مشاغل صرف اسیر رہنے کیلئے نہیں بلکہ آزاد ہونے کے لئے بھی ہیں۔ ہمارے لبوں پر مہر خاموشی صرف ہماری لاچاریوں کی آئینہ دار نہیں ہے، بلکہ ہماری قوتِ فریاد پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ ہماری ذہنی قوتوں کا مصرف نامۂ محبوب تک محدود نہیں بلکہ کارگہِ عمل کی تاریخ مرتب کرنا بھی ان کے مصرف میں داخل ہے۔ الغرض ہم دیوانے بن سکتے ہیں لیکن کسی دنیاوی پیراہنِ کاغذی سے زیادہ زمین و آسمان کے اس حصے کے لئے جو وطن کہلاتا ہے۔ ہمارے دل میں درد ہو سکتا ہے لیکن کسی فریبِ تصور و جود سے زیادہ اس جماعت کے لئے جو بعنوانِ ملت پکاری جاتی ہے۔ ہماری رگوں میں جوانی کا گرم خون دوڑ سکتا ہے لیکن انتقامِ رقیب سے زیادہ اس معرکہ آرائی کیلئے جو اجتہاد سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔

جناب فضل الدین صاحب اثر بی اے اکبرآبادی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

میرے نالوں کی شکایت تو بجا ہے لیکن | اپنی رو میں تجھے نغمے بھی سنا جاتا ہوں
تیری محفل ترے آئینے مبارک ہوں تجھے | ~~شمعِ فطرت تھا میں~~ (میں کہ اک شمع تھا) خاموش ہوا جاتا ہوں
بجلیاں کوندے دیتی ہیں سرِ ~~نخشت~~ (جرأت) | بیخودی میں کوئی چلمن جو اٹھا جاتا ہوں
جذب کرنے لگے آتی ہے محبت کی کرن | ہنستے ہنستے کوئی آنسو جو گرا جاتا ہوں

آؤ رومانِ غمِ عشق مکمل کر ~~دیں~~ (لیں)
تم بنو شمع میں پروانہ بنا جاتا ہوں

غزل آپ نے بہت اچھی کہی ہے۔ اور چونکہ زمانۂ علالت کے بعد یہ آپ کی پہلی غزل ہے اس لئے قابلِ مبارکباد بھی ہے۔

سیماب اکبرآبادی

www.taemeernews.com

اعجاز حسین صدیقی اکبرآبادی ۶

خودنوشت

میرا پورا نام اعجاز حسین صدیقی۔ والد صاحب قبلہ کا اسم گرامی مولانا عاشق حسین سیماب اکبرآبادی اور جدِ محترم کا نامِ نامی حضرت مولانا مولوی محمد حسین صدیقی مرحوم و مغفور ہے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں دارالادب اکبرآباد میں پیدا ہوا۔ خدا نے مجھے ایسے خاندان میں پیدا کیا جو علم و تہذیب سے مالامال تھا۔ دادا صاحب قبلہ مرحوم صاحبِ تصنیف اور ایک اچھے شاعر تھے نقیر تخلص فرماتے تھے آپ کا بیشتر کلام نعت ہوتا تھا ان کے کلام کا بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا مگر کچھ لاپروائی سے اور کچھ اجمیر شریف سے آگرہ منتقل ہونے میں تلف ہو گیا یوں تو ان کی کئی تصانیف قبولِ عام حاصل کر چکی ہیں لیکن مجموعۂ شہادت معروف ابوالعلائی پریس آگرہ کے اب تک ۱۰ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ اس کتاب میں جدِ محترم نے بعض نظمیں اور غزلیں واقعات کے اعتبار سے خوب فرمائی ہیں۔ چند شعر یہاں لکھتا ہوں اس سے اُن کے رنگِ شاعری کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔

وہ جو وصد تھا حسینؑ کا۔ نہ تو دید ہے نہ شنید ہے
کہا دیکھ آئینہ تیغ کا، مجھے حسنِ یار کی دید ہے
جو لہو گلے سے رواں ہوا، کہا عاشقوں کی یہ عید ہے
جو نثار سجدے میں سر کرے وہ امام ہو وہ شہید ہے

مرا یادِ حق میں جو کام ہو، تو خدا کے بندوں میں نام ہو
مجھے وصلِ یار مدام ہو، مری آرزو یہ تمام ہو

اس قادرِ مطلق کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے مجھے ایسے باپ کے فرزند ہونے کا فخر دیا جن کے فیضِ تادیب و تعلیم سے آج ہندوستان کا ذرہ ذرہ منور ہو رہا ہے اور گلستانِ ادب ذکر ہو رہا ہے چار بھائی اور ایک بہن ہیں۔ منجھلا ہوں سب سے بڑی ہمشیرہ کا سنہ ۱۹۱۹ء میں انتقال ہو گیا لیکن چھوڑ گئیں حسب منظر حسین نہال بہ یاد اپنے کمی بھی ایک بہت عزیز ہیں ان کو نکھا ہیں ہوں مجھ سے چھوٹے میاں سجاد حسین صدیقی سلمہٗ بیچ شاعر ہیں اور اُن سے چھوٹے میاں منظور حسین سلمہٗ ہیں۔ میری دو چچا تھیں جن میں سے حاجی عبدالکریم صاحب کا انتقال ہو چکا ہے اور صادق حسین صاحب الحمدللہ بقیدِ حیات ہیں۔

یہ میرے مختصر خاندانی حالات تھے۔ ان کے علاوہ کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں سمجھتا۔ میرے حالات سے آگرہ اسکول نمبر میں کوئی اچھا اضافہ نہیں ہو سکتا اور نہ میں اپنے آپ کو اس چیز کے لئے تیار پاتا ہوں۔ اس نمبر میں مجھ سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ ہستیوں کے حالات شائع ہو رہے ہیں اور میں اپنے برادرانِ گرامی کے ساتھ شریک ہونے میں ایک ندامت سی محسوس کر رہا ہوں لیکن بعض احباب کے اصرار اور اس احساس سے کہ کہیں میری عدم ذکر گوئی اور چیز سے تعبیر نہ کیا جائے اپنی اکیس سالہ زندگی کی خشک اور بے کیف حالات پر جن کو میں خود بھی ابھی نہیں سمجھ سکا ہوں ایک اچٹتی سی نظر ڈالتا ہوں۔

منزلِ ہوش تک پہنچنے کے بعد میری تعلیم مکتب سے شروع ہوئی۔ بیپٹسٹ مڈل مشن اسکول میں کچھ دنوں تعلیم حاصل کی مدرسہ محمدیہ میں دینیات۔ فارسی اور اردو کی تکمیل کی۔ چونکہ والد صاحب قبلہ کا قیام مستقل طور پر آگرہ میں نہیں رہا اس لئے ۱۹۲۱ء تک تعلیمی سلسلہ مسلسل جاری نہ رہ سکا۔ ۱۹۲۲ء میں مستقل طور پر شیب محمدیہ ہائی اسکول کی چوتھی جماعت میں داخل ہوا اور وہاں دسویں درجے تک تعلیم حاصل کی۔ اسکول کی زندگی میں کیا کچھ کیا یہ ایک داستان ہے جو خواب سے کم نہیں اب وہ کارنامہ ہائے طفلی و [illegible] زنیاں وہ سب پیشِ پیش رہنا ایک قصۂ پارینہ معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹۲۸ء سے بعض [illegible] اریوں کی بنا پر تعلیمی سلسلہ باقاعدہ جاری نہ رہ سکا میری حیثیت اب بھی طالبِ علم کی ہے اور ہمیشہ رہے گی بصورتِ طالبِ علم [illegible] دوسری صورت یہ ہو میری فطرت کا ایک نہ مٹنے والا جذبہ ہے۔ مشرقی و مغربی علوم کی

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

پانی نہ ملا سحاب بن کر　　　حسرت ابھری حباب بن کر
ٹپکا آنکھوں سے اک سمندر　　　شل گوہر شالِ اخگر

یہ عشق و وفا کی آبرو ہے
آنسو نہیں عطرِ آرزو ہے

نمونۂ نثر

ماخوذ از:- ـــــــ "عید سے پہلے اور عید کے بعد"

چاند ہو گیا۔ ثریا نے بہت بیتابانہ انداز سے کہا اور مہتاب کے ساتھ دوڑتی ہوئی بالاخانہ پر چڑھ گئی۔

یک بیک دونوں کے ہاتھ دعا کیلئے اٹھ گئے۔ مہتاب اپنی دعا ختم کر چکی تھی لیکن ہاتھ ہنوز اٹھے ہوئے تھے۔ اس کی بلوری آنکھیں چاند کو دیکھ رہی تھیں اور ہلکے تو غش پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔ اس کے معصوم خد و خال اس وقت انتہائی تابناک اور دلفریب ہو گئے تھے .... ابھی چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ اس کے ہونٹوں میں ارتعاش پیدا ہوا چہرے سے حزن و ملال کے آثار نمایاں ہوئے اور دو چمکدار موتی پلکوں سے مس ہوتے ہوئے اس کے ملیح رخساروں پر ڈھلک آئے۔

ابتک تو مہتاب خاموش کھڑی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ ثریا دعا مانگ رہی ہے لیکن ہوتے ہوتے کچھ اور ہی نظر آیا۔ اس فوری تبدیلی سے وہ بے چین ہو گئی اور جلدی سے ثریا کو پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

مہتاب۔ ارے پگلی یہ کیا۔ خیر تو ہے۔ برس کے برس دن یہ کیا بدشگونی۔

ثریا اس غیر متوقع مداخلت سے کچھ سراسیمہ سی ہو گئی اور جلدی جلدی ساری کے آنچل سے آنکھیں صاف کرتی ہوئی بولی۔

"توبہ۔ توبہ بہن کسی چیز کو غور سے دیکھو تو بھی آنکھوں پر کتنا زور پڑتا ہے اور کھلکھلا کر ہنستی ہوئی

اعجاز صدیقی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

جنونِ فنا ہے جنوں سرِ رہگذر کہیں؟　　　اس عشق کی نہ پوچھ جو ملتا ہے ہر کہیں
دیوانے کا پتہ نہ چلا عمر بھر کہیں　　　۲　اک نقشِ پا ملا تھا سرِ رہگذر کہیں
کرتا ہوں ہر مقام پہ سجدے باین امید　　　شاید کبھی ملے ترا سنگِ در کہیں
ہنس تو رہے ہو حسن کی مر اقصۂ ستم　　　رونا پڑے بھی تب نہ تمہیں عمر بھر کہیں
تم دل کو دیکھتے ہو تمہیں دیکھتا ہوں میں　　　میری نظر کہیں ہے تمہاری نظر کہیں
اے اہلِ ہوش یہ سرِ دامانِ عشق ہے　　　وحشی کے دست و پا ہیں کہیں اور سر کہیں
-- وہ میری پچھلی رات کی نالوں سی　　　چھو لے نہ بابِ عرش کو آہِ سحر کہیں
دل اور جگر کا ہو مجھے کس طرح امتیاز　　　ٹھہرے بھی اک مقام پہ تیری نظر کہیں
اے کاش صبحِ حشر ہو انجامِ زندگی　　　اے کاش ہو نہ یہ بھی فریبِ نظر کہیں
دیر و حرم فریب ہیں اہلِ نگاہ کو　　　کیا ہوا اگر وہ ہوئے تمہیں ~~جاتے ہیں بھی جائیں تو تعجب ہوا گر کہیں~~
اے محو دید ہاتھ نہ پھیلا نظر ملا　　　۲　پیتے ہیں اہلِ ہوش سے شراب نظر کہیں

اعجاز ان کی انجمنِ ناز میں کہاں
ہوگا پڑا ہوا وہ سرِ رہگذر کہیں

www.taemeernews.com

اثر محمد صغیر صاحب صدیقی اکبرآبادی

آپ کا اصلی وطن آگرہ ہے ۱۹۰۸ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد صدیق (مرحوم) تھا جو ریوے میں ملازم تھے اور آپ کے نانا منشی امیر خاں الہ آباد میں انسپکٹر آبکاری تھے۔ اثر صاحب کی عمر اس وقت تقریباً چھیالیس سال ہے۔ اور آپ ڈی ٹی ایس آفس الہ آباد میں ٹائپسٹ ہیں۔ عربی و فارسی کی تعلیم مکان پر مکمل کی اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں وکٹوریہ ہائی اسکول آگرہ میں داخل ہوئے اور انگریزی تعلیم حاصل کی اس کے بعد ایک مقامی کالج میں بھی کچھ زمانہ تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ اس زمانہ میں آپ کو شاعری سے ذوق پیدا ہوا، طبیعت فطرتاً شاعرانہ پائی تھی۔ فارسی و عربی کی تحصیل سے ذہن نکھر چکا تھا اس لئے شعر کہنے میں قدرے کامیابی حاصل ہوئی اور کبھی کبھی کہنے لگے۔

عروس البلاد اکبرآباد کا یہ وہ عہد زریں تھا کہ ہر طرف شعر و ادب کی جلوہ باری تھی ایک طرف مسند ادب پر مرزا رسوا متمکن تھے تو ایک طرف سجادِ شاعری پر مولانا نثار اکبرآبادی رونق افروز تھے اور ایک طرف ماسٹر تصدق حسین صاحب واصف اکبرآبادی اور حضرت عالی سے بزم سخن گونج رہی تھی۔ خوب خوب دادِ سخن دی جا رہی تھی اور شاعرانہ ماحول کمال و اہلِ کمال کے وجود ہائے منور سے جگمگا رہا تھا۔ اثر صاحب نے اپنی تہذیب و تربیت کیلئے واصف صاحب اکبرآبادی کو تجویز کیا اور انھیں سے اصلاح لینے لگے جس راستے پر واصف صاحب گامزن تھے اسی کی اثر صاحب نے تقلید کی جو ماحول اور زمانہ کے مطابق ایک کامیاب راستہ تھا۔ اثر صاحب نے واصف صاحب کی توجہ سے استفادہ حاصل کیا اور عوام میں آپ کے کلام کی پسندیدگی کی موج دوڑ گئی۔

انقلابِ زمانہ سے آپ کو [illegible] میں ملازمت کے سلسلے میں آگرہ چھوڑنا پڑا اور نینی تال، کانپور، الہ آباد وغیرہ میں زندگی گذارنے کیلئے جانا پڑا مگر ان مقامات سے بھی [illegible] خط و کتابت واصف صاحب سے مشورہ لیتے رہے۔ بالآخر جب اثر صاحب ٹونڈلہ ڈی ٹی ایس آفس میں ملازم ہوگئے تو واصف صاحب بیمار ہوئے اور ان کا انتقال ہوگیا۔ مشفق استاد کی جانکاہ موت سے اثر صاحب نے بہت اثر لیا اور عرصہ تک شعر و شاعری کی طرف طبیعت رجوع نہیں ہوئی۔ شعر کہتے تھے مگر دل سے نہیں کہتے تھے۔

عرصہ دراز کے بعد ۱۹۴۱ء میں ٹونڈلہ جیسی بستی میں مولانا سیماب مدظلہ کا کچھ دنوں قیام رہا، آپ کی تشریف آوری سے ایک نئی زندگی پھیل گئی ادبی مجالس منعقد ہونے لگیں شمع کمال نے پروانے پیدا کر دئے اور انجمن سخن انوار سے جگمگانے لگی یہیں اثر صاحب نے حضرت مولانا سیماب سے مشورہ لینا شروع کیا تھوڑے ہی دنوں کے بعد اثر صاحب کی شاعری میں ایک حیرتناک انقلاب پیدا ہوگیا۔ اکثر مولانا آپ کو ہندوستان کی ادبی مجالس میں اپنے ہمراہ لیجاتے رہے ہیں۔ آپ آگرہ کے پرانے کہنے والوں میں تصور کئے جاتے ہیں۔ آپ کے اشعار میں زبان لطیف، تخیل بلند اور شوخی بدرجہ اتم ہوتی ہے۔ الہ آباد اور قرب و جوار کی ادبی صحبتوں میں آپ اکثر و بیشتر شرکت فرماتے ہیں اور خوب خوب دادِ سخن حاصل کرتے ہیں مولانا سیماب مدظلہ العالی سے آپ کو خاص قسم کا لگاؤ ہے۔ آپ جب بھی آگرہ تشریف لاتے ہیں اپنے شفیق استاد کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے ہیں۔ مولانا بھی آپ سے محبت فرماتے ہیں۔ آپ غزل کی طرح نظم بھی خوب کہتے ہیں جو آگرہ اسکول کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ انتہائی سنجیدہ باوضع اور بااخلاق انسان ہیں۔

نمونۂ تغزل

کر دیا دنیا کو بجلی آپ کی تصویر نے
طور پر تم میں جلا دیں حسن کی تنویر نے
قید کے قابل ہیں زنداں میں مری آزادیاں
مجھ کو اک پورا بیاباں دیا زنجیر نے
آپ کے سر کیوں رکھوں دیوانگی کی تہمتیں
کر دیا وحشی مرے ذوقِ گریباں گیر نے
میں رہا ہو کر درِ زنداں پہ بیٹھا رہ گیا
کہہ دیا کیا جانے کیا اتری ہوئی زنجیر نے

صحنِ گلشن ہو کہ صحرا ہو کہ بزمِ انبساط
بن ترے ہر جا نظر آتی ہے حیرانی مجھے

یہ سرخ سرخ پھول نہیں لالہ زار میں
نکلی ہے رنگ بن کے تمنا بہار میں

کس حسیں نے جلوۂ روشن دکھا دیا
دنیا کو بجلیوں کا خزانہ بنا دیا

ان بتوں نے توحید یا ہم کو
بندۂ کفر بنا رکھا ہے
اُن ستم گروں کی آرزو نہ کرو
نالہ و آہ میں کیا رکھا ہے

دشمن کو بھی ہم اپنا بنا لیتے ہیں اکثر
ہوتے ہیں بڑے کام محبت کی نظر سے
روکے کبھی رکتا نہیں پھولوں کا تبسم
فطرت نہیں کیا بات کی بادِ سحر سے
کیا یہ بھی ملاقات میں ہے کوئی خرافات
کچھ بھی بولتے بھی ہو تم اپنے اثر سے

نگاہِ یار بنکر درد دل کو نہ مٹاتی ہے
خدا جانے کس قلب میں برقِ تپاں رکھدی (بیماری)

نمونۂ نظم

صبح

اے دوست آ کہ سب کو ترا انتظار ہے
گلشن تمام تیرے لئے بیقرار ہے

ہر ذرہ تیرے نور سے ہے مشرقِ امید
ہر شے زمیں سے تا بہ فلک نور بار ہے
تارے وہ جا رہے ہیں تجھے ڈھونڈتے ہوئے
تیرے جمال پر مہِ کامل نثار ہے
کھولی کلی نے آنکھ تری اشتیاق میں
نرگس کو بار بار ترا انتظار ہے
پھولوں میں صرف ہے تری جلووں کی روشنی
تختہ چمن کا آئینۂ زرنگار ہے
لیتا ہوا وہ نام ترا دیکھ چل دیا
وہ سامنے جو کوہ پہ آبِ آبشار ہے
تو آ کہ رسمِ محفلِ نوروز ہو ادا
اس کا تری ورود پہ دار و مدار ہے
تو آ کہ آفتاب ہے مقدم میں گرم خیز
تیرے بغیر بزمِ جہاں پر غبار ہے

از مستیٔ نظر درِ میخانہ باز کن
از نورِ خویش صبحِ چمن را طراز کن

جناب ابو محمد صغیر صاحب ثاقب صدیقی اکبرآبادی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ کی اصلاح

(سمجھ ہوں منہ دیکھے)
چھپ کے پردے میں جو چمکا رخِ روشن ان کا
~~کھنچ سی گئی سب تجلی~~ چلن ان کا
(ان کی خلوت ہے کہاں)
~~منزلِ جلوہ کا نشاں~~ پوچھو تو سہی
(نہ پھر دیکھا)
~~مجھ جلوہ کی~~ پتہ وادیٔ ایمن ان کا
(خیرمقدم کیا کروں)
آرزو یہ ہے کہ یوں ~~جلوے~~ ~~پہ~~ جلوہ ہو
(لب پہ ہو نام خدا)
~~جب پکڑ لو ہاتھ میں~~ دامن ان کا
(عالمِ شب)
~~سایۂ گیسو~~ نکلی ہے کہ ہو زلفِ سیہ کا سایہ
سرِ انور ہے کہ ہے عارضِ روشن ان کا
کھل گئے پھول بھی کلیوں میں ترا ذکر آئی
گو نہ صحنِ چمن مہکا کبھی مالن ان کا
(نیند آ جائے اگر کیوں نہ ہمیشہ کیجئے)
~~حور کا لطف اٹھاتا ہے ہمنوا مجھے~~
(مجھے دیتا ہے ہوا خلد کی)
~~مجھ کو جنت کی ہوا دیتا ہے~~ دامن ان کا

www.taemeernews.com

۴۲ پیرزادہ شاہ صفدر عالم اکبر آبادی ۸

آپ نجیب الطرفین پیرزادے ہیں آپ کے والد بزرگوار کا سلسلۂ نسب مسلمانوں کے خلیفہ دوم اور اسلام کے جلیل القدر جرنل امیرالمومنین حضرت عمر بن الخطابؓ سے ملتا ہے اور آپ حضرت عمر کی سینتیسویں پشت میں ہیں جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بیٹے عبداللہ ان کے بیٹے منصور البلخی ان کے بیٹے سلیمان ان کے بیٹے حضرت ادہم ان کے بیٹے خاتق العالم بادشاہ بلخ ان کے بیٹے حضرت ابراہیم ان کے بیٹے محمد اسحاق شاہ ان کے بیٹے ابوالفتح شاہ ان کے بیٹے عبداللہ واعظ الاکبر صاحب ان کے بیٹے واعظ الاصغر صاحب ان کے بیٹے مسعود شاہ صاحب ان کے بیٹے سلیمان شاہ صاحب ان کے بیٹے سالان شاہ صاحب ان کے بیٹے محمود المعروف بشیبان شاہ صاحب ان کے بیٹے نصیرالدین شاہ صاحب ان کے بیٹے شیخ احمد صاحب المشہور فدح شاہ کابل ان کے بیٹے شہاب الدین شاہ صاحب ان کے بیٹے علی نصر شاہ صاحب ان کے بیٹے علی شاہ صاحب ان کے بیٹے محمد شاہ عثمان صاحب ان کے بیٹے شاہ سلیمان صاحب ان کے بیٹے شاہ محمود عمر صاحب ان کے بیٹے محمد شاہ صاحب ان کے بیٹے منصور شاہ صاحب ان کے بیٹے قاضی سہاج الدین محمود صاحب ان کے بیٹے شیخ جلال الدین صاحب تھانیسری ان کے بیٹے حافظ عبدالاحد صاحب ان کے بیٹے شاہ عبدالبقا صاحب ان کے بیٹے شاہ محمد منعم صاحب ان کے بیٹے شاہ غریب اللہ صاحب ان کے بیٹے شاہ عبداللہ صاحب ان کے بیٹے مولوی محمد حباب احمد صاحب ان کے بیٹے مولوی ضیا احمد صاحب ان کے بیٹے مولوی غلام محمد صاحب ان کے بیٹے مولوی غلام رسول صاحب ان کے بیٹے غلام قادر صاحب ان کے بیٹے شاہ صفدر عالم فاروقی۔

اپنی والدہ محترمہ کی جانب سے بھی آپ صاحب نسبت ہیں اور حضرت شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی نونویں پشت میں ہیں شیخ سلیم چشتیؒ اکبر اعظم شہنشاہ ہند کے پیر و مرشد تھے۔ آپ ہی کی دعاؤں سے شاہزادہ جہانگیر پیدا ہوا تھا اور آپ ہی کی بدولت فارسی کا مشہور شاعر عرفی عرفی بنا فتحپور سیکری جہاں ان بزرگ کا مزار شریف ہے۔ اپنی عمارات کی لحاظ سے ہندو بیرون ہند میں مشہور ہے۔ اور عہد اکبری میں ۱۰سال تک مغل دارالخلافہ رہا ہے۔

حضرت شاہ جلال الدین تھانیسری کے زمانے کے بہت بعد تک شاہ صفدر عالم کے خاندان کی سکونت تھانیسری میں رہی جو ہندوؤں کی مذہبی روایات اور تاریخی لحاظ سے خاص مقام ہے حضرت شاہ جلال الدین بڑے پایہ کے بزرگ تھے آپ کے والد ماجد قاضی صباح الدین محمود بلخ سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا سترہ سال کی عمر میں تحصیل علوم دینی صرف و نحو حدیث و تفسیر فلسفہ وغیرہ سے فراغت پائی یہ بزرگ علمی قابلیت میں علامہ دہر تھے فریضۃ الاولیا اور بستان معرفت وغیرہ کتابوں میں آپ کے اخلاق و سیرت کا مدلل درج ہے آپ نے ۹۵ سال کی

عمر میں ۲۰ ذی الحجہ [illegible] کو وفات پائی آپ کا مزار تھانیسر ہی میں ہے انہیں تاریخوں میں آپ کا عرس بھی ہوتا ہے۔

اکبر اعظم نے کمال و علم سے متاثر ہو کر کچھ زمین بطور معافی دی تھی اسی زمین پر آپ درس فرمایا کرتے تھے مگر زمانہ مابعد میں شیخ کی اولاد اور بعض سکھوں سے اس زمین کے متعلق جھگڑا ہوا اور یہ معافی ان کے ہاتھ سے نکل گئی چنانچہ شیخ کی اولاد میں سے کچھ تھانیسر میں رہ گئے کچھ دوسرے شہروں کو چلے گئے اور اس خاندان کے چند بزرگ مولوی ضیا احمد صاحب المعروف بہ ضیا الحق اور مولوی برکات الحق اور مولوی نور الاسلام صاحب آگرہ تشریف لائے چنانچہ مولوی ضیا الحق صاحب کے ورود آگرہ سے اب شاہ مسعود عالم صاحب احمر کی خاندان کو آگرہ میں قیام کئے ہوئے پانچویں پشت ہے شاہ مسعود عالم صاحب احمر بمقام غالب پورہ خورد ... کی منڈی آگرہ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مکان پر پائی نویں جماعت تک شعیب محمدیہ اسکول آگرہ میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد علیگڑھ انٹرمیڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی سے میٹرک اور ایف اے پاس کیا علی گڑھ کی آب و ہوا نا موافق ہونے کی وجہ سے آپ اجمیر گورنمنٹ کالج میں داخل ہو گئے اور وہاں بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ اپنے زمانۂ طالب علمی میں آپ اپنی درسگاہوں میں ایک بلند ذہنیت کے طالب علم گنے جاتے تھے آپ نے ہمیشہ ہر درجہ میں فارسی انگریزی اردو اور دینیات وغیرہ میں امتیازی کامیابی حاصل کی بحث و مباحثہ کی انجمنوں میں آپ کے دم سے رونق رہتی تھی آپ ایک بہترین کھلاڑی بھی تھے۔ گورنمنٹ کالج اجمیر کی بزم ادب اردو کے سکریٹری تھے آپ کی مساعی سے کالج میں ہمیشہ ادبی مجالس اور کامیاب مشاعرے منعقد ہوتے رہے۔

آپ خلیق وسیع الخیال خوش فکر اور ملنسار ہیں آپ فطری شاعر ہیں۔

حضرت احمر کو تعلیمی مشاغل سے کم فرصت ملی تاہم آپ کی شاعری میں رنگ جدید اور اپنے استاد کے اسکول کی اکثر خصوصیات موجود ہیں آپ کے کلام میں رنگینی درد کیفیت اور جذبات پائے جاتے ہیں آپ ایک خوش فکر نوجوان ہیں اور باوجود عدیم الفرصت ہونے کے آپ نے مشق کلام میں کافی محنت کی ہے۔ آپ ۱۹۲۵ء میں مولانا سیماب مدظلہ سے مشرف بہ تلمذ ہوئے۔

نمونۂ تغزل

غم آفریں ہر نگاہ خفا کی بے سببی   کہ شرمسار وفا ہو مری جفا طلبی
وہاں کہاں ارنی گوئی طور جا بیجا   جہاں ہو جنبش لب تہمت بے ادبی
خدا کرے رہے سکر شباب مینا گوں   پلا دو اپنے لبوں سے فشردہ عنبی
جمال حور و جلال مہ و سہا معلوم   تمہارے حسن کی دیکھی ہے عجیب بوالعجبی
کتاب عشق میں تھا لفظ العطش موہوم   تری لبوں نے سکھایا مذاق تشنہ لبی

غرور ناز و نعم سے گریز ہو احمر
ہمیں ہے ننگ شرافت شعار بولہبی

تیری صباحتوں کا تصور اگر کریں   ہم چاندنی میں حیات تخیل بسر کریں
درمان دل کریں کہ دوائے جگر کریں   جب آ چکا ہو وقت تو کیا چارہ گر کریں
وہ دعوت نگاہ گوارا اگر کریں   دل کو خراب ناز سے رہگذر کریں
سوز دروں کی آگ کو آنکھوں سے تاکتے   کیا دو گھڑی کو نازش دامان تر کریں
نالہ کریں بلند کہ دل خون ہو چکا   کب تک خیال جنبش دیوار و در کریں
طول بساط عمر فریب خیال ہے   کیا اعتبار زندگی مختصر کریں

۹ جناب سید محمد موسیٰ صاحب سہسرامی (اختر)

آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سید محمد عبدالرحمٰن صاحب ہے جو ریٹائرڈ سب انسپکٹر ہیں اور سہسرام میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی ولادت مارچ ۱۹۱۱ء میں ہوئی۔ اختر صاحب کا سلسلۂ نسب دیوان شیخ فریدالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ عرف شاہ بوڈھن دیوان قدس سرہٗ سے ملتا ہے جو بڑے پایہ کے شیخ اور صاحب سجادہ تھے آپ کا سالانہ عرس نہایت تزک و احتشام سے ہوتا ہے۔ آپ کا مزار مبارک بھی سہسرام کے وسط میں ہے۔ اور اب تک صدہا معتقدین آپکے چشمۂ فیض و برکت سے سیراب و مستفیض ہوتے ہیں اس لئے بہ لحاظ سیادت و امارت اختر صاحب کا خاندان عظمتِ قدیم کا حامل ہے۔

اختر صاحب کو بچپنے سے تحصیلِ علم کا شوق پیدا ہوا چنانچہ آپ نے بہت دنوں تک مدرسہ عالیہ خانقاہ سہسرام میں تعلیم پائی اس کے بعد انگریزی کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ اور آپ نے میٹرک کا امتحان دیا۔ علمی استعداد بہت اچھی ہے اسکول میں بھی ہمیشہ اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔ طبیعت میں ایک خاص قسم کی جودت ہے۔ ذہانت و سنجیدگی انتہائی پائی جاتی ہے

تعلیمی زمانہ ہی میں اختر صاحب کو شاعری کا ذوق ہوا۔ چونکہ طبیعت میں سوز و گداز فطرت نے کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا اس لئے شعر بھی سوز میں ڈوبے ہوئے نکلنے لگے۔ آواز انتہائی شیریں پائی ہے اور اس میں اس درجہ موسیقیت ہے کہ سننے والا تڑپ جاتا ہے۔ جب آپ کو شعر کہتے ہوئے کچھ زمانہ ہوگیا تو آپ کو کسی رہبر کی تلاش ہوئی چنانچہ آپ کی نظرِ انتخاب حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی پر پڑی اور آپ مارچ ۱۹۳۳ء میں مولانا مدظلہٗ کے باقاعدہ شاگرد ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک سلسلۂ اصلاح جاری ہے آپ اکثر مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں آپ کے کلام و طرزِ ادا سے سامعین بیحد لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آپ کو نثر و نظم دونوں میں یکساں دستگاہ ہے

نمونۂ تغزل

بیٹھے بیٹھے رلا دیا تم نے — کیا فسانہ سنا دیا تم نے
ڈال کر دل میں عشق کی بنیاد — اسکو کعبہ بنا دیا تم نے
بزم گلشن میں ہنس کے اے گلرو — جانے کس کا پتہ دیا تم نے

زہر کو امرت جفا کو وفا سمجھا تھا میں — اُن کو دل میں کیا سمجھتا تھا اور کیا سمجھا تھا میں
کیا تعجب سر جو تیرے آستاں پر جھک گیا — تجھ کو دنیائے محبت کا خدا سمجھا تھا میں
بے محابا شوخیاں مجھ سے تری اچھی نہیں — اے خیالِ یار تجھکو پارسا سمجھا تھا میں

مقدر سے جو ذرہ پائمالِ ناز ہوتا ہے — زمانے کی نگاہوں میں بڑی ممتاز ہوتا ہے
چمن میں اوس پڑ جاتی ہے کلیوں کے تبسم پر — ہماری داستانِ غم کا جب آغاز ہوتا ہے
مری وحشت پہ اہلِ ہوش اگر ہنستے ہیں ہنسنے دو — وہ کیا جانیں جنوں میں لطف کیا اعجاز ہوتا ہے
الٹ دیتی ہے پردے ہوش کے جب بیخودی ہو کر — نظر کے سامنے اُن کا حریمِ ناز ہوتا ہے

کوئی بے پردہ دل میں آ رہا ہے — حجاب اب دور ہوتا جا رہا ہے
بھلاتا جا رہا ہوں دل سے جس کو — وہ رہ رہ کر مجھے یاد آ رہا ہے
دلاسا دے رہا ہوں لاکھ دل کو — مگر کمبخت بیٹھا جا رہا ہے
تصور کی فسوں کاری کے صدقے — دمِ گریہ کوئی سمجھا رہا ہے

فسانہ میری بربادی کا اختر
چمن کا پتہ پتہ گا رہا ہے

مار ڈالے گا یہ سماں پیارے ہم یہاں اور تم وہاں پیارے
کشش دل کا سحر دیکھ لیا آ گئے خود کشاں کشاں پیارے
اب تو پہلو میں میرے دل کی جگہ سوختہ سا ہے اک نشاں پیارے
دلِ اخگر میں اب بھی باقی ہیں عشق کی شعلہ کاریاں پیارے

نظم
نمونہ "آجا"

دریائے موجزن میں، کہساریں، چمن میں ،، سنبل کے پیچ و خم میں، پھولوں کی پیرہن میں
مہتاب کی ضیا میں، خورشید کی کرن میں میں تجھ کو ڈھونڈتا ہوں رنگیں انجمن میں
اے جلوۂ حقیقت سوئے مجاز آجا

—۲—

اگلی سی جگنوؤں میں تابندگی کہاں ہے تاروں میں وہ نظر کش رخشندگی کہاں ہے
بزمِ نشاط میں وہ پایندگی کہاں ہے رقص و سرود والی ۔ زندگی کہاں ہے
ہے سرد محفلِ دل اے نغمہ ساز آجا

سید محمد موسیٰ صاحب اخگر سہسرامی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ کی اصلاح

(ستم دیدے ہوں ذرہ)
چمن و قسمتوں کو پائمالی ناز ہوتا ہے زمانے کی نگاہوں میں وہی ممتاز ہوتا ہے
چمن میں اوس پڑ جاتی ہے، کلیوں کے تبسم پر ہماری داستانِ غم کا جب آغاز ہوتا ہے
(بر اہلِ ہوش اگر)
مری وحشت ~~طرازی پہ بھی ہنستے~~ ہیں ہنسنے دو وہ کیا جانیں جنوں میں دل کا کیا انداز ہوتا ہے
(پارہ ہائے)
فضائیں ~~کاروانِ~~ برق سے معمور ہوتی ہیں تبسم ریز جب اُن کا لبِ اعجاز ہوتا ہے
سمٹ آتے ہیں اجزائے تسلی وسعتِ دل میں تخیل جب ہمارا مائلِ پرواز ہوتا ہے
(اور پاؤں میں بیڑی)
~~گلے میں طوق، کڑیاں ہاتھ میں پاؤں میں زنجیریں~~ ترے وحشی کا زنداں میں بڑا اعزاز ہوتا ہے
(ترنم پھوٹ پڑتا ہے مری دل سوز آہوں سے)
~~مری دلسوز آہیں محفلِ صد کیف ہوتی ہیں~~ کوئی بیٹھا ہوا جب دل میں نغمہ ساز ہوتا ہے
الٹ دیتی ہے پردے ہوش کے جب میری بےہوشی نظر کے سامنے اُن کا حریمِ ناز ہوتا ہے

بہت ملتے ہیں ساتھی یوں تو دنیا میں مگر اخگر
(کسی کا کوئی کب)
مصیبت میں ~~نہیں اپنا~~ کوئی دمساز ہوتا ہے

اکسیر — سید محمد حسین شاہ گیلانی دھاروی (۱۰)

آپ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ میں بمقام سید پور ضلع راولپنڈی پیدا ہوئے۔ آپ نسبتاً حسنی الحسینی القادری سید ہیں۔ سات سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ آبائی وطن ملک کشمیر بمقام دھاریاں چلے آئے۔ ۹ سال کی عمر میں والد کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اس لئے یتیمانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے اور قوم کے بعض افراد کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہے اسی حالت میں قرآن مجید کی تعلیم سے فارغ ہو کر فارسی کی چند کتابیں پڑھیں۔ آپ بچپن ہی میں اپنے دوستوں کو منظوم خط لکھا کرتے تھے۔ چند دوستوں نے مشورہ دیا کہ آپ کی طبیعت موزوں ہے آپ اچھے شعر کہیں گے کسی اچھے استاد کو اپنا کلام دکھائیے چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت واصف اکبرآبادی سے سلسلۂ خط و کتابت شروع ہوا۔ رسالہ جلوۂ یار میرٹھ اور رسالہ نیرنگ رام پور میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہا حضرت واصف کی وفات کے بعد چند غزلیں بغرض اصلاح باہر بھیجیں مگر آپ کے ذوق کی تکمیل نہ ہو سکی آخر ۱۳۵۱ھ میں حضرت سیماب مدظلہٗ کو کلام دکھانا شروع کیا مختلف رسائل میں کلام شائع ہونے لگا مگر افسوس ہے کہ آپ اپنا کلام محفوظ نہ رکھ سکے۔ ورنہ ایک اچھا مجموعۂ کلام تیار ہو سکتا اکسیر صاحب کچھ عرصہ سے گردشِ زمانہ میں مبتلا ہیں۔ اور حوادثِ زمانہ کا شکار ہیں۔ آپ نظمیں لکھتے ہیں مگر نظم لکھنے کے برابر غزل خوب لکھتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

ہو گئی مجھ کو شفا دیکھا جو اُس بیمار سے　　زخم دل میں لگ گئے ٹانکے نگہ کی تار سے
کیوں نہ پھوڑوں سر کراہی میں در و دیوار سے　　بد نصیبی لے اٹھا آستانِ یار سے
اُن کی فرقت میں تصور اُن کا آجاتا ہے کام　　دل کو بہلاتے ہیں ہم اکثر خیالِ یار سے
اک ستم ڈھاتا ہے یہ کہہ کر وہ شوخِ فتنہ گر　　تجھ کو کیا حاصل ہوا اکسیر میرے پیار سے

بے نقط یا یہ دلربا دل میں　　اور اس کے سوا ہی کیا دل میں
کیا کروں خاطرِ غم دلدار　　خون بھی اب نہیں رہا دل میں
یاد کس کی یہ آتی رہتی ہے؟　　ہوتا رہتا ہے درد سا دل میں

کی یہ ترکیب بیخودی کے لئے　　بھرے آنکھوں کو اک پی کیلئے
بھر دے ہر گھڑی نہ کر زاہد　　کیا یہ جائز ہے متقی کے لئے
میری آنکھوں میں دیکھیں آپ ہیں　　گھر یہ دونوں ہیں آپ ہی کیلئے
زندگی ہو اگر مری منظور　　پاس آجاؤ دو گھڑی کیلئے
یاد آئی بہت یہ جنت میں　　رو دیا میں تری گلی کیلئے
رونا آتا ہے اپنی قسمت پر　　ہم ترستے ہیں اب ہنسی کیلئے
قدر جینے کی اس سے ہوتی ہے　　موت ہے لطفِ زندگی کیلئے
شبِ غم ان کی یاد ہے مونس　　رہتی ہے دل دہی کیلئے
ضبط کرتا ہوں اشک پی جاؤں　　فرض ہے صبر عاشقی کیلئے
قبر کی بھی وہاں جگہ نہ ملی　　ٹھوکریں کھائیں جس گلی کیلئے

نمونۂ نظم

شاعر کا خیر مقدم

شاعر ادب کی جان ہے　　یہ روح بے ایمان ہے
نظارگی حیران ہے　　حیرت کا یہ سامان ہے
کیا خوب اس کی شان ہے　　ذوقِ نغمہ قربان ہے
اعجاز کا احسان ہے
ہے تذکرہ ضرب المثل

مشاطۂ سراپا ناز ہے — کیا عشوہ کیا انداز ہے
اک سازِ خوش آواز ہے — اک دلبر طناز ہے
تنہائی کا دمساز ہے — سمجھے کوئی کیا راز ہے
سب ہمتِ اعجاز ہے
تحفہ ملا ہے بے بدل

کیا تحفۂ خوش رنگ ہے — کیا نقشۂ ارژنگ ہے
آئینۂ نیرنگ ہے — اک سازِ خوش آہنگ ہے
گلدستۂ صد رنگ ہے — حاسد بھی اس سے دنگ ہے
دامانِ گلچیں تنگ ہے
اتنے کھلے ہیں پھول پھل

ہر داستاں گلبار ہے — ہر تذکرہ گلزار ہے
کیا رنگ کیا معیار ہے — اس کی روش گلنار ہے
ہر سطر عنبر بار ہے — پھولوں کا اک انبار ہے
ہر دل کا یہ اصرار ہے
یہ ہو نہ اوجھل ایک پل

اب ہند سے پنجاب تک — "شاعر" کی پھیلی ہے مہک
اور اس پہ سیمابی چمک — جاتی ہے چشمِ دل جھپک
دیکھو شفق کی جھلک — خیرہ ہے نورِ مردمک
زہرہ خوشی سے ہے فلک
گاتی ہے "شاعر" کی غزل

دنیائے افسانہ نویسی میں انقلاب عظیم

شمیم

باتصویر مصنفہ

جناب فیاض علی صاحب بی اے، علیگ فیض آبادی

زمانہ حال کی اردو افسانہ نگاری میں ایک معرکۃ الآرا تصنیف فن ناول نویسی میں ایک انقلاب عظیم پیدا کرنے والا۔ مصلح اخلاق، سبق آموز عبرت خیز و انتہا درجہ عجیب ناول جس میں فطری جذبات کی عکاسی، معاشرت حاضرہ کی مصوری، نفسیات و حسیاتِ انسانی کی نقاشی بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ زبان کی حلاوت اندازِ بیان کی لطافت، پلاٹ کی خوبصورتی کیرکٹر کی آراستگی، تحریر کی شوخی آمیز سنجیدگی اور خیالات کی دل آویزی کے لحاظ سے یہ ناول آپ اپنی مثال ہے۔ قصہ اس قدر دلچسپ اور جادو اثر ہے کہ بغیر ختم کئے اسے چھوڑنا محال ہے۔ اس ناول کی اہمیت لطافت اور خوبیوں کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ جناب مولانا شوکت علی صاحب نے "خلافت" میں اس پر سولہ کالم میں ایک بسیط تبصرہ فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے اخبارات و رسائل نہایت شاندار الفاظ میں اس کی تحسین فرما چکے ہیں۔ جو تبصرے جات اخبارات اور رسائل میں اب تک شائع ہو چکے ہیں ان کا مکمل اندراج اس اشتہار میں ناممکن ہے۔ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا اب دوسرا ایڈیشن عمدہ کاغذ پر اعلیٰ درجہ کی لکھائی اور چھپائی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور رنگین تصاویر جو اسی ناول کیلئے صد ہا روپیہ صرف کر کے تیار کی گئی ہیں وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں قیمت کامل مجلد ایک روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصول

ملنے کا پتہ: منیجر "شاعر" بکڈپو، قصر الادب آگرہ

آذر — وزیر محمد خاں صاحب سرحدی۔ منشی فاضل — ۱۱

آپ ۱۹۱۱ء میں بمقام جہلم پیدا ہوئے۔ یہاں آپ کے والدِ بزرگوار جناب رسالدار میجر شاہ محمد خاں صاحب اندنوں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ آپ کا اصلی وطن کوہاٹ ہے۔ جو سرحد میں ایک دور افتادہ اور علم و ادب کی روشنی سے بیگانہ ایک مقام ہے آپ کی عمر اس وقت پچپن سال ہے۔

۱۹۱۲ء میں آپ کے والدِ محترم کی پنشن ہوگئی اور آپ مستقل طور پر کوہاٹ ہی میں مقیم ہوگئے۔ آپ سدوزئی دُرّانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کا سلسلۂ نسب شاہ شجاع والیٔ افغانستان سے ملتا ہے۔ آپ نے کوہاٹ ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انگریزی۔ فارسی اور اُردو ہر زبان کا مطالعہ کیا۔ علاوہ ازیں۔ اقتصادیات، منطق، فلسفۂ قدیم و جدید کا بھی کافی مطالعہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ مذہبی معلومات بھی حاصل کرتے رہے۔

۱۹۲۵ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان امتیازِ خصوصی کیساتھ پاس کیا اور امسال بی اے کے امتحان کی تیاری کر رہے ہیں۔

حلقۂ احباب میں آپ اپنے اعلیٰ اخلاق ستودہ صفات۔ رنگین طبعی اور خوش مزاجی و زندہ دلی کی وجہ سے بہت مقبول اور ہردلعزیز ہیں۔ آپ کی ذات پنجاب۔ سرحد اور افغانستان کے لئے باعثِ فخر و مباہات ہوتی لیکن آپ ناقدریٔ ابنائے ملک اور گردشِ زمانہ سے متاثر ہو کر اس قدر تنہائی اور عزلت گزینی میں زندگی بسر کر رہے ہیں کہ علمی لیاقت تو درکنار آپ کی ذاتی صفات اور خاندانی حالات سے بھی بہت کم اہلِ شہر واقف ہیں آپ نام و نمود سے متنفر ہیں۔ آپ انتہائی متین اور خوددار واقع ہوئے ہیں۔ علم و ادب کا ذوق اور شاعری سے لگاؤ آپ کو بچپن ہی سے ہے اور فطرت نے ذوقِ شعری آپ میں بدرجۂ اتم ودیعت کیا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود بھی آپ اپنے کو میدانِ سخن میں نہیں لانا چاہتے آپ کے احباب نے بارہا یہ کوشش کی کہ آپ کو ادبی حلقے سے روشناس کرائیں لیکن طبیعت کی افتاد ہمیشہ غیر معروف زندگی بسر کرنے پر آپ کو مجبور کرتی رہی۔

اپنے ایک عزیز شاگرد جناب شکور شاکر سرحدی کے پیہم تقاضوں سے مجبور ہو کر آپ نے ادبی پلیٹ فارم پر آنے کا ارادہ کرلیا۔ اُن کے کہنے سے اس سلسلہ میں پہلا قدم جو آپ نے اٹھایا وہ یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء میں کئی سال تک خاموشی کے ساتھ مشقِ سخن کرنے کے بعد آپ حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی کے سلسلۂ تلامذہ میں منسلک ہوگئے اور اس یقین کے ساتھ کہ استادِ محترم کی رہنمائی سے آپ بہت جلد بامِ عروج پر پہونچ جائیں گے۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس سے پہلے کبھی آپ نے ایک مصرع پر بھی کسی سے اصلاح نہیں لی۔

آپ کی شاعری کے دو دور ہیں۔ پہلا دور ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک کا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب آپ اسلامیہ کالج پشاور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے پہلے دور کا کلام آپ کے ایک دوست کے مشغلۂ شعر و سخن سے منع کرنے پر آپ نے جلا کر ضائع کر دیا۔

۱۹۲۹ء میں چند وجوہ کی بنا پر آپ نے کالج کو خیرباد کہہ دیا اور عرصہ تک شعر و سخن کے شغل سے بھی بیگانہ رہے۔ عرصۂ دراز کے بعد ۱۹۳۵ء میں چند احباب کے اصرار سے پھر یہ سلسلہ شروع کیا۔ یہیں سے دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ آپ نے دوسروں کے لئے اپنے دماغ و قلم کو بہت عرصہ تک وقف رکھا اور اپنے لئے بہت کم ذخیرہ جمع کیا۔ بیشتر کلام آپ کا

www.taemeernews.com

ضائع ہوچکا ہے۔ اب جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ جذبات سے مجبور ہو کر کہتے ہیں۔ اس لئے کلام میں بے ساختگی اور آمد ہے۔ تصنع اور بناوٹ سے آپ کو نفرت ہے۔ الفاظ کی سادگی۔ سلاست۔ روانی اور بندش کی چستی آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ محاورہ اور روزمرہ کو بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ کبھی کبھی فارسی تراکیب بھی استعمال کرتے ہیں چھوٹی بحریں عام طور پر آپ کو مرغوب ہیں۔ فارسی زبان میں آپ اردو سے بھی بہتر فکر کر لیتے ہیں۔ رباعی آپ کا موضوعِ مخصوص ہے۔

نمونۂ تغزل

کلامِ دورِ اوّل:۔

آیا قتیلِ ناز کا بھولے سے جب خیال
پامال کر گئے وہ نشانِ مزار بھی

طرفہ حیرت ہے محبت نور بھی ہے نار بھی
دل جلا اس آگ سے اور ہو گیا سرشار بھی

محتسب کی شان ہو رندانہ آج
کھول دے ساقی درِ میخانہ آج

یاد ہی تیری بھولنے والے
آسرا ہے شبِ جدائی کا

مرزا صائب کی غزل پر آپ نے ایک فارسی غزل کہی تھی جس کا ایک شعر ہے۔

وقت سحر نگارِ من چید گل و ز باغ رفت
خونِ دلِ ہزار کرد۔ کرد۔ کہ کرد ؟ یار کرد

اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خاں کے کابل چھوڑ کر قندھار چلے جانے پر ایک نظم بخطاب بہ امان اللہ آپ نے لکھی تھی جس کا یہ شعر بہت مقبول ہوا۔

پامال شدن تا کے برباد شدن تا کے
ویرانیٔ خود بنگر اے شہریارِ عزیز

کلامِ دورِ ثانی:۔

ہائے قسمت چاک دامانی کی حسرت رہ گئی
فصلِ گل آتے ہی تن پر پیرہن کچھ نہ تھا

حسن کی جادوگری تھی عشق کی افسوں گری
جوئے شیر و بے ستون و کوہکن میں کچھ نہ تھا

لذتِ تردامنی سے بڑھ گیا ذوقِ گناہ
جذبۂ عصیاں تھا آذر اہرمن میں کچھ نہ تھا

آسماں سے جب گری برقِ بلا اے ہم صفیر
آشیاں کا ذکر کیا سارا گلستاں جل گیا

حسن کی ایک اچٹتی سی نظر تھی جو پڑی
طور پر جس کو جمالِ رخِ جاناں سمجھا

تنگ تھی وسعتِ کونین مری نظروں میں
عرصۂ حشر کو میں گوشۂ زنداں سمجھا

اس قدر زور پہ تھا دشت نوردی کا خیال
بزمِ جاناں کو میں ہم رنگِ بیاباں سمجھا

لبِ خموش پہ مطلب کی بات لا نہ سکا
فسانۂ غمِ الفت انہیں سنا نہ سکا

اٹھا لیا دلِ ناداں نے بارِ الفتِ دوست
یہ بوجھ وہ ہے جسے آسماں اٹھا نہ سکا

ملی ہیں لذتیں اتنی گناہ میں آذر
کہ عمر بھر انہیں بھولے سے بھی بھلا نہ سکا

شوریدہ سری کیسی انداز جنوں کیسا
شاید کہ بہار آئی پھر شورِ سلاسل ہے

ہر ذرۂ صحرا سے پیدا ہے دلِ مجنوں
ہر گام پہ لیلیٰ ہے ہر گام پہ محمل ہے

کس کو پڑی ہے ہو سوالِ منت کی گرانیاں
یاد ہیں عشق کو ابھی حسن کی لن ترانیاں

کبھی ناداں کبھی فرزانہ بن جا
کبھی بلبل کبھی پروانہ بن جا

کبھی مسجد میں سجادہ نشیں بن
کبھی زینت دہِ بتخانہ بن جا

تڑپ جائے عدو بھی سن کے آذر
کچھ اس ترکیب کا افسانہ بن جا

خوشی کر یہ دو میرا احساں جتا کے جاتے ہیں
چراغ میری لحد پہ جلا کے جاتے ہیں

www.taemeernews.com

روٹھ کر کس مزے سے کہتے ہیں
پھر نہ آنا ہمیں منانے کو

کوئی تدبیر کار گر نہ ہوئی
ہجر کی رات مختصر نہ ہوئی

جل گیا دل نگاہ ملتے ہی
برق تیری تری نظر نہ ہوئی

لو وہ آہی گئے سرِ بالیں
بے کلی دل کی بے اثر نہ ہوئی

آہ پھر وہ بھی دل جلوں کی آہ
کون کہتا ہے بار ور نہ ہوئی

کس قدر محو دید تھا آذر
جان جانے کی بھی خبر نہ ہوئی

کلامِ فارسی :-

راہِ میخانہ رفتنم ہوس است
باز توبہ شکستنم ہوس است

مے چکد خونِ دل ز مژگانم
قصۂ غم نوشتنم ہوس است

حسن شد جلوہ فگن بالائے بام
یا ہویدا بر فلک ماہِ تمام

غمزہ و ناز و ادا توبہ شکن
زلفِ پیچاں بہرِ دل گسترد دام

بیک دلائے دل آویز دین و ایماں رفت
فسوں طرازیٔ حسنِ بتاں تماشا کن

قطعہ

شکّر صفار دریائے غریبے
کند آہ و فغاں تیرہ نصیبے

دلم بنالد از نامہربانیٔ گل
کہ بیند و بہ سوزِ عندلیبے

(۲)

ز حسرت خونِ صد پیمانہ ریزم
بخاک از جام مے مستانہ ریزم

بسانِ ابرِ نیساں از دو چشم
بدامانِ صدف قطرہ ریزم

جناب وزیر محمد خاں صاحب آذر سرحدی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب صاحب مدظلہ کی اصلاح

لا شرابِ تیز لے ساقی پلانے کیلئے
شورشِ کونین سے غافل بنا کے لئے

میری امید وں کی دنیا میں ہو اک ہیجان سا
کون آمادہ ہے پھر فتنے جگانے کیلئے

ڈھونڈتے ہیں موسمِ گل میں اسیری کو مزے
اب ترستے ہیں قفس میں آشیانے کیلئے

پھر ہوا روشن چراغِ داغِ دل سینے میں کیوں
یا رب آئی دل کی بجلی جلانے کیلئے

حسن پھر انگڑائیاں لینے لگا ہے طور پر
آج پھر جانا ہے قسمت آزمانے کیلئے

آسماں بیتاب ہے اور مضطرب ہیں بجلیاں
مجھ سے برباد تمنا کو مٹانے کیلئے

زلزلہ برپا ہوا زنداں کی دیواریں ہلیں
کوئی دیوانہ اٹھا طوفاں اٹھانے کیلئے

باغباں صیاد گلچیں اور برقِ خانہ سوز
آفتیں کتنی ہیں اک تنکوں کے آشیانے کیلئے

آذر بیچارہ کو بہت سے ہیں ستمگر
ابھی باقی ہے بگڑی ہوئی قسمت بنانے کیلئے

www.taemeernews.com

امجد — سید امجد حسین صاحب امجدؔ چھپروی — ۱۲

آپ ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ امجد صاحب بہار جیسے مردم خیز خطے سے تعلق رکھتے ہیں جو شعرا اور ادبا کا مامن و مسکن رہا ہے اور جہاں اب بھی عظیم شخصیتیں موجود ہیں۔ یہ وہی خطہ ہے جس نے نواب نصیر حسین خیال اور شاد عظیم آبادی مرحوم جیسے باکمال پیدا کئے۔ آپ شہر چھپرہ محلہ دھانوان کے رہنے والے ہیں اور ایک بہت معزز و اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کی نسبی اور خاندانی وجاہت اہل چھپرہ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کے جد امجد نواب محمد تقی بہت بڑے رئیس، انتہائی خلیق اور پابند شرع بزرگ تھے۔ جن کی محنت یادگاریں کنوؤں، تالابوں اور سڑک کے کنارے لگائے ہوئے درختوں کی صورت میں اب بھی ان کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ نواب صاحب مرحوم نے اسی سے سات سال پیشتر رفاہ عام کے لئے ضلع [illegible] اور سرائیں بنا کر کام کئے تھے۔ آپ کے نانا سید باقر حسین صاحب نے زندگی بچانی [illegible] وقت [illegible] روپیہ میں فروخت کر کے نیل کی ایک کوٹھی کھولی جس میں [illegible] کافی نقصان ہوا اور رفتہ رفتہ دولت و ثروت کم ہوتی گئی [illegible] زندگی پوری کرنے کے لئے روزگار کی تلاش میں منہمک ہو جانا پڑا۔ آپ کے والد بزرگوار سید سجاد حسین صاحب ۱۹۰۰ء میں پولیس میں ملازم ہوئے اور انتہائی خودداری و اہلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد امجد صاحب کو آپ کی بڑی بہن نے پرورش کیا۔ والد صاحب ڈھائی ہزار روپیہ اور دو مکان چھوڑ گئے تھے۔ اسی روپیہ سے آپ نے تعلیم حاصل کی۔ اردو اور فارسی میں آپ نے کافی لیاقت حاصل کی اور عربی بھی باقاعدہ کچھ عرصہ تک پڑھی۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کی طرف آپ رجوع ہوئے اور انٹرنس تک تعلیم پائی۔ چونکہ آپ زیادہ فارغ البال نہ تھے اس لئے انگریزی تعلیم کو اور زیادہ عرصہ تک جاری نہ رکھ سکے۔ ۱۹۲۸ء میں آپ محکمہ نمک میں بعہدہ کلرک مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے بفضلہ بعہدہ اسٹورکیپر انجینئرنگ برانچ Engineering Branch میں کام کر رہے ہیں۔

آپ کو اوائل عمری سے شعر و شاعری سے فطری لگاؤ تھا جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ ذوق شعری کے ساتھ ساتھ خیالات و جذبات میں بھی ترقی ہوتی گئی۔ چنانچہ چھپرہ، مظفرپور اور سانبھر وغیرہ میں آپ نے متعدد مشاعرے پڑھے۔ اور ہر صورت کامیاب رہے۔ شعر عرصہ دراز سے کہتے ہیں لیکن ۱۹۳۵ء سے پہلے اپنا کلام کسی استاد کو نہیں دکھایا۔ ۱۹۳۵ء میں کامل غور و فکر اور تلاش و تحقیق کے بعد حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے سلسلۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ ۲۰ مئی ۱۹۳۶ء کو سانبھر میں ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد ہوا جس کے سکریٹری امجد صاحب ہی تھے۔ اس مشاعرے کی صدارت قبلۂ محترم مولانا سیماب مدظلہ نے فرمائی اور اس وقت امجد صاحب کو استاد محترم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ چنانچہ آپ نے اپنے عقیدت کے پھول نچھاور کئے اور مولانا مدظلہ کے انتہائی ارادت مند ہو گئے۔

آپ کو شاعری سے حد درجہ لگاؤ ہے لیکن ملازمت کی پابندیاں کچھ ایسی ہیں کہ فکر سخن کے لئے زیادہ وقت نہیں ملتا۔ طبیعت میں شوخی، خیالوں میں بلندی ہے۔ سلاست و سادگی آپ کو پسند ہے اور ان باتوں کا آپ بطور خاص خیال رکھتے ہیں۔ آپ کی غزلیں اکثر رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ نظم و غزل دونوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

تیر اُن کا ہے کامیاب ہنوز — ہے مرے دل میں اضطراب ہنوز
تیری آنکھوں میں تیری چتون سے — ڈھل رہی ہے شراب ناب ہنوز

مانگنے والا ہی ہے امجدؔ
نالہ ہوتا ہے مستجاب ہنوز

عشق کی آگ وہی، امجدؔ! سحرا ہے وہی — اب کوئی گرمیِ افسانہ بنے یا نہ بنے
عزتِ عشق سکھا دی گئی اے بے خبری — لیکے دل میرا وہ بیگانہ بنے یا نہ بنے

کوئی سانس ایسی نہیں میری جو فریاد نہیں — مستجاب اب بھی مرا شکوۂ بیداد نہیں
ظلم اور مجھ پہ انہیں یاد نہیں بیدو نہیں — کیا تجھے پاسِ وفائے دلِ ناشاد نہیں
کھیل لیتے ہیں بنا کر وہ نمونے دل کے — بعد مرنے کے بھی مٹی مری برباد نہیں
احتیاج آپ بتا دیتی ہے تدبیرِ عمل — کوئی بھی راہبرِ عالمِ ایجاد نہیں
صرفِ افکارِ جہاں شاہ و گدا ہیں دونوں — فکر سے کوئی نفس دہر میں آزاد نہیں

حرکتِ زیست کا ہے دوسرا نام اے امجدؔ
سرو کی طرح جو آزاد ہو آزاد نہیں

اک زمانہ ترا بتِ کافر — پوچھتا ہے پتہ برہمن سے

موہنی صورت بھی ہے غارتگرِ ایماں بھی ہے — چاہتا ہے دل کہ اس کافر کو سجدہ کیجیے

حمایت میں افسانے میں جنوں فتنہ ساماں کی — جو حالت تھی گریباں کی وہی ہے جیب و داماں کی
کلیسا میں بھی جلوہ گر کعبہ نشیں بھی ہے — بڑھیں حیرانیاں کیونکر نہ میری چشمِ حیراں کی
قفس کی تیلیوں پر شکر کے سجدے نہیں بھولے — ذرا سی خاک بھی دو کوئی صحنِ گلستاں کی

جنابِ سیّد امجد حسین صاحب امجدؔ کی غزل پر حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہٗ کی اصلاح

امجدؔ ہے یاد اب تک وہ حسن کا فسانہ — وہ گیت وہ ترنم وہ ساز وہ ترانہ
ہے مجھ سے ترے قائم ہنگامۂ دو عالم
~~[illegible]~~ — تم حسن کی کہانی میں عشق کا فسانہ
ہے اختلافِ راہ کیوں میرے میکدے سے
~~[illegible]~~ — اس میکدے کی مے کا ہے رنگ صوفیانہ
یوں ہی ہوں میں — کچھ دن یونہی رہے گا
ممنون ~~[illegible]~~ صیاد و آسماں کا — ~~[illegible]~~ بربادِ آشیانہ
کہہ دو کہ ہنسنے والے فرزانۂ ناز ہیں — زحمت
~~[illegible]~~ — دم توڑتا ہے کوئی ہوتا ہے اب روانہ
جب جان تن سے نکلے لب پر ہو نام تیرا — یارب مری جبیں ہو اور تیرا آستانہ
بیلے کے تمام نغمۂ بے سوز ساز سارے — کاہیدہ ساز ترنم خوابیدہ سا ترانہ
ہر ذرہ ذرہ اس کا صد رشکِ آسماں ہے — جھکتے ہیں سر جہاں کے یہ وہ ہے آستانہ
اپنی
پھر جھوم کر گھٹائیں آئی ہیں میکدے پر — وہ کر رہی ہیں شاید زلفوں میں اپنی شانہ
غافل شبابِ امجدؔ سرشاریوں سے کیوں ہو — بانگِ جرس بنا ہے پیری کا تازیانہ

اختر — سیٹھ عبدالکریم صاحب (۱۴)

آپ سنہ ۱۹۱۱ء میں بمقام میٹ پالم پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی حاجی عبداللہ سیٹھ تھا۔ آپ کچھی میمن ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۴۲ سال ہے۔ چھ سال کی عمر میں آپ نے کلام پاک پڑھنا شروع کیا۔ دینی تعلیم کے اختتام پر برٹن کالج ٹیلیچری میں انگریزی اور ملیالم زبان کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل ہوئے۔

آپ کے والد صاحب سیٹھ مرحوم ... کی تجارت کرتے تھے ان کا شمار چوٹی کے تاجروں میں تھا۔ آپ کے والد کے انتقال کے بعد آپ کے دو چچاؤں نے آپ کی پرورش کی۔ چند دن بعد بڑے چچا کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور آپ کے چھوٹے چچا جناب حاجی عبدالستار حاجی بخش سیٹھ ایم۔ ایل۔ اے نے کمال شفقت آپ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ ۱۹۲۲ء میں ٹیلیچری میں چیچک کی وبا پھیلی جس نے سارے شہر میں ایک ہیجان برپا کر دیا۔ اختر صاحب کا گھر بھی اس سے نہ بچ سکا آپ کی ہمشیرہ عزیزہ اور بہن بھی اس مہلک مرض کا شکار ہو گئیں۔ ان دنوں بی اماں (والدہ محمد علی برادران) اور مسز سروجنی نائیڈو آپ ہی کے دولتکدے پر مہمان تھیں۔ ایک طرف مریضوں کا رنج دوسری طرف معزز مہمانوں کے آرام و آسائش کا خیال غرض بے انتہائی پریشان تھے۔ بی اماں اور مسز سروجنی نائیڈو کو جب علم ہوا تو انہیں بھی بہت رنج ہوا۔ دونوں محترم مہمانوں کو اختر صاحب سے خاص ہمدردی ہو گئی تھی۔ مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد ڈاکٹروں حکیموں اور احباب نے آپ کے فرزند پر کو رائے دی کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے شہر چھوڑ دیں تاکہ وبائی زد سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ آپ کے چچا میسور تشریف لے گئے۔ میسور کی خوشگوار آب و ہوا اور شہر کی خوبصورتی نے آپ کو کچھ ایسا سکون بخشا کہ آپ کے چچا وغیرہ پانچ سال تک وہیں مقیم رہے۔ اختر صاحب وہاں پہنچتے سر سے تعلیمی سلسلہ شروع کیا۔ اور وہاں کے چند بزرگوں کی صحبت سے آپ اردو سے بھی کچھ کچھ مانوس ہو گئے۔ رفتہ رفتہ طبیعت کا رجحان اردو کی طرف ایسا ہوا کہ آپ کو اس زبان سے خاص محبت ہو گئی۔ اور دوسری زبانوں کے مقابلہ میں آپ اسی کو حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے لگاؤ کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اپنی مادری زبان (کچھی) سے بھی آپ کو رغبت نہ رہی اور اردو زبان کی شیرینی و فصاحت نے آپ کے دل میں گھر کر لیا۔

میسور سے واپسی پر آپ کو دمہ کا مرض ہو گیا اور باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ایام بیماری میں آپ نے اردو کا مطالعہ بہت زیادہ کیا۔ آپ نے ٹیلیچری میں لوگوں کو اردو کی طرف متوجہ کیا۔ مرحوم سلیمان سیٹھ جو آپ کے عزیز تھے اور علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے آپ کو اردو میں مدد دیتے رہے اور آپ کی قابلیت میں برابر ترقی ہوتی رہی۔ آپ کو کسی اردو رسالہ کے اجرا کا بہت شوق تھا لیکن ماحول کی بدذوقی سے آپ مجبور رہے۔

۱۹۲۹ء میں جناب سیٹھ محمد ایوب حاجی صدیق صاحب صابر سیانی بمبئی سے بغرض تبدیلی آب و ہوا ٹیلیچری آئے چنانچہ آپ کی صحبت سے اختر صاحب کو شعر و سخن سے بھی ذوق ہو گیا اور اب اردو ادب کی ترقی کے لئے آپ کا دل بے چین رہنے لگا۔ صابر صاحب ہی نے آپ کا تخلص اختر تجویز کیا۔

۱۹۳۲ء میں آپ کے عم محترم نے ایک مجلس کی بنیاد ڈالی جس کا نام کیرالا مسلم مجلس ہے۔ اور کیرالا یعنی (ملبار) کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس طلب کی گئی جس کے صدر جناب جمال محمد صاحب مدراسی تھے۔ اس کانفرنس میں مولانا ظفر علی خاں صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ مولانا نے اردو کی ترویج کے لئے یہاں کے نوجوانوں کو ابھارا نتیجہ یہ ہوا کہ

۱۹۲۱ء کے اواخر میں ایک انجمن "اصلاح اللسان" قائم ہو گئی جس کا مقصد صرف اردو کی ترویج تھا۔ آپ کے عم محترم اور جناب طاہر محمد سیٹھ صاحب نے (جو آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں)، اس انجمن کی سرپرستی قبول کی پہلے سال آپ کے بھائی رحمت اللہ سیٹھ صاحب انجمن کے صدر مقرر ہوئے اور اختر صاحب کو نظامت کا عہدہ دیا گیا جسے آپ نے بحسن وخوبی ایک سال تک انجام دیا ۱۹۲۲ء سے اب تک آپ اس انجمن کے خزانچی ہیں۔

آپ کے مکان ہی پر ایک عربی اور فارسی کے مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی چونکہ آپ میں تعلیم کا ذوق بدرجۂ اتم تھا اس لئے خود بھی دونوں زبانوں کو حاصل کیا۔ اور اراکین انجمن کی دلچسپی کے لئے ایک رسالہ "چمن" جاری کیا۔ اسمیں اردو۔ انگریزی اور یہاں کی مادری زبان میں مضامین ہوتے تھے۔ تینوں زبانوں کے علیٰحدہ علیٰحدہ ایڈیٹر تھے۔ حصہ اردو کا مدیر اختر صاحب کو بنایا گیا چونکہ آپ میں یہ صلاحیت موجود تھی اس لئے آپ بہت ذوق کیساتھ یہ خدمت انجام دیتے رہے کچھ عرصہ کے بعد آپ کی نظمیں اور غزلیں وغیرہ "الجمعیۃ" دہلی "اخبار شریعت" لائل پور۔ اخبار "قوم" بنگلور اور رسالہ "شاعر" وغیرہ میں شائع ہونے لگیں۔

۱۹۳۲ء میں آپ کا ایک مضمون "ملیبار اور اردو زبان" کے عنوان سے اخبار "الجمعیۃ" دہلی میں شائع ہوا اس میں آپ نے حامیانِ اردو سے اپیل کی تھی کہ وہ ملیبار میں اردو کی نشر و اشاعت فرمائیں۔ اور لکھا تھا کہ یہاں ۲۳ لاکھ مسلمانوں میں ۵ فی صدی بھی اردو سے واقف نہیں۔ ... مربع میل میں اردو کا ایک بھی رسالہ یا اخبار نہیں لیکن افسوس کہ آپ کی آواز پر کسی نے توجہ نہ دی اور ملیبار میں ہندی کا زور روز بروز بڑھتا گیا۔

۱۹۳۳ء میں آپ نے اپنے عم محترم کے ساتھ شمالی ہندوستان کا سفر کیا۔ تین ماہ تک آپ کا قیام دہلی میں رہا۔ مولانا احمد سعید صاحب جناب ہلال احمد صاحب زبیری ایڈیٹر الجمعیۃ وغیرہ سے آپ وقتاً فوقتاً ملتے رہے۔ دونوں حضرات سے ایک اردو رسالہ کے اجراء کے متعلق آپ نے مشورہ کیا۔ مولانا احمد سعید صاحب اور زبیری صاحب نے آپ کی تائید کی اور ملیبار سے اردو کے رسالہ کے اجراء کی ضرورت ظاہر کی۔ واپسی پر آپ کا قیام کچھ دن آگرہ بھی رہا۔ چنانچہ آپ حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی کی خدمتِ بابرکت میں بھی تشریف لائے۔ بقول اختر صاحب کے کہ مجھے استاد محترم کی خوش اخلاقی اور شفقت نے اپنا گرویدہ کر لیا۔ آپ کو صابر صاحب کے ذریعہ مولانا مدظلہ سے عقیدت اور ارادت پہلے ہی سے تھی۔ یہاں آکر آپ نے باقاعدہ شرف تلمذ حاصل کیا۔ اب ۱۹۲۹ء سے مولانا مدظلہ آپ کے کلام پر اصلاح فرما رہے ہیں آپ لکھتے ہیں کہ استاد محترم نے اجرائے رسالہ پر میری تائید فرمائی اور قلمی اعانت کا وعدہ فرمایا۔ آپ کے وعدے نے مجھ میں روحِ عمل پھونک دی اب مجھے کامل یقین ہے کہ قبلہ مولانا سیماب مدظلہ کے تلطف و اعانت سے میری معلومات میں آئندہ گراں قدر اضافہ ہوگا اور شہر ملیبار میں زبان اردو کی کما حقہٗ ترقی بھی ہو گی"

اختر صاحب کے ایک خط سے یہ معلوم کر کے ہمیں بڑی مسرت ہوئی کہ وہ تلیچری سے ایک ماہانہ رسالہ "نارجستان" کے نام سے جاری کرنے والے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اُن کی دیرینہ مُرادوں کی کامیابی کا وقت آگیا۔ ہمیں امید ہے کہ رسالہ اختر صاحب کی نگرانی میں ضرور بار آور ہوگا۔

اختر صاحب ایک ہونہار اور خلیق نوجوان ہیں۔ قوتِ عمل آپ کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے۔ شعر بہت سمجھ کر کہتے ہیں چونکہ اہلِ زبان نہیں ہیں اس لئے سادگی اور سلاست کو ترکیبوں اور بندشوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

حال اب امت بے کس کا ہوا ہے ابتر — فخرِ سید ابرار مدینے والے
ہم ابھی توڑ دیں زنجیرِ غلامی زبھی — ہوں اگر آپ مددگار مدینے والے
ہم کو دھوکے دئے اغیار نے ایسا کہ تری — کر دیا مفلس و نادار مدینے والے
ہم گنہگار سیہ کار ہیں لیکن پھر بھی — تیری امت میں ہیں سرکار مدینے والے
قافلہ ہند میں بھٹکا ہے مسلمانوں کا — ہے تو ہی قافلہ سالار مدینے والے

www.taemeernews.com

ہند میں اخترِ خستہ ہے نہایت مضطر
اب بلا لو مجھے سرکارِ مدینے والے

ہند کا ہر فرد باہم برسرِ پیکار ہے — گرم اب ظلم و ستم کا ہر طرف بازار ہے
نعمتِ آزادی کا رہ رہ کر ہمیں آتا ہے یاد — اس غلامی میں ہماری زندگی دشوار ہے
چھا گئیں کالی گھٹائیں ہند پر ادبار کی — انقلابِ دہر سے اب ہر کوئی بیزار ہے
اتفاقِ باہمی پر ہے مدارِ زندگی — یاد رکھ اختر اسی سے اپنا بیڑا پار ہے

نمونۂ نظم

التجائے مسلم

تیری درگاہ میں یا رب ہے ہماری فریاد — بیکسوں کی تو کیا کرتا ہے ہر دم امداد
ہے فلسطین میں اسلام پہ بیجا بیداد — ہوئی جاتی ہیں تیری چاہنے والی برباد
ظلم یہ کرنے لگے لطف و کرم کے بدلے
اب ان سے تو ہی لیگا جور و ستم کے بدلے

حال سن سن کے فلسطین کا ہم ہیں مضطر — چین آتا نہیں اس شورشِ غم سے دم بھر
تو ہی ہو اہلِ فلسطین کا حامی یاور — بھیج دے ان کی مدد کیلئے اپنا لشکر
آسرا ان کو کسی کا بھی نہیں تیرے سوا
کوئی دکھ جاننے والا ہی نہیں تیرے سوا

ہم بھی حاکم تھے کبھی آج ہیں محکوم افسوس — ہم سا دنیا میں نہیں ہے کوئی مظلوم افسوس
اپنی حالت پہ کس طرح ہوں مغموم افسوس — انکی غمخواری سے بھی ہو گئے محروم افسوس
ہائے ری جبر کہ ہمدردی سے مجبور ہیں ہم
تہمت سحیف یہاں ہند میں محصور ہیں ہم

موسوی ہم کو سمجھنے لگے اب اپنا غلام — ایک دن انکو دکھا دیں گے ہم اس کا انجام
نہ ملے گا نہ ملے گا انہیں اس جا آرام — ہم کو دیتے ہیں جو نہیں ان کو ایام
سچ بتا مجھ کو ہے دنیا میں کہیں جائے اماں
تو فلسطین کو کیوں اپنا بناتا ہے مکاں

سیٹھ عبدالکریم صاحب اختر کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

اچھے لوگوں کی ہوا کرتی ہے عادت اچھی — کچھ سکھا (بنا) دیتی ہے انسان کو صحبت اچھی

(جو حاصل)
قدر ہر ایک کو ہوتی ہے خوشی کی غم میں — رنج کے بعد میسر ہو وہ راحت اچھی

عیش و آرام میں کب یادِ خدا آتی ہے — جس میں یاد آئے خدا ہے وہ مصیبت اچھی

شمع کی طرح مٹ سکتا نہیں
~~شغل شمع نہیں کتابیں میں کچھ حاصل~~ (لت) — خامشی (مشی) میں ہی مجھے ملتی (محفل) ہے راحت اچھی

اچھی صورت سے ہوا کرتی ہے الفت سب کو — ہم تو چاہیں گے اسے جسکی ہو صورت اچھی

عیش و راحت میں جو دم گزرے غنیمت ہے وہی — آہ ملنے سے جو مل جائے وہ فرصت اچھی

دوستوں میں بھی بہت آ گئی اب خود غرضی — سچ تو یہ ہے کہ کسی کی نہیں نیت اچھی

(ہے قسمت)
چین سے جس کی بسر ہو وہ مقدر والا — یوں تو کہنے کو ہے ہر ایک کی قسمت اچھی

رنج و راحت میں سدا ہیں ہم صابر و شاکر اختر
(خالق)
فضلِ حق سے ہے ملی ہم کو طبیعت اچھی

(۱۴) شیخ محمد شریف صاحب سرحدی

آپ کا نام محمد شریف اور تخلص اختر ہے۔ والد محترم کا نام شیخ محمد دین ہے۔ آپ شیخ حنفی المذہب ہیں۔ اختر صاحب ۱۱ رمضان ۱۹۱۱ء میں بمقام نوشہرہ چھاؤنی ضلع پشاور پیدا ہوئے۔ عمر کا ابتدائی حصہ پشاور میں بسر ہوا۔ اور مڈل تک تعلیم بھی وہیں پائی۔ آپ کے آباؤ اجداد تقریباً نصف صدی سے پنجاب سے بغرض تجارت صوبۂ سرحد میں تشریف لائے اور یہیں رہنے لگے۔ اختر صاحب کافی عرصہ تک پشاور میں رہنے کے بعد بسلسلۂ تجارت اپنے والد صاحب کے ساتھ کوہاٹ آ گئے۔ اور اپنی والدۂ محترمہ کے انتقال ہو جانے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے یہیں اقامت گزیں ہو گئے۔

آپ کی شاعری کا آغاز کتب بینی اور متواتر اخبارات وغیرہ پڑھنے سے ہوا۔ چونکہ طبیعت میں موزونیت تھی اس لئے بہت جلد صحیح شعر کہنے لگے۔ مقامی شعرا کی ہم مجلسی کے باعث طبیعت پر شعر فہمی کا خاصا اثر پڑا۔ اسی طرح دو سال گذر گئے آخر آپ کو اس منزل کے طے کرنے کے لئے ایک کامل رہبر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ آپ نے ۱۱ر اپریل ۱۹۳۲ء کو علامہ سیماب اکبرآبادی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ اور ایک عرصہ تک مولانا مدظلہٗ سے مشورۂ سخن لیتے رہے۔ اس اثنا میں صوبۂ سرحد کے سیاسی رجحانات کے باعث شعر و شاعری کی طرف آپ کی توجہ بہت کم ہو گئی۔ حتیٰ کہ آپ کی طبیعت میں بالکل جمود و تعطل پیدا ہو گیا۔ اس سے آپ کی زندگی پر خراب اثر پڑا۔ اور آپ افسردہ خاطر رہنے لگے۔ آج کل کوہاٹ میں بزمِ ادب اردو کے قیام کی وجہ سے احباب پھر آپ کو میدانِ شاعری میں لے آئے ہیں اور آپ کا بجھا ہوا ذوق پھر ابھر آیا ہے۔ کچھ دن کی خاموشی کے بعد اب آپ پھر چند ماہ سے مولانا مدظلہٗ کو اصلاح کے لئے اپنا کلام بھیج رہے ہیں اور اب مذاقِ سخن میں پہلے سے زیادہ کچھ سرگرمی پائی جاتی ہے۔

اختر صاحب نوجوان شعرا میں ایک خاص رنگ کے مالک ہیں۔

نمونۂ تغزل

دنیا کی عافیت میں نہاں ہیں اذیتیں
آرام کی یہاں نہ تمنا کرے کوئی

دولتِ دنیا سمیٹی بھی تو کیا حاصل ہوا!
ہاتھ خالی تھے سکندر کے کفن میں کچھ نہ تھا

آئینۂ حقیقتِ ہستی ہے روبرو
عبرت سے دیکھتا ہوں چراغِ سحر کو میں

کچھ نہیں سازِ حیاتِ چند روزہ کچھ نہیں
نغمہ ہائے انبساط و غم کا فانی جوش ہے

اصولِ فطرتِ دنیا کی الفت ایک ہو جائے
یہ اے زمانہ تو رہتا نہیں اچھا

گلشنِ دہر سراسر ہی نمودِ بے بود
رازِ پژمردگیِ ہر گلِ خنداں سمجھا

اے نا آشنائے مہر و مہرباں
آگہ ہے بیمارِ غم بالینِ بستر کا چراغ

اب ہے کمالِ فطرتِ غم دوست کیا کہوں
احساسِ غم بھی کثرتِ غم نے مٹا دیا

برباد ہوا تو کیا ویراں ہوا تو کیا
دل پھر بھی میرا دل ہے دل ہی تو زمانہ

سید مظفر علی صاحب سالیری بی۔اے

۱۵

آپ کا نام سید مظفر علی سالیری اور تخلص اثرؔ ہے۔ آپ [illegible]ء میں ضلع گجرات شہر بڑودہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد سید محمد علی سالیری جو فی الحال ریاست بانگرہ میں پولیٹیکل کمشنر ہیں نواب سیر صدر الدین حسین خانصاحب مسند مرحوم کے قریبی رشتہ دار ہونے کے علاوہ خود نہایت علم دوست جدید خیال اور صاحب اقبال شخص ہیں۔ زمانے کی روش کو دیکھتے ہوئے آپ کے والد بزرگوار نے اثرؔ صاحب کی تعلیم کے متعلق پہلے ہی سے ایک پروگرام مرتب کر لیا تھا۔

چنانچہ ابتدائی تعلیم کے لئے اثرؔ صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخل ہو گئے۔ جہاں آپ نے [illegible]ء میں بمبئی یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اس کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے بڑودہ کالج میں داخل ہو گئے اور آپ نے تدریجاً [illegible]ء میں بی اے کا امتحان آنرس سے پاس کیا۔ آج کل آپ بڑودہ کالج کے گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ اسکولر ہیں۔ اور ایم اے کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

اثرؔ صاحب کی شاعری کی ابتدا [illegible]ء سے ہوئی آغاز شاعری میں آپ اپنا کلام حضرت حافظ حکیم محمود حسن صاحب افسرؔ مودودی بڑودوی کو دکھاتے رہے۔ [illegible]ء میں بڑودہ میں آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا ساتواں جلسہ منعقد ہوا۔ اور اسی کانفرنس کے ماتحت ایک مشاعرے کا انعقاد بھی ہوا جس میں خطۂ گجرات اور یو پی کے بہت سے شعرائے کرام کو دعوت دی گئی تھی۔ اس مشاعرے میں حضرت مولانا سیمابؔ اکبرآبادی مدظلہ العالی بھی تشریف لے گئے تھے۔ مشاعرے کے ختم ہونے پر مشاعرہ کمیٹی کی طرف سے چیدہ غزلوں کے لئے تین میڈل تقسیم کئے گئے تھے۔ جن میں پہلا سونے کا میڈل حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہ کو دوسرا میڈل حضرت افسرؔ صاحب مودودی کو اور تیسرا میڈل جناب اثرؔ صاحب کو ملا تھا۔ آپ کی خداداد طبیعت زورِ کلام تخیل کی بلندی اور حسن بیان کا اندازہ صرف اسی واقعہ سے ہو جاتا ہے کہ جس غزل پر آپ کو میڈل ملا وہ آپ کی صرف گیارہویں غزل تھی۔

آپ کی بلند ذوقی اور سیر چشمی کا اقتضا یہی سے تقاضہ تھا کہ آپ اپنے کلام پر ہندوستان کے کسی بہترین استاد سے اصلاح لیکر اپنی شاعری کو ادبی دنیا میں فروغ دیں۔ لہٰذا حسن اتفاق کہئے یا خوش قسمتی کہ اورینٹل کانفرنس کے موقع پر آپ کو حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہ سے نیاز حاصل ہوا۔ چونکہ ایک عرصہ سے آپ مولانا کا شہرہ سن رہے تھے اور اکثر اوقات ان کا کلام بھی اردو رسالوں میں آپ کی نظر سے گذرتا رہتا تھا لہٰذا آپ نے دل میں تہیہ کر لیا کہ آئندہ آپ اپنا کلام بغرضِ اصلاح مولانا ہی کی خدمت میں پیش کیا کریں گے۔ آپ نے مولانا مدظلہ سے تحریری درخواست شاگردی کی جو خوش قسمتی سے قبول ہو گئی۔

اردو کے علاوہ آپ گجراتی زبان کے بھی ایک ماہر شاعر ہیں اور ایک اچھے مضمون نگار بھی ہیں۔ اکثر گجراتی رسائل میں آپ کا کلام اور مضامین شائع ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ بڑودہ ساہتی سبھا (بزم ادب) منعقدہ [illegible]ء میں آپ کو ایک بہترین گجراتی غزل لکھنے پر پہلا انعام ملا تھا۔

[illegible]ء سے [illegible]ء تک آپ بڑودہ کالج میگزین کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ بڑودہ میں اردو بزم ادب کی بنا ڈالنے میں آپ کی کوشش قابل داد ہے۔ آپ فی الحال اس بزم ادب کے سکریٹری ہیں۔

چونکہ آپ ایک نوعمر شاعر ہیں بنا بریں آپ کا کلام جدید رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ آپ کے کلام میں ایک خاص چلبلاپن پایا جاتا ہے۔ اپنی قوم سے آپ کو ایک خاص قسم کی ہمدردی ہے اور اس کی گرتی ہوئی حالت سے متاثر ہو کر اس کو علمی اور عملی ترقی کی طرف مائل کرنے کیلئے اکثر اوقات آپ نے قومی نظمیں بھی کہی ہیں۔ جو قومی جذبات کو ایک حد تک ابھارتی ہیں۔

چونکہ آپ ابھی تحصیل علم میں مشغول ہیں اس وجہ سے شاعری کی طرف زیادہ توجہ نہیں فرما سکتے۔

نمونۂ تغزل

ہماری زندگی خود سعیِ عالمگیر ہوتی ہے — جسے تقدیر کہتے ہیں وہی تدبیر ہوتی ہے
نہ انگیز ہیں تری بجا ہیں چشم حق بیں میں — تجھے تو بیرقا کہنے سے بھی تکفیر ہوتی ہے
نگاہِ شوق پھر بڑھنے لگی ہے جانبِ جلوہ — ادب اے چشم نظارہ کہ پھر تقصیر ہوتی ہے
یہ اشکوں کی روانی جذبِ دل بن ہی نہیں سکتی — یہی وہ موج ہے دریا کی دامنگیر ہوتی ہے
کبھی پنہاں کبھی ظاہر کبھی غائب کبھی حاضر — ہمیں دارِ دگرنگی ہی تدبیر ہوتی ہے
کہاں کا دم رموزِ علم الاسما کہاں ملتی — نگاہِ حق نگر میں خاک بھی اکسیر ہوتی ہے
دعا کی بےخودی میں حرفِ مطلب بھول بیٹھا ہوں — یہی ہوتا ہے برگشتہ اگر تقدیر ہوتی ہے
ہجومِ شوقِ جلوہ۔ گرمیِ حسنِ غرورِ آگیں — فقط خوابِ زلیخا کی یہی تعبیر ہوتی ہے
آشیانہ کو ساز دل سے بہلاتا ہوں دل اپنا — شبِ خاموش میں جب یاس دامنگیر ہوتی ہے

پوچھتے کیا ہو شبِ ہجر کیا کیا — دل کبھی تھاما۔ کبھی نالا کیا
خوب تم نے وعدۂ فردا کیا — حشر تک میں راستہ دیکھا کیا
دل اگر تم لے گئے اچھا کیا — دردِ فرقت دے گئے یہ کیا کیا
پھونک دی برقِ تجلی پھونک دے — مجھ کو ذوقِ دید نے رسوا کیا
دل میں تم تھے یا تمہاری یاد تھی — کچھ تو تھا شب بھر جو میں تڑپا کیا
کیا کہوں فرقت میں کیونکر کی بسر — آپ نے تڑپا دیا تڑپا کیا

آس میری یاس کا پیغام ہے — یعنی ہر صبحِ تمنا شام ہے
بے نیازی آپ کا شیوہ نہیں — میرا دل ہی قابلِ الزام ہے
وہ خود آئے ہیں عیادت کیلئے — اب تو کتنا ہی بڑا آرام ہے
میرے گھر وہ آج پاگل آئیں گے — یہ فریبِ گردشِ ایام ہے
کیوں شکستِ دل پہ آنسو بھر آئیں — یہ بھی کیا کوئی شکستِ جام ہے
اسے آخر پینا پڑے گا ایک دن — گو فنا کا جام کڑوا جام ہے

بظاہر عاشق کی موت مرگِ ناگہانی ہے — مگر اس موت میں پنہاں حیاتِ جاودانی ہے
ہماری زندگانی کیا ہے حبوب کی روانی ہے — جو ساحل تک پہونچ جائیں تو پھر بانی کی آبادی
ذرا ہوشیار ہو جائیں خودی داں خدا والے — مجھے سوزِ نفس سے آگ دنیا میں لگانی ہے
تیری دیوانی قید و بند سے آزاد ہو جا تو — خدارا تم جنونِ عشق کی یہ مہربانی ہے

نمونۂ نظم

بہادرانِ وطن

تمہاری آن وطن سے ہے تم سے آنِ وطن — تمہاری شان وطن سے ہے تم ہو شانِ وطن
وطن نشانِ سلف اور تم نشانِ وطن — یہ مختصر ہے کہ تم خود ہو ترجمانِ وطن
قدم بڑھائے چلو اے بہادرانِ وطن

اٹھو خدا کیلئے تم کو تمہیں خدا کی قسم — پڑھو تمہیں ہے شہیدانِ کربلا کی قسم
پڑا ہوا ہے یہ ای رنج و ابتلا کی قسم — تمہیں ہے غربتِ ارباب بےنوا کی قسم
قدم بڑھائے چلو اے بہادرانِ وطن

نہ تخت و تاج رہا اور رہی نہ سلطانی — نہ پاسِ غیرتِ خودداری مسلمانی
سوادن سے بڑھ گئی اے غافلو یہ نادانی — خبر بھی ہے تمہیں سر کو گذر گیا پانی
قدم بڑھائے چلو اے بہادرانِ وطن

آزاد — محمد سعید خاں صاحب بیاوری (۱۶)

آپ کا نام محمد سعید خاں اور آزاد تخلص ہے۔ ۲۵ر جولائی بروز جمعہ ۱۹۱۹ء محلہ محمدی چاہ بیاور ضلع اجمیر میواڑ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی عبدالعزیز خاں صاحب عزیز ایک اچھے شاعر و واعظ ہیں۔ میلاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنے کا شوق آپ کو بیحد ہے۔ چونکہ آزاد صاحب کے تایا عبدالغنی صاحب کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے انہوں نے آزاد صاحب کو متبنیٰ کر لیا۔ آپ کا خاندان یوسف زئی پٹھان ہے۔ آپکے دادا مولانا محمد رمضان خانصاحب یوسف زئی مرحوم غدر سے دو سال پہلے رانا ... سے آکر یہاں مقیم ہوئے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد خاں صاحب بیچناباد میں مقیم ہوئے جنکی اولاد ابھی تک وہیں مقیم ہے۔

آپ نے ابتدائی کتابیں مولوی اختر زماں صاحب سے مکتب میں پڑھیں اور پھر انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے سناتن دھرم انٹر کالج بیاور میں داخل ہوگئے۔ ساتویں جماعت تک اسی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی۔ چونکہ محمد علی میموریل ہائی اسکول کی بنیاد اسی سال پڑی تھی اس لئے آپ اس اسکول میں آگئے۔ یہاں دسویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ اور اب سناتن دھرم کالج میں فارسی کی تکمیل مولانا عبیداللہ خاں صاحب قدسی سیمابی ایچ۔ پی۔ کی نگرانی میں کر رہے ہیں۔

چونکہ آپ کو کتب بینی کا شوق بہت زیادہ ہے اور اکثر اساتذہ کے دواوین بھی زیر مطالعہ رہے ہیں اس نے شعر گوئی کا شوق جو فطری تھا عود کر آیا۔ ادھر آزاد صاحب کو استاد بھی شاعر ہی ملے۔ مولانا عبیداللہ صاحب قدسی نے سناتن دھرم کالج میں اور مولوی نورالدین صاحب انور بھوپالی نے آپ کے جذبات شعری کو ابھارا اور اپنے مشوروں سے آپ کے کلام کو جلا دی۔ چونکہ قدسی صاحب ایک بہترین نثار ہیں اس لئے آزاد صاحب نے نثر پر اصلاح آپ ہی سے لی ہے نظم کی اصلاح مولوی نورالدین صاحب انور سے لیتے رہے۔ آپ نے مشاعروں اور مباحثوں میں کئی تمغے اور ایک کپ بھی حاصل کیا۔ انور صاحب اور قدسی صاحب کی توجہ سے بیاور میں اکثر مشاعرہ ہوتے رہتے ہیں جن میں باہر سے بھی شعرا مدعو کئے جاتے ہیں۔ آپ بھی ان مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔

۱۹۳۵ء میں جناب جگر مرادآبادی بیاور تشریف لے گئے۔ جگر صاحب کا کلام سننے سے آزاد صاحب میں ایک خاص جذبہ پیدا ہوا جس نے آپ کی شاعری کو چمکا دیا۔ اسکول کے ڈراموں میں آزاد صاحب کو چیف پارٹ دیا جاتا تھا۔ شہنشاہ جارج پنجم کی سلور جبلی پر محمد علی میموریل ہائی اسکول میں ایک ڈرامہ اسٹیج کیا گیا جس میں کمشنر صاحب اجمیر و میواڑ نے آپ کو بطور خاص ایک تمغہ مرحمت فرمایا۔

جنوری ۱۹۳۶ء میں حضرت قبلہ مولانا سیماب صاحب مدظلہ العالی اور ... اقسر امروہوی۔ محمد علی میموریل ہائی اسکول کے سالانہ مشاعرہ میں تشریف لے گئے۔ آزاد صاحب نے بعد کافی حضرت مولانا مدظلہ کی اور اقسر صاحب کی خدمت کی۔ جناب اقسر صاحب نے فروری ۱۹۳۶ء کے "تذکرہ" میں لکھا ہے کہ "عزیز محمد سعید خاں آزاد کی حاضری اور جانفشانی اکثر یاد آئے گی"۔ آپ سناتن دھرم کالج کے سالانہ مباحثہ ۱۹۳۶ء میں اول آئے اور انعام میں "کلیم عجم" دیوان غزلیات حضرت مولانا سیماب مدظلہ حاصل کیا جس کے مطالعہ نے آپ کی استعداد اور شعری بہت کچھ بڑھا دی۔ جنوری ۱۹۳۷ء ہی میں

آپ حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے تھے سالانہ مشاعرہ میں آپ کو دو نقرئی میڈل ڈاکٹر مہاراج سروپ صاحب اور پنڈت دیاشنکر صاحب نے مرحمت فرمائے۔ اسی سال آپ مباحثہ کے سلسلے میں اودے پور بھی گئے۔ ۰ ر فروری ۱۹۷۱ء کو گورنمنٹ کالج اجمیر کی صد سالہ جوبلی کے موقع پر ایک مشاعرہ ہوا۔ جس میں آپ کو اور ایک نقرئی میڈل سرائے بہادر پنڈت مکھن لال صاحب بی اے۔ ایل ایل بی نے مرحمت فرمایا۔

ہنوز چونکہ آپ طالب علم ہیں اس سے دل کھول کر بزم سخن میں حصہ گیر نہیں ہو سکتے۔ مولانا سیماب مدظلہٗ سے ذریعۂ خط و کتابت اصلاح لیتے ہیں اور امید ہے کہ مستقبل میں آپ ایک اچھے۔ نثار۔ مقرر۔ اور شاعر ہوں گے۔ شعر بہت صاف اور سلجھا ہوا کہتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

ذرا ڈالدو اپنی زلفوں کا سایہ   بہت نارسا ہے مقدر کسی کا
ہوا جب کبھی ذکر ظلم و ستم کا   تو نام آ گیا لب پہ اکثر کسی کا
یہ ہو شعلۂ طور یا برق لرزاں   جلاتا ہے کیوں حسن کافر کسی کا

تم آزاد آزاد کیوں ہو گئے ہو
نہیں کیوں تمہیں اب تو ڈر کسی کا

نار اور نور ہوا جاتا ہوں   شعلۂ طور ہوا جاتا ہوں
تجھ سے ہوتا ہوں میں جتنا نزدیک   اتنا ہی دور ہوا جاتا ہوں
اللہ اللہ رے شراب جلوہ   بے پئے چور ہوا جاتا ہوں
موسم ابر آ گئی تو بہ   مست و مخمور ہوا جاتا ہوں

کیا ہو دل میرا جو مجموعۂ اضداد نہیں   کبھی ناشاد نہیں ہو تو کبھی شاد نہیں
تو نہ بخشا ہے جسے درد محبت اپنا   دل وہی درد کی دنیا ہے تجھے یاد نہیں
تو نہیں ہے تو ترا درد تو ہے دل میں مکیں   اب کسی حال میں خالی دل ناشاد نہیں
یہ وہی یار ہے چہرے سے اٹھایا تھا نقاب   کس نے دیکھا کسے دیکھا مجھے یاد نہیں
آج تک ہوں غم ہستی میں مقید آزاد   میں یونہی نام کا آزاد ہوں آزاد نہیں

خون جگر کا رنگ مری چشم تر میں ہے   وہ یہ سمجھ رہے ہیں تمنا نظر میں ہے
بس اصل زندگی ہے محبت کی زندگی   سب کچھ اسی ایک زندگی مختصر میں ہے
ان کو جمال حسن کی یہ جلوہ باریاں!   اک جنت نگاہ ہماری نظر میں ہے
آ ذرے اس کو حال ہی کچھ اور ہو گیا   کیا میری زیست دستر یار ہ بر میں ہے؟

آزاد کیوں نہ ناز کروں اپنے دل پہ میں
اللہ کا قیام اسی پاک گھر میں ہے

موجیں سی اٹھ رہی ہیں گلابی شراب سے   مستی چھلک رہی ہے کسی کے شباب سے
وہ اٹھ رہے ہیں پھر مری پہلو سے ہمنشیں   بیدار ہو رہا ہوں محبت کے خواب سے

حسن کی موجیں تبسم ہائے پنہاں ہو گئیں   جیسے رومیں جذبۂ آرزو کی رقصاں ہو گئیں
جیسے پھیلادی ہو گلشن پہ سنہری سا یہ   بجلیاں یوں خرمن ہستی پہ لرزاں ہو گئیں
چاند راتیں جو دن معلوم ہوتی تھیں کبھی   اب وہ راتیں مجھ کو تاریک زنداں ہو گئیں

نمونۂ نثر

نگاہِ اولیں

"مہتاب اپنے پورے شباب پر تھا۔ میں آنا ساگر کے کنارے کھڑا ہوا پانی کے معصوم نظارے دیکھ رہا تھا۔ تمام فضا میں خاموشی رقص کر رہی تھی اور مستی چاروں طرف ہوا میں لہرا رہی تھی۔ ننھے تارے سونے پر جھکے ہوئے تھے اور حسین نظارے جلوہ فرما تھے۔ تمام وادی اور صحرا کی حسین آبادی کے دلکش مناظر پانی کی ساحرانہ قوت کو دلچسپ نمونے تھے۔ لیکن ابھی تک ساگر کی موجیں خاموش اور مدہوش تھیں۔ تمام منظر پر سکوت و سکون طاری تھا۔ اور میری کیفیت میں ڈوبی ہوئی دل کے ریشہ ریشہ میں شباب کی مستی چھلک رہی تھی۔"

www.taemeernews.com

اکبر اسمٰعیل صاحب بنگالی عدنی

اکبر ۱۰

آپ ۱۸۹۴ء میں بمقام عدن (عرب) پیدا ہوئے۔ ابھی آپ نے اپنی عمر کی صرف چار ابتدائی بہاریں دیکھی تھیں کہ قدرت نے والدہ جیسی ہستی کا سایہ سر سے اٹھا لیا۔ چنانچہ آپ کے ماموں عبدالوہاب حسین بخش المعروف شاہ جی صاحب نے آپ کی پرورش کی۔ آپ کے والد جماعت ہندوستانی عدن کے مکھیہ اور معزز رکن ہیں۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ کے بڑے ماموں احمد حسن بخش صاحب معصوم عدنی فرسٹ پولیس ولد ارمنشر نے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور اکبر صاحب کو مدرسہ اسلامیہ عدن میں ابتدائی تعلیم کیلئے داخل کرا دیا۔ آپ نے تین سال کے عرصہ میں قرآن پاک اور دوسری اردو کی کتابیں ختم کیں۔ آپ کے مدرسین یوسف میاں جی اور جناب مصطفیٰ خاں عبدالشکور خاں صاحب نے بڑی ہمدردی و توجہ سے آپ کو تعلیم دی اس کے بعد آپ انگریزی اسکول میں داخل ہوئے اور ماسٹر جے مانیٹ ڈیوس صاحب کے زیر تعلیم آپ نے تھرڈ اسٹینڈرڈ (تھرڈ اسٹینڈرڈ) کا امتحان پاس کیا۔ چونکہ آپ کا کوئی کفیل موجود نہ تھا اور اقتصادی پریشانی بہت زیادہ تھی اس لئے اتنی ہی تعلیم کو غنیمت سمجھ کر آپ فکر معاش کی طرف متوجہ ہوگئے اور متعدد انگریز افسروں کے یہاں آپ ملازم رہے۔

مطالعہ کا شوق آپکو بچپن ہی سے ہے چنانچہ مختلف ڈرامے۔ ناول۔ رسائل اور اخبارات وغیرہ آپ برابر پڑھتے رہتے ہیں۔ چونکہ آپ کے ماموں جناب معصوم صاحب بھی ایک اچھے شاعر تھے اور مرثیہ خوانی اور مرثیہ گوئی میں بہت مشہور تھے اس لئے اکبر صاحب پر بھی ماحول کا اثر ہوا آپ بھی مرثیہ کہنے لگے اور مجالس مرثیہ خوانی میں شرکت کرنے لگے۔ آپ کے ماموں صاحب مولانا عاشق حسین صاحب عاشق مہتمم مطبع حمیدیہ و مدیر رسالہ تحفۂ احمد آباد کے شاگرد تھے اور تحفۂ احمد آباد میں آپ کا کلام بھی چھپتا رہتا تھا فطرت کو یہی منظور نہ تھا کہ آپ اپنے ماموں صاحب کے فیض سخن اور شفقت سے فائدہ حاصل کریں چنانچہ ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

اس جانکاہ حادثہ نے اکبر صاحب کے بہت کچھ جھنجھوڑ دیا لیکن انکا ادبی ذوق کسی طرح ذکر سخن سے غافل نہ رہ سکا پھر رفتہ رفتہ آپ شاعر کے خریدار ہو گئے اور ۱۹۲۲ء میں جناب دلکش عدنی مرحوم کی وساطت سے حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کی خدمت اقدس میں درخواست شاگردی بھیجی۔ مولانا مدظلہٗ نے دلکش صاحب کے اصرار سے ازراہ کرم اکبر صاحب کو اپنے تلامذہ میں شریک کر لیا۔ استاد محترم کی توجہ سے دو تین سال ہی میں آپ کہیں سے کہیں پہونچ گئے۔ اصلاح شدہ غزلوں کو آپ بہت غور و فکر سے دیکھتے ہیں اور عدن میں اردو زبان کی ترویج کیلئے بھی کوشاں رہتے ہیں۔ شعر صاف اور سمجھ کر کہتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

بہار دو جہاں بنکر وہ اس گلزار میں آیا — کلی میں کیف بنکر وہ دبنکر خار میں آیا
کبھی وادی، کبھی صحرا، کبھی گلزار میں آیا — غرض ہر رنگ میں وہ عالم اظہار میں آیا
کبھی وہ عشق بنکر قلب میں پہونچا زلیخا کے — کبھی وہ حسن بنکر مصر کے بازار میں آیا
کبھی بتخانہ کو مہکا دیا ناقوس بنکر — کبھی تسبیح میں آیا کبھی زنار میں آیا
کبھی منصور کے منہ میں زباں بنکر چلا آیا — کبھی درس فنا دینے فضائے دار میں آیا

پھر چھائی گھٹا، پھر شوق بڑھا، میخوار چلے میخانے کو
پھر وجد میں آکر چوم لیا پیمانے نے پیمانے کو

مینوش سب آتے ہیں ساقی آئے نہیں لیکن شمس و قمر
یہ دونوں پرانے پیمانے کیا بھول گئے میخانے کو

کیوں بند زباں کرتے ہم یہ کہیں ساقی سے ہمارا رشتہ ہے
ساقی کی نظر پہچانتی ہے ہر اپنے اور بیگانے کو

طوف ہم پر فرض ہو جاتا حریم عشق کا ۔ دیتے ہیں ہم جو سر پر اپنے احرام نشاط
کر دیا بیدار خوابیدہ جانِ عشق کو ۔ جنبشِ انگشتِ مانی نے دیکر تیرے پیغام نشاط

گلشنِ عالم میں تیرے دم سے اے جانِ بہار ۔ آج ہر جانب نظر آتا ہے طوفانِ بہار
اذن گر تعمیر کا دے مجھ کو طوفانِ بہار ۔ گوشۂ دل میں بنا لوں میں ایک ایوانِ بہار
سیکڑوں موسیٰ کھڑے ہیں وادیٔ ایمن کے گرد ۔ طور پر روشن ہوئی شمعِ شبستانِ بہار
کہدو افسانہ نگاروں سے ہوا تاثیل ۔ زینتِ افسانہ رنگیں ہو عنوانِ بہار

نمونہ دیکھنا ہو جس کو دنیا ہی میں جنت کا ۔ وہ جا کر دیکھ لے ڈلیہ میں منظر سیدی حضرت کا
نچھاور ہو رہے ہیں تیرے ستارے چاند ہو کر بھی ۔ سنہ پر نور اک مرکز ہے انوارِ رسالت کا
بتا دو عرش والو تم میں ایسا ہے کوئی جھلکی ۔ جبیں پر ہو درخشاں نیرِ اعلیٰ سعادت کا
زلیخا شمع پروانہ فدا تھی شمع کنعاں پہ ۔ خدا خود بن گیا بلبل گلِ باغِ نبوت کا
خیالِ بیکسی نہیں ہے مذاقِ بت پرستی بھی ۔ مگر غالب ہے ان دونوں پہ ذوق اس کی عبادت کا
رفاہِ عام کی تعمیر کرتی ہے جسے دنیا ۔ وہ لفظ اک مستقل عنوان ہے مضمونِ محبت کا
تری نادیدہ تخیل نے دکھایا دن یہ اے اکبر ۔ کہ ادنیٰ رکن تو بھی ہو گیا بزمِ فصاحت کا

جناب اکبر اسمٰعیل صاحب اکبر عدنی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کی اصلاح

کیوں نہ ۔۔۔ دلکش ہو فضائے
کیوں نہ سمجھا دل کو بجائے میکدہ ۔ کیف آور ہے ہوائے میکدہ
قمرہ
سُن کے مستی خیز گوہائے میکدہ ۔ ہو گئے دل سے فدائے میکدہ
چل گئی ۔ میکدہ سے خود ہے
کیا چلی ایسی ہوا اے میکدہ ۔ جس کو دیکھو ہے فدائے میکدہ

ہے اگر ساقی غذائے میکدہ ۔ مطرب ہو دل ربائے میکدہ
دیکھ کر زینے
میں وہ میکش ہوں کہوں گر العطش ۔ اٹھ کے پی جاؤں آئے میکدہ
کچھ ایسا گرم ہوا
مطرب و ساقی جو ہیں محفل ۔ مست ہو کر جھوم جائے میکدہ
عشق ساقی میں رہیں دیر بھی ۔ بن گیا آخر گدائے میکدہ
بھول جائیں خلد کو حوریں، اگر ۔ دیکھ لیں رنگیں فضائے میکدہ
میکشوں کی بھی ہوا ساماں شکلیں ۔ ساقیٔ حاجت روائے میکدہ
بادہ کش
حشر میں جائیں گے جب دم میکشاں ۔ ساتھ میں ہوگا لوائے میکدہ
۔۔۔ نے ۔۔۔
رنگ جب چھا گئی نہیں کوئی ۔ جگمگا اٹھی فضائے میکدہ

سیر کو آئیں گے شیخ و برہمن ۔ کہدو ساقی سے سجائے میکدہ
عالمِ ہستی میں اکبر ہم نے آج ۔ نظم لکھی ہے برائے میکدہ

www.taemeernews.com

ادیب ۔ فیض محمد خانصاحب اکبرآبادی (۱۸)

آپ کا نام فیض محمد خاں۔ اور ادیب تخلص ہے۔ یکم دسمبر ۱۹۰۱ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ پٹھان ہیں اور وطنِ مالوف آگرہ ہے۔ آپ کے والد محترم منشی بندے خاں صاحب مرحوم کلکٹری کچہری میں پیشکار تھے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے انگریزی تعلیم کی طرف توجہ دی اور انٹرینس پاس کیا۔ دورانِ تعلیم میں ڈرائنگ اور حساب میں آپ بطورِ خاص دلچسپی لیتے تھے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وکٹوریہ ہائی اسکول میں ٹیچر ہوگئے۔ ۱۹۲۲ء میں جب بپٹسٹ مشن اسکول قائم ہوا تو وہاں آپ کے برادرِ بزرگ منشی نور محمد خاں صاحب ہیڈ ماسٹر ہوئے اور آپ کو سیکنڈ ماسٹر کے فرائض انجام دینے پڑے۔ یہ اسکول عرصہ تک قائم رہا اور بڑی توجہ سے کام کیا۔ جب مشن نے خود یہ اسکول توڑ دیا تو آپ نے کئی جگہ کی ملازمت کے بعد پرائیویٹ طریقہ پر لڑکوں کو تعلیم دینا شروع کردیا۔ ایک سال سے آپ شدید بیمار ہیں۔ دعا ہے کہ خدا آپ کو جلد صحتیاب کرے۔

۱۹۲۲ء میں آپ کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ آگرے کے اکثر مشاعروں میں شرکت کی اور یہ ذوق یہاں تک بڑھا کہ آپ باقاعدہ حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کے شاگرد ہوگئے۔ ۱۹۲۲ء سے اس وقت تک آپ نے ایک بڑا ذخیرہ کلام کا جمع کرلیا ہے۔ مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے رہتے ہیں اور مولانا مدظلہٗ کے فیضِ سخن سے آگرہ کے اچھے شعرا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی غزلیں اکثر قوال وغیرہ میں حال و قال کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

کشاکشِ زمانہ سے آپ کو چین نصیب نہیں ہوا۔ ورنہ ادیب صاحب بہت جلد چمک جاتے۔ گو بیماری نے آپ کو بہت زیادہ مضمحل کردیا ہے۔ لیکن آپ کی روحِ شعریت سے اب بھی پُر ہے۔ اس عالم میں بھی دل بہلانے کے لئے کبھی کبھی شعر کہہ لیتے ہیں اور مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں بغرضِ اصلاح بھیجتے رہتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

ہوکے بیہوش گرا میں قدمِ جاناں پر — ہوشیاری تو یہی تھی کہ مجھے ہوش نہ تھا

ایک تم تھے کہ تمہیں غیر کا ہر دم تھا خیال — ایک میں تھا کہ خود اپنا ہی مجھے ہوش نہ تھا

ہوش تھا جسکو ملے موت نے جینے نہ دیا — جسکو جینے کی فرصت تھی اسی ہوش نہ تھا

عیش میں غم میں اسی یاد میں کرتا تھا ادیب
وہ کسی وقت مرے دل سے فراموش نہ تھا

چھایا ہوا ہے حسنِ صد رنگ گلستاں پر
کیا تم سنور رہے ہو پھولوں کی تازگی میں

آپ کا بے نقاب ہوتا تھا — اور دل پر عذاب ہوتا تھا

بخش بھی دو خطا ہوئی مجھ سے — ہو چکا جو حساب ہوتا تھا

دل سے ملتے تھے کام ادیب نہ کر
دل کو خود ہی خراب ہوتا تھا

www.taemeernews.com

باغ مولانا محمد ایوب صاحب چشتی قریشی اکبر آبادی (۱۹)

آپ کا وطن آگرہ ہے مگر آپ عرصۂ دراز سے ترکِ وطن کر چکے ہیں۔ آج کل آپ اجمیر میں مقیم ہیں اور ریلوے کے ایک دفتر میں ملازم ہیں۔

دنیا میں بعض ہستیاں اپنی افتادِ طبع ـ انکسار، روحانی اور ذوق و شوق کے لحاظ سے ممتاز ہوتی ہیں۔ باغ صاحب بھی ان ہی ہستیوں میں سے ایک ہیں۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے جب برادرِ معظم حضرت منتظر صدیقی اکبر آبادی نے آپکو حالات بھیجنے کیلئے لکھا تو آپ نے مندرجۂ ذیل مکتوب جواباً روانہ فرمایا۔

برادرم منتظر سلمہ اللہ تعالیٰ

بعد دعائے مزید حیات و ترقیِ مدارج واضح ہو کہ محبت نامہ آیا از حد مسرت ہوئی۔ اللہ پاک جل علیٰ دارین میں سرخرو شادکام فرمائے۔ آمین۔ جس بارہ خاص میں آپ نے خامہ فرسائی فرمائی ہے اس کے مندرجۂ ذیل امور ملاحظہ طلب ہیں:-

(۱) میں جناب شیخ ابوالفخر حضرت سیماب صاحب مدظلہ العالی کے دائرۂ تلامذہ میں ہونا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتا ہوں مگر بمصداق "بدنام کنندۂ نکو نامے چند" بایں ہیئت کذائی اپنے آپ کو حضرتِ سیماب صاحب کیلئے باعثِ ننگ سمجھتا ہوں۔

(۲) شاعری و نیک نامی کا ذوق مدت ہوئی دل سے مفقود ہو چکا ہے۔ اور نہ میں اپنے ناچیز کلام کو مستحقِ ثنا سمجھتا ہوں اس لئے پبلک کے سامنے آنے کی جرأت فعلِ عبث معلوم ہوتی ہے۔

(۳) کلامِ سالبقہ کا شائع کرنا حضرتِ سیماب صاحب کیلئے باعثِ ننگ ہے اور موجودہ کلام نہ عام پسند ہے نہ ہم رنگِ مذاقِ جدید۔

(۴) میں جادۂ گمنامی میں رہنا اپنا فخر سمجھتا ہوں اور ہرگز اس قابل نہیں کہ اس سے باہر قدم رکھنے کی جرأت کر سکوں۔

(۵) میرے پاس کوئی ذاتی فوٹو موجود نہیں ہے جو ارسال خدمت کر سکوں۔ علاوہ ازیں اب فوٹو کھنچوانا اور شائع کرانا اپنے لئے باعثِ "معصیت" سمجھتا ہوں۔

(۶) احوالِ خاندانی کا ذکر حسب فقرہ ۵ بالکل غیر مناسب ہو جاتا ہے۔

پس یقین واثق ہے کہ وجوہاتِ بالا کی بنا پر آپ مجھے معذور سمجھ کر پبلک کے سامنے رونما ہونے سے قطعی معاف فرمائیں گے۔ اور جادۂ گمنامی ہی میں رہنے کو ترجیح دیں گے۔ ورنہ میں تعمیل کیلئے ہمہ تن تیار ہوتا۔

احقر محمد ایوب باغ چشتی اکبر آبادی عفی اللہ عنہ

باغ صاحب کے مندرجۂ بالا مکتوب سے اُن کا روحانی درجہ معلوم ہوتا ہے۔ اور طبیعت کی بلندی پر بھی روشنی پڑتی ہے میں نے اس مرتبہ بھی کوشش کی کہ میں باغ صاحب کے مفصل حالات حاصل کروں لیکن ناکام رہا۔ مجھے جو کچھ حالات معلوم ہو سکے اُن کا ذکر کئے دیتا ہوں تاکہ یہ تذکرہ کسی حیثیت سے نامکمل نہ رہے اور مستقبل کا مورخ نام و نمود سے بے نیاز ہستیوں کے متعلق بھی کچھ لکھ سکے۔

آپ صاحبِ دل اور روحانیت مآب بزرگ ہیں۔ صوفی منش اور خدا رسیدہ ہیں۔ شب بیدار اور تہجد گذار ہیں۔ دن بندگانِ خدا کی خدمت میں اور راتیں خدا کی محبت میں گذارتے ہیں۔ آپ مجسم اخلاق ہیں۔ مولانا مدظلہ العالی کے قدیم ترین شاگردوں میں سے ایک ہیں سنہ [illegible] سے مولانا سیماب مدظلہ کے پرستار ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اپنا تازہ کلام تک مجھے اشاعت

کیلئے نہیں بھیجا گیا۔ کچھ کلام بطور نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ نظم و غزل دونوں پر آپ کو قدرت حاصل ہے۔ آج کل نعت زیادہ کہتے ہیں۔ کلام میں پختگی اور سلاست ہے۔

نمونۂ تغزل

یادِ تن بحرِ کل جو میرے طور پر تھا — یا سید العرب وہ تمہارا ہی نور تھا
گو معصیت نواز وہ ربِ غفور تھا — لیکن قصور جان کے کرنا قصور تھا
میں اُس کا ہر طرف متلاشی رہا مگر — دیکھا تو میرے دل ہی میں اُس کا ظہور تھا
غش کھا کے حشر تک نہ سنبھلتے کبھی کلیم — یہ خیر تھی کہ ہاتھ میں دامانِ طور تھا
نوشتہ تیرے سامنے اُن سے گلے ملا — یارب خطا معاف کہ میں ناصبور تھا

لکھتا کچھ اور شعر مگر آہ کیا کروں
سنگِ الم سے شیشۂ دل چور چور تھا

تکمیلِ دورِ دوراں کو مئے پرتگال کر — ساقی پلا مجھے مئے توحید ڈھال کر
اے بندۂ خدا نہ کسی سے سوال کر — اُس بے نیاز ہی سے فقط عرضِ حال کر
دریا کی راہ اور ہے یہ دشتِ عشق ہے — رستہ بتائیں خضر ذرا دیکھ بھال کر

دعا یا رب کہ جب تک تیرے دم میں دم رہے — دل نبی کی یاد میں، دم میں نبی کا غم رہے
یہ خبر ہے تم نے طے کر لیا شبِ اسریٰ نہیں — یہ نہیں معلوم کیا کیا شور ہے باہم رہے
حشر کے دن یا الٰہی ہاتھ میں دو جام ہوں — ایک میں کوثر ہے اور ایک میں زمزم رہے

نمونۂ نظم

چاند کنارِ آمنہ میں

نور فگن ضیا فگن کون یہ رشکِ ماہ ہے — کس کی شعاعِ صبح زا شوق کی جلوہ گاہ ہے
سبزہ نہیں ہوا سبز یہ کس کا ہے — دشت میں حسن آفریں کون یہ کج کلاہ ہے

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

جلوۂ مختصر ہے یہ کس کی یہ وسعتِ جہاں — کس کی نگاہِ ناز ہے جوہرِ مرأتِ جہاں
باعثِ تازگیٔ جاں، وجہِ صباحتِ جہاں — آئینۂ رخِ کمال، غازۂ صورتِ جہاں

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

کس کے قدومِ ناز سے بڑھ گیا پایۂ زمیں — ظلِ فلک کو رشک ہے دیکھ کے سایۂ زمیں
فخرِ متاعِ آسماں، دولتِ دایۂ زمیں — گنجِ امانتِ ازل، حصۂ دایۂ زمیں

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

عمر ابھی ذرا سی ہے قد ہے ابھی نہالِ نو — ہاتھ ابھی خدا سے ہیں رخ ہے ابھی ہلالِ نو
خیر سے اب قریب ہے آمدِ جشنِ سالِ نو — اتنی سی جان اور ہے مظہرِ صد کمالِ نو

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

ہونٹ ابھی کھلے نہیں نطق ہے محوِ مطلب — رنگ ابھی کھلا نہیں، عکس ہے آئینہ طلب
پردے میں ہے رخِ صبیح حسن ہو محوِ طلب — دیکھی نہیں ہے تیغ ابھی ہاتھ ہیں حوصلہ طلب

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

چشمِ حسیں کو دیکھئے نازِ نگاہ ابھی سے ہے — نورِ جبیں کو دیکھئے رشکِ سما ابھی سے ہے
کوئی نگہ کی نہیں فکرِ جزا ابھی سے ہے — کام میں گو زباں نہیں ذکرِ خدا ابھی سے ہے

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

زینت اسکے دم سے ہے عالمِ زیستِ چمن — اسکے پسینے کی مہک غیرتِ نکہتِ چمن
عارضِ گل فشاں کی ضو جلوۂ صورتِ چمن — درج نگار رنگ میں وسعتِ جلوتِ چمن

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

مطلعِ ہاشمی ہے فلکِ علا کا چاند — شمعِ مجالسِ ولا دیدۂ اولیا کا چاند
کوکبِ برجِ معرفت طالعِ باصفا کا چاند — ماہِ نیازِ ازل وہ حضرتِ آمنہ کا چاند

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

اسکی ضیا ہے نور بار چسپاں رخِ جہاں نہیں — اسکی چمک سے ماند چاند لگ گئی آسماں نہیں
ماہِ فلک کو دو کرے چاہے تو ایک آن میں — عرش ہے سورۂ قمر آئی ہے اس کی شان میں

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

نورِ نگاہِ قدسیاں صرف یہ ایک چاند ہے — دونوں جہاں میں ضو فشاں صرف یہ ایک چاند ہے
فخرِ زمین و آسماں صرف یہ ایک چاند ہے — جلوہ نما یہاں وہاں صرف یہ ایک چاند ہے

(برقؔ) عبدالحمید صاحب صدیقی فتحپوری (۲۰)

خلف جناب محمد عبدالعزیز صاحب ابن محمد عبدالشکور ابن منشی الٰہی بخش مصنف مین پوری۔ اسی طرح سلسلۂ نسب حضرت شیخ سلیم چشتی سے ہوتا ہوا حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہونچتا ہے۔ آپ کا وطن موضع چتورا پرگنہ ضلع فتحپور (ہسوہ) ہے۔ بروایاتِ غیر مصدقہ سالِ پیدائش ۲۲ دسمبر ۱۸۹۶ء بروز جمعرات ہے۔ آبائی پیشہ زمینداری ہے۔

آپ دس سال کی عمر میں ریاست ریواں (سینٹرل انڈیا) آئے ابتدائی تعلیم مکان ہی پر ہوئی۔ مارچ ۱۹۱۲ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا جون ۱۹۱۶ء میں وطن میں شادی ہوئی ۱۹۱۶ء سے اب تک آپ ریواں ہی میں مقیم ہیں۔ یہاں بھی کبھی آپ بے کار رہتے ہیں اور کبھی برسرِ کار کیونکہ زمینداری کی قلیل آمدنی آپ کے والد صاحب اور دیگر اہلِ خانہ کے لئے کافی نہیں ہوتی پھر اس پر احباب و اعزا کی بے مہریاں، غرض آپ ان حالات سے بہت متاثر ہیں چنانچہ آپ کا ایک شعر ہے۔

کہوں کیا عالمِ بے مہریٔ اہلِ وطن برقیؔ ⁂ مری صبحِ وطن میں منظرِ شامِ غریباں تھا

آپ کے جدِ امجد منشی الٰہی بخش صاحب مرحوم مصنف مین پوری نے اپنی قوتِ بازو سے متعدد مواضعات خرید کئے تھے بزمانۂ غدر ۱۸۵۷ء دشمنوں کی سازش سے انہیں باغی قرار دیا گیا اور پھانسی میں عجلت کی گئی۔ چونکہ اپیل پر رہا ہو جانے کا یقین تھا اس لئے بہت کوشش کی گئی اور ایسا ہی ہوا لیکن چند گھنٹے بعد۔ ان کے پانچوں صاحبزادوں کو جائداد و حصۂ رسدی ملی جو رفتہ رفتہ سوائے موجودہ قلیل حصے کے کل کی کل فروخت ہو گئی۔ محمد عبداللہ صاحب نے اپنا حصہ فروخت کر کے انڈین امپیریل تھیٹریکل کمپنی قائم کی جو انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں بہترین کمپنی مانی جاتی تھی ڈرامے وہ خود لکھتے تھے جو کتابی صورت میں شائع ہو گئے تھے اور ان کا حقِ اشاعت آگرہ کے ... کے پریس کو حاصل تھا۔ پانچ بھائیوں میں سے صرف محمد عبدالغفور صاحب عاشقؔ تلمیذِ حضرت داغؔ دہلوی بفضلہ تعالیٰ ہنوز بقیدِ حیات ہیں اور ان کے دو صاحبزادوں میں سے محمد عبدالوحید صاحب قیسؔ تلمیذِ حضرت مضطرؔ خیرآبادی جو ریاست ٹونک میں سررشتہ ... باقی ہیں۔ برقؔ صاحب کے ایک بھائی اور ایک بہن اور ہیں۔

آپ کی شاعری کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ۱۹۱۲ء میں آپ کو گلزارِ داغؔ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے مطالعہ سے آپ میں ذوقِ شعر گوئی پیدا ہوا۔ روزانہ آپ کافی شعر کہتے تھے اور انہیں محفوظ رکھتے جاتے تھے۔ گاہے گاہے نظرِ ثانی بھی کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے۔ چونکہ آپ کو کسی شاعرانہ صحبت میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا تھا اس لئے آپ کا ذوق ابھی محدود تھا۔ آپ نے کچھ عرصہ بعد دو ایک مقامی صحبتوں میں شرکت کی اور اپنی غزلیں رسالۂ "جلوۂ یار" میرٹھ میں بھیجتے رہے جس واقعہ نے آپ کو شاعری کی طرف حقیقتاً متوجہ کیا اس کا ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا۔ ایک مرتبہ رسالۂ "جلوۂ یار" میرٹھ میں ایک انعامی مصرع "کیوں برگِ حنا سبز ہے کیوں رنگِ حنا سرخ" تضمین کے لئے شائع ہوا۔ برقؔ صاحب نے دو مصرع اس مصرع پر لگا کر بھیجے۔ دو سو مصرعوں کے مقابلہ میں آپ کا ایک مصرع "نیرنگیٔ قدرت کے کرشمے ہیں نہ پوچھو" کثرتِ آرا سے بہترین قرار دیا گیا۔ حضرت آزادؔ میرٹھی اور حضرت مہرؔ گوالیاری کی دو قابلِ قدر رائیں اس مصرع کی موافقت میں تھیں۔ حضرت مہرؔ گوالیاری نے "جلوۂ یار" کے صفحات پر ایسے الفاظ میں آپ کی تعریف کی کہ جس نے آپ کے سوئے ہوئے ذوقِ شعری کو بیدار کر دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاعری عطیۂ فطرت ہے اور ... ہے

بنتا نہیں ہے لیکن جہاں تک کتاب کا تعلق ہے فن اور اصولِ فن بغیر اکتساب
حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپکو بھی ایک کامل الفن شخصیت کی تلاش ہوئی اور آپکی
نگاہِ انتخاب حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ پر پڑی [illegible] میں آپ مولانا مدظلہٗ
کے دامنِ ادب سے وابستہ ہو گئے جس کے بعد آپکی شاعری میں جان پڑ گئی
۔ آپ کا کلام ملک کے موقر اور معیاری رسائل میں اہمیت کیساتھ شائع ہوتا
ہے۔ اور آپ کی ہستی ادبی دنیا میں وقیع ہستی سمجھی جاتی ہے۔ مولانا سیماب مدظلہٗ
کے فیضِ سخن سے آپ نے بہت جلد اپنے معیار کو بلند کر لیا اور آپ کی
شاعری میں ایک نئی روح دوڑ گئی۔ آپ کے اشعار سے کہنہ مشقی اور
شگفتگی برستی ہے۔ آپ نظم و غزل پر یکساں قادر ہیں لیکن نظم سے غزل
بہتر فرماتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

قدرتاً دل شکلِ آئینہ ہے اُس کے ہاتھ میں — نظر آتا وہ عکس کی صورت ہمارے دل میں ہے

پردہ ہائے غنچہ و گل ہے نہ لے جلیں کا کام — مجھ کو دیوانہ بنانے کا یہ کیا انداز ہے؟

نکلے ہیں جستجو میں یا فریبِ جناں سے ہم — لئے ہیں دیکھ جلوۂ پنہاں کہاں سے ہم
ساقی نے دیکر آتشِ تر آبِ خشک میں — وہ بات کی ہے کہہ نہیں سکتے زباں سے ہم

حشر تک رسوا ہوا اپنا مذاقِ انتخاب — اُن سے بہتر اب نہ دنیا میں خدا پیدا کرے

معتقد ہے ہر ناز میں عالم — ایک کافر ادا ارے توبہ
برق گلشن میں آشیاں کہکر — توبہ توبہ یہ نام ارے توبہ

اِن سے آگے بڑھ کہ یہ دیر و کلیسا و حرم — سنگِ راہِ منزلِ مقصود ہیں منزل نہیں

میری شبِ فراق کی طولانیاں نہ پوچھ — اور آج سو برس کیلئے حشر ٹل گیا

کہاں تک بارِ غم کی تاب لائے قلبِ انسانی — مجھے محسوس ہی کرنی پڑی اپنی گرانجانی
مجھے کہنے کو دیوانہ کہو لیکن یہ سچ پوچھو — مرے ارماں ہیں دیوانے مری حسرت ہے دیوانی

یہ حورِ نظر ساقی! تسنیم اثر بادہ! — جنت نہ اگر کہئے میخانے کو کیا کہئے

اُن کی نظریں پسند ہیں بالیک کی بخشِ حیات — غنچۂ دل پر نظر ڈالی گلستاں ہو گیا

وہ بے طلب اٹھا نہیں سکتے نقابِ رُخ — کیوں کر کہے کہ ہم نہیں خوگر سوال کے

سکوتِ شب میں کل محفل پہ کوئی غزل خواں تھا — وہ نغمہ ہائے وہ نغمہ جو مضرابِ رگِ جاں تھا
یہی دل اب جو سینے میں ہے مصروفِ سکوں گویا — کبھی منت گذارِ شورشِ جذبات و ارماں تھا

ہماری نظر میں ہے وہ فتنۂ قامت — بہ اندازۂ قدِ آدم قیامت

وہ آئے خواب میں کل کہہ گئے "پھر آئیں گے" — اب انتظار میں ہم تک خواب دیکھیں گے

زخم سلواتا مگر اس بدگماں کو کیا کہوں — ہائے وہ لذت جو پنہاں کاوشِ سوزن میں ہے!

ہم نہیں کم ظرف مثلِ زاہدِ تسبیح خواں — طاق میں پیمانہ رکھدو ساقیا ساغر اُٹھا

حسن اک پردۂ حائل نظر آتا ہے مجھے — اُن کا دیدار تو مشکل نظر آتا ہے مجھے
ہم سفر اہلِ کدۂ ہست کا ذرہ ذرہ — سنگِ راہِ سرِ منزل نظر آتا ہے مجھے
اکبر آباد کا مشہورِ جہاں تاج اے بقیؔ — لیلیٰ حسن کا محمل نظر آتا ہے مجھے

www.taemeernews.com

کثرتِ جلوہ سے گم ہے راہِ محفل کے قریب — کاروانِ شوق آوارہ ہے منزل کے قریب
آہ جاں بازی و جانسوزی کا اندازہ کہاں — کتنے پروانے پڑے ہیں شمعِ محفل کے قریب
رفتہ رفتہ یوں ہی منزل تک پہونچ جائیں گے ہم — گرتے پڑتے جس طرح آئے ہیں منزل کے قریب
بجلیاں گرنے کو رہ رہ کر تڑپتی ہیں مگر
صرف برقِ سوختہ ساماں کے حاصل کے قریب

اُٹھ دلِ بے حس! کسی کے حسن کا دیوانہ ہو — شمعِ زیبِ بزم ہے پروانہ، پروانہ ہو
دل مرا دنیا سے بیگانہ ہوا تیرے لئے — اب تو اس سے آشنائے جلوۂ بیگانہ ہو
تیرہ ہو جائے اگر دل محو فضائے دلربا — اس سکوتِ شب میں پیدا اک نعرۂ مستانہ ہو

نمونۂ نظم

سحر گشت

میں روز سویرے بستی سے جنگل میں ٹہلنے جاتا ہوں
اور کیف و سرور و صحت کے گل دامن میں بھر لاتا ہوں
اس وقت وہاں میں ہوتا ہوں جب تارے جھلمل کرتے ہیں
انوارِ سحر کے خوف سے ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہیں
جب عکسِ نور سے دنیا میں دھندلا سا اجالا ہوتا ہے
معکوس شعاعیں پڑتی ہیں منہ رات کا کالا ہوتا ہے
جب جامِ صبوحی بھر کے شراب ہوش سے دیتے ہوائیں
اور مست مناظرِ فطرت کے انگڑائی لیتے ہوتے ہیں

اب بھیگے بھیگے نور کی بارش پیہم بڑھتی جاتی ہے
سبزہ زار چمکتا جاتا ہے اور صبح نکھرتی آتی ہے
اب سبزے پر نورانی دنیا دید کے قابل ہوتی ہے
ہر چھوٹی چھوٹی پتی کے دامن پر اوس کا موتی ہے
جنگل کی خوابیدہ بستی اب ہوش میں لائی جاتی ہے
چڑیوں پہ عروسِ صبح کی آمد آمد گائی جاتی ہے
صبائے سحر سے مست نسیم اب دھیمی دھیمی چلتی ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی بھینی بھینی خوشبو برساتی چلتی ہے
اب اوس کا اک اک قطرہ ہے آئینہ لرزاں پتی پر
یا اخترِ سیال درخشاں یا گوہرِ غلطاں پتی پر
شبنم کے قطرے پھولوں کی پتی سے ڈھلکتے ہوتے ہیں
آبِ سرد و تازہ سے پودے ہاتھ منہ اپنا دھوتے ہیں
اب چاندنی، روشن کشتی بحرِ نور میں بہتی جاتی ہے
اور اپنی جوانی کے جانے کا قصہ کہتی جاتی ہے

رنگین و دلکش نظارے ہیں حیرت ہزار اور آنکھیں دو
ان دو آنکھوں سے دیکھوں تو آخر دیکھوں میں کس کس کو
ایسے رنگیں طوفان میں اک لمحہ کیلئے کھو جاتا ہوں
پھر ہوش مجھے جب آتا ہے میں روح کو سرخوش پاتا ہوں
احساسِ کثرتِ نعمت سے دل لذتِ راحت پاتا ہے
تحدیثِ نعمت میں اپنا سر سجدے میں جھک جاتا ہے
محکومِ زباں کو تاثیرِ احساس سے حرکت ہوتی ہے
پھر چپکے چپکے یوں حمدِ خلاقِ خلقت ہوتی ہے

اے خالقِ برتر! سب تعریفیں صرف تجھی کو شایاں ہیں
اے مالکِ محشر! ذات میں تیری رحم و کرم بے پایاں
تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تیری ہی مدد کے جویا ہیں
تو ہم کو رہِ راست دکھا، محتاج ترے [illegible]

جناب عبدالحمید صاحب برق صدیقی فتحپوری کی غزل پر

حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

جلوہ بے معنی
فائدہ ہی کیا جب ارماں دید کا پورا نہ ہو
شان
اے تجلی لم یزل رہنے دے بے پروا نہ ہو

لی کو کیا نسبت ہے
بادیہ پیما ہو تو کیا غالب ہو پائے جنوں
جب بجدِ شوق وحشت وسعتِ صحرا نہ ہو

۲ دی وہ مے اور اتنی دی ساقی کہ جس سے کیف ہے
عشرتِ امروز میں فکرِ غمِ فردا نہ ہو

۲ آنسوؤں کی آبروریزی نہ کر اے چشمِ تر
روک جب تک ان میں ہر بوند اک دریا نہ ہو

وصل کر دو جامِ مے لبہائے تشنہ سے نہ کھینچ
بجت سے
دل کو پیمانِ وفا دے کر تو بے پروا نہ ہو

۴۴ اور بھی نظروں کو اپنی وسعتِ نظارہ دے
تو جسے ذرہ سمجھتا ہے کہیں دنیا نہ ہو

خاک سے دل عشق سے ہم بھر نذر
احتیاطاً نذر کو کچھ لے کے چلنا چاہیے
دو کہیں کیا ساتھ
پوچھ بیٹھیں وہ کہ کیا لائے کہیں ایسا نہ ہو

سنتے ہیں رندو کوئی پتھر ہی کعبے میں پڑا
دیکھنا وہ گم شدہ خشتِ خمِ صہبا نہ ہو

برق تجھ پر ایک دنیا کی نظر پڑتی ہے دیکھ!

اضطرابِ شوقِ سجدہ سے کہیں رسوا نہ ہو

www.taemeernews.com

بسمل — مولوی حافظ محمد اللہ صاحب صدیقی اعظم گڈھی (۲۱)

آپ کے والدِ محترم کا نام خواجہ عنایت اللہ خاں عرف خواجہ حمایت اللہ صاحب ہے۔ بسمل صاحب صدیقی ہیں اور آپ کا خاندان نہ صرف شہر اعظم گڑھ میں ذی عزت سمجھا جاتا ہے بلکہ قرب و جوار نیز حکام کی نظروں میں بھی وقیع خیال کیا جاتا ہے۔ بسمل صاحب کے خاندان کے اکثر افراد گورنمنٹ کے ذی عزت عہدوں پر مامور رہے اور اب بھی ہیں۔ آپ کے جدِ امجد خواجہ حمایت اللہ صاحب ابتداً تحصیلدار تھے پھر آنریری مجسٹریٹ رہے اس کے علاوہ کئی مواضع زمینداری میں تھے یہ خاندان انتہائی ذی ثروت خاندان سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آپس کی کشمکش اور نااتفاقی نے حالات بد سے بدتر کر دئے۔ آپ کے والد خواجہ عنایت اللہ صاحب نے پولیس میں ملازمت کی اور ابھی سب انسپکٹری کے عہدے ہی تک ترقی کی تھی کہ ان کے والد خواجہ حمایت اللہ کا انتقال ہو گیا خلفِ اکبر ہونے کی وجہ سے زمینداری کی نگہداشت کیلئے وطن جانا پڑا اور ملازمت کو [illegible] میں خیرباد کہہ دیا۔ اس وقت آپ کی عمر اکیاسی سال ہے اور اب تک وطن ہی میں زمینداری کرتے ہیں۔ چونکہ آپ بہت ضعیف ہو چکے ہیں اس لئے اپنے منجھلے صاحبزادے خواجہ عبد اللہ عرف خواجہ حسین اختر صاحب کے ذریعہ انتظامِ زمینداری فرماتے ہیں۔ بسمل صاحب کے چھوٹے چچا نے پولیس انسپکٹری سے اور منجھلے چچا نے نائب تحصیلداری سے پنشن لی ہر دو اصحاب کا ۱۹۴۵ء میں انتقال ہو گیا۔

چونکہ یہ خاندان ذی علم اور ذی وقار تھا اس لئے ایک بہت بڑا اور کارآمد کتب خانہ جو نایاب اور نادر الوجود قلمی کتابوں پر مشتمل تھا اس خاندان کیلئے مایۂ صد نازش تھا لیکن افسوس کہ کافی نگہداشت نہ ہونے کی وجہ سے اور آپس کی چپقلشوں سے دیمک کی نذر ہو گیا۔ اس بیش بہا دولت کے ضائع ہونے کا اس خاندان کو آج تک افسوس ہے۔

بسمل صاحب ۱۱ر فروری [illegible]ء کو اپنے آبائی مکان واقع محلہ آصف گنج شہر اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ آپ نے کلام پاک حفظ کیا اور ۱۹۱۸ء میں پہلی محراب سنائی۔ اس کے بعد عربی تعلیم کے لئے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ میں داخل ہوئے۔ اور ۱۹۱۹ء میں مولوی کا امتحان الہ آباد یونیورسٹی سے سکنڈ ڈویژن میں پاس کیا۔ بعد ازاں تشنگیٔ علم نے آپ کو کشاں کشاں فرنگی محل جیسی باعظمت درسگاہ میں پہونچا دیا جہاں آپ شمس العلماء مولانا عبد الحمید صاحب فرنگی محلی و حضرت مولانا عظمت اللہ صاحب جیسے بزرگوں کی خدمت میں رہے اور کسبِ علم کیا۔ ۱۹۲۰ء میں آپ نے درسِ نظامیہ کی تکمیل کی۔

بسمل صاحب نے جس سرعت کیساتھ مسافتِ علم طے کی وہ اسی سے ظاہر ہے کہ ۱۸ سال کی عمر میں حفظِ قرآن اور علومِ عربیہ کی تکمیل سے فارغ ہو گئے۔ آپ اس کے بعد یقیناً علومِ جدیدہ کی تحصیل بھی فرماتے لیکن مالی حالت نے اجازت نہ دی اور فکرِ معاش کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اوائلِ ۱۹۲۱ء میں آپ بھوپال آئے اور محکمۂ مال میں ملازمت اختیار کی اور مختلف عہدوں کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آج کل بحیثیت گرداور قانون گو ذمہ دارانہ کام کر رہے ہیں۔

۱۹۴۵ء میں اپنے عزیز ترین چچاؤں کے انتقال سے متاثر ہو کر چند مصرعے موزوں کئے لیکن ان کی صحت کا اطمینان نہ ہوتے ہوئے چاک کر ڈالا۔ اس وقت سے ہمیشہ یہی سلسلہ رہا کہ آپ شعر کہتے اور چاک کر دیتے عرصہ تک آپ نے کسی پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ میں بھی شعر کہتا ہوں چنانچہ یہی وجہ ہے آپ کے ایک عزیز ترین دوست محمد عبد الرحمٰن صاحب قیصر صدیقی زیبا یوی کو بھی عرصہ تک یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آپ شعر کہتے ہیں

سہ یہ بھی آخر اپریل [illegible]ء میں مولانا نظامی کے شاگرد ہو گئے ہیں

جب قیصر صاحب کو اس کا علم ہوا تو بہت حیرت ہوئی۔ اس پر طرہ یہ کہ بغیر کسی خضرِ راہ کے بسمل صاحب اس راہ میں گامزن رہے۔ قیصر صاحب نے جب سبب دریافت کیا تو آپ نے اکثر اساتذہ کا شکوہ کیا اور فرمایا کہ میری درخواستوں کو ٹھکرا کر میرے جذبات کو مجروح کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اب میں اپنی شاعری کو کچھ اس سے زیادہ نہیں سمجھتا اور کسی سے مخاطب ہونے کی جرأت نہیں ہوتی۔

قیصر صاحب کو ان واقعات سے افسوس ہوا اور بسمل صاحب کی خوش مذاقی اور ذوقِ شعری کو برباد ہونے سے بچانے کے لئے انہوں نے بسمل صاحب کو مشورۂ سخن کیلئے پھر آمادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنے ضمیر کے خلاف جادہ کرنیکی کوشش کروں گا لیکن اس شرط پر کہ مجھے جواب خشک نہ دیدیا جائے۔ اور میری درخواست کوڑے کی ٹوکری میں نہ ڈالدی جائے۔ یہ سوال قیصر صاحب کے لئے بہت اہم تھا انہوں نے خیال کیا اگر اس مرتبہ بھی میری وجہ سے بسمل صاحب کو کوئی تکلیف پہونچی تو میرے لئے باعثِ شرمندگی ہوگا۔ اس کے باوجود بھی آپ نے اپنی عقیدت و واقفیت کی بنا پر حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کا اسمِ گرامی پیش کیا اور کہا کہ میرے خیال میں فی زمانہ قبلہ مولانا مدظلہٗ سے بہتر کوئی استاد ملنا مشکل ہے۔ اور یہ اُن کے اخلاق سے بعید ہے کہ وہ باوجود کثرتِ تلامذہ آپ کی درخواست کو رد فرمادیں۔ قیصر صاحب چونکہ مولانا مدظلہٗ سے ڈبائی میں مولوی حفیظ الرحمان صاحب وقاکیشیر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی وساطت سے شرفِ نیاز حاصل کر چکے تھے اس لئے آپ نے بسمل صاحب کی درخواست اپنے توسط سے روانہ کر دی۔ مولانا مدظلہٗ نے اُسے منظور فرمالیا اور ۵ راگست ۱۹۳۲ء کو بسمل صاحب سلسلۂ سیمابیہ میں داخل ہوگئے۔ قیصر صاحب بسمل صاحب کے حالات لکھتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔

بسمل صاحب کو جولائی ۱۹۳۲ء سے پہلے کسی سے اصلاح لینے یا مشورۂ سخن کرنیکا موقع نہیں ملا۔ وہ اپنی عادتِ قدیم کے مطابق اب تک اشعار کہتے تھے اور چاک کر ڈالتے تھے۔ اس لئے کوئی ایسا سرمایہ جمع نہ ہوسکا جو کتابی صورت میں پیش کیا جا سکے۔ اور میری رائے میں اس کی تمام تر ذمہ داری اُن اساتذہ کے سر ہے جنہوں نے اپنی بے توجہی سے نہ صرف ایک ہونہار فرد کو پستی میں گرانے کی کوشش کی بلکہ اردو کو ایک اچھے خاصے ذخیرے سے محروم رکھا۔

میں ممنون ہوں مدیرِ شاعر کا کہ انہوں نے بہت جلد مجھے اپنے مخلص دوست بسمل صاحب کے حالات لکھنے کا موقع دیا۔ حقیقتاً میاں اعجاز سلمہٗ اللہ تعالیٰ کا دنیائے ادب پر یہ ایک احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے آگرہ اسکول نمبر نکال کر سیمابی بحرِ ذخار کے بکھرے ہوئے موتی ایک لڑی میں پرو کر نہ صرف تلامذۂ سیماب مدظلہٗ پر احسان کیا ہے بلکہ مستقبل کے مؤرخین کے لئے انتہائی آسانی پیدا کردی ہے۔ اور یہ ان کی نرالی شان کی ادبی خدمت رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔

مجھے آخر میں بسمل صاحب کے متعلق اپنا یہ خیال بھی ظاہر کرنا ہے کہ انہوں نے اپنی علمی قابلیت اور ادبی ذوق کے پیشِ نظر ملازمت کی کچھ موزوں لائن اختیار نہیں کی۔ کاش وہ آج بجائے گرداور قانون گو کے دارالمصنفین کے ایک رکن کی حیثیت سے متعارف کرائے گئے ہوتے۔

بسمل صاحب کے کلام میں سنجیدگی، سلاست اور بلند خیالی پائی جاتی ہے۔ آپ نظم و نثر دونوں میں مشاق ہیں۔

نمونۂ تغزل

ساقیِ فطرت جو بادہ بار ہے — ایک دنیا بیخود و سرشار ہے
لٹ رہی ہے ابرِ دل کی کائنات — دیدۂ خوں نابہ گوہر بار ہے
الحمد للہ حاصلِ ذوقِ سجود — میرا سر ہے آستانِ یار ہے
جس سے ہو جاتا جگر بھی پاش پاش — اب تو وہ تیرِ نظر درکار ہے

چشم ساقی کی کرامت دیکھئے — بے نیازِ جام ہر میخوار ہے
مرحبا تیرِ نگاہِ نازِ دوست — تیرا ہر ناوک جگر کے پار ہے
کیجئے شکوہ نہ بسمل روزِ حشر — اب وہ خود شرمندۂ کردار ہے

نگاہِ ناز کا صدقہ متاعِ درد حاصل ہے — سکونِ دشمنِ جسے کہتی ہے دنیا وہ مرا دل ہے
بہاروں کی حقیقت کیا جو دنیا کو رنگیں ہیں — یہاں تو کارفرما صرف اک رنگینیٔ دل ہے
تصور کا بھلا ہو بیقراری کے سوا کیا تھا — مگر اب حسن کی رنگینیوں سے رونقِ دل ہے
مرو ہی خون سے رنگیں ہی دامنِ قاتل — بھرے محشر میں کس دل سے کہوں یہ میرا قاتل ہے
نظر نوازیٔ تبسم جگر نوازِ نظر — تصرفاتِ لب و چشمِ یار کیا کہنا
امید و بیم کی بیم کشاکش میں ہے دل — کرشمۂ نگہِ سحر کار کیا کہنا
تری شباب کی رنگینیاں حسن اک انجمن — برس رہی ہے چمن پر بہار کیا کہنا
وہ صبحِ شورش و ہنگامہ آفرین توبہ — یہ پُر سکون شبِ تابدار کیا کہنا
شبابِ حسن کی حسن آفرینیاں بسمل — ہے پتہ پتہ چمن در کنار کیا کہنا

نظم

بشوکت

تضمین بر نظم علامہ شبلی نعمانی اعظمی

"عدلِ جہانگیری"

وہ محل جس پہ کسی کی پڑتی تھی نظر — بادِ صرصر کا پہنچنا بھی تھا دشوار ادھر
مار سکتا تھا جہاں کوئی پرندہ بھی نہ پر — قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہ تھا غیروں کا گذر
ایک دن نورجہاں بام پہ تھی جلوہ فگن

عام لوگوں کا جہاں منع تھا آنا جانا — آ نہ سکتا تھا کوئی غیر نہ جا سکتا تھا
یہ سمجھ کر کہ گذرگاہ ہے نادانستہ — کوئی شامت زدہ رہگیر ادھر آ نکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف تاکہ قدغن

اپنے برگشتہ مقدر سے وہ ناواقف تھا — اس کو معلوم نہ تھا آہ کہ اب کیا ہوگا
جاتے جاتے وہ جوں ہی سامنے گذرا — غیرتِ حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن

گشتنی تھا کوئی کشتہ ہو نکلا باہر — کوئی کہتا تھا کہ لائی تھی اسے موت اندر
مختصر یہ کہ تھا اس قتل کا چرچا گھر گھر — ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر
غیظ سے پڑ گئے ابروئے عدالت پہ شکن

ہو گئی واقعۂ قتل سے جب آگاہی — رخ سے ظاہر تھا شہنشاہ کا ملالِ قلبی
عدل لیکن یہ تھا گویا کبھی الفت ہی نہ تھی — حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی
جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن

یوں ہوئیں نورجہاں سے وہ کنیزیں گویا — شاہِ عادل نے حضوری تِرا ساتھ ہیں بھیجا
واقعۂ قتل کا جو کچھ ہے غلط ہے کہ بجا — نخوتِ حسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
میری جانب سے کرو عرض بآئینِ حسن

اے شہنشاہِ زمانہ میں خطاوار نہیں — سچ اگر پوچھتے ہیں تو میں گنہگار نہیں
یہ وہ صورت ہے کہ میں مستحقِ دار نہیں — ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
مجھ سے ناموسِ حیا نے یہ کہا تھا کہ بزن

یہ بجا فرشِ زمیں پر ہے وہ اک تودۂ خاک — یہ بھی سچ میری طمنچہ سے ہوا سینہ چاک
خون سے پھر بھی تو یہ ہاتھ نہیں ہیں ناپاک — اُس کی گستاخ نگاہی نے کیا اس کو ہلاک
کشورِ حسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن

واپس آ کر جو کنیزوں نے اشارہ پایا — باادب ہو کے جو بیگم سے سنا آ کے وہیں کہا
شرع کیا کہتی ہے اس عذر کو بیجا کہ بجا — مفتیٔ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن

عدل تحسین کے قابل ہے جہانگیر ترا — عشق میں بھی تو نہ دامانِ شریعت چھوڑا
ان کو کیا علم کہ گذری تِرے دل پر کیا — مفتیٔ دیں نے بے خوف و خطر صاف کہا
شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو گردن

فتویٰ شرع کا جو چرچا سرِ دربار ہوئے — یہ زمیں تو ہے زمیں ہفت فلک کانپ گئے
سطوتِ نورجہاں کو تو وہیں بھول گئے — لوگ دربار میں اس حکم سے تھرّا اٹھے

پرجہانگیر کی پیشانی پہ بل تھا نہ شکن

اف یہی نورجہاں تھی کبھی منظورِ نظر | آج ہے قصر میں باحالتِ زار و مضطر
ہو کے انصاف سے مجبور شہنشہ نے ادھر | ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر
پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن

میں نے جو حکم دیا ہے وہ بجا لائیں | بے تعمیل اسی وقت محل میں جائیں
وہ زنجیر وہاں جا کے ابھی پہنائیں | پھر اسی طرح اسے کھینچ کے باہر لائیں
اور جلاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن

دیکھی ہوگی بڑی ہے کہیں ان دیکھی | عدل کی کوئی نظیر ایسی نہ دیکھی نہ سنی
حالتِ نورجہاں دیکھ کے بھر آیا جی | یہ وہی نورجہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن

ہے جہانگیر سے بیگم کو شکایت نہ گلہ | ہے اگر شکوہ تو تقدیر سے ہے کچھ شکوہ
ہے یہ برگشتہ مقدر کا کرشمہ ورنہ | اس کی پیشانیٔ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
جائے بن جاتی تھی اورانِ حکومت پہ شکن

اب نہ وہ مست نگاہیں نہ وہ دل کش انداز | اب نہیں ہر قدمِ ناز میں وہ شانِ غرور
اب نہ وہ حسن نہ وہ دلکشیِ جلوۂ نور | اب نہ وہ نورجہاں ہے نہ وہ ناز و غرور
نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر شکن

باقی اب تک وہ خرام اب لیے ہیں | اب تو مقتل میں بھی آئی ہو تو شرمائے ہیں
اب نہ مستی ہے کہیں اور نہ کچھ ایسے آئیں | اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھرّاتے ہیں
جن کی رفتار سے پامال تھے مرغانِ چمن

بے کسی تھی جو دنیا کی نگاہوں میں وقیع | آج ہے شومیٔ قسمت سے غلاموں کی مطیع
اس کا ہر فعلِ حسن بھی تو ہے اب فعلِ شنیع | ایک مجرم ہے کہ جس کا نہ کوئی حامی نہ شفیع
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن

آہ ہر سعی جو ممکن تھی ہوئی جب ناکام | سامنے آنکھوں کے پھرنے لگا اپنا انجام
باصد اندوہ و بصد عجز و ادب و سلام | خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام
خون بہا بھی تو شریعت میں ہے کہا حسن

رنجِ تاراجیِ کاشانۂ عشرت تھا بجا | تیرہ و تار نظر آتی تھی ساری دنیا
سرِ دربار جو بیگم کا یہ پیغام ملا | مفتیِ شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ مانگا
بولا جائز ہے رضامند ہوں گر بچہ و زن

پہلے خمیدہ تھے سب قصر میں رہنے والے | یہ خبر سنتے ہی دل شاد نظر آنے لگے
آن کی آن میں جب طشت بھرا بلوا کے | وارثوں کو جو دیے لاکھ درم بیگم نے
سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہِ زمن

ہم میں سے کوئی بھی کرتا نہیں منظورِ قصاص | ہو گیا قتل قضا سے نہیں منظورِ قصاص
مختصر یہ ہے کہ شاہا نہیں منظورِ قصاص | ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظورِ قصاص
قتل کا حکم جو سنتے ہی جاتا ہے ستم

کوئی پا جائے اگر رفعتِ اورنگ و نگیں | کرلے اندازۂ مسرت کا یہ ممکن ہی نہیں
جھک گئی فرطِ مسرت سے پئے سجدہ جبیں | ہو چکا جبکہ شہنشاہ کو پورا یہ یقیں
کہ نہیں اب نہیں کوئی شائبۂ حیلہ و فن

رنج جب ہو گئی یکبارگی یہ رنج و الم | سر جزن نورجہاں کی ہوئی زلفِ پُرخم
شاہ کو دل میں کچھ ایسی ہوئی الجھن پیہم | اٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم
تھی جہاں نورجہاں معتکفِ بیتِ حزن

جب شہنشاہ وہاں قصر میں داخل آئے | دیکھ کر وہ جو ہوتا ممکن تھا بھلا
رُخ پہ زلفوں نے بکھر کر وہ سماں باندھا تھا | دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور کہا
تو اگر کشتہ شدی آہ چہ می کردم من!

اف یہ جذبِ محفلِ عالم اس کی قدرت کیا کہیے | کھل گئی آنکھیں دیکھ کر حسنِ منظرِ فطرت کیا کہوں
کالی گھٹائیں، سرد ہوائیں، رنگینیِ کیف کیا کہیے | ساقی، بوتل، شیشہ، ساغر اگر کی عشرت کیا کہوں
ساز و نغمہ کی تانیں سفر سب تا بہرا نہ پوچھ | نغمہ و بول نے کر دیا انتشار رازِ محبت کیا کہوں
انکی گلی میں فراوانی سے خون کے آنسو روتا ہوں | پوچھتے ہیں وہ حالتِ دل بے کلی کیا کہوں
موجِ تبسم کیا حسرت طوفانِ تمنا کی جانب | کشتیِ دل گرداب میں ہے سیلابِ محبت کیا کہوں
پھر ہی ہم ہیں پھر وہی غم ہے پھر وہی آفت آئی | ہو گئی ان کی جو محبت خوابِ راحت کیا کہوں
آنکھوں میں دیدار کی حسرت جلوۂ رنگین پسِ پردہ | تاب نظر ہو جس کو نہ تسلیِ اس کی قیمت کیا کہوں

www.taemeernews.com

پرواز کے محمد سلیمان صاحب بنگلوری آنریری مجسٹریٹ بنگلور (۲۲)

آپ شہر کولار کے رہنے والے ہیں جو میسور کا ایک مشہور مقام ہے والدِ بزرگوار کا نامِ نامی عبدالکریم ہے۔ کولار میں آپ کے والد ایک ذی عزت زمیندار تھے چونکہ آپ کے ماموں صاحب شہر بنگلور میں مقیم تھے اور آپ کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے ۱۹۰۸ء میں پرواز صاحب کو آپ کے ماموں نے متبنیٰ کرلیا۔

آپ نے ابتدائی اردو اور فارسی کی تعلیم مدرسہ "ریاض التعلیم" میں پائی۔ اسکے بعد سرکاری مدرسے سے اردو مڈل بہت کامیابی کے ساتھ پاس کیا۔ چونکہ آپ کے ماموں صاحب زمیندار اور تجارت پیشہ بزرگ تھے اس لئے وہ چاہتے تھے کہ آپ کنڑی اور تامل زبانوں میں مہارت حاصل کرکے کاروبار کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن پرواز صاحب کی علمی ذہنیت اور ذوقِ تعلیم نے ان دو زبانوں کو باقاعدہ حاصل کئے بغیر ہی تجارت میں کافی مہارت پیدا کرلی۔ ان زبانوں تک ہی آپ نے اپنی تعلیم کو محدود رکھنا مناسب نہ سمجھا اور پرائیوٹ طور پر انگریزی کی تعلیم حاصل کرتے رہے ۱۹۱۲ء میں انگریزی مڈل میں کامیابی حاصل کی اور میٹرک کے امتحان کی تیاریاں شروع کردیں۔ اسی اثنا میں آپ کی شادی ہوگئی۔ تجارتی مشاغل کے باوجود بھی آپ تعلیم کی طرف انتہائی توجہ دیتے رہے اور جلد ہی انٹرنس کا امتحان بھی پاس کرلیا اور مہاراجہ کالج میسور کے شعبۂ فلاسفی میں داخل ہوکر فارسی لیکچرر پروفیسر علامہ شوستری ایرانی سے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اسی اثنا میں اچانک وبائے ہیضہ پھیلی اور آپ کے ماموں صاحب کا انتقال ہوگیا۔ امورِ خانہ داری اور تجارت کی نگہداشت نے آپ کو تعلیم چھوڑنے پر مجبور کیا۔ لیکن تعلیم سے فطری لگاؤ برابر قائم رہا اور چند در چند مصروفیتوں کے باوجود بھی ایک سال کے بعد آپ نے جامعۂ میسور سے اجازتِ خاص حاصل کرکے مقامی سینٹرل کالج کے شعبۂ سائنس میں داخلہ کرالیا۔ تین سال تک سینٹرل کالج میں اعلیٰ تعلیم جاری رہی لیکن افسوس کہ بی اے کا امتحان دینے سے قبل ہی بوجہ آپ کو کالج چھوڑنا پڑا اور ہمیشہ کے لئے اس سلسلہ کو خیرباد کہنا پڑا۔

سرکاری ملازمت سے دلی نفرت تھی اس لئے شغلِ تجارت جاری رہا آجکل بھی آپ بنگلور کے ایک ذی وقار تاجر مانے جاتے ہیں ۱۹۳۵ء میں سرکارِ میسور نے شہر بنگلور میں آنریری مجسٹریٹ کے عہدہ پر آپ کو فائز کیا آپ کو قومی کاموں سے دلچسپی ہے اور دن رات آپ قوم کی فلاح میں مصروف رہتے ہیں۔

جب آپکی طبیعت میں ذوقِ شعروشاعری پیدا ہوا تو ابتدا میں آپ نے مولوی قلندر رضا لطف صاحب عفا مرحوم سے اصلاح لی جو صوبۂ میسور کے مایۂ ناز استاد گذرے ہیں۔ زمانۂ تعلیم میں مولانا منشی محمود صاحب کی سے سلسلۂ اصلاح جاری رہا۔ لیکن آپ کا ذوقِ شعری ابھی تشنۂ تکمیل تھا ۱۹۲۵ء میں آپ کی نگاہِ انتخاب حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی پڑی اور اس وقت سے آپ مولانا مدظلہ کے دامن سے وابستہ ہوگئے ۱۹۲۶ء میں ایک پندرہ روزہ جریدہ "ستارۂ میسور" نکالا جو بہت کامیابی سے چلتا رہا لیکن تجارتی مشاغل نے اُسے حیاتِ جاوداں نہ بخشی۔ مختلف اور متعدد قومی اداروں کے علاوہ بزمِ ادب اردو بنگلور کے شعبۂ شعروسخن کے معتمدِ اعزازی بھی آپ رہ چکے ہیں۔ آپنے عرصہ تک مقامی روزنامہ "الکلام" میں رکنِ اعزازی کی حیثیت سے بھی کام کیا ہے۔ اخبار "خاتون" بمبئی اور دیگر رسائل و اخبارات میں آپکے فسانے اور غزلیں وغیرہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آپ [illegible] اسلام

میسور کے روح رواں ہیں۔

پرواز صاحب اُردو کے دلدادہ اور ترقی اردو کے حامی ہیں۔ انگریزی داں طبقہ میں اُردو کا ذوق و شوق پھیلانا آپ کا دلچسپ مشغلہ ہے۔ آپ کی شاعری اکثر قومی و اصلاحی ہوتی ہے۔ جس میں درد اور سبق ہوتا ہے۔ گو آپ کی عمر پینتیس سال ہے لیکن ملک میں آپ کافی متعارف ہو چکے ہیں۔ عوام اور تعلیمیافتہ طبقہ غرض دونوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ نظم و غزل اور نثر وغیرہ خوب لکھتے ہیں

نمونۂ تغزل

ہیجانِ غم سے دل میں نالے کیوں ہونگے　　پیکانِ عاشقی سے دل چور کیوں ہونگے
کشتۂ وفا کو گھیرے گا ابر رحمت　　جو تیغ سے مٹ چکے ہیں مغرور کیوں ہونگے
اک آسرا ہے غم کا آفت کا اک سہارا　　اچھی گذر رہی ہے مسرور کیوں ہونگے

دانا قفس میں پھنس کر پرواز مضطرب ہیں
قید ہوس میں نادان معذور کیوں ہونگے

تیری بغیر ہے فردوس بھی خواب مجھے　　یہ عیش و راحت و آرام ہے عذاب مجھے
سکون و صبر کو دل سے مرے جدا کر کے　　عطا کیا ہے مقدر نے اضطراب مجھے

کہاں تک

تضمین بر اشعار حضرت جوش ملیح آبادی

یہ تضمین ۱۹۳۳ء کے یحییٰ مشاعرہ معسکر بنگلور میں۔ جو زیر صدارت معلی القاب راجۂ راجگان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر، شاد، مدار المہام باب عالی منعقد ہوا تھا پیش کی گئی تھی۔ جو بے حد مقبول ہوئی۔

آوارگی شائستہ اسلام کہاں تک؟　　خوابیدہ نظر دیر میں گُم نام کہاں تک؟
غفلت سری و جہل بد انجام کہاں تک!　　آشفتہ سری اے دل ناکام کہاں تک!

یہ شکوۂ و بے صبری ایام کہاں تک!

اس پر بھی سینۂ صد چاک سے حاصل　　اس پر نمی چشم الم ناک سے حاصل
اس خطرۂ بربادی املاک سے حاصل!　　اس زمزمۂ گردش افلاک سے حاصل

یہ وسوسۂ فتنۂ ایام کہاں تک؟

ایثارِ نفس ہوتے ہیں قربانِ حوادث　　رک جاتا ہے جانباز دل ہیجانِ حوادث
دل والوں کا اک کھیل ہے طوفانِ حوادث　　مُردوں کیلئے خلد ہے سامانِ حوادث

مُردوں کی طرح خواہشِ آرام کہاں تک!

برق اور شعاعوں پہ ہے انسان کا مسکن　　طیاروں پہ سیاح وطن شاد ہیں پرفن
مریخ کے حالات ہیں اغیار پہ روشن　　گردوں پہ حریفوں نے بنائے ہیں نشیمن

اے مرغ سحر سیرلب بام کہاں تک!

معیار جو تدبیر کا جانچا نہیں جاتا　　دل جذبۂ خودداری سے بیدار ہو تیرا
جب سعی و عمل کی نہیں ہرگز تجھے پروا　　تدبیر سے واقف نہیں جب تیری تمنا

تقدیر پہ یہ بارشِ الزام کہاں تک!

ہے عرش بریں تک تری آواز کی رفعت　　صدمے ہی نہیں جسکی وہ ہے جذبات میں وسعت
اللہ سے رشتہ ہے ترا عرش سے قربت!　　نادان مہ و خورشید پہ ہے تیری حکومت

یہ گردشِ آہ سحر و شام کہاں تک!

ہاں ایک ہو تیغ ہوئی اور سناں خنجر　　ہاں اے راہِ خدا میں ہو ترا تن سے جدا سر
کر غور ذرا شرع سے حد سے بڑھ کر　　ہاں! خود زرہ بکتر بھی تو ہے اسلام کا زیور

پہنے گا فقط جامۂ احرام کہاں تک!

کیوں جسم پہ طاری ہے ترے موت کا سکتا　　دل جوشِ جذبات کا طالب نہیں تیرا
حرکت میں ترے جوشِ تپش کیوں نہیں آتا　　کیوں قوت پرواز پہ ایمان نہیں لاتا

اے مرغ قفس! ذلتِ دام کہاں تک!

نمونۂ نظم

۱۹۳۵ء میں مسلم ڈیبیٹ سوسائٹی بنگلور کے اجلاس عام میں یہ اشعار پیش کئے گئے۔

پیامِ حالیؔ

مولانا حالیؔ کے صد سالہ جشن کی یاد میں

اوروں کا کلام اور ہے حالیؔ کا پیام اور
دنیائے سخن میں ہے یہ جدت کا کلام اور

اس میکدۂ فکر کے ہیں ساغر و جام اور
مے اور ہے ہے اور ہے ساقی کا نظام اور

رُخ اور ہے حسن اور ادا اور ہے نام اور
ناز اور ہے اور ہے اور خرام اور

یہ تیغِ دو دم حالیؔ کی دھار لو نیام اور
آب اور ہے تاب اور ہے کچھ اس کے ہیں کام اور

اس ارض و سماء کی ہے سحر اور ہے شام اور
مہر اور ہے مہ اور ہے ذرہ اور قیام اور

اخلاق جداگانہ ہیں آداب و پیام اور
اس مجلسِ نیرنگ کا ہے طرز و کلام اور

حالیؔ کے قلم کا ہے یہ سحر اور فسوں اور
اوروں سے جدا اس کا ہے اندازِ جنوں اور

لوثانی مسدس ہے نئی فکر رسا ہے
حالیؔ کا نیا جادو ہے اوروں سے جدا ہے

پیغام یہ قوموں کو جو حالیؔ نے دیا ہے
خوابیدہ مسلمانوں کو بیدار کیا ہے

اک درد بھرے دل کی یقیناً یہ صدا ہے
اک سوز ہے سوز و ترنم کی ندا ہے

بلبل زباں گو یہ کوئی نغمہ سرا ہے
اس پر بھی دل افگار مسدس کی نوا ہے

علم اور عمل کے لئے ترتیب بجا ہے
عقل و خرد و ہوش کو سامانِ ضیا ہے

فتنوں کی سرکوبی کو کیا جس نے جدا ہے
جہل اور تعصب کو کیا جس نے فنا ہے

اعضائے معطل کو جگانے کی دوا ہے
یہ نسخۂ بے مثل مریضوں کی شفا ہے

دل کھول کے حالات کو قلمبند کیا ہے
دریا کو یقیں جانئے کوزے میں بھرا ہے

حالیؔ نے جو پیغامِ عمل پیش کیا ہے
کیا مد و جزرِ اسلام کا مقبول ہوا ہے

پروانہ تصدق نہ ہو کیوں اس پہ زمانہ
پُر درد ہے یہ قوم کی حالت کا فسانہ

کاہل ہے بیاں اس میں ملامت کا نشانہ
جاہل کو صد صور کی ہے سُفطر بانہ

ہے سادگی و صدق و صفا طرزِ یگانہ
ہے قوم کا یہ بیش بہا ایک خزانہ

بیدار ہوئی قوم سنا جب یہ فسانہ
دنیا رہے جب تک رہے یہ قومی ترانہ

ساغر نظامی کا کلیات نظم و غزل

بادۂ مشرق

یہ وہ تاریخی کتاب ہے جس کو دیباچے مشرقی و مغربی علوم کے ماہرین فن و سربرآوردہ انشا پردازوں نے تحریر فرمائے ہیں۔ مثلاً۔ مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی

بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو۔ ڈاکٹر سید محمود ایم اے پی ایچ ڈی بار ایٹ لا۔ امام ادب علامہ عبدالحق صاحب بی اے (علیگ)

جس میں امریکہ کے مشہور آرٹسٹ مسٹر ایچ مرویں ہنٹل کا بنایا ہوا ساغر نظامی کا اسکیچ بھی شامل ہے

حجم ۴۰۰ صفحات کاغذ دبیز چکنا ۳۶ پونڈ سائز پیام مشرق کتاب بارہ ابواب میں منقسم ہے ہر باب کا سرورق رنگین و مصور ہے مجلد ٹائٹیل بھری ہوئی رنگین ڈیزائنوں سے مرصع ہے جلد نیلی سنہری ڈائی سے مزین جلد کا کور سہ رنگا ہے ... دہلی کے مشہور آرٹسٹ مسٹر عبدالسمیع کے قلم کا شاہکار ... قومی، مذہبی، متصوفانہ، منظر یانی، روحانی اور رنگارنگ نظموں پر مشتمل ہیں۔ ہر دیوان باب میں صرف منتخب غزلیں ہیں۔ ساری کتاب ہندوستانی شاعری کے جدید پاکیزہ تخیل کی حقیقی تصویر ہے۔ زندگی اور حب الوطنی اور آزادی کو دوا تشبیہات اس کتاب میں ہیں جنہوں نے قوم میں نئی زندگی پیدا کر دی ہے ... اس کتاب کی قیمت حسن و جمال اور صفحات کے لحاظ سے بالکل حقیر یعنی صرف پانچ روپیہ محصول علاوہ

ملنے کا پتہ۔ ناظم قصر الادب و قصر شاعر

www.taemeernews.com

تاب — ماسٹر سیموئیل لال اللہ صاحب رئیس میرٹھ (۲۴)

آپ ۱۸۹۵ء میں بمقام شہر میرٹھ محلہ شورابی دروازہ پیدا ہوئے۔

آپ پادری صندل لعل صاحب مرحوم لکھنوی کے متبنیٰ بیٹے ہیں۔ پادری صندل لعل صاحب مرحوم کے والد موتی چند صاحب نواب واجد علی شاہ کے باڈی گارڈ تھے۔

تاب صاحب کے والد بزرگوار کا نام جابی لال اللہ صاحب ہے جو انتہائی خلیق باوضع اور متمول بزرگ ہیں جن کی مسیحی دنیا میں کافی عزت وقعت ہے۔

تاب صاحب کی تعلیم چھٹے سال کی عمر سے شروع ہوئی آپ نے مختلف مکتبوں اور اسکولوں میں باقاعدہ تعلیم حاصل کی ۱۹۱۴ء میں آپ ایک جنگ میں شریک ہوئے اور وہاں سے واپسی پر ۱۹۲۰ء میں مشن ٹریننگ اسکول میرٹھ میں ماسٹر مقرر ہوئے۔ آپ کو ہندی۔ اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں سے کافی واقفیت ہے۔ جدید اور قدیم فلسفہ پر پورا عبور حاصل ہے۔

آپ تھیوراجیکل کالج بریلی کے گریجویٹ ہیں۔ آج کل پریسبیٹرین کلیسا کے پادری ہیں۔ آپ کو ملکی اور دینی خدمت کا بہت شوق ہے ۱۹۲۱ء میں ملک کی ترقی اور بہبودی کو مدِنظر رکھ کر آپ نے مختلف اضلاع میں دورہ کیا اور وہاں لیکچر وغیرہ دیتے۔ ایک میمورنڈم بزرے میکڈانلڈ اور سائمن کمیشن کو جماعت اقوام کی طرف سے آپ نے بھیجا جو کتاب کی شکل میں (A cry for Recognition) کے نام سے چھپ چکا ہے۔ آپ نے بہت سے ٹریکٹ بھی لکھے ہیں۔ تاب صاحب مسیحی دنیا میں ایک بلند مرتبت لیڈر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی تقریر میں بھی اثر ہوتا ہے آپ اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے دن رات کوشاں رہتے ہیں اور عیسائی مذہب کے علمبردار خصوصی ہیں۔

تاب صاحب فطری شاعر ہیں۔ شاعری آپ کو ورثہ میں ملی ہے۔ شعر بہت عرصہ سے کہتے ہیں ۱۹۱۵ء میں جناب مونس میرٹھی کے شاگرد ہوئے۔ عرصہ تک ان سے اصلاح لیتے رہے اس کے بعد آپ حضرت نوح ناروی کی طرف رجوع ہوئے اور اپنے کلام کا زیادہ حصہ انہیں دکھایا۔ ۱۹۳۳ء میں جب آپ آگرہ میں تھے تو ایک دن آپ حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ العالی کی خدمت میں شرفِ نیاز حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے مولانا مدظلہ نے اپنی عادت کے مطابق نہایت خندہ پیشانی اور شفقتِ بزرگانہ سے سلوک کیا۔ تاب صاحب نے اپنا کلام سنایا۔ مولانا بہت خوش ہوئے اور ایک مصرع میں تبدیلی کے لئے فرمایا۔ چنانچہ تاب صاحب کی اصلاح (جو زبانی تھی) بہت پسند آئی۔ شعر یہ تھا۔

دیکھ لو ہم ساکنانِ صورت آبادِ جہاں
دفترِ اسرارِ ہستی ہے کتابِ زندگی
ہمیں سب کچھ ہم جو باطن کی نگاہیں تیز تھیں
"

اسی دن سے تاب صاحب مولانا مدظلہ کے پرستاروں میں شریک ہو گئے چونکہ حضرت نوح ناروی مدظلہ، کی اصلاح بھی آپ کو پسند ہے۔ اس لئے آپ مولانا سیماب مدظلہ اور حضرت نوح ناروی مدظلہ، دونوں حضرات کو اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ آپ کا کلام — کوکبِ ہند، الناظرہ، جلوۂ یار، چمنستان، سینٹ جانس کالج میگزین، رہیلکھنڈ گزٹ اور مسیحی وغیرہ میں اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کے کلام میں متانت اور سلاست بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ کہیں کہیں تصوف اور فلسفہ کی بھی جھلک نمایاں ہے جو آپ کی روحانی قابلیت کی بیّن دلیل ہے۔

نمونۂ تغزل

گرا گرا دلِ مضطر پہ بجلیاں صیاد — سنا سنا چمن و گل کی داستاں صیاد
نہ کر نہ ذکر جگر و دل کے زخم کو تازہ — نہ ہو نہ ہو کبھی اب ذکرِ گلستاں صیاد
اٹھا اٹھا کوئی فتنہ کہ بیقرار ہوں میں — سنا سنا مجھے پھر اگلی داستاں صیاد
بدل بدل کی نگاہیں بھی قتل کرتی ہیں — سنبھل سنبھل کہ جو لیتا ہے امتحاں صیاد
جہاں جہاں بھی فغاں کی تڑپ کو تابش نے
وہیں وہیں گریں گلشن میں بجلیاں صیاد

معتبر کب ہو جہاں رنگ و آبِ زندگی — ہے ہوا میں رقصِ ذراتِ سرابِ زندگی
حشر میں جب سامنے ہوگی کتابِ زندگی — دفترِ عصیاں کو شرمائیگا بابِ زندگی
اسمیں سب کچھ ہے جو باطن کی نگاہیں پڑھ سکیں — دفترِ اسرارِ معنی ہے کتابِ زندگی
ہوش کی معراج کیا ہے غفلتِ دنیا — غفلتِ بے انتہا کیا ہے شبابِ زندگی
آدم و حوا سے بھی جنت میں لغزش ہو گئی — کس بلا کی نشہ آور تھی شرابِ زندگی
قلزمِ ہستی میں راحت روح کی ممکن نہ تھی — ایک طوفانِ بلا تھا اضطرابِ زندگی
یہ دلِ دردآشنا اس وقت کتنا شاد تھا — جلوہ گر ہونے کو تھا جب آفتابِ زندگی
خلوتِ اسرارِ موجودات کہتے ہیں جسے — موت کیا ہے نغمۂ چنگ و ربابِ زندگی
درسگاہِ عشق میں پڑھنا ہو جو کچھ پڑھ بھی لو
ختم اب ہونے کو ہے تابش کتابِ زندگی

جلوۂ یار نگاہوں سے اگر دور نہ ہو — آدمی حسنِ طلب کیلئے مجبور نہ ہو
کیوں کہو بات وہ جو نہ کرو تم پوری — کیوں سنو بات وہ تم جو تمہیں منظور نہ ہو
ہے یقیں مجھ کو کہ پھر فرقِ من و تو نہ رہے — آدمی اپنی حقیقت سے اگر دور نہ ہو
دیکھ ساقی مگرِ مست سے رندوں کی طرف — یہی ساغر ملے جب بادۂ انگور نہ ہو
جلوۂ عارضِ جاناں کا چھپانا ہے محال — کہیں بدنام نقابِ رخِ پرنور نہ ہو
قہر ہے عشق و محبت کی حرارت تابش
کس لئے جانِ حزیں جسم سے کافور نہ ہو

چلے جانا خدا کا شانۂ دل دیکھتے جاؤ — رہی ہے مدتوں جس میں وہ منزل دیکھتے جاؤ
سنا ہوں جس کے ہاتھوں تم بھی ہو دلگیر — مری پہلو میں بھی ہے ایک قاتل دیکھتے جاؤ
ہے شوقِ بزم آرائی بھی ہنگامہ سے نفرت بھی — ابھی کیا ہے ابھی تو رنگِ محفل دیکھتے جاؤ
ادھر آئے ہو تو پڑھنا نہ پڑھنا فاتحہ لیکن
مزارِ تابشِ فردوس منزل دیکھتے جاؤ

ہم اسیروں کی ہے کیا صیاد شانِ زندگی — جا کسی آزاد سے سن داستانِ زندگی
اور ہی کچھ ہیں زمین و آسمانِ زندگی — تو ہے جانِ زندگی تو ہے جہانِ زندگی
ہے کوئی آفاق میں جو دل کو غم کی داد دے — ہے کوئی دنیا میں جو سمجھے زبانِ زندگی
مل گئی اسکو عدم کی ایک راہِ مستقیم — اب نہ ٹھہریگا کہیں بھی کاروانِ زندگی
خاک کے ذرے چمک اٹھے جو نکلا آفتاب — رات کو تاروں میں تھی پوشیدہ جانِ زندگی
دے رہی ہیں جان لاکھوں ہر بتِ [illegible] پر — کس قدر آباد ہے یارب جہانِ زندگی
ختم ہوتی ہی نہیں دل سے ہماری حسرتیں — عمر بھر کوئی سنائے داستانِ زندگی
داغِ الفت کو نہ کیوں دل سے لگائے — ہے یہ چنگاری فروغِ جاودانِ زندگی
آسمانِ ہند کے تابش جبیں کیا بات ہے
بے نشانی میں ملا مجھ کو نشانِ زندگی

پھر نئے انداز سے دل کو پریشاں کر دیا — پھر زوالِ آفتابِ نو کا ساماں کر دیا
پھر فنا کرکے ازلی زندگی بخشی مجھے — پھر بجھا کر شمعِ محفل کو فروزاں کر دیا
پھر مری عمرِ خزاں کو اک بہارِ نو ملی — پھر بہارِ نو نے رنگ اپنا نمایاں کر دیا
پھر نگاہِ تشنہ میں جو دی شرابِ زندگی — پھر کسی کی بادہ گوں جلوؤں نے حیراں کر دیا
پھر ہوئی بیہوش موسیٰ طور پر پھر آگ ہے — پھر کسی نے جلوۂ پنہاں کو عریاں کر دیا
پھر دلِ مایوس کو بخشی حیاتِ دائمی — پھر دلِ پرداغ کو رشکِ گلستاں کر دیا
پھر کسی نے مسکرا کر موت سے دیدی نجات — پھر کسی نے جور کو صد لطفِ احساں کر دیا
پھر ملا دل پھر ملیں باہم نگاہیں بار بار
پھر سے تابش زندگی نے مجھکو شاداں کر دیا

ثمر — عبدالحفیظ صاحب صدیقی چھپروی بی اے (٢٤)

آپ کے والد محترم کا اسم گرامی مولوی عبدالماجد صاحب ہے۔ جو ایڈوکیٹ ہیں۔ ثمر صاحب یکم فروری ۱۹۱۲ء کو صوبۂ بہار کے مشہور شہر چھپرا محلہ دہیاواں میں پیدا ہوئے۔ آپ سات بھائی ہیں اور ایک بہن ہے۔ آپ سے بڑے ہیں اور باقی چھوٹے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ چونکہ آپ کے والد صاحب کو عربی سے خاص شغف ہے اس لئے آپ نے ثمر صاحب کو ۱۹۲۵ء میں عربی تعلیم کے حصول کے لئے ندوۃ العلما لکھنؤ بھیجا۔ آپ کیساتھ آپ کے بڑے بھائی بھی تھے۔ دو برس تک آپ وہاں تعلیم پاتے رہے اور دن رات کی محنت نے آپ کو اس قلیل زمانہ میں کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ چند وجوہ کی بنا پر اور حضرت کے ساتھ ہنگامۂ خلافت سے متاثر ہو کر آپ کو انگریزی تعلیم کی طرف رجوع کیا گیا۔ چونکہ ثمر صاحب میں ذاتی استعداد اور ذوق تعلیم بدرجۂ اتم [illegible] ۱۹۳۲ء میں آپ نے انتہائی کامیابی کیساتھ پٹنہ یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور آج کل ایل ایل بی کی تیاری کر رہے ہیں۔ ذوقِ شعری فطرت نے وراثتاً آپکو ودیعت کیا تھا۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا مولوی بخشش علی صاحب مرحوم و مغفور عربی اور فارسی کے عالم متبحر تھے اور اپنے حلقۂ عزیزاں و وابستگاں میں بہت زیادہ مشہور و معروف تھے۔ چنانچہ بہت سے تشنہ کامانِ ادب تکمیلِ ذوق کے لئے حاضر ہو کر درس لینا اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ تاریخ گوئی میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ فارسی زبان میں شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے۔ ایک فارسی دیوان (غیر مطبوعہ) خود اُن ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا یادگار ہے۔ ثمر صاحب کے والد صاحب قبلہ کا بھی ایک دیوان جس میں اردو و فارسی دونوں زبانوں میں کلام ہے غیر مطبوعہ موجود ہے جس کا تاریخی نام "ریان الغرائب" ہے۔ آپ کے والد صاحب کو بھی تاریخ گوئی میں خاص ملکہ ہے۔ لیکن وکالت شروع کر دینے کے بعد آپ نے شغل سخن ترک کر دیا ہے۔ فطرت تخلص فرماتے ہیں۔

ثمر صاحب جس زمانہ میں ندوۃ العلما لکھنؤ میں زیر تعلیم تھے اسی زمانہ میں آپ کی شاعری کا آغاز ہوا۔ وہاں ایک بزم سخن بھی قائم تھی چنانچہ آپ اپنے بزرگ احباب اور کرم فرما حضرات سے غزل لکھواتے اور خود پڑھ دیتے۔ یہ سب کچھ تفننِ طبع کے لئے تھا کیونکہ دارالعلوم میں سب سے کم سن ہونے کی وجہ سے آپ کی شرکتِ مشاعرہ ضروری سمجھی جاتی تھی۔

اسکول کی تعلیم میں آپ کے ذوقِ شعری نے اور ترقی کی، اب آپ ٹوٹے پھوٹے شعر خود کہنے لگے اور یہ سلسلہ اختتامِ تعلیم اسکول تک جاری رہا۔ جب آپ کالج میں داخل ہوئے تو تعلیمی ترقی کے ساتھ ساتھ آپ کی شاعری کا معیار بھی بلند ہوتا گیا۔ جب آپکو اپنی رفتارِ فکر سے کچھ اطمینان ہوا تو دو غزلیں اپنے رفیقِ ندوۃ العلما، مولانا سید محمد ابراہیم صاحب نجم ندوی چھپروی بی اے کو برائے اصلاح بھیجیں۔ نجم صاحب بوجہ تکمیل تعلیم عربی اور حسان الہند حضرت مولانا محی الدین صاحب تمنا عمادی پھلواروی کے فیضِ سخن سے ادبی دنیا میں روشناس ہو چکے تھے۔ ثمر صاحب نجم صاحب سے کچھ عرصہ تک اصلاح لیتے رہے جس کا اعتراف انھوں نے اپنے اس شعر میں کیا ہے۔

شاعری آتی نہ تھی دراصل مجھکو اے ثمر
صحبتِ نجم سخنور نے سخنداں کر دیا

جوں جوں آپ کا معیار بلند ہوتا گیا۔ آپ کی نگاہیں کسی ایسی ہستی کی تلاش میں سرگرداں رہیں جو آپ کے ذوق کی تکمیل بدرجۂ کافی کر سکے۔ آپ زمانۂ آغازِ تعلیم ہی سے حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ العالی کے

کلام کو بہت دلچسپی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے ادھر مولانا مدظلہ کی تصانیف خصوصاً "سیرۃ الحسین" سے آپ بہت اثر گیر ہوئے۔ بسنہ ۱۹۳۲ء میں "شاعر" کے خریدار ہوئے اور ایک درخواست شاگردی بھی مولانا مدظلہ کی خدمت میں روانہ کردی۔ مولانا مدظلہ نے جب دیکھا کہ آپ میں وہ جوہر موجود ہے جو ایک حقیقی شاعر میں ہونا چاہیئے تو آپ کی درخواست منظور کرلی۔ سنہ ۱۹۳۲ء سے اس وقت تک ذریعہ خطوکتابت آپ مولانا سے اصلاح لیتے ہیں۔ ثمر صاحب قبلہ مولانا کے انتہائی پرستاروں میں ہیں۔ شفیق استاد کی توجہ نے ثمر صاحب کو تھوڑے ہی عرصہ میں کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ آپ کے کلام میں فلسفہ کی جھلک نمایاں ہے۔ شعر صاف اور بلند کہتے ہیں۔ قدیم اساتذہ میں غالب مرحوم کے کلام کو بہت زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ کتابی صورت میں آپ کی کوئی تصنیف نہیں آئی ہے۔ ایک مترجمہ ناول "بدنصیب" مصنفہ وکٹر ہیوگو غیر مطبوعہ ہے۔ آپ کے مضامین نثر اکثر اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ فلسفہ چونکہ آپکے نصابِ تعلیم میں تھا اور بی اے تک اس کا بطورِ خاص مطالعہ کیا ہے اس لئے فلسفیانہ اور نفسیاتی مضامین سے آپ کو خاص شغف ہے۔ اس کے علاوہ تنقید۔ ترجمہ۔ افسانے وغیرہ بھی آپ خوب لکھتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

رودادِ دل کی ترجماں معلوم ہوتی ہے — بہت ہی بے اثر طرزِ فغاں معلوم ہوتی ہے
مری ہر بات یوں سب پر عیاں معلوم ہوتی ہے — کہ خاموشی بھی گویا داستاں معلوم ہوتی ہے
خدائی کا کرشمہ دیکھتے ہیں دیکھنے والے — حقیقت گو ہر اک شے کی نہاں معلوم ہوتی ہے
پیامِ فطرتِ حق دے رہی ہے ہر زمانے میں — نقیبِ زندگی عمرِ رواں معلوم ہوتی ہے
نہ ہوتا درد پیدا کاروانِ دل میں منزل کا — فغاں میری شریکِ کارواں معلوم ہوتی ہے
سبب کیا ہے جو سفر میں ہر قدم پر بیٹھ جاتی ہے — یہ گردِ راہ میری رازداں معلوم ہوتی ہے
سراسر اے ثمر ہر شعر ہے الہام کا حامل — سخن سنجی بظاہر رائیگاں معلوم ہوتی ہے

اب یہ عالم ہے کہ اک عالمِ جانباز میں ہے — جانے کیا کیا مری ڈوبی ہوئی آواز میں ہے
لاکھ صیاد کرے بند قفس میں لیکن — ابھی احساس تو باقی پرِ پرواز میں ہے
کر سکا دہر میں اُس کا نہ مداوا کوئی — وہ جو سودائے جنوں وحشیٔ جانباز میں ہے

سونی پڑی ہے عیش کی محفل ترے بغیر — پیمانہ بن کے ٹوٹ گیا دل ترے بغیر
مقصد ہوا نہ سعی کا حاصل ترے بغیر — منزل پہ بھی ہے حسرتِ منزل ترے بغیر

تبسمِ نگہِ فتنہ کار، کیا کہنا — بدل دیا ہے رُخِ روزگار، کیا کہنا
مآلِ یک نگہِ حُسنِ یار، کیا کہنا — بنا ہے خرمنِ دل پر شرار، کیا کہنا
فریبِ وعدۂ وصلِ حسنِ یار، کیا کہنا — پھر اُس پہ بھی ہے ترا اعتبار، کیا کہنا
جمالِ یار نے تجدیدِ عشق کا پیماں — بیک نگاہ کیا استوار، کیا کہنا
مثالِ مہرِ درخشاں نگاہِ باطن میں — چمک رہا ہے دلِ داغدار، کیا کہنا
جنونِ عشق لگے گا آگ گلشن میں — پھر اب کے آئی ہے فصلِ بہار، کیا کہنا
رہے خیال تقاضائے عمر بھی ناصح — جنونِ شباب میں پرہیزگار، کیا کہنا

غمِ دل زندگی میں ابتدا سے انتہا تک ہے — مصیبت سے بری کب زندگی ہنگامِ فنا تک ہے
ثمر ممکن نہیں دل سے تمنا کا نکل جانا — مخالف ہر طرف سے جذبۂ دل کی بو تک ہے

بحرِ الفت ہے مسلسل موجزن دل کے قریب — وہ سفینہ بھی نہ ڈوبا جو ہے ساحل کے قریب
فطرتِ آزاد کو آزادیاں درکار ہیں — قید میں بھی دل نہیں ہے سلاسل کے قریب
خامشی میں بھی کوئی کرتا ہے کیا محوِ فغاں — سن رہا ہوں آپ اپنی داستاں دل کے قریب
ہر عمل اپنا تقاضائے طبیعت ہے ثمر
میں نہیں جاتا نزاعِ حق و باطل کے قریب

رُباعیات

نیرنگیٔ شاعرانہ دیکھا — ہر ایک کا انداز ترانہ دیکھا
کہنے کو بکثرت ہیں سخنور لیکن — بیتاب کو استادِ زمانہ دیکھا

www.taemeernews.com

راضی بہ رضا ہو وہ جبلت ہی کبھی
فطرت نہ بنی ایسی وہ عادت ہی کبھی
اک دست سو یہ بھی تھا اک عقد کھلا
ہے دور کی مضبوط و سلامت ہی کبھی

نمونۂ نثر

"خواب بھی دراصل انسان کی تخیل کا نتیجہ ہے، خواب کی حالت میں دماغ کی حرکت معمولی سطح ہوش پر ہوتی ہے، یہاں تک کہ عمیق نوم میں بالکل مسدود ہو جاتی ہے، بہت سے خواب ایسے ہوتے ہیں کہ بعد بیداری بجز ہی یاد رہ جاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فوراً نوم گاہ پر جانے کے بعد نمودار ہوتے ہیں، یا فوراً بیدار ہونے کے وقت، ایسے وقت میں جب کہ غلبۂ نوم کم ہوتا ہے، ایسی حالت میں معمولی اور روزمرہ کے اشغال مثلاً شبیہ و تصویر کی یاد قائم رہ سکتی ہے، لیکن قوتِ تعقیہ، ذہانت و عقل قائم نہیں رہتی، دن کے معیار ممکنات، نفرت، حسن، مزاح اور اسی قسم کی چیزیں گویا غنودہ پڑی ہوتی ہیں مطابقت کا کہیں پتہ بھی نہیں ہوتا۔ خواب بھی مانند تخیل و اختراع کے ہے جس میں اسباب مختلف ذرائع سے یکجا کئے جاتے ہیں اور اس طرح اُن کی ترتیب ہوتی ہے کہ جس کا پہلے تجربہ بھی نہیں ہوتا، اسی لئے ایسی چیزوں کا اجتماع بحالتِ خواب اکثر ناموزوں و ناموافق ہوتا ہے۔ (گنجینۂ پیشہ)

"فی زمانہ عموماً وہ اشخاص جو ذوقِ شاعری سے نا آشنا، عقلِ سلیم سے محروم، تہذیب و اخلاق سے بعید، رشک و حسد کا مجسمہ اور تجار پاسے بر و کتابے چند کے مصداق ہیں انہیں کی زبانِ بے عنان سے آپ اکثر اسند لال میں تذکرہ بالا سنیں گے، فلسفۂ شاعری کوئی ایسی معمولی شے نہیں جس کو گلی اکوچوں میں گانیوالے، اوباش اور نوزگان کر، ریکاردوں سے یا اُن چند یا وہ گو شعرا کے کلام سے جاہلانہ درست نہیں کر سکتے اور جن کا مقصد محض زنانِ بازاری کی خوشنودی ہوتا ہے سمجھ لیا جائے، اگر اسی کا نام

جناب عبدالحفیظ صاحب ثمر صدیقی چھپروی بی ای کی غزل اور حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

نشاطِ آگہی ~~جذبہ~~ انسان کی تقدیر ہوتی ہے
مثالِ مدعا میں رائیگاں تدبیر ہوتی ہے
کسی سے دل لگانا بھی گنہ میں ہو گیا داخل
مصیبت میں ہر انساں کو ہے لازم صبر ایوبی
مری روداد غم کو کہتے ہیں وہ اب حسنِ منظر کی
~~عدو مجبور تحمل کی کوئی حد ہو نہیں ممکن~~
ذرا رکھنا حفاظت سے مری نامے کو اے قاصد
جہاں کو سوزِ ~~غربت سے~~ اپنے جلا کر خاک کر دیتا
~~جہاں کے ذرہ ذرہ کو~~

~~سحاب~~ مٹے ہمارے غیب سے تدبیر ہوتی ہے
یہ دنیا ہی یہاں تو ~~اصول~~ میں ہی کی کارکن تقدیر ہوتی ہے
جہاں کچھ بات ہوتی ہے ~~وہاں~~ تشہیر ہوتی ہے
ہمیشہ بارشِ رحمت میں کچھ تاخیر ہوتی ہے
کہیں خوابِ جوانی کی کوئی تعبیر ہوتی ہے
عجب دنیا میں قیدِ غم کی بھی زنجیر ہوتی ہے
دلِ صد چاک ~~کے ٹکڑے~~ مری تحریر ہوتی ہے
~~محبت~~ نظر کے ذرہ ذرہ کے دامن گیر ہوتی ہے
~~خیال ہر شکل~~ صورت میں کوئی تصویر ہوتی ہے

ثمر تیری غزل بھی شاہد ~~لطف~~ معانی ہیں
کتاب دل کی گویا مختصر تفسیر ہوتی ہے

www.taemeernews.com

ثروت — صاحبزادہ سلطان حامد خاں صاحب آف جاؤرہ (۲۵)

ثروتؔ صاحب جاؤرہ کے مشہور حکمراں خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

آپ کے مورثِ اعلیٰ نواب عبدالغفور خاں صاحب ریاست جاؤرہ کے نواب تھے اور اُن کے والد نواب عبدالحمید خاں صاحب سوات کے قبیلہ تاجکزئی سے تھے جو اکبر ثانی کے زمانہ میں ہندوستان وارد ہوئے۔ اور شاہ اکبر ثانی ہی کے یہاں ایک عمدہ جلیلہ پر فائز ہوئے نواب عبدالحمید خاں کے بڑے لڑکے نواب عبدالغفور خانصاحب کو اپنی اعلیٰ اور بے لوث خدمات کے صلہ میں ریاست جاؤرہ ملی۔ اپنے والد صاحب کی ننھیال کی طرف سے آپ کا رشتہ تیسری پشت میں نواب شمس الدین احمد خاں صاحب والئی فیروزپور سے ملتا ہے۔ آپ کی ننھال ٹونک میں ہے اور آپ کی والدہ محترمہ قریبی رشتہ سے اعلیٰ حضرت نواب صاحب خلد آشیاں آف ٹونک کی بھتیجی ہیں۔ آپ ۵ مارچ ۱۹۱۸ء کو ریاست جاؤرہ میں پیدا ہوئے۔ دس برس کی عمر تک گھر پر قرآن شریف اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ کو ہائی اسکول میں داخل کیا گیا اور آپ نے میٹرک کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ آپ کو فارسی ادب اور ادب اُردو سے خاص لگاؤ ہے۔ چنانچہ پرائیویٹ طور پر آپ نے ان دونوں زبانوں میں کافی دستگاہ حاصل کر لی ہے۔ مطالعہ اور غور و فکر نے آپ کو منزلِ ترقی سے بہت قریب کر دیا ہے اور بہ لحاظ عمر آپ میں وہ جوہر پائے جاتے ہیں جو اس عمر کے لوگوں میں کم ملیں گے۔ آپ نے صحت کی خرابی کی وجہ سے باقاعدہ تعلیم فی الحال ترک کر دی ہے۔

شاعری آپ کا موروثی ذوق ہے۔ فطرت نے شعریت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے۔ آپ کی شاعری کی ابتداء زمانۂ طالب علمی سے ہوئی اور یہ ذوق بڑھتے بڑھتے آپ کی طبیعت پر اتنا غالب آیا کہ آپ بے تکان مشقِ سخن فرمانے لگے۔ ذوقِ سخن کی تدریجی ترقی کے بعد آپ کو اس شاہراہ کے لئے کسی رہنما کی ضرورت تھی چنانچہ ۲ مارچ ۱۹۳۸ء میں جب وقت مولانا سیمابؔ مدظلہ العالی ریاست ٹونک میں تشریف فرما تھے آپ اُن کے دامنِ فیض سے وابستہ ہو گئے۔ شفیق استاد کے فیضِ سخن نے آپ کو معنی آفریں کر دیا۔ آپ کا معیارِ سخن برابر ترقی کر رہا ہے۔ اکثر مقامی و غیر مقامی مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے ہیں بسلسلہ جوبلی کے مشاعرۂ خصوصی میں آپ کو انعام بھی مل چکا ہے۔ آپ کی طبیعت جدت پسند ہے۔ شعر سمجھ کر کہتے ہیں۔ آپ صرف غزل کہتے ہیں۔ ابھی تک دیگر اصنافِ سخن میں طبع آزمائی نہیں فرمائی۔

نمونۂ تغزل

وفا یا فریبِ وفا چاہتا ہوں — محبت میں اک آسرا چاہتا ہوں
فقط ایک جلوہ فقط اک تبسم — گناہِ وفا کی سزا چاہتا ہوں

مست مے الفت ہیں ہم آپے میں نہیں ہیں
ڈھونڈو تو کہیں بھی نہیں دیکھو تو یہیں ہیں

مقامِ غور ہے اے دل وہ کیا ٹھہرے تجھے کیا ٹھہرے
نہ تیرے تھے نہ تیرے تھے جو تیرے تھے تو خدا ٹھہرے

آپ میں اب وہ نہیں یہ کہہ رہا ہے آئینہ — میری صورت میں ہے عالم آپ کی تصویر کا

الفت ہی مجھ کو آپ کی تیرِ نظر کے ساتھ — رکھتا ہوں سر کو جان کو دل کو جگر کے ساتھ
اللہ ری فتنہ گری یہ ریاکاریاں تری — تو بھی شریکِ غم ہے مری نوحہ گر کے ساتھ

www.taemeernews.com

ہوں بے نشان اپنے نشاں کی تلاش میں — کھویا گیا ہوں آپ ہی اپنی خبر کیساتھ
جس جس پہ بزم میں ہو نظر مجھ کو بھی پڑے — میری نگاہ بھی ہے تمہاری نظر کیساتھ
آثار کہہ رہے ہیں حریمِ بہار کے — وحشی پٹک رہے ہیں سرِ دیوار و در کیساتھ

ثروت بشر ہو خیرِ بشر کا غلام ہو
ہوگا ضرور حشر بھی خیر البشر کے ساتھ

اشکِ پیہم کہہ رہے ہیں داستانِ آرزو — کس قدر دلکش ہے اندازِ بیانِ آرزو
حسرتوں کا خون ہوتا ہے تو دل ہوتا ہے شاد — سو رہی تیری محبت میں زبانِ آرزو
زندگی میں جب کہ ہنگاموں سے دنیا تنگ تھی — اب ہے اک شہرِ خموشاں وہ جہانِ آرزو
پردہ رکھ اے آرزو کا اے جہاں کی پردہ دار — آرزو تیری ہے تو ہی پاسبانِ آرزو
خندہ ہے کنجِ لحد حرماں نصیبوں کیلئے — چین دے زیرِ زمیں گر آسمانِ آرزو

یہ بجا ہے ثروت وقارِ خسروی ہے کم نہیں
مل گئی فرماں روائی جہانِ آرزو

قدم رکنے نہیں دیتی ہے دل کی بیقراری — پھرا کرتا ہوں میں عالم میں دیوانہ سا ہو کر
کیا دستِ جنوں نے ٹکڑے ٹکڑے جیب و دامن کو — گریباں بچ تو جائیگا یہ بھی دھجیاں ہو کر

گردش تری نگاہ کی تقدیر ہے مری — شوخی میں تیری لطف مرے اضطراب کا
رکھتا ہوں بیخودی میں بھی عالم کی میں خبر — جامِ جہاں نما ہے پیالہ شراب کا
پرتو ہے داغِ عشق کا سارے جہان میں — ذرہ بھی ماہتاب ہے اسی آفتاب کا
چکر میں رات دن مجھے رکھتا ہے یہ فلک — گردش میں جس طرح ہو پیالہ شراب کا

عدم سے کس لئے لایا گیا ہوں — یہاں کیوں دار پر لایا گیا ہوں
یہ ذلت ہے مجھے عزت سے بہتر — تری ٹھوکر سے ٹھکرایا گیا ہوں
نہ سمجھا آج تک اپنی حقیقت — معموں ہی میں الجھایا گیا ہوں

محبت میں ہر چند دشواریاں ہیں — مگر کچھ اسی میں مزیداریاں ہیں

ادھر ہے مسلسل نیازِ محبت — ادھر مستقل عربدہ کاریاں ہیں
بسر کر رہے ہیں مصیبت کی راتیں — شبِ غم ہے اور ہم ہیں بیداریاں ہیں

وہ پھر جلوہ فرما ہیں بے پردہ ثروت
پھر اب جان لینے کی تیاریاں ہیں

قیس کے دل میں بس گئی لیلیٰ — اب وہ پردہ رہا نہ محمل کا

ترے نقشِ قدم سے ساری دنیا مجھ کو کعبہ ہے — کہیں ذوقِ جبیں پیشانی پیارا رکھ دی وہاں رکھ دی
نہ ہو کیوں افتخار ان کو جہاں آرائی اپنی — کہ ان کی شکل میں خالق نے تصویرِ پیار رکھ دی

اے خضر رہتی حشر تک ہم تشنگئ عشق — تم چھوڑ آئے آبِ بقا کو غضب کیا
ناکامی ان کی جور کی عادت نہ جائیگی — چھوڑا اگر امیدِ وفا کو غضب کیا
کیا کچھ ہوائیں باندھے گا وہ شوخ پر جفا — پیغامبر بنایا صبا کو غضب کیا

خلقت میں ان بتوں کی سوائے ستم نہیں — پتھر کا دل ہے نام کو رحم و کرم نہیں
بتخانہ ہو کہ کعبہ کلیسا کہ میکدہ — وہ سر ہی کیا جو تیری محبت میں خم نہیں
اے شیخ اس میں سیرِ دو دنیا جہان کی — رندوں کا ہے پیالہ یہ کچھ جامِ جم نہیں

تھی وہ دل مرا درہم برہم سا اجڑا دیکھا کئے — وہ کہاں تھی اور ہم آنکھ کہاں دیکھا کئے
بے بسی و بیکسی میں دل پہ جو گذری نہ پوچھ — آشیاں اجڑا کیا ہم نیم جاں دیکھا کئے

عجب تماشہ ہے ذوقِ میری ہستی ہو — جھڑی ہے اشکوں کی کچھ سیرِ آبشار نہیں
جنوں نے جیب و گریباں کے کر دئیے پرزے — یہ طرفہ تر کہ ابھی موسمِ بہار نہیں

رُباعی

ہر طرح سے مشکل میں گرفتار ہے دل — نادان ہے دوست اور دشمن عاقل
ہے تابِ نہفتن نہ مجالِ گفتن — گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

www.taemeernews.com

جمال — خان عابد رضا خاں صاحب صابری آف علیگڑھ (۲۶)

آپ افغانستان کے مشہور قبیلہ یوسف زئی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ نے احمد شاہ ابدالی والیٔ افغانستان کے زمانے میں ترکِ وطن کیا۔ آپ کے جدِ امجد محمد افضل خاں صاحب یوسف زئی محلہ بنی اسرائیل (علی گڑھ) کے وقیع رؤسا میں سے تھے۔ جمال صاحب [illegible]ء میں محلہ بنی اسرائیل علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد خان حسن رضا خاں صاحب مرحوم انسپکٹر نزول علی گڑھ ایک باوقار اور مشہور بزرگ تھے۔ جمال صاحب خاندانِ چشتیہ اور صابریہ کے سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا سید مظفر حسن شاہ صاحب سے بیعت ہیں اس لئے اپنے نام کے ساتھ صابری لکھتے ہیں اور جمال صابری ہی کے نام سے دنیائے ادب میں مشہور ہیں۔

جمال صاحب نے ۱۸ سال کی عمر میں کلامِ پاک ختم کیا اور اردو فارسی کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ فارسی اور انگریزی تعلیم کی تکمیل کے بعد فکرِ معاش نے آپ کو عدالتِ ججی علیگڑھ میں کھینچ لیا اور آپ وہاں ۸ برس تک ملازم رہے لیکن فطرت آپ سے کچھ اور کام لینا چاہتی تھی اس لئے ملازمت کا سلسلہ جلد ہی ختم ہو گیا۔ ترکِ ملازمت کے بعد آپ ادبی دنیا میں روشناس ہوئے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ آپ کے بھانجے حضرت ساغر نظامی آگرہ میں مدیر پیمانہ تھے۔ چونکہ جمال صاحب ساغر صاحب کے حقیقی ماموں ہیں اس لئے ان کی وساطت سے آپ [illegible]ء میں حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ اور ساتھ ہی حامد رضا خاں صاحب تبسم نظامی جو آپ کے چھوٹے بھائی ہیں حضرت مولانا کے دامن سے وابستہ ہو گئے گویا صحیح معنوں میں حضرت مولانا سیماب مدظلہ سے وابستہ ہونے کے بعد اس خاندان میں حقیقی شاعری اور خدمتِ ادب کا جذبہ پیدا ہوا۔ مولانا کے فیضِ سخن اور نیک مشوروں نے جمال صاحب، ساغر صاحب اور تبسم صاحب کو اسٹیج پر لاکر ممتاز کر دیا۔ میں یہاں یہ بھی ظاہر کرنا باعثِ مسرت سمجھتا ہوں کہ مولانا مدظلہٗ کو جمال صاحب سے انتہائی محبت ہے اور آپ ان شاگردوں میں ہیں جن کے کلام اور علمی خدمات سے مولانا ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔

ادبی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے آپ نے پنجاب کے رسائل اور اخبارات میں مضامین لکھنے شروع کئے جو بہت زیادہ مقبول ہوئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کو کافی شہرت حاصل ہو گئی۔ فیروز پور (پنجاب) کے مشہور اخبار "نصرت" کے پروپرائٹر نے اس اخبار کے لئے جمال صاحب کی اعزازی خدمات حاصل کیں اور آپ اس کے مدیر اعزازی ہو گئے۔ ابھی آپ یہ فرائض انجام دے ہی رہے تھے کہ ہفتہ وار اخبار "شعلہ" فیروز پور نے آپ کو بحیثیت مدیر اپنے یہاں بلا لیا۔ ان اخبارات کی خدمات آپ بحد کافی فرما چکے تو اپنے وطن تشریف لائے۔ اس زمانہ میں حضرت ساغر نظامی علیگڑھ سے "علیگڑھ پنچ" شائع کرتے تھے چنانچہ اس کا تمام بار جمال صاحب نے برداشت کیا اور ساغر صاحب کے وہاں سے تشریف لے جانے کے بعد بھی ایڈیٹری اور ملکیت میں اسے عرصہ تک چلاتے رہے۔ "علی گڑھ پنچ" مرحوم نے ہندوستان کی مزاحیہ دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور ایسے ایسے فکاہی مضامین پیش کئے کہ بڑے بڑے مزاح نگار دنگ رہ گئے۔ علی گڑھ پنچ کی ادارت نے جمال صاحب کو ظرافت کا باوا آدم بنا کر پیش کیا اور اس دنیا میں بھی آپ کافی مقبول ہو گئے۔ شاعری کی شہرت کے ساتھ ساتھ آپ کی ادبی خدمت بھی بڑھتی گئیں یہ وہ زمانہ تھا جس وقت نوجوانوں میں فلمی دنیا کی شیدائی کے جذبات لامتناہی پائے جاتے تھے اور ہندوستان کا ہر حصہ اس سے [illegible] تھا۔ چنانچہ جمال صاحب کو بھی اس دنیا سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ اسی زمانہ میں کلکتہ سے ایک اردو کا فلمی رسالہ "فلم ریویو" شائع ہوا۔ یہ اپنی شان کا پہلا اور ہندوستان کا دوسرا فلمی پرچہ [illegible]۔ جمال صاحب کو اس کی [illegible] کے لئے بلایا گیا۔ چنانچہ آپ کلکتہ تشریف لے گئے [illegible] سال [illegible]

جمال صاحب نے فلمی دنیا اور اُردو کی بہت خدمت کی۔ فلم میں بوسہ بازی کے خلاف آپ نے شدید احتجاج کیا۔ اور مسلسل کاوشوں اور کوششوں کے بعد یہ ناپاک حرکت فلم کمپنیوں نے کم کرنا شروع کر دی۔ آپ پہلے شخص تھے جن کی آواز نے یہ کارِ عظیم انجام دیا جس کے لئے واقعی جمال صاحب قابلِ مبارکباد ہیں۔ ۱۹۴۲ء میں دہلی سے دو فلمی پرچے شائع ہوئے جن کے مالکان خود علی گڈھ تشریف لائے اور جمال صاحب کو مجبور کیا کہ وہ بحیثیت نگراں اپنا نام رسالوں پر شائع کرنے کی اجازت دیدیں۔ جمال صاحب چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ صنعت ترقی کرے اور رسائل وغیرہ اس باب میں کچھ خدمات کر سکیں اس لئے اپنی مصروفیت کے باوجود ان حضرات کی درخواست منظور کر لی۔ حال یہ تھا کہ آپ علی گڈھ سے پنچ بھی ایڈٹ کرتے تھے اور ہندوستان کے دیگر رسائل و [illegible] کو بھی مختلف طریقوں سے مدد پہنچاتے رہتے۔ فلمی دنیا کے خلاف آپ کے دل میں شعلے بھڑک رہے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ لغو اور بیہودہ فلم بننا بند ہو جائیں اور وہی فلم بنیں جو ملک کی بہبودی کے ساتھ ساتھ اردو زبان اور شاعری کا خون نہ کریں۔

۱۹۴۶ء میں آپ بزمِ خیال بمبئی کے آل انڈیا مشاعرہ کی شرکت کے لئے ۲۰ مارچ ۱۹۴۶ء کو بمبئی تشریف لے گئے گویا بمبئی کی ادبی فضا نے آپ کو خود [illegible] اور اس مشاعرے کے بعد آپ بمبئی کے مشہور اخبار "ہندوستان" [illegible] اس وقت مسٹر محمد حسن سابق ایڈیٹر خلافت بمبئی و مدینہ بجنور کی ادارت میں نکل رہا تھا [illegible] سے وابستہ ہو گئے۔ [illegible] وہاں کام کرنے کے [illegible] آپ [illegible] روشنی بمبئی کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ آپ کی [illegible]ت کا شہرہ بمبئی میں عام ہو گیا [illegible]۔ روزنامہ طوفان بمبئی کی ادارت بھی بڑی سرگرمی کے ساتھ کی۔ ان اخبارات و رسائل کی ایڈیٹری کے علاوہ جمال صاحب "سنگیت فلم" بمبئی کے [illegible] مقرر ہوئے اور اس کمپنی کے پیچ [illegible] تلاشِ حق کے گانے لکھے جو بہت مقبول ہوئے اس فلم سے پہلے بمبئی کی کسی کمپنی نے ایسے گانے نہیں سنے تھے۔

ہفتہ وار "عوام" دھار بمبئی اور مشہور فلمی اخبار "مصور" میں جمال صاحب نے مدیر اعلیٰ کے فرائض انجام دئے اور "مصور" میں ایک نیا انقلاب پیدا کر دیا۔ بمبئی میں دو سال ادبی خدمت کرنے کے بعد آپ کو "خلافت" نے اپنے ادارہ میں شریک کر لیا۔ روزنامہ خلافت کے سنڈے ایڈیشن کا سہرا جمال صاحب ہی کے سر رہا۔ اسی زمانہ میں بمبئی سے ایک فلمی پرچہ "تصویر" شائع ہوا جس کی ادارت جمال صاحب کے سپرد کی گئی۔ جس وقت آپ "تصویر" میں کام کر رہے تھے۔ اس وقت آپ کے ایک مخلص دوست مسٹر خورشید (علیگ) نے (جو اب مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں بی اے کے طالب علم ہیں) ایک رسالہ "نشاط" کے نام سے علی گڈھ سے نکالا۔ اور جمال صاحب کو مجبور کیا کہ وہ اس کی ڈائرکٹری منظور فرمائیں۔ چنانچہ باوجود چند در چند مصروفیتوں کے آپ کو اپنے عزیز دوست کی آرزو پوری کرنی پڑی۔ حال ہی میں مشہور و معروف "نیا چونچ" کلکتہ میں آپ بطور مدیر معاون چند ماہ کام کر چکے ہیں۔

جمال صاحب کی دس سالہ ادبی خدمات پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو ایک بہت بڑا مضمون مرتب ہو سکتا ہے۔ آپ بحیثیت مجموعی اب تک مندرجہ ذیل ا[illegible]ات و رسائل کے مدیر و نگراں رہے ہیں:

۱۔ "نصرت" فیروزپور (پنجاب) ۲۔ "شعلہ" فیروزپور پنجاب، ۳۔ علی گڈھ پنچ ۴۔ "فلم ریویو" کلکتہ ۵۔ "فلم آرٹ" دہلی ۶۔ "تصویر" دہلی ۷۔ "ترجمان" بمبئی ۸۔ "[illegible]" بمبئی ۹۔ "پنچ بہادر" بمبئی ۱۰۔ "روشنی" بمبئی ۱۱۔ "مصور" بمبئی ۱۲۔ روزنامہ "طوفان" بمبئی ۱۳۔ ہفتہ وار خلافت بمبئی ۱۴۔ "تصویر" بمبئی۔ "نشاط" علی گڈھ "چونچ" کلکتہ وغیرہ وغیرہ۔

آپ نے فلمی خدمات بھی بہت زیادہ کی ہیں۔ آپ کی تین مکمل اسٹوریاں بمبئی میں فروخت ہو چکی ہیں جو عنقریب اسکرین پر آنے والی ہیں دو فلموں کے مکالمے اور کئی فلموں کے گانے بھی لکھ چکے ہیں۔ فلم کے ٹیکنک سے بھی خوب واقف ہیں۔ وہ فلم ڈائرکٹری بہت اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ فلمی مضامین لکھنے اور فلموں پر تنقید کرنے کا آپ کو خاص ملکہ ہے اور فلموں کے عروج میں آپ کا

www.taemeernews.com

زبردست ہاتھ ہے۔ آپ کی پیہم تنقیدوں نے فلمی ذہنیت کو یکسر بدل دیا ہے آپ سیاسی اور قومی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ جمال صاحب کو فنِ موسیقی سے فطری لگاؤ ہے۔ بچپن سے آپ کو اس کا شوق ہے۔ آپ کی آواز میں ایک خاص قسم کا لوچ اور درد ہے اس فن سے خوب واقف ہیں اور بہت اچھا گاتے ہیں اس کے علاوہ کئی ساز بھی بجا سکتے ہیں۔ گویا آپ ہمہ صفت موصوف ہیں۔

آپ کی شادی متھرا کے مشہور وکیل محمد ذکا راشد صاحب کی چھوٹی ہمشیرہ عزیزہ عابدہ نسرین جمال سے ۱۹۳۸ء میں ہوئی تھی۔ نسرین صاحبہ بیحد قابل اور نیک خاتون تھیں ایک اچھی شاعرہ بھی تھیں۔ افسوس کہ ۳۰ جولائی ۱۹۴۲ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد سے جمال صاحب نے شادی نہیں کی۔ مرحومہ نے ایک لڑکا یادگار میں چھوڑا ہے جس کا نام شاہد جمال ہے۔ اور اسکی عمر ۵ سال ہے۔

جمال صاحب کی تصانیف کئی ہیں لیکن سب غیر مطبوعہ ہیں۔ آپ کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ عنقریب شائع ہونیوالا ہے افسانوں کا مجموعہ زیر ترتیب ہے ان کے علاوہ بزم اللغات۔ فلم اللغات اور پنچ کہانیاں وغیرہ وغیرہ بھی چھپنے والی ہیں۔ آپ ایک خوش وضع اور خوش پوش انسان ہیں۔ اردو کے شیدائی اور ایک ہونہار نوجوان ادیب ہیں۔

نمونۂ تغزل

تصور میں رہو ہم اُسے زنہا سمجھتے ہیں　　جدا رہنا تری جلووں سے مرجانا سمجھتے ہیں
بھلا دیتے ہیں کن سکراتے ہوئے ہونٹوں تو ہم　　وہ سودا دلِ وحشی کو افسانہ سمجھتے ہیں
فریب اتنے دئے ہیں حسن نیرنگِ تماشا نے　　تجھے بھی ہم نگاہِ شوق کا دھوکا سمجھتے ہیں
جنہیں تاریخِ پایانِ محبت یاد ہے اب تک　　وہ ہر زنو کو اک اجڑی ہوئی دنیا سمجھتے ہیں
نگاہِ شوق اپنا کام پورا کر چکی۔ یعنی
جمال اب تک مجھے وہ اپنا دیوانہ سمجھتے ہیں

آئینہ بنکر تری پیکر کو دل میں رکھ لیا　　تیری آنکھوں سے تری رعنائیاں دیکھا کئے
جو تری نقشِ قدم سے بن گئیں عرشِ سجود　　اُن زمینوں کو بحسرت آسماں دیکھا کئے
پینے والوں نے بہ مقدارِ طلب پی لی مگر　　ہم تو ساقی کی نگاہوں سے چھلکاں دیکھا کئے
میں بحسرت دلمیں اُن کی تیر کو دیکھا کیا　　وہ بحسرت اپنی ہاتھوں میں کماں دیکھا کئے
ذوقِ نظارہ تھا حسنِ لبِ زیریں جمال
نیچی نظروں سے ملالِ رخ جیکاں دیکھا کئے

چھوڑا نہ عشق نے انہیں رسوا کئے بغیر　　مانے نہ اہلِ حشر بھی چرچا کئے بغیر
ممکن نہیں جبیں کو عروجِ سکوں ملے　　آستانِ ناز پہ سجدہ کئے بغیر
خوش ہو کے پی گئی اگر نہ تھا لطفِ زندگی　　زہرِ غمِ فراق گوارا کئے بغیر
سے آئی خود نمائی انہیں بزمِ عام میں　　آیا نہ چین انجمن آرا کئے بغیر
چونکے کہاں یہ خوش نظرانِ مذاقِ عشق　　مانے نہ حشر میں بھی اشارہ کئے بغیر
طاری رہی غنودگی جلوہ اے جمال
آنکھیں رہیں نہ باز تماشا کئے بغیر

مطرب نے غزل چھیڑ دیا میرا شعرِ غم　　نغمے تڑپ کے رہ گئے ہر ترِ ساز پہ
وحشت کا کاروبار ہے حدِ نگاہ تک　　دیوانہ ساز ہیں یہ بہاریں شباب کی
کس کس نظر پہ کیجئے تنقید اے جمال
حوریں بھی تک رہی ہیں انہیں کو شباب پر
کاش ہو جائے لوٹی خوشی میری لئے　　وہ بنائیں [illegible]

اپنے اندر جذب کر لیا جو تیری خدا ہوا　　ڈھونڈنے نکلا ہوں اپنا [illegible]

جا کے بزمِ دشمن کبھی آئی میری آنکھوں تک　　مری قسمت کہ بخت جو بیرو [illegible]

نہ بیمار ہیں ہم نہ بیماریاں ہیں　　کسی کی دیا ذلی ہے
جمال اُن کی رحمت کی پرچھائیاں　　بڑی کام کی یہ سیہ کاریاں

نمونہ نظم

"ہندوستان"

اے میرے دلدار وطن آ
کروں تجھ کو پیار وطن آ

تیری نہریں پیاری پیاری　　امرت کے سو چشمے جاری
پھول اور کلیاں کھیت کیاری　　اور یہ پربت بھاری بھاری
جنت کی تصویریں ساری　　تجھ سے ہے دل کو سرشاری
ہے تجھ میں کیا افسوں کاری　　روح میں تجھ سے ہے بیداری

اے میری د ار وطن آ
کروں تجھ کو پیار وطن آ

بدریا کالی کالی　　کھیتوں میں آئی ہریالی
ٹھنڈی ہوائیں مستی والی　　رنگ پہ آئی ڈالی ڈالی
تو ہی میرے دل کا　　میری راحت کا رکھوالی
تجھ سے دنیا میں خوشحالی　　اُف رے تیری شانِ جمالی

اے میری دلدار وطن آ
کروں تجھ کو پیار وطن آ

آ میں تجھ کو گیت سناؤں　　گیت سناؤں اور سُلاؤں
اپنے دل کے داغ دکھاؤں　　داغ دکھاؤں باغ دکھاؤں
ٹوٹے من کی بات　　پریم کی تجھ کو ریت سکھاؤں
موقع ہو تو حشر اٹھاؤں　　تیری بگڑی بات بناؤں

اے میری دلدار وطن آ
کروں تجھ کو پیار وطن آ

نمونہ نثر

"اگست کے آخری مہینے میں قیصر باغ کا شاداب میدان دفتر آزادی کے جشن دن کی خوشیوں میں گونج اٹھا اس کے مورثِ اعلیٰ اس ہونہار بچے کو اپنی گود میں لیکر ہزاروں ہندوستانیوں کے سامنے کھڑے ہوئے اور اس کی ولادتِ باسعادت کی خبر دی سب نے بچے کی پیشانی پر چٹاچٹ بوسے دیئے پھر شیرینی کی اچھوانی تقسیم ہوئی۔ کسی نے آنکھ بند کرکے پی لی۔ کسی کو اچھو ہو گیا۔ کسی نے پینے سے انکار کردیا اور جب گھٹی کا نسخہ تجویز ہوا تو ہندوستان کے نبض شناسوں میں بربنائے تجربہ اختلافات ہونے لگے جن میں سے بابت سے نیم حکیم خطرۂ جاں، بھی تھے پنڈت موتی لال نے اس ہونہار بچے کا نام "نوآبادی" رکھنا چاہا مگر ان کے صاحبزادۂ بلند اقبال نے کہا کہ میں اس کا نام مکمل آزادی تجویز کرتا ہوں سری نواس آئنگر نے بھی یہی نام پسند کیا مولانا حسرت موہانی نے فال کھولی اور وہ بھی دوسرے ہی نام سے متفق ہوگئے مگر بڑے موتی لال جی کا تجویز کردہ نام "تازہ بہ تازہ نو بہ نو" مصلحت اور دور اندیشی کو سامنے رکھتے ہوئے "نوآبادی" ہی رہا اور اسی پر تمام کنبے والوں نے گردنیں ہلا دیں۔"

نمونہ مزاح نگاری

"خدا بخشے مولانا سرسید علیہ الرحمۃ نے آب و ہوا دانہ گھاس زمین اور ہر چیز کو دیکھ بھال کر علی گڑھ شریف میں علمی کاشت کا انتظام کیا تھا۔ یہ زمین کچھ ایسی پھولی پھلی کہ ہر سال دو منزلوں پیداوار ہونے لگی اور پیداوار کی قیمت بازار کے بھاؤ سے کچھ اچھی ہی ملتی رہی۔ انگریزی فیکٹریوں میں کھپت کم ہو تو یہ دوسری بات ہے ملک خداداد حکومت انگریز بہادر کی تھی اس لئے پیداوار کے لئے زمین کی لین دین میں جھگڑا پڑا مگر اسٹریچی نے جو اس وقت یو پی کے لیفٹیننٹ گورنر تھے سرکار سے کہہ سن کر ایک لمبی چوڑی زمین دلوادی چنانچہ ان کے نام پر کالج میں اسٹریچی ہال بن گیا اور خدا کے نام پر یہ زمین جوتنے اور بونے کے لئے ہموار کی جانے لگی۔

(جذبی) منشی محمد اسمٰعیل صاحب ضیا الغوی کوچین

آپ ۱۹۰۳ء میں بمقام شہر النی نزد منگلور پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام نامی غلام حسین تھا جو ایک کامیاب تاجر وکیل تھے آپ نے سات آٹھ سال کی عمر میں کلام اللہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد مختلف مدارس میں اردو فارسی و عربی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ آپ کو السنۂ مشرق سے خاص رغبت تھی اس لئے ان زبانوں میں بحد کافی مشق ہونے کے بعد تلاش معاش میں مصروف ہو گئے۔

۱۹۲۱ء میں مطبع دارالاسلام واقع النی میں کچھ عرصہ تک کتابت کی۔ اس مطبع کا انتظام بھی آپ ہی کے سپرد تھا۔ مالک مطبع جناب مولانا مولوی مفتی سلیمان شاہ ابن آدم صاحب مرحوم ایک مشہور و معروف عالم اور دہلی کے تعلیم یافتہ قوم میمن کے ایک فرد تھے جذبی صاحب نے آپ سے علمی استفادہ بھی کیا اور چونکہ آپ تعلیم کے جویا تھے اس لئے مولوی صاحب مرحوم نے بھی بڑی شفقت و مہربانی سے آپ کی رہنمائی کی۔ ۱۹۲۶ء میں انجمن حمایت الاسلام (کوچین) کے سکریٹری اور دیگر اراکین کا ایک خط مولوی صاحب کے پاس پہونچا جس میں درس اردو کے لئے جذبی صاحب کو طلب کیا تھا۔ مولوی صاحب مرحوم نے آپ کو کوچین بھیجدیا اور آپ انجمن کے مدرسہ میں اردو کی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اسی اثنا میں میمن جماعت کی جامع مسجد میں پیش امام کی ضرورت ہوئی اور تمام حضرات نے باتفاق جذبی صاحب کو یہ عہدۂ جلیل عطا کیا اب تک آپ اس اہم فرض کو بحسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ مدرسہ بند ہو جانے کی وجہ کر درس و تدریس کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

۱۹۳۸ء میں سیٹھ حاجی عبدالرحیم بن حاجی احمد مرحوم متخلص عاقر شہر النی میں مقیم تھے۔ اس زمانہ میں میلاد شریف کا چرچا وہاں بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ جذبی صاحب کو ہر مجلس میں مدعو کیا جاتا اور آپ کی میلاد خوانی کی وہاں بڑی دھوم ہو گئی تھی آپ کا ذوق شعری اسی زمانہ سے چمکا اور آپ وقتاً فوقتاً غزلوں پر عاقر صاحب سے اصلاح لینے لگے۔ جب عاقر صاحب وہاں سے چلے گئے تو آپ نے حضرت شمیم ترچناپوری مرحوم سے اصلاح لینی شروع کی۔ ان ہی کی وساطت سے آپ کا کلام گلزار خلد۔ مداح النبی۔ منشور شفاعت۔ اور آب حیات وغیرہ میں چھپنے لگا۔ اس کے علاوہ آپ کو قومی جلسوں میں بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ تب وقت قرأت اور آپ کی قومی نظموں سے لوگ بہت محظوظ ہوتے تھے۔

کچھ عرصہ تک آپ نے اپنی پریشانیوں اور معاشی فکروں سے تنگ آکر شاعری کا شغل بند کر دیا تھا لیکن بھلا فطری ذوق کہیں دب سکتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۳۶ء میں یہ دبی ہوئی آگ بھڑکی اور اس مرتبہ ایسی شعلہ باریاں کیں کہ آپ بے اختیار ہو گئے اور پہلے سے زیادہ فکر سخن کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ اب مذاق سخن کی تکمیل ہو جائے اور یہ بغیر استاد کامل ناممکن تھا۔ آپ نے اپنی رہبری کیلئے ماہنامہ شاعر جاری کرایا جس کے مطالعے سے آپ کو بہت فائدہ ہوا۔ کوچین میں حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کے ایک شاگرد حضرت جانی مرحوم نے جب آپ کے ذوق کو اس درجہ بڑھا ہوا پایا تو مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں عرضداشت بھیجنے کے لئے کہا۔ آپ خود بھی یہی چاہتے تھے کیونکہ مولانا مدظلہٗ کے بے انتہا مداح تھے۔ جانی صاحب کے کہنے سے گویا آپ کی دلی مراد بر آئی چنانچہ آپ نے اپنی غزل مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں بھیجی۔ جانی مرحوم نے بھی سفارش کی اور اس طرح آپ مولانا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک سلسلۂ اصلاح جاری ہے اور آپ کا رنگ شاعری دن بدن نکھرتا جا رہا ہے۔ آپ کو مولانا سے بطور خاص ارادت ہے۔ اور مولانا کیلئے ہر وقت صحت و عافیت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ آپ کا کلام سادہ لیکن قابل مطالعہ ہوتا ہے۔

نمونۂ تغزل

مجھے وصفِ آقا کا کیا حوصلہ ہے — میں ناچیز کیا میری مدحت ہی کیا ہے
بلا لو مدینہ مجھے یا محمدؐ — کہ جی ہند میں میرا گھبرا رہا ہے
پریشانیوں میں بسر ہو رہی ہے — مرے دل کی حالت خدا جانتا ہے
بصد شوق لکھا کروں نعت احمدؐ — یہی آرزو ہے یہی مدعا ہے

اگرچہ ہے جذبی گنہگار و عاصی
مگر مدح گو یہ غلام آپ کا ہے

ہر وقت نہیں اچھا قسمت کا گلہ کرنا — بیکار دل کی باتیں ہیں بیکار رہا کرنا
بس اب تو یہی جذبی اک شغلہ ہی اپنا — اشعار کے لکھنے میں مشغول رہا کرنا

نام اللہ کا ہم لے کے جیا کرتے ہیں — حبذا نعت محمدؐ کی لکھا کرتے ہیں
یاد فرمائیں گے کب ہم کو شہنشاہِ عرب — مدعا دل میں ہمیشہ یہ رکھا کرتے ہیں
اللہ دیکھیں گے کبھی طیبہ کی بہار — اشک آنکھوں کی اسی دھن میں بہا کرتے ہیں
موت آئے تو مدینے ہی میں آئے ہم کو — اپنے اللہ سے ہر دم یہ دعا کرتے ہیں

فیض سے حضرت سیماب کے جذبی صاحب
خوب تر نعتیہ اشعار لکھا کرتے ہیں

دلِ شوریدہ کو کب آئے قرار — دیکھے جب تک نہ مدینہ کی بہار
طاقتِ ضبط نہیں یا اللہ — ہند میں ہے مرا جینا دشوار
جی میں آتا ہے مدینے جب دل — اپنے محبوب کا دیکھوں دربار
چمکے کب نجمِ مقدر میرا — دیکھوں کب گلشنِ یثرب کی بہار
دے گا مولا مجھے مدحت کے طفیل — گلشنِ خلد میں گھر بے تکرار
رخِ روشن کا تصور ہر دم — جلوہ گر ہے مرے دل میں سرکار

لطف اک پڑھو مدینہ والے
تیرا مداح ہے جذبی ناچار

اپنی قسمت سے مجھے ہے ابھی شکوا باقی — ہند سے ملکِ عرب پھر بھی جانا باقی
ہو عطا دولتِ دیدار رسولِ عربیؐ — آنکھ میں شوق ہے اور دل میں تمنا باقی
کشورِ ہند سے کب جاؤں گا طیبہ یا رب — حسرتیں دل میں ابھی ہیں مرے بے حد باقی
مجھ کو لے چل تو صبا بہرِ خدا نزدِ حضور — رہ نہ جائے کہیں دل میں یہ تمنا باقی

یاد فرمائے اب جذبی مسکیں کو حضور
نام لیوا ہے اک دنی یہ تمہارا باقی

پیشوا حشر میں ہو جائے گا مولا میرا — مجھ گنہگار کا حامی ہے وہ آقا میرا
نارِ دوزخ سے رہائی کی ہے امید مجھے — باغِ فردوس میں لے جائیگا مولا میرا
حشر میں بخششِ خدا بخشش است کیلئے — ہاتھ پھیلائے ہوئے آئیگا آقا میرا

جز فنا کچھ بھی نہیں ہے اعتبارِ زندگی — ہے فریبِ مستقل میں کاروبارِ زندگی
کیوں نہ مرغوب نظر ہو بہارِ بوسۂ قبا — حالتِ پیری میں کیا ہوگی بہارِ زندگی

مسکرا کر دل ہیں بچتے جو مرا — پھر گراتے ہو مجھی پر بجلیاں
زندگی کے بعد پھر اک زندگی — زندگانی ہے وبالِ جاوداں

نمونۂ نظم

”کھیل کھلاڑی دنیا“

مجذوب کبھی ہے مجنوں — مفتون ہے کبھی بے شوں
نے ست شرابِ فطرت — ہے کھیل کھلاڑی دنیا

تصویرِ خیالِ رعنا — یا نقش و نگارِ زیبا
سو طرح کی بدلے رنگت — ہے کھیل کھلاڑی دنیا

ہوتی ہے کبھی ہم مذہب — بنتی ہے کبھی ہم مشرب
اللہ رے اس کی فطرت — ہے کھیل کھلاڑی دنیا

اس بحر میں جذبی اچھا — مضمون جو تو نے لکھا
سامع کو آئی کیفیت — ہے کھیل کھلاڑی دنیا

حضرت شہزادہ آغا احمد سیر صاحب درّانی

آپ افغانستان کے "سدوزئی" قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جب شاہ عباس کبیر نے شہر قندھار پر قبضہ کیا تو غلجی (یا خلجی) قبیلہ کے محمود نے ایک جنگلی مقام پر قبضہ کر کے بغاوت کی تھی اور جس کی ایک بڑی سلطنت دہلی میں بھی تھی محمود بھی قبیلہ عبدل کے میل ہو گیا کچھ دنوں کے بعد بادشاہ کے کارکنوں کی ظلم پرستی کے خلاف قبیلۂ عبدل کے ایک شخص کو شاہ عباس کے پاس شکایت کی غرض سے روانہ کیا اس شخص کا نام تھا "سدو شاہ" جو ایک فصیح البیان مقرر تھا۔

شاہ عباس اس کی قابلیت سے بہت متاثر ہوا اور اس کی خواہش کے مطابق اس نے حکام کو معزول کر دیا چنانچہ سدو عبدالی کی نسل سے ایک عظیم الشان قبیلہ پیدا ہوا۔ جو آج تک "سدوزئی" کے نام سے مشہور ہے احمد شاہ عبدالی اسی قبیلہ کا ایک فرد کبیر ہے۔ سنہ ۱۷۱۶ء میں سلطان حسین صفوی کے زمانے میں جو سلاطین صفوی کا آخری فرمانروا تھا اس قبیلہ نے بغاوت کی جس کا محرک آزاد خاں عبدالی تھا جس نے ہرات میں ایرانیوں کے خلاف حکومت قائم کی عبدالیوں نے خراسان پر بھی سنہ ۱۷۲۲ء میں حملہ کیا اور محمود کی قوت نے سلطنتِ ایران حاصل کی یہی لفظ "عبدالی" اب کثرتِ استعمال سے "ابدالی" ہو گیا۔

شاہ اشرف کی وفات سے جو محمود کے قتل کے بعد ایران کا بادشاہ ہوا نادر شاہ کی وفات تک افغانی ایرانیوں کے ماتحت رہے لیکن نادر شاہ کے بعد احمد خاں عبدالی سدوزئی جو نادر شاہ کی فوج میں تھا افغانیوں اور ازبکوں کی فوج لے کر آیا تھا اور ایرانیوں پر حملہ آور ہوا۔ ایرانیوں سے افغانیوں کا سخت مقابلہ ہوا جلد ہی احمد شاہ نے قندھار پر قبضہ کر لیا اور اس کی طاقت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور خود شاہ افغان کا لقب اختیار کیا نیز عبدالی قبیلے کو درانی کا خطاب دیا۔ یہ وہی احمد شاہ ہے جس نے ہندوستان پر چھ مرتبہ فوج کشی کی اور ہر مرتبہ کامیاب و کامراں رہا۔

یہ عظیم المرتبت بادشاہ قبیلۂ سدوزئی سے تھا جو افغانوں میں نہایت عظمت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت احمد شاہ درانی رضلد آشیاں، صاحب عزم، مدبر، صاحب عقل و فراست، علامؔ، حکیم، وسیع الاخلاق، نیک طبیعت، شریف فطرت اور منصف مزاج تھے۔

شہزادہ احمد سیر صاحب حیرت کا سلسلۂ نسب اسی رفیع المنزلت ذات سے ملتا ہے سلسلۂ نسب کی تاریخی ترتیب اس طرح ہوتی ہے:-

(۱) اعلیٰحضرت احمد شاہ درانی

(۲) تیمور

(۳) شاہ زماں

(۴) شاہ شجاع الملک والیٔ افغانستان

(۵) شہزادہ فرخ سیر

شاہ شجاع الملک کے متعلق کچھ لکھنا تحصیلِ حاصل ہے عہد ملوکیت کی سیاسیات عجیب و غریب ہوتی تھیں۔ شاہ شجاع کا انتہائی زوال عطا محمد خاں والیٔ کشمیر کے فریب سے ہوتا ہے جو سلطنتِ افغان کا مطیع و وفادار تھا پہلے اس نے شاہ شجاع الملک سے "دریائے نور" جو بیش قیمت ہیرا تھا شاہ شجاع الملک کی مجبوری کے عالم میں حاصل کیا، شاہ نے اخلاقاً دو چاہی تھی مگر اس نے ہیرہ کے عوض پندرہ لاکھ روپیہ دیا تھا اس کے بعد ایک سیاسی مراسلے کے جواب میں جو شجاع الملک کی طرف سے عطا محمد خاں کو پہونچا تھا پانچ ہزار فوج لیکر پشاور کی طرف چل د:

www.taemeernews.com

اور پہنچتے ہی حملہ کر دیا شاہ شجاع اس کی آمد کو بھی مدد تصور کر رہا تھا مگر وہ شاہ کو قید کر کے اپنے ہمراہ کشمیر لے گیا لیکن ایک سیاسی کشمکش کے بعد شاہ شجاع پھر آزاد ہو گئے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ساتھ ہو گئے۔

بالآخر مہاراجہ رنجیت سنگھ سے بھی الگ ہو کر وہ انگریزوں کے مہمان ہو گئے اس کے بعد انگریزوں کی مدد سے قندھار پر حملہ آور ہوئے اور کہندل خاں سے مقابلہ ہوا شاہ کو شکست ہوئی اور براستہ بلوچستان ہوتے ہوئے پھر ہندوستان واپس ہو گئے۔ دوبارہ افغانستان پر حملہ کیا اور تخت و تاج حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے اس کے بعد کابل میں شجاع الدولہ خاں نے آپ کو قتل کر دیا۔

کامران کی وفات سے خاندان سدوزئی کے حاکمانہ تسلط کا خاتمہ ہو گیا۔ احمد شاہ عبدالی نے اپنی شجاعت اور تدابیر سے جو ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی اس کے اخلاف نے اپنی خواہشوں سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس دردناک انقلاب کے بعد حکومت برطانیہ کی معیت میں شہزادہ فرخ سیر (یعنی احمد سیر صاحب حیرت کے جد امجد) اپنے بھائیوں کیساتھ لدھیانہ (پنجاب) میں وارد ہوئے اور حکومت برطانیہ کی طرف سے ان کو دو سو روپیہ ماہوار سیاسی پنشن ملتی رہی۔

شہزادہ فرخ سیر کے صاحبزادے شہزادہ محمد جعفر الدین (احمد سیر صاحب کے والد ہیں) سب انسپکٹر پولیس کے عہدہ پر مامور تھے لیکن خرابی صحت کی وجہ سے ملازمت سے دست بردار ہو گئے۔ آپ کو دولت برطانیہ کی طرف سے پنشن ملتی تھی۔

حیرت صاحب اپنے خاندان میں روشن خیال، حساس، صاحب فہم و فراست شخص ہیں آپ کی عمر اس وقت تقریباً ۳۰ سال ہے ہر چند آپ اپنی نسلی اور وطنی خصوصیت کے لحاظ سے بھاری بھرکم انسان نہیں ہیں، لیکن آپ کے خدوخال میں افغانیت اور درانیت کا پورا جلال موجود ہے۔ آپ کی تعلیم لدھیانہ ہی میں ہوئی علوم مشرقیہ مولانا عبدالغفور صاحب بلوچستانی سے اور انگریزی تعلیم مشن ہائی اسکول لدھیانہ میں حاصل کی۔ چند مجبوریوں کی وجہ سے آپ کی تعلیم اس پایہ تک نہ پہونچ سکی جو آپ کا مطمح نظر تھا۔ اسکول چھوڑنے کے بعد بعہدہ پروبیشنل سب انسپکٹر، بلوچستان پولیس میں ملازمت اختیار کی اور چار پانچ سال تک اس عہدے پر آپ فائز رہے پھر قومی تحریک سے متاثر ہو کر ملازمت چھوڑ دی۔ اور اس وقت سے اب تک تجارت میں مشغول ہیں۔ شہزادہ صاحب خلیق۔ باظرف اور وضعدار انسان ہیں اور کیوں نہ ہوں جب کہ ایسے عظیم المرتبت شاہی خاندان کے فرد ہیں لیکن آپ نے اس نسبت کو جو شاہی خاندان سے آپ کو ہے کبھی باعث عزت نہیں سمجھا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ "پدرم سلطان بود" کے ہم قائل نہیں۔ آپ کا لباس قطعی سادہ ہوتا ہے انتہائی منکسر المزاج انسان ہیں۔ جو شخص بھی آپ سے ملتا ہے وہ انتہائی خوش ہوتا ہے۔

آپ حضرت علامہ مولانا سیماب مدظلہ العالی کے زمرۂ تلامذہ میں ۱۹۲۱ء میں داخل ہوئے۔ جب اوائل اگست ۱۹۲۱ء میں مولانا مدظلہ لدھیانہ تشریف لے گئے تو آپ ہی کے یہاں مقیم ہوئے اور وہیں حیرت صاحب شاگرد ہوئے۔ آج تک بذریعۂ خط و کتابت آپ اصلاح لیتے ہیں۔ مولانا مدظلہ کے شاگردوں میں آپ بہت ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور مولانا سے اس درجہ محبت فرماتے ہیں کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ مولانا مدظلہ کے سلسلۂ ارادت میں ہونا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ مولانا کا کوئی شاگرد اپنے نام کے ساتھ "سیمابی" لکھے یا نہ لکھے لیکن آپ ضرور لکھتے ہیں۔ آپ کو بچپن ہی سے شعرگوئی اور مطالعۂ سخن کا شوق ہے۔ لیکن اس دنیا میں آپ نے ۲۲ سال کی عمر سے قدم رکھا ہے۔ ابتداً منشی عبدالقیوم خاں صاحب خاکی لدھیانوی سے اردو و فارسی کلام پر اصلاح لی لیکن ذوقِ بلند نے آخر اپنا صحیح مرکز تلاش کر لیا۔ مولانا مدظلہ کے مشورہ سے آپ کے کلام میں چار چاند لگ گئے۔ لکھنؤ۔ کلکتہ۔ حیدرآباد۔ ناگپور۔ کامٹی۔ کوئٹہ۔ لدھیانہ وغیرہ وغیرہ مشہور شہروں میں آپ نے اکثر مشاعرے پڑھے ہیں اور انتہائی کامیابی کیساتھ۔ آپ کی نظمیں اور غزلیں رسائل و اخبارات وغیرہ

میں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں ۔ آپ نے دوسرے لوگوں کے لئے بہت کچھ کلام کہا اور بہت سے شاعر بنا دئے ۔

حیرت صاحب کی شاعری میں قدیم آمیزش نے ایک ارتقائی رنگ پیدا کر دیا ہے آپ غزل و نظم دونوں کہتے ہیں ۔ پڑھنے کا ڈھنگ بھی خوب ہے ۔

نمونۂ تغزل

جنبشِ لب کی قسم خندۂ عشرت کی قسم تیری ہر بات محبت ہے محبت کی قسم
شوقِ کثرت کی قسم جلوۂ وحدت کی قسم مرکزِ حسن ہے تو حسنِ حقیقت کی قسم
ہر تڑپ باعثِ تسکینِ دلِ مضطر ہے خلشِ غم کی قسم دردِ محبت کی قسم
خوش و ناخوش تیری تصویر کے دو رخ ہیں شامِ غربت کی قسم صبحِ مسرت کی قسم
دل مرا ایک مرقع تیری تصویر کا ہے حسن کا فر تیری رنگینیٔ الفت کی قسم
دل کی ہر دھڑکن سے آواز تیری آتی ہے سوزِ الفت کی قسم سازِ محبت کی قسم

تو ہی تو ہے میرے ایوانِ تصور کا مکیں
قسم اور دیدۂ مشتاق کی حیرت کی قسم

آشیانہ بنا رہا ہوں میں بجلیوں کو بلا رہا ہوں میں
اپنی ہستی مٹا رہا ہوں میں ان کو اپنا بنا رہا ہوں میں
ایک نیا گیت دے کر ان کی محفل سے آ رہا ہوں میں

ہر قدم پر ہوں سجدہ ریز نیاز نئی دنیا بسا رہا ہوں میں
ہے تصور میں آپ کی تصویر لطفِ خلوت اٹھا رہا ہوں میں
ہر نفس پر گمان ہوتا ہے کوئی کہتا ہے آ رہا ہوں میں

حیرت ان کو غزل کے پردے میں
آپ بیتی سنا رہا ہوں میں

شکوہ سنجی کا سبب ہے مگر احساسِ فراق دلِ ناکام تصور ہے ترا خام ابھی
یک بیک ہاتھ نہ سینے سے اٹھاؤ دیکھو تپش آمادہ بہت ہے دلِ ناکام ابھی
ٹوٹ جائے نہ کہیں کشمکشِ بیم سے رشتۂ تارِ محبت ہے بہت خام ابھی

مانع دید ہے خود تیرا تحیر حیرت
ورنہ وہ شوخ خود آیا ہے لبِ بام ابھی

ہر قدم پر لغزشِ ناکام ہے زندگی شاید اسی کا نام ہے
عشق کہتے ہیں جسے پروردگار کیا مری مجبوریوں کا نام ہے!
موت کیا ہے ایک سکون اور تسکینِ دوام زندگی ہی اصل میں ہے اضطرارِ زندگی

تعمیر ہی سے ہوتی ہے تخریبِ کائنات جب آشیاں بنایا تو بجلی بھی گر گئی

دل دکھا کر بھی خوش نہیں ہوتے واہ کیا شانِ بے نیازی ہے
درد نے تیری زندگی بخشی اب جفا بھی وفا نوازی ہے
خون ہو جائے دل کو رہنے دو یہ میرا رنگِ امتیازی ہے

آخر یہ رازِ الفت افشا ہوا کہاں سے یا تیری رازداں [illegible]
مقدور ہو تو پوچھوں اک روز آسماں سے کچھ فائدہ بھی آخر بربادیٔ جہاں سے
اے رہنمائے منزل اتنا مجھے بتا دے نزدیک آستاں ہوں یا دور آستاں سے
بیٹھے تو دیکھ بیٹھے دل ان کی انجمن میں اٹھے تو لے کے اٹھے درد ان کے آستاں سے
بربادیوں پہ خوش ہوں یہ حوصلہ تو آیا تعمیر آشیاں کا تخریبِ آشیاں سے

بے جستجو وفا کی جہان خراب میں آبِ حیات [illegible]
کیا اہتمام پردہ ہے قربان جائیے جلوے ہیں بے نقاب وہ خود ہیں حجاب میں
ہے دشت آبلوں کی نوازش سے پُر بہار دریا کی موج جیسے گویا حباب میں
حیرت جہانِ عشق میں دیکھو ذرا
گم گشتہ تو ہیں نگہِ انتخاب میں

ہر منظرِ بسیط ہے اک جنتِ نظر ہر پردۂ راز حقیقت حجاب ہے
رگ رگ میں مری نور کی موجیں ہیں جلوہ ریز ہر ذرۂ حیات [illegible]

نمونۂ نظم

"زندگی"

بے امیدِ کامرانی سے وقارِ زندگی — ناامیدی سے شگفتن بہارِ زندگی
غیرتِ ہستی میں بھر دی بادۂ کیفِ ازل — گلشنِ جنت بنا دی جلوہ زارِ زندگی
سینۂ صد داغ و داغِ و شکستہ گم ہو — ہیں یہی تو خندۂ صبحِ بہارِ زندگی
زیرِ شمعِ حریت کر اپنا سامانِ وجود — ڈھونڈ خاکستر میں اپنی شہکارِ زندگی
تارِ غم دے جو تیرا دامنِ دل تار تار — کر انہیں تاروں سے پیدا نغمہ زارِ زندگی

سرِ بدوشِ جسمِ خویش زخاکِ مجاز
بندۂ خواجہ نشو تا خود شوی بندہ نواز

عظمتِ نفس

زندہ رہنے کی کشش میں مرگِ تمامِ زندگی — زندگیٔ دوام کا خود ہے پیامِ زندگی
دشت میں کر بسا ہے تیری کشتِ امید — خونِ رگ بہا میں مجھ خرا زندگی
رہ تنا سر خوش رنگ و بو ہے — دے گئی تیری دست کو کیفِ دوامِ زندگی
گر تجھ کو ہے حیات جو دے کربلا میں آ — چھوڑ گئی تیرے لئے نقشِ دوامِ زندگی
رنگِ عقیدت دکھا خونِ حسین کی کھلا — موت ہی طلعتِ سحر ظلمتِ شامِ زندگی
تیغ کے کھائے نقشِ رسیدہ و حیات — عشق کی راہگذر میں ہے جو کا نامِ زندگی
خارِ الم سے دامنِ دل جو نہ تار تار رہو — منت طلبی تو نہ لا ایسی جامِ زندگی
تیرا عجوز داعی تیرا پیامِ موت ہے — کر نہ سکے گی بلغش کوئی بھی کلامِ زندگی

عظمتِ نفس کیلئے جان کو اپنی وار دے
نفعِ دوام کیلئے عمرِ دو روزہ ہار دے

جنابِ شہزادہ آغا احمد سعید صاحب حیرت درانی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کی اصلاح

اللہ ری یہ جوششِ فراوانِ آرزو — اب ہر نفس ہو شعلۂ عریانِ آرزو
پھر دل ہوا ہے سلسلہ جنبانِ آرزو (پھول ہے اور شورشِ طوفان) — پروردگار تو ہے نگہبانِ آرزو
کیا آرزو ہے کیا سروسامانِ آرزو — دل ہی فریب خوردۂ امکانِ آرزو
اب ہم ہیں اور سکون کی کیفیت یاس — کیا ایک آرزو ہی تھی سامانِ آرزو (تھا آرزو کا ترک ہی)
تیری نگاہِ ناز تری درد کی خلش — اک جانِ آرزو ہے اک ایمانِ آرزو
رگ رگ میں اضطراب کی جس بھی ہے تو تو — کس کا خدنگِ ناز ہے مہمانِ آرزو
[illegible] (پروردگار کیا ہے یہی قرینِ انتخاب) — دل ایک قطرہ جس میں یہ طوفانِ آرزو
تخمینت ہو رہی ہے جفاؤں میں کس لئے — تجھ سے تو کچھ گلہ نہیں اے جانِ آرزو (ہیں شکوہ مند تو)
منت کشِ بہار ہیں دیوانگانِ شوق (وحشت) — کرتے ہیں چاک چاک گریبانِ آرزو
یوسف ہے تیری یادِ میں نظریں لگی — تعبیرِ خوابہائے پریشانِ آرزو
شبِ تصوراتِ جمالِ لطیف کی (کی رہے شبِ فراق) — روشن ہے میری شمعِ شبستانِ آرزو (ہوئی)
ہلکی سی ایک جنبشِ لب میں سنا گئی — اُن کی ہنسی نیازِ پنہانِ آرزو
پھر دل میں لے رہا ہے مری چٹکیاں کوئی — اٹھنے لگا ہے کوئی طوفانِ آرزو (پھر ہو رہی ہے گرمیٔ ارشاد)

حیرت کسی کو داغِ تمنا کی فیض سے
روشن ہو دلمیں شمعِ شبستانِ آرزو

www.taemeernews.com

۲۹ مولوی نصیر الدین صاحب کامل (الہ آباد)

آپ کا اسم گرامی نصیر الدین اور حیدر تخلص ہے۔ والد محترم کا نام نبی بخش ہے۔ آپ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ وطن موضع چھپیا چتونہ تحصیل خلیل آباد ضلع بستی ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب شیخ حاجی عنایت اللہ صاحب عربیؒ سے ملتا ہے جو قبیلۂ قریش کے ایک مقتدر فرد تھے۔ اور آپ کا خاندان صحیح معنوں میں شیخ قریشی ہے چونکہ فی زمانہ ہر کس و ناکس اپنے نام کے آگے قریشی لکھنے لگا ہے اور خاندانی امتیاز اٹھ چکا ہے اس لئے آپ خود کو قریشی نہیں لکھتے آبائی پیشہ زمینداری ہے لیکن آپ نے ہمیشہ ملازمت کی۔

ابتدائی تعلیم پرائمری اسکول میں پائی۔ پندرہ سال کی عمر میں ورنا کیولر فائنل امتحان پاس کیا۔ آپ زمانۂ تعلیم میں نہ صرف اپنے درجہ میں بلکہ تمام اسکول میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے اور اپنی ذہانت و ذکاوت کی بدولت ہمیشہ سرکاری وظیفہ پاتے تھے۔ فارسی میں حضرت مولانا محمد ابوبکر شیث فاروقی ناظم دینیات علی گڈھ کالج اور حضرت مولانا نصیر احمد صاحبؒ (مدرس اول انجمن اسلامیہ گورکھپور) سے استفادہ کیا اور اس زبان میں مہارت تامہ حاصل کی عربی صرف و نحو مفتی دیوبند کے خلف الرشید جناب مولوی اصغر حسین صاحب سے سیکھی ہے۔

آپ ۲۳ تا ۱۹۲۵ء کے درمیانی زمانہ میں انتہائی پریشان رہے اور بقول آپ کے کہ یہ زمانہ میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ اس زمانہ کا ہر واقعہ بجائے خود ایک عبرتناک داستان ہے"۔ آپ نے اسی زمانہ میں کلکتہ۔ پٹنہ۔ بنارس۔ جونپور۔ الہ آباد کانپور۔ دہلی میرٹھ وغیرہ میں اپنی گردش کے دن پورے کئے۔ بقول سعدیؒ "بسر کردم ایام با ہر کسے" آپ کو ایک جگہ بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔

عام خیال یہ ہے کہ ملازمت فی زمانہ عنقا ہے لیکن حیدر صاحب اس کے قائل نہیں اُن کے خیال میں ہر جفاکش اور قابل آدمی کے لئے دنیا میں معیشت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ لیکن اپنی استعداد ذاتی کا صرف شرط ہے۔ آپ نے جب سے ملازمت کے لئے قدم اٹھایا ہے اس وقت سے آج تک سوائے ایک سال بیماری اور ایک سال امتحان کی تیاری کے کبھی بیکار نہیں رہے ۱۹۲۵ء میں آپ نے منشی کا امتحان الہ آباد سے پاس کیا پھر یکے بعد دیگرے پانچ جگہ ملازمت کی اور اپنی ہی خوشی سے ترک بھی کر دی۔ چار سال مسلم ہٹ اسکول اسلامیہ میں ہیڈ مولوی رہے اور اب ایک سال سے حفاظت الاسلام اسکول اسلامیہ ضلع میرٹھ میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔ ملازمت کے مشاغل کے باوجود آپ نے امتحان درجہ کامل (الہ آباد) اور اعلیٰ قابلیت کے امتحانات بھی پاس کر لئے ہیں۔

آپ اپنی شاعری کے متعلق خود لکھتے ہیں "میری طبیعت فطرتاً بذلہ سنج اور مذاق پسند واقع ہوئی ہے حسن پرستی اور محبت جوہر انسانی ہیں۔ بچپن سے جانبازان جہاں گشت ہوں۔ مصائب و آلام کی دشوار گذار گھاٹیاں میری بازی گاہ رہی ہیں۔ پس جب یہ عناصر شعری جذبات بھرے دل میں موجود ہوں تو شاعری کا ابھار اور زبان سے نظم کی صورت میں کچھ نکل جانا جو صرف واردات قلبی اور حسیات ذہنی کی ایک تصویر ہوتی ہے، لازمی امر تھا۔ ابتداءً نیتر۔ ضاحک اور اثیر وغیرہ تخلص رہے مگر بالآخر حیدر جو بچپن میں بطور خطاب مل چکا تھا تخلص قرار پایا۔ کئی سال بے استاد رہا پھر ایک غزل لسان العصر حضرت ریاض خیرآبادی کو دکھائی۔ آخر میلان طبیعت سے مجبور ہو کر بنگالہ میں جب استاد علامہ حضرت مولانا سیماب مدظلہ پر نظر پڑی اور ۱۹۲۳ء میں اُن کے دامن شفقت سے وابستہ ہوئے

تلمذ حاصل کیا۔

آپ کی تصانیف میں ایک رسالہ "ناصر الواعظین" ایک ناول "مآل الفت" عرف "جوانی موت" غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ آپ نے ایک مجموعہ اپنے خطوط کا بھی تیار کیا ہے جسے "انشائے حیدر" کے نام سے جلد شائع کرنے والے ہیں۔ آپ کی ایک واسوخت "عروسِ فکر" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اپنی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ "سرودِ جاوداں" آپ آجکل مرتب فرما رہے ہیں۔ آپ نے طبیعت انتہائی لطیف اور صلح کل پائی ہے۔ مطالعہ اور تعلیمی ترقی آپ کا مطمحِ عمل ہے۔

نمونۂ تغزل

کسی سے ناز کسی سے غریب ناز کرے — جو چاہے آپ کا اندازِ فتنہ ساز کرے
کمالِ عشق نہیں گر نیاز ناز کرے — کمال یہ ہے کہ محمود کو ایاز کرے
بلند اتنی تو ہو رفعتِ خیال مری — کہ سر بلند فلک کو بھی سرفراز کرے
جبیں ہو سجدے کی جو مری جبیں — تو زیب ہے کہ سجدہ جبیں پہ ناز کرے
وثوقِ عفو نہیں اپنے گناہوں کی
جو چاہے حضرت حیدر خطا نواز کرے

غمِ سکون طلبی سے جو ننگ ہوتا — نہ خوگرِ ستمِ روزگار ہوتا تھا
بہارِ عمر اسیری کا بہترین مذاق — درِ قفس کا سوئے رہگذار ہوتا تھا
خوشا نصیب تصور میں جو ہم آغوش — کسی طرح تو مجھے چین آ رہا ہوتا تھا
کرم کہ بیخودی نے ذوقِ صرف قید کیا — سزا کہ بیخودی سنگسار ہوتا تھا
گناہ میرے کئے جو بن وجہ بیخودی — رہینِ منتِ آمرزگار ہوتا
مری نظامِ تمنا کا راز جیت سکا — زبانِ پاکا یوں اشتہار ہوتا تھا
قریبِ منزلِ مقصود تھک کے بیٹھ گیا — کچھ اور پائے طلب استوار ہوتا تھا
سب کی نظر میں مرا نقش ہو حیدر
جو کچھ ہوا ہے وہ پایانِ کار ہوتا تھا
از دلِ حرکت جرم ہوئی خطا میں — لے خوشا خانہ خرابی کیا تری توبہ

یہ نشانِ قبر جس کو تم سنانے آئے ہو — یہ مری بگڑی ہوئی تقدیر کی تصویر ہے
جب بُرے اعمال کی ملتی ہو دنیا میں سزا — ناسمجھ انسان کہتا ہے مری تقدیر ہے
شکوۂ جور و جفائے دہر ہے بالکل فضول
آپ کی تدبیر حیدر دشمنِ تقدیر ہے

نظر میں جب تو سمایا ابتدا کی قسم — نظر بھی کھو ہی گئی تجھ میں انتہا کی قسم
ترے تغافلِ احساس آزما کی قسم — ترس رہے ہیں جفا کو بھی ہم وفا کی قسم
نہ انقلاب ہو جس میں وہ زندگی کیسی — بھلی ہے موت ہمیں جذبۂ بقا کی قسم
رہِ طلب میں بڑھے جس قدر قدم آگے — ہم اور ہوتے گئے دلدادۂ فنا کی قسم
نہ فکر چارہ گری چارہ گر کریں حیدر
مرا علاج نہیں دردِ لادوا کی قسم

پابستۂ قفس ہوں کہاں میرا آشیاں — شاید مرے خیال نے دھوکا دیا مجھے

فقط اک کہکشاں پر شاداں ہیں آسماں والے
زمیں پر سینکڑوں پھرتے ہیں ایسے کہکشاں والے

شوخیٔ قسمت کہ اپنی جو بہیں پوری امید — بجلیاں تڑپیں اگر ہم خواہشِ باراں کریں
اللہ رے یہ اک نمائش یہ تصور — آتے ہیں نظر صرف وہی حدِ نظر تک

چراغِ زندگی جب بجھ رہا تھا کشتۂ غم کا — سرہانے بیٹھ کر کوئی ہوا دیتا تھا دامن سے

اک سانس پر بھی اپنے بھروسہ نہیں مجھے — گویا سبق پڑھا ہی نہیں اعتبار کا
ہے آہِ آتشیں کا نتیجہ، نمودِ صبح — دیکھو تو حوصلہ نفسِ شعلہ بار کا

رباعیات

تسلیم اسے کرتی ہے خلقت تیری — محدود نہیں وسعتِ رحمت تیری
حالانکہ میں آلودۂ عصیاں ہوں مگر — مشتاق ہے میرے لئے جنت تیری

گر چاہو کہ حاصل ہو کمالِ ہستی — ٹھکرا دو نہ یوں جامِ سفالِ ہستی
دیکھو! اسی مٹی کے پیالے میں بغور — آئے گا نظر تم کو کمالِ ہستی

اللہ نے چاہا تو وہ دن آئے گا — ہر شعر مرا قوم کو تڑپائے گا
جب ہوگی کبھی "سوادِ جدید" کی تلاش — چھپا جلی حرفوں میں لکھا جائے گا

نمونۂ نظم

مدرس

اے مجسم سادگی اے شاہکارِ مفلسی — اے کہ تیرا ہر عمل آئینہ دارِ مفلسی
اے زمانے! ناتمام نغمۂ زارِ مفلسی — کیوں ہے تیری زندگی یوں سوگوارِ مفلسی
تیرے احساسات کی دنیا بہت محدود ہے
جذبۂ غیرت ترے جذبات میں مفقود ہے
باوجود اس کے کبھی شرم قوم تیری ذات ہے — بے کلاہِ قیصری اعزازِ شاہی ساتھ ہے
قوم کی دیوی کا بھی تو ہی حقیقی ناتھ ہے — ٹھیک ہو بھارت کی دھرتی جس کے دل کا داتا ہے
پھر بھی تو اپنے کو ہی سمجھے ہوئے ہے منفعل
شرم کے قابل ہے یہ کوتاہیِ تیرا عمل
تو نے اپنے آپ کو سمجھا ہے پابندِ قیود — تجھ پہ غالب آ رہا ہے قیدِ بیجا کا جمود
تیری خودداری کو گھیرے ہیں معیشت کی حدود — ہے نہ ہونے کے برابر الغرض تیرا وجود
تجھ کو جب خود ہی نہ ہو کچھ اپنی عزت کا خیال
سوچ پھر کیونکر نہ ہوں اہلِ زماں تیرے پامال
خود سمجھ رکھا ہے تو نے پیشے کو ذلیل — علم کو اپنے بنا رکھا ہے روزی کا کفیل
پھر شکایت کیا اگر دنیا تجھے سمجھے ذلیل — اپنے پیشے کو برا کہنا ہے ذلت کی دلیل
جانتا ہے کام تیرا کس قدر شاہانہ ہے
عام لوگوں میں بہت مشہور یہ افسانہ ہے
قید میں جس وقت پہونچے حضرتِ شاہجہاں — پوچھا عالمگیر نے کچھ دل کی حسرت ہو بیاں
بے تأمل بول اٹھے شوق سے شاہِ زماں — بھیجدو بچوں کو پڑھنے کیلئے میرے یہاں
سن کے عالمگیر نے پھر یوں کیا ان سے سوال
ہے ابھی تک آپ کے دل میں حکومت کا خیال؟
ہاں مگر یہ بادشاہی زیب دیتی ہے اُسے — جس کے شاگردوں میں پیدا ہوں ہزاروں دل جلے
جس کے ہر حرف سے نکلیں سیکڑوں جوہر نئے — جس کی تعلیم سے اطرافِ عالم گھیر لے
یعنی اُس کے درسِ آزادی کا یہ انجام ہو
لوگ سب آزاد دیکھیں ہیں غلام آباد کو
یہ تیرا کوکبِ اقبال تابندہ رہے — تو تو زندہ ہی ہے مر کر بھی تو زندہ رہے
قوم کی علم و عمل کا تو نمائندہ رہے — رہتی دنیا تک تری تعلیم پائندہ رہے
نیکنامی سے بدل جائیگی بدنامی تری
کامیابی سے بدل ہوگی ناکامی تری"

"یادِ وطن"

جب راتوں کی تاریکی میں عالم پہ سکتا ہوتا ہے — دنیا والے سو جاتے ہیں اور شب کا دم گھٹتا ہے
جب دنیا کی آبادی میں ویرانی سماں آتی ہے — سن سن کی صدائیں آتی ہیں اور دیپ تلے زرداں بجھتے ہیں
جب تاریکی دامن میں سب دنیا سمٹ جاتی ہے — اور جب کہ تاروں کی آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں
اس وقت جلاوطنی میری بے چین مجھ کو کر دیتی ہے — خوابیدہ الفت چھپا کے دل میں انگڑائی لیتی ہے

نمونۂ نثر

(از انشائے حیدر غیر مطبوعہ)

بنام برادرم فصیح الدین ہیڈ کلرک ریلوے پولیس جنکشن گورکھپور"

میاں فصیح الدین خوش رہو

اخباروں اور رسالوں سے معلوم ہوا کہ راپتی ندی نے طوفانِ نوح برپا کر دیا لاکھوں جانیں جل پرواہ ہو گئیں۔ ہزاروں کی تمناؤں پر پانی پھر گیا۔ مگر صد حیف تمہارے جذبۂ اخوت میں سیلاب آیا۔ اپنی خیریت کا خط بھی نہ لکھا۔ میں نے بارہا چاہا کہ میں بھی اس سال پیش قدمی نہ کروں لیکن جوشِ اخوت کے آگے پیش نہ گئی۔ بادلِ ناخواستہ لکھتا ہوں کہ کس حرکت ہو۔ کہاں ہو کیا کرتے ہو۔ میاں نسیم کی تعلیمی حالت کیسی ہے۔ فی کیا کر رہے ہیں۔ فقط والسلام

خیر اندیش ۔ ۱۰ ۔ رضی عنہ حیدر ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۵۵ھ

جناب مولوی نصیر الدین صاحب حیدر کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

جدا اُس قاتل نے کیا سر کو بدن سے
خوشا بخت رسا ~~ہلکا ہوا بوجھ~~ اترا یہ بھاری بوجھ گردن سے

یہاں تک ہو گئی مجبور اب تہذیب فیشن سے
حجامت کیلئے حجام بھی آتا ہے لندن سے

مری آواز سن کر آ لگا وہ شوخ چلمن سے
کہا دیا ہاں کہ دو [illegible] جتن سے

الٰہی کیا قیامت ہو گی میدانِ قیامت میں
سنا ہے نوجواں ہو کر اٹھیں گے لوگ مدفن سے

چراغِ زندگی جب بجھ رہا تھا کشتۂ غم کا
سرہانے بیٹھ کر کوئی ہوا دیتا تھا دامن سے

بھلا دوں کس طرح یہ ~~[illegible]~~ عشرت ایام آزادی
دکھائی دے رہا ہے آشیاں زنداں کی روزن سے

محبت غالباً پیدا ~~ہوئی ہے ستی انساں میں~~ جوہر ہے انساں کا
~~[illegible] مجنوں عاشق لیلیٰ تھا بچپن سے~~ روایت ہے کہ

مسلسل برق باری کی تب ہو سکا اس نتیجہ پر
نہیں عاشق مجنوں تھا لیلیٰ بھی اور ~~[illegible]~~ ہو جو حرمن سے

یہی وجہ حیات عشق کی ~~[illegible]~~
سمجھ کر خون جسکو دھو رہے تھے میری گردن سے

مرتب آشیاں گلشن میں ~~کبھی~~ ہونے ہی نہیں دیتا
یہ کیسی برق کو ضد ہے مری شاخ نشیمن سے

عجب [illegible] ~~[illegible]~~
نقاب رخ اگر سرکا چھپایا منہ کو دامن سے

زلیخا سے کوئی پوچھے کہ ~~کیا نیت تمہاری تھی~~ [illegible]
جو ٹکڑا رہ گیا تھا ہاتھ میں یوسف کے دامن سے

~~[illegible]~~ [illegible]
ہمیں کیا واسطہ ہے قصۂ شیخ و برہمن سے

~~[illegible]~~ [illegible] بجلی
مری لاکھوں تمنائیں تھیں وابستہ نشیمن سے

شکست و فتح دونوں دست قدرت کے کرشمے ہیں
سلوک اچھا ہمیشہ چاہیے مغلوب دشمن سے

ابھی سے فکر کیوں پیدا ہوئی حیدر کمانے کی
ابھی تو قرض ملتا ہے بآسانی مہاجن سے

---

۴۰ حشر مولوی سید وجیہ الدین صاحب سہسرامی

آپ کا نام وجیہ الدین اور حشر تخلص ہے۔ مولد و مسکن سہسرام ضلع شاہ آباد (آرہ) ہے آپ کا نسبی سلسلہ حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ خاندانی وقار کے اعتبار سے بھی آپ بہت ممتاز ہیں۔ آپ حضرت مولانا حاجی سید محمد اشرف صاحب مرحوم استاد فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ کے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد اظہر حسین مرحوم وظیفہ یاب حضور نظام دکن کے نواسے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۰ سال ہے آپ نہایت منکسر المزاج حلیم الطبع، پابند صوم و صلوٰۃ ہیں۔

مختصر ایک جوانِ صالح ہیں۔ بسلسلۂ زمینداری آپ کا زیادہ تر قیام سہسرام ہی میں رہتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے ملازمت کی طرف توجہ نہیں کی۔ آپ نے عربی کی تکمیل مدرسۂ عالیہ کے نصاب کے مطابق کی۔ اسی طرح فارسی کی تکمیل بھی ان ہی لائینوں پر کی، اردو کا تو کہنا ہی کیا آپ کی مادری زبان ہے پھر آپ سہسرام جیسے مردم خیز اور شعر آفریں مقام پر رہتے ہیں، رہتے ہی نہیں ہیں بلکہ اس کی خاک سے پرورش پائی ہے۔ ان تینوں زبانوں پر آپ کو کافی عبور ہے اور غائر مطالعہ نے آپ کی علمی معلومات کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ آج کل انگریزی تعلیم کے حصول میں ہمہ تن محو ہیں۔

ذکاوت و ذہانت آپ کو قدرتی طور پر ودیعت ہوئی ہے۔ اور شعر گوئی تو گویا ورثہ میں ملی ہے۔ بچپن ہی سے آپ کی نکتہ رس سخن فہم اور حساس طبیعت نے شعر گوئی سے کافی مناسبت پیدا کر لی ہے۔ آپ کی شعر گوئی کا یہ حال ہے کہ دورانِ گفتگو میں بھی آپ غزل کہہ لیتے ہیں۔ آپ کے کلام میں سلاست اور اثر ہوتا ہے۔

سہسرام کے نوجوان شعرا میں آپ کا درجہ بہت ممتاز ہے۔ نظم نثر، قطعات، رباعیاں غرض آپ سب کچھ کہتے ہیں۔ تاریخ گوئی میں بھی مہارت ہے۔ ایک مجلس میں حضرت شفق عمادپوری نے فرطِ کیف سے شگفتہ ہو کر فرمایا کہ حشر صاحب آپ کے اشعار تو مجھ جیسے ضعیف کو بھی نوجوان بنا دیں گے۔ حشر صاحب کی ندرتِ تخیل کے اعتراف میں یہ ایک واقعہ بہت کافی ہے۔ غرض آپ ایک مخصوص رنگ کے مالک ہیں۔ آپ ۲۰ اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت قبلہ علامہ مولانا سیماب مدظلہٗ کے شاگرد ہوئے سلسلۂ اصلاح ذریعۂ خط و کتابت قائم ہے۔ اس سے پہلے آپ نواب فصاحت جنگ حضرت جلیل مانکپوری سے اصلاح لیتے تھے لیکن وہ سلسلہ ناموافقِ مذاق تھا۔ مولانا سیماب مدظلہٗ کے فیضِ اصلاح سے آپ کے باطنی جوہر بہت جلد نمایاں ہو گئے اور اب آپ کا کلام حقیقت میں کلام ہو گیا ہے۔ شفیق استاد کی اصلاح کو آپ بطورِ خاص دیکھتے ہیں اور یہی چیز بلندیٔ فکر میں معاون ہوئی ہے۔

نمونۂ تغزل

جگر کا داغ اشکِ یاس سے دھویا نہیں جاتا
یہ ہے مشکل کہ پایا ہو وہ کھویا نہیں جاتا

دلِ مضطر ہو پہلو میں سلامت یہ تو اچھا تھا
تڑپ فن بھی نہ اب چین سے سویا نہیں جاتا

محبت نے کچھ ایسی پھونک دی دیدہ و دل میں
کہ دل روتا ہے لیکن آنکھ سے رویا نہیں جاتا

نہیں ٹپکا تھا جب آنکھوں سے ہم زن جوں تھی
یہ اک قطرہ تھا آنسو کا مرے دامن میں بیکاں تھا

تری الفت مجھ اک حال پر رہنے نہیں دیتی
کہ اب میں دل سے نالاں ہوں کبھی دل مجھ سے نالاں تھا

شبِ وعدہ نہ وہ آئے نہ دل کو حشر چین آیا
ذرا سی آس پر میں رات بھر کیا کیا پریشاں تھا

جاری ہیں آنسوؤں میں بن کر خونِ حسرت | دریائے عشق کے ہیں دو آبشار آنکھیں
مدہوش کر رہی ہیں بے خود بنا رہی ہیں | ساقی کی مست باتیں بادہ گسار آنکھیں
دل کی یہ آرزو ہے جب روبرو وہ آئیں | پر درد گار دیدے مجھ کو ہزار آنکھیں
ہے دفن آرزوئے دیدارِ دوست ان میں | ان عاشقوں کے ہیں گویا مزار آنکھیں

عجب دلچسپ ہے کیا کہیں کیا کیا نہ دیکھا | جہاں یار دیکھا جلوہ کون و مکاں دیکھا
پرستارِ تجلی نے وہیں اپنی جبیں رکھ دی | جہاں دھندلا سا اس نے پائے جاناں کا نشاں دیکھا
ترے جلوؤں سے ہے معمور کعبہ بھی کلیسا بھی | مگر اہلِ بصیرت نے جہاں جا کر جہاں دیکھا
مکاں میں جلوہ بار کی لامکاں مجھ کو نظر آیا | اسی دلچسپ نہیں دیکھا تماشائے تو دیکھا

حرم اب کون ہے دیکھو کہ آئی حشر تجلی نہ
یہی کیا کم ہے عبرت کیلئے جو خود عیاں ہیں

نمونۂ نظم
قشقۂ احمر

نہ پوچھ گرمیٔ حسن و جوانی کی فسوں کاری | کسی دن خرمنِ ہستی کو پھونکیگی یہ چنگاری
قیامت کا نمونہ ہے یہ عنوانِ طرحداری | اداؤں میں ہی جذب کی ہے معیار بیداری
مری حسرت کا شعلہ بن گیا ہے نقطہ کافر
ذرا میری نظر سے دیکھنا یہ قشقۂ احمر

نگاہِ شوق خونِ دل جبینِ یار تک پہنچی | بڑی مشکل تھی مرقد کی خونِ نگار تک پہنچی
نظر کیا میری اس عارضِ گلنار تک پہنچی | کہ اک دل سوز چنگاری دلِ بیمار تک پہنچی
سمٹ آئی ہے سرخیِ شفق اک بوند خون بنکر
ذرا میری نظر سے دیکھنا یہ قشقۂ احمر

جبینِ نازپہ یہ سرخ نقطہ نقطۂ رعنا | ہو جیسے مہرباں کی طشت پہ یاقوت کا ٹکڑا
حسینوں کا بھی کیا اعجاز ہے وہ موم سا نقطہ | جبیں کو چوم کر لعلِ بدخشاں کی طرح چمکا
لئے ہے دامنِ رنگیں میں لاکھوں حسن کے جوہر
ذرا میری نظر سے دیکھنا یہ قشقۂ احمر

یہ اک چھوٹا سا نقطہ کسقدر جذب آفریں ہے | کہ اک خاردریا موجزن کوزے کے اندر ہے
جبینِ بدرِ کامل پر فروزاں سرخ اختر ہے | بجاری کی نگاہوں میں یہی اعجاز کا گھر ہے
سمٹ کر ایک نقطہ بن گیا ہے حسن کا مندر
ذرا میری نظر سے دیکھنا یہ قشقۂ احمر

نظر آتا ہے یوں گھونگھٹ سے ان کا جا بجا نقطہ | کہ جیسے چادرِ مہتاب میں پھول لالہ کا
کوئی نکلا ہے ماتھے پر لگا کر سرخ سا ٹیکا | شہیدانِ محبت کا لہو لے حشر کام آیا
اسی نقطے میں اک دنیا کی بربادی کا ہے منظر
ذرا میری نظر سے دیکھنا یہ قشقۂ احمر

سید وجیہ الدین صاحب حشر سہسرامی کی غزل پر
حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی کی اصلاح

جو کسی کی یاد میں دیوانہ ہے | بے نیازِ کعبہ و بت خانہ ہے
میں خدا معلوم کس عالم میں ہوں | جب سے دل میں جلوۂ جانانہ ہے
تیری مست آنکھوں کو حسرت دیکھ کر | کون بیخود ہے کوئی دیوانہ ہے
لطفِ آزادی کہاں اس کو نصیب | جو اسیرِ گیسوئے جانانہ ہے
صحبتِ دوشیں کی ہر اک بات اب | خواب ہے بھولا ہوا افسانہ ہے
موجۂ گل کی بھی زنجیریں ہیں بار | کتنی نازک خاطرِ دیوانہ ہے
شمع اٹھی اٹھ گئے پردے تمام | [illegible]
منتشر ہے دو زلفوں کو ابھی | جو نظارہ ترا دیوانہ ہے
حشر بیچارے دلِ حرماں نصیب | گھر کا گھر ویرانے کا ویرانہ ہے

(۳۱) حفیظ — محمد حفیظ اللہ صاحب اکبرآبادی

آپ کا نام محمد حفیظ اللہ اور حفیظ تخلص ہے آپ کے والد صاحب کا نام منشی کریم اللہ صاحب قریشی تھا۔ بمقام آگرہ ہینگ منڈی، ۹ ذی الحجہ [illegible] مطابق ۹ اگست [illegible] بدھ کو آپ پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا صاحب مولوی امیر اللہ صاحب کے والد مولوی وزیر اللہ صاحب کی اصلی سکونت نجیب آباد میں تھی۔ وہ دربار اودھ میں خاص شاہ لکھنؤ کے مصاحب اعلیٰ تھے۔ دادا صاحب کی شادی اجمیر شریف میں ہوئی تھی اس کے بعد وہ آگرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کے بڑے بھائی عظیم اللہ صاحب نابینا ہو گئے تھے اس لئے شادی نہیں کی۔ آپ کے دو چھوٹے بھائی محمد احمد اللہ صاحب اور محمد حبیب اللہ صاحب موجود ہیں۔ آپ کی دو بہنوں اور ایک بھائی محمد حمید اللہ کا انتقال ہو گیا۔

ننہال کے تعلق سے آپ کے نانا ڈاکٹر محمد حسن صاحب کلکتہ کی سکونت رکھتے تھے بسلسلۂ تبادلہ یوپی اور راجپوتانہ میں تعینات ہوئے۔ اور وزیر علی صاحب بھی شاہ اودھ کے یہاں معزز ملازمان میں سے تھے سکونت لہرپور ضلع سیتاپور تھی۔ موصوف کے چار صاحبزادے مولوی ظہور احمد صاحب، ظہور حسن صاحب، ڈاکٹر محمد حسن صاحب، ڈاکٹر عنایت حسن صاحب ہوئے۔ ڈاکٹر محمد حسن صاحب سے حفیظ صاحب کی پھوپھی بیاہی گئیں اور وہ آگرہ اور چھاؤنی میں غالباً [illegible] تک خدمات متعلقہ انجام دیتے رہے۔ پھوپھا صاحب موصوف کے داؤد حسن اور نفیس حسن یونس حسن و یوسف حسن صاحب فرزند ہوئے۔ علاوہ بابو کفایت اللہ صاحب ساکن محلہ بابو گنج کی صاحبزادیوں سے منسوب کئے گئے بقیہ دوسری جگہ صاحبزادیوں میں سے بڑی رشید احمد صاحب بارایٹ لا الہ آباد دوسری ڈپٹی کنگر صاحب آگرہ کے فرزند سے تیسری حکیم شوکت علی صاحب خلف الطاف حسین صاحب شہر قاضی سے بیاہی گئیں۔ یہی الطاف حسن صاحب آپ کے پھوپا صاحب کی دوسری ہمشیرہ سے منسوب تھے۔ پہلی لہرپور میں تیسری فرخ آباد ظہور احمد صاحب انسپکٹر پولیس سے۔ آپ کے نانا جب چھاؤنی [illegible] میواڑ میں تبدیل ہوئے تو آپ کے ماموں منشی محمد علاؤالدین صاحب (عبد [illegible] صاحب دیوان) کی ملازمت بھی اسی جگہ ہو گئی اسی سلسلہ سے آپ کے نانا صاحب کی وفات کے بعد آپ کے والد صاحب بھی چھاؤنی [illegible] جہاں [illegible] کا سفر رہتا ہے تعینات ہوئے۔ یہ واقعہ [illegible] کا ہے۔ پھر [illegible] کے آخر میں چھوٹی سادڑی میواڑ کی عدالت میں ملازم ہو گئے۔

چنانچہ [illegible] میں آپ کو [illegible] اور عربی فارسی کی تعلیم کے علاوہ ہندی [illegible] [illegible] کو ریاست اندور کی پولیس میں [illegible] ہو گئے۔ [illegible] شاعری کے آغاز کا ہے۔ [illegible] قیام [illegible] اور میں حفیظ صاحب کو سوسائٹی اچھی ملی۔ گو چونکہ آپ کے والد صاحب کو آپ کی جدائی شاق تھی اس لئے [illegible] کے آخر میں چھوٹی سادڑی آ گئے اور اندور پولیس کے [illegible] یہاں کی عدالت میں [illegible] کی خدمت [illegible] [illegible] ضلع [illegible] ہو گئے اور [illegible] سب انسپکٹر پولیس کی خدمت انجام دیں یہاں کی ملازمت [illegible] کا [illegible] کے [illegible] جاتا تھا [illegible] کوئی ادبی سوسائٹی بھی نہ تھی جو ذوق شعری [illegible] چنانچہ شاعری میں بڑی رکاوٹیں پیدا ہوئیں تاہم یہ شغل جاری رہا [illegible] میں والد صاحب کی وفات کے بعد کچھ عرصہ کیلئے آپ نے شعر [illegible] جولائی [illegible] سے آپ نے وکالت شروع کی اسے بھی [illegible] مارچ [illegible] میں بیلون میواڑ میں [illegible]

اور اسی سال سپرنٹنڈنٹ پولیس بعد ازاں مجسٹریٹ باختیار سیشن جج ہو گئے۔ پیہم اور قابلِ رشک ترقیاں آپ کی خداداد ذہانت اور حسنِ انتظام کا بہترین ثبوت ہیں جب آپ کا قیام بیگون میں تھا تو نومبر ۱۹۲۲ء میں آپ حضرت قبلہ مولانا سیماب صاحب مدظلہٗ کی طرف متوجہ ہوئے مولانا موصوف نے بڑی محبت سے ۱۳ر نومبر ۱۹۲۲ء کو اپنے شاگردوں میں داخل فرمایا اس وقت سے ذریعہ خط و کتابت اصلاح کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جو مطبوعہ و غیر مطبوعہ ہیں جن میں۔ ماجرا بن ڈاکٹر اشتیاق بارا سے پولیس ۱۹۱۲ء میں۔ فقیر کی فال۔ نمونۂ عبرت۔ فانوسِ خیال۔ زمزمۂ سعد۔ نذرانِ حیا ۱۹۲۲ء میں دیوان ۲۲ غزل نعتیات کا مجموعہ ۱۹۲۸ء میں آفتابِ رسالت نظم و نثر مدحات حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ دوسرا آفتاب صداقت نثر علمی ادبی اخلاقی مضمون کا مجموعہ کلیات تقریباً ۱۰۰ نظموں کا مجموعہ۔ آفتابِ رسالت کا دوسرا ایڈیشن ۴۰۰ صفحہ کا غیر مطبوعہ ہے۔ نظم و نثر کے مضامین ۱۹۱۱ء سے اب تک اخبار و رسائل میں چھپتے رہے ۱۹۳۲ء سے شاعر میں آپ کی نظمیں کثرت سے شائع ہوتی رہتی ہیں۔ آپ کے صاحبزادے آفتاب شاد بھی ادیب ہیں اور مجھے حنیف صاحب کی مشقِ سخن کافی ہے۔ آپ نظم و نثر دونوں میں یکساں مہارت رکھتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

حنیف اس زندگی ذہنیت کی ہو پیاری ہو	آتی نہیں لیجائیگی قسمت۔ کہاں مجھ کو
محفل میں تری اِک شمعِ دنیا حیرتی	اب کون بتاتا ہے وہ عہد وفا تو بہ
ترا دیدار جو دولت نہیں دیکھوں	کو ہر ذرہ میں پایا تیرے سودائی نے
جگر کا خون ساقی جو کیا ذمہ کر دیا	وہ آئیں تو ہی پیمانہ نذرانہ میں رکھ دینا
ڈری اور ان کی جو ترا بت۔ دیکھا تاک	الٰہی اتنی قدرت دل کی پرواز میں رکھ دینا
پرستش کی ہے ہم نے آپ ہی کی مدت سے	جدائی پر خدا ہیں اور مرتے تھے لیکن یہ
وہ معروف ستم ہیں اور ہم مصروفِ رنج و غم	نہ وہ بیکار رہتے ہیں نہ ہم بیکار رہتے ہیں

شکوہ نہیں ہے کوئی شکایت نہیں مجھے	سوزِ فراقِ یار میں جلنا تھا جل گیا
فلک بھی سیکھ لے بجلی گرانا اسکو کہتے ہیں	قسم کھائی ہے شاید اپنے اب مسکرانے کی
لطف کچھ محفل میں تھا کچھ تیرے دیوانے میں تھا	حسن کو بھی رو دیا وہ درد افسانے میں تھا
دردِ دل دردِ جگر اور تمنائے وصال	کیسی مل جل کے میرے سر پہ بلائیں آئی ہیں
گلشن میں ہے کتنا نہ بہار آئی ہوئی سی	یوں بادِ صبا پھرتی ہے اترائی ہوئی سی
کچھ ہو نہ ہو غیروں نے کیا ہے انہیں برہم	یہ آگ رقیبوں کی ہے بھڑکائی ہوئی سی
شاید تجھے احساس جفاؤں کا ہوا ہے	قاتل تری آواز ہے تھرائی ہوئی سی
کیا تم نے شبِ ماہ نقاب اپنا اٹھایا	آتی ہے نظر چاندنی شرمائی ہوئی سی
دھوکا مجھے ہوتا ہے کہ شاید یہ گھٹا ہے	جب زلف نظر آتی ہے لہرائی ہوئی سی
وہ باغ سے نکلا تو چمن ہو گیا ویراں	ہے شکل ہر اک پھول کی مرجھائی ہوئی سی
وہ رشکِ تمنا ہے یہ فرقت میں جل کر	یہ وہی کہانی ہے جو دہرائی ہوئی سی

نمونۂ نثر

"شاہی نگہداشت"

اگر کوئی یہ کہے کہ نیکی بجائے خود اچھے کاموں کا، اور عمدہ عادات و اطوار کا ایک جوہر ہے تو اسے ہم سچ باور کریں گے۔ اسی کیساتھ ہمیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ہر او نچا درجہ رکھنے والے انسان کے عمدہ کارنامے جو تاریخ کی صورت میں ثبت کئے جاتے ہیں خواہ وہ دورِ حاضرہ سے متعلق ہوں خواہ دورِ ماضی سے تعلق رکھتے ہوں ضرور قابلِ یادگار ہوا کرتے ہیں مگر ہم اسے تسلیم نہیں کر سکتے کہ اولی الذکر کے بعد دوسرا شخص جو ہفت کشور کا مالک ہو اگر کوئی خراب سے خراب کام کرے اور ہر کام میں اسکے فتنہ و فساد و ظلم و ستم ہوں اور اسکی یادگار قائم رہے۔ کبھی ممکن نہیں۔

آج دنیا کی تاریخ بتا رہی ہے کہ ایسے نیک و بد دونوں کے کارنامے۔ برائی بھلائی دونوں موجود ہیں اگر ایک کو نیکی میں فوقیت ہے تو دوسرے کو بدی ظلم و ستم وغیرہ میں وہ وہ شہرت ملی ہے کہ جو شیطان کو بھی نصیب نہ ہو سکی چنانچہ وہ برائیوں کا مخزن کہا جا سکتا ہے اور اسکی بدی اسکی یادگار قائم کرتی ہے۔ اور ہر جناب جو نیک ہے وہ یاد کیا جا سکتا ہے اسی موقع پر اگر ہم تفصیل کیساتھ کچھ لکھیں تو ہمارا اصلی مطلب جس کے اظہار کیلئے ہم نے قلم اٹھایا ہے وہ فوت ہوتا ہے پس ہمیں بہت سی نیک ہستیوں میں سے صرف ایک کا ذکر کرنا ہے جس کا نام التمش ہے

www.taemeernews.com

پنڈت رام جوایا جہلمی

۳۲

آپ ۱۲ جنوری ۱۹۰۱ء میں سنگھوٹ ضلع راولپنڈی (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک معزز برہمن خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آبائی پیشہ زمینداری ہے۔ آپ کے والد گرامی پنڈت لشن داس صاحب بڑے خلیق اور ہر دلعزیز بزرگ ہیں۔

خداں صاحب کو علم و ادب سے فطری لگاؤ ہے۔ آپ بچپن ہی سے فردوسی کی طرح گھر کے سبزہ زاروں اور مرغزاروں پر شعر کہا کرتے تھے۔ گو تعلیم انٹرنس تک پائی ہے لیکن وسعتِ مطالعہ اس قدر ہے کہ انگریزی گفتگو سن کر کوئی شخص یہ نہیں سمجھ سکتا کہ آپ صرف میٹرک ہی پاس ہیں بلکہ علوم مغربی کے ماہر معلوم ہوتے ہیں۔ اردو و فارسی سے خاص لگاؤ ہے۔ خاندانی روایت سے سنسکرت اور برج بھاشا سے بھی بے بہرہ نہیں۔ پنجابی زبان تو آپ کی مادری زبان ہے۔ آپ اردو کے علاوہ پنجابی اور برج بھاشا میں بھی شعر کہتے ہیں۔ طالب علمی کے زمانہ میں جب آپ نویں جماعت کے طالب علم تھے اس وقت بھی راولپنڈی میں ایک کامیاب شاعر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اسی زمانہ کا آپ کا ایک شعر ہے

بھولی میرے سودا سے شہرت کسی کی + بڑھی میری خفت سے عزت کسی کی

حدودِ شعور میں قدم رکھتے ہی آپ کو بھی شیخ علی حزیں کی طرح دنیا کی سیاحت کا شوق ہوا۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء میں آپ ہانگ کانگ تشریف لے گئے چند دن بعد شنگھائی اور ساحل جاپان کی سیر کرتے ہوئے ٹوکیو پہونچے شعر و شاعری کے مشغلے سے وہاں بھی آپ غافل نہ رہے چنانچہ جاپان کے شہر "کوبی" میں ایک جاپانی شاعر کی ملاقات کے لئے گئے اور ایک مترجم کے ذریعہ دیر تک اس کے خیالات معلوم کرتے رہے اس کے بعد اپنے خیالات کا اثر اس پر ڈال کر اردو شاعری کا ایک مداح شہر کوبی (جاپان) میں پیدا کر آئے۔

چند وجوہ کی بنا پر آپ کو ٹوکیو سے واپس آنا پڑا۔ ہانگ کانگ سے آپ کو اپنے ایک عزیز دوست جناب قیس کی بیماری کی اطلاع ملی۔ جن کی عیادت کے لئے آپ واپس ہانگ کانگ تشریف لے آئے۔ تین ماہ ان کے پاس قیام کیا۔ لیکن ان کی علالت طول پکڑ گئی اور آپ کو ان کی معیت میں وطن واپس آنا پڑا۔ وطن پہونچتے ہی رفیق دوست کا انتقال ہو گیا جس کا اثر آپ کے دل پر برسوں رہا۔ اور اب بھی ہے۔

اس سیر و سیاحت کا ذکر آپ نے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے۔

چمن چمن کی مہک ہے ہوائیں بن بن کی + کہاں کہاں کی لطافت مری غبار میں ہے

مارچ ۱۹۲۲ء میں آپ ایک ایسے محکمے میں جسے علم و ادب سے ذرا بھی لگاؤ نہیں یعنی محکمۂ فوج میں کلرک کی حیثیت سے ملازم ہو گئے لیکن فطری ذوق کو جلا یہ باتیں کہاں دے سکتی تھیں۔ اتفاق سے اسی ملازمت پر آپ کی تبدیلی آگرہ جیسے مردم خیز شہر میں ہو گئی اور آپ کا [illegible] سال [illegible] قیام رہا۔ آگرہ میں رہ کر آپ نے شعر و شاعری میں کوئی نمایاں ترقی نہیں کی جس کا سبب شوقِ شکار کی فراوانی تھی اس فن میں ماشاءاللہ آپ نے یہاں تک مہارت بہم پہنچائی ہے کہ بارہ بور گولی Bullet سے اڑتے ہوئے جانور کا نشانہ باآسانی کر لیتے ہیں۔ لیکن باوجود اس شغل کے آگرہ میں آپ ذوقِ شعر و ادب سے بالکل بیگانہ نہ تھے۔ علمی رسائل اور کتب اکثر زیر مطالعہ رہتی تھیں۔ مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ گر خود جتنا چاہیے تھا اتنا نہیں کہہ سکتے تھے۔ عرصہ تک یوپی میں رہنے سے آپ کی زبان بہت کچھ منجھ گئی اب لہجہ بالکل زبان داں حضرات کا سا ہو گیا۔ چنانچہ اب آپ کو [illegible] دوسری [illegible] پر کافی عبور ہے

سات سال سے جہلم میں قیام پذیر ہیں۔ یہاں بھی ایک بزم [illegible] جس کے آپ سکریٹری ہیں۔ اوائل مشق میں ہندوستان کے مشہور اساتذہ کو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنا کلام دکھایا۔ عرصہ دراز سے آپ کو

www.taemeernews.com

حضرت علامہ مولانا سیماب سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں فاضل استاد کی رہنمائی میں نمایاں ترقی کی ہے۔ آپ نے جو اندازِ کلام اختیار کیا ہے وہ بہت شگفتہ اور بلند معیار ہے۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ عنقریب شائع ہونیوالا ہے۔

جناب خنداں کثیر التلامذہ بھی ہیں۔ پنجاب کے کئی نوجوان شعرا آپ سے استفادہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض کہنہ مشق شعرا بھی آپ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ تنقید نگاری کا خاص شوق ہے۔ آپ کے تلامذہ میں بعض حضرات رنگِ جدید میں خوب لکھتے ہیں۔ مثلاً جناب مشتاق اولی۔ جناب ہربنس لال صاحب تبسم جناب شیخ عبدالرحیم صاحب منصور جناب شانتی سروپ صاحب کیف۔ جناب سید ظفر احسن صاحب آصف۔ سید امانت حسین بخاری۔ جناب برکت رام صاحب آرام جناب سید نذیر حسن صاحب سبزواری صاحب نذیر۔ جناب لکشمی نرائن صاحب شرما داری لال صاحب تمنا۔ وغیرہ

خنداں صاحب کی نظم نگاری کے متعلق علامہ سیماب اکبرآبادی مدظلہ یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"عزیزی خنداں۔ دعا۔

میں آپ کی نظم نگاری سے بیحد مسرور و مطمئن ہوں خصوصاً اس لئے کہ آپ کے کلام میں اپنا رنگ جستہ جستہ پاتا ہوں۔ آپ کی ہر نظم "آگرہ اسکول" کی معیاری نظموں کا ایک شگفتہ اور اچھا نمونہ ہوتی ہے۔ چند سال کے عرصہ میں آپ نے میری اسپرٹ تعلیم پر غور کر کے جو رنگِ کلام اختیار کیا ہے وہ میرے اطمینان کے لئے کافی ہے۔ خدا کرے آپ یونہی ترقی کرتے رہیں۔ اور آپ کے ذہن و دماغ میں قوت مزید پیدا ہو۔"

دعاگو سیماب اکبرآبادی
۲۰ر جون ۴۴ء

نمونۂ تغزل

جگر کے داغ کی شمعیں جلا رہا ہوں میں — شبِ فراق چراغاں منا رہا ہوں میں
مجھے زمانہ نگاہوں سے کیوں گرائے گا — ہنوز نازِ کسی کے اٹھا رہا ہوں میں
یہ میری آہ کے شعلے یہ سیلِ اشکِ رواں — دیئے جلا کے ندی میں بہا رہا ہوں میں
امید و بیم کی بستی اجاڑ کر دل میں — ترے خیال کی دنیا بسا رہا ہوں میں
کچل رہا ہوں گناہوں کو اپنے سجدوں سے — غرور و کبر کی ہستی مٹا رہا ہوں میں
نگاہِ قہر سے ہے وہمِ التفات مجھے — تباہیوں میں ٹھکانا بنا رہا ہوں میں
نہیں ہے کوئی تو خنداں بہ شکلِ شمعِ مزار
خود اپنی موت پہ آنسو بہا رہا ہوں میں

اب پسند آئیں دوائیں نہیں دیوانوں کی — دھجیاں ڈھونڈتے پھرتے ہیں گریبانوں کی
سجدے کرتا ہوں میں چوکھٹ پہ صنم خانوں کی — کونسی بات ہے اب مجھ میں مسلمانوں کی
اسقدر جوشِ جنوں ہے کہ حرم والوں سے — پوچھتا پھرتا ہوں میں راہ صنم خانوں کی
خوگرِ دید بھی ہوں شوق کی دنیا بھی ہو — شمع کے بھیس میں تقدیر ہے پروانوں کی
جھلملاتے ہوئے تاروں کو یہ کیا سوجھی ہے — دیکھنے آئے ہیں دنیا مرے ارمانوں کی
شمع لائی ہیں تری بزم میں مطلب یہ ہے — یاد آئے تجھے بھولے ہوئے پروانوں کی
پھر کہاں لے کے چلی حسرتِ دیدار مجھے — پاؤں پر گرد ابھی باقی ہے صنم خانوں کی
تنگ ہے پھر بھی یہ دنیائے محبت خنداں
دل کے ہر ذرے میں وسعت ہے بیابانوں کی

دو دن کا ہے جوشِ جوانی — حسن بھی فانی عشق بھی فانی
اب نہیں کوئی رات سہانی — ولولۂ محبت، ہائے جوانی
رنگیں شام سنہری صبحیں — ہائے وہ میرا خوابِ جوانی
یادِ جوانی لائے تو آئے — لوٹ کر آئے گی نہ جوانی
ہجر میں اُن کے ساون آیا — خونِ جگر ہے پانی پانی
گریۂ پیہم سوزِ محبت — ایک جگہ ہیں آگ اور پانی
باعثِ گریہ پوچھ نہ مجھ سے — ہر آنسو ہے ایک کہانی
خنداں کیوں محفوظ نہ رکھوں
داغِ جگر ہے اُن کی نشانی

نہ پوچھ کتنا ہے تاریک گوشۂ تربت   یہیں ہیں جمع مری سب گناہ کی راتیں

کسی صورت سے اُن کو سامنے جلوہ نما کر دے   الٰہی! قسمتِ آئینہ آنکھوں کو عطا کر دے
چراغاں کرنے والے محسنوں کی بزمِ عشرت میں   کبھی مفلس کے غم خانے میں بھی روشن دیا کر دے
مذاقِ رہبری دے کاروانِ ہوش کو اپنے   مذاقِ شوق سے ہر راہرو کو رہنما کر دے

ہمارے جام میں وہ بادۂ سرجوش ہو خنداں
جو رندانِ خرابِ ہوش کو بھی پارسا کر دے

کھٹکتے ہیں مری ہر زخم میں صاحب کے نشتر   سنا تا ہوں نہیں ہوتی زخمِ دل کی لالہ کاری سے

آخری ہچکی ہے سمجھے ہوئے ہیں چارہ ساز   آخری ٹکڑا ہے میری آخری پیغام کا

ہر بگولہ دشت سے سوئے مزار آ ہی گیا   سوگواروں کی کشش سے سوگوار آ ہی گیا

ہر دم کی ٹھوکروں سے میں برباد ہو گیا   نہ رہگذر میں کسی کا مزار ہو

ہیں ایک وہ جنہیں ہے تمنا شباب کی   اک ہم کہ موت مانگ رہے ہیں شباب میں
خنداں نقاب ڈال کے آئیں وہ شوق سے   لیکن یہ چاند چھپ نہ سکیگا سحاب میں

خجستہ حالِ الفت ہیں ہمی برباد تجھ میں   تباہی ڈھونڈتی پھرتی ہے دنیا میں تباہی کو

نمونۂ نظم

"جہانِ عشق کی دیوالی"

جہانِ عشق میں غم لیکے آئی دیوالی   چراغِ داغ جلا کر منائی دیوالی
ہزار بار تماشا کیا چراغاں کا   سماں کچھ اور ہی ہے داغہائے خنداں کا
چراغ جس کو نہ ہوں تیل سے کبھی خالی   جہانِ عشق میں کہتے ہیں اسکو دیوالی

یہ داغِ دل ہیں یہ آنکھوں پہ جھلکتے ہیں   یہ وہ شرار ہیں جو رات بھر دہکتے ہیں
جگر کے خون کا روغن بنائے جاتے ہیں   چراغِ سوزِ محبت جلائے جاتے ہیں
مجال کیا کہ دلِ بیقرار سو جائے   وہ دل ہی کیا جو شبِ انتظار سو جائے
جو پھول بن کے اڑے داغِ دل بہاروں میں   تڑپ رہے ہیں وہ جگنو سے سبزہ زاروں میں
تحیرات میں ہے حیرتِ نظارہ گم   تجلیات میں ہے غرق محفلِ انجم
کسی کی یاد میں مجبوریوں سے رو نہ سکے   یہ داغ وہ ہیں جنہیں آنسوؤں سے دھو نہ سکے
بجھیں جو آہ سے وہ داغ دل کے داغ نہیں   ہوائیں جن کو بجھا دیں یہ وہ چراغ نہیں

فروغِ حسنِ ازل دیکھ دل کے داغوں میں
چراغِ طور کا پرتو ہے ان چراغوں میں

"شاعر اور ابرِ بہار"

یاد ہے اس شب کا نظارہ تجھے ابرِ بہار   دیکھ کر کالی گھٹا ہوتا کسی کا بیقرار
مجھکو جانا تھا تماشائے [illegible] کے واسطے   تجھ سے کہتا تھا ذرا تھم جا خدا کے واسطے
تو گرجتا گھومتا اور برق چمکاتا ہوا   سر پہ چھا آتا تھا میرے تیر برساتا ہوا
تو نے میرے راستے میں ایک جل تھل کر دیا   تشنۂ دیدار میرے دل پہ پانی پھر گیا
آج تو نے اپنی صورت پھر دکھائی ہے مجھے   آج پھر اُس واقعے کی یاد آئی ہے مجھے
آہ تو یہ چاہتا ہے میں تری منت کروں   تیرے قدموں پر نچھاور جذبۂ غیرت کروں
اب کہاں وہ اب نہیں مجھ کو کسی کا انتظار   نہ جانا ہے کہیں مجھ کو نہ میں ہوں بیقرار

سرخوش و سرمست از نگسار یار خیز و با
فرصتے دارم بخلوت تند باد و تیز با

ایک قومی نظم کے دو بند

قید تھا انسان جب تاریکی ظلمات میں   ساری دنیا غرق تھی جب جہل و گمراہی میں
سرزمینِ ہند روشن تھی الٰہیات سے   علم و عرفانِ الٰہی کی تجلیات سے
تشنۂ تسکیں تھا جب حقیقت سے جہاں   ہند میں تھے بادۂ توحید کے دریا رواں
سرزمینِ ہند تھی اک کائنات رنگ و آب   جس پہ تھی جلوہ فگن [illegible]
ہند کہتے ہیں جسے اک دیر کا مسند تھا یہ   نظم [illegible]

اس کا ہر ذرہ تھا اک طورِ جمالِ معرفت
اس کا ہر جلوہ تھا تنویرِ جمالِ معرفت

علم کی اور فن کی تھی تخلیق اس کی خاک سے
آسماں لیتا تھا غازہ اس کی گردِ پاک سے

کون ہیں ہم، اس کا کچھ احساس ہو جانا ہے
سطوتِ اسلاف کا کچھ پاس ہونا چاہیے

اب بھی ہیں خاکستر دل میں یہی چنگاریاں
اب بھی آتش در بغل ہیں سوختہ سامانیاں

آج گو ہم پائمالِ گردشِ افلاک ہیں
پھر بھی اک جلوہ ستانِ سوختہ کی خاک ہیں

خاک کے ذروں میں سیلابِ تجلیات ہے
انقلاب انگیز ابھی ہنگامۂ ذرات ہے

ولولوں میں جوش اور خوں میں حرارت ہے ہنوز
نظمِ عالم کو بدل دینے کی قوت ہے ہنوز

جنابِ پنڈت رام جوایا صاحب خنداںؔ جہلمی کی غزل پر حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہ کی اصلاح

خلوص و مہرِ احباب پہ آہ کرنے دے
مجھے فریب کی دنیا تباہ کرنے دے

بس اختتامِ محبت پہ آہ کرنے دے
مجھے امید و بیم کی دنیا تباہ کرنے دے

نظامِ بزمِ محبت کا جائزہ لے لوں
نہیں یقین کسے خبر ہے کوئی پھر نگاہ کرنے دے

یہ تلخ زہر ہے نعمت کہ ایک پردۂ دل میں
مجھے نشاطِ ہوس کو تباہ کرنے دے

نظر بہ رحمتِ حق کی گناہ گاروں پر
میں بدنصیب رہوں کیوں گناہ کرنے دے

نگاہِ ناز کو رکھ طور تک نہ تو محدود
یہ برق بھی ہو نہ لے ~~کمیت چمن~~ کو دنیا تباہ کرنے دے

ہوائے دید کو کچھ جرأتِ نظر دے دے
نثار جاں کو سرِ جلوہ گاہ کرنے دے

کمالِ ~~حسن نسبت~~ ...
کبھی ادھر بھی کسی کو نگاہ کرنے دے

میں جانتا ہوں کہ کس شے کی داد ملتی ہے
مشاعروں میں نہیں واہ واہ کرنے دے

نہ چھیڑ قیامت کے تذکرے خنداں
ابھی ہے عہدِ جوانی گناہ کرنے دے

www.taemeernews.com

خلیل — منشی عبدالستار خان صاحب کولاری (۴۲)

آپ کا نام عبدالستار خاں اور تخلص خلیل ہے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں آپ بمقام کولار پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی حیدر خاں تھا جو ایک زبردست تاجر اور قابل شخص تھے۔ خلیل صاحب کی کمسنی ہی میں والد صاحب کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا اور آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کی۔ آپ ایک اعلیٰ خاندان اور بزرگ وار فرد نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ سلسلۂ تعلیم شروع ہونے کے بعد آپ نے بتدریج اپنی ذہانت و ذکاوت سے ترقی حاصل کی۔ سب سے پہلے اردو لوئر سیکنڈری کا امتحان پاس کیا اس کے بعد انگریزی میں میٹرک کا امتحان عربی اور اردو (اختیاری) مضامین کیساتھ پاس کیا۔ چونکہ سرکاری ملازمت کے لئے موجودہ زمانے کے چند دیگر علوم مثلاً سائنس یا ٹائپ کرنا۔ یا شارٹ ہینڈ وغیرہ وغیرہ بھی ضروری ہیں اس لئے آپنے ٹائپ اور شارٹ ہینڈ اور فارلسٹری کے کورس کی تکمیل کی اور بہت جلد ان کا امتحان پاس کر لیا۔ آپ کی انگریزی بہت اچھی ہے اس کے علاوہ ٹائپ میں بھی آپ کو کمال حاصل ہے۔ آپ کی تحریر انگریزی اور اردو بہت خوشخط ہوتی ہے۔ حالانکہ جو لوگ ٹائپ کرتے ہیں وہ انتہائی خراب لکھتے ہیں۔ آپ گورنمنٹ میسور کے محکمۂ جنگلات میں کلرک اور ٹائپسٹ ہیں۔ تمام افسرانِ بالا آپ کے اخلاق اور کام سے بہت زیادہ خوش ہیں اور آپ کے پاس افسران کے عطا کردہ بہترین سرٹیفکٹ موجود ہیں۔

آپ بہت چھوٹی عمر سے شعر کہتے ہیں جب آپ پندرہ سولہ سال کے تھے اس وقت اس کی ابتدا ہوئی عرصے تک آپ حضرت واصل کولاری سے مشورۂ سخن لیتے رہے۔ لیکن جب حضرتِ واصل بہت بوڑھے ہو گئے تو آپنے یہ سلسلہ بند کر دیا اور اپنی ذاتی استعداد سے خود ہی اپنا کلام بعد انتخاب ہندوستان کے مشہور رسائل و اخبارات کو بھیجتے رہے۔

آپ کو مدت مدید سے ایک استاد کامل اور خضرِ راہ کی تلاش تھی۔ انتہائے تجسس اور غور و فکر کے بعد آپ نے حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی کو اس رہبری کے لئے منتخب فرمایا۔ اور اپنا کلام برائے اصلاح بھیجنا شروع کر دیا۔ اصلاح کا سلسلہ ذریعۂ خط و کتابت جاری ہے اور آپ دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔ آپ کے دل میں اپنے استادوں کی محبت اور قدر و منزلت انتہا سے زیادہ ہے۔

آپ کے پاس اردو۔ فارسی۔ عربی اور انگریزی زبان کی کتابوں کا ایک زبردست ذخیرہ ہے۔ جس میں اد ۔ آرٹ اور تنقید کا حصہ بہت زیادہ ہے۔ جتنی کتابیں آپ کے یہاں ہیں وہ شہر میں اور کسی کے یہاں نہیں ہیں۔ آپ کو ادب سے فطری لگاؤ ہے۔ جب آپ دفتر سے واپس آتے ہیں تو بجز مطالعہ کے اور کچھ نہیں کرتے۔ ان کتابوں کے علاوہ ہندوستان کے مشہور اخبار و رسائل بھی آپ کے یہاں آتے ہیں۔ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ انتہائی غور و فکر کیساتھ۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ کو کسی کی دلشکنی منظور نہیں۔ آپ اس شعر کے پیرو ہیں۔

کعبہ کے ڈھانے والے وہ اور لوگ ہوں گے

ہم کفر جانتے ہیں دل توڑنا کسی کا

پرانی شاعری سے آپ کو نفرت ہے۔ جدید رنگِ تغزل کے حامی اور عامل ہیں۔ آپنے اپنی غزلوں کا مجموعہ "گلبانگِ خلیل" کے نام سے مرتب کیا ہے جو عنقریب شائع ہونیوالا ہے۔ آپنے شہنشاہ جارج پنجم کی جوبلی پر ایک بے مثل قصیدہ لکھا تھا جو انتہا سے زیادہ پسند کیا گیا اور آپ کو ایک بہت پر زور سارٹیفکٹ بھی اس سلسلہ میں ملا۔

شہر میں آپ عزت و وقار کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ کولارین کا دم غنیمت ہے۔ علمی و ادبی مجالس میں آپ کو لوگ بہ اصرار بلاتے ہیں اور آپ علم دوست و ادب شناس طبقہ میں ایک خاص پوزیشن کے حامل ہیں۔ آپ غزل زیادہ کہتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

دل مرا حسن کا پروانہ بنا یا نہ بنا آپ کیا کہتے ہیں دیوانہ بنا یا نہ بنا
بجلیاں تاک میں رہتی ہیں جلانے کیلئے باغ میں کاشانہ بنا یا نہ بنا
دور ساغر نہیں معلوم کب آئے مجھ تک لبِ تشنہ خود پیمانہ بنا یا نہ بنا
یاد بھی کوئی نہیں مرگ کریں یا نہ کریں میری روداد کا افسانہ بنا یا نہ بنا
ایک سی آپ کی غفلت میں سو ہے زاہد دیر و کعبہ کی بتخانہ بنا یا نہ بنا
لطفِ مے نوشی بیاں کیوں نہ اٹھا ہو واعظ باغِ فردوس میں میخانہ بنا یا نہ بنا
لطف تو جب ہے کہ ہو سوزِ حقیقی دل میں ورنہ بیکار ہے پروانہ بنا یا نہ بنا
دل ہو روشن مرا اس شمعِ رسالت سے خلیل گھر سرا نور کا کاشانہ بنا یا نہ بنا

خدا کی خدائی میں کیا دیکھتا ہوں تجھی کو میں جلوہ نما دیکھتا ہوں
زمانے کی بدلی ہوا دیکھتا ہوں عجب انقلابِ فضا دیکھتا ہوں
جبیں پر نہیں میری نخوت وہاں سے جہاں میں ترا نقشِ پا دیکھتا ہوں
نمایاں ہے ہر چیز سے حسنِ قدرت بتوں میں بھی شانِ خدا دیکھتا ہوں
شرابِ حقیقت پلا دے تو ساقی عیاں رازِ حسنِ بقا دیکھتا ہوں
خلیل اب یہ پردہ اٹھا کر خودی کا
جدھر دیکھتا ہوں خدا دیکھتا ہوں

لب پہ جب ذکرِ یار آتا ہے میرے دل کو قرار آتا ہے
چشمِ ساقی کو یاد کرتا ہوں مجھ کو جب دم خمار آتا ہے
ہجر ہے تو اب نہ جانے دو دل کہیں بار بار آتا ہے

آج مسجد سے میکدے کو خلیل
اک پرہیزگار آتا ہے

ہر ایک گام پر اس میں خوباریاں ہیں عجب باغِ الفت کی گلکاریاں ہیں
خبر دل کو ہے بیخودی میں بھی ان کی یہ بیہوشیاں ہیں کہ ہشیاریاں ہیں
علاج ان مریضانِ الفت کا کیا ہو یہ بیماریاں دل کی بیماریاں ہیں
وہاں ان کو آنے کی فرصت نہیں ہے یہاں جان جانے کی تیاریاں ہیں
بجھے گا نہ کیوں اے خلیل آپ کا دل
دبی اس میں الفت کی چنگاریاں ہیں

تو جو مشتاق ہے ستانے کا دل کو ہے شوق تیر کھانے کا
کام فرقت میں رہ گیا ہم کو خونِ دل آنکھ سے بہانے کا
دل ہے بیزار سیرِ دنیا سے منتظر ہوں قضا کے آنے کا
آج کل عیب ہو گیا ہے ہنر آہ کیا دور ہے زمانے کا
حسنِ معنی کسے دکھائیں خلیل
رنگ ہی اور ہے زمانے کا

دلِ درد آشنا ہے اور میں ہوں تڑپنا وطیرا ہے اور میں ہوں
مرے سازِ تخیل کی صدا میں نیا کیفِ بقا ہے اور میں ہوں
قیامت میں قیامت کا ہے ساماں مرا محشر جدا ہے اور میں ہوں
ستائی ہے بہت بربادیِ دل غضب کا سامنا ہے اور میں ہوں
نہ دستِ شوق نے پائی طلب بھی دلِ بے مدعا ہے اور میں ہوں
کھلا لطفِ ستم کا راز مجھ پر مرا شوقِ جفا ہے اور میں ہوں

داغِ فراقِ دوست ہوئی اس قدر نصیب سینہ ہمارا غیرتِ گلزار ہو گیا
اک بے وفا کی یاد میں دم بھر نہیں قرار یارب میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا
برقِ جمالِ یار کے پرتو سے اے خلیل
میرا ہر ایک شعر شرربار ہو گیا

خادم — منشی غلام محی الدین صاحب بھڑوچی (۴۴)

آپ کا نام غلام محی الدین اور خادم تخلص ہے۔ یکم اپریل ۱۹۰۵ء میں بمقام شہر بھروچ (گجرات) پیدا ہوئے۔ اور یہیں آپ نے تعلیم پائی۔ اردو اسکول بھڑوچ سے آپ نے گجراتی اور اردو ورنیکلر کا فائنل امتحان پاس کیا۔ چونکہ آپ ایک قابل اور مدبر آدمی ہیں اس لئے اسی اسکول میں جس سے کہ آپ نے امتحانات پاس کئے تھے بحیثیت مدرس ملازم ہو گئے۔ اور گجراتی مادری زبان ہوتے ہوئے اُردو میں ایسی دستگاہ حاصل کی کہ اسکول میں اسی زبان کا درس دیتے ہیں۔ اردو گجراتی کے علاوہ آپ نے تھوڑی سی انگریزی بھی پڑھی ہے فارسی سے آپ کو بہت لگاؤ تھا لیکن معاشی افکار نے اس طرف زیادہ توجہ دینے کا موقع نہیں دیا۔ البتہ آپ نے اپنے چچا صاحب سے گھر ہی پر اس زبان کو بھی حاصل کیا اور مطالعہ سے اپنی قابلیت میں ایک غیر معمولی اضافہ کر لیا۔

خادم صاحب نہایت خلیق اور منسار بزرگ ہیں۔ زمانہ کے جور و استبداد نے آپ کو بہت کچھ جھنجوڑا ہے لیکن آپ سکونِ قلب اور استقلال کیساتھ ہر آنیوالی افتاد کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے انٹرمیڈیٹ میں تعلیم پا رہے ہیں۔ خادم صاحب بھڑوچ کے ایک معزز خاندان کے رکن ہیں اور شہر میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

آپ کو شاعری کا شوق ۱۹۲۳ء سے ہوا۔ ابتداً آپ کا کلام (غیر اصلاحی) ملک کے مشہور رسائل شلاً حسن ادب میرٹھ جلوۂ یار میرٹھ جن خیال میرٹھ سلیم پور نگ میرٹھ میں بھیجتے رہے۔ ۱۹۳۱ء میں اپنی اصلاح کے لئے آپ کی نگاہ مولانا سیماب اکبر آبادی مدظلہ پر پڑی۔ اور آپ نے اپنی درخواست مولانا کی خدمت میں بھیجدی قبلہ مولانا نے خادم صاحب کی درخواست پر منظوری دیدی اور سلسلۂ اصلاح شروع ہو گیا۔ خادم صاحب کو اس کا احساس بہت زیادہ ہے کہ استادِ محترم کے فیض سے آپ کا معیار برابر ابھر رہا ہے۔ اور استعداد شعری میں گلگونہ ترقی ہو رہی ہے۔ آپ کو اپنے استاد سے بہت عقیدت ہے جس کا ثبوت وہ بھڑوچ کی ادبی انجمنوں میں دیتے رہتے ہیں۔ آپ بہت سادہ اور رنگ جدید و قدیم کے امتزاج کے ساتھ لکھتے ہیں۔ چونکہ خیالات میں تنوع ہے اس لئے ہر مضمون کو اچھا نبھا جاتے ہیں۔ آپ کا کلام ستارہ اور دیگر رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

نمونۂ تغزل

ستم کے ہیں ابھی آثار پیدا ان کی چتون سے
جب آتے ہیں تو چھا جاتی ہیں تیوریاں [illegible]

سنبھل کر پھیرنا تلوار قاتل میری گردن پر
کہیں لپٹا نہ ہو [illegible]

کہاں کی [illegible] کس [illegible] تھا
[illegible]

نویدِ قتل دیکر یوں کیا یادوں اے قاتل
[illegible] میری حسرتوں کا [illegible]

ادھر ہم مر رہے ہیں [illegible]
اُدھر بیٹھے ہیں [illegible]

جو وہ گاہ دل کسی کی جلوہ گاہ [illegible]
[illegible]

ہم نے [illegible]
[illegible]

دل ہی دل میں [illegible]
[illegible]

باعثِ تسکین ہو میری [illegible]
[illegible]

دیکھ پہلو میں [illegible] کر گئی
کیا [illegible] نگاہِ ناز کی

اُس سے لے دل کیوں ہو [illegible]
[illegible]

ناوک اندازی کا اپنی لطف [illegible]
اس کا کچھ لذت چشیدہ خادم [illegible]

[illegible]

ہم عشق کے بندوں کو یہی فرمان ملا ہے
سر کعبے میں رکھ دینا بتخانہ میں رکھ دینا

مجھے روبرو بلاتے تو زباں ہی لطف آتا
دوسری زباں کی سنتے مری درد کی کہانی

بار دگر کسی سے توبہ کراں مگر یہ ڈر ہے
نیت بدل نہ جائے پھر دیکھ کر گھٹائیں

ضبطِ فغاں سے اور بھی آتشِ فراق
آنسو رکے تو آگ لگی جسمِ زار میں

کچھ ایسی جادو بیانی تھی اُن کی اے خادم
وہ دل کو لے گئے ہم محوِ گفتگو میں رہے

جس سے میری روح بالیدہ ہو تا صبحِ حشر
کر عطا ساقی تو وہ ساغر مئے گلفام کا

یہ ریاکارانہ طاعت اور یہ دعوائے زہد
لب پہ نام اللہ کا دل میں خیالِ اصنام کا

کاش کوئی انقلاب آئے جہانِ عشق میں
منتظر بیٹھا ہوں کب سے گردشِ ایام کا

سر پہ رکھ کر ہاتھ اب روتا ہے خادم کس لئے
کیوں خیال آیا نہ پہلے عشق کے انجام کا

پرستش گاہِ عالم ہی اگر اسکو بنانا ہے
تو اپنی ایک تصویر آئینہ خانے میں رکھ دینا

جناب منشی غلام محی الدین خادم بھڑوچی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

برق کو شوق ہے جلانے کا
(اب) ہے خدا حافظ آشیانے کا

لب پہ ہے آہ دل میں داغِ فراق
یہ نتیجہ ہے دل لگانے کا

آہ وہ لمحہ، آہ وہ منظر
~~کیا کہوں حال ہمنشیں تجھ سے~~
دفعتاً دل کسی پہ آنے کا

یہ طریقہ بھی خوب ہے ظالم
دل چرا کر نظر چرانے کا

[illegible]
~~ایک بوسہ ہی کاش مل جاتا~~
اک طواف اُن کے
~~مجھ کو جاناں کے~~ آستانے کا

[illegible] رنگا رنگ
~~رنج و اندوہ و یاس سے لبریز~~
(اک) ہر ورق ہے مری فسانے کا

(مخصوص) (نہیں)
~~نہیں مخصوص~~ حسن پر خادم
ہے عجب ڈھنگ دل کے آنے کا

www.taemeernews.com

دردؔ　عبدالرشید صاحب اکبرآبادی　۴۵

جناب دردؔ کا وطنِ خاص اکبرآباد ہے۔ آپ ایک معزز خاندان کے ہونہار اور قابل فرد ہیں۔ آپ کے دادا صاحب کا اسم گرامی مولوی عبدالغفور صاحب تھا اور والد محترم کا نام نامی مولوی عبدالشکور صاحب اکبرآبادی ایم اے۔ بی ٹی ہے۔ چونکہ آپ کو ایک تعلیم یافتہ اور مہذب خاندان سے لگاؤ ہے جو علم و ادب کا مخزن رہا ہے اس لئے آپ کی تعلیم بھی ان ہی اعلیٰ لائنوں پر ہوئی جس کی ضرورت تھی۔ اوائل عمر میں اُردو و فارسی کی تعلیم گھر ہی پر ہوتی رہی۔ چونکہ آپ کے دادا صاحب کا قیام بیاست اورچھہ بند ہلکھنڈ میں تھا اس لئے ان ہی کے زیر سایہ اردو فارسی کی تعلیم باقاعدہ حاصل کی اور استعداد وقتی کے بعد آپ کو انگریزی تعلیم کی طرف رجوع کیا گیا ۱۹۳۳ء میں آپ نے انٹرینس کا امتحان پاس کیا۔ چونکہ تعلیم حاصل کرنا آپ اپنا فرض منصبی اور اقتضائے فطرت سمجھتے ہیں اس لئے ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور عنقریب آپ انگریزی کا اعلیٰ امتحان دینے والے ہیں۔

خاندانی اثر اور فطری ذوق کی بنا پر آپ کو شعر و سخن سے ہمیشہ شغف خاص رہا ہے اوائل عمری سے اس دنیا میں قدم رکھ چکے ہیں۔ تکمیل شوق کیلئے ریاست اورچھہ کے مشہور شاعر جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب مضطرؔ سے شرف تلمذ حاصل کیا لیکن اورچھہ چھوڑنے کے بعد جب آپ کا مستقل قیام آگرہ میں ہوگیا تو اصلاح کا سلسلہ بند ہوگیا اور آپ کو تشنگی شوق بجھانے کے لئے کسی نئے رہبر کی ضرورت ہوئی۔ آپ اکثر مولانا سیمابؔ مدظلہٗ کا کلام بہت دلچسپی اور غور و فکر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ آگرہ آنے کے بعد مولانا سے نیاز حاصل کرنے کا موقع تلاش کرتے رہے ایک دن دوران گفتگو میں آپ کے کرمفرما جناب لے۔ بی فلپس صاحب صابرؔ بی اے نے بھی آپ کی رائے سے اتفاق کیا اور فرمایا کہ اگر واقعی آپ کو شاعری سے ذوق ہے اور اس ذوق کو حدِ کمال تک پہونچانا چاہتے ہیں تو مولانا سیمابؔ سے بہتر آپ کو کوئی دوسرا رہنما نہیں ملے گا۔ چنانچہ ایک دن صابرؔ صاحب خود دردؔ صاحب کو مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں لائے اور چونکہ صابرؔ صاحب بھی مولانا کے عقیدت کیشوں میں ہیں اس لئے ان کی سفارش سے دردؔ صاحب مولانا مدظلہٗ کے تلامذہ میں داخل ہوگئے۔ ابھی آپ کو اصلاح لیتے ہوئے صرف ایک سال ہوا ہے جس کے متعلق آپ خود تحریر فرماتے ہیں۔

"تقریباً ایک سال سے میں مولانا سیمابؔ مدظلہٗ کے خوشہ چینوں میں ہوں۔ مولانا کے قیمتی مشوروں نے مجھ کو اپنے گزشتہ دورِ شاعری سے علیحدہ کر کے ایک نئی اور لذیذ دنیائے شاعری میں پہونچا دیا ہے جہاں میں پانچ ماہی دہال کی شاعری میں بے انتہا لطف پاتا ہوں۔ اس ترقی کا مدار میری ذاتی استعداد نہیں بلکہ مولانا مدظلہٗ کے فیض اور ان کے زرین مشوروں پر ہے"

مندرجہ بالا جملوں میں دردؔ صاحب نے جس حقیقت کا اظہار کیا ہے وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔ مولانا مدظلہٗ کا فیضِ سخن تھوڑے ہی عرصہ میں بہت کچھ کر دیتا ہے۔ حقیقتاً دردؔ صاحب کا ذاتی رجحان اور ذوق بھی ہے۔ آج دردؔ صاحب اس مقام پر ہیں جہاں لوگ برسوں کی مشق کے بعد بھی نہیں پہونچتے۔ ایک سال میں یہ انقلاب فضل استاد اور قابل شاگرد کی ایک زندہ مثال ہے۔ اور مستقبل دردؔ صاحب کی ترقیوں سے چمکتا نظر آتا ہے۔ دردؔ صاحب کی شاعری پر مندرجہ بالا چند سطریں روشنی ڈالنے کیلئے کافی ہیں اس لئے کسی مزید توضیح کی ضرورت نہیں۔ آپ نظم و غزل دونوں اصناف پر طبع آزمائی فرماتے ہیں۔ آپ بہت زیادہ خوددار اور ذکی الحس واقع ہوئے ہیں۔ سیمابؔ لٹریری سوسائٹی آگرہ کے نائب سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔

نمونۂ تغزل

طور کعبہ اگر جلوہ ... [illegible]　　بیخودی مجھ کو ... [illegible]

ہوش میں ڈھونڈنا تیرا گر آساں ہوتا — تو مری ہوش میں، بے ہی کا بھی امکاں ہوتا
یاد رہتا جو تجھے ماتمِ عہدِ ماضی — عشرتِ حال کی دھن میں نہ پریشاں ہوتا
ہوش ہوتے ہوئے منزل پہ پہنچنا معلوم — مرکزِ ہوش سے آگے کوئی امکاں ہوتا
بحرِ ہستی کے تلاطم سے بچانے کیلئے — ناخدا بھی کوئی پروردۂ طوفاں ہوتا

کچھ دیر کیلئے پھر دنیا کو بھول جائیں — جب تک وہ سامنے ہیں ہم ہوش میں نہ آئیں

کچھ یاد تو ہے اک خواب سا دیکھا تھا — جب اپنے ہی جلوے تھے اپنا ہی تماشا تھا
آغوش میں پھولوں کی جرأت کو سویا تھا — دن ہوتے ہی وہ قطرہ بھی دریا تھا
اور محبت اک تصویرِ دو رخ تھی — یا حسن تماشا تھا یا عشق تماشا تھا
اے وردِ نظر میری معمورۂ وحشت تھی
سب کو مری تو سے اندازہ ہوا تھا
پھولوں میں نگاوٹ کی خوشبو ہی نہیں آتی — ہم خار سے سیکھیں گے آدابِ شناسائی

اگر کلیاں چٹکتی ہیں سمجھتا ہوں کہ تو آیا — تری پیکر میں آئے گا نظر یہ گلستاں کب تک

چھلکنے ہی نہیں دیتے وہ پیمانہ بروں سے — یہ کس کے ہاتھ میں ہے قسمتِ میخانہ بروں سے
یہ وہم و گماں کی بحثیں ختم ہی جاتی ہیں — مکمل ہی نہیں ہوتا مرا افسانہ بروں سے
شناساؤں میں رنج ہجر ہوا ایسا غضب کیا — ہوس کی حد سے آگے ہو ترا دیوانہ بروں سے

جہاں ہی تو وہیں کعبہ مری خودی نہیں — مقامِ حشر میں اصلاح چاہتا ہوں میں
اڑا نہ رہی ہے ہر اک سانس کے نثار ہو — شدہ شدہ تری نزدیک آرہا ہوں میں

نمونۂ نظم

ز کسی سے

یاد ہیں وہ دن جب ارمانِ تماشا تھا مجھے — شکوۂ بیداد کرنا بھی نہ آتا تھا مجھے
جب تری نظروں سے ملتا تھا پیامِ زندگی — جب میں تھا ناواقفِ غمہائے شامِ زندگی
جب تری آواز کی نغموں سے دل معمور تھا — جب میں اپنی مستیٔ پر کیف پر مغرور تھا
جب تری معصوم آنکھوں میں چھلکتا تھا شباب — جب تری خاموشیاں تھیں آرزوؤں کا جواب
جب تری ہلکے تبسم کی تھی مجھ کو آرزو — جب میں تیری بادۂ الفت پیا کرتا تھا تو
جب تصور میں مری تیری آ جاتا تھا تو — جب نگاہیں چار ہو جانے سے شرماتا تھا تو
جب تری معصومیت تھی آشکارا ہر طرح — جب مجھے تیری محبت تھی گوارا ہر طرح
جب تری فطرت میں تھی نا آشنائی ماسوا — جب نہ ہوتا تھا کسی بات پر مجھ سے خفا
جب کہ تو اور صرف تو ہی انتخابِ دہر تھا — جب تری ہلکے تبسم میں شباب درد تھا
جانے کس سے سیکھا انداز بیدادِ ستم
ذبح تھا مجھ کو کیا کیوں آشنائے درد و غم
تو یہ کہتا تھا کہ تجھ سے ناسمجھ دل میں ہو — کعبہ دل میں دیر دل میں اور مسجد دل میں ہے
تو یہ کہتا تھا کہ دل اس ظلم کا عادی نہیں — تو یہ کہتا تھا کہ اس نے کچھ خطا کی ہی نہیں
تو یہ کہتا تھا کہ یہ جام سے معمور ہے — تو یہ کہتا تھا کہ اس میں تو ہی تو موجود ہے
جامِ جم تھا پھر بھی تو نے قدر اس کی کچھ نہ کی
"قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری"
تیرے اس انداز کا شکوہ کیا تو کیا کیا — جس کی فطرت ہی ہمیشہ سے رہی ہو بے وفا
میں سمجھتا تھا کہ تو ہے دل کا بیڑے ناخدا
فی الحقیقت بحرِ غم کا ناخدا کوئی نہ تھا

رباعیات

یا حسن کا ہے شیشہ دار رہنا اچھا — ہر نقش کا آشکار رہنا اچھا
اک قسم کا جو کام ہی ریائی نیکی — اس سے تو گنہگار رہنا اچھا

مرنے کو حیاتِ جاودانی سمجھے — ہر عیش و مسرت کو کہانی سمجھے
جو وقت کسی کو غم میں موت آ جائے — اس ساعتِ نیک کو جوانی سمجھے

(راز) ابوالفاضل محمد صادق صاحب چاندپوری (۳۶)

آپ کا اسم گرامی محمد صادق اور راز تخلص ہے۔ والد محترم کا نام منشی حافظ محمد جعفر تھا جو ایک بزرگ ہستی تھے۔ آپ کے دادا شیخ نذر محمد صاحب بہت باوقعت اور صاحبِ حیثیت آدمی تھے پردادا شیخ فتح محمد صاحب صوبیدار تھے۔ آپ ۵ ، رشعبان ۱۳۲۱ھ کو قصبہ چاندپور ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابوالفاضل آپ کی کنیت ہے جو سب سے بڑے صاحبزادے محمد فاضل کی ولادت کے بعد بطور یادگار آپ نے اختیار کی اور اب یہی جزو نام ہو گئی ہے۔

راز صاحب بچپن ہی سے کچھ اس درجہ ذہین و طبّاع واقع ہوئے تھے کہ سب کو حیرت ہوتی تھی۔ آپ نے بہت کم عمر میں اردو و فارسی کی متعدد کتابیں ختم کر لیں۔ گو آپ کی تعلیم کی طرف اتنی زیادہ توجہ نہیں دی گئی جتنی کہ ضرورت تھی لیکن آپ چونکہ ایک غیر معمولی دل و دماغ لیکر آئے تھے اس لئے فطرت نے خود تعلیم کے بہترین اسباب پیدا کر دئے۔ انگریزی اردو اور فارسی کی تعلیم ارتقائی لائنوں پر آپ کے باقاعدہ حاصل کی۔ اور اختتامِ تعلیم کے بعد معاشی فکروں کیساتھ ساتھ مطالعہ کو بھی جزوِ زندگی بنائے رکھا۔ اردو فارسی۔ اور انگریزی کے علاوہ ہندی و عربی میں بھی کافی مہارت پیدا کر لی۔ اس کے بعد آپ ایک عرصہ تک ریلوے میں ملازم رہے اور آپ کا قیام کانپور جیسے ادبی ماحول میں رہا۔ ریلوے کی ملازمت چھوڑنے کے بعد اب عرصۂ دراز سے جبلپور میں سرکاری ملازم ہیں۔

جس مقام سے راز صاحب کو وطنی نسبت ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں بجنور کے خطے نے کیسے کیسے اعلیٰ دماغ پیدا کئے تاریخ اسکی شاہد ہے اگر اُس سرزمین نے راز جیسا مشہور و معروف ادیب بھی ملک کے سامنے پیش کیا تو کوئی تعجب ناک بات نہیں لطف تو یہ ہے کہ راز صاحب اپنی انتہائی معروفیتوں اور زمانے کی گردشوں کے باوجود بھی خدمتِ اد... کے لئے کمربستہ رہے۔ آپ کی چالیس سالہ زندگی نے سینکڑوں کروٹیں بدلیں اور گو تمام عمر آپ اُس طرف کامل توجہ نہ دے سکے جس کے لئے فطرت نے آپ کو پیدا کیا تھا۔ لیکن پھر بھی دنیا کے سامنے اپنے اصلی روپ میں پیش ہوئے۔

آپ شاعر بنائے نہیں گئے بلکہ فطرت نے آپ کو شاعر پیدا ہی کیا تھا۔ زمانۂ عہدِ طفلی ہی سے آپ کے ذوقِ شعری میں ابھار پیدا ہو چلا تھا۔ لیکن حقیقی شعرگوئی ۲۵ ، رجولائی ۱۹۱۸ء سے شروع ہوئی جب کہ آپ اپنے استاد علامۂ عصر حضرت مولانا سیماب (مدظلہ) کے دامنِ فیض سے وابستہ ہوئے۔ استادی شاگردی کے درمیان ایک چیز ذاتی استعداد بھی ہوتی ہے جس پر استاد کی نظر جلا کرتی ہے اور وہ جلا پھر ایسی ہوتی ہے کہ تاقیامت رہتی ہے۔ جس اچھی طبیعت کو سیماب (مدظلہ) جیسا استاد بے مثل ملے وہ بھلا کہیں دنیا میں بغیر آگ لگائے رہ سکتی ہے؟ برادرِ محترم حضرت راز چاندپوری نے شفیق استاد کی رہنمائی میں بہت جلد ابتدائی مراحل طے کر لئے اور ایک اتنے کم عرصہ میں جس میں کہ صرف شعرگوئی میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ آپ تمام اصنافِ سخن سے اچھی طرح واقف ہو کر معراجِ ترقی پر پہونچ گئے۔ آپ اپنی ایک غزل میں اس طرح فرماتے ہیں۔

سیکھی ہے راز میں ذی سیماب نکتہ داں سے
یہ رمز شعرگوئی یہ طرزِ خوشنوائی

موجودہ دور میں راز صاحب کا کیا درجہ ہے یہ ہر اُس شخص پر ظاہر ہے جسے اد... اردو سے ذرا بھی تعلق ہے۔ ہندوستان کا کوئی ا... اخبار یا رسالہ ایسا نہیں جس میں آپکا کلام نظم و نثر نہ چھپ چکا ہو۔ ... رسائل

www.taemeernews.com

آپ کا کلام بصد اصرار منگاتے ہیں اور اس باب میں آپ جس درجہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ دوسروں کی نگاہ میں کچھ بھی ہو لیکن اس سے رازؔ صاحب کی شہرت سے بے نیازی اور انکسار کا انتہائی درجہ معلوم ہوتا ہے۔ مشاعروں کی شرکت سے بھی آپ بھاگتے ہیں۔ غرض یہ نہیں چاہتے کہ کسی طرح دنیا کے سامنے متعارف ہوں لیکن گلاب کی مہک پس پردہ بھی نہیں چھپتی اسی طرح رازؔ کے کلام کی خوشبو آج ہندوستان میں مہک رہی ہے جسے وہ چھپانے کی انتہائی کوشش کرتے ہیں لیکن ناکام رہتے ہیں۔

رازؔ صاحب صرف ایک بلند پایہ غزل گو ہی نہیں ہیں بلکہ آپ کی نظمیں اور افسانے بھی ملک سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں۔ کلام کے متعلق میں کچھ زیادہ عرض نہیں کروں گا۔ رازؔ صاحب پر علیحدہ ایک مضمون اس اشاعت میں دیا جا رہا ہے۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ وہ آگرہ اسکول کے صحیح ترجمان اور زندہ یادگار ہیں۔ ان کے کلام سے آگرہ اسکول کا نام صدیوں تک زندہ رہے گا اور جس وقت مورخ آگرہ اسکول کی تاریخ مرتب کریگا اس وقت ان کا نام بہت نمایاں ہوگا۔

آپ کی دو تصنیف شائع ہو چکی ہیں: "دنیائے رازؔ" آپ کی قدیم و جدید چوسٹھ منتخب نظموں کا مجموعہ ہے جسے ملک نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور جون ۱۹۳۰ء میں طبع ہوا۔ "زرین افسانے" آپ کے افسانوں کا مجموعہ ہے جس میں چودہ مختصر افسانے دیے گئے ہیں جن کا ہر افسانہ اپنی جگہ بہت خوب ہے۔ "نوائے رازؔ" غزلوں اور رباعیوں کا منتخب مجموعہ اور "رودادِ محبت" ٹالسٹائی کے ایک مبسوط اور دلچسپ ناول کا ترجمہ عنقریب شائع ہونے والے ہیں۔ آپ کو ترجمہ کرنے میں خاص ملکہ ہے اور آپ کے بیشتر تراجم رسالوں وغیرہ میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

آپ سے جن لوگوں کو ذاتی تعارف حاصل ہے وہ آپ کی خاندانی شرافت اور ذاتی خصوصیات کے معترف ہیں۔ آپ کے اخلاق و عادات میں مکمل انسانیت پائی جاتی ہے۔ انکسار، سادگی، خاکساری اور خوش خلقی آپ کا شعار فطری ہے۔

نمونہ تغزل

وہ اک لمحہ گذرا جو بظاہر مے پرستی میں — وہی ہے حاصلِ عمرِ دو روزہ بزمِ ہستی میں
میں کافر ہوں بت اچھا اگر اے زاہدِ حق بیں — کسی کی بیعت کی ہے مجھے تو خود پرستی میں
تجھی سے پوچھتا ہوں اے خدا آگاہ سچ کہنا — کوئی حق کیش بھی ہے کیا کہیں دنیا کی بستی میں
یہ شیخ و برہمن ایسے ہیں ایماں کو جو خود بیچیں — کہاں سے آگیا فتنہ یہ کافر بزمِ ہستی میں
خدا کا نام لیتا ہے زمانہ رسمِ دنیا ہے — مگر یادِ خدا آتی ہے اکثر تنگدستی میں

جوازِ میکشی اچھا ملا اے رازؔ میں خوش ہوں
کہ خود پیرِ شریعت بھی ہے شامل مے پرستی میں

دیدۂ بینا آئینہ رُو دید ہونی چاہیئے — زندگی کی کوئی تو امید ہونی چاہیئے
شکوۂ تقدیر کی تائید ہونی چاہیئے — ذکرِ حق کی کچھ نہ کچھ تمہید ہونی چاہیئے
ملکے گم گشتہ یقین و دین و ایماں — تیرے ساغر میں مئے توحید ہونی چاہیئے
ہیچ ہے یہ مشربِ شیخ و برہمن ہیچ ہے — اب مذاقِ عشق کی تائید ہونی چاہیئے
فکرِ فردا ہے نہ رنجِ دوش یہ کیا حال ہے — دورِ سوز و ساز کی تجدید ہونی چاہیئے
سختیٔ راہِ طلب کی تو مجھے پروا نہیں — کامیابی کی مگر امید ہونی چاہیئے
پیرِ ساقی ایک ساغر ایک جرعہ اک نظر — گفتۂ واعظ پہ کچھ تنقید ہونی چاہیئے

کیا کہا کیا بے اثر ہے بادۂ شعرِ جدید
رازؔ اس الزام کی تردید ہونی چاہیئے

خود نمائی ہے خود پرستی ہے — واہ کیا رنگِ بزمِ ہستی ہے
مے پرستی سے ہو چکی توبہ — مے پرستی زر پرستی ہے
ایک امید وہ بھی ہے موہوم — کتنی پختہ بنائے ہستی ہے

سر بسجدہ ہے میکدہ میں رازؔ
بس یہی حدِ حق پرستی ہے

کون کہتا ہے کہ دنیا راز ہے — یہ تو تیری جلوہ گاہِ ناز ہے

کیا بتاؤں تجھ کو وجہ بیکشی — بات کہنے کی نہیں اک راز ہے
جان دینا بھی نہیں مشکل مجھے — کتنا دلکش عشق کا آغاز ہے
خود غرض ہے برہمن بھی شیخ بھی — ایک دنیا، ایک عجبی سا نہ ہے

ختم کر دے راز اب فکرِ سخن
طبع موزوں آج کچھ ناساز ہے

ازل سے مدِ نظر ہے وداعِ ہوش مجھے — گر ملے بھی کوئی چشمۂ فروش مجھے
یہ بیخودی ہے مری باعثِ خود آرائی — قیامت آ بھی جائے گی آ جائے گا جو ہوش مجھے

دنیا کہ بظاہر اک چمن ہے — واللہ عجب سحر فن ہے
ہر لب پہ ہے نغمۂ من و تو — اہلِ دل کی یہ انجمن ہے
واعظ پہ ہے ختم خوش کلامی — کتنا کمبخت سحر فن ہے
اس حسنِ سخن کی داد دینا — جو بات ہے اسکی دل شکن ہے
دیکھے کوئی شیخ سادہ دل کو — کتنا گل کار پیرہن ہے
اے رہروِ منزلِ محبت — ہشیار کہ خضر راہزن ہے
کیوں پوچھتے ہیں اہلِ غربت — میں کون ہوں اور کہاں وطن ہے
ذرہ ذرہ ہے مہر در بر — حیرت زدہ چشم سحر فن ہے
ایک عالم بیخودی ہے طاری — اللہ یہ کس کی انجمن ہے
خاموش امینِ رازِ فطرت — دنیا خوش فہم و خوش سخن ہے

نمونۂ نظم

خواجہ حالی

محفلِ ہندوستاں بے نور تھی — پردۂ ظلمت میں شمع طور تھی
بے اثر تھا نغمۂ سازِ سخن — بے خبر تھا محرمِ رازِ سخن
بادۂ مہر و وفا بے کیف تھا — رنگِ محفل لائقِ صد حیف تھا
شاعر و صوفی و رندِ پاکباز — حق پرستی سے تھے کیسر بے نیاز

دورِ جامِ خود پرستی عام تھا — جذبۂ حبِ وطن بدنام تھا
خود نمائی خود فروشی خود سری — بس انہیں پر تھا مدارِ زندگی
ناگہاں فطرت کو آیا کچھ خیال — صبحِ عشرت بن گئی شامِ ملال

حالیٔ شیوہ بیاں پیدا ہوا
شاعرِ ہندوستاں پیدا ہوا

مرحبا اے عندلیبِ خوشنوا — کس قدر دل دوز ہے نغمہ ترا
سوز خوانی کا عجب انداز ہے — سوز کے پردے میں پنہاں ساز ہے
انقلاب آور ہوئی تیری فغاں — چونک اٹھا خوابِ غفلت سے جہاں
اک صدائے درد میں اتنا اثر — رو گئی دنیا کلیجہ تھام کر
یادِ ماضی ہمت افزا ہو گئی — فکرِ حال و فکرِ فردا ہو گئی
بڑھ گیا جوشِ بہارِ زندگی — مٹ گیا کس دن خمارِ بے حسی

کھل گیا رازِ حیاتِ جاوداں
مرحبا اے شاعرِ ہندوستاں

نمونۂ نثر

درحقیقت کسی چیز کی قدر و قیمت انسان کو اس وقت معلوم ہوتی ہے جب وہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ عام طور پر اکثر اس حقیقت سے نا آشنا ہیں اور کسی شے کے وجود و عدم کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی شخص کو ادراکِ حقیقت ہو جاتا ہے تو وہ اگرچہ عمرِ رفتہ کو یاد کر کے اکثر افسردہ و غمگین ہوتا ہے، مگر اس طرح اس کو یہ موقع ضرور مل جاتا ہے کہ وہ باقی زندگی کو مفید بنانے اور مقصدِ زیست حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ گویا لطیف زندگی و مقصدِ حیات حاصل کرنے کے لئے یہ لازمی ہے کہ انسان ایک مدت تک خوابِ غفلت میں پڑا سوتا رہے تاکہ جب بیدار ہو تو گزشتہ نقصان کا اندازہ کر کے حال و مستقبل سے پورے طور پر متمتع ہونے کی جد و جہد کرے۔

رضاؔ — شیخ عبدالرضا صاحب قریشی (۳۴)

رضاؔ صاحب کے والدِ محترم کا نام شیخ احمد رضا صاحب تھا۔ آپ ۱۹۰۰ء میں بمقام کانپور محلہ بوچڑخانہ خورد پیدا ہوئے۔ ابھی آپ عالمِ طفولیت کی ابتدائی منزلوں ہی سے گذر رہے تھے کہ آپ کے والدین ہمیشہ کے لئے آپ سے جدا ہو گئے۔ والدین کی وفات کے بعد آپ کی تربیت و پرورش آپ کے ضعیف العمر دادا جناب محمد رضا صاحب نے کی۔ چونکہ آپ کے دادا صاحب پر مذہبی رنگ بہت زیادہ غالب تھا اس لئے قرآن شریف کے حفظ کرنے سے پہلے دیگر علوم کا درس دلانا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ لہٰذا آپ کو احسن مدرسہ کانپور میں داخل کرا دیا گیا۔ تاہم آپ کے ایک دوسرے بزرگ جناب منشی عبدالباسط خاں صاحب نے (جو آپ کے دادا کے ہم زلف تھے) اپنی اثر و کوشش سے مدرسے کے وقت کے علاوہ مکان پر اردو کی چند کتابیں پڑھا کر محلہ کے ایک عطار صاحب کی دوکان پر فارسی کی ابتدائی کتب کا درس دلانے کے لئے بٹھا دیا۔ چونکہ عبدالباسط صاحب نولکشور پریس میں منشی تھے اس لئے وہ بڑی مفید مفید کتابیں وہاں سے لاتے تھے۔ اس کے علاوہ محلہ کے بہت سے لوگ شب کو باسط صاحب کے پاس داستان سننے آیا کرتے تھے جسے وہ بڑے تکلف کیساتھ سنایا کرتے تھے۔ کچھ دن بعد یہ فرض رضاؔ صاحب کے سپرد کیا گیا اور اس سلسلے میں آپ نے داستانِ امیر حمزہ، بوستانِ خیال، طلسم ہوشربا وغیرہ جیسی مشہور کتب کے علاوہ معتدبہ تعداد میں ایسی کتابیں مع لغت جو آسانی سے فراہم نہیں ہو سکتی تھیں گو بظاہر یہ چیز وقت ضائع کرنے کے مرادف تھی لیکن در اصل یہ مسلسل کتب بینی نے آپ کی معلومات میں ایک زبردست اضافہ کر دیا۔ آپ نے عہدِ طفلی تعلیمی مشاغل اور مذہبی فرائض کی انجام دہی میں گذارا اور ساتھ ہی ساتھ خانگی پریشانیاں بھی شاملِ حال رہیں۔ آپ کے والد صاحب کی وفات کے بعد آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا۔ آپ کے دادا صاحب بہت ضعیف العمر تھے۔ آپ کے چچا صاحب اپنے رنگ میں مست تھے اور بہت کم امداد پہونچاتے تھے جس کی وجہ سے آپ کے دادا صاحب کو آپ کو اور چھوٹی ہمشیرہ کو اکثر مصائب کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن چونکہ آپ اس چیز کے عادی ہو چکے تھے اس لئے کبھی اس کے احساس سے جبین پر شکن نہیں آئی تھی۔

آپ کے دادا صاحب کے دیگر اعزا ریاست گوالیار کی فوج میں ملازم تھے اور بوجہ ملازمت ریاست ہی میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی چنانچہ آپکے جدِ بزرگوار میجر امداد حسین صاحب گوالیار کی سیکنڈ لانسر میں کمانڈنگ آفیسر تھے اور سابق مہاراجہ بہادر کے لے۔ ڈی۔ سی بھی تھے۔ میجر صاحب موصوف اپنے جواں سال صاحبزادے کی جواں مرگی سے متاثر ہو کر غم غلط کرنے کی غرض سے کانپور تشریف لے گئے اور واپسی میں رضاؔ صاحب وغیرہ کو اپنے ہمراہ گوالیار لے آئے۔ گوالیار آنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد رضاؔ صاحب کے جدِ بزرگوار جناب محمد رضا صاحب نے بھی داعئ اجل کو لبیک کہا۔ اور ان کی وفات کے تھوڑے ہی عرصے بعد آپ کی چھوٹی ہمشیرہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اور آپ ایک روحانی خلش میں مبتلا ہو گئے۔

جناب میجر امداد حسین صاحب کے فوج میں اچھے اثرات تھے اس لئے انہوں نے چاہا کہ رضاؔ صاحب کو ملٹری کے ابتدائی عہدے کی ملازمت دلا دیں لیکن رضاؔ صاحب کو اس لائن سے فطرتاً کچھ نفرت سی تھی اس لئے آپ نے انکار کر دیا۔ ملٹری کے علاوہ دیگر محکموں میں آپ کو ملازمت ملنا ذرا دشوار تھا۔ جب رضاؔ صاحب کو اس چیز کا احساس بہت زیادہ ہوا کہ ضرورت یا زندگی پوری کرنے کے لئے کسی سلسلۂ معاش کا ہونا ضروری ہے تو آپ کی

طبیعت پر بہت گہرا اثر پڑا اور آپ نے پوری مستعدی و قوت کیساتھ اپنے حالات کو یکسر تبدیل کر دینے کا تہیہ کر لیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک آپ زبانِ ہندی کا مطالعہ کرتے رہے اس میں کافی مہارت ہو جانے کے بعد ریاست کے امتحان "کلریکل" میں شریک ہوئے اور پہلے ہی سال کامیابی حاصل کی۔ یہ امتحان اس زمانہ میں اتنا سخت تھا کہ آپ کے ساتھیوں میں سے بعض حضرات نویں اور دسویں سال پاس ہوئے تھے۔ یہ امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کو پرگنہ کورٹ گوالیار میں کلرک کی جگہ مل گئی اور ۔ آپ ۔۔ت کی مدارج طے کرتے ہوئے یہاں تک پہونچے ہیں کہ گوالیار کورٹ میں اسسٹینٹ سپرنٹنڈنٹ ہیں۔

جس زمانہ میں آپ پرگنہ کورٹ میں ملازم ہوئے تھے اُسی زمانہ میں خان بہادر اعتبار الملک افتخار الشعراء حضرت مضطر خیرآبادی مرحوم عدالتِ گوالیار میں ڈسٹرکٹ جج تھے اور لشکر میں شعر و شاعری کا طوطی بول رہا تھا۔ آئے دن مشاعرے ہوتے رہتے تھے۔ جب حضرت مضطر مرحوم عدالت کے کمرہ سے گھر جانے کے لئے نکلتے تھے تو دیگر ملازمین اُن کے پیچھے پیچھے ہو لیتے جن میں زیادہ تر اُن کے تلامذہ ہوتے تھے۔ راستہ میں اور بھی حضرات ساتھ ہو لیتے تھے اور سب اُن کے دولت کدے تک پہونچ جاتے تھے جہاں ایک اچھا خاصہ مشاعرہ روز ہو جاتا تھا۔ رضا صاحب بھی اکثر شرکت فرماتے رہتے تھے۔ اسی زمانہ سے آپ کی شاعری کی ابتدا ہوئی۔ سنہ ۱۹۲۲ء سے سنہ ۱۹۲۳ء تک آپ بغیر کسی سے کہے سنے خاموش مشق کرتے رہے اور ایک سال کی کامل مشق کے بعد پہلی غزل آپ نے حضرت مضطر خیرآبادی کی خدمت میں پیش کی جس کا مطلع یہ تھا۔

اُن شوخ نگاہوں میں قیامت کا اثر ہے
دنیائے محبت ہی مری زیر و زبر ہے

موصوف نے نہایت محبت اور شفقت سے اصلاح فرمائی۔ اور اس طرح سلسلۂ اصلاح جاری ہو گیا۔ ایک روز مختصر سے مجمع میں مضطر صاحب نے ایک مصرع دے کر ایک گھنٹہ میں کم از کم پانچ شعر فی البدیہہ کہنے کا حکم دیا۔ مصرعہ یہ تھا۔

"خود پلاتا ہے وہ قاتل آبِ خنجر ہاتھ سے"

قافیہ "سمندر" لازمی قرار دیا گیا۔ تعمیلِ ارشاد میں رضا صاحب بھی پنسل کاغذ لیکر بیٹھ گئے اور وقتِ مقررہ کے اندر نو شعر کی غزل لکھ کر پیش کر دی۔ مخصوص قافیہ کا شعر مندرجۂ ذیل تھا۔

کیا مسلسل دے رہا ہے تشنگوں کو جامِ مے بن کے ساقی ذبح یا پی سمندر ہاتھ سے

اس کے بعد مضطر صاحب بغیر کسی امتحان کے برابر مشورۂ سخن دیتے رہے اور رضا صاحب کی مشقِ سخن میں روز افزوں ترقی ہوتی گئی۔ اس زمانہ میں آپ اپنی غزلیں رسالوں وغیرہ میں تو بھیج دیتے تھے لیکن مشاعروں میں نہ پڑھتے تھے۔ ابھی آپ پورے طور پر استاد کے فیضِ اصلاح سے بہرہ مند نہ ہوئے تھے کہ سنہ ۱۳۴۵ھ میں حضرت مضطر اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ چونکہ آپ کی مشقِ سخن تشنۂ تکمیل تھی اس لئے پھر ایک رہبر کامل کی تلاش ہوئی۔ ایک عرصہ کی تلاش و تجسس کے بعد آپ کی نگاہ حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ پر پڑی لیکن چونکہ آپ کو اس صنف میں کافی دستگاہ حاصل نہ ہوئی تھی اس لئے جرأت نہ ہوئی کہ اپنے کو مولانا مدظلہٗ کے سامنے پیش کریں۔ آپ نے قابلیت اور استعدادِ شعری بڑھانے کے لئے سنہ ۱۹۳۱ء میں منشی فاضل پنجاب کے امتحان کی تیاری کی جب آپ نے امتحان کی اجازت چاہی تو چند وجوہ کی بنا پر اجازت نہ مل سکی۔ چونکہ ایک سال کی محنت رائیگاں جا رہی تھی اس لئے آپ نے فوراً ہی الہ آباد یونیورسٹی سے "کامل" کی اجازت چاہی۔ وہاں سے جواب ملا کہ بغیر "منشی" یا "منشی فاضل" پاس کئے ہوئے "کامل" کا امتحان نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے آپ نے اسے غنیمت سمجھ کر "منشی" کا امتحان الہ آباد سے دے دیا اور اس میں کامیاب ہوئے۔ "منشی" کے امتحان کے بعد ہی آپ نے "کامل" کا امتحان دیا اور اب میٹرک کی تیاری میں مصروف ہیں۔

امتحانات کے بعد آپ کو کافی سکون ملا اور آپ کی استعداد بہم مطالعہ سے کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ آپ کا ذوقِ شعری پھر ابھرا اور پہلے سے زیادہ زور شور کے ساتھ۔ چنانچہ فکرِ سخن میں آپ اب دن رات محو رہنے لگے اسی سلسلے میں آپ کی نگاہ سے ایک رسالہ گذرا جس میں مولانا سیماب مدظلہٗ کی ایک غزل شائع ہوئی تھی جس کا مطلع یہ تھا۔ ؎

مثلِ شبنم رائیگانِ عالمِ برباد ہوں ٭ میں چمن کے پتے پتے کو ابھی تک یاد ہوں

مولانا کی اس غزل سے آپ بیحد متاثر ہوئے اور ۱۹۳۲ء میں آپ نے مولانا مدظلہٗ کی اسی غزل پر مصرع لگا کر برائے اصلاح بھیجے اور ساتھ ہی درخواستِ شاگردی بھی۔ جس کے جواب میں برادرِ معظم حضرت منظر صدیقی نے آپ کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"کیفیتِ شعریت کے حرارت سے متاثر ہونے کے بعد آپ نے جو خط لکھا ہے وہ اپنی جگہ بہت لطیف ہے میرے خیال میں کسی مبتدی شاعر کے احساس کی اتنی ہی بیداری مستقبل کی درخشانی کی ضامن کہی جا سکتی ہے میں اس حیثیت سے آپ کو قابلِ داد سمجھتا ہوں کہ آپ کا دل و دماغ جذبۂ شعریت سے لبریز ہے اور اس حیثیت سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ آپ نے مولانا کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونے کا فخر حاصل کر لیا ہے"

اس وقت سے اب تک مشق اور اصلاح کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ غزل کے علاوہ نظم بھی کہتے ہیں۔ حال ہی میں آپ نے ایک تضمین مولانا مدظلہٗ کے رسالہ پر لکھی ہے جو بنام "کنول" آگرہ میں شائع ہو چکی ہے۔ میرے خیال میں اردو ادب میں وہ بالکل نئی چیز ہے۔ یہ طریقۂ تضمین حال ہی میں مصر اور عرب میں ایجاد ہوا ہے، یہاں میں اس تضمین کا ایک بند لکھتا ہوں

"محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر۔ گزرتا ہے اک ایسا سانحہ قلبِ پریشاں پر
کہ رفوؤں کی پلک تیر سا لگتا ہے ارماں پر" ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر

آپ بزمِ ادب گوالیار کے ممبر بھی ہیں۔ ۱۹۴۳ء کے میجر امداد حسین صاحب کے انتقال کے بعد ان کے متعلقین کی نگہداشت اور جائداد کا انتظام اور ہر بات کی ذمہ داری آپ ہی کے کاندھوں پر ہے۔ آپ نظم و غزل خوب کہتے ہیں۔ اور بہترین طبیعت پائی ہے۔

نمونۂ تغزل

چمن میں وہ سو نظارۂ برقِ تپاں کر لیں — بہار آئی ہے پھر تجدیدِ یادِ آشیاں کر لیں
ہم اپنی زندگی ہی وقفِ مرگِ ناگہاں کر لیں — فنا سے قبل تدبیرِ حیاتِ جاوداں کر لیں
الٰہی اس قدر تاثیر تو ہو دم نکلنے میں — وہ آثارِ پریشاں اپنے چہرہ پر عیاں کر لیں
اثر فریاد کا تاثیرِ نالہ کی دکھائیں گے — نگاہِ یاس میں پیدا محبت کی زباں کر لیں

ادا کوئی دکھانے آ گیا ہے بام پر اپنی — مگر اب تھام اپنی حوصلہ اپنا نظر اپنی
نتیجہ دلِ الفت کا تجلیات دیکھنے والے — بس اب وہ چلمنوں میں داستاں ہے نظر اپنی
یہ ہو سکتا ہے وہ ہو سامنے چشمِ نظارہ — یہ ممکن ہے حقیقت تک نہ پہنچی ہو نظر اپنی
بنا ڈالیں وہ اک عالم کو دیوانہ بنا ڈالیں — شباب اپنا ہے حسن اپنا، ادا اپنی نظر اپنی

کوئی بسمل نہ کوئی قاتل ہے — کارفرما حقیقتِ دل ہے
اے دلِ ناشناسِ راہِ طلب — نقشِ منزل سرابِ منزل ہے
میری ناکامیوں کی وجہ نہ پوچھ — خضر کو بھی تلاشِ منزل ہے

مانا کہ فکرِ برق و غمِ باغباں نہیں — پھر بھی قفس قفس ہی تو ہے آشیاں نہیں

معلوم ہو حقیقتِ عمرِ ابد ہمیں — ہم بھی لئے بہت ستمِ روزگار تک
ہوتے ہیں تازہ زخمِ جگر تو سر وسے — کھلتے چمن بنا ذہن صبحِ بہار تک
اللہ رے کشمکش مری یاسِ دلسید کی — چھٹ چھٹ گیا ہے دامنِ صبر و قرار تک

زخمِ پیکانِ نگاہِ نازِ قاتل کے قریب آ گئی ہو روح ساری جسم کی دل کے قریب

نشاطِ عیش سے معمور ہو گر گیا ہے تصورات کی دنیا کہ پائیدار نہیں

دنیا کہ اپنے جلوۂ رنگیں سے خلد ہے ہے صرف اک حقیقتِ باطل ترے بغیر

نمونۂ نظم

"شگفتِ گل"

باد صبا ہے ہر سو رقصاں
ننھی سی شاخیں ہوتی ہیں لرزاں
بھونرے جب کرتے ہیں پریشاں
ہو جاتے ہیں غنچے خنداں
ہے یہ فصلِ بہار کا فیضاں شاخِ خشک ہے شاخِ مرجاں
بزمِ عنادل میں یہ غل ہے
شغفِ بہارِ شگفتِ گل ہے

موجِ ہوا میں تتریاں رقصاں
یا ہے گلوں سے رنگ گریزاں
نکہتِ رنگیں ہے یہ نمایاں
یا ہیں فضائیں آئینہ ساماں
سکتے میں ہیں سب سنبل و ریحاں دیدۂ نرگس آج ہے حیراں
نغمۂ گل ہیں بادۂ دل میں
"ہر اک سمت شگفتِ گل ہے"

خوشبو سے آسودہ کلیاں
صبحِ لطافت ہر گلِ خنداں
سیلِ ملاحت سنبل و ریحاں
بحرِ صباحت ہے سمنستاں
گل و دامنِ جز و دل ہے
رنگ افروز شگفتِ گل ہے

نمونۂ نثر

(ایک غیر مطبوعہ افسانے "لغزشِ راہ" کا ابتدائی حصہ)

دنیا اور دنیا کی جلوہ سامانیاں بجائے خود اتنی دل آویز اور حسین نہیں جتنا ان کو انسان کی اُن موہوم امیدوں اور خوش آئند آرزوؤں نے رنگین بنا دیا ہے جن پر وہ مستقبل کے خیالی قصرِ عظیم کی اساس قائم کرتا ہے۔ منظر خود اپنی جگہ بے کیف و بے رنگ ہے اتنا دلکشی نہیں رکھتا کہ انسان کو اپنا گرویدہ بنا کر ایک لمحہ کیلئے بھی خود فراموش کر دے البتہ خود انسان کا ذوقِ نظر اور لطف اندوزی کی تشنہ لبی اسے کھینچ کر منظر کی طرف لے جاتی ہے۔ حصولِ مقصد کی بیخودی اسکو اس نتیجہ پر پہونچنے کی مہلت نہیں دیتی کہ وہ جس چشمے کی طرف سیراب ہونے کی ہوس میں بیتابی کیساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے وہ ایک سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

تقریباً دس سال کے عرصہ میں اسی امیدوں کی دنیا میں سبز پوشانِ چمن کی سیر کیلئے کتنی ہی عبائیں آئی ہوں گی۔ آفاقِ عالم پر کتنی ہی شفقیں نمودار ہوئی ہونگی آفتاب کے طلوع و غروب نے کتنے ہی دل آویز مناظر پیدا کئے ہوں گے آبشاروں نے کتنی ہی نغمہ ریزیاں اور چاندنی راتوں کی سحر اور سکون بخش فضا نے کتنے ہی مرتبہ دلوں کو تسخیر کیا ہوگا۔ شبِ تاریک کی کتنی ہی زینتوں نے کہکشاں کی فضائے بسیط میں گم ہو جانے کی دعوت دی ہوگی۔ موسمِ بہار کی نغمہ سنج طیور اور خوش رنگ تیتریوں نے منظرِ سادہ کو کتنی ہی مرتبہ فضائے رنگ آفریں میں تبدیل کر دیا ہوگا! لیکن میں بہت افسردہ ہوں کہ مجھے یہ دنیا کی ہر شے بے کیف اور سوگوار سی بے لطف ہو کر رہ گئی۔ جسے نہ بہار کی رنگینیاں انقلاب پیدا کر سکتی ہیں نہ شباب کی سحر کاریاں۔ ہاں! اگر کوئی شے، کوئی تبدیلی پیدا کر سکتی ہے تو وہ میری عہدِ ماضی کی ایک یاد! ایک نہ مٹنے والا نقش ہے!!

www.taemeernews.com

(رساؔ) محمد احمد صاحب رسا وارثی سہارنپوری (۴۸)

آپ کے والد صاحب کا اسم گرامی مولوی عبداللطیف صاحب صدیقی تھا جو نجیب الطرفین خاندان شیوخ کے ایک ممتاز فرد تھے۔ شاہجہاں بادشاہ کے عہد حکومت میں آپ کے جد امجد محمد محسن صاحب ایک بڑے جاگیردار کی حیثیت سے سہارنپور آکر آباد ہوئے۔ شہنشاہ عالمگیر کے عہد میں اسی خاندان میں قضاۃ آئی اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ جہاں آپ رہتے ہیں وہ جگہ قاضی محلہ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ رساؔ صاحب کے خاندان میں منشی نور احمد صاحب مرحوم سی۔ آئی۔ ڈی پولیس میں انسپکٹر تھے جو آپ کے چچا ہوتے تھے۔ آپ کے ماموں مولوی محمد مقصود صاحب مرحوم ڈپٹی کمشنر کسٹم ریاست بھوپال تھے۔ رساؔ صاحب کے ننھیالی اور ددھیالی عزیز انگریز گورنمنٹ کے عہدے دار اور کچھ آزاد پیشہ وکالت کرنے والے رئیس اور تھے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم قرآن خوانی سے شروع ہوئی کلام پاک کی تکمیل کے بعد خلیفہ علی احمد صاحب مضطر سہارنپوری سے کتب فارسی کی تکمیل کی اور ساتھ ہی ساتھ عربی بھی دیکھتے رہے۔ چونکہ آپ بہت ذہین واقع ہوئے ہیں اس لئے بہت جلد آپ نے تعلیمی مراحل کو طے کرلیا۔ رساؔ صاحب کے والد محترم حیدرآباد دکن میں ملازم تھے اس لئے بعد ختم تعلیم آپ کو حیدرآباد کا سفر کرنا پڑا۔ اور وہاں پہونچکر انگریزی تعلیم حاصل کی۔ مڈل تک پڑھنے کے بعد وکالت کا امتحان دیا لیکن ناکام رہے۔ اسی سال آپ کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا آپ حیدرآباد سے پھر وطن واپس آگئے اور یہاں آکر انگریزی تعلیم کا سلسلہ پھر شروع کردیا۔ انٹرنس تک تعلیم پانے کے بعد زمانہ کی نامساعدت نے ملازمت پر مجبور کردیا۔ متعدد محکموں میں کوشش کرنے کے بعد ریلوے میں گارڈ کی جگہ آپ کو مل گئی۔ ملازمت کے ایک سال بعد ہی رساؔ صاحب کے چچا منشی نور احمد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ رساؔ صاحب کے دل میں پولیس کی ملازمت کا شوق پیدا ہوا۔ مسٹر اسٹریٹ انسپکٹر جنرل پولیس نے آپ کے مرحوم چچا کی خدمات سے خوش ہوکر رساؔ صاحب کو ٹریننگ کے لئے نامزد کردیا۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ پولیس نے آپ کو ہندی کے امتحان میں فیل کردیا۔ نہ تو آپ کی ریلوے کی ملازمت ہی قائم رہی اور نہ پولیس ہی میں کامیابی ہوئی۔ عرصہ تک آپ بیکار رہے۔ بالآخر آپ کو ڈسٹرکٹ بورڈ سہارنپور میں امانت کا عہدہ حاصل ہوگیا۔ آج کل آپ ایک سینیئر "امین" کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

آپ کو ۱۹۱۱ء میں شاعری کا شوق ہوا گو آپ نے مشاعروں میں شرکت نہیں کی البتہ دوچار غزلیں غیر طرحی کہہ کر حضرت تسنیم سہارنپوری کو دکھائیں جن کا نمونہ یہ ہے۔

تری زلفِ پریشاں اور سنبل	یہ لگتے ہیں کسی آشفتہ مو کے
کہو اے دستِ جنوں پھر ہاتھ پھیلا	وہ بخیے تھا یہ لگتے ہیں رفو کے

زیادہ جان سے کیوں کر نہ رکھوں داغِ دل اپنا
یہ اک وعدہ فراموشِ محبت کی نشانی ہے

آپ کا یہ شوق ایک عارضی شوق ثابت ہوا حضرت تسنیم کی وفات کے بعد آپ نے غزل کہنا ترک کردیا اور ۱۹۲۱ء تک یہ ذوق دبا رہا ۱۹۲۹ء کے وسط میں قاضی محلہ میں مشاعروں کا زور شور ہوا وہاں کا بچہ بچہ غزل کہنے لگا۔ چنانچہ آپ کو بھی پھر یہ ذوق پیدا ہوا۔ آخر غزل کہہ کر اپنے پھوپی زاد بھائی مولوی محمد الیاس صاحب محتشم سہارنپوری سے اصلاح و مشورہ کیا اور دوبارہ یہ سلسلہ شروع ہوگیا۔ نمونہ یہ ہے۔

فرقت کی تیرگی میں تھا گم جادۂ نشاط
اک دل تھا پاس وہ بھی چراغِ خموش تھا

تعال اللہ کیا کم ہو شرف اپنا زہے
ہمارے نقشِ ہستی سے وہ تزئینِ جہاں کرلیں

چند ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن ایک خاص واقعہ کے باعث مشاغلات ترک کردی۔ ان ہی دنوں میں جناب عطا الحق صاحب عطا سہارنپوری جو علی گڈھ کے محکمۂ کلکٹری میں ملازم تھے پنشن لیکر سہارنپور تشریف لائے۔ آپ انتہائی خلیق اور ملنسار آدمی تھے۔ رسوا صاحب نے ان سے اصلاح لینی شروع کی اور اب مشاعروں میں بہت زور شور کے ساتھ آپ غزلیں پڑھنے لگے۔ اس زمانہ کا کلام اس رنگ کا تھا۔

ہزار بار تجھے برق کیا بتا نہ دیا
کلیم دل ہے جگر طور ہے جلا نہ دیا

نمازِ ہی نہ ہوئی کعبۂ تمنا میں
کسی کے پاؤں پہ سر کو اگر جھکا نہ دیا

خود بخود ٹوٹی ہے شیشۂ دم کی عمر یہ
پھر گیا تیرہ شکن کیا کوئی پیمانہ قریب

یہ سلسلۂ اصلاح نہایت خوشگواری اور محبت کیساتھ جاری رہا لیکن فلک کج رفتار ایک حالت پر کب قائم رہتا ہے۔ حضرت عطا اس دارِ فانی سے راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ عطا صاحب کی وفات نے رسوا صاحب پر بہت اثر کیا اور آپ اس اچانک حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ کچھ دن تک یہ اثر باقی رہا لیکن اس مرتبہ چونکہ آپ کا ذوقِ شعری اپنی ابتدائی منزلوں سے گذر کر ترقی کی راہیں تلاش کر رہا تھا اس لئے تجدیدِ ناگزیر تھی اور آپ کو کسی مصلح کی فکرِ دامنگیر تھی۔ شدہ شدہ حضرت مولانا احسن مارہروی کے نام نامی سے آپ متعارف ہوئے اور ذریعۂ خط و کتابت اصلاح کا سلسلہ ان سے شروع ہو گیا۔ دو تین ہی غزلوں پر اصلاح کی نوبت آئی تھی کہ مولانا ممدوح کی اہلیہ محترمہ کی وفات ہو گئی جس کے بعد ممدوح نے اصلاح سے گریز فرمایا اس سبب سے آپ کی پریشانیاں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ حضرت مولانا احسن مارہروی نے جن غزلوں پر اصلاح دی تھی ان کا نمونہ یہ ہے۔

ہے یہ دستور کہ دل غم کا اثر پاتا ہو
آپ تڑپائیں تو کیوں کر کوئی بیتاب ہو

صحبتِ ساقیِ دوراں نہیں کیا کیف ملے
جب چھلکتی ہوئی ساغر میں مئے ناب ہو

ہے جلوۂ وحدت سے دو کثرت موجب
میں اپنی نظر میں خود بیگانہ ہوں یگانہ

مرکز ہو وہ عالم کا جو در سے کیا کہئے
رسوا وہ کلیسا ہے کعبہ ہو کہ بتخانہ

ابھی آپ کا ذوق تشنہ تھا آخر اس تشنگی کے بجھانے کے لئے آپ مولانا سیماب مدظلہ کی طرف رجوع ہوئے۔ جس کو وہ اس طرح لکھتے ہیں "اس انقطاع سلسلہ کے بعد حضرت علامہ سیماب صاحب مدظلہ العالی سے رجوع ہو کر شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ شانِ ایزدی دیکھئے کہ حضرتِ طریقت کے پیر بھائی نکلے۔ گویا چشمِ دارثی نے اپنے خادم دارثی کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ بحمد اللہ یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ دونوں اصلاح سے سرشاریوں کی سرشاریاں حاصل ہیں۔ اب تخیل کا معیار ہی کچھ اور ہے۔"

نمونۂ تغزل

اے شمعِ سوزِ عشق نہ بن رحمتِ جمال
جل بجھ کر انجمن کو سرِ بزم کیجیے

تارا سا ٹوٹ کر یہ فلک پر کدھر گیا
ٹوٹا کسی کا دل نہ ہو وقتِ سحر کہیں

شمع کے ظرفِ سوز میں الجھ کر رہ گئی
تھے ارادے اور بھی کچھ فطرتِ پروانہ کے

ہر نوائے سازِ دل میں تیری محفل سازشیں
چھیڑ کر تو دیکھ پردے خاطرِ دلگیر کے

یا تو روز صحبت اندوزِ محبت تجھ کو
یا سکھا دے مجھے راضی برضا ہو جانا

منتِ پذیرِ عیش بھی راحتِ وصال میں
اب اسکو ڈھونڈتا ہوں ہجومِ ملال میں

حجابِ گل بہارِ بوستاں ہے — کلی کا مسکرا دینا خزاں ہے
نظر کو وسعتِ کونین دے کر — نہیں منظور میرا امتحاں ہے

سکونِ گوشۂ غریباں کا خبر دیتا ہے منزل کی — اسی جانب سے آتی ہے ہوا آغوشِ ساحل کی
ابھی تو روتے روتے چپ ہوئی تھی شمعِ محفل کی — پتنگوں نے ابھی پھر آ کے بڑھا دی شعلۂ دل کی
کچھ ایسی ہوگئی ہے میرے احساسات کی دنیا — مسافر جیسے سو جائے خبر پا کر بھی منزل کی
صدا ناقوس کی آئی تو میں بانگِ اذاں سمجھا — صدا ہے چشمِ بصیرت نے شہادت حق کے دل کی
اسیرانِ محبت کی بڑھا دیں بیڑیاں شاید — کہ آتی ہی نہیں راتوں کو آوازیں سلاسل کی
حدیثِ زلف لیتا ہوں جانِ دل کی پردہ پر — بچا لیتا ہوں گرمیٔ نفس نقشِ دل کی
وہ افشائے راز کرتی ہیں یہ رازِ زور کہتی ہے — زبانِ شمع کا نوا در منقارِ عنادل کی
وہ اک میں ہوں کہ بیگانۂ پندارِ عشق و الفت سے — وہ اک تو ہے کہ ہے مجھ کو خبر کیفیتِ دل کی

خدا حافظ ہے دیوار و درِ زنداں کا اے رسوا
سنا کہ اٹھی ہے پھر دل میں آگ سے کڑیاں سلاسل کی

آبلے ٹوٹے، بیاباں بھی وحشت کی گنگ — وجہِ تسکینِ جنوں یوں آبلہ پائی ہوئی
ہو چکی ہے ضبطِ غم کی حد انتہا تابِ ضبط — پھر نہ کہنا کس نے کی اور کس کی رسوائی ہوئی

پھر بادۂ وحدت مجھے مستانہ بنا دے — پھر دل کو مری کیف کا پیمانہ بنا دے
دل کو طلبِ جلوۂ دیدار کی خو ہے — وادیٔ محبت سے موسیٰ نہ بنا دے

کس طرح کیفِ ساقی جنوں ساز ہے — بے پیے ہی میکدہ کا میکدہ چکر میں ہے
کیا کہیں کس زلف کا سودا ہمارے سر میں ہے — ابتدا جس کی ازل تھی انتہا محشر میں ہے
ہے غلافِ کعبہ ہر کا ہی تحدید اک حجاب — اور بت بن کر ہی جلوہ نشیں بتکدہ میں ہے
رنگِ محفل صورتِ پروانہ جاتی کوئی — آج پھر کچھ برہمی سی شمع کی تنویر میں ہے
مجھ کو وحشت ڈھونڈتی ہے وہ بیاباں کردیا — پاؤں میں چکر خلش دل میں ہے سودا سر میں ہے
ذوقِ سجدہ کو باہم ربط پیدا کر دیا — مدتوں کیا جبیں میں اور کیا پتھر میں ہے؟

اک قفس کیا ہے بہت مشکل ہے چمن کا بھی قیام — زیست بیداد گر بلبل کی پابندی میں ہے
جھک پڑے تعظیمِ جلوہ اے جبینِ سجدہ کام — تابشِ نقشِ حقیقت ان کے سنگِ در میں ہے
اے تعالیٰ اللہ تیری رحمتوں کی وسعتیں — اے جزاک اللہ تیری یاد بھی محشر میں ہے

نمونۂ نثر

برادرم تسلیم

آپ کا اعلان حضرت قبلہ سیماب صاحب مدظلہ کے سرفراز نامہ کے ہمراہ وصول ہوا۔ بجائے مشکل تو یہ ہے کہ گو مجھے شرفِ تلمذ جناب قبلہ سے حاصل ہے لیکن در اصل میں شاعر نہیں ہوں محض اپنے احساسات کی دنیا جگانے، تخیل میں شوقِ رعنائی پیدا کرنے اور ذوقِ الفتِ مصطفائی سے حظ حاصل کرنے کیلئے کچھ کہہ لیتا ہوں۔ یہ جنابِ استاد مدظلہ العالی کا فیضان ہے کہ میں کسی قدر اپنے تخیلات کی دنیا کو مجتمع کرنے اور بساطِ بحر پر موزونیت کیساتھ بٹھانے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہوں۔ لیکن اس سے ہرگز یہ معنی نہیں ہوتے کہ میں شاعر ہوں۔ جب یہ مسلہ ہو چکا تو آپ ہی فرمایئے میرا تذکرۂ شعرا میں شمولیت کرنا برعکس نہند نام زنگی کافور کے مصداق نہیں تو اور کیا ہے۔ بہرحال آپ استاد زادے ہیں آپ کے حکم کی بجا آوری بھی مجھ پر فرض ہے اس لئے حالاتِ زندگی من و عن سپردِ قلم کر کے پیش کرتا ہوں۔ اب رہا معاملہ تصویر تو حضرت آج تک مجھے تصویر کھچوانے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔ بہتر یہی تھا کہ میرے تذکرے کے سرورق کو بجائے بلاک سے مزین بنانے کے بلینک ہی چھوڑ دیا جاتا لیکن اگر آپکی اس میں دلشکنی متصور ہوتی ہو تو مجھے کچھ وقت دیجئے، اس لئے کہ آج کل کونسل کا الیکشن درپیش ہے اور مجھے اس الیکشن کی سرکاری مصروفیتوں سے دن کو قطعی فرصت نہیں ہوتی اور رات کو فوٹو نہیں کھچتا الیکشن ماہِ فروری ۱۹۳۷ء کو ختم ہو جائیگا تو انشاءاللہ حکم کی تعمیل کر سکوں گا۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام

محمد صدیق رسا ساز بوری
31/1/37

جناب محمد احمد صاحب رضا رسوا وارثی سہارنپوری کی غزل پر حضرت مولانا سیماب صاحب مدظلہ کی اصلاح

ٹوٹا ہے تارِ عالمِ ہستی کے ساز کا — اللہ حفیظ ہے نفسِ جانگداز کا
اٹھا ہی تھا حجاب ترے امتیاز کا — رسوا جمال ہو گیا نظارہ ساز کا
بجلی کی کروٹوں میں تبسم تھا ناز کا — اُف اضطراب کس نگہِ ترکتاز کا
دھوکہ تھا زندگی پہ حیاتِ دراز کا — پردہ اٹھا بھی کب مری ہستی کے راز کا
بھولا ہوا ہوں ہمنفس اہلِ دل کی ادائیں — مارا ہوا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا
جز یک نفس نہیں مری ہستی کا گو وجود — لیکن میں راز ہوں کسی محرمِ راز کا
عنوانِ صبحِ وصل ہے تمہیدِ شامِ غم — پردہ جلالِ حسن ہے زلفِ دراز کا
اک ہی نظر میں کر دیا ہستی کو بے نیاز — احسانمند ہوں نظرِ بے نیاز کا
وہ مجھ میں ہے نہاں میں ہوں سرگرمِ جستجو — پردہ حقیقتوں نے اٹھایا مجاز کا
اللہ رے بیخودی لب کو نہیں سجدہ سے — سر تکتا رہا ہوں ساقی جامہ نواز کا
دیکھا جو حدِ عقل سے آگے وہ کیا کہوں — اک جلوہ جا رہا ہے کسی جلوہ ساز کا
ہاں تجھ سے پوچھتا ہوں دلِ مبتلائے ناز — یہ بھی کوئی جواب ہے میری نیاز کا
مقطع: نشتر چلے جفا کا اداؤں کا ناز کا — ارمان رہ نہ جائے کسی دلنواز کا
منہ دیکھتا ہے آئینہ آئینہ ساز کا — اٹھ ہی گیا حجابِ نگہِ امتیاز کا

رسوا نہ کردے حشر میں رسوا کہیں مجھے
ابھرا سا یہ نشان جبیں پر نماز کا

(رعنا) جسونت رائے صاحب سکینہ بلوی (۴۹)

آپ کا نام جسونت رائے اور تخلص رعنا ہے۔ وطن قصبہ سہسوان ضلع بدایوں ہے۔ رعنا صاحب سکینہ کایستھ ہیں۔ ۹ اگست ۱۹۱۲ء کو بمقام سیتاپور پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد منشی کلیان رائے صاحب سیتاپور میں کوتوالِ شہر تھے آپکے والد صاحب کا اسمِ گرامی بابو بسنت رائے صاحب مخمور ہے جو ملازم پولیس ہیں اور صاحبِ جائداد بھی ہیں۔

رعنا صاحب ایک شاعر گھرانے کے فرد ہیں اور آپ کی پرورش اسی ماحول میں ہوئی ہے جہاں شعر و شاعری کا ہر وقت چرچا رہتا ہے۔ جب آپ چھ سات سال کے تھے اس وقت آپ کو مکتب میں اردو کی تعلیم کے لئے بٹھایا گیا اس لئے اردو سے آپ کو ایک خاص رغبت ہو گئی اور ساتھ ہی ساتھ فارسی بھی پڑھتے رہے جو آپ کا آبائی ذوق تھا اور آپ کے والد صاحب خود گھر پر تعلیم دیتے تھے۔ چونکہ آپ کے والد صاحب ایک اچھے شاعر بھی ہیں اس لئے آپ کی طبیعت پر اس کا بہت اثر پڑا دورانِ تعلیم ہی میں آپکے استاد منشی تربینی سہائے صاحب تھے آپ کو اکثر نظمیں اور غزلیں پڑھایا کرتے تھے۔ گویا درس بھی ملا تو شاعری ہی کا۔ بدیں وجہ آپ کو شاعری کا ذوق پیدا ہو گیا۔ یہ ذوق یہاں تک بڑھا کہ آپ تھوڑا بہت کہنے بھی لگے۔

جب آپ کے والد صاحب کا تبادلہ امروہہ ہوا تو وہاں اُن کے ساتھ آپ کو اکثر مشاعروں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ مشاعروں کی شرکت سے آپ کی طبیعت میں کچھ اور ہی جوشش پیدا ہو گیا اور آپ مشاعروں میں غزل پڑھنے کے لئے مجبور ہو گئے چنانچہ کبھی آپ ٹوٹا پھوٹا خود لکھ لیتے اور کبھی والد صاحب سے کہوا لیتے غرض اسی طرح یہ سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ اس درمیان میں آپ شعر کہنے سے غافل نہیں رہے اور جب ہی خود ہی غزل کہہ کر مشاعروں میں پڑھنے لگے۔ اور اپنے والد صاحب کے دوست حضرت تاج صدیقی امروہوی تلمیذ حضرت رسا رام پوری مرحوم سے اصلاح لیتے رہے اُن کی توجہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ رنگِ قدیم میں اچھا خاصہ کہنے لگے۔ جب آپ کے والد صاحب کا تبادلہ مراد آباد ہوا تو چند وجوہ کی بنا پر مشورۂ سخن منقطع ہو گیا۔ جب آپ انٹرمیڈیٹ میں داخل ہوئے تو آپ کی ملاقات حضرت شہید بدایونی سے ہوئی جو آپ کے ہم جماعت تھے ان سے آپ کا ربط و ضبط بہت زیادہ بڑھ گیا اور اکثر شعر و شاعری کی مجلسیں گرم رہنے لگیں۔ چونکہ وہ ایک خوش فکر شاعر ہیں اور رنگِ جدید کے دلدادہ اس لئے گل و بلبل تیر و تفنگ اور زُلف و خال کے ذکر سے بہت بچتے ہیں۔ لہذا اُن کی سوسائٹی کا آپ پر بہت زیادہ اثر پڑا۔ اور آپ کا پُرانا رنگِ تغزل تبدیل ہونے لگا۔ آپ کو شہید صاحب نے اس سلسلہ میں بہت کارآمد مشورے دیئے جن کے آپ شاکر ہیں۔ چار پانچ ماہ میں آپ کی شاعری نے اپنا چولا تبدیل کر دیا اور آپ اچھی غزل کہنے لگے۔ رنگِ طبیعت کا بدلنا تھا کہ آپ کو کسی صاحبِ فن اور باکمال اُستاد کی ضرورت محسوس ہونے لگی ایک دن مولانا سیماب مدظلہ کا یہ شعر آپ کی نظر سے گذرا۔

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر

یہ شعر سنتے ہی آپ بیقرار ہو گئے۔ آپ کی رگِ جاں پر ایک چوٹ لگی۔ اور مولانا مدظلہ کی عقیدت دل میں موجزن ہوئی کامل غور و خوض کے بعد ۸ مارچ ۱۹۳۵ء کو مولانا کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے اور اب برابر آپ ترقی کر رہے ہیں چونکہ آپ ذہین اور طباع ہیں اس لئے اُمید ہے کہ بہت جلد دنیائے ادب میں آپ ایک کامیاب شاعر کی حیثیت اختیار کر لیں گے

نظم غزل اور رباعی سے آپ کو خاص لگاؤ ہے۔ آپ ایک خوش فکر اور پُرگو نوجوان ہیں۔ اکثر آگرہ آکر مہینوں اپنے استادِ محترم کی خدمت میں استفادہ کرتے ہیں۔ شاعری کا مذاق طبیعت پر اس درجہ غالب ہے کہ دن رات اسی شغل تعلیت میں مصروف رہتے ہیں مگر طبیعت سیر نہیں ہوتی۔

نمونۂ تغزل

مرے حُسنِ طلب کی نوسامانی نہیں جاتی ۔ وہی کہتا ہوں اُن سے بات جو مانی نہیں جاتی
ہوئی تاراجئ بزمِ محبت کو بڑی مدت ۔ نہ جانے دل سے کیوں غم کی فراوانی نہیں جاتی
بہت کچھ ضبط کرتا ہوں دلِ پرشور کو لیکن ۔ ابھی راتوں کو اس کی نالہ افشانی نہیں جاتی
گزر کر ہوش سے اپنے نہ جانے ہیں کہاں پہنچا ۔ مگر ست اکثر ہیں کی بادہ افشانی نہیں جاتی
جنوں ساماتیاں چھوڑے ہوئے مدت ہوئی پھر بھی ۔ دلِ وحشت زدہ کی خاک افشانی نہیں جاتی
ملا بھی بعد مردن بار ساغر سے ہوتی ہے ۔ گرانجانئ محبت کی گرانجانی نہیں جاتی
خزاں بھی جا چکی ساون بھی گزرا موسمِ گل بھی ۔ مگر میرے دلِ ویراں کی ویرانی نہیں جاتی
بہائے تم مری روداد غم پر ایک دن آنسو ۔ چمن کی آج تک شبنم افشانی نہیں جاتی
انھیں بیٹھی تھی اک دن بیخودی میں ان کو دامن ۔ نگاہِ شوق کی اب تک پشیمانی نہیں جاتی

کہا کرتے ہیں وہ اکثر کہ تنگ آخر ہی ہے تو
مگر رعنا ابھی تیری غزل خوانی نہیں جاتی

شکستہ دل ہے مجھے زحمتِ بہار نہ دی ۔ جنوں کو میرے گریباں پہ اختیار نہ دی
خزاں نصیب ہوں دل ٹوٹ جائے گا صیاد ۔ قفس میں فرصتِ نظارۂ بہار نہ دی
رہین غیر اگر ہو تو زندگی ہے فضول ۔ کسی کو اپنے دل و جاں پہ اختیار نہ دی
کمالِ ہوش ہے خود پر ترا گماں ہونا ۔ خودی کی داد مجھے منزل و دار نہ دی
وہ دیکھ جام و سبو کو نو ٹپکنے لگا ۔ پیام بادہ کشی ابرِ نو بہار نہ دی
نشاطِ مختصر ہے آغازِ عشق کا انجام ۔ شراب دی ہے تو بے کیفئ خمار نہ دی

ہزار خار کھٹکتے ہیں روح میں رعنا
خدا قفس میں کبھی حسرتِ بہار نہ دی

مری بے گشتگی محسوس خود مجھ کو نہیں ہوتی ۔ مری فطرت میں گردش ہے کہ میں تقدیرِ ساغر ہوں
ہو تمام ابتدا و انتہائے کارواں مجھ سے ۔ جو پیچھے ہوں تو رہرو ہوں جو آگے ہوں تو رہبر ہوں
نیازِ عشق میرا عظمتِ ناموسِ الفت ہے ۔ یہی معراج ہے میری کہ دو قدمِ سجدۂ در ہوں
کوئی اس وقت آکر کھینچ لے تصویر خود داری ۔ تری محفل میں لب پر آہ ہے اور جامِ ساغر ہوں

کچھ اشک آنکھڑیوں میں چھپائے ہوئے سے ہو ۔ تم تو حریمِ عشق سجائے ہوئے سے ہو
پردے میں بھی نقاب اٹھائے ہوئے سے ہو ۔ تم آج میرے سامنے آئے ہوئے سے ہو
اب بھی چمک رہی ہیں محبت کی بجلیاں ۔ اب بھی چراغِ طور جلائے ہوئے سے ہو
شاید قریب آمدِ فصلِ بہار ہے ۔ تم آج مستیوں میں نہائے ہوئے سے ہو
نظریں بتا رہی ہیں کہ سینے میں درد ہے ۔ کیسے کہ رازِ عشق چھپائے ہوئے سے ہو
آؤ گلے لگا لوں غزالانِ کوئے دوست ۔ تم بھی جنونِ غم کے ستائے ہوئے سے ہو
ہر شے نظر میں پیکرِ حسن و شباب ہے ۔ تم تو مری نگاہ پہ چھائے ہوئے سے ہو

بہکے ہوئے قدم ہیں نظر میں ہیں لرزشیں
رعنا پیے ہوئے کہ پلائے ہوئے سے ہو

دل ہی سے پوچھیے کوئی تخلیقِ ساز بھی ۔ ساز میں کھوئی ہوئی ہے ساز کی آواز بھی
کیا غضب ہوتا ہے روحِ تشنہ کا انداز بھی ۔ سوز کہہ ہی دل سے جو آ گئی آواز بھی
رحم اے یادِ نشیمن رحم اے فکرِ چمن ۔ اب قفس میں گر چکے ہیں میرے پرواز بھی
کچھ تو سازِ عشق سے مضطرب ہیں نغمہ ۔ اور کچھ محسوس ہوتی ہے تری آواز بھی
اب ستم ہو یا کرم ہر حال میں ہے سر جھکا ۔ عشق کی ہستی سراپا سوز بھی ہے ساز بھی
ذرے ذرے جلوہ خود بینی ہے دستور نگر ۔ حسن خود آئینہ ہے اور آئینہ پرداز بھی
وہ مرا دل توڑ کر ہیں بھی کچھ نادم ہوئے ۔ کس قدر دلکش تھی آوازِ شکستِ ساز بھی

مری نظروں سے ہو چھپ کر حسنِ فطرت جلوہ گر
لاکھ پردوں میں تمنا ہیں کھل گیا یہ راز بھی

نمونۂ نظم

"فغانِ چمن"

آ مری اجڑی ہوئی بزمِ چمن کی سیر کر — بس میں تو گلچیں ہا ہائے آ چمن کی سیر کر
جو کبھی تھے باعثِ آرائشِ صحنِ چمن — اب انہیں اجڑی ہوئی برگِ چمن کی سیر کر
تو رہا ہے مدتوں محفل میں سرگرمِ نشاط — اب ذرا دل تھام کر بزمِ چمن کی سیر کر

وہ کہاں صبحِ چمن میں دلکشی اور تازگی
ہر طرف طاری نظر آتی ہے اک افسردگی

تو نے سوچا ہے کبھی کیوں ہو گیا یہ انقلاب — پھول کے ساغر میں کیوں باقی نہیں رنگیں شراب
وسعتِ عالم میں اک گوشہ نہیں ملتا جسے — جو کبھی رنگِ چمن تھا اب ہے کیوں خانہ خراب
اب وہ بلبل بینوا ہے کیوں نشیمن ہے کہاں — ہر سحر نظارہ کرتا تھا جسے آفتاب

آہ یہ بربادی و ویرانگی اک راز ہے
جس کی تو مضراب ہے یہ وہ شکستہ ساز ہے

شعلہ ہائے ناز سے پھر دل میں بھر دے سوز و ساز — پھر ذرا ہنس کر سجا دے محفلِ راز و نیاز
غور کر ساغر پر اپنے اس کی کم ظرفی نہ دیکھ — تشنہ لب کو پھر عطا کر دے شرابِ خانہ ساز
قسمتِ شوریدہ پر ہو بخشش پر کرم — تجھ کو فطرت سے ملی ہے فطرتِ بندہ نواز

تو اگر چاہے تو پھر صحن ہو پہلا سا وقار
گلشنِ تاراج کو مل جائے پھر اذنِ بہار

محفلِ برباد کا ہنگامہ آرا تو ہی ہے — اس چمن کی زندگانی کا سہارا تو ہی ہے
یوں تو گل بھی خار بھی برگ و ثمر بھی ہیں عزیز — اصلیت گر پوچھتا ہے سب سے پیارا تو ہی ہے
ہاں چمن زارِ محبت نے تجھے تکلیف دی — کرنے والا اس کی زحمت کو گوارا تو ہی ہے

کہہ چکا تجھ سے حدیثِ باغ اس کو یاد رکھ
یہ تری مرضی اسے ویران یا آباد رکھ

پیغام

[illegible]

یاد ہے ایثار تیرا عشق میں قربانیاں — وہ تری دلداریاں وہ اپنی بے چینیاں
آج تک بے چین کرتا ہے سلوکِ دل نواز — وہ تری رنگیں ادائیں میرے حق میں کیا کہنا

تو اگر ہو جائے اس رازِ دروں سے باخبر
پھر نہ یوں مجھ سے کہے گا تنگ حالی عمر بھر

بات کی پیارے تاروں سے تو اب بھی پوچھ لے — ساری ساری رات جاگا کیا میرے لئے
چاندنی کرنیں ہیں شاہد یاد ہے بیداری — صبح کی ٹھنڈی ہوا سے پوچھ میری بیکلی

میں محبت میں تری خاطر پریشاں ہوں ہنوز
تنگِ جاں کیا شہیدِ رنگِ احساں ہوں ہنوز

نمونۂ رباعیات

میں رنج و مسرت میں جیے جاتا ہوں — اپنی سی بہر حال کیے جاتا ہوں
مشرب ہی مرا ہے یک رنگی رہنا — جس رنگ کی مل ہو پیے جاتا ہوں

آنے دو اگر بہار باغ آتی ہے — لانے دو جو پیغامِ طرب لاتی ہے
ساقی کے لبوں میں بھی ہے اک بادہ کدہ — ہونٹوں سے شراب چھلکی جاتی ہے

جب شاہد و شعر و بادہ آشامی ہو — افسوس جو اندیشۂ بدنامی ہو
کر لے پس و پیش شغلِ بادہ رہنا — شاید یہی دور دورِ خوشکامی ہو

ہونٹوں سے شرابِ زندگانی دے دی — رنگینِ حیات کامرانی دے دی
جذبات جواں ہو گئے رعنا میرے — ساقی نے جوانی ہی جوانی دے دی

غنچوں سے شراب تو نکالی میں نے — ہر پھول کی رگ نچوڑ ڈالی میں نے
سانچے میں ڈھلا نظامِ فطرت رعنا — جب رات کی شراب سنبھالی میں نے

www.taemeernews.com

ساغر — صمد یار خاں صاحب نظامی علیگڑھی — ۴۰

آپ ۱۱ ربادو دسمبر ۱۹۰۷ء کو بمقام علی گڈھ پیدا ہوئے۔ نسلاً آپ یوسف زئی اور ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ ہیں آپ کے والد بزرگوار جناب ڈاکٹر احمد یار خاں صاحب وارثی اپنے خاندان کے ایک معزز رکن ہیں۔ آپ کے جدّ امجد جناب ڈاکٹر محمد یار خاں صاحب علی گڈھ کے ایک مشہور و معروف بزرگ تھے "آگرہ میڈیکل اسکول" سے سب سے پہلے جس طالب علم نے امتحانِ سرجری میں کامیابی حاصل کی وہ آپ ہی تھے آپ کا نام بطور یادگارِ تقدیم اب تک اسکول کی دیوار پر بصورتِ کتبہ کندہ ہے۔ ساغر صاحب کے دیگر اعزا و اقارب بھی اطرافِ ملک میں معزز سرکاری عہدوں پر مامور ہیں۔

ساغر صاحب چونکہ ایک ممتاز پڑھے لکھے اور تہذیب یافتہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے خاندانی اصول کے تحت آپ کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی جس میں کلام پاک اور اردو فارسی کو زیادہ دخل تھا جب آپکے والد صاحب کو اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ آپ کی ذہنی نشو و نما بحدِ کافی ہو چکی ہے تو آپ کو مدرسہ میں داخل کرا دیا اور کچھ ہی عرصہ بعد علی گڈھ کالج سے متعلق اسکول میں۔ آپ کا ذہن ایک غیر معمولی ذہن تھا جس نے تعلیمی مشکلات کی کوئی حقیقت نہ سمجھی اور اس میں برابر کوشاں رہا۔ بعض لوگ وطنی جذبات کا احساس بچپن ہی سے کرنے لگتے ہیں اور تمام عمر ان کا وہ احساس آزادی قائم رہتا ہے۔ ساغر صاحب "خلافت" کی آواز پر کئی مرتبہ لبیک کہہ چکے تھے۔ ادھر کانگریس کا زور و شور تھا غرض آپ نے اپنے مستقبل کی طرف سے بے خبر ہوتے ہوئے اس تحریک میں آزادی کے ساتھ شریک ہونے کی غرض سے اسکول کو خیرباد کہہ دیا وطنی محبت ساغر صاحب میں کتنی تھی اور ہے اس کا ثبوت اُن کی شاعری سے ملتا ہے۔

کچھ عرصہ تک آپ مختلف مشاغل میں معروف رہے لیکن دراصل فطرت کا منشا کچھ اور تھا۔ اس نے آزادی کے پرستاروں میں ساغر صاحب کو ضرور پیدا کیا تھا لیکن وہ یہ بھی چاہتی تھی کہ ساغر نثر میں ملک کو کوئی پیام نہ دے۔ بلکہ یہ آزاد منش نوجوان اپنے وطنی ترانوں سے ملک کی فضا میں ایک ہیجان پیدا کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (میں ساغر صاحب کی سوانحعمری کے تمام مدارج پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈال رہا ہوں تفصیل سے اس لئے نہیں لکھتا کہ ابتک بیشتر رسالوں میں آپ کی زندگی کے حالات شائع ہو چکے ہیں) آپ کو زمانۂ طالب علمی ہی سے ملکی تحریکات کی محبت کیساتھ ساتھ ذوقِ شعری سے بھی بگونہ لگاؤ پیدا ہو گیا۔ جو آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ اپنے ذوق کی پذیرائی کے لئے آپ سنہ ۱۹۱۸ء میں حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ چونکہ آپ کے والد صاحب کو مولانا مدظلہ سے بحیثیت وارثی ہونے کے ایک خاص نسبت ہے اس لئے آپ نے ساغر صاحب کے مستقبل کے لئے مولانا ہی کو ذمہ دار قرار دیا۔ مولانا مدظلہ نے بطور خاص ساغر صاحب کے دماغی اور ذہنی نشو و نما کی طرف توجہ کی۔ عرصہ تک ساغر صاحب مشقِ سخن کرتے رہے۔ چونکہ آپ شاعری کی دنیا میں آچکے تھے اس لئے بجز شعر کہنے کے آپ کو کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ اور تین چار سال کی مشقِ سخن نے اس دماغ کو جو پہلے شعریت کی لذتوں سے خالی تھا اب الہامات کے کیف سے لبریز کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ ملک میں آپ کی شہرت کا آوازہ گونجنے لگا۔

جب سنہ ۱۹۲۳ء میں حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ نے آگرہ میں مستقل

قیام فرمایا اور رسالہ "پیمانہ" کے نکالنے کی تحریک اپنے احباب اور عزیز شاگردوں میں پیش کی تو ساغر صاحب بھی اس میں شریک تھے چنانچہ قرعۂ فال آپ ہی کے نام آیا۔ "پیمانہ" کے لئے جیسے فنکار، جدت پسند، رنگین مزاج شخص کی ضرورت تھی وہ فطرت نے بہم پہونچا دیا۔ ۱۹۳۲ء تک اس شان و معیار سے رسالہ کو شائع کیا جس کا جواب نہ اب پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہوگا۔ مجھے اس کا اعتراف ہے کہ قبلۂ عالم حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے زرین مشورے "پیمانہ" کے عروج و ترقی میں معاون تھے لیکن ساغر صاحب نے بھی جس تندہی اور انہماک سے اس فرض کو انجام دیا وہ اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ ساغر صاحب ایک دو سال نہیں پورے آٹھ نو سال قصرِ ادب کی چار دیواری میں رہ کر تربیت پا چکے ہیں۔ ادبی ماحول۔ دن رات کے ادبی مشاغل اور مولانا مدظلہ کی توجہات نے انہیں آج اس اسٹیج پر پہونچا دیا ہے جہاں انسان اپنی تمام عمر کھو کر بھی نہیں پہونچ سکتا۔ آج ہندوستان کا بچہ بچہ ساغر اور ان کے کلام سے واقف ہے ہندوستان کے ایک دو نہیں ہزاروں مشاعرے ان کے سریلے نغموں سے گونج چکے ہیں۔ ہندوستان کی عام رائے ہے کہ اس وقت ساغر صاحب سے بہتر پڑھنے والا ہندوستان میں موجود نہیں۔ در حقیقت ساغر کے مدھ بھرے نغموں نے لوگوں کو مسحور بنا دیا ہے۔

ساغر صاحب ادبی دنیا میں جس شہرت و قبولیت کے مالک ہیں وہ تو خیر اپنی جگہ بہت وزنی ہے اس کے علاوہ آپ ادارتی فرائض بھی اس درجہ انجام دے چکے ہیں کہ اس باب میں بھی ایک خاص مہارت پیدا ہو گئی ہے۔ "پیمانہ" کے بعد آپ نے سنہ ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ میگزین نکالا اور سنہ ۱۹۲۷ء میں ماہنامہ "مستقبل" شائع کیا جو ایک بہترین رسالہ تھا۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں ایک معلق سیاسی اخبار "استقلال" اپنی ہی ادارت میں نکالا جو آرڈیننس کے سلسلے میں بند ہو گیا۔ آج کل آپ میرٹھ سے ماہنامہ "ایشیا" نکال رہے ہیں جس نے ادبی دنیا میں اپنے خاص اسلوب سے ایک ممتاز درجہ حاصل کر لیا ہے۔

سنہ ۱۹۳۲ء سے آپ نے ذمہ دارانہ حیثیت سے مظفر نگر اور علی گڑھ میں اپنا ذاتی کام شروع کیا اور اب میرٹھ میں ایک بڑے ذاتی پریس کے مالک ہیں۔ جہاں کتابت اور طباعت کے علاوہ ایک زبردست کتب خانہ بھی قائم کیا ہے۔ چونکہ آپ کے والد صاحب کا قیام مستقل طور پر میرٹھ ہی میں ہے اس لئے آپ کے گھر کے تمام افراد وہیں ہیں "ساغر پریس" انتہائی کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

ساغر صاحب کی شاعری اور نثر نگاری کے متعلق کچھ کہنا بیکار ہے جس شخص نے ہندوستان کے سامنے "بادۂ مشرق" جیسی بے نظیر کتاب پیش کی ہو اس کے لئے اچھے سے اچھے الفاظ میں بھی اظہارِ خیال نہیں کیا جا سکتا۔

ساغر صاحب کی شاعری "آگرہ اسکول" کا وہ ممتاز معیار ہے جس سے دوسرے لوگ سبق لے سکتے ہیں۔ ساغر صاحب کا شمار "آگرہ اسکول" کے چوٹی کے افراد میں ہے اور "آگرہ اسکول" کو ناز ہے کہ اس نے ملک میں ایک ایسا اچھا شاعر پیدا کر دیا جس نے اپنے آزادی بھرے نغموں سے جس کا احساس انہیں عہدِ طفلی سے تھا۔ ہندوستان میں زندگی کی نئی روح پھونک دی ساغر کو اگر شوالۂ شباب کا دیوتا اور رومانی شاعری کا ناخدا کہا جائے تو کم ہے۔ ان کے بیاں وہ سب کچھ ہے جس سے ملک کی تقدیریں بن سکتی ہیں۔

ساغر صاحب ایک اچھے انشا پرداز اور فسانہ نگار بھی ہیں۔ آپ کی نثر گو تفصیلی ہوتی ہے لیکن بہت زیادہ پُر از معلومات۔ ساغر صاحب کے متعلق ابھی کچھ اور لکھنا قبل از وقت ہے۔ آپ کی تصانیف میں مندرجۂ ذیل کتابیں ابتک شائع ہو چکی ہیں۔ "بادۂ مشرق" نظموں، غزلوں اور رباعیوں کا ایک ضخیم دیوان "کہکشاں" آپ کے افسانوں کا مجموعہ "شبابیات" "صبوحی" "خمخانۂ برکات" "ذروں کا مستقبل" وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ آپ کی کئی تصانیف غیر مطبوعہ ہیں جو جلد شائع ہونے والی ہیں۔

نمونۂ تغزل

یہ جمالِ جبیں پہ تشنۂ شرم   روح و دل تھرتھرائے جاتے ہیں

عشق محدود حسن لامحدود ہم سے آگے وہ پائے جاتے ہیں
میں مجسم رسیدگی ہوں مگر وہ مسلسل بلائے جاتے ہیں
پیکرِ کفر بن کے وہ ساغر
دین و دنیا پہ چھائے جاتے ہیں

کیا کسی پر میرے غم کی کارفرمائی ہوئی آج اک صورت تصور میں بھی گھبرائی ہوئی
آشیاں سوزی بجا، میری اسیری بھی بجا کیا چمن سے روٹھ جائے گی بہار آئی ہوئی
عالمِ تاریک میں سو چاند پیدا ہو گئے شامِ غم زخمِ جگر کی خوب رسوائی ہوئی

دور سے نظرِ دل کو آستانِ ناز آیا لب پہ جو نفس آیا وہ بصد نیاز آیا
بزمِ ناز میں مجھ کو تجھ سے ندامت ہے کیوں نہ میرے حصے میں سوزِ دلگداز آیا

دینے مجھے پیغام تری جلوہ گری کا جھونکا ابھی آیا ہے نسیمِ سحری کا
آوارگیٔ عشق کی حسرت کا بھلا ہو مقصد ہی نہیں کچھ مری دیوانہ گری کا
ہر ذرۂ بیقدر تری راہ گذر میں ہے نقطۂ آخر مری عالی نظری کا

ضبط اور تحمل کی جادہ و سامانیاں معلوم اب کہیں سنبھلتا ہے قلبِ ناصبور اپنا
دعوتِ طلب دیجئے عرضِ حال کی خاطر ہم بھی اب بتائیں گے ایک اک قصور اپنا
نازشیں ابد کو ہیں ندرتِ قیامت پر جوشِ لب کیا خاموش تو بھی ہو کلیم اپنا

جنونِ ہنگامہ سیری میں فسانۂ دار ہیں تری نگاہیں تباہیٔ کائنات ٹھہری مری جوانی شباب تیرا
کچھ ارتعاشات ہیں ہمہ گیر جلوۂ نو بہ نو نظامِ گلشن شگفتگی بن کے پھوٹ نکلی کلی کلی وہ شباب تیرا

نتیجۂ خلشِ برق و آشیانہ ملا بیاضِ صبحِ چمن کو نیا فسانہ ملا
ہر ایک سانس پہ کرتا ہے وہ مجھے سجدے قدم قدم پہ تمہارا ہی آستانہ ملا
ہزار میکدے جھومے مری نگاہوں میں تمہاری آنکھ ملی یا شرابخانہ ملا

قفس کی بعد ہم آزادہ ہست بود رہے نہ آشیانے کو ڈھونڈا نہ آشیانہ ملا
جو ساری رات مرتب کیا ستاروں نے دمِ سحر ورقِ گل پہ وہ ... نہ ملا

ساقی کو تصور ہے ان کا اور چپکے چپکے رونا ہے اے صبح کے تارے تو ہی بتا انجام مرا کیا ہونا ہے
ان زہرہ نگاہوں والوں کا کیا ہنسنا ہے کیا رونا ہے برسے جو بجے سوتی ہیں بستا ہے خالص سونا ہے
تسبیح گلاں و نقشِ اٹھا یہ روشن ہے دنیا ہے میں چندن ہوں وہ کندن ہیں مٹی کو مری سونا ہے

مجھے قابو کہاں ہے اپنے جذباتِ پریشاں پر ہزاروں ہاتھ گھبراہٹ میں پڑتے ہیں گریباں پر

توڑ دیں گرچہ مستی میں اک پیمانہ ہم از سرِ نو ڈالدیں بنیادِ صد میخانہ ہم
شمع بھی جلتی رہی پروانے بھی سنتے رہے اور وہ سوز جسے کہتے رہے افسانہ ہم
کب تک آخر جرعہ جرعہ قطرہ قطرہ ساقیا لا انڈیلیں آج پیمانے میں کل میخانہ ہم
عینِ مستی میں اے ساقی اگر انگڑائی لیں عرش پر رکھدیں مخانہ کر کے ... ہم

یہ میکدہ ہے ترا مدرسہ نہیں واعظ یہاں شراب سے انساں بنائے جاتے ہیں
ہمارا حال تو دیکھا ہمارا ظرف بھی دیکھ نگاہ اٹھتی نہیں غم ... ہیں

کالی گیسو والوں کی رات بسر جو ہوتی ہے حسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے
ساون آئے بھول کھلے اک دیوانہ بول اٹھا جس میں دل کھل جاتے ہیں وہ کھاب ہوتی ہے
دل کی تو تشخیص ہوئی جادہ گردش سے پوچھو گا دل جب دھک دھک کرتا ہے وہ حالت کیا ہوتی ہے

تبسم مستقل بجلی، ترنم شعلۂ پیکر کہیں وہ غارتِ تقویٰ کہیں دشمنِ مے خانہ

اگر گنجائشیں ہوتیں نہ میرے رازِ خلقت میں کہاں گنجائشیں لیتی تمہاری عافیت ...

نمونۂ نظم

"غداری"

جب اقوام و ملل پر بارِ خیالِ غلامی ہوتی ہے — جب انساں کی طبیعت خوگرِ بے جا احساسِ توہین ہے
رذالت جب اثر اپنا جماتی ہے شرافت پر — ہوس جب غالب آ جاتی ہے احساسِ محبت پر
غلامی ملک کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے — تباہی سوئے آبادی رخ اپنا پھیر لیتی ہے
علوم و جہل میں جب فرق نازک سی نہیں رہتا — دماغ و دل پہ چھا جاتا ہے جب اک کیف دہ سا
محاسن قوم کے افراد سے جب گم ہو جاتے ہیں — مفاسد جب کسی طبقے پہ بن کر چھا جاتے ہیں
جب اخلاقِ حمیدہ کی تجارت ہونے لگتی ہے — جب اوصافِ شریفہ میں بغاوت ہونے لگتی ہے
جب انسانوں کے دل شیطان کے مسکن ہوتے ہیں — زمانے میں جہنم کے دریچے باز ہوتے ہیں
ملِ مخلوق جب پستیوں میں ڈوب جاتا ہے — جب اک دور میں نفسانیت کا رنگ آتا ہے
نکلتے ہیں حجابِ ملک سے مکار و مکاری — ہویدا معصیت کے بطن سے ہوتی ہے غداری

یہ سانپن پھر اپنے بطن سے غدار جنتی ہے
وطن اور قوم میں افرادِ ناہنجار جنتی ہے

"الہام"

جب سکوں کا دور ہوتا ہے اندھیری رات میں — اور سو جاتے ہیں تارے رات کی ظلمات میں
روحِ بیداری تڑپ اٹھتی ہے حیات میں — شاعری لیتی ہے انگڑائی مرے جذبات میں

عرش سے آتا ہے سامانِ نوا میرے لئے
در فلک کے کھول دیتا ہے خدا میرے لئے

میں فرشتوں کی صدا سنتا ہوں گوشِ ہوش سے — دل لرز جاتا ہے میرا انتہائے جوش سے
خود اچھل پڑتی ہے کرزِ قلب کی آغوش سے — آبشارِ نطق بہتا ہے لبِ خاموش سے

ڈوب دیتی ہے طبیعت پردۂ احساس پر
غیب سے گرتی ہیں بوندیں صفحۂ قرطاس پر

بے حجاب آتا ہے کوئی منظرِ افلاک پر — حیرتیں ہوتی ہیں طاری خامۂ چالاک پر
گونجتا ہے ذہن میرا سرحدِ ادراک پر — ٹوٹ کر تارے سے گرتے ہیں زمینِ خاک پر

سنسناتا ہے ہر نفس کیفیتِ آواز سے
باہر آ جاتے ہیں کچھ نغمے عجب ساز سے

نمونۂ نثر

"اور نوشابہ کی قسم! وادیوں میں پریاں کھیلا کرتی تھیں۔ جن کے شعاعی اور دراز گیسو، صندلی رخسار صدفی آنکھیں، مرمریں رنگ، جھلملی پیشانی، یاسمیں ہونٹ، مینائی گردن، بلوریں سینہ اور ہمہ گداز جسم اس امر کی دلیل تھا کہ وہ انسانی ترکیب کا نسوانی پیکر نہیں ہے بلکہ قدرت نے پوری مہ کی ضیا بار کرنوں، اور سمندر کی لطیف موجوں کے اتصال سے اس کی تخلیق کی ہے، اور وہ ایک ایسی جاندار سیپ ہے جس کے شفاف پیکر میں تجلیوں کے موتی جگمگا رہے ہیں۔"

"نوشابہ کی جمیل سہیلیاں، حسن کی کافر جبینیاں، جمال و شباب کی معصوم دیویاں .... دوشیزگی و دلربا کنواریاں۔ چاند راتوں کو ان کی دھیمی تجلیوں سے کسب ضیا کیا کرتا تھا۔ فضا ان کی موسیقی سے معمور تھی، اور سواد دلکشی افق تک غماز بنی ہوئی تھی کہ شراب حسن کی بے تاب مستیاں ابھی تک کیف افروز ہیں۔"

"جبکہ یہ سمندری پریاں موجوں سے کھیل رہی تھیں ان کے سایہ گوں کپڑے جولائے ساحل سے نم آلود تھے۔ اور موجیں بار بار ان کے پاؤں چوم جاتی تھیں۔"

"نوشیں و نوشابہ کی بے باکانہ ہمنشینی، آزادانہ گفتگو، نازمندانہ چھیڑ چھاڑ، تمام محفل کے دلوں پر بجلی برسا رہی تھی......"

(سمندر کی شہزادی)

---

www.taemeernews.com

(ساحر) مولوی ضمیر عالم صاحب۔ اکبرآبادی (۴۱)

آپ کا اسم گرامی ضمیر عالم اور ساحر تخلص ہے۔ آپ ۱۹۱۰ء میں تاج البلاد اکبرآباد میں پیدا ہوئے۔ ساحر صاحب ایک زبردست اور مشہور خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے پردادا امیر دولت محمد خاں والیٔ افغانستان کے عہدِ حکومت میں وارد ہندوستان ہوئے۔ ہندوستان آنے کی غرض و غایت سیر و تفریح اور تجارت بھی تھی لیکن ہندوستان کی کشش اور اکبرآباد کی خوش قسمتی سے آپ یہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ اور آپ کے جدِ امجد مولوی نذیر محمد خاں صاحب کی شادی اکبرآباد ہی کے ایک معزز اور باوقعت خاندان میں ہو گئی۔ اتفاق سے جس جگہ آپ کے دادا صاحب کی شادی ہوئی تھی وہ گھرانہ بھی علم و فضل میں مشہور تھا۔ آپ کے دادا صاحب ایک متبحر عالم اور السنۂ مشرقیہ کے ماہر تھے۔ آپ نے مطبع محمدی آگرہ میں قائم کیا اور فارسی زبان کا ایک اخبار الانوار کے نام سے نکالا جو ہندوستان و بیرونِ ہند میں کافی مقبول ہوا۔ آپ کے دادا صاحب کا قیام تاحیات محلہ دھکڑوں میں رہا وہاں ان کا اب بھی ایک ذاتی مکان موجود ہے۔ آپ کے دادا صاحب کی زندگی تک افغانستان کے اعزا سے سلسلۂ رسل و رسائل قائم رہا لیکن ان کے مرنے کے بعد آج تک نہ ادھر سے کوئی سلسلہ جنبانی ہوئی اور نہ ادھر سے گویا پیوند ہی جدا ہو گیا۔ آپ کے دادا صاحب کے چار اولادیں ہوئیں۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں۔

ساحر صاحب کے والد محترم مولوی نذیر الدین صاحب بی اے اکبرآبادی نے بھی علم و فضل ہی کی فضاؤں میں پرورش پائی۔ آپ نے الہ آباد یونیورسٹی سے اس وقت بی اے کا امتحان پاس کیا جس وقت لوگ مڈل اور انٹرنس کا امتحان پاس کرنا معجزانہ اور انتہائے کمال سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ عربی، فارسی، سنسکرت، عبرانی اور ترکی وغیرہ زبانوں میں اتنی دستگاہ حاصل کی کہ بغیر تکان تقریر و تحریر کر سکتے ہیں۔ آپ ایک زبردست فقیہ ہیں اور علمِ فقہ میں باقاعدہ دستارِ فضیلت حاصل کر چکے ہیں۔ علم کے ساتھ ساتھ آپ کو شعر و سخن سے بھی بہت دلچسپی ہے۔ آپ خود بھی شعر کہتے ہیں دانش تخلص ہے مگر اپنا کلام شائع کرانا پسند نہیں کرتے۔ آپ تیس سال تک محکمۂ نہر کے دفتر میں ہیڈ کلرک کی جگہ فائز رہے۔ اب سبکدوش ہو گئے ہیں ۱۹۳۸ء میں آپ نے حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔ اب صبح سے شام تک عربی کتب عربی و فارسی اخبارات اور سیاسیاتِ عالم کے مطالعہ میں منہمک رہتے ہیں۔

ساحر صاحب کا نام محمد ضمیر خاں رکھا گیا تھا لیکن ایک بزرگ نے ضمیر عالم تجویز کیا اور اسی وقت سے یہی نام قرار پایا۔ آپ کے بڑے بھائی محمد ظہیر عالم صاحب واسطی بی اے علیگ، ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس ہیں ظہیر صاحب کو بھی شاعری سے فطری لگاؤ اور رغبت ہے۔ واسطی تخلص فرماتے ہیں حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ سے ہی شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ کچھ عرصے سے شعر کہنا بند کر دیا ہے۔

چونکہ ساحر صاحب کا پورا خاندان علوم مغربی کے علاوہ علوم مشرقیہ کا بھی دلدادہ تھا اور ہے اس لئے آپ کے والد صاحب نے پہلے آپ کو گھر ہی پر ابتدائی تعلیم دی اس کے بعد اردو فارسی کی تحصیل کے لئے مکتب میں داخل کرا دیا۔ ۱۲ سال کی عمر میں آپ نے گلستاں، بوستاں، رقعاتِ عالمگیری، قصائدِ قاآنی، ابوالفضل، مینا بازار، نثرِ ظہوری وغیرہ وغیرہ کتابیں پڑھیں انگریزی تعلیم کا سلسلہ بھی برابر جاری رکھا اور انٹرنس تک انگریزی میں بھی دستگاہ حاصل کی۔ مگر آپ نے اپنے والد صاحب کی ایما سے انگریزی کو خیرباد کہہ دیا اور ہمہ تن عربی زبان کی تحصیل میں منہمک ہو گئے خاصی استعداد پیدا کر کے حکمت کی طرف رجوع ہوئے حکمت پڑھتے رہے۔ بعض وجوہ کی بنا پر حکمت کو بھی

www.taemeernews.com

عربی فارسی کے امتحانات کی تیاری شروع کردی۔ ساحر صاحب نے جن علما اور ادبائے عربی و فارسی زبانوں کی تکمیل کی ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ مولوی عیسیٰ صاحب۔ مفتی اعظم شاہ صاحب۔ مولوی سعادت اللہ صاحب بنی اسرائیلی پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی۔ آپ نے الٰہ آباد اور پنجاب یونیورسٹی سے عربی۔ فارسی اور اردو کے اعلیٰ امتحان مثلاً فاضل ادب۔ کامل۔ اردو اعلیٰ قابلیت۔ مولوی۔ عالم۔ اور منشی وغیرہ وغیرہ نہایت ممتاز حیثیت سے پاس کئے۔ امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو گورنمنٹ انٹر کالج جھانسی میں جگہ مل گئی اور وہاں سے باندہ تبادلہ ہوا۔ آج کل آپ شہر کے ایک ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی ہیں۔

حضرت ساحر نے جس فضا اور جس ماحول میں آنکھ کھولی اس کا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ اس لئے اگر آپ کو ابتدائی سن شعوری میں شعر و سخن سے ذوق ہو گیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ شاعری اور ذوقِ شعری انہیں ورثہ میں ملا تھا اس لئے آپ نے ابتدا ہی میں اردو اور فارسی میں شعر کہنا شروع کر دیا جس کے بعد تسکینِ خاطر اور اصلاحِ شعر کے لئے آپ کو ایک مصلح کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ۱۹۲۸ء میں علی گڑھ کی مجلسِ ادب میں آپ کو علامہ مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ کے ارشادات سے مستفیض ہونے کا موقع ملا اور اس کیف سے متاثر ہو کر جو مولانا مدظلہ کے کلام سے آپ پر پڑا تھا آپ مولانا کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ بقول آپ کے مولانائے محترم کی اصلاح اور عالمانہ مشوروں نے آپ کی زبردست رہنمائی کی اور آپ کے خیالات کو جواہر سے بھر دیا۔ آپ تقریباً چودہ سال سے شعر کہتے ہیں۔ ہندوستان کے اساتذۂ فن اور نامور شعرا کی معیت میں آپ نے بکثرت مشاعرے پڑھے ہیں مگر کشمکش اور پریشان خیالی نے بالکل نہیں تو بہت کم اب بے تعلق سا کر دیا ہے۔ اب آپ بہت ہی کم شعر کہتے ہیں اور بدرجۂ مجبوری مشاعروں میں شرکت فرماتے ہیں۔ آپ کے کلام میں لطیف جذبات، پاکیزہ خیالات اور بلند ارادے پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ تحت اللفظ پڑھتے ہیں مگر ایسا مشاعرے کو لادیتے ہیں۔

آپ ایک اعلیٰ پایہ کے نثار بھی ہیں اور آپ کی متعدد تصانیف مطبوعہ اور غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ نظم کے تارے، تفسیر المعوذتین اور گورِ غریباں یہ تین کتابیں چھپ چکی ہیں۔ کتبِ احادیث پر ایک نظر، شعرا کا تاریخِ عالم پر اثر، یارِ غار، کام کی باتیں، روحِ فلسفہ، عربی کا سنیٹ، اور فردوسِ نسواں، ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔

آپ کی شادی اکبرآباد کے مشہور رئیس و تاجر وزیر خاں صاحب کی لڑکی زبیدہ خاتون صاحبہ نرگسؔ سے ہوئی ہے جو مدیرۂ "آنچل" آگرہ ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادے بھی ہیں جن کا نام قدیر عالم ہے۔

نمونۂ تغزل

حشر میں اپنی شکایت کو پریشاں دیکھا ۔۔۔ جب تری نیم نگاہی کو پشیماں دیکھا
آگیا جوش میں دریائے کرم حشر کے دن ۔۔۔ جب نم آلودہ مرا گوشۂ داماں دیکھا
دل کو پہلو میں کیا سوزِ نہاں نے روشن ۔۔۔ یوں تماشائے چراغِ تہِ داماں دیکھا

پھر شرر ریز ہوا سینۂ سوزاں میرا ۔۔۔ پھر کہیں نالہ چلا شعلہ بداماں میرا
خیر اس شرط پہ لے لیجئے کاشانۂ دل ۔۔۔ جب تلک آباد رہے آپکا ویراں میرا

یوں حبابِ سا نہ تو بحرِ جہاں میں سر اٹھا ۔۔۔ دیکھ تجھ سے بھی ہے کچھ اونچا نظر اوپر اٹھا
رنگ پھر لانے لگی ہے کیفیِ دردِ فراق ۔۔۔ بند کر مینا نہ ساقی شیشہ و ساغر اٹھا

پھر انجمن میں آج طلب آئینہ ہوا ۔۔۔ اے دیدۂ جمال نگہ تجھ کو کیا ہوا

میرے خیال ہی میں ہم آغوشِ شوق ہو ۔۔۔ آ میرے ساتھ آج شبِ غم بسر کریں

جھلکیگا ایک دن رفتہ مجھ کو حشر میں　　تصویر ہوں خرابیٔ دنیائے حال کی

یاس کی تصویر ہے برگشتہ سامانی مری　　آپ سے دیکھی نہ جائیگی پریشانی مری
حسن کی دیوی کو دینے جا رہا ہوں جانِ دل　　پریم کے مندر میں ہو درکار قربانی مری

موجود بات آپ پہ ہے مرگِ ناگہاں　　اک زندگیٔ عشق ہے اور یوں خراب ہے
لو لذتِ نظر بھی گئی حشر ہو چکا　　سنتا ہوں اب کہ خاتمۂ انقلاب ہے

انجامِ آرزو ہے وہی مرگِ آرزو　　کیوں ابتدائے عشق ہے فکرِ مآل میں
اللہ ری ایک لفظِ تمنا کی وسعتیں　　عمرِ دراز ختم ہوئی عرضِ حال میں
آخر حجاب سے نہ رکی شوق کی نگاہ　　جلووں کی لوٹ ہو گئی بزمِ جمال میں

سن کر وفا کا نام وہ حیران رہ گئے　　پھر پوچھنے لگے کہ یہ بولی کہاں کی ہے
معلوم ہو مجھ کو نہ ہو راہ کوئی دوست　　پہونچوں گا میں وہیں مری مٹی جہاں کی ہے

میں ڈوب کر دریا میں آسودۂ منزل ہوں　　کوسوں مجھے ساحل ہی ساحل نظر آتا ہے
جب خون کے کچھ قطرے قاتل نظر آتے تھے　　اب خون کے قطروں میں قاتل نظر آتا ہے

اٹھائی تیغ اس نے اور پھر رکھدی خفا ہو کر　　مری تقدیر کا پھر رہ گیا کچھ فیصلہ ہو کر
ملے تھے باوفا ہو کر، چلے ہیں بیوفا ہو کر　　وہ جب آئے تھے کیا ہو کر وہ اب جاتے ہیں کیا ہو کر

ہمارے پاس خالی ہو کے آنا بزمِ دشمن سے　　رہیگی یاد زخمِ دل کو چٹکی نمکداں کی

ہے روزِ حشر دھوپ کڑی آفتاب کی　　ساقی یہاں سبیل لگا دے شراب کی

ہجومِ حشر میں یہ بھی مزے کی اک گھڑی ہوگی　　وہ ہوں گے ایک ساری خدائی ایک ہوگی

قیامت میں وہ بالا مرے جینے کی خوشی ہوگی　　تمہاری دید بھی ہوگی ہماری عید بھی ہوگی
نہ کیا وہ قتل کرنے آج بھی مجھکو نہ آئیں گے　　قضا کی یادوں میں کیا آج بھی مہندی لگی ہوگی
مجھے پر بال دے گلشن میں یہ تقدیر رہنے دے　　کہ ہوں گی بال و پر تو فکرِ بے بال و پری ہوگی
جہاں تک جائیگی کرنیں چمک کر آفتابِ حشر کی　　بیاباں میں وہاں تک چاندنی ہی چاندنی ہوگی

سنادی ہر طرف کر دی ہے نازن ترانی نے　　کہ اب جلوہ پہ چھا جائے موسیٰ ہو نہیں سکتا
بجھا دو شمع لیکن آئینگے محفل میں پروانے　　فنائے شمع کا کیا غم یہ دیو کا ہو نہیں سکتا

وہ غم مجھ کو قسمت نے دیا ہے جس سے ہو تم خوش　　وہ درد خدا دے مجھ کو تم جس کی دوا ہو

یہ بھی دنیائے وفا میں سببِ عبرت ہے　　سوگ شیریں کا منائے ماتمِ فرہاد نہ ہو
جیسے منظور ہو ہم بزمیٔ گل اے ساغر　　اس سے کہہ دو کہ قفس سے کبھی آزاد نہ ہو

ہے ہر گھڑی فراق کی اک عمرِ حیات　　کس طرح انتظار تو رات بھر کرے

قیامت میں غرورِ دشمن کا پھر فیصلہ ہوگا　　زلیخا کو تمہاری جائیگی یوسف کے داماں کی

نمونۂ نثر:-　　اطالبعلموں کو تعلیم کی اہمیت بتانا ہو تو

آج کل ہندوستان میں جبکہ مذہب زندگی کے ہر مسئلہ کا پیش خیمہ بنا ہوا ہے یہ دستور کہ ایک جگہ مختلف قوم و ملت کے بچے جمع کئے جائیں۔ انہیں بغیر امتیاز تربیت برادر نوازی کا درس دیا جائے۔ صداقت کے اصول سمجھائے جائیں۔ زندگی کا مفہوم واضح کیا جائے۔ باہمی مراسم و فرائض کی صحیح اہمیت بتائی جائے اور انسانی تعلقات کو مستحکم بنانے کیلئے اعلان کیا جائے کہ خدمت ... مفید اور پاکیزہ خدمت ہے

ساحل — صاحبزادہ حامد سعید خاں صاحب ٹونکی (۴۲)

ساحل صاحب بمقام ریاست ٹونک بتاریخ ۱۰ ارذالحجہ ۱۳۲۲ھ پیدا ہوئے۔ آپکے والد محترم کا اسم گرامی صاحبزادہ احمد سعید خاں صاحب تھا مرحوم ایک مشہور آدمی تھے اور شاعر بھی تھے۔ حافظ تخلص فرماتے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب آپ کے والد صاحب کی طرف سے اعلیٰ حضرت نواب محمد امیر خاں صاحب بہادر رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ ریاست ٹونک تک پہونچتا ہے۔ اور والدہ مرحومہ کی طرف سے جنرل محمود خاں صاحب بہادر افغانی سے وابستہ ہے بنجابت و شرافتِ خاندان و نسب کی وجہ سے آپ میں وہ تمام خصوصیات اور صفات پائی جاتی ہیں جن سے آپ کی صاحبزادگی ممیز ہے۔ آپ کی عمر اس وقت اکتیس ۳۱ سال ہے۔ آپ کسقدر مرنجان مرنج۔ آزاد اور غیور واقع ہوئے ہیں اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کرسکتے ہیں جو سوسائٹی میں یا کسی اور نہج سے آپ کی قابلِ تقلید زندگی کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔

آپ نے جب ہوش سنبھالا تو ابتدائی تعلیم کے لئے ایک اتالیق اور ایک حافظ صاحب کو مقرر کرلیا گیا۔ قرآن مجید، اردو نوشت و خواند اور ابتدائی کتب دینیات سے فارغ ہوکر دربار ہائی اسکول ٹونک میں داخل ہوگئے دماغی تربیت۔ ذہن۔ حافظہ اور سمجھ بوجھ آپ میں فطرت نے بدرجۂ اتم دی تھی اور یہی چیزیں آپ کی تعلیم میں معاون ہوئیں۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بجائے اس کے کہ اپنی دماغی قوتوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیتے آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ تجارت اختیار کی جائے چنانچہ اس وقت آپ ٹونک میں ایک کامیاب تاجر کی حیثیت رکھتے ہیں جس وقت آپ اسکول میں زیر تعلیم تھے اسی وقت آپ کے والد صاحب کا سایۂ شفقت آپ کے سر سے اٹھ گیا اور آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش کی۔ چونکہ آپ ماں باپ کے لاڈلے اور اکلوتے بھی تھے اس لئے والدہ محترمہ آپ سے انتہائی محبت کرتی تھیں۔ چھوٹی ہی سی عمر میں آپ کی شادی جناب صاحبزادہ عبدالصبور خاں صاحب بہادر چیف مجسٹریٹ ٹونک کی اکلوتی صاحبزادی سے ہوئی۔ آپ کے کئی اولادیں ہوئیں لیکن افسوس کہ بچے اور آپ کی رفیقۂ حیات اس دنیا سے رخصت ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کا نعم البدل عطا فرمادیا ہے۔ جس وقت آپ میٹرک ہی میں تھے تو آپکی والدہ مکرمہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور اب آپ نے ذمہ دارانہ حیثیت سے دنیا میں قدم رکھا لیکن چونکہ معاش اور ضروریاتِ زندگی کی فکر سے نہ اس وقت کوئی سروکار تھا اور نہ اب جیسا کہ میں اوپر عرض کرچکا ہوں کہ تجارت اور مختلف چیزوں کی ایجنسیاں وقت گذاری اور لوگوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے سوا آپ کے لئے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں بہرکیف آپ کا سلسلۂ معاش محض تفریحی ہے۔

آپ کی شاعری کا آغاز کیسے اور کیوں کر ہوا یہ خود صاحبزادے صاحب کو بھی نہیں معلوم۔ جوانی کا عالم۔ امنگوں سے بھرا ہوا دل۔ زندگی میں انقلاب پر انقلاب ہو رہے تھے۔ ادھر حضرتِ اختر شیرانی سے آپ کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ چنانچہ شاعری کی وہ چنگاریاں جو عرصہ سے آپ کے سینہ میں دبی ہوئی تھیں اب بھڑک اٹھیں۔ اور اختر صاحب کی پیہم صحبتوں نے اس میں چار چاند لگا دئے۔ اس کے علاوہ مولانا حبیب اللہ خاں صاحب افغانی ٹونکی کی خصوصی توجہات اور فنی مشوروں نے ابتدائی مراحل کو بہ آسانی طے کرادیا۔ ساحل صاحب نے لاہور جاکر فا۔ ب کے متعدد امتحانات بھی دئے۔ طبیعت میں جوہر فطری امانت تھا اس لئے بہت جلد کلام میں پختگی پیدا ہو گئی اور مشق و مطالعہ نے خیالات کو بلند

www.taemeernews.com

کردیا۔ آپ کی شاعری کا رنگ وہی قدیم رنگ تھا جو اُس وقت ٹونک اور دیگر مقاموں میں تھا۔ لیکن جدید تعلیم اور جدید رنگ شاعری کے اثر سے آپ کو پرانی شاعری میں کچھ لطف نہ آتا تھا۔ آپ حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی کا کلام اخبارات اور رسائل میں پڑھا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ رسالۂ "پیمانہ" کے خریدار بھی تھے جس نے اس زمانہ میں وہ لٹریچر پیش کیا تھا جس سے دنیائے ادب کی دیواریں لرز گئی تھیں اور رنگِ قدیم کی شمع بجھنے کے قریب ہوگئی تھی۔ مولانا مدظلہٗ کو ۱۹۲۲ء میں ٹونک جانیکا اتفاق ہوا۔ ساحل صاحب کیلئے یہ موقع غنیمت تھا چنانچہ آپ نے مولانا مدظلہٗ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ اور نظرِ استاد نے مسِ خام کو کندن بنادیا۔ آج ساحل صاحب کا کلام حقیقی معنی میں علوئے تخیل اور بلند جذبات کا حامل ہے۔

ساحل صاحب ایک مکمل انسان کی حیثیت سے کامیاب زندگی گذار رہے ہیں۔ اُن کے دل میں محبت کا ایک ایسا سمندر اور ایک ایسا پاکیزہ جذبہ موجیں مار رہا ہے جس سے اُن کی شاعری بھی شگفتہ ہے۔ شہر میں وہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اُن کا کلام لوگ توجہ سے سنتے ہیں اور شعر اُن کے وارداتِ قلبی سے گونجتے رہتے ہیں۔ آپ صرف ایک پرگو شاعر ہی نہیں بلکہ اچھے افسانہ نویس، نثر نگار اور ڈرامہ نسٹ بھی ہیں۔ اگرچہ ماحول اس کا مؤید و معاون نہ رہا لیکن ٹونک ا۔ وہ ٹونک بھی نہ رہا۔ اب ٹونک زیرِ سایۂ ہمائے سعادت ہے اور اب ٹونک کی صبح اس کی ہر گذری ہوئی صبح سے روشن تر اور بیش از بیش یمن و سعادت لئے ہوئے ہے۔

ساحل صاحب نے اپنی انتہائی کوششوں سے بمنظوری اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہادر دام اقبالہم ایک ادبی انجمن "سعادت لٹریری سوسائٹی" کے نام سے قائم کی ہے جس کے آپ سکریٹری ہیں۔ اور جس میں ماہانہ مشاعرہ و مناظمے کے علاوہ مناظرے بھی ہوتے ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں ایک عظیم الشان مشاعرہ اعلیٰ حضرت کی سالگرہ مبارک کے موقع پر اس سوسائٹی نے منعقد کیا تھا جس میں مشاہیرِ ملک نے شرکت فرمائی تھی اور اعلیٰ حضرت نے مسلسل دو دو ڈھائی ڈھائی گھنٹے اس بزم کو اپنے قدوم سے رونق بخشی تھی یہ سب ساحل صاحب ہی کی سعی کا نتیجہ تھا۔

آپ نے ٹونک سے اپنی ادارت میں ایک ماہانہ رسالہ "شمیم" کے نام سے جاری کرنیکا ارادہ کیا تھا لیکن چند وجوہ کی بنا پر کچھ عرصہ کے لئے اُسے ملتوی کردیا ہے۔

نمونۂ تغزل

وہ کن نظروں سے دیکھے چاند کو پھر　　جسے تو یاد آئے چاندنی میں

نہیں مجھ سے شکایت ہو رہی ہے　　محبت اب محبت ہو رہی ہے
تعلق بھی کسی دن ہو رہے گا　　ابھی صاحب سلامت ہو رہی ہے
معاذ اللہ یہ کیسی جوانی　　زمانہ بھر سے نفرت ہو رہی ہے

یادش بخیر درد بڑھا نیند اڑ گئی　　رات آ گئی خیال پریشان ہو گیا

کٹی اک عمر الفت میں مگر اب تک نہیں سمجھا　　محبت کیا ہے، دل کیا ہے، نظر کیا ہے، ادا کیا ہے

بزمِ حیرت میں تماشہ تھا مرے آنسو مرا　　میں بہت رویا حسینوں کو ہنسانے کیلئے
باوجودِ ضبط شب گر پڑے آنسو مرے　　جب کہا مجھ سے مرا قصہ سنانے کیلئے

جو وہ ملا تھا تو ہی کاش پہلے ملا ہوتا　　کہ عمر بھر نہ کبھی مل کے پھر جدا ہوتا

محبت ایک مجموعہ ہے وہ بھی چار حرفوں کا　　جو چاہوں مختصر کرلوں جو چاہوں داستاں کرلوں
نہ ہو خاموش اے شمعِ حیات اتنی تو مہلت دے　　کہ باقی قصۂ محبت بھی بیاں کرلوں

خطا کاریاں اس لئے ہیں زیادہ
کہ رحمت بقدرِ خطا چاہتا ہوں

نہ دے پیامِ محبت کا مسکرا کے مجھے
ترے فریبِ تبسم کو جانتا ہوں میں

اُن سے ملی بھی آنکھ اے ساحل
زندگی کو خراب ہونا تھا

محبت کیا ہے یہ لفظوں میں سمجھائی نہیں جاتی
کبھی تفسیر اس کی اک دلِ برباد ہوتا ہے

بُرا ہو جذبۂ آزادی و شوقِ رہائی کا
تڑپتا ہوں قفس سے جب کوئی آزاد ہوتا ہے

تھے بگڑے باغباں کیا تم گلِ تر سے منحرف
اہلِ گلشن آج مجھ پر مہرباں کیوں ہو گئے

کل میرا لفظ لفظ مرے دل کا حال تھا
اب میری داستاں بھی مری داستاں نہیں

کیوں بار بار کوندتی ہے فضاؤں میں تو
اے برق یہ قفس ہے مرا آشیاں نہیں

تاریک کائنات ہے میری نگاہ میں
ہے زندگی خراب جو تم مہرباں نہیں

عقل پہ ڈالدے حسن نہ تیرے پردے
میں نے کب ہوش میں رہ کر ترا جلوہ دیکھا

ہم نے جب محو کیا نقشِ تمنا دل سے
کامیابی کو قدم بوسِ تمنا دیکھا

آخر گرے گی بجلی تب ہی نہ کیوں جلا دے
احسان لوں کسی کا کیوں میرا آشیانہ

لے ذوقِ حسن مجھ کو کیسی جگہ بنایا
اُن کا نظر ملانا اور دل کا کانپ جانا

دنیا کا رنگ یہ بھی دنیا نے رنگ دیکھے
میرا خموش رونا اور ان کا مسکرانا

وہ ظلمِ عشق جو [illegible]
سوالِ شوق پہ اک بار پھر انکار ہو جائے

جنوں اک ترجمانِ وارداتِ جوشِ الفت ہے
مری دیوانگی سے کیوں کوئی بیزار ہو جائے

باعثِ تسکیں نہ تھی کافرادائی التفات
اور کچھ چنگاریاں دل میں فروزاں ہو گئیں

شیخِ انجام تماشا دیکھنے والی کریں
میری آنکھیں تو تری جلوہ گری حیراں ہو گئیں

حسن شعلہ ریز تھا یا تو بساطِ طور پہ
یا مری حیرانیاں آتش بداماں ہو گئیں

پھول بن بن کر ذرا سی دیر میں مرجھا گئیں
ظرف کی تنگی ہے وہ کلیاں جو خنداں ہو گئیں

بے ثباتِ نقشِ ہستی یہ مآلِ زندگی
گرم تھیں جو محفلیں کل آج ویراں ہو گئیں

اپنے اپنے وقت پر سب مرحلے طے ہو گئے
مشکلیں ہی وہ نہیں مشکل جو آساں ہو گئیں

جسے تسکیں زمانہ کہہ رہا ہے
غمِ الفت کی شاید انتہا ہو

اسے پھر دیکھ لو تم اک نظر سے
شکستہ دل ہی شاید کام کا ہو

یہ میخانہ یہ دنیا بے خودی کی
ترے کوچے کا شاید راستہ ہو

جوانی کی یہ ساری مستیاں ہیں
ابھی نشہ اتر جائے تو کیا ہو

مقدس ہیں وہ لمحے زندگی کے
کہ جب دل عشق سے گھبرا رہا ہو

اُسے تم کیوں ہنسانا چاہتے ہو
مقدر کو جو اپنے رو رہا ہو

مری دیوانگی پر کیوں ہے اک تحیر زمانہ کو
ترے ہاتھوں میں بھی اکثر تری تصویر ہوتی ہے

مرا ذوقِ جنوں مجبورِ قیدِ باغباں کیوں ہو
جب اک گوشہ میں تیری یاد کی زنجیر ہوتی ہے

کچھ ایسا چھا گیا ہے تو فضاؤں پر تصور کی
جدھر نظریں اٹھاتا ہوں تری تصویر ہوتی ہے

یہ دیوانوں کا تیرے اک نشانِ امتیازی ہے
میسر ہر کس و ناکس کو کب زنجیر ہوتی ہے

میں آشیانے میں اپنے اگر سما نہ سکا
قفس بھی بارِ اسیری مرا اٹھا نہ سکا

نظر نہ دیکھ سکی اور خیال پا نہ سکا
غرض سمجھ میں تمہارا جمال آ نہ سکا

جو یادگار زمانہ میں بن کے رہ جاتا
جہاں میں ایسا کوئی انقلاب آ نہ سکا

وہ میری عرضِ محبت وہ ان کی نیچی نظر
وہ ایک وقت جسے عمر بھر بھلا نہ سکا

www.taemeernews.com

کلی کلی ہے شگفتہ ترے تبسم سے / بس ایک غنچۂ دل تو مرا کھلا نہ سکا
میں کس طرح اُسے الزامِ بیوفائی دوں / جو میرے دل کو کسی حال میں بچا نہ سکا
یہی گناہ وہ لذت ملی ندامت کی / کہ عمر بھر میں گناہوں سے باز آ نہ سکا
یہ تیرے جلوے کی تابانی و کشش توبہ / نظر بھی جھک نہ سکی آنکھ بھی اٹھا نہ سکا
وہ پہلی شام قفس کی وہ چاندنی کی بہار / مزا اسیری میں پھر عمر بھر وہ آ نہ سکا
یہ تھا فریبِ نظر یا وہ سامنے تھی مرے / مشاہدے پہ بھی مجھ کو یقین آ نہ سکا
ڈھکوسلے تھے یہ ہوسکاریوں کے سب ساحلؔ / چراغِ سوزِ محبت کوئی جلا نہ سکا

قفس میں خوش ہوں کہ اب خوفِ انقلاب نہیں / یہاں بہار و خزاں کوئی باریاب نہیں
گری تھی برق سرِ طور مدتیں گزریں / دلِ حزیں مرا اب تک قرار یاب نہیں
بس اپنے آپ کبھی دل دھڑکنے لگتا ہے / بظاہر اور کوئی وجہ اضطراب نہیں
ہزار بار خزاں آئی ہے گلستاں میں / یہ انقلاب نیا کوئی انقلاب نہیں
سوائے میرے بھی کچھ ہے تری محفل میں / یہ کیا کہ پھر بھی تری بزم کامیاب نہیں
نظر کے سامنے بکھری پڑی ہے اک دنیا / جسے میں ڈھونڈ رہا ہوں وہ دستیاب نہیں

عشق کس درجہ ضروری تھا مرے دل کے لئے / ورنہ پھر کچھ بھی نہ تھا گرمیٔ محفل کیلئے
تازگی بخش ہوا کرتے تھے ساون پہلے / یہ بھی سامانِ تسلی نہیں بلبل کیلئے
بوالہوس دیکھ تو دنیا سے کنارہ کرکے / موج خود آئی ہے پابوسیٔ ساحل کیلئے
چمنِ حسن سے اک پھول چاہا ہے میں نے / زیبِ آرائشِ ظلمت کدۂ دل کیلئے
ہنس کے اک بار مرے عشق کا کر لو اقرار / میری خاطر مرے ارمان بھرے دل کیلئے
بیخودی جانے کہاں لے کے نکل جاتی ہے / قصد جب کرتا ہوں میں آپ کی محفل کیلئے
غرق ہو کر جو ابھر آئی ہے کشتی ساحل / یہ بھی اک موت ہے آزردۂ ساحل کیلئے

نمونۂ نظم

"حسن"

اس عالمِ امکاں کے امواج سمندر میں / معمورۂ دنیا کے تاریک مقدر میں
ہنگامۂ ہستی کی گزری ہوئی منظر میں / بدبختی و حسرت تھی بے کیفی و نکبت تھی

ظلمت میں فضائیں تھیں مغموم ہوائیں تھیں / افسردہ ادائیں تھیں خوابیدہ فضائیں تھیں
معدوم جفائیں تھیں روپوش وفائیں تھیں / خاموشی کا دورہ تھا وحشت کی حکومت تھی

مہتاب کے جلوؤں میں سورج کی ضیائیں میں / تاروں کی بہاریں تھیں مستور خلاؤں میں
دامانِ فلک پہ اور خوش رنگ گھٹاؤں میں / بے کیفی و ظلمت تھی بے نوری و ہیبت تھی

شورش کدۂ عالم تھا شانِ بے لطفی / ہستی کی بہاروں میں معدوم تھی دلچسپی
سازوں کی نواؤں میں مخلوط تھی دلگیری / بے رنگی نظارہ محتاجِ شرارت تھی

فردوس مرتب تھا اور پھول نہ تھا کوئی / منظر کی تماشوں میں مشغول نہ تھا کوئی
احساس کی نظروں میں مقبول نہ تھا کوئی / دنیا کی بہاروں سے مفقود لطافت تھی

تفسیر مبارک سی تحریر نکوتر سی / تحریک سحر سی تجویز معطر سی
تنویر منور سی تصویر مصور سی / فطرت کے ارادوں میں آسودہ لطافت تھی

ناگاہ اندھیرے میں لی برق نے انگڑائی / دامانِ فلک پر اک آتش سی نظر آئی
اب حسن کے جلوے تھے مصروفِ چمن آرائی / آغوشِ سحر تھا اک ہنستی ہوئی عورت تھی

عورت جسے کہتے ہیں وہ حسنِ درخشاں ہے / عورت کے تبسم سے گلبرگ گلستاں ہے
گلخانۂ ہستی کی عورت گلِ خنداں ہے / عورت کا رخِ تاباں آئینۂ حیرت ہے

اب حسن کے جلووں سے مخمور فضائیں ہیں / پُر کیف مناظر ہیں مسرور ہوائیں ہیں
مہتاب کی کرنوں میں بیدار ادائیں ہیں / ہر چیز حسیں ہے اب ہر شے میں طراوت ہے

بلبل کے ترنم میں سازوں کی نواؤں میں / غنچوں کے تبسم میں پھولوں کی اداؤں میں
قمری کے ترانوں میں کوئل کی صداؤں میں / مستی ہے مسرت ہے کیفیت و ندرت ہے

مہتاب کی ضو ریزی تاروں کی ضیا باری / گلشن کی گل افشانی نغموں کی طرب کاری
یہ حسن ستم پیشہ یہ عشق کی لاچاری / عجیب مصیبت ہے پُر لطف قیامت ہے

یہ حسن کے جلووں سے آغوشِ محبت ہے
معمورۂ ہستی اب فردوسِ مسرت ہے

رباعی

تاروں میں ہے یہ نزہتِ احساس کہاں / بکھری ہوئی ذرہ ذرہ
فردوس میں کوثر بھی ہے تسنیم بھی ہے / لیکن یہ چھلکتی ہوئی

ساغرؔ محمد خلیل صاحب صدیقی اکبرآبادی (۴۳)

آپ کا نام شیخ محمد خلیل صدیقی اور تخلص ساغرؔ ہے۔ وطن خاص اکبرآباد ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نفاست ہے۔ آپ ایک معزز اور باوقار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذات شیخ صدیقی ہیں۔ آپ کے خاندان کے تمام افراد عمدہ عہدوں پر فائز ہیں۔ آپ کے والد ماجد انڈین پرسنل اسسٹنٹ ٹو ہز مجسٹی ملکہ وکٹوریہ ہو کر لندن تشریف لے گئے تھے اور عرصہ تک وہاں قیام فرمایا۔ وہاں سے واپسی پر ہندوستان میں سب رجسٹراری کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۱۸ء میں پنشن پائی۔ ساغرؔ صاحب ۱۹۱۰ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے اور اسی مردم خیز سرزمین میں پرورش پائی۔

ابتدائی تعلیم مختلف مدرسوں میں حاصل کی اردو فارسی کی کماحقہٗ تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم کی طرف توجہ دی خداداد ذہانت سے اس میدان کو بھی سر کیا اور انٹرینس کا امتحان پاس کرنے کے بعد ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ دوران تعلیم میں آپ کے اور برادر محترم حضرت منظرؔ صدیقی مدیر ماہنامہ کنول کے تعلقات مخلصانہ اتنی حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ بظاہر ساغرؔ و منظرؔ دو معلوم ہوتے تھے لیکن دراصل ایک ہی تھے۔ ساغرؔ صاحب نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ تعلیم و تہذیب کے زیور سے آراستہ تھا۔ آپ کے والد صاحب انگریزی اردو اور فارسی کے ماہر ہیں بدیہی امر تھا کہ آپ کے دماغ کی نشوونما بھی اسی انداز پر ہوتی۔ ادھر آپ کے والد صاحب کو بھی شعر و شاعری سے حقیقی انس تھا اور گو اس وقت وہ شاعری چھوڑ چکے ہیں لیکن اس زمانہ میں بیسیوں مشاعرے پڑھے۔ نفاستؔ تخلص فرماتے تھے اور مولانا سیمابؔ مدظلہٗ سے اصلاح لیتے تھے۔ ادھر تو والد صاحب کا فیض ادھر برادرم منظرؔ صاحب کی صحبت شعر پر در کا اثر غرض ساغرؔ صاحب کے دماغ نے شعر کی تخلیق شروع کر دی اور آپ ایک وجدانی ذوق اپنی طبیعت میں محسوس کرنے لگے۔ عرصہ تک آپ جو کچھ کہتے رہے وہ سوائے منظرؔ صاحب کے اور کسی کو نہ سنایا۔ پھر ایک خاموش مشق مسلسل کے بعد آپ حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہٗ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ مولانا کے سامنے آپ کوئی نئے نہیں تھے یا آپ کا شاعر ہونا کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی اس لئے مولانا مدظلہٗ نے بڑی محبت کیساتھ اصلاح دی اور یہ سلسلہ آپکی کامرانی کی منزل تک لے پہونچا۔ اب تو یہ حال تھا کہ کوئی مشاعرہ ساغرؔ صاحب سے خالی نہ جاتا تھا۔ سید عباس علی صاحب سرورؔ مرحوم۔ برادرم منظرؔ صاحب اور برادرم ساغرؔ صاحب کا بیک وقت اجتماع۔ اس جوان سال پارٹی کا باہم تبادلہٗ خیال۔ دن رات کا اٹھنا بیٹھنا۔ ساتھ ساتھ مشاعروں میں جانا۔ اللہ اللہ کیا زمانہ تھا۔ مجھے جب اس دور خوشگوار کا خیال آتا ہے تو آنکھوں میں ایک عجیب سماں پھر جاتا ہے۔ اس زمانہ میں قصر الادب سے تاج اور پیمانہ بالالتزام شائع ہوتے تھے چنانچہ ساغرؔ صاحب نے بہت جلد ترجمہ میں اس درجہ اہلیت پیدا کر لی کہ سب کو حیرت ہوتی تھی۔ آپ اکثر دفتر میں بیٹھ کر ایک ہی نشست میں مشکل سے مشکل مضمون کا ترجمہ بہترین اردو میں کر دیتے تھے۔ آپکا کم از کم نصف دن قصر الادب میں ضرور گذرتا تھا۔ آپ کی بذلہ سنجی اور خوش مزاجی ملازمین وغیرہ

کو بھی اپنا گرویدہ کئے ہوئے تھی۔ آپ نے شاعری میں کچھ ایسی خداداد معیاری قوت حاصل کی کہ جلد باہر کے مشاعروں میں بھی آپ کو بلایا جانے لگا اور آپ نے مولانا دل ظلا کی معیت میں بیرونِ آگرہ بہت سے مشاعرے کامیابی کیساتھ پڑھے۔

انقلاب ہر شے میں رونما ہوتا ہے۔ فطرت کا منشا اٹل اور لازمی ہوتا ہے۔ دن، رات۔ صبح شام، چاند۔ سورج غرض دنیا کی ہر وہ چیز جس میں کچھ تسکین کے پہلو پائے جاتے ہیں کبھی اپنی جگہ مدت العمر تک قائم نہیں رہتی۔ ملکی اور ملی انقلابات کیساتھ ساتھ ذہنی اور طبعی انقلاب بھی لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ فطرت نے ساترؔ صاحب کی زندگی میں بھی ایک انقلاب پیدا کیا اور وہ ملازمت کی دشوار گذار راہیں تھیں جنہوں نے ساترؔ صاحب کی شعری زندگی کو یکسر تحلیل کر کے رکھ دیا۔ اسی سلسلہ میں آپکو باہر جانا پڑا۔ ادبی ماحول سے علٰحدگی، صحبت شعری سے دوری اور ملازمت کی ذمہ داریوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ آپ اپنے اُن جذبات کو جو دل کی گہرائیوں میں گھٹ رہے تھے صفحۂ قرطاس پر لا سکتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشقِ سخن بالکل تو نہیں ہاں قریب قریب ختم سی ہو گئی۔

تھوڑے عرصہ بعد آپ کا تبادلہ پھر آگرہ ہو گیا لیکن اب بھی آپ کو غلامی کی زنجیروں میں رہ کر آزادی کے نغمے گانا پسند نہ آیا۔ البتہ منظرؔ صاحب کی کبھی کبھی کی ملاقات نے جذبات میں ہیجان ضرور پیدا کر دیا۔

آپ کو ملازمت سے کس درجہ نفرت تھی اس کا اندازہ کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا۔ ایک عرصہ اسی سرد بازاری میں گذر گیا۔ فطرت کو تو ایک اور انقلاب دکھانا منظور تھا چنانچہ آپ نے ملازمت کو خیرباد کہہ دیا اور اپنا ذاتی اور اپنا ذاتی پریس جو زیادہ اعلیٰ پیمانہ پر نہ تھا آگرہ میں قائم کر لیا۔ اسی زمانہ میں آپ کی شادی ہو گئی اور ذمہ داریوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ چونکہ طبیعت میں فطرت نے ایک جوہرِ حقیقی ودیعت کیا تھا اس لئے بہت جلد اپنے کاروبار کو بڑھایا اور جناب عبدالحمید صاحب صدیقی اکبرآبادی کے ساتھ رفاہِ عام پریس قائم کر کے آگرہ میں طباعت و کتابت کا ایک اعلیٰ معیار قائم کیا۔ اس وقت آپ کا پریس آگرہ میں سب سے ممتاز اور فائق ہے جس میں جدید اصولوں پر کام ہوتا ہے۔ اتفاق اسے کہتے ہیں کہ ذوقِ شعری کے ابھار کے لئے قدرت نے مکمل طور پر ایک ایسا انتظام فرما دیا جو آپ کے دبے ہوئے ذوق کو بروئے کار لا سکے۔ یعنی برادرم حضرت منظرؔ صدیقی بھی آپ کیساتھ شریک کار ہو گئے اور اسی پریس سے ماہنامہ کنول جیسا نظر فریب اور معیاری پرچہ شائع ہونے لگا۔ اب پھر دو بچھڑے ہوئے دل و دماغ ایک مقام پر اکٹھے ہو گئے۔

گو پریس کی مصروفیتیں بہت زیادہ ہیں لیکن آپ کا ذوقِ شاعری ہنوز تازہ ہے۔ مشاعروں میں شرکت ترک کر دی ہے مگر مشقِ سخن جاری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ آپ کی بذلہ سنجی اب انتہائی سنجیدگی میں بدل گئی ہے۔ آپ کے کلام میں درد و کیف۔ بلندی اور اصلیت بڑی حد تک پائی جاتی ہے۔ چونکہ مشق قدیم ہے اس لئے پختگی بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ آپ نظم، غزل، رباعی غرض سب کچھ کہتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

آتش افروزِ گلستاں ہیں تراؤ جلکے
برق کو ضد ہے کہ جل جائے نشیمن اُن کا

مضطرب ہوں کہ ذرا جلد تجلی چمکے
حسن ضو دینے لگا ہے پس چلمن اُن کا

جن کی ہمراہ ہو گلگشت میں اک ستِ شب
پھول اُن کے ہیں بہار اُن کی ہے گلشن اُن کا

مٹ گئی نام وفا پر جو جہاں میں ساترؔ
آج ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں مدفن اُن کا

مری ہستی کچھ ایسی بار تھی دنیائے امکاں پر
کہ پھینکا بھی تو اک ویرانۂ امکاں بیاباں پہ

خدا جانے ملیگا اجر کیسے صحرا نوردی کا
جنوں ڈالا بھٹکایا ہے ہمیں صد بیاباں پہ

ہوا محسوس پھر تحریک ہوئی غنچۂ دل کی
خزاں کے بعد جب کچھ تازگی آئی بیاباں پہ

www.taemeernews.com

شورشِ طوفاں ہی بپا ہنگامہ آرا ہے میں بہا جاتا ہوں اور لب پر کسی کا نام ہے
بجلیاں آ ڈالیں بیعت کا ہنگام ہے مجھ پہ وہ اس وقت ملی تیر دی کا نام ہے
نامرادی میں بہت دشوار ہے امتیاز آرزو ناکام ہے یا زندگی ناکام ہے
تیری نگہیں ترے لبوں کیف باری کیوں جو تبسم ہے ترا موجِ مئے گلفام ہے
بدلیاں قلبِ فسردہ میں جاری بجر کی ساری دنیا میں سحر ہے میرے گھر میں شام ہے
آزمائے کون دلبر تیرا پی کھائے کون ہر قدم پہ عشق کی بس صد گونہ دام ہے

خلوتِ ذہن و دماغ میں اسکا خیال آ گیا عالمِ تیر و تار میں قسمتِ دل جگائی کیوں
حاصلِ زندگی نغمۂ درد ہی سوز ساز ہو جسکو نہ ہوئے ضبط ہو دنیہ وہ پھر کھائی کیوں
عشق میں ضبط چاہئے ضبط ہی وصل ہے یہ حسن کی شان ہی تھی نقاب اٹھائی کیوں
راہِ غضب کی سختیاں جب ہو فزوں قدم قدم تیری طلب میں یار رو تھک کے نہ بیٹھ جائیے
میری تباہ حالیاں قابلِ رحم کب نہیں اپنی نظر ہی پھیر لی کوئی مجھے بتائے کیوں

ساغرِ خوش نصیب پر اس کا کرم ہوا آج کل
غیر سے اسکو کیا غرض غیر کے گھر وہ جائے کیوں

ذکر کرنے کا طریقہ بھی مجھے یاد نہیں میں اسی سوچ میں آمادۂ فریاد نہیں
میری آغوشِ محبت میں تو آباد نہیں یعنی پہلو میں ہے جنگل دلِ ناشاد نہیں
نقش ہے دل پہ مرے عہدِ وفا کے وعدے کیا اسے میں بھی بھلا دوں جو تمہیں یاد نہیں
حسن کی بات بری ہے یہ مجھ کو حیرت ہوئی تم سمجھو لوکہ مجھے جرأتِ فریاد نہیں

نظرتِ حسن میں کچھ یوں ہے اتنی ساغر
[illegible] لطف کی انہیں یاد نہیں

جس کی ہستی سراپا نور و تنویر تھی وہ کو تقدیرِ جست اسکی دامنگیر تھی
شکوہ بیداد کرتا تو کروں چپ رہا تیری رسوائی تھی میری وضع دامنگیر تھی
رہ رہا تو نہیں کوئی گنہ ہاں جو وہ تقصیر تھیں تو تری تقصیر تھی

قید و بند حیات کچھ بھی نہیں نفس کو کچھ خواب ہونا تھا

موت آئی فراق میں ان کو دور یہ اضطراب ہونا تھا
فطرتِ حسن کا قصور نہیں عشق ہی کو خراب ہونا تھا
حاصلِ عشق ہے یہی شاید دل کو نا کامیاب ہونا تھا

دل کے جلنے کا غم ہی کیا ساغر
اسے نذرِ شباب ہونا تھا

سمجھ سکے نہ مآلِ تصادمِ جلوہ وہ ملتے محو ہے بجلیاں گرا دی ہیں
یہ کون دے گیا پیغام انبساطِ بہار یہ کس نے پھول بکھیرے ہیں آشیانے میں
سیتِ رخ روشن بہارِ عشرت ہو شباب لوٹ رہا ہوں جمالِ خانے میں
الٰہی رنگ کچھ ایسا ہو موسمِ گل کا چمن سمٹ کے چلا آئے آشیانے میں

علاج کیا ہو غمِ آرزو کا اے ساغر
کہ دل نواز نہیں ہے کوئی زمانے میں

نمونۂ نظم

"جذبۂ قومی"

مجلسِ اقوام میں اس قوم کو ہے امتیاز آ گیا جس کی سمجھ میں حبِ قومیت کا راز
قوم کا وہ فرد بھی ہرگز نہیں ہے فردِ قوم محشرِ اقوام میں جسکو نہیں ہے امتیاز
بن کے تیغِ فکر سے زنگِ غلامی دور کر بندگانِ قوم کی خدمت سے بن بندہ نواز
قوم کی محفل میں سب کچھ کو بنا ہیں شمعِ بزم اپنے عزم و سعی میں پیدا کرا تا تو گداز
خونِ آزادی کو کر جلدی وضو وقت آ گیا قوم استادہ ہے حریت کی پڑھ چلکر نماز
عمر بھر رکھ اس اصول کار کو پیشِ نظر دیکھ اک نکتہ سمجھاتا ہوں میں محرمِ راز

- آبرو اس کی ہے جو مصروفِ جنگِ قوم ہے
یہ قومی نہیں جس میں وہ ننگِ قوم ہے۔

---

www.taemeernews.com

سیف — ابوالاعجاز سید سیف علی صاحب رضوی اکبرآبادی (۴۴)

آپ کا نام سید سیف علی رضوی اور تخلص سیف ہے۔ عمر تقریباً ۴۰ سال ہے۔ جائے مولد ریاست بھرت پور اور وطن مالوف آگرہ ہے۔ سیف صاحب آگرہ کے ایک مشہور اور معزز خاندان کے رکن ہیں۔ شاہ گنج آگرہ میں آپ کے تمام عزیز و اقارب رہتے ہیں۔ آپکی خاندانی وقار اور موروثی شان کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جو آپ سے واقف ہیں لیکن آپ "پدرم سلطان بود" کے قائل نہیں اور اس چیز کو واقعی اہمیت نہ دیتے ہوئے آپ نے دنیا کے سامنے اپنی جد و جہد سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ خود کچھ کرنا چاہیئے اور خود کچھ ہونا چاہیئے۔ آپ کے والد محترم کا نام سید آلِ نبی رضوی مرحوم تھا جو شاہ گنج کے مشہور رئیسوں میں تھے۔

سیف صاحب کی ابتدائی زندگی سے لیکر اس وقت تک کے واقعات کچھ اس درجہ روح فرسا اور عبرتناک ہیں کہ ان کو دہرانے سے ایک قسم کی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم عربی، اردو اور فارسی میں حاصل کی اس کے بعد بقدرِ ضرورت انگریزی بھی پڑھی والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے انگریزی تعلیم کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے۔ اور فکرِ معاش میں مصروف ہو گئے شروع شروع میں مختلف کام کئے آخر کار اجمیر اور آگرہ میں سائیکلوں کا کارخانہ کھولا۔ چونکہ فطرت نے آپ کو تجارت کیلئے نہیں پیدا کیا تھا اس لئے یہ سلسلہ بہت جلد ختم ہو گیا۔

آپ کو شاعری سے دلبستگی زمانۂ طفلی ہی سے ہے۔ نو دس برس کی عمر سے شعر کہتے ہیں۔ چھوٹی سی عمر ہی میں "کلامِ سیف" کے نام سے آپ نے اپنی مختصر غزلوں کا مجموعہ شائع کیا تھا مگر! قبولیت اور شہرت کی جد و جہد جو آپ نے اپنے بچپن سے شروع کی اب ۴۰ سال کی عمر میں آ کر بارور ہوئی ہے۔ ابتدا میں آپ حضرت تاباں بدایونی کو اپنا کلام بغرضِ اصلاح بھیجتے تھے۔ [illegible] میں جب آپ نے اجمیر کو اپنا مستقر بنایا تو مقامی طور پر حضرت مولانا عبدالباری صاحب معنی اجمیری سے اصلاح لینے لگے یہ سلسلہ بھی جاری نہ رہ سکا کیونکہ مولانا معنی کو آپ کا شیعہ ہونا پسند نہ تھا۔ ادھر آپ کو بھی ایک ندامت حقیقی تھی کہ اکبرآباد کے کسی گوہرِ شب چراغ کو چھوڑ کر راجپوتانہ کے پہاڑی علاقہ میں ذوقِ شعری کی تشنگی بجھانے کے لئے راہبر کی تلاش کر رہے تھے۔ [illegible] میں آپ حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی کی خدمت [illegible] ہوئے۔ مولانا نے اپنی معروفیت کا عذر کیا لیکن آپ نے [illegible] اکبرآبادی ہوں [illegible] کو درخواست شاگردی منظور کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس وقت سے اب تک سیف صاحب مولانا مدظلہ سے اصلاح لیتے ہیں۔ اب آپ کا معیارِ شاعری بہت بلند ہو گیا ہے۔ سیف صاحب نے ہندوستان میں بڑی کثرت سے مشاعرے پڑھے ہیں اور اس وقت تک پچاس سے زیادہ میڈل آپ کو مل چکے ہیں۔ آپکے بہت سے شاگرد بھی ہیں۔ سیف صاحب کو حضرت عزیز مرحوم کی صحبت میں رہنے کا بھی اکثر اتفاق ہوا ہے۔ مرحوم نے [illegible] خطاب عطا کیا تھا اور مدت سے [illegible] سیف اکبرآبادی کے نام سے دنیائے ادب میں مشہور ہیں۔ آپ نے ملک کے بیشتر رسائل اور [illegible] میں کام کیا ہے [illegible] سے روزنامہ پرتاپ لاہور کے حصۂ نظم کو ترتیب دے رہے ہیں اس کے علاوہ بھی آپ پنجاب کے مختلف [illegible] رسائل میں کام کر رہے ہیں۔ [illegible] میں لاہور سے اپنی ادارت میں [illegible]

www.taemeernews.com

بھی آپ نے شائع کیا۔

سیفؔ صاحب ملک کے ہونہار نوجوانوں میں سے ہیں جن پر مستقبل میں چمکنے کا پورا یقین ہے۔ آپ کبھی کسی سے جھجکتے نہیں اور خصوصاً شاعری میں تو اس میدان کے "پہلوان" کہلاتے ہیں۔ اور اس قسم کے سینکڑوں دنگل آپ نے جیتے ہیں۔ طبیعت اچھی پائی ہے۔ شعر سنجیدہ اور سمجھ کر کہتے ہیں۔ آپ نظم غزل مضمون وغیرہ وغیرہ سب کچھ لکھتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

کیسا شکیب، یاس نے افسردہ کر دیا دنیا بدل گئی ہے دلِ ناصبور کی

یاد آیا جو رنجِ تنہائی اپنے سایہ سے رو دیا لگ کے

کہتا ہے یہ دل مجھ سے گلگشتِ چمن کیسی خاروں کی زمیں ہوتی مرا آبلہ پا ہوتا

صد شکر غزل شکر آتنا تو کہا اس نے یہ سیفؔ کوئی شاید تقدیر کا مارا ہے

وہ دل کہ جو ازل سے بنائے حیات تھا گھبرا رہا ہے زیست کے آثار دیکھ کر
اب حشر تک بہار تماشا ہے دار میں آنکھیں ہوئی ہیں بند رخِ یار دیکھ کر
آئینہ رکھ کے سامنے سجدے کو جھک گیا اب کیا کہیں کہ کافر دیندار دیکھ کر

راہ گراں پہ نہ ہوگا درِ زندانِ قفس گھٹ کے مر جائیں گے صیاد!! اسیرانِ قفس
عمر کب تک یہ غلامی میں کٹیگی یارب! تا کجے سمجھے گا صیاد ہمیں جانِ قفس
فطرتاً موت ہے اس قید میں زندہ رہ آبرو بیچ کے کیوں ہوں لیں احسانِ قفس
آنکھوں سے دیکھی ہوئی روداد قفس لکھتی ہے کوئی دیجائے مجھے خونِ شہیدانِ قفس
جذبہ قوم سلامت ہے تو انشا اللہ توڑ پھینکیں گے قفس کو بھی اسیرانِ قفس

حدِ امید سے کچھ دور نہیں ہے منزل ساتھ دیجائے اگر قسمتِ یارانِ قفس

ادا شناس نہیں جذبۂ نیازِ وطن شہیدِ تیغِ محبت۔ اسیرِ نازِ وطن
در نیاز کہاں، اور کہاں جبینِ شوق ترا حضور کہاں اور کہاں نازِ وطن

راز افشا ہو سرِ بزم یہ منظور نہیں ورنہ میرے لئے پابندیٔ منشور نہیں

ذکر اپنا نہیں فکرِ دلِ ناشاد نہیں خود فراموش ہوں کچھ تیرے سوا یاد نہیں
رخصتِ ہوش کی تمہید تھا ان کا آنا کب پہلو سے گئے اٹھ کے مجھے یاد نہیں
آج آتی نہیں پہلو سے صدا نالے کی دل کہاں بھول گئے سیفؔ ہمیں یاد نہیں

نمونۂ نظم

مہارانا پرتاپ

اپنی خودداری پہ گھر بار لٹایا تو نے غیر کے آگے مگر سر نہ جھکایا تو نے
حشر تک ہوں گے فراموش نہ تیرے احسان طوق و زنجیرِ غلامی سے بچایا تو نے
بحرِ ظلمات میں جب ڈوب رہی تھی کشتی آکے گرداب سے اس وقت بچایا تو نے
شیوۂ اہلِ وفا سختیاں سہنا ٹھہرا اپنے ہر فعل سے دنیا کو بتایا تو نے
لی کبھی دادِ تحمل کبھی دادِ شمشیر! نام ہر طرح سے اس دہر میں پایا تو نے
شیر بکری میں کوئی فرق نہ تیرا رکھا پانی اک گھاٹ پہ دونوں کو پلایا تو نے
اپنے اعمال سے اخلاق کا کر کے اظہار بندوں کو بندۂ بے دام بنایا تو نے
دانے دانے کیلئے ہو گیا محتاج مگر طاعتِ غیر میں سر کو نہ جھکایا تو نے
ملک و ملت پہ ہے احسان ترا حد سے سوا لے کے انسان کو پستی سے اٹھایا تو نے
کارناموں پہ ترے رشک کریں گی نسلیں
رازِ خودداری انسان بتایا تو نے

www.taemeernews.com

سیمی فیاض حسین صاحب اکبرآبادی (۴۵)

آپ کا نام فیاض حسین اور سیمی تخلص ہے۔ ۱۹۱۰ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا اسم گرامی ذاکر حسین تھا جو ناسک میں وکیل تھے۔ اور آگرہ کے قدیم باشندے تھے۔ سیمی صاحب چھوٹی سی عمر ہی میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ترکِ وطن کر گئے تھے۔ اس لئے آگرہ میں بہت کم لوگ آپ کو جانتے ہیں۔ آپ کے والد صاحب نے وکالت چھوڑنے کے بعد ۱۴ سال تک ملازمت کی اور نہایت اطمینان سے اپنی زندگی بسر کی۔

سیمی صاحب کی ابتدائی تعلیم آگرہ ہی میں ہوئی۔ اس کے بعد جب آپ ناسک سے بمبئی تشریف لائے تو انگریزی تعلیم بھی حاصل کی۔ فکرِ معاش نے تعلیم میں بہت سی رکاوٹیں پیدا کیں۔ عرصہ تک آپ بیکار رہے۔ ۱۹۳۰ء میں آپ نے ناسک اُردو اسکول میں ملازمت اختیار کر لی اور پانچ سال کے بعد ۱۹۳۵ء میں چھوڑ دی۔ ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے آپ نے موٹر میکنک کا کام اعلیٰ طریقہ پر حاصل کیا اور بمبئی میں ایک زبردست موٹر کمپنی میں اچھے معاوضہ پر کام شروع کر دیا۔ آپ یہاں بہت خوش ہیں اور برابر ترقی کر رہے ہیں۔

چونکہ سیمی کا زیادہ زمانہ بمبئی ہی کے علاقوں میں گذرا ہے اس لئے بہترین ادبی و علمی صحبتیں جن کی آپ کو ضرورت تھی نہ مل سکیں۔ صرف مطالعہ نے آپ کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا ہے۔ یہ مطالعہ اور غور و فکر کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ ایک اچھے شاعر ہیں۔ بمبئی کے بہت سے مشاعروں میں آپ شرکت کر چکے ہیں۔ شاعری سے آپ کو عشق ہے۔ کئی رسالے اور اخبار بھی آپ کے پاس آتے ہیں۔ اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے ۱۹۲۲ء سے آپ حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ سے اصلاح لیتے ہیں۔ اس سے پہلے کسی کو اپنی غزل نہیں دکھائی۔ آپ کی بہت سی غزلیں ریکارڈوں میں آ چکی ہیں اور ریڈیو پر بھی گائی جاتی ہیں۔ آپ انتہائی خلیق، ملنسار اور باوضع آدمی ہیں۔ آپ کے احباب کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ ملک و قوم کی بہبودی آپ کا مسلک ہے۔ دوست دشمن سب سے یکساں طور پر ملتے ہیں۔ بہت مسکین طبیعت اور سادہ مزاج آدمی ہیں۔

نمونۂ تغزل

یہ گلِ نرگس نہیں خوش رنگ کی بیتابی ہے ‖ صبح کے ساقی کا ہر کیف کچھ میں نہ آئی ہے

جلوۂ اللہ سے سیمی نہ خاموشی کو ہوش

ذرہ ذرہ کی زباں پر طور کا افسانہ ہے

تڑپ رہے ہیں جو اے برق اختیار نہیں ‖ تجھے قرار نہیں ہے ہمیں قرار نہیں

بتو نہ صاف تمہارا ہو دل تو بات ہے اور ‖ قسم خدا کی مرے دل میں کچھ غبار نہیں

کبھی جو دیکھی تھیں ساقی کی سیگسار آنکھیں ‖ ہنوز پاتا ہوں ان کا خمار آنکھوں میں

نہ رک سکا شبِ غم تیری یاد کا طوفاں ‖ یہ آ گیا بے اختیار آنکھوں میں

یہ میرے اضطرابِ شوق کا عالم ہے مقتل میں ‖ کبھی خنجر تہِ گردن کبھی خنجر ہے گردن پر

سخنِ مرضیِ حق ہے یہی اسوۂ عالم ‖ ہے بھروسہ مجھے اپنے دل بیگانے کا

ہے وہی جامہ دری اور وہی شغلِ رفو
قیس کا حال جو تھا ہے ترے دیوانے کا

اللہ رے شوقِ دید کہ مرنے کے بعد بھی
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ترا انتظار ہے
واقف ہو رازِ زیست سے پھر کوئی کس طرح
جب زندگی کا سانس پہ دار و مدار ہے

دل کو ہر پہلو سے شایانِ تماشا کیجئے
خونِ حسرت کیجئے، خونِ تمنا کیجئے

گئے وہ دیکھ کے نبض، آنکھ بند ہوئی
سکوں کا وقت ہے بیمارِ ناتواں کیلئے

گردِ راہِ کارواں ہے کچھ پتہ چلتا نہیں
دور ہیں منزل سے یا اپنی ہے منزل کے قریب
اب قفس میں یاں بسنے کیلئے صیاد نے
ڈھیر پھولوں کے لگا دیتے ہیں عنادل کے قریب

ہو گئی میری رسائی آستانِ ناز تک
راہِ الفت میں جو رہبر تیرا نقشِ پا ہوا

یاد مجھ کو آ گئی پھر اس بتِ بے پردہ کی
پھر دلِ مضطر میں میرے درد سا پیدا ہوا

تری الفت میں لٹا دوں دل تری الفت میں مٹ جاؤں
یہی راہِ حیاتِ جاوداں معلوم ہوتی ہے

نگاہِ یاس کچھ اسباب ایسے بھی فراہم کر
کہ ان پر آئینہ حالِ دلِ مجبور ہو جائے
مرا پیمانۂ شیشہ نہ ہوں لیکن مجھے پاس اتنا ہو
کہیں بے التفاتی سے نہ ان کی چور ہو جائے
جسے ٹھکرا دیا ہو تم نے جو مردودِ دنیا ہو
وہ اپنی جان دینے پر نہ کیوں مجبور ہو جائے
کرے وہ کس طرح تو ہی بتا دیدار کی جرأت
تجھے جو دیکھ کر بے ہوش برقِ طور ہو جائے

عورتوں کے بچپن اور جوانی پر دو دلچسپ کتابیں

آفتاب زندگی

بچپن کی زندگی عورت کس طرح شروع کرتی ہے؟ اسے بچپن سے جوانی تک کن کن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے؟ ان منزلوں کی دشواریاں کیونکر دور کی جا سکتی ہیں اور بچپن کو اصلاح و تہذیب کے کن اصولوں پر ڈھالا جا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کو اس کتاب میں ملے گا۔ بچپن سے ... جو کسی دوسرے ذریعہ سے ان کے کان تک کبھی نہیں پہونچ سکتیں۔ قیمت صرف ۸ر

از حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ

شباب زندگی

یہ آفتاب زندگی کا دوسرا حصہ ہے۔ اس میں عورتوں کی جوانی کو سکون و اطمینان کیساتھ گذارنے کی آسان تدبیریں کہانی کے پیرایہ میں بتائی گئی ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہر جوان عورت اپنی ازدواجی یا دوشیزہ زندگی کو تابناک بنا سکتی ہے۔ اور زندگی کا صحیح معنوں میں پورا لطف اٹھا سکتی ہے۔ قیمت صرف ۸ر

ملنے کا پتہ:- ناظم قصر الادب دفتر شاعر آگرہ

سلیم غلام احمد صاحب قریشی (۴۶)

آپ ۱۲ جولائی ۱۹۲۳ء کو بمقام پنڈدادنخاں پیدا ہوئے۔ آپکے والد صاحب کا اسم گرامی حکیم مولوی سلطان حبیب صاحب ہے۔ سلیم صاحب کی پیدائش سے چند دن قبل آپکے والد صاحب کو سلطان العارفین بادشاہ سلطان باہو قدس سرہ العزیز قادری نے بشارت دی تھی کہ تمہارے یہاں ایک لڑکا ہوگا اور اس کا نام "گل احمد" رکھنا۔ چنانچہ سن تمیز تک آپ کا یہی نام رہا۔ اور آپ کے والد صاحب قبلہ اب بھی اسی نام سے آپ کو پکارتے ہیں۔ لیکن دوران تعلیم میں اسکول کے اساتذہ نے نام کو "گلام احمد" لکھنا شروع کر دیا۔ اور انگریزی سے اردو میں وہ غلام احمد ہو گیا۔ چنانچہ دفاتر، سندات اور سرکاری کاغذات میں یہی نام لکھا ہوا ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد میں سے ایک بزرگ جو دینی اور دنیوی نعمتوں کے ساتھ فقر کی دولت سے بھی مالا مال تھے گیارہویں صدی ہجری میں ملی سے ہاتھی کی عماری پر اس علاقہ میں تشریف لائے اور بھیرہ سے جنوبی و مغربی ایک میدان میں قیام کیا۔ کچھ عرصہ تک وہاں رہنے کی وجہ سے وہی مقام پسند آگیا اور وہیں مکانات وغیرہ تعمیر کرائے۔ قرب وجوار کے لوگ جوق درجوق حاضر خدمت ہونے لگے اور آپ کے فیض سے مستفید ہوئے۔ ان ہی لوگوں نے سیکڑوں بیگھے زمین نذرانہ پیش کی جو اس وقت بھی موجود ہے۔ آپ کا اسم گرامی مولوی محمد نافع الدین تھا۔ آپکے بسائے ہوئے گاؤں کا نام "ہاتھی پنڈ" مشہور ہو گیا۔ جس کا اس وقت ہاتھی ونڈ نام ہے۔ اور اب تک وہاں آپ کے خاندان کے افراد آباد ہیں۔ آپکے والد محترم کے دادا صاحب مولوی غلام فرید صاحب لوگوں کی درخواست پر "پتھر نڈی" جو دریائے جہلم کے کنارے بھیرہ سے تین میل شمال مشرق کی طرف واقع ہے تشریف لائے اور وہیں قیام پذیر ہوئے۔ چنانچہ آپ کا اصلی وطن گویا پتھر نڈی ہے۔ آپ کے دادا مولوی محکم الدین صاحب مرحوم ومغفور اور باقی افراد خاندان وہیں ہیں۔ صرف آپ کے والد صاحب پنڈدادنخاں تشریف لے آئے۔ آپکے جد امجد سے لیکر آپ کے والد صاحب تک فقیرانہ اور درویشانہ سلسلہ قائم رہا۔ آپ کے خاندان کے تمام بزرگ عربی۔ فارسی۔ قرآن پاک۔ خوشنویسی اور علم طب میں یگانۂ روزگار رہے ہیں جو عرفان الٰہی میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے۔ آپ کے والد صاحب قبلہ عربی۔ فارسی۔ جفر۔ طب۔ تفسیر۔ فقہ اور حدیث کے عالم ہیں۔ درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ اس درجہ خوش الحان ہیں کہ جس وقت آپ کلام پاک تلاوت فرماتے ہیں تو غیر قوم کے لوگ بھی راستہ چلتے چلتے رک جاتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپکو لحن داؤدی عطا فرمائی ہے۔

چونکہ آپ کے والد صاحب کو جذب اور محویت خاص کی وجہ سے آپ کی تعلیم کی طرف خاص طور پر توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اور آپ اس طریقۂ تعلیم سے محروم رہے جو فاضل علماء کی اولاد کو ملتی ہے اس لئے ۱۴ سال کی عمر تک آپ سوائے کلام پاک کی تعلیم کے اور کچھ حاصل نہ کر سکے اسکے بعد اسکول کی جماعت دوم میں داخل ہو گئے۔ چونکہ فطرتی ذہانت اور ذکاوت آپ میں بحد کافی موجود تھی۔ اس لئے بہت جلد آپ ترقی کرتے گئے۔ اور ۱۹۴۳ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول پنڈدادنخاں سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ مزید انگریزی تعلیم کا شوق بہت زیادہ تھا چنانچہ لاہور مشن کالج میں داخل ہوئے لیکن حالات ... ہو [illegible]

www.taemeernews.com

کی وجہ سے جلد یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ وقتاً فوقتاً اپنے والد صاحب ہی سے عربی صرف و نحو اور فارسی ادب کی تعلیم حاصل کرتے رہے اور جلد ہی ملازمت مل گئی۔ دورانِ ملازمت میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ محکمۂ تعلیم کے امتحانات جے وی اور اسپیشل ایس وی کے امتحانات بھی پاس کئے۔

انٹرینس پاس کرنے کے بعد آپ تلاشِ ملازمت میں سرگرداں رہے۔ کچھ عرصے تک کھیوڑہ نمک کے دفتر میں ملازم رہے۔ اس کے بعد کوئٹہ (بلوچستان) ۱۲۹ بلوچی رجمنٹ میں ٹائپسٹ اور کلرک ہوگئے۔ وہاں سے ملازمت ترک کرنے کے بعد ضلع فیروزپور میں محکمۂ نہر میں ملازمت کے لئے اپنے خالو جناب فضل الرسول صاحب کے پاس جو اسسٹنٹ اوورسیر تھے گئے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر آپ پرائمری اسکول میں گوندر پورنالی گاؤں میں ۱۲ روپیہ ماہوار پر ملازم ہوگئے۔ جولائی ۱۹۲۲ء تک وہاں کام کیا۔ چونکہ آپ کے خالو صاحب بیمار تھے اس لئے ان کی تیمارداری میں آپ ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ لیکن وہ جانبر نہ ہوسکے۔ ادھر آپ کو جھلس گرمی میں پیدل چل کر اسکول جانا پڑتا تھا۔ اس لئے آپ کی صحت خراب ہوگئی۔ خالو صاحب کے خاندان کی کفالت بھی آپ ہی کے سر تھی لہٰذا وہاں کے ڈاکخانہ میں اپنے ایک دوست کے ایما سے ملازم ہوگئے اور جلد ہی پوسٹل کلرکی کا امتحان دوسرے نمبر پر پاس کرلیا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب محکمۂ ڈاک نے آپ کی تقرری کے لئے وعدہ کیا اور آپ نے ضمانت وغیرہ بھی دیدی لیکن یکایک ان کا تبادلہ ہوگیا۔ اور دوسرے سپرنٹنڈنٹ نے دوسرے امیدواروں کو وہ جگہ دیدی۔ چونکہ آپ کی شادی آپ کے خالو صاحب مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی ہے۔ اس لئے خالو صاحب کے ایک دوست نے آپ کو محکمۂ نہر میں ٹائم کیپری اور اسسٹنٹ کلرک کی جگہ دلادی۔ گیارہ ماہ وہاں کام کیا لیکن آب و ہوا ناموافق آنے کی وجہ سے وہ ملازمت بھی ترک کردی۔ اور کھیوڑہ ورکشاپ میں اپرنٹس فٹر کی جگہ متعین ہوگئے۔ اور جلد پاور ہاؤس میں سوئچ اٹینڈنٹ ہوگئے مگر انجینئر صاحب سے موافقت نہ ہونے کی وجہ سے یہ ملازمت بھی ترک کردی۔ اس کے بعد ملازمت کی تلاش میں پشاور، لنڈی کوتل، اور کوہاٹ وغیرہ کا چکر لگایا مگر بے سود ثابت ہوا۔ آخر کار پھر کر محکمۂ تعلیم ہی میں جگہ لی اور اب تک اسی پر فائز ہیں۔

آپ سے چھوٹے تین بھائی اور ایک ہمشیرہ ہیں۔ ایک بھائی کا نام حکیم حبیب الرحمن ہیں جو بہت ذہین اور قابل طبیب ہیں باقی دو بھائی سلطان احمد اور خلیل احمد اسکول میں تعلیم پاتے ہیں۔ آپ کا ایک لڑکا منظر سلطان دو سال کا ہوکر فوت ہوگیا۔ آپ کی شاعری کی ابتدا ۱۹۲۰ء سے ہوئی جب کہ آپ گورنمنٹ نارمل اسکول لالہ موسیٰ میں جے۔ وی کلاس کے طالب علم تھے۔ جناب مولوی غلام جیلانی صاحب برق ایم اے۔ ایم او ایل کے فیضِ صحبت سے آپ میں ذوقِ شعری پیدا ہوا۔ جب تک لالہ موسیٰ میں سلیم صاحب کا قیام رہا۔ مولوی صاحب موصوف نے آپ کی تربیت اور اصلاح فرمائی اور ابتدائی مدارج بہت کچھ طے کرا دئے لیکن وہاں سے آنے کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ اور آپ کو استاد کامل کی تلاش ہوئی حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے پاس اپنی درخواست بھیجی اور مولانا مدظلہ نے آپ کو اپنے دامنِ فیض رساں میں لے لیا۔ یہ بات انتہائی حیرتناک ہے کہ جب سے آپ کا شہر آباد ہوا ہے اُس وقت سے ابتک کوئی اردو کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ شہر بہت آباد اور معروف ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۲ء میں آپ نے وہاں ایک بزمِ مشاعرہ قائم کی جو ایک سال تک چلتی رہی اور وہاں نوجوان طبقہ میں ذوقِ شعری پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ چند حضرات آپ ہی سے اصلاح لیتے ہیں مثلاً مسٹر چونی لال ایثم سکنہ ڈھڈی پھیرو۔ چودھری عبدالسلام فقیر

www.taemeernews.com

وعبدالرزاق صاحب فانی وغیرہ وغیرہ اچھا لکھنے والوں میں ہیں تسلیم صاحب کے کلام میں پختگی اور آمد پائی جاتی ہے۔

آپ کی تصانیف کافی ہیں لیکن کم مائگی اور ماحول کی سرد مہری کی وجہ سے کچھ طبع نہیں ہو سکا ہے۔ آپ کے نظم و نثر مضامین کی کتابیں اور مختصر رسالے ہیں (۱) مدرسہ سے خطاب' جس کا کچھ حصہ رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور میں شائع ہو چکا ہے (۲) دہقاں اور میں (۳) قندیجات کسان کا موجودہ افلاس اور تباہ کاریوں کا صحیح مرقع (۴) مسلمانِ امروز۔ (۵) بچھڑا ہوا پھول۔ (۶) پروانہ (۷) زراعت (۸) مجموعۂ دیہات سدھار (۹) دیہات سدھار کی رباعیاں (۱۰) باغِ رسول مجموعۂ نعت وغیرہ

نمونۂ تغزل

ہم جانتے تھے ضبطِ الم میں سرور ہے دیکھا تو اپنا شیشۂ دل چور چور ہے
یہ اور بات ہے کہ نہ دیکھے جمالِ یار ورنہ نگاہِ نرگسِ شہلا میں نور ہے
جادہ ہے وفا ہے تو مجھ کو نصیب ہے جو کچھ بھی ہے، عطیۂ ربِ غفور ہے
تقدیر سے غلام بنایا ہے عشق نے اُن کا قصور ہے نہ ہمارا قصور ہے

جذبۂ الفت کہیں اس وقت بھی تسکیں تو ہو رو چکے والی منائیں اور میں دھاڑ کر

تصور میں بیٹھا ہوا ہوں کسی کے دبائے ہوئے دل، جگر کو سنبھالے

وہ کہہ گئے ہیں قیامت میں اب ملیں گے ہم ستا رہا ہے قیامت کا انتظار مجھے

لوگ کہتے ہیں مجھ کو دیوانہ اس میں بھی کچھ مری بھلائی ہے

چمنِ دہر میں یاں نہیں خندہ گل کوئی ہے پریشان کوئی چاک گریباں کوئی

ایک آنسو کی ٹپکنے ہی کبھی آتشِ دل قطرۂ اشک میں محفوظ تھا طوفاں کوئی
شورشِ دہر سے گھبرا کے نکل جائیں سلیم
دونوں عالم سے بڑا گر ہو بیاباں کوئی

مجبورِ طبیعت ہیں، ہر روز بگڑتے ہیں مجبورِ محبت ہوں ہر روز مناتا ہوں

بتوں کے ہاتھ میں یارب ہے میری تو دو جہان تو فائدہ ہی بھلا کیا تری خدائی کا

خلد میں بھی وہی ہے عالمِ غم دل کی یہ سوگواریاں نہ گئیں
لن ترانی پہ کہہ دیا ارنی شوق کی استواریاں نہ گئیں

ب یا بجلیوں سے آشیاں کو دعا دیتا ہوں جور آسماں کو

جہنم سے بلا بھیجا جنہوں نے ذرا رندوں کی شانِ کافری دیکھ
سلیم اک دردِ دل کی برکتوں سے بشر کو ملتی پیغمبری دیکھ

میں گناہوں میں مغفرت ڈھونڈوں اور زاہد کو ہے نماز کی دھن
وہ شہود مجاز کا پابند اور مجھے بے ریا گداز کی دھن

گناہ حد سے فزوں کر دیں نہ چھوڑ دے ترے کرم سے توازن کیا تو تھوڑے تھے

جب بھی فرصت مجھ کو ملتی ہے جگر سوزی سے بھولنے والے تجھے یاد کیا کرتا ہوں

قطعہ

ہنسنا نہیں قسمت میں تو رونا ہی سکھا دے داغوں کو اس شکب ہے وہ ناتی سکھا دے
ہو کر بھی وہی ہیں جو نہ کر کے کبھی ہم ہونے سے رہی اب تو نہ ہونی ہی سکھا دے

نمونۂ نظم

اعتمادِ علی اللہ

کسی کو تو علم و ہنر پر بھروسا — کسی کو ہے مال اور زر پر بھروسا
کسی کو بھروسا ہے زہد و ورع پر — کسی کو دعا و اثر پر بھروسا
کوئی قائلِ قوتِ دست و بازو — کسی نے کیا بال و پر پر بھروسا
کسی کو ہے جادوگری پہ غرہ — کسی کو فسونِ نظر پر بھروسا
کسی کو خوشی ان کے ہونے کا دعویٰ — کسی کو دلِ نوحہ گر پر بھروسا
کسی کو ادائے دعا گیر پر ہے — کسی کو ہے کعبہ پہ گھر پر بھروسا
کسی کے عزیز و اقارب معاون — کسی کو ستارے پہ در پر بھروسا
کسی کو ہے بھائی کی امداد کافی — کسی کو نمودِ پسر پر بھروسا
میرے پاس لے دے کے اک سوال ہے — اور اس کے سوا چشمِ تر پر بھروسا

خداوند عالم! کدھر جائے گا وہ
جسے ہے فقط تیرے در پر بھروسا

غلام احمد صاحب سلیم قریشی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کی اصلاح

(ہجر راشید ہے)
جتنا آپ کا محرومِ وصال اچھا ہے — اس کو تم (تجھ) سے بھی ترا حزن و ملال اچھا ہے
چھوڑئے عشق کا بیمار، نڈھال اچھا ہے — خیر سے آپ نہ پوچھیں میرا حال اچھا ہے
زخمِ دل خوب ہرے ہو گئے خزاں آنے دو — میرے گلشن کی بہاروں کا مآل اچھا ہے
رحم آجائے انہیں مجھ پہ کہیں شاید آئیں (آجائیں) — یہ نہ ہو غلغلہ (چرچا ہو) بیمار کا حال اچھا ہے
رات دن دکھے (میرے) کلیجے کی لگا رہتا ہے — وصلِ محبوب سے ارمانِ وصال اچھا ہے
گوشۂ یاس میں پرواز کی (کی ہمیں نکلے سے) — مرغِ امید میرا بے پر و بال اچھا ہے
بل میری خوب نکالے ہیں مرے تجان تم نے — تم کو (تجھ کو) انسان بنانے میں کمال اچھا ہے
وہ خفا شہر با فروختہ باند وہ و فراق — برہمن خاک ہمارے لئے سال اچھا ہے

گو سکے ان کو نہ مائل ترے اشعار سلیم
(کر یقیں ہو) خاک جانیں کہ ترا طرزِ مقال اچھا ہے

(شفق) صاحبزادہ شفیق الرحمٰن خاں صاحب ٹونکی (۴۷)

آپ کا نام محمد شفیق الرحمٰن خاں اور تخلص شفق ہے۔ والد محترم کا نام نامی صاحبزادہ محمد عزیز الرحمٰن خاں صاحب۔ ابن جناب صاحبزادہ وحافظ قاری محمد عبد الرحمٰن خاں صاحب مرحوم مغفور ابن صاحبزادہ محمد بخت بلند خاں صاحب بہادر مرحوم مغفور ابن جناب نواب امیر الدولہ بہادر شمشیر جنگ بانی ریاست ٹونک۔ آپ پٹھان ہیں۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۶ ہجری بوقت صبح چار بجے دارالسلام ٹونک میں پیدا ہوئے۔

آپ حنفی مسلمان ہیں۔ بزرگان دین اور اولیائے کرام سے انتہائی عقیدت رکھتے ہیں مذہبی خیالات نہایت مضبوط اور مستحکم ہیں اسلامی کتب بینی کا بیحد ذوق شوق ہے علماء اور فضلاء کی خدمت کرنا اپنا فرض عین تصور کرتے ہیں مذہبی معلومات بھی کافی ہے صاحب اخلاق وایثار ہیں۔

جب آپ نے ہوش سنبھالا تو اپنے ماحول کو مذہبی رنگ میں رنگا ہوا پایا چنانچہ اسی فضا میں پرورش پائی۔ مذہبی تعلیم باقاعدہ گھر پر ہوئی بعد ختم کلام مجید و دیگر کتب ہائے مذہبی دس سال کی عمر میں ایک مقامی برانچ اسکول میں داخل ہو گئے اور ابتدائی مدارج تعلیم طے کرکے دربار ہائی اسکول ٹونک میں انٹرنس تک تعلیم پائی رینڈ کراس سوسائٹی کے بعض امتحانات بھی اسی زمانے میں پاس کئے جن کے تمغے اور سارٹیفکٹ آپ کے پاس موجود ہیں زمانۂ تعلیم میں ورزش اور کھیلوں کی طرف بھی خاص توجہ کی اور بہت جلد اپنی ذہنی اور جسمانی نشوونما کی بنا پر اسکول کے کھلاڑیوں میں ناموری حاصل کرلی۔ متعدد بار باہر جاکر بھی میچ کھیلے۔ آج کل آپ کا مرغوب کھیل ٹینس ہے اس کھیل میں کامیابی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج آپ کی پوزیشن ریاست بھر میں Champion کی ہے۔ بہت سے کپ اور تمغہ جات آپ کو انعامات میں مل چکے ہیں۔

آپ کا ذوق شعری اوائل ۱۳۴۲ھ میں پیدا ہوا۔ اولاً آپکو تلمذ صاحبزادہ احمد سعید خاں صاحب عاشق ٹونکی یادگار مولانا حالیؒ و داغ مرحوم سے ہوا اس فخر کو آپ اب بھی محسوس کرتے ہیں چند غزلیں منشی عظمت اللہ خاں صاحب ناز کو اور ایک غزل جناب جام صاحب شیخ عمر۔ بر ٹونک کو بھی دکھلائی ہے آپ کی باضابطہ شاعری کا آغاز اوائل ۱۳۴۸ھ سے ہوا جب آپ اپنے ماموں اور استاد اول حضرت عاشق ٹونکی کی رہبری میں حضرت علامہ مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ کی خدمت میں جو حسن اتفاق سے اس وقت علامہ مولانا برکات احمد صاحب مرحوم کے مکان پر قیام پذیر تھے حاضر ہوکر باقاعدہ زانوئے ادب تہ کیا اور حلقۂ شاگردی میں داخل ہو گئے جب سے آج تک بذریعۂ خط وکتابت اصلاح سخن کا سلسلہ جاری ہے۔

آپ کو اپنے محترم استاد سے انتہائی عقیدت ہے ہر وقت زبان مدح وستائش کے نغمے الاپتے رہتے ہیں مثلاً ایک غزل میں آپ فرماتے ہیں۔ ؎

ہے صرف یہ تصرف سیماب نکتہ داں کا
حاصل ہوا ہے جو کچھ مجھ کو شفق سخن میں

ایک جگہ اور مدح سرائی کرتے ہوئے اپنی ایک نظم مسدس سیماب میں اپنی نسبت تلمذ پر فخر کیا ہے لکھتے ہیں۔

اُسی قلزم معرفت آفریں کی ہوں اک موج میں بھی تڑپتا ہوا سا
مجھے ناز ہے اپنی خوش قسمتی پر بنایا ہے مقدر نے مجھ کو بھی شاگرد سیماب
ہوئیں نکتہ چیں کوئی حیرت ہے میری دو آئینہ جو میری نظروں میں ہے
کہ مستقبل زندگی جس میں اپنا نظر صاف آتا ہے مجھ کو بہ رنگ فنا

www.taemeernews.com

آپ مولانا موصوف کو عصر جدید کا مجدد اعظم اور مصلح شعر و ادب تصور کرتے ہیں۔ میر اور غالب کے بھی مداح اور ثناخواں ہیں۔

آپکے متعلق قبلہ مولانا مدظلہٗ کا ارشاد ہے کہ میرے اسکول میں میرے رنگ کی جتنی صحیح تقلید شفق صاحب نے کی ہے وہ بہت کم لوگ کر سکے ہیں مجھ کو اُن کا مستقبل نہایت روشن اور درخشاں نظر آرہا ہے۔"

اسی طرح مولانا مدظلہٗ اپنے ایک مکتوب مورخہ ۵ مئی ۱۹۴۲ء میں تحریر فرماتے ہیں "جس رنگ میں آپ غزل کہتے ہیں اس کے سمجھنے والے ..... تو کیا ہندوستان میں بھی بہت کم ہیں۔ یہ رنگ تغزل کی حدود سے گذر کر حقیقت و فلسفہ کی حد تک پہونچتا ہے۔ آپ کی طبیعت اس میں پختہ کار ہوتی جاتی ہے تغزل محض میرے اسکول کا معیار نہیں کیا آپ میری غزلیں نہیں دیکھتے؟ آپ جذبات محبت اور احساساتِ انسانی کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں یہ غزلیں جب تعلیم یافتہ ادب نواز اور اعلیٰ سوسائٹیوں کے سامنے رکھی جائیں گی تو اُس وقت آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کا کیا درجہ ہے۔"

آپ آگرہ اسکول کے پرجوش پیرو اور صحیح معنوں میں تقلید کرنیوالے ہیں۔ آپ کے یہاں معاملہ بندی کا میدان بہت تنگ ہے۔ حقیقت، فلسفہ، تصوف اور فطری مضامین ہر جگہ بکثرت ہیں اور یہی وہ امتیاز ہے جس نے آگرہ اسکول کو ملک کے دوسرے اسکولوں پر ممتاز کر دیا ہے۔

آپ کا کلام رنگِ جدید کا اعلیٰ نمونہ ہے اور رنگِ قدیم سے بالکل بیگانہ۔ طبیعت میں جدت اور خیالات میں ندرت و شگفتگی ہے اکثر نئے مضامین کی فکر میں مستغرق رہتے ہیں۔ آپ کے کلام میں خوبصورت تشبیہات اور استعارے، اچھوتے مضامین عبارت میں روانی اور چستی جگہ جگہ موجود ہے کلام گہرا اور پر معنی ہے۔ علم ادب سے فطری لگاؤ ہے اور زیادہ وقت درس و مطالعہ میں صرف ہوتا ہے۔ آجکل علوم مشرقیہ کی تحصیل میں مصروف ہیں اور اس کی جلد تکمیل کرنیوالے ہیں۔

آپ صرف شاعر یا ناظم ہی نہیں بلکہ نثر نگار بھی ہیں آپ نہایت آسانی سے آسان اور مشکل سے مشکل موضوع پر قلم کو جنبش دے سکتے ہیں۔ نثر نگاری کا شوق آپکو زمانۂ تعلیم ہی سے ہے اس وقت بھی آپ کے مضامین اپنے ہم جماعتوں سے ہمیشہ ممتاز اور فائق رہتے تھے اور اس وقت کے کل مضامین کی یادگار بصورت کتاب موجود ہے۔ آپ حسب ذیل کتابوں کے مصنف ہیں۔

سبز پوشش (ناول)، گل پوشش (ناول)، ثریا (ناول) مجموعۂ مضامین مجموعۂ غزلیات مجموعۂ نظمیات۔

نمونۂ تغزل

شام صحرا بن گئیں صبحِ گلستاں ہو گئیں
میری آہیں کتنے افسانوں کا عنواں ہو گئیں

تھی کبھی پرواز جنکی آشیاں تا آشیاں
اب وہی آزادیاں پیغام زنداں ہو گئیں

تھیں جو کل تک کشتیِ امید کو تھامے ہوئے
رُخ بدل کر آج وہ موجیں بلائے جاں ہو گئیں

عشق آکر جیکا تھا چاک پردہ ضبط کا
اُنکی نظریں بخیۂ جیب و گریباں ہو گئیں

حسن برہم کا یہ عالم کس نے دیکھا ہوگا
آئینہ منگوا کے جو زلفیں پریشاں ہو گئیں

عشق کے رنگین فسانوں پر تھا کل تک خندہ زن
آج وہ میری ہی یارب داستاں کیوں ہو گئے

کیا مشیت ہے کسی تکمیل پر مصروفِ غور
ٹوٹ کر پھر مرتب آشیاں کیوں ہو گئے

مٹنے والے کیوں نہ ابھرے پھر نئے عنوان سے
پردہ ہائے آب و گل میں رائیگاں کیوں ہو گئے

کرلیا شبنم سے فانی جان کر تونے گریز
پھول وجہِ اعتبارِ گلستاں کیوں ہو گئے

یا نشاطِ روح بنتے یا سرودِ زندگی
تم مرے ذوقِ تمنا پر گراں کیوں ہو گئے

ہشیار ہو کے بیٹھے اب باغباں چمن میں — بجلی تڑپ رہی ہے پھولوں کے پیرہن میں
برقِ نگاہ بن کر آ میری انجمن میں — اور جگمگا دے جگنو کے پیرہن میں
خوفِ خزاں بھی ہے، ہے صیاد کا بھی کھٹکا — آزاد ہو کے بیٹھے کیا کوئی اس چمن میں
بیداریِ عمل کے جذبے ہیں پھر فسردہ — پھر گرمیاں بڑھا دی آ کے انجمن میں
جذبات کا وہ عالم اب بھی ہے یاد مجھ کو — جب جذب ہو رہی تھیں دونوں کی بے تابیاں
دیکھا ہے کیا بہاری پیاری تقدیس گوں نکھار — جب صبح مسکرائے کاشانۂ چمن میں
اختلافِ رنگیں ہو گئی ہیں سب نظر کو — جو رنگ ہے چمن میں وہ بو ہے نسترن میں

سنیں کر کے خدا سے جس نے مانگا تھا سکوں دل — اب کون ہے جو بھی نہیں تسکین حاصل کیا کرے

نظامِ عاشقی کا جزوِ کُل ہی آنکھ کی باتوں میں — وہ جب چاہیں علاجِ خاطرِ بیمار ہو جائے
تصوّر کی مری بدبختی پر نظر فرما — کہ میں تجھ کو نہ دیکھوں اور پھر دیدار ہو جائے
سکونِ دل کا آئینہ کبھی یوں دیکھ لیتا ہوں — شفق جس طرح کوئی خواب میں بیدار ہو جائے

اب بھی مری نگاہ میں ہے اعتبارِ حسن — میں لاکھ بدگماں سہی دل بدگماں نہیں

ازل بھی تمھارے اک اضطراب کا پہلو — تمھیں بھی یاد ہے کچھ کب بیقرار ہوں میں

ابھی افسانہ خواں تھا اور ابھی ہوں خود اک افسانہ
مرا عالم بھی گویا عالمِ خوابِ پریشاں تھا

قیودِ ہستی کی کشمکش سے فضائے آزاد میں نکل آ
یہیں سے تجھ کو نشاں ملیں گے حدودِ دنیائے جاوداں کے

تمھارے غم میں جو بیتی ہیں لذتیں دل کو — وہ زندگی کے مزے عمرِ جاوداں میں نہیں

خود ہی تو سب رنگ بنا پھر دیا تصویر کو — خود ہی پھر اپنی اداؤں پہ فدا کیوں ہو گئے

تری جلوہ ہی سے معمورۂ عالم — اگر وا دیدۂ دل بھی تو وا ہو
وہی تاریخِ آغازِ طرب ہے — دلِ ویراں جب حد سے سوا ہو
معاذ اللہ وہ اک لمحۂ یاس — چراغِ آرزو جب بجھ رہا ہو
مری امید ہو یا تیرا وعدہ — کوئی کیوں غیرِ دل کا آسرا ہو

اٹھالائے اسیری میں اگر بھی تو نہ دیکھی — قفس سے دور گلشن میں ہمارا آشیاں کیوں ہو
چمن ویراں نقابِ رخِ نظمِ آشیاں برہم — خزاں آئی تو آئی انقلابِ گلستاں کیوں ہو
بہار آنے سے پہلے خود ہی کرلیں چاک پیراہن — جنوں کی ہم سے دامن ہمارا دھجیاں کیوں ہو

ترا جو دید کی بے تابیاں چھپا نہ سکا — لاکھ آنکھ میں ان سے نظر چرا نہ سکا
نگاہ میں تھی حقیقت نشاطِ عالم کی — ہنسی بھی آئی تو میں کھل کے مسکرا نہ سکا
جو ہم نہ تھے تو بس ہند او تھا اک ہو — چراغِ بزمِ وفا کیوں کوئی جلا نہ سکا
تجھے اعتبار کو دنیا میں آ رہی مرکز — ترے سوا میں کسی پر یقین لا نہ سکا
میں اپنے ذوقِ طلب کو نہ کر سکا محدود — وہ میری حدِ تصور سے دور جا نہ سکا
ہے اعترافِ مجھے اپنی کم نگاہی کا — مری نگاہ میں جلوہ ترا سما نہ سکا

زندگی اک واہمہ، دنیا فریبِ ناتمام — کیا یقینِ عالمِ خوابِ پریشاں کیجیے
یہ طریقہ ہے کہ سب کچھ سنا دیجیے گا ہے — خامشی کو داستانِ دل کا عنواں کیجیے

مصیبت بھی فانی ہے راحت بھی فانی — نہ یہ جاودانی، نہ وہ جاودانی
سرور آنکھ میں قلب میں شادمانی — جوانی کی راتیں ہیں کتنی سہانی
ہیں ہم بلبلِ بوستانِ محبت — ہو تم غنچۂ نو بہارِ جوانی
جو دیکھا تو نکلے تمہارے ہی جلوے — چمن کا شباب آرزو کی جوانی

نظر بھیگی بھیگی ادا بہکی بہکی — بہاروں پہ ہے بوستانِ جوانی
نہ جینے کی فرصت نہ مرنے کی مہلت — یہ ہے زندگی بھی کوئی زندگانی
کہیں روح بنکر اڑا جائے عالم — شبِ ماہ میں ہے غزل خواں جوانی
کہیں گل بداماں کہیں خار در بر — عجب شے ہے اے حسن تیری جوانی
محیطِ جہاں تھا کبھی حسن میرا — فلک نے تو دیکھی ہے میری جوانی

نمونۂ نظم

"جگنو"

پردۂ ظلمت سے نکلا جگنوؤں کا کارواں — ہر گلگشت فضائے تیرہ و تار گلستاں
دامنِ صحرا پہ [illegible] زاروں سے اٹھا — ساحلِ دریا پہ پہونچا آبشاروں سے اٹھا
کاروانِ ضو فشاں، آوارۂ شام چمن — ایک موجِ برق رقصاں، اک پری وش انجمن
کائناتِ آتشیں، معمورۂ حسن و نمو — ایک سیلابِ ضیا، اک کاروانِ رنگ و بو
پھر رہا ہے ہر طرف انوار برساتا ہوا — روشنی سے دامنِ ظلمت کو چمکاتا ہوا
مشعلِ شب تاب بنکر مسکراتا ہے کہیں — رنگ و بو کی انجمن میں جگمگاتا ہے کہیں
تابشوں سے یوں منور ہو رہی ہیں شاخ شاخ — جا بجا فضا میں منتشر جس طرح لعلِ شب چراغ
اڑ گیا سوئے چمن کوئی نئی تابش لئے — قمقمے سو لالہ و گل میں فروزاں کر دئے
کیاریوں سے کوئی برساتا ہوا نکلا شرار — کوئی چمکاتا ہوا آیا کنارِ رہگذار
کوئی معروفِ خرام دامنِ ساحل ہوا — کوئی رخشندہ چراغِ جادۂ منزل ہوا
دی نگاہوں کو کسی نے دعوتِ نظارگی — لعل آسا وادیوں میں کوئی جاکر چھپ گیا
آسماں تاروں سے دنیا جگنوؤں سے نور بار
اے بصیرت دیکھنے والے تیری قدرت پہ نثار

[illegible] گرفت [illegible] بے لگام ہو گئی [illegible] ذوق کا قبضہ دور کیسے [illegible] روحانی لطف [illegible] حاصل ہو جائے گا۔

[illegible] بعض اشعار ایسے ہوں [illegible] توجہ [illegible] قدرت کے [illegible] مسکرائی ہوئی کائنات کا نظارہ ہے [illegible] آسمان کا ہر [illegible] سینہ پر کنول بن کر [illegible] فطرت [illegible]
"دریائے باناس میں ایک شبِ ماہ"

نمونۂ نثر

شاعر اور شبِ ماہ دریائے باناس میں

موسم کی لطافتوں نے دعوتِ کیف دی اور شاعر ہمہ شوق و آرزو بن کر اپنے کاشانے سے دریا کی سرور بخش چاندنی میں لطف اٹھانے کیلئے روانہ ہوگیا۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ تاریکیوں کا وحشت ناک سیلاب شفق کے گلریز و گلبیز جلووں کو اپنی آغوش میں پناہ دیتا ہوا سوادِ مغرب سے نمودار ہوگیا۔ شاعر اپنے والہانہ انداز میں عشق و محبت کے نغمے گاتا ہوا ساحلِ دریا پر پہونچا ہوگا۔ ساحل نے استقبال کیا اور اپنی جنت ارضی میں جذب کر لیا۔

کائنات پر تاریکی کے موٹے غلاف پڑے ہوئے تھے لیکن شاعر اپنی عرفانِ نفسی سے تاریکیوں کو روشنی میں تبدیل کر دینا چاہتا تھا، یکایک سطحِ مشرق پر ایک نور کا سمندر لہرایا اور مہتاب اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ کھیلتا ہوا طلوع ہوگیا۔ دریا کی وسیع اور بسیط پہنائیاں بقعۂ نور بن گئیں اور ہر ذرہ اپنی جگہ ایک آفتاب نظر آنے لگا۔ دریا کی وسعتوں پر کشمیر اور شملہ کی خوشگوار ہوائیں خنکی برسانے لگیں۔ یہ وہ وقت ہے جس کو دیکھنے والوں نے دیکھا ہے کہ فطرت کا حسن اپنے مکمل شباب اور پوری تابانیوں کے ساتھ روح کی انتہائی گہرائیوں میں جذب ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عروسِ فطرت نے اپنی تمام بہاروں کی روح کھینچ کر مہتاب کے نور آفریں پیکر میں محض اس لئے بے حجاب کر دی ہے کہ اسے دریائے باناس کے شاداب اور خنک ساحل تجلی و منور کئے جائیں۔ مہتاب کی کرنیں براہِ راست ذروں کے سینے چیرتی ہوئی مائل پرواز نظر آتی ہیں اور بعض وقت ایسا دھوکا ہو جاتا ہے کہ زمین سے آسمان تک بے شمار نورانی جھولے پڑے ہیں۔ یا دوشیزگانِ حسن و شباب اپنے جمال و نور میں نہا رہی ہیں۔ کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

[illegible] ایک رنگ [illegible] ذوق کی ایک نیسانہ تعبیر ہے [illegible] نظارہ ہے جس کی تڑپ روح میں ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔

شمیم — سید محمد ولایت علی صاحب قادری اکبرآبادی (۴۸)

شمیم صاحب کے مورثِ اعلیٰ سہارنپور کے ایک سادات خاندان کے فرد تھے جس میں اکثر مجذوب و سالک ہستیاں گذری ہیں شمیم صاحب کے دادا صاحب اپنے والدین کے سامنے انتقال فرما گئے۔ اسی لئے شمیم صاحب کے والد محروم الارث قرار دے گئے۔ دراصل وہ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے اور دنیا میں ان کے لئے کوئی سامانِ جاذبیت نہ تھا جس وقت والد صاحب کا انتقال ہوا شمیم صاحب کمسن تھے۔ نانا صاحب کی آغوشِ محبت میں پرورش پائی۔ آپ کے دادا کا اسم مبارک میر مراد علی اور جدِ امجد کا اسم گرامی میر لطف علی شاہ تھا جو باشندئ آگرہ بن رہتے تھے جہاں اب بھی ایک مندر کے قریب ان کے مزارات موجود ہیں۔ لطف علی شاہ صاحب کی تعمیر کردہ ایک مسجد بھی باشندی آگرہ میں ابتک موجود ہے۔

شمیم صاحب نے ننھیال میں پرورش پائی فارسی و عربی کی تعلیم اعزا کی نگرانی میں ہوئی۔ ازدواجی زندگی میں قدم رکھتے ہی نانا اور ماموں کا بھی انتقال ہو گیا یہاں تک کہ آپ کی والدہ صاحبہ بھی دنیائے فانی سے کوچ کر گئیں۔ شمیم صاحب کی اولاد کی تعداد ۹ ہے جن میں سے کئی کا انتقال ہو گیا ہے سب سے بڑے صاحبزادے محمد شجاعت علی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کلرک ہیں۔ عرصۂ دراز سے شمیم صاحب گورنمنٹ انڈیا پریس دہلی میں ملازم ہیں۔

آپ حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کے قدیم ترین تلامذہ میں سے ہیں ۱۹۱۵ء میں آپ نے زانوئے ادب تہ کیا آج سے ۱۵ سال قبل آپ شعر کہتے تھے۔ مشاعروں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ لیکن اب وہ ذوق نہیں رہا۔ شمیم صاحب ایک قدیم طرز کے بزرگ ہیں نہایت مخلص اور شریف طینت، خاندان قادریہ میں بیعت ہیں۔

آپ کی شاعری کو ہمیں اسی دورِ قدیم میں لے جا کر دیکھنا چاہئے جس میں معاملہ بندی اور اسلوب بیان کی شوخی پائی جاتی تھی۔ آپ کے اشعار میں سادگی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ اشعار سے کہنہ مشقی ٹپکتی ہے۔ گوشہ نشیں اور باوضع ہستیوں میں سے ہیں۔

نمونۂ تغزل

کیوں نہ سمجھاؤں خطِ شوقِ اسی کو یا کو … کہ صبا سے یہ مرا پیکِ خیال اچھا ہے
جس پہ شیدا ہو زلیخا وہ تجلی ابھی … یا جو پیارا ہو خدا کو وہ جمال اچھا ہے

کس طرح مدعا ہو ہم آغوش اے شمیم … رہتا ہے دور دور اثر میری آہ کی

مری خزاں میں بھی اک عالمِ بہار رہا … ہر ایک داغِ جگر رشکِ لالہ زار رہا
ہماری جرم سے بڑھ بڑھ گیا کرم تیرا … وہ بے حساب رہا اور یہ بے شمار رہا

نہ کام دین کا اس سے ہوا نہ دنیا کا
تمام عمر بتوں میں شمیم خوار رہا

رازِ دل کس کو سناؤں رازداں کوئی نہیں
ہجر کی شب واقفِ دردِ نہاں کوئی نہیں
جوہرِ ذہنِ رسا کس کو دکھائیں اے شمیم
آہ فنِ شاعری کا قدرداں کوئی نہیں

صبح ایسی کیوں نہ سحر دیکھوں … آپ کے روئے منور پہ گماں کس کا کیا ہے

---

www.taemeernews.com

شوق　مولوی محمد مشتاق صاحب چاندپوری　۴۹

آپ کا نام محمد مشتاق اور شوق تخلص ہے۔ آپ کا وطن چاندپور ضلع بجنور اور مولد محلہ مولویان ریاست ٹونک ہے۔ آپ ۱۵ ربیع الثانی [illegible] شب دوشنبہ کو پیدا ہوئے آباء و اجداد کابل سے وارد ہندوستان ہوئے اور خاندان مغلیہ میں شاہی فوجی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کے جد امجد مولوی محمد عبدالرحیم صاحب رسالدار تھے ۱۸۵۷ء کے غدر میں جہاں دوسرے خاندان بے سروسامان ہوئے آپ کا خاندان بھی اس دست برد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ آپ کا خاندان علم و فضل اور ذاتی وجاہت و شان کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ چنانچہ آپ کے دادا جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب مرحوم یوپی کے مشہور عالم گذرے ہیں۔ ان کے کتب خانہ میں بے شمار کتب عربی و فارسی موجود تھیں جو غدر میں برباد ہو گئیں پھر بھی تھوڑا بہت ذخیرہ اب تک باقی ہے۔ اس میں سے زیادہ حصہ دیمک کی نذر ہو چکا ہے۔ مولوی صاحب موصوف نہ صرف ایک اعلیٰ جنگی افسر ہی تھے بلکہ ایک صاحب کمال عالم اور شاعر بھی تھے۔ حضرت ذوق اور حضرت غالب کے دوش بدوش سیکڑوں مشاعرے پڑھے تھے۔ افسوس کہ آپ کا مکمل کلام اس وقت موجود نہیں۔ آپ کی غزلیں نغمۂ بہار، گلدستۂ ناز، ابرِ چمن، خنجرِ عشق وغیرہ رسائل میں شائع ہوتی رہتی تھیں جو [illegible] عیسوی میں لکھنؤ بمبئی اور امرتسر وغیرہ سے نکلتے تھے۔ میں چند اشعار یہاں پیش کرتا ہوں۔ مولوی صاحب موصوف کی زبان ٹکسالی ہے۔ آپ فصیح تخلص فرماتے تھے۔

منہ پر آئی تمنائے دلی کی جستجو ہوں　　دلِ ناکام حسرت دل لپٹ کر آرزو ہوں

جب دل سے نام پاکِ محمد نکل گیا　　انسان گرتے گرتے زمیں پر سنبھل گیا

کیا بادہ کشی کا ہو مزا بزم میں ساقی　　شیشہ ہو کسی غیر کا پیمانہ کسی کا

آپ نے حضرت جلال، حضرت امیر احمد مینائی، حضرت امیر استاد حضرت امیر مینائی کے ساتھ ایک مشاعرہ میں جو غزل پڑھی تھی اس کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے۔

آ! نظر ہے رنگِ فلک کا جو نیلگوں　　سایہ پڑا ہے یہ مری بختِ سیاہ کا

حضرت فصیح کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے صاحبزادے کا نام محمد عبدالرزاق صاحب تھا اور چھوٹے صاحبزادے کا نام محمد عبدالعزیز ہے جو بقید حیات ہیں۔ شوق صاحب جناب عبدالرزاق صاحب مرحوم و مغفور کی ساتویں اولاد ہیں عبدالرزاق صاحب کا وصال ۱۵ رمضان المبارک [illegible] کو یوم یکشنبہ بوقت بارہ بجے دن ہوا تھا۔ وصال سے چند سال پہلے زہد و تقدس کا یہ عالم تھا کہ مرحوم ۲۰ گھنٹے عبادت فرماتے تھے۔ ایک گھنٹہ دن میں اور شب کو ۱۱ بجے سے ایک بجے تک آرام فرماتے تھے اور صرف ایک گھنٹہ ضروریات زندگی کے لئے رکھا تھا۔ آپ کا خط نہایت پاکیزہ تھا۔ حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حسنِ صورت بھی بے مثال تھا۔ مرحوم ایک بلند پایہ شاعر اور ادیب تھے سخن تخلص فرماتے تھے۔ آپ کی تحریر عالمانہ اور تقریر دلکش ہوتی تھی۔ آپ کی معلومات اور وسعت نظری کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ جھنگ ضلع پنجاب میں عرصہ تک سرکاری ملازم رہے۔ تحصیلداری نہ ملنے کے ملال سے ریاست ٹونک پہنچے [illegible] ہوئے پیشکار رہے۔ سپرنٹنڈنٹ آف وارڈس مقرر کئے گئے آخر ناظم پرگنہ علی گڑھ ریاست ٹونک کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ تمام عمر کبھی آپ نے رشوت کی ایک پائی نہ لی۔ لاکھوں روپئے سے گریز فرمایا۔ آپ ٹونک میں بہت زیادہ مشہور تھے۔ اعلیٰ حضرت نواب سر محمد ابراہیم علی خاں مرحوم و مغفور خلد آشیاں کا آپ پر خاص کرم تھا۔ تیس سال تک اسی ریاست میں بسر کئے۔ ریاست کے بہترین منشی اور ایک اعلیٰ پایہ کا صاحب علم و کمال سمجھی تھی۔ ذوقِ شعری فطری تھا۔ بہت سے مشاعرے پڑھے۔

نمونہ کلام یہ ہے۔

وہ جو یا دامِ گیسو کا تو آمادہ ہے طوفاں — دلِ وحشی کو ہے دکوں یا خبر ہوں چشمِ تر تیری

از بے خبری خبر نہ داری — رازے کہ درونِ سینہ دارم
در معصیت از ہمہ بزرگم — نازاست کہ شکلِ خود نہ دارم
مقبول اگر کنی سخن را — در مجمعِ حشر سر بر آرم

بعد اک عمر کے ہوئی راضی، اگر ہو آج — روٹھے ہیں اس پہ وہ کہ ہمیں کیوں منالیا

ایک عالم ہے کہ بن دیکھے ہی شیدا تیرا — ورنہ بتلائے کوئی کس نے تجھے دیکھا

غمِ فرقت کا ہے یہ سارا ہجوم — وصل ہے اور اشک باری ہے

شوق صاحب نے اپنے گھر پر قرآن شریف ختم کیا۔ اور اردو فارسی کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ آپ نے بہت جلد ابتدائی مراحل طے کر لئے اور انگریزی اسکول میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۱۱ء میں انٹرینس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۶ء میں سی ٹی (C.T.) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء میں منشی کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۳ء میں کامل اور اسی سال اردو اعلیٰ قابلیت کے امتحانات بھی خصوصی امتیازات کے ساتھ پاس کئے۔ ۱۹۲۶ء میں آپ نے فزیکل ٹریننگ کے امتحان کی تیاری کی اور وہاں سے بہت ہی اچھے سارٹیفکٹ حاصل کئے۔ غرض چند ہی سال کے عرصہ میں آپ علمی۔ ادبی اور جسمانی نشو و نما سے فائز ہو گئے۔ آپ کی صحت ماشاء اللہ نہایت اچھی ہے۔ دراز قد۔ خد و خال سے وجاہت اور تدبر برستا ہے۔ آپ ہر موسم میں صبح چار اور پانچ بجے کے درمیان غسل فرماتے ہیں۔ آپ مذہباً شیعہ ہیں اور صوم و صلوٰۃ کے انتہائی پابند ہیں۔ آپ کا قول ہے کہ وہ شخص بدبخت ہے جو اپنے مذہب کا پابند نہیں۔ آپ خدائے واحد کے ساتھ ہر حال میں رضامند رہنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

آپ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو دارین کی کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ آپ کا ایمان ہے کہ کوئی کسی کو نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ ہر شخص اپنے عمل کا شکار ہوتا ہے۔ آپ فرائض کی پابندی اور افسر کی اطاعت کو حسبِ ایمائے حدیث نصف سلوک خیال فرماتے ہیں۔

آپ ۱۷ ستمبر ۱۹۲۶ء کو اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ میں بعہدہ اسسٹنٹ ماسٹر فائز ہوئے۔ جولائی ۱۹۳۰ء سے جناب خان صاحب امین الدین حیدر صاحب رئیس شیخوپور کی نگاہِ کرم نے آپ کو نوازا اور آپ پیش اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں میں چلے گئے اور جون ۱۹۳۲ء تک کا زمانہ وہیں گذارا۔ جولائی ۱۹۳۲ء سے جناب مولوی سید احمد صاحب رہروی کی نگاہِ مہربانی نے التفات فرمایا اور آپ شعیب محمدیہ ہائی اسکول میں اسسٹنٹ ماسٹر اور گیمس سکریٹری مقرر ہوئے۔ ماسٹر صاحب نے مولوی سید احمد صاحب منیجر اسکول ہٰذا کی رہنمائی اور سرپرستی میں زندگی کی بہت سی نعمتیں مثلاً اخلاق و عادات وغیرہ حاصل کیں۔ آپ ہمیشہ مولوی صاحب موصوف کی ترقیِ اقبال اور صحت و عافیت کیلئے داعی رہتے ہیں۔

ماسٹر صاحب وراثتاً اور فطرتاً شاعر پیدا ہوئے ہیں۔ ۱۹۲۲ء میں آپ حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کے شاگرد ہوئے۔ آپ کو بچپن میں چار امرا نے گود [illegible] جن میں سے دو صاحبِ حیثیت اور رئیس تھے۔ ایک جید عالم اور صاحبِ کمال بزرگ تھے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد علی شاہ صاحب کمبل پوش مرحوم و مغفور نے بھی آپ کو مرید کرنا چاہا لیکن آپ رضامند نہ ہوئے۔ آپ بیعتِ عقیدت سے حضرت مولانا عباد اللہ صاحب مرحوم کے ہیں جو ایک مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔

شوق صاحب انتہائی زود گو ہیں۔ ایک گھنٹہ میں تین غزل [?] نہایت اچھی غزل کہہ لیتے ہیں۔ دماغ بہت اچھا پایا ہے۔ غزل میں درد کا تصوف میر کی سادگی اور غالب کا فلسفہ ہوتا ہے۔ آپ نہ صرف ناظم ہی ہیں بلکہ ایک بہترین ناثر بھی ہیں۔ تقریر میں خاص ملکہ ہے۔ خیالات اور [?]

کا تسلسل آپکے یہاں بطورِ خاص پایا جاتا ہے۔
۱۹۴۱ء سے آپ سیماب لٹریری سوسائٹی آگرہ کے صدر ہیں۔ آپ پہلے مشتاق تخلص فرماتے تھے حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے زمانے سے۔ فروری ۱۹۴۰ء کو سینٹ جانس کالج آگرہ کے ایک مشاعرہ میں یہ رباعی پڑھ کر آپ نے اپنا تخلص بدل دیا۔

فطرت سے ہوا جو کام حاذق ہوا　　باطل کسی صورت نہ موافق ہوا
حاصل ہوا ارتقائے ذہنی آخر　　مشتاق تھا پہلے اور اب محقق ہوا

جو اضافے حسن میں اُن کے ہوئے　　وہ مرے جذبات بن کر رہ گئے

میں زمانے بھر کو سمجھا اور نہ سمجھا آپ کو　　ایک اپنا ہی سمجھنا تھا بہت مشکل مجھے
دل کا مصرف اور تو اسکے سوا کچھ بھی نہیں　　اُس نے اپنے ہی لئے شاید دیا تھا دل مجھے

میں کہاں سے لاؤں اتنے دل کہ ہر ذرے کو دوں　　وہ اگر چاہیں تو ہر ذرہ سے دل پیدا کریں

جس رنگ میں ہو حُسن محبت کیلئے ہے　　کافر ہے جو سمجھے کہ عداوت کیلئے ہے
ناکامِ محبت ہو کہ بدنامِ محبت　　جو کچھ بھی ہو انسان محبت کیلئے ہے

کیا پوچھتے ہو نسبت میری کہاں کہاں سے　　کچھ واسطہ یہاں سے کچھ واسطہ وہاں سے
مرنا ہے میرا جینا جینا ہے میرا مرنا　　یہ بھی مرا مکاں ہے وہ بھی مرا مکاں ہے

پھر تمہاری یاد میں برباد ہونا ہے مجھے　　پھر تمہاری یاد میں برباد ہونا چاہیئے
ہیں جہاں میں باعثِ تکمیل تو بربادیاں　　مجھ کو بننے کے لئے برباد ہونا چاہیئے

ابھی کیا ہے ابھی تو رازِ الفت دل میں پنہاں ہے　　ابھی تو زرد پڑنے ہی لگی معلوم ہوتی ہے
مرا ہی دل ہے شاید کائناتِ حسن کی قیمت　　مرے دل پر حسینوں کی نظر معلوم ہوتی ہے

دلِ خراب کو اک آپ ہی پسند آئے　　اگرچہ آپ کے قابل دلِ خراب نہیں

سکونِ دردِ دل اہلِ محبت کو میسر ہے　　یہاں مرنے سے پہلے موت آنے کی صورت ہے
مریضِ غم کے مرنے اور جینے کی یہ صورت ہے　　وہ آجائیں تو زندہ ہے چلے جائیں تو رخصت ہے

قطعہ

جو کچھ نظر آتا ہے افسانہ ہے افسانہ　　کیسی یہ تری دنیا بیگانہ ہے بیگانہ
تو اہلِ زمانہ سے ہے طالبِ ہمدردی　　سودائی ہے سودائی دیوانہ ہے دیوانہ

نمونہ نظم

"حُسنِ مغموم"

خاک آلودہ کوئی تصویر جب آئی نظر　　یا خفا مجھ سے مری تقدیر جب آئی نظر
خوابِ غفلت کی بُری تعبیر جب آئی نظر　　یا گناہِ عشق میں تقصیر جب آئی نظر
حُسن کے مغموم ہونیکا گماں مجھ کو ہوا
امتحانِ خاطرِ ناشاد ہاں مجھ کو ہوا
نالہ پھر چھیڑا کسی ذرے کا کوئی اندوہگیں　　پھر مقابل آسماں کے کیا ہوئی کوئی زمیں
پھر کسی نے کھینچ لی کیا اسکی نازک آستیں　　یا نظر آیا اسے پھیکا کوئی ذوقِ جبیں
رنگِ نورانی مری نظروں میں کیوں افسردہ ہے
حُسن پژمردہ نہیں میری نظر پژمردہ ہے
کیا کسی مخفی جنوں نے اسکو چھیڑا ہے کہیں　　کیا کسی بے صبر کا شکوہ ہوا ہے دلنشیں
آہ پیرا ہو گیا ہے کیا کوئی قلبِ حزیں　　کیا کسی کی کہہ گئی ہے کچھ نگاہِ واپسیں
کس سے آخر پوچھئے یہ حسن کیوں مغموم ہے
راحتِ قلبِ حزیں ہے یہ تو اک معصوم ہے

نمونۂ نثر
زندگی کے دو پہلو

غرض یہ ہے کہ ترتیبِ ہستی جو کچھ بھی ہوا اور کائنات کی کائنات ہو جاے سمجھے کہ زندگی جو نفس کی آمد و شد پر منحصر ہے۔ زندگی جو موت کا شکار ہے۔ زندگی جو حوادثِ ارضی و سماوی کا تختۂ مشق۔ زندگی جو درد سر کا اضطراب زندگی جو اختلاجِ قلب کی تڑپ۔ زندگی جو نوکِ خار کا نشتر۔ زندگی جو سرد جھونکے کی غلام۔ زندگی جو دنیاوی عداوت بغض کینہ کی نمایاں صورت۔ زندگی جو عیش کا اضطراب اور اضطراب کا عیش۔ زندگی جو صدموں کا شکار۔ اعزا کی مفارقت کا نمونہ۔ احباب اور مخالفین کی آنکھیں۔ کشمکش کی گرم بازاری۔ دشمنی کا انجام۔ پیکرِ خاکی کی مٹ جانیوالی صورت۔ زندگی جو کسی بے وفا کی جفا، وفا کی لہر۔ اسلامی قبرستان۔ گنگا کے پھول۔ سیاہی شہرِ خموشاں۔ موت کے فرشتہ کی غذا۔ دوزخ کا ایندھن۔ دشمن کی نگاہ کا کانٹا۔ مصائب کا گھر۔ لڑکپن کی طفلانہ حرکتیں۔ جوانی کی امنگیں۔ بڑھاپے کی سسکیاں۔ جسم کی چار دیواری کی قیدی۔ بہروپیے کا سوانگ۔ افسوس کا روزنامچہ۔ سینہ زوری کی کوفت۔ مایوسیوں کا ماتم کدہ۔ جزو ممدوح۔ روحِ لطیف کا زندان۔ مقدمۂ قیامت۔ میدانِ حشر کی روداد۔ ...... ایک جادو بھری نگاہ کی غلامی۔ مزدورو پرستم۔ بزرگوں کی دل آزاری۔ دوسروں کے حقوق کی پامالی۔ متعلقین کی خاطر شکنی۔ دل کی دھن۔ روح کا آزار۔ جسم پر جور۔ محبت کا بیجا صرف۔ عشق کے نام پر بھینٹ۔ حسن کے سخن فہمی کی غلطی .... ہے۔

دوسرا پہلو

زندگی جس کے باب میں میں نے اسقدر شستہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مالکِ حقیقی کا جلوہ گاہ پرتو۔ کاریگرِ اعلیٰ کی صنعت کی جان۔ عالمِ کامل کی خبر۔ بندگانِ خدا کی ہمدردی کا باب۔ قندیلِ عرش کی روشنی۔ خاکدانِ تیرہ کا چراغ۔ گل کا تبسم۔ بلبل کا ترانہ۔ روح کی جلا۔ نیکیوں کا میدان۔ جنت میں عمارت بنانیکا آلہ۔ یار کے وصل کی تدبیر۔ مشیتِ ایزدی کی جھلک۔ عبادت کا باغ۔ مرادوں کا چراغ۔ مراتب کی تفریق۔ نبیوں کی رفتار کا نمونہ۔ دوست کو عیب اور دشمن کو دوست بنانیکا تقاضہ۔ خاکدانِ خاکی سے آزادی حاصل کرنیکا موقع۔

پروردگارِ حقیقی کے کن فیکون کی شان۔ مظہرِ کائنات۔ موجوداتِ عالم۔ کائناتِ زمین و آسمان کا سبب۔ بندوں کی اطاعت۔ برابر والوں کا مقابلہ چھوٹوں سے پیار کرنیکا تقاضہ۔ اور اپنا سا بنانیکا فرضِ منصبی۔ عکسِ لطیف کائنات۔ معراج کی رات۔ طور کا جلوہ۔ انی جاعل فی الارض خلیفہ کی آیت۔ کعبہ کی تقدیس۔ بیت المقدس کی عظمت۔ شام کا رنگ۔ صبح کا نور۔ پریاگ کی روح۔ کاشی کی جان۔ ہردوار کی پرستش۔ بغداد کی رنگینی۔ اجمیر کی بنیاد۔ حسن یوسفؑ۔ حشمتِ سلیمانؑ۔ صبرِ ایوبؑ۔ گریۂ یعقوبؑ۔ اقبال اور سلطنت سکندر۔ کرشن کی بانسری۔ زورِ رستم۔ ارجن کی تیراندازی۔ حضرت عمرؓ کا انصاف۔ حضرت ابوبکرؓ کا صدق۔ حضرت عثمانؓ کی غنا۔ حضرت علیؓ کی شجاعت۔ حضرت خالدؓ کی ہیبت۔ حضرت عیسیٰؑ کا کفارہ۔ حضرت موسیٰؑ کا جلال۔ نبی معظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ...... ہے۔

ماسٹر مشتاق احمد صاحب شوق چاندپوری کی غزل پر
حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

وہی الفت کبھی جو [illegible] تھی (اصلاح: [illegible]) — وہی اب درد دل کی چیز ہو کر معلوم ہوتی ہے

[illegible] (اصلاح: سراپا درد بن کر رہ گئی ہوں ہائے محبت تھا) — کہوں کیا میں اب دل میں کدھر معلوم ہوتی ہے

جہاں دیکھو وہاں رونا، یہی رونا آہ دکھ دینا — مری دشمن مری خود چشمِ تر معلوم ہوتی ہے

جگر میں دل میں سینہ میں رگ و پے میں گئی جا کر — محبت ہی محبت (اصلاح: خدا جانے کیا) اثر معلوم ہوتی ہے

مرا ہی دل ہے شاید کائناتِ حسن کی زینت — پری حسینوں کی نظر معلوم ہوتی ہے

ابھی کیا ہے ابھی تو رازِ الفت ہی نہیں سمجھے — ابھی تو [illegible] اپنی [illegible] گھر معلوم ہوتی ہے

[illegible] (اصلاح: آخر [illegible]) — اگر مرنے ہی پہ تقدیرِ بشر معلوم ہوتی ہے

شفق ـ مسٹر کرتار ناتھ صحرائی سیالکوٹی ـ ۵۰

آپ کا نام کرتار ناتھ اور تخلص شفق صحرائی ہے۔ آپکے والد گرامی کا نام ملا رام مل ہے اور آپ ایک معزز و متوسط الدرجہ خاندان سے وابستہ ہیں، وطن شہر سیالکوٹ (پنجاب) ہے عمر تقریباً تیس ۳۰ سال ہے، اردو فارسی اور انگریزی کے علاوہ متعدد غیر ملکی زبانوں میں کافی دسترس رکھتے ہیں، آپ پنجاب یونیورسٹی کے انڈر گریجویٹ ہیں، اور آجکل آپ اسپورٹس کی ایک مشہور عالم فرم میں بطور اسسٹنٹ منیجر ملازم ہیں۔

آپ کو شاعری کا ذوق اپنے والد محترم سے ورثہ میں ملا ہے جو ہندی زبان کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ کالج کے زمانہ میں آپ کے دل میں ذوقِ شعریت بیدار ہوا، اور مضمون نگاری کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ ذہن رسا نے ساتھ دیا اور آپ آسانی کیساتھ شعر کہنے لگے۔ ابتدا میں متعدد حضرات نے آپ کی حوصلہ افزائی کی جو شوقِ سخن کیلئے مشعلِ راہ ثابت ہوئی اور اس اثنا میں آپ نے اپنے ذوق کی ابتدائی منزلوں کو نہایت آسانی کیساتھ طے کر لیا۔ ۱۹۳۱ء میں آپ باقاعدہ افصح الملک علامہ مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ کے سلسلۂ تلمذ میں داخل ہو گئے اور علامۂ موصوف کی اصلاح اور مفید مشوروں سے آپ کا کلام تھوڑے ہی عرصہ میں چمک اٹھا۔ آپ بے تکلف شعر کہہ لیتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔
غزل کیساتھ ساتھ نظم کی طرف بھی آپ کی طبیعت مائل ہے موجودہ دور کی جدید شاعری کے اصول پر آپ نے اکثر صوفیانہ اور سیاسی نظمیں لکھی ہیں۔ آج کل ہندوستان کے موجودہ مصائب کو دیکھتے ہوئے آپ کا رجحان طبع سیاسی نظموں کی طرف زیادہ ہے۔ آپ متعدد جرائد اور ہفتہ وار اخبارات کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اپریل ۱۹۴۳ء میں آپ روزنامۂ طاقت کے اسٹیج بل شان میں بطور مدیر معاون شامل تھے۔ آپ کے رفقاء نے جن شاندار الفاظ میں آپ کا خیر مقدم کیا تھا وہ حسب ذیل ہیں۔

"ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ہمارے محترم دوست مسٹر کرتار ناتھ صاحب شفق صحرائی نے ہماری قلمی معاونت کا وعدہ فرمایا ہے۔ شفق صاحب ادب اردو سے جو دلچسپی رکھتے ہیں اہالیانِ سیالکوٹ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ شہر کے علمی و ادبی حلقوں میں آپ ایک خاص شہرت کے مالک ہیں۔ آپ بہترین ادیب ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ امید ہے کہ آپ کا تعاون ہماری کامیابی کا باعث ہوگا۔" اس سلسلہ میں آپ تقریباً دو سال تک مدیر معاون کے فرائض بجالاتے رہے۔

آپ اردو اور انگریزی لٹریچر میں شیلے کیٹس اور بائرن کے علاوہ ڈاکٹر ٹیگور اور قاضی نذر اسلام آف بنگال کے زیادہ مداح ہیں اور اپنے تئیں "باغی شاعر" کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اردو کے علاوہ انگریزی میں متعدد نظمیں لکھی ہیں انگریزی زبان میں آپ پروفیسر (Hayland Jr. Bay) [illegible] لینڈ بے بیری آف برمنگھم کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، آپ کی نظمیں ماڈرن ریویو اور "Peace" میں نہایت دلچسپی سے مطالعہ کی جاتی ہیں۔

مس ایلن سینٹ کلیر نوادا المعروف مس ہوشیلروادی ایک امریکن نژاد خاتون ان کے ایک خط کے جواب میں اس طرح رقمطراز ہیں۔

Dear Brother "Shafaq"
Greetings of love & peace. Please forgive my long delay in answering your kind letter & take the first opportunity to thank you for it

with all my heart & also for the lovely little poem We shall try to publish it soon, so you maya be watching it in the "peace". May God bless you with further beautiful thoughts to give out to others — as the lovely thoughts are the flowers of spirit to perfume this world.

Swamijee also send his love & blessings.

Your sister in the Lord's who ever wishes your bliss.

(Sd.) Sushila Devi

سانتن دھرمی حلقوں میں آپ ۔ فدائے کنہیا "شوق گپتا" جی کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور ۔ آپ سوامی رام تیرتھ انجہانی کے ویدانت فلسفہ کے پیرو ہیں ، آپ ایک نہایت شریف الطبع ، صلح کل مرنجان مرنج طبیعت کے انسان واقع ہوئے ہیں ۔ آپ سنجیدہ مزاج ، شگفتہ فطرت اور آتش نوا شاعر ہیں ۔ شوق صاحب کے کلام میں آگرہ اسکول کی شان نمایاں ہے ۔ قبلۂ عالم حضرت مولانا مدظلہ کے انتہائی عقیدت کیشوں میں سے ہیں ۔ فرماتے ہیں

سب فلسفی ہیں حضرت سیماب کا شوق مشہور ہم ہیں ہند میں اہل قلم ہوئے

شوق صاحب کی شاعری وہی شاعری ہے جس کی ملک کو آج کل ضرورت ہے ۔ وہ حضرت مولانا سیماب اور ڈاکٹر سر اقبال کے صحیح پیرو ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی شاعری سے ملک کی تقدیریں بدلی جا سکتی ہیں اور ایک ایسا ہیجان پیدا کیا جا سکتا ہے جو ابدی ہو ۔

نمونۂ تغزل

بتوں کو پوجنے والے کیا کیا دیکھ لیتے ہیں
انہیں میں جلوۂ حسن کنہیا دیکھ لیتے ہیں

نگاہوں میں تب آ جاتی ہیں جلوہ طور سینا کے
تصور میں تجھے جب جلوہ آرا دیکھ لیتے ہیں

بہت بے چین ہو جاتے ہیں جب دل اور تری تصویر
فلک کو ہم بہ انداز تمنا دیکھ لیتے ہیں

تصور میں پہنچ جاتی ہیں اکثر حد منزل تک
ہم اپنا قافلہ صحرا الصحرا دیکھ لیتے ہیں

تاب کی جن کو کبھی تھی تمہارے پانے کی
انہیں ہاتھوں سے اب خون تمنا دیکھ لیتے ہیں

نہ پہلی سی کشش ہی ہیں نہ وہ گو سے شوق منظر
مگر پھر بھی تماشہ گاہ دنیا دیکھ لیتے ہیں

وہ پیکر جمال رہے کیا حجاب میں
جو بن چکا ہے شعلۂ طور اضطراب میں

حسرت سے ڈھونڈتا ہوں گوکل کی گلیوں میں
تھا نغمہ زن جہاں وہ کنہیا شباب میں

لے حسن زیبا رو وہ جلوے کہاں ہیں اب
جن سے فروغ تھا دل خانہ خراب میں

یہ تشکیل لاکھوں میں لیکن اور دو دو لاکھ
دل کے بت خانۂ حسن ز خدا پیدا کرے

سب کے دلوں میں جو براہ راست نور ابدیت
کیوں وہ رہ عشق میں وہ دستا پیدا کرے

ہم سے ہی ساز وفا حسن کا ساماں ہم سے
بزم امکاں میں ہوئی زینت امکان ہم سے

حائل لاکھ حسن و عشق میں ہیں بیخودی شوق
یہ شان بیخودی ہے کدہ عکسار ہے

انانیت کے پردے میں تو آپ ہو گیا معدوم
مگر نہ شور انا الحق کا دعا ہو

یہ دور "رازِ محبت" نہ فاش ہو جائے / وگرنہ دار و رسن کی بھی انتہا معلوم
پلادے ساقی! وحدت وہی شرابِ کہن / ہو جس کے کیف سے معدوم ماسوا معلوم

پابند دہر میں نہ علائق کے ہم رہے / آزاد رہ کے فارغ دیر و حرم رہے
یکساں نظر میں جن کے ہو پستی و بلندی / وہ کیوں فریب خوردۂ ہست و عدم رہے

اگر بخت بیدار کی آرزو ہے / حیاتِ ستم بار کی آرزو ہے
صدف بن کے دریا کی تہ کو ٹٹولو / اگر دُرِّ شہوار کی آرزو ہے
وطن کو ضرورت جوانانِ حیوں کی / جنہیں تختۂ دار کی آرزو ہے
ادا کر دو حق اب جان دے کر / اگر وصلِ دلدار کی آرزو ہے
کبھی ہم بھی دیکھ آئیں سوراج مندر
شفق: شوقِ بیدار کی آرزو ہے

وطن پر دو کر پیارا سر کوئی اگر معلوم کچھ ہے / نوائے فغاں اور کرنے میں زباں کیوں ہو
ستم پیشہ جفا جو خود غرض نامہرباں کیوں ہو / جو بے اس ستم کر دے وہ میرا کاروانِ لیکن
مناسب ہے وہ اک دن جان لے کر فیصلہ کر لیں / ہماری ضبطِ غم کا یوں مسلسل امتحاں کیوں ہو
قفس پر تو ہو قانع تو یہ تیری ہی غفلت ہے / وگرنہ جس کا گلشن ہو وہ یوں بے خانماں کیوں ہو
اٹھو سنبھلو کمر باندھو وہ آزادی کی منزل ہے
سنا ہو کے منزل کی شفق ہم خستہ جاں کیوں ہو

نمونۂ نظم

تسنیم نظم

علامہ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

عاشقی آموز و محبوبے طلب / چشم نوحے قلب ایوبے طلب
کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے / بوسہ زن بر آستانِ کاملے
شمع خود را ہمچو رومی بر فروز / روم را در آتشِ تبریز سوز

ہست معشوقے نہاں اندر دلت / چشم اگر داری بیا بنمائمت

جس منزل کا اشارہ مذکورہ بالا اشعار میں ہے اسی کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہوئے شفق صاحب یوں فرماتے ہیں۔

بات حق کی ہے گو ذرا سی ہے / خود شناسی ہی حق شناسی ہے
ڈھونڈتے دیر و حرم میں جو تجھ کو / دیدنی اس کی بدحواسی ہے
دل کے پردے میں دیکھا اور پایا / کس کی تصویر خود لباسی ہے
پریم کے راگ گا رہا ہے کون! / میٹھی میٹھی یہ کیا صدا سی ہے
روح پھرتی ہے مضطرب میری / کس کے درشن کی یہ پیاسی ہے
ہم کے دار ... دیکھ سے غافل / بے حواسی ہی بدحواسی ہے
میرا محبوب بانسری والا / سانولا کرشن برج باسی ہے

مزدور کا مستقبل

یہ مزدور جس روز بیدار ہوگا / تو پھر روکنا اس کا دشوار ہوگا
جو سرمایے کی لعنتوں سے بنا ہے / یہ قصرِ گراں اب یہ مسمار ہوگا
پرانے قوانین منسوخ ہوں گے / جدید ایک آئین تیار ہوگا
تن آسانیاں منعموں کو نہ ہوں گی / نہ مزدور بیچارہ بیکار ہوگا
نہ ہوگی کہیں بھی یہ جنگ اور شورش / پھر اخلاص کا گرم بازار ہوگا
کرے گی مساوات پھر حکمرانی
یہاں کوئی مفلس نہ نادار ہوگا

نمونۂ نثر

نذر و نیاز

میرے محبوب! میرے دل کے مالک شہنشاہوں کے شہنشاہ میرے پاس کیا ہے جو آپ کی بھینٹ چڑھا سکوں!

چمنستانِ حیات کے مالی، یہ سب پھول آپ ہی کے باغ کے ہیں، ان

سب کے مالک آپ ہی ہیں ـــــ آپ کے خزانے انواع و اقسام کے قیمتی موتیوں اور جواہرات سے بھرے ہوئے [illegible] اے پریتم! آپ کے بھنڈار میں کس چیز کی کمی ہے!

"پیارے! میں تو صرف ایک بھکاری ہوں ـــــ ایک ادنیٰ بھکاری ـــــ جو ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک بھٹکتا پھرتا ہو!"

مہاپربھو! پھر آپ خود ہی فرمائیے کہ ایک ناچیز بھکاری آپ کے چرنوں میں کیا ارپن کر سکتا ہے؟!

شام کو جب میں دن بھر کے کام سے فارغ ہو جاؤں گا تو خالی ہاتھ آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اور دھڑکتے ہوئے دل کو ساتھ لیکر آپ کے دربار میں حاضر ہو جاؤں گا!

میری روح خود فراموشئ حضوری سے سرشار ہو کر آپ کے چرنوں میں جھک جائیگی لرزتے ہوئے ہونٹ اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بے مائیگی کی داستان بے کم و کاست کہدیں گے "سوامی! میرے پاس آپ کے لائق کوئی تحفہ نہیں۔ کوئی چیز نہیں جو میں پیش کر سکوں" ـــــ غم محبت اور دردِ دل حاضر ہے انہیں سویکار کیجئے اور اپنے لازوال گیت و محبت سے سرود سرفروشی کیجئے۔

اپنی کچھ فکر نہیں ہم کو مگر فکر یہ ہے
ہم رہیں یا نہ رہیں دل میں غم آباد رہے

برج والے کی یاد میں

(انشائے لطیف)

کہاں چھپا ہے تو او موہن جلوہ آرائی ـــــ بالکے بانکے ہیں مرے پردہ کشائی

زمیں پہ فرشِ رہ انتظار ہیں آنکھیں ـــــ کہ دیکھنے کو تجھے بیقرار ہیں آنکھیں

کنول نین میری! پیارے پیا! نہ جانے تم کہاں ہو؟ صبح اپنی نورانی تجلیوں سے تمام کائنات کو منور کر رہی ہے۔ پرندے خوش نوائیوں سے صحنِ چمن میں ترنم ریز ہیں موسیقی سے لبریز ہوا پھولوں سے اٹھکیلیاں کر رہی ہے۔ فطرت کا ذرہ ذرہ ایک کیف شیریں میں گم ہو کر دعوتِ مسرت دے رہا ہے مگر آہ یہ دلِ کی بنوز پژمردہ ہے میرا ہجراں نصیب دل غم کے بے پایاں سمندر میں بدستور غوطے کھا رہا ہے۔

نغمہ سنجانِ بہار نے صحنِ چمن میں بسیرا کر لیا۔ اودے اودے بادل مست ہاتھی کی طرح رستے جھومتے چلے آرہے ہیں۔ ہلکا ہلکا ترشح ہو رہا ہے۔ کوئل کی کوک نے کاشانۂ فطرت میں فراق کے دیئے جلا دیئے ہیں۔ پپیہا پی کہاں، پی کہاں، کے درد ناک نغمے الاپ رہا ہے۔ اس سہانے وقت میں مشاطۂ فطرت بھی حتی المقدور بوندوں کی اوٹ میں شاخہائے گلستاں سے زبردستی مسرت کے پھول توڑ رہی ہے۔ مگر آہ میرا دل ابھی تک مغموم ہے شاید قسمت نے مجھے آنسوؤں میں ڈوبے رہنے کیلئے ہی پیدا کیا ہے۔

پیارے شیام سندر! میں تمہیں آئینۂ تصور میں بغور دیکھ رہا ہوں، ہاں! ہاں! انہیں تہہ جوش حقیقت سے مخمور ہو کر کنول جیسی خوبصورت آنکھیں اور کلیوں جیسے تبسم کو ہونٹوں میں لئے ہوئے بانسری بجا رہے ہو۔ پیارے منموہن! میں اپنی روح کی پوری قوتوں کیساتھ تمہارا تعاقب کر رہا ہوں، مگر جوں جوں میں تم سے نزدیک ہوتا ہوں تم مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہو انہیں مسکراتے ہوئے دیکھ کر میں بھی ہنسنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارا نکلتی ہے اللہ نہ معلوم دل کیوں خون کے آنسو رونے لگتا ہے؟

شفیق — بابو شفیق اللہ خاں صاحب کوٹی (۵۱)

آپ کا نام شفیق اللہ خاں اور تخلص شفیق ہے۔ ۱۸۸۲ء میں بمقام کوٹ پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد کابل کے رہنے والے تھے۔ محمد غوری کے ساتھ کابل سے وارد ہندوستان ہوئے۔ اور کوٹ ضلع فتح پور ہسوہ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کا خاندان ممتاز عہدوں پر فائز تھا بیشتر افراد خاندان فوج میں ملازم تھے۔ آپ کے والد صاحب کا اسم گرامی منشی محمد شیر خاں صاحب تھا۔ کوٹ میں زمیندار تھے۔ مرحوم ایک معزز اور صاحب حیثیت بزرگ تھے۔ شفیق صاحب کے نانا خان بہادر احمد بخش صاحب ہائی کورٹ آگرہ میں وکیل تھے۔ اُن کو گورنمنٹ نے اس وقت جو خطاب دیا تھا وہ ہندوستان میں بہت کم لوگوں کو ملا تھا۔ قیاس کے خلاف تھے۔ آپ نے غدر کے زمانہ میں انگریزوں کے معصوم بچوں اور عورتوں کی بہت امداد کی تھی آگرہ میں پیشۂ وکالت سے آپ نے اس قدر روپیہ پیدا کیا کہ آگرہ ہی میں ذاتی مکان وغیرہ تعمیر کرایا اور جب وطن کے لئے مراجعت فرمائی تو اپنے ایک دوست کو بغیر کسی قیمت کے وہ مکان دے دیا۔ اور خود کوٹ پہونچکر عبادت الٰہی میں مشغول ہوگئے۔

شفیق صاحب کے حقیقی ماموں جناب منشی فضل علی صاحب ڈپٹی کلکٹر نے آپ کی پرورش کی۔ چونکہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی اس لئے شفیق صاحب ہی کو اپنی اولاد سمجھا۔ آپ ہی نے شفیق صاحب کو تعلیم وغیرہ دلوائی۔ چونکہ شفیق صاحب کا زیادہ زمانہ لاڈ پیار میں گذرا اس لئے ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے انگریزی تعلیم کی طرف توجہ کی اور انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کی۔ گو طبیعت تعلیم کی طرف مائل تھی لیکن کچھ حالات سے مجبور ہو کر زندگی کی کشش سے متاثر ہو کر آپ ۱۹۱۲ء میں گورنمنٹ ٹیکنیکل اسکول کی انجینئرنگ کلاس میں داخل ہوگئے۔ اور اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت سے ۱۹۱۵ء میں میکانیکل اور الیکٹریکل انجینئرنگ کا امتحان پاس کرلیا۔ امتحان میں کامیابی کے بعد آپ محکمۂ زراعت کانپور میں اسسٹنٹ مقرر ہوئے۔ اور وہیں سے ترقی کرکے مدارج طے کرکے انجینئر جابات مقرر ہوئے۔ اب پانچ سال سے محکمۂ نمک میں بمقام سانبھر بعہدۂ الیکٹرک فورمین فائز ہیں۔

شفیق صاحب کو اکتساب علم کا شوق آغاز عمری سے تھا طبعی میلان شعر و ادب کی طرف بچپن ہی سے تھا مختلف ادبی رسائل و اخبارات کے مطالعہ نے ان میں ادبی ذوق پیدا کر دیا لیکن ملازمت کی مصروفیتیں اور ماحول کی خشک سامانیاں حائل رہیں۔ آخر آپ نے ۱۹۳۶ء میں ماہنامہ شاعر کے خریدار ہوئے اور شاعر کے مطالعہ نے آپ کو مکمل شاعر بنا دیا اسی سنہ میں آپ حضرت مولانا سیماب صاحب کے شاگرد ہوگئے۔ مولانا مدظلہ کے فیض سخن نے شفیق صاحب کی سلجھی ہوئی طبیعت پر جلا کا کام کیا۔ اور بہت جلد آپ نے نمایاں حیثیت اختیار کرلی۔ نواح سانبھر کے علاوہ مثلاً اجمیر جے پور وغیرہ کے مشاعروں میں آپ کی غزلیں انتہائی کامیاب ہونے لگیں۔ اور اب تو یہ حال ہے کہ شفیق صاحب اتنی کم مدت مشق میں کہاں سے کہیں پہونچ گئے ہیں اور ہر وقت شعر و سخن کے نغمے جاری رہتے ہیں۔ دماغ شعر لیے اب حقیقی نشو و نما پا چکا ہے اس لئے بے تکلف شعر کہتے ہیں۔ سانبھر کے مشاعروں میں بھی آپ کو کامیابی ہوتی ہے۔ اور وہاں قابل وقعت لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ نظم و غزل دونوں کہتے ہیں۔ عقیدت مندانِ مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ میں آپکا درجہ امتیازی ہے۔ اور آپ اپنے استاد کی خدمت کرنا اپنا فرض اور سعادت سمجھتے ہیں۔ مولانا جن شاگردوں کی سعادتمندی کا اکثر اعتراف فرمایا کرتے ہیں اُن میں سے ایک آپ بھی ہیں۔

مشاعرے میں غزل خاص انداز سے پڑھتے ہیں۔ اور اپنے اشعار سے خود بھی شگفتہ ہو جاتے ہیں۔ غزل پڑھنے کا انداز بہت اچھا اور اداء ترنم ...

ہوتا ہے۔

انگریزی میں بھی کافی آپ کو مہارت ہے۔ اردو میں نثر مضامین بھی خوب لکھتے ہیں مگر کم۔ آپ کا ایک مضمون "شاعر حسن شناس ہوتا ہے" جس کی نقل اکثر اخباروں اور رسالوں میں ہوئی ہے۔

نمونۂ غزل

اللہ عجب عالم مسرت شب غم ہے — حیران نگاہوں میں نہ ہستی نہ عدم ہے
ہے ختم کہانی مگر آنکھوں میں تو نم ہے — صورت وہ اگر اب بھی دکھا جائے کم ہے
دنیا کا بھی غم ہے مجھے عقبیٰ کا بھی غم ہے — سب کچھ ہے مگر پھر بھی تری یاد کم ہے
پروانہ بھٹک جائے جو اب بھی تو ستم ہے — جو شمع کلیسا ہے وہی شمع حرم ہے
آثار ہیں پیدا سحر وصل کے شاید — قسمت کی طرح روح میری مائل رم ہے
یہ جوشش وفا اور یہ احساس محبت — اے نکہت شوق محبت ابھی کم ہے
دشواری منزل بھی فقط ہوش طلب تک — ۔ ۔ ۔ اہوں تو نہ جادہ نہ قدم ہے
ہر لفظ ہے رومان مرے عہد وفا کا — جو بات میں کہہ دوں وہی افسانۂ غم ہے
بن جائے جہاں تو وہی گھر گھر ہے ہمارا — ہستی ہے تو ہستی ہے عدم ہو تو عدم ہے
شاید ہے پرستش کی یہی آخری منزل — اب دیر مرے پیش نظر ہے نہ حرم ہے
سینے میں مری سیکڑوں نشتر ہیں چبھے ہیں — گو تیری نگاہوں کی خلش پہلے سے کم ہے
اب مجھ کو ہو کس امید پہ احساس محبت — قربان تغافل یہ ستم ہے نہ کرم ہے
تقدیر کے سلجھاؤ پہ ہے میری نظر بھی — لیکن ابھی سرکار کی زلفوں میں خم ہے
ساقی ترے الطاف کا ممنون ہوں لیکن — پیمانے میں جو کچھ ہے مری ظرف سے کم ہے
یہ ذوق شفیق اور یہ طبیعت کی قناعت — مٹی کا پیالہ بھی مجھے ساغر جم ہے

انسان ہے وہی جو رہے اک حال میں — مغموم ہجر میں ہو نہ خوش ہو وصال میں
لہے خوشی میں اور خوشی ہو ملال میں — مشکل ہے امتیاز فراق و وصال میں
باسے کہاں تصور جاناں کی قید سے — ہیں جتنے بھی پھنسے ہوئے اپنے خیال میں

اُس کا اک ذرا بھی رسائی نہیں جہاں — آئے وہ کس طرح مرے وہم و خیال میں
رحمت نے اس کی وقت پہ آ کر بچا لیا — جب ڈوبنے لگا عرق انفعال میں
مجھ کو نہیں مجاز و حقیقت میں امتیاز — ہیں دونوں عالم ایک تمہارے خیال میں
دینے لگا مری نظر کو فریب جمال کیا — خود حسن مبتلا ہے فریب جمال میں
کیوں کر کریں خیال کہ بیدرد ہو گئے — تم تو انہیں حال سے ہو ملال میں
سرمایۂ نشاط ہے وہ وقت اے عمر — گذرے تھے چند لمحے اس کے خیال میں
وہ بھی تری نگاہ نے آخر چرا لیا — اک تیر رہ گیا تھا کمان ہلال میں
پہنچا دے مجھ کو منزل مقصود تک شفیق — اتنی سکت کہاں مرے پائے خیال میں

شاکر مطمئن کیوں ہو نشاط جیب و گریباں کا — ابھی باقی ہے سنے دست جنون بیاباں کا
یہ آزادی وطن کو آرزو جس کی رہی ہے — صبا ذکر کی مل جائے ہماری بھی گلستاں کا
یہی مرد ۔ ری داغ دل کچھ کام آئے — ہر اک گوشہ پیاباں ہو گیا گلزار جاناں کا
حقیقت کی نظر سے دیکھ میری دلربائی — تری جنت ہی اک ٹکڑا ہے میرے گلستاں کا

کھینچتے ہی کھنچتے اللہ بھی یہ تو بدل گئی — تصویر یار میرے تصور میں ڈھل گئی
اک کسی کا یاد ہے اتنا فقط ہمیں — اک موج برق تھی کہ جھلک کر نکل گئی
تیرا کبھی جو نام کسی نے بھی لے لیا — اک آہ سرد سینے سے ہمارے نکل گئی
اچھا ہوا جو بھول گئے جا کے تم مجھے — اچھا ہوا تمہاری طبیعت بہل گئی
تم آ گئے بہار مرے گھر میں آ گئی — تم کیا گئے بہار خزاں کو بدل گئی
سودا ہے اب نہ سر میں ہوائے جنون عشق — دم توڑتے ہی کیا مری دنیا بدل گئی

اچھا ہوا جو موت مجھے آ گئی شفیق
یہ بھی تو ایک حسرت دل تھی نکل گئی

نوٹ کر رہ نہ جائے تمام نفس — برہم ہو نہ ساز محفل میں
میری دل کی طرح طلب میں تری — بیقراری ہے موج ساحل میں
وہ بھی ہوتا ہے منزل آسودہ — کر جو کھو جائے شوق منزل میں

لاکھ دل میں پھوٹتے تھے شفیق
داغ ہوتے کبھی مرے دل میں

اسی سے لذتیں قائم ہیں راز محبت کی — خدا آباد رکھے تیرے اُن کی مرد دلکو
قیامت خیز تھا جب بے قرار ہونا — بہت حسرت سے ہم دیکھا کیا فرقت کی ساعت کو
کوئی تا[illegible] ایجاد کرتا ہے [illegible] — تسلی آج وہ کیوں دے رہے ہیں [illegible] بسمل کو
نہ رکے سر [illegible] اب جاتی بھی جلدی کہاں — سلام شوق پہنچا دوں خدایا دانِ ساحل کو
بہار آئی تو دے ای اختیاد [illegible] — الٰہی بے مجھو ان بن کمل کلیوں کے محمل کو
رہِ محبوب گو دشوار ہے ہمت نہ ہارے دل — قدم پیچھے ہٹا لینا بڑھا لینا ہے منزل کو
خلش ہی سے ہیں رمانِ خلش کا کام لیتا ہوں — مری مشکل پسندی سہل کر دیتی ہے مشکل کو

شفیق اب دل کے ٹکڑے جوڑنے سے بھی نہیں جڑتے
وہ شاید کھیل سمجھے تھے شکستِ شیشۂ دل کو

نمونۂ نظم
”صبحِ بہار“

یہ نظارے ترے یہ شان تری صبح بہار
دلربا ہیں یہ فضائیں ہیں گھٹائیں ہر سو
گل کے نکہت سے ہیں آوارہ ہوائیں ہر سو

وہ نئی شان وہ صحنِ چمنستاں کا سماں
وہ حسینی دیدہ زیب تفریحِ گلستاں کا سماں
وجد میں موج ہوا کی وہ ادائیں دلکش
بگ و ازفیرہ وہ نغمۂ حل تضائیں دلکش

مطرب و ساقی کی دلکش وہ [illegible] نایاب
محفلِ رقص میں پرکیف ادائیں نایاب
جاوداں کاشش رہے آن تری صبحِ بہار

یہ بہاریں ہیں کہ جنت کا ہے نقشہ کوئی

ہیں حسینوں کی لطافت سے تماشا سب
صبح افزا اداؤں سے ہیں دریا شاداب
ایسے دلکش ہیں مناظر کہ تکے کیا کوئی
لب تشنہ ہے پر العطش صبحِ بہار
ڈھال ساقی کہ بجوں بادۂ گلگوں صبحِ بہار

جناب بابو شفیق اللہ خاں صاحب شفیق کوٹی کی غزل

حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

آئینہ زار تجلی ہے رخِ یار مجھے — طور سے واسطہ ایک [illegible] مجھے
قتل کرنے کو دکھاتے ہیں وہ تلوار مجھے — ان اداؤں پہ نہ آجائے کہیں پیار مجھے
وہ [illegible] کے دکھاتے ہیں [illegible] تلوار مجھے — دھمکیاں قتل کی دیتے ہیں وہ ہر بار مجھے
[illegible] احساس [illegible] — آج تو ایسی پلا دے نگہِ یار مجھے
بے خودی [illegible] —
[illegible] — ساقیا دے مئے سرجوش لگاتار مجھے
ہوش آتا ہی نہیں [illegible] آنکھوں کی قسم — کردیا کم نگہی نے تری ہشیار مجھے
دیکھتے [illegible] کہیں قتل ہو کر [illegible] — بس [illegible] دے دیکھے تو مجھے
لوگ کہتے ہیں کہ تکرار بری ہوتی ہے — اور پیاری ہے ترے نام کی تکرار مجھے
اُن کے بیمار محبت کو یہ کہتا ہے طبیب — نظر آتے ہیں برے آج کچھ آثار مجھے
[illegible] تو خوبی ملی انداز ملا ناز ملا — جوششِ گریہ [illegible] دیدۂ خونبار مجھے

اُن کی رسوائی کا ہے پاس فقط مجھ کو ورنہ شفیق
جان دینے میں واللہ نہیں عار مجھے

---

www.taemeernews.com

شفق — محمد عبدالرشید صاحب سینائی — ٥٢

آپ کا نام محمد عبدالرشید اور تخلص شفق ہے۔ سینائی نسبت اضافی ہے آپ ۱۰ جولائی ۱۹۳۸ء کو بروز سہ شنبہ ریاست ڈھراؤں ضلع آرہ بہار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار حاجی محمد عالم صاحب ابن شیخ شہاب الدین صاحب ایک خوش فکر شاعر اور فاضل بزرگ تھے۔ مرحوم حاجی تخلص فرماتے تھے۔ شفق صاحب نے رانی گنج ضلع بردوان میں نشو و نما پائی۔

ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے باقاعدہ تعلیم کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۹۵۴ء میں بنگال ایگزامینیشن بورڈ کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ نفرت کا جذبہ آپ کی طبیعت کے خلاف تھا یعنی آپ تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن والدین کے انتقال نے تعلیمی سلسلے میں کچھ رکاوٹیں پیدا کر دیں۔ اور اسکول کی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اس باقاعدہ سلسلۂ تعلیم ختم ہو جانے کے باوجود بھی آپ غافل نہ رہے اور مولانا منظر الاسلام صاحب عرف مولانا نظر اللہ صاحب سہسرامی سے عربی فارسی وغیرہ علوم متداولہ کی تحصیل بطور خود کرتے رہے۔ لیکن یہ سلسلہ بھی کچھ عرصے کے بعد ختم ہو گیا۔ کتب بینی اور کثرت مطالعہ کا آپ کو اوائل عمری سے شوق ہے۔ اس شوق نے جہاں آپ کی تشنگی بجھانے کے سامان کئے اور جہاں معلومات میں ایک گرانقدر اضافہ کیا وہاں آپ کی صحت پر بھی ایک ناگوار اثر ڈالا اور یہی شغل بعیت اب بھی شغلۂ حیات ہے۔ انگریزی میں آپ کو اچھا خاصہ درک ہے اور بقدر ضرورت آپ اس کی تحصیل کر چکے ہیں چونکہ اردو، فارسی اور عربی سے ایک فطری لگاؤ ہے اس لئے ان زبانوں پر آپ کو کافی عبور ہے۔ ملازمت کی تگ و دو اور الجھنوں نے آپ کو عرصے تک الجھائے رکھا اور آپ کی ادبی زندگی پر پردہ سا پڑ گیا۔

آپ چونکہ شاعر ہیں اور ایک اچھے شاعر اس لئے اس حقیقت کے بیان سے کہ آپ کو بچپن ہی سے شعر و سخن سے دلچسپی تھی کسی کو حیرت نہ ہوگی۔ جسے فطرت شاعر پیدا کرتی ہے وہ ہوش کی منزلوں میں پہونچنے سے بہت پہلے ہی اپنے دل میں ایک شاعرانہ کسک محسوس کرتا ہے۔ پھر آپ تو شاعر ابن شاعر ہیں۔ آپ کے والد جناب حاجی صاحب ایک صوفی منش آدمی تھے اس لئے حمد، نعت اور منقبت کے سوا کسی دوسری صنف شاعری کو ہاتھ نہیں لگایا۔ شفق صاحب کا ترجیحی اصل شاعرانہ تھا اس لئے بغیر کسی خارجی اثر کے آپ شعر کہنے لگے مسلسل مشق کے بعد ایک شاعر کو کسی مصلح کی ضرورت یقینی ہوتی ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ کوئی ان نکات کو جن تک اس کی نظر نہیں پہونچی ہے اس پر منکشف کر دے۔ اسی نظریہ کے تحت ڈیڑھ سال تک شفق صاحب شعر کہتے رہے۔ اور کسی اچھے استاد کی تلاش میں رہے ان اطراف میں کوئی ایسا شاعر نہ تھا جو آپ کی تسکین کر سکتا۔ مدت تک آپ نے مشہور اساتذہ کے دواوین کو منزل رسی کا ذریعہ بنایا لیکن آخر کب تک ۱۹۵۶ء کے بعد آپ کی نگاہیں حضرت مولانا سیماب مدظلہ پر پڑیں اور آپ مولانا کے فیض جاریہ میں حصہ گیر ہو گئے۔ مولانا مدظلہ کی اصلاح اور مشوروں سے بہت جلد رنگ تغزل چمک گیا اور اب آپ علاوہ غزل کے نظم بھی کہنے لگے۔ شفیق استاد کے متعلق آپ اس طرح فرماتے ہیں۔

کیوں نہ آنکھ کا غنچۂ دیوان حاصل ... رنگ ہو

ناز کر دو شفق سیماب کا ارکا ہے

ماہنامہ شاعر کے گیارھویں اور بارھویں شمارے ۱۹۷۶ء کے دو انعامی مقابلوں میں بھی آپ کامیاب ہو چکے ہیں۔ مدینہ، عصر جدید، تاج، شاعر وغیرہ اخبار و رسائل میں آپ کا کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کا تمام بہت صاف اور شستہ ہوتا ہے۔ اس وقت آپ کی سکونت گنج ضلع بردوان میں ہے۔ آپ آجکل مسلم اسکول میں بحیثیت مدرس ملازم ہیں۔ ایک سلسلے ... کے بعد

۱؎ یہاں کرسٹے کی کانیں ہیں۔

جہاں اردو سے لوگ ابھی پوری طرح واقف نہیں ہوں خیال میں اس درجہ بلندی متانت اور سنجیدگی پیدا کرلینا آپ ہی کا کام ہے۔ آپ مصنف بھی ہیں۔ افکارِ سحر کے نام سے شعری نظموں کا مجموعہ ۱۹۷۲ء میں شائع ہوچکا ہے۔ مسائل و معلوماتِ تعلیم و دینیات دو حصوں میں یہ کتاب ستارۂ ہند پریس کلکتہ میں زیرِ طبع ہے اور جلد شائع ہونے والی ہے۔ ان کے علاوہ واقعاتِ کربلا منظوم۔ نذرِ روح۔ معلوماتِ جدید بیان۔ اور پیغامِ شفق بھی تصنیف شدہ موجود ہیں۔ جو جلد طبع ہوں گے۔

نمونۂ غزل

ہم تری تجلی کو ہمارا روح بنے
گلشنِ لاہوت کا ہی کا شگفتہ گل بنے

چمک اٹھی بشر کی سعی سے تقدیر بشر کی
خدا کی شان ہے بیچی گئی تصویر بشر کی

وہ کہاں وہ آہ کہاں وہ فغاں کہاں
لے تعمیرِ خونِ عشق وہ سوز بیاں کہاں
انجامِ کار عشق کی دنیا بدل گئی
میں اہلِ جہاں گزری ہے جواں کہاں

طور پر پھر کوئی ساحل نظر آتا ہے مجھے
عشق پھر حسن پہ مائل نظر آتا ہے مجھے
جب کبھی چشمِ حقیقت سے نظر آتا ہوں
وہ مری روح میں شامل نظر آتا ہے مجھے
یہ تخیل کا کرشمہ یہ تصور کا کمال
جامِ جم آئینۂ دل نظر آتا ہے مجھے

جلوۂ گل سے لذتِ ذوقِ بلبل ہی مگر
اس سے سوا ہے مذاقِ دل کا ہی
لذتِ ادا جوشِ بہشت اسلام ہی عشق
نہ دیکھا ہو نہ وہ اندازِ درد کا ہی

نکلی گل وقتِ شام ارے توبہ
حسن تنہا خرام ارے توبہ
نامرادوں کی صبح کیا کہئے
نامرادوں کی شام ارے توبہ

عہدِ رفتہ کا اک پیام ہیں
[illegible]ی کے نام ارے توبہ
شاخِ گلبن کو دستِ گلچیں [illegible]
[illegible] جام ارے توبہ
زلفِ نجت کی صبح ڈھلی ہی
[illegible] بخت کی شام ارے توبہ

کیفیت نغمے میں کچھ ہو نہ کسی ساز میں ہے
نغمۂ تارِ رگِ ہستی میں کسی آواز میں ہے
جزو سے کل کی حقیقت یہ ہو امکان نہیں
سارے عالم کی صدا ایک ہی آواز میں ہے
کون بلبل کو پڑھاتا ہے محبت کا سبق
کس کی تحریک یہ پیدا دلِ ناساز میں ہے
ذرہ ذرہ یہ سکوتِ ازلی ہے طاری
نغمۂ نو کوئی پوشیدہ ابھی ساز میں ہے
شرک کیونکر نہ جلے صورتِ پروانہ شفق
برقِ ذوقِ حسن کا اثر وہ نور کی انداز میں ہے

حاصلِ عمرِ دو روزہ اک فغاں ہو زندگی
قبر تک کچھ ہو نشاں پھر داستاں کی زندگی
اپنی ہستی پہ نہ کیوں اے دل مجھ کو ناز ہو
تیری قسمت کی طرح جب کہ ہے مہرباں زندگی
مہرِ صبحِ ازل تو نے سوا ہے پیشِ [illegible]
منزلِ شامِ ابد کو درمیاں ہے زندگی
اک نذرِ حسنِ ازل ہو اک طرف عشقِ ابد
ان ہی دو عنصر کے مرکب کا بیاں ہے زندگی
زندگی دیکھو جو کچھ ہو شفق شاعر ہے
مادی دنیا میں باقی بے نشاں ہو زندگی

تشنگی روح کی پھر آج ہوئی تشنہ تر
گھٹ رہی ہو نبض پھر اک آگ سی دل کے قریب
روح پر الہام کی ہو زندگی ہی نہیں
گائے جاتے مسلسل طرب دل کے قریب
مہر و مہ کی ہر کرن ہو عرفاں کی کمند
پائی اب ہم نے جانِ منزل کے قریب

سنبھلی جب کشمکش سے مشتِ ناز ہوئے
دل کو تھامے جگر برق آذر بن جاتی ہو
جب شفق کو دیکھئے ہو وقفِ سیرِ گلکدہ
ہاتھ گردن میں کسی بدمست کی ہاتی ہوئے

سنا سنا کوئی گلشن کی داستاں صیاد
دکھا دکھا مجھے تصویرِ گلستاں صیاد

نمونۂ نظم

برسات کی رنگین شام

روح افزا کس قدر ہے جلوۂ [illegible]　　از زمیں تا آسماں نیرنگیٔ قدرت ہے عام

بادلوں کا اژدہام　　بارشوں کا انتظام

ابر برسا اور برس کر کھل گیا یکبارگی

جانبِ مشرق ہوا اسکو اڑا کے لے گئی

پھر تو مطلع صاف تھا　　آسماں شفاف تھا

آفتاب آیا نظر　　غرب کی جانب مگر

ہر طرف ہے اک مسلسل خامشی چھائی ہوئی

ہے فضا میں ساحریت موسمی چھائی ہوئی

ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ بارشِ رحمت سے سبز　　پتہ پتہ بوٹا بوٹا اپنی حیثیت سے سبز

فرشِ جنت زار سبز　　عرشِ جنت بار سبز

دستِ قدرت کی سراسر ہیں مرصع کاریاں

روح کو بیدار کرنے کی ہیں یہ تیاریاں

تازگی و انبساط　　کیف افزائے نشاط

سبزہ و آبِ رواں　　کیفیت افروزِ جاں

قطرے پانی کے نہیں ہیں یہ گیاہِ سبز پر

چاند تارے ہیں زمرد کی کلاہِ سبز پر

سبز پتوں میں کلی بلبل گل دستہ ہیں　　کرمک بھی بن کر پری اڑنے کو آمادہ ہیں

پھول روشن ہو گئے　　شمعِ گلشن ہو گئے

سبزہ زاروں پر شبابِ زردی چھائی ہوئی

ہر طرف روحِ ہوا ابھری ہوئی اترائی ہوئی

جیسے پریاں بیکراں　　مست و مینا و رقص جاں

رقص میں ہیں کھو رہی　　وجد میں ہیں جھومتی

دیکھ کر یہ منظر شفتہ دل نے کہا

مرحبا! برسات کی اے شام رنگیں مرحبا!

جناب عبدالرشید صاحب شغف سینائی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

ہر کوششِ خیال ہے باطل ترے بغیر　　آسانیٔ حیات ہے مشکل ترے بغیر

طے کس طرح ہو عشق کی منزل ترے بغیر　　ہے اور کون رہبرِ کامل ترے بغیر

گلکدہ

آتشکدہ ہے اب چمنِ دل ترے بغیر　　ضائع شدہ ہے عمر کا حاصل ترے بغیر

آ اور اپنے حسن کو پھر کر دے بے نقاب　　تاریک ہے نظریۂ کامل ترے بغیر

آ اور پھر لگا دے اُسی شاہراہ پر　　مرزا ہو نہ جائے کہیں دل ترے بغیر

آ اور اپنے رنگ میں تو مجھ کو رنگ دے　　کیونکر ہو عشق حسن پہ مائل ترے بغیر

وہ کون ہے جو ہو خلشِ اضطراب دل　　تسکین بخش خاطرِ بسمل ترے بغیر

آئینہ لئے ہوئے　　رہتا ہے میری روح بھی

وہ کون ہے جو حسن کا دکھلا کے آئینہ　　حالانکہ روح ہی میں ہے شامل ترے بغیر

آ جا کہ ہمکنار سلامت ہو پھر شغف

نیشتر

ہر موج بھی ہے مرکشتی ساحل ترے بغیر

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

شہزور — غلام قادر صاحب بی۔ اے کاشمیری (۵۴)

آپ کا نام غلام قادر اور شہزور تخلص ہے۔ آپ ۱۹ فروری ۱۹۱۳ء کو کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ایک مشہور اور متمول خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ ابتدائی اور دینی تعلیم کے بعد آپ کو مشن ہائی اسکول میں داخل کرایا گیا۔ چونکہ آپ میں ایک غیر معمولی ذکاوت و ذہانت پائی جاتی تھی اس لئے بہت جلد میٹرک کا امتحان پاس کر کے کالج کی زندگی میں قدم رکھا اور یہاں سے بھی انتہائی عزو وقار کے ساتھ بی اے پاس کیا۔

آپ شاعر ہیں اور فطری شاعر۔ بچپن سے میلانِ طبیعت گلستانِ شاعری سے خوشہ چینی کیا کرتا تھا۔ آپ کے والد صاحب آپ کو ہمیشہ موشعر پرور دہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ آپ کے بچپن کا ایک واقعہ عجیب و غریب ہے جس سے موسیقی اور شعریت کی ودیعت کا نمایاں ثبوت ملتا ہے۔ جب آپ کی عمر پانچ سال کی تھی تو آپ شدید طور پر بیمار پڑے۔ والدین نے علاج معالجہ میں اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ لیکن باوجود نا امیدی کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ ایک دن جب کہ آپ کی حالت بہت خراب تھی ایک برہنہ فقیر دروازہ پر آیا اور انتہائی بلند آواز سے گانے لگا۔ آپ کے والد صاحب نے اسے منع کیا۔ منتیں کیں اور جب وہ اپنے راگ الاپنے سے باز نہ آیا تو ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام لیا۔ لیکن وہ دیوانہ اپنی دھن کا پکا تھا [illegible] رہا۔ اس کے جانے کے چند سیکنڈ بعد شہزور صاحب کے حال میں ایک تغیر پیدا ہوا اور آپ نے آنکھیں کھول دیں اور مسکراتے ہوئے پانی مانگا۔ فقیر کی تلاش میں کئی آدمی بھیجے گئے لیکن وہ نہ ملا۔ آپ کے والد صاحب نے یہ واقعہ حکیم غلام شاہ صاحب مرحوم کو سنایا تو آپ نے فرمایا کہ "ایک سازندے اور ایک نواز کی سرپرستی کرنی ہی پڑے گی"۔ اس کے بعد آپ جب کبھی صاحب فراش ہوئے تو موسیقی ہی کے ذریعہ سے صحت پائی۔

بہت کم عمری سے آپ نے شاعری شروع کی لیکن اپنے اشعار کسی کو سناتے نہ تھے۔ جب آپ دسویں جماعت میں تھے تو مشن ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے آپ کی ایک غزل سنی اور انتہائی تعریف کی۔ ادھر وہ تعریف کر رہے تھے ادھر شہزور صاحب اس احساس سے کہ ان میں ابھی بہت سی کمیاں ہیں آنسو بہا رہے تھے۔ اسی احساس نے آپ کو ترقی کی منزل کا راستہ بتایا۔ زمانۂ تعلیم میں کالج کے پروفیسروں، دوستوں اور ہم جماعت کے طلباء کے اصرار سے آپ نے اپنی نظمیں اور غزلیں اخبار "پرتاپ" میں بھیجیں جس نے ان کو بڑے افتخار کے ساتھ چھاپا۔ کشمیر کے بعض روزانہ اخبار بھی باوجود آپ کی سختی اور احتیاط کے کسی نہ کسی ذریعہ سے آپ کا کلام لے ہی لیتے ہیں۔

بی اے کا امتحان پاس کر لینے کے بعد ۱۹۳۲ء میں ایک دن کشمیر کے بہترین ادیب مولانا مولوی محمد سعید صاحب مدیر "ہمدرد" کشمیر سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ سعید صاحب نے شہزور صاحب کی ایک غزل سنی اور بہت زیادہ محظوظ ہوئے۔ فرمانے لگے کہ مولانا سیماب اکبر آبادی مدظلہ کی پرستاری کا شرف حاصل کرو گے تو یقیناً ایک انمول موتیوں کی مالا میں منسلک ہو جاؤ گے۔ آپ لکھتے ہیں کہ "یہ ایک حکم تھا جس کی تعمیل میں نے فوراً کی اور جب حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی کے دست مبارک کی اصلاح شدہ غزل دیکھی تو میرے تن بدن میں ایک بجلی کی سی لہر دوڑ گئی اور یک بیک کسی نامعلوم طریقہ سے میری وہ نامعلوم کمی پوری ہو گئی۔ جسے میں مدت سے محسوس کر رہا تھا۔"

ذریعہ اردو (Compulsory) کے ٹیسٹ امتحان میں آپ کے جواب مضمون سے متاثر ہو کر ایک پروفیسر صاحب نے کلاس میں آپ کی بہت تعریف کی۔ آپ کے ہم جماعتوں نے بھی تالیاں بجائیں۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ تمہاری زبان "ڈرامٹک" ہے حصول تعلیم کے بعد ڈرامانویسی ہی کو اپنا شغل بنانا۔ آپ نے دوسرے ہی دن سے اسی چیز پر عمل شروع کر دیا۔ اس وقت آپ کے پاس کئی ڈرامے مکمل موجود ہیں مثلاً تقدیر و تدبیر۔ پاکدامن۔ پریم کٹی۔ بی اے پاس لاش وغیرہ وغیرہ۔

آپ کا بیشتر وقت ڈرامانویسی میں صرف ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ غزل پر نظم کو ترجیح دیتے ہیں۔ غزل وقت ضرورت کہتے ہیں آپ کی نظمیں جدید رنگ کی حامل ہوتی ہیں۔ طبیعت میں رنگینی اور جدت ہے۔ آپ کا مستقبل نہایت درخشاں نظر آتا ہے۔

نمونۂ تغزل

آغوشِ محبت

اے صبا گہوارۂ گلشن اٹھا آغوش پر
وہ گلِ رعنا گلوں کی سو گیا آغوش میں

کس کی آمد ہو مری بزمِ تصور میں کہ آج
برگِ گل تارِ نگہ بھی بن گیا آغوش میں

چاک داماں آہ لب پر دلمیں شعلہ سر بسر
سخت مشکل عشق کا ہے پالنا آغوش میں

قسمتِ برگشتہ کی شہ زور اب حد ہو گئی
ہم خیالی دوست بھی۔ دکھا ہوا آغوش میں

غم کدہ

ہمیں ماتم ہوں میری آنکھوں سے خوں کے آنسو ٹپک رہے ہیں
گذارشِ غم کے ہیں یہ قاصد کہ جو سہارے بھٹک رہے ہیں
سحر قریب طلوع ہے، آؤ ادھر مرے آنسوؤں کو دیکھو
تمام تارے تو چھپ گئے ہیں یہ دو ستارے چمک رہے ہیں

سبو بہار ہے قلب غمگیں شراب تیرا خیالِ رنگیں
نشاط امروز و کیف آگیں ہے بام و در بھی بہک رہے ہیں
نہاں میں کیوں کر رکھوں یہ نالے الٰہی سوز و گداز والے
دل و جگر میں پڑے ہیں چھالے بدن میں شعلے بھڑک رہے ہیں
بہار آئی گھٹا ہے گھنگھور آج ہر سو ہے جلوۂ طور
صدائے بلبل کی گونج نغمہ میں ساغرِ گل چھلک رہے ہیں
گزشتہ زور سحر بھی پُر غم، خراب و خوار و زبوں ہیں ہم
ہمیشہ نالاں ہیں رنج پہ ہر دم جگر کے ٹکڑے دھلک رہے ہیں
ساغر کا ساقی سے گلہ کیا ہے سکتہ دیکھو دوستی ناز آنکھوں میں لو پیتا آتا ہے

شورشِ دنیا سے مجھکو کیا غرض ہے جام لے
خام ہے نالہ ترا زاہد سبو گلفام لے
داد ان کی چارہ سازی کی یہ کیا خشکی زود
دوست کہتے ہیں مجھ کو کچھ عقل کی بھی کام لے

نمونۂ نظم

"مسلم"

مسلم تو اس زمیں میں درماندہ کیوں ہوا ہے
مقبول کارواں تھا پھر راندہ کیوں ہوا ہے
جستجو ہے کوسوں آگے جادہ میں پڑ گئی ہے
رہبر تو ہو گا اب کا درماندہ کیوں ہوا ہے
پیدا تجھے خدا نے کس شرط پر کیا تھا
سینے میں تیرے اس نے کیا بھید بھر دیا تھا
سب سے بڑی ضرورت آخر کی تیری کیا تھی
بزم جہاں میں تیرا آخر ظہور کیا تھا
منشائے خلق کیا تھا تو نے کبھی یہ سوچا
درجہ ترا ہوا کیا تو نے کبھی یہ سوچا
یارا رفتہ نے کیا آ کر کیا جہاں میں؟
اور کیا ہے تیرا شیوہ تو نے کبھی یہ سوچا
شمشیر آزما کر دنیا کو سر کیا تھا
ہند و عرب کو کس نے پیغامِ حق دیا تھا
اسلام کے علم کو استادہ کر کے کس نے
ہر ذرۂ جہاں کو تسخیر کر لیا تھا!

جاپان و مصر تیری آرام گہ تھی ہسپانیہ میں تیرے سکے جمے ہوئے تھے
مغلوں کی دبدبہ تو کیا دل سے بھول بیٹھا تغلق نے جو ممالک زیر نگیں کئے تھے

یہ کیا ہوا ہے تجھ کو اے عبرت زمانہ آہ آج کیوں کہہ رہا ہے اسلاف کا فسانہ
ہمت بھی چھوڑ بیٹھا غفلت کی وادیوں میں کیا ہو گیا وہ تیرا عشرت بھرا ترانہ
پھر خون رگوں میں بھر دے پھر ہمت آزما ہو غفلت سے باز آکر پھر جرأت آزما ہو

پھر اپنی کوششوں سے دنیا کو زیر کر لے

وسعت میں اس جہاں کی پھر قسمت آزما ہو

نمونۂ نثر

پاک دامن ڈرامہ کا ایک مختصر حصہ

صادق۔ آقا! — آقا! — (حاجی کا داخلہ) — دیکھئے میری ...

حاجی۔ (اہنسکر) اے شیطان کے بیٹے! تو جو کہ جاتا ہے پاکیزہ عورت کو بدنام کرتے شرم نہیں آتی! تو اپنا دل خوش بہلانے جو بہت بڑا اس میں ابلیس کا کاشانہ بنانے! ارے پاجی! کیا تو اس واحد القہار کے قہر سے نہیں ڈرتا ہے؟ کیا تو نور کی جنت میں نار کی دنیا کا ذکر کرتا ہے! ڈر۔ ورنہ تیری دنیا کے ششش جہات سکڑ کر تجھے اسپنج کی طرح نچوڑ ڈالیں گے۔ خدا کا غضب اور قہر تیرے جسم کے ذرے ذرے کو پاش پاش کر دے گا۔ او بے ایمان! کیا تو جج کا بہانہ بنا کر یہاں آکر فسق و فجور کا جال مضبوط بنا رہا ہے! دیکھ۔ دیکھ! تو خود اپنے سر پر اس مولا کے قہر و غضب کی بجلی گرا رہا ہے! او ملعون! — یہاں سے جا کر اب اپنے گرد نیکی کی جھوٹ حاجی مشتہر کرنا ...

صادق۔ ہرگز نہیں صاحب۔ ہرگز نہیں۔ آپ کو واقعات کا بالکل علم نہیں اس لئے ....

حاجی۔ علم نہیں؟ ارے گناہوں کے مجسمو! تمہارے گناہوں کی بدبو ان دیواروں میں سے نکل کر دور دور سونگھی جاتی ہے۔ بعینہ نجاست کی عفونت کپڑا ڈھانکنے سے کہیں چھپ سکتی ہے۔

صادق۔ ہرگز نہیں صاحب! یقیناً آپ کو معلوم نہیں کہ یہ (اشرف) زندگی کے رباب کا کون سا تار بجا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آپ ہر وقت ردھم سننے کے عادی ہیں۔ اسی وجہ سے پنچم کے سروں کو بے محل قرار دے رہے ہیں۔

شب کی تاریکی سے خوگر ہو گیا ہے شپرہ اس لئے شاکی ہے اب وہ مہر عالمتاب کا
واعظ ناداں تیرا وعظ کیا ہے جنگ ہے معرکہ ہے اب وہ گویا رستم و سہراب کا
ہو کر تو ہے خود ہی اک معصیت کی ایک پوٹ کیا پتہ تجھ کو ہماری زندگی کے باب کا

حاجی۔ میں گنہگار؟ میں معصیت کی پوٹ؟ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے تیسری بار حج کو جانے والا انسان گنہگار؟ ملعونو! خدا سے ڈرو ورنہ تمہاری آنکھوں کی روشنی بجلی بن کر تم کو راکھ کا ڈھیر نہ بنا دے اور تمہاری سانس خون کا دریا بن کر نہ بہہ جائے۔

صادق۔ بیٹا حاجی! چلا جا — چلا جا۔

حاجی۔ جہنمی کتو! راہ مستقیم پر لانے والے محسن کو جھڑکتے ہو! قہر خدا کا آئینہ دکھا کر گناہوں سے بچانے والے ناصح کو دھمکاتے ہو! نصیحت کی غیرت دینے والے حاجی کو بھکاری سمجھ کر ٹھکراتے ہو!

صادق۔ چلتا بن بیٹا حاجی۔ چلتا بن بیٹا ناصح! نصیحت کرنے آیا ہے ایسا نہ ہو داڑھی صاف کر جائے۔ تجھے قبلۂ عالی مقام

حاجی۔ ہاں۔ کیوں نہیں ایسا نہ کہو گے تو کیسے جرم کو کیسے چھپاؤ گے گو تم میرے کانوں کو — میری آنکھوں کو ہرگز دھوکا نہیں دے سکتے میں نے خود سنا کہ وہ (اشرف) نا پاک کسی نا پاک عورت کے ......

صحرائی ۵۵ راجپال صاحب چھبر بی اے

آپ ۱۲ جون ۱۹۱۸ء کو بمقام پنڈدادنخاں ضلع جہلم پیدا ہوئے۔

آپ کے والد بزرگوار ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس ہیں۔ آپ کے دو بھائی بعہدۂ انسپکٹر پولیس تعینات ہیں اور ایک بھائی اکاؤنٹنٹ ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد ملازمت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کسی ایک مقام پر نہیں ہوئی۔ مثلاً لاہور۔ پنڈدادنخاں اور لائلپور وغیرہ میں پڑھتے رہے اس کے بعد لاہور کالج میں داخل ہوئے اور انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے فورمین کرسچین کالج ——— میں داخل ہو گئے اور بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ اس وقت آپ قانون پڑھ رہے ہیں۔ اور ایل ایل بی کا امتحان دینے والے ہیں۔

آپ کو مکتب۔ اسکول۔ کالج غرض آپ نے جس جگہ اپنی تعلیم کو جاری رکھا وہاں اُردو سے گہرا۔ انگلش اور اُردو آپ کے نصاب تعلیم میں داخل رہی۔ گو فارسی کی تعلیم بہت کم پائی ہے۔ شاعری کا ذوق بچپن ہی سے ہے۔ اردو زبان کا مطالعہ آپ نے بحد کافی کیا ہے۔ اور اس زبان میں آپ کو کافی درک حاصل ہو چکا ہے جس وقت آپ ایف اے کلاس میں تھے اس وقت آپ کی مشقِ شعر گوئی بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ مسلسل مشق کے بعد جناب اننت لال صاحب الفت بی اے سیمابی کی وساطت سے ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو حضرت مولانا سیماب ظلہ کے دامنِ ہدایت سے وابستہ ہو گئے۔ طبیعت کے لگاؤ۔ مطالعہ اور تعلیم کے اثرات اور حضرت مولانا کے فیضِ سخن نے آپ کو تھوڑے ہی عرصہ میں کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ آپ ایک جوان سال و جوان خیال انسان ہیں۔ ملکی ماحول کا اثر طبیعت پر زیادہ غالب رہتا ہے۔ آپ نظم و غزل اور افسانے وغیرہ سب کچھ لکھتے ہیں۔

چونکہ آپ کو ترقی کے مدارج طے کرکے ایک دن میدان میں آنا ہے اس لئے ابھی تک آپ نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ اپنا کلام اشاعت کے لئے کہیں بھیجیں۔ تاوقتیکہ آپ ایک ایسے معیار پر نہ پہونچ جائیں جہاں رفعت و کامرانی کی معراج مل جائے واقعی آپکا خیال اپنی جگہ انتہائی موزوں ہے۔ اور آپ کی کامیابی یقینی۔

نمونۂ تغزل

برباد ہوئے جب سے دل میں جتنی امیدیں خاک ہوئیں
یہ ساری فضا نمناک ہوئی جب دو آنکھیں نمناک ہوئیں
پالا تھا جگر کو خوں کرکے سینے میں جن امیدوں کو
اک برق نگاہِ ناز سے وہ بھی چشم زدن میں خاک ہوئیں
اللہ رے مجبوریٔ غم اپنی ہی بلا اپنے سر ہے
کچھ آہیں جو نکلیں دل سے پیراہن کا چاک ہوئیں
جبتک یہ جسم زمیں پر ہے لازم ہے ذوقِ گنہگاری
ہیں پاک نبات الغش گر گردوں پر جاکر پاک ہوئیں
یہ حسن اور عشق کی سرگرمی رو کے سے بالآخر رک نہ سکی
جلوے بھی تری بیباک ہوئے آنکھیں بھی مری بیباک ہوئیں
ہم اور نشیمن کا حاصل صحرائی کیا ہیں عرض کروں
بوندیں بھی وہاں پر بارش کی اندخس و خاشاک ہوئیں

زمانے بھر سے جو چاہے مرے مشقِ پریشاں کا

چھپا [illegible] سود ہے اس رازِ عریاں کا
نہ سودائے خوشی ہوگا نہ [illegible] ہوگا
نہیں جب راہ میں دریا تو پھر کیا خوف طوفاں کا
جدھر کو رُخ ہوا کا ہو اُدھر ہی اُڑ کے جاتا ہے
مقام اپنا کہاں ڈھونڈے بھلا ذرہ بیاباں کا
سناؤں کیا تجھے آخر حقیقت دیدۂ تر کی
مرا چہرہ ہے خود مظہر مرے شوقِ نمایاں کا
سعی بازو سے کرنی چاہیئے مردِ جفاکش کو
فقط دل کی تگ و دو ہی نہیں ہے کام انساں کا
ضیائے خندہ زن ہے ہر طرف حسنِ تخیل سے
کہ ہر داغِ جگر روزن ہے اب دیوارِ زنداں کا
تہِ دریائے غم اک تماشا دیکھتا ہوں میں
نہ مجھ کو ڈر ہے موجوں کا نہ مجھ کو خوف طوفاں کا

آج پھر بزمِ طرب آباد ہے — پھر زباں پر پھر حدیثِ یاد ہے
جب قفس ہی گلستاں ہونے لگا — نالۂ پرواز کیوں فریاد ہے
آبلہ پا پھر رہا ہوں دشت میں — روح قیدی ہے جسد آزاد ہے
موت کیا ہے ایک کیفِ سرمدی — زندگی قصرِ خیال آباد ہے
کس لئے بھیجا تھا آتش نے جگر — کیوں ترے عاشق کا دل ناشاد ہے
کس لئے اشکوں کے چلتے ہیں تفنگ — کونسی حسن کی نئی بیداد ہے
شکر ہے تکمیلِ بربادی ہوئی — میری آبادی کی یہ بنیاد ہے
کہنے بیٹھا ہے غزل صحرائی کیوں — آج شاید اس کا دل ناشاد ہے

آہ وہ درد وہ غم ہو شبِ تنہائی ہو — ایسی تنہائی کہ خود بھی نہ تماشائی ہو
درِ دلدار پہ یا رب مری جبیں سائی ہو — خاک پر سجدہ کی تصویر اُتر آئی ہو

ایک ہی جلوہ کا ملا دیتا ہے [illegible] — گل نوخیز بھی گو کتنی ہی رعنائی ہو
ہاتھ میں چاک گریباں ہو [illegible] — کیا کریں جب یہی سرمایۂ سودائی ہو
ہائے اُس حسنِ دل افروز کا جلوہ توبہ — عرش سے جیسے کوئی حور اُتر آئی ہو
سحر ہو شبِ دیجور تو آنکھوں کا دھوکا ہو مگر — آج گلشن میں جو جاؤں تو بہار آئی ہو
حسن بے پردہ ہوا جلوہ نما صحرائی — سامنے آئے جسے زعمِ شکیبائی ہو

کھڑی ہیں بزم میں سب لے کے داستاں اپنی
سناؤں بیٹھ کے فرہاد میں کہاں اپنی
تو میرے ظرفِ خموشی تو دیکھ لے کافر
کہ تجھ سے بھی نہ کہی میں نے داستاں اپنی
میں آبشار سے لیتا ہوں درسِ خودداری
یہ واردات سناتا ہے جب زباں اپنی
یہ تھک چکا ہے کہ منزل قریب آ پہنچی
گھٹا رہا ہے جو رفتار کارواں اپنی
نہیں ہے خوف ہمیں زندگی اُجڑنے کا
کوئی زمیں نہ رہی زیرِ آسماں اپنی

نہ پوچھ خانہ برباد کا ہی ترکِ وحشت — کہیں چھٹ جائے نہ تیری گلی بھی، بگڑ کے مجھ کو
میں پڑا ہوں حسینوں کی صف پہ صحرائی — کہ اب پھر نہیں جلتا ہے صحرا میں مجھ کو

امیدِ وصل کیا ہوا وہ اضطرابِ دل — تڑپا ہوں ستمیں کا شبِ ماہتاب میں
کہتے ہیں روزِ حشر سے ہوگی سوا تری — گذری جو زندگی وہ رہی کس حساب میں
یہ کس نے جامِ زیست مرا کر دیا ہے تلخ — کیوں مانگتا ہوں موت ابھی شباب میں
صحرائی کیا خبر انہیں شبہائے تار کی
جو مست ہوں شباب کے رنگین خواب میں

www.taemeernews.com

صابر منشی محمد ایوب صاحب (۵۶)

آپ کا نام محمد ایوب ہے صابر تخلص اور والد ماجد کا اسم گرامی حاجی صدیق صاحب افلاطون ہے۔ آپ میمن ہیں۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں بمقام بمبئی پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب ایک اچھے شاعر ہیں۔ دو دیوان یکمل ایک نعتیہ اور ایک منقبتیہ تیار ہیں ان کے علاوہ ایک دیوان اور ہے جس میں ہر غزل کی ردیف شعرا کے تخلص ہیں۔

صابر صاحب نے مدرسہ ہاشمیہ میں اردو و فارسی کی تکمیل کی عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ گجراتی زبان میں آپ کو کافی دستگاہ ہے چونکہ آپ کے والد صاحب بھی شاعر ہیں اس لئے شاعری آپ کو ورثے میں ملی ہے۔ آپ شعر کہتے تھے لیکن کسی کو دکھاتے نہیں تھے۔ ایک جھجک سی محسوس ہوتی تھی۔ آپ کے والد صاحب کے استاد سید نظیر محمد صاحب فدا چشتی نے پیش گوئی کی تھی کہ محمد ایوب شاعر ہوں گے۔ چنانچہ یہی ہوا۔

سنہ ۱۹۵۱ء میں انجمن ترقی سخن بمبئی کے ایک نعتیہ مشاعرہ میں آپ نے شرکت کی۔ جناب بلاغت صاحب امروہوی اکثر آپ کی دوکان پر آتے رہتے تھے۔ دوستانہ تعلقات کے بعد آپ نے اپنا کلام بلاغت صاحب کو دکھانا شروع کر دیا۔ لیکن صابر صاحب کے والد صاحب کو جناب عبدالرؤف صاحب راز اجمیری تلمیذ حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ کا کلام بہت پسند تھا اس لئے والد صاحب کے ایما سے آپ راز صاحب کو اپنا کلام دکھلانے لگے۔ سنہ ۱۹۵۸ء تک آپ انجمن ترقی سخن کے مہتمم رہے اور بزم کے کئی مشاعرے آپ ہی کے مکان پر ہوئے۔ سنہ ۱۹۵۶ء میں بمبئی سے ایک ماہانہ رسالہ تصویر کے نام سے نکالا جو ڈیڑھ سال تک شائع ہوتا رہا اور چند وجوہ کی بناء پر بند ہو گیا۔

چونکہ جناب راز اجمیری بمبئی چھوڑ چکے تھے اس لئے انجمن ترقی سخن بھی ٹوٹ گئی اور ممبروں میں اختلاف پیدا ہو گیا نتیجہ یہ ہوا کہ مشاعرے بند ہو گئے۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ مرحومہ نے ایک بچی یادگار چھوڑی جس کا نام رقیہ بانو رکھا گیا اور آپ کی والدہ صاحبہ نے لڑکی کی پرورش کی۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں ملازمت کے سلسلے میں [illegible] اور بمبئی کی حالات کی وجہ سے آپ نے بمبئی کو خیرباد کہہ دیا اور تامل ناڈو کے مشہور شہر ٹیلیچری میں اقامت گزیں ہوئے۔ اب تک یہیں متمکن ہیں۔

سنہ ۱۹۶۲ء میں جب آپ کو کچھ سکون حاصل ہوا تو شاعری کے مردہ ذوق میں پھر جان پیدا ہوئی اس مرتبہ شدت کیساتھ آپ کو کسی مصلح کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے شاگرد ہو گئے مولانا کے لطف و کرم اور فیض رسانی سے آپ بہت جلد ترقی کر گئے۔

ٹیلیچری میں اردو کا مذاق بالکل نہیں ہے۔ چند حضرات نے وہاں انجمن "اصلاح اللسان" قائم کی جس کا افتتاحی جلسہ آپ ہی کی صدارت میں ہوا۔ آپ نے بمبئی میں مولانا تجمل جلالپوری مرحوم جناب ناطق گلاوٹھوی۔ جناب انجم انصاری۔ جناب قضا۔ جناب نجم شاہجہانپوری جناب ندرت میرٹھی۔ جناب تمنا لکھنوی وغیرہم حضرات کے ساتھ بہت سے مشاعرے پڑھے ہیں۔ جلوہ ی میرٹھ۔ مرقع آگرہ۔ آفتاب معراج خیال۔ [illegible] مفید روزگار احسن الکلام اور ترقی سخن وغیرہ میں آپ کا کلام چھپا کرتا تھا۔ آج تک آپ تقریباً دس ہزار اشعار لکھ چکے ہیں۔

www.taemeernews.com

آپ کو قدرت نے پانچ اولادیں دیں جن میں صرف ایک لڑکی رقیہؔ بقیدِ حیات ہے جس کی عمر دس سال ہے۔ جسے اردو اور انگریزی میں بلحاظِ عمر کافی دستگاہ ہے۔

آپ کا کلام قدیم رنگِ تغزل لئے ہوئے ہے۔ لیکن حضرت مولانا نظامؔ کی اصلاح سے اب وہ دور ہوتا جا رہا ہے۔ نظم اور غزل آپ خوب کہتے ہیں۔ مشقِ سخن کافی اور ابھی ہے۔

نمونۂ تغزل

نہیں ممکن خطا کوئی نظر کا تیر ہو جائے — جسے تو دیکھ لے وہ دل خطا نخچیر ہو جائے
پھر اس انداز سے لکھا ہے خط قاتل نے بسملؔ کو — کہ پڑھتے ہی شہیدِ شوخیٔ تحریر ہو جائے
عجب نقشہ ہے اس کافر کے حسنِ حیرت افزا کا — مصور سامنے آئے تو خود تصویر ہو جائے
معاذ اللہ کہ تلوار ہے ترچھی نظر اس کی — کبھی سیدھی بھی ہو جائے تو ظالم تیر ہو جائے
در میخانۂ رحمت سے یہ آواز آتی ہے — جو ہو تقصیروار آئے وہ بے تقصیر ہو جائے

گر تم صبر اے صابرؔ کہ دیر آید درست آید
ملے گا گوہرِ مقصود گو تاخیر ہو جائے

قاتل کے دستِ ناز میں شمشیر دیکھ لی — بسمل نے اپنی موت کی تصویر دیکھ لی
ہر شاخِ گل خزاں سے بغلگیر دیکھ لی — بگڑی ہوئی بہار کی تصویر دیکھ لی
پروانے کو جلا کے جلی شمع رات بھر — ظالم نے اپنے ظلم کی تعزیر دیکھ لی
کچھ اپنی آہ کی تو کچھ ان کی نگاہ کی — القصہ ہم نے دونوں کی تاثیر دیکھ لی
آنکھوں سے کب یہ جلوۂ مستور چھپ سکا — زیرِ نقاب حسن کی تنویر دیکھ لی
امید کی فضا ہی میں منڈلا کے رہ گیا — پرواز تیری طائرِ تدبیر دیکھ لی
عاجز ہوئے نہ عشق کی بارِ گراں سے ہم — ہمت ہماری اے فلکِ پیر دیکھ لی
اس زندگی نے ہم کو فنا کا سبق دیا — اس آئینے میں موت کی تصویر دیکھ لی
دیکھا نہ آنکھ کو تھا جسے منظور دیکھنا — یوں دیکھنے کو کعبے کی تعمیر دیکھ لی
ملنے نہ پائی تھی کہ نظر اس کی پھر گئی — صابرؔ نے اپنی گردشِ تقدیر دیکھ لی

غم بھی نشاط ہے دلِ ناشاد کیلئے — کیا کیا مزے فراق میں فرہاد کیلئے
وہ اور ہیں جو نغمہ طلب آئیں بزم میں — ہم تو بنے ہیں نالہ و فریاد کیلئے

سناتا ہوں میں قصہ ہجر کا لیکن بہ شرط اتنی
کہ میرے پاس بیٹھے سننے والا اور سنے دل سے

نہ نظر اگر ہے حقیقت کا اعتراف — میری نگاہ سے اسے دیکھا کرے کوئی

عشق نے اس کو کیا دونوں جہاں سے بے نیاز
آنکھ میں اس کا تصور یاد اس کی دل میں ہے
نامہ بر، نامہ بر ہے قسمت! — جس کا مجھ کو تھا انتظار آیا

الجھنوں سے بچ کے دنیا میں ہو فکرِ نجات — اس کو کہہ دو کہ دل ایسے مدعا پیدا کرے
حضرتِ سیمابؔ کا لطف و کرم صابرؔ پہ ہو — کیوں نہ رنگ اپنی غزل میں یہ نیا پیدا کرے

موت سے پہلے ہی کر لیتے ہیں ماتم اپنا — اے غریب الوطنی دیکھ تو عالم اپنا

خفتگانِ گور اب کروٹ بھی لینے کو نہیں — زیست کا جھگڑا چکا کر سو گئے آرام سے

اللہ رے کرشمہ تصور کا ہجر میں — آنکھوں سے دور ہے وہ مگر دل کے پاس ہے

مری سادہ دلی تو کوئی دیکھو — دعائیں مانگتا ہوں آسماں سے

نہ کر تلاش مسرت جہانِ فانی میں — اس انجمن میں کوئی شادماں نہیں ملتا
یہ فیضِ حضرتِ سیمابؔ کا ہے اے صابرؔ — کسی سے اب مرا طرزِ بیاں نہیں ملتا

نمونۂ نظم

"پروانہ"

تیرے بغیر رہتا ہے پروانہ بیقرار
اے شمع تجھ پہ ہوتا ہے سو جان سے نثار

کرتا ہے یہ طواف ترا آکے ہر گھڑی
سمجھا ہے تیرے شعلوں میں یہ رازِ زندگی

سیکھا ہوا ہے خوب یہ اسرارِ عشق کو
تیرے بغیر زندگی دشوار ہے اسے

بڑھتا ہے تیرے روبرو آکر یہ دمِ عشق
افشا یہ سب پہ کرتا ہے محفل میں رازِ عشق

سجدے جو کر رہا ہے جبینِ نیاز سے
معمور دل ہے لذتِ سوز و گداز سے

کیا جانے تیری کونسی اس کو پسند ادا
یہ دیکھتے ہی تجھ کو جو دل سے فدا ہوا

تیرے بغیر چین نہیں اسکو زینہار
فرقت میں تیری رہتا ہے بیتاب و بیقرار

پروانے کو جلا کے جلی تو بھی تا سحر
بیتاب دیکھ کر رہی تو بھی تا سحر

انساں کو سوزِ عشق سے کیوں احتراز
ننھی سی جان میں بھی یہ سوز و گداز

جناب محمد ایوب صاحب صابرؔ کی غزل پر حضرت علامہ سیمابؔ مدظلہ کی اصلاح

تیرے جانے سے ہماری وہ مسرت نہ رہی
[سارے کنبے] اب تو دنیا میں کسی سے ہمیں الفت نہ رہی

دل جگر جس سے جلیں سوز وہ الفت میں نہیں
آتشِ عشق میں وہ آگ [کی] حرارت نہ رہی

داستانِ گل و بلبل ہی فقط باقی ہے
سچ اگر پوچھئے ان میں بھی محبت نہ رہی

عیش و عشرت میں بسر ہوتی تھی اپنی پہلے
آج وہ دن نہ رہے اور وہ حالت نہ رہی

زندگی اپنی بسر کرتے ہیں سب سے ملکر
اپنے دشمن سے [کبھی اب] کبھی ہم کو عداوت نہ رہی

بوالہوس عشق کا دم بھرتے ہیں اللہ اللہ
اس لئے ہو عشق میں پہلی سی لذت نہ رہی

وہ چمن مٹ گیا جس میں کہ بہار آئی تھی
دل کو بہلائیں کہاں اب کوئی صورت نہ رہی

میری قسمت میں جو لکھا ہے وہ پورا ہوگا
دوست دشمن سے مجھے کوئی شکایت نہ رہی

تو نے صابرؔ کو بچایا ہے ہر اک آفت سے
[یہ بھی] حضرت تیرا ہی کرم ہے کہ مصیبت نہ رہی

www.taemeernews.com

صابر محمد غلام مرتضیٰ صاحب بازید پوری (۵۷)

آپ کا نام محمد غلام مرتضیٰ اور صابر تخلص ہے۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو بمقام بازید پور ضلع دربھنگہ پیدا ہوئے۔ آپ ایک معزز مگر غریب خاندان کے فرد ہیں جو تعلیم کے زیور سے آراستہ ہے۔ آپ کے والد صاحب کی زندگی بھی کس مپرسی میں بسر ہوئی۔

آپ نے اپنی تعلیم کی تکمیل زیادہ تر مولوی حکیم وزیر الدین صاحب سے بازید پور ہی میں کی۔ دیگر کئی اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ اردو فارسی کے ساتھ ساتھ انگریزی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ درسی کتابیں اپنے بڑے بھائی مولوی غلام مصطفےٰ صاحب انسپکٹنگ مولوی مدھوبنی سے پڑھیں۔ ۱۹۲۲ء میں آپ مونگیر ٹریننگ اکیڈمی اسکول میں داخل ہوئے آپ کی بیماری اور والد صاحب کی بیکاری خارج تعلیم ہوئی۔ اسی آپ کے بھائی صاحب ٹریننگ اسکول میں سکنڈ ماسٹر ہے۔ ۱۹۲۵ء میں مولوی محمد حسن خاں صاحب (ابراہیم پور بارہ) کی وساطت سے ٹریننگ اسکول شیخو پورہ میں معلم ہو گئے لیکن سررشتۂ تعلیم کی سخت گیریوں نے اس سلسلہ میں بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ اس سال سے آپ دربھنگہ ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل انگلش اسکول میں بحیثیت مدرس دوم ملازم ہیں۔

شاعری کا شوق آپ کو ۱۹۲۲ء سے ہے۔ ابتدائی زمانہ میں تو یہ حالت تھی کہ سوائے شعر کہنے کے کوئی دوسرا کام ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ اسکول میں طبیعت نہ لگتی تھی اور وہاں بھی یہی شغل جاری رہتا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ بغیر کسی استاد کے ہو رہا تھا۔ آپ نے اپنے معیار کو بلند کرنے کے لئے اور فن حاصل کرنے کے لئے اساتذہ کے دواوین، نیز فن شاعری، "رموز عروض"، "ایضاح القوافی"، "جام جم عروض" اور شاعر کا باقاعدہ مطالعہ کیا۔ ۱۹۳۲ء میں جب اپنے اوپر کافی اعتماد ہو گیا تو مشاعروں میں بھی شرکت کی لیکن ابھی آپ اصلاح کی ضرورت محسوس کرتے تھے اور کسی صاحبِ فن کی تلاش میں تھے چنانچہ ۶ جون ۱۹۳۲ء کو بغیر کسی وساطت کے آپ قبلہ مولانا سیماب مدظلہ العالی کے ارشد تلامذہ میں داخل ہو گئے اور اس طرح آپ کے ذوق کی پذیرائی ہو گئی۔ "ندیم" گیا اور "شاعر" آگرہ میں آپ کا کلام اکثر چھپتا ہے۔ آپ ایسے مقام پر ہیں جہاں کا ماحول بالکل غیر شعری ہے۔ آپ کی آرزو ہے کہ کسی ایسے مقام پر رہیں جہاں شعر و شاعری اور زبان کا چرچا عام ہو لیکن ملازمت کی سخت گیریوں سے مجبور ہیں۔

آپ کی تصانیف سے ایک رسالہ "حفظِ صحت" اور ایک ناول "گمگشتہ سعیدہ" غیر مطبوعہ موجود ہیں۔

نمونۂ تغزل

جس پہ مرتا ہے زمانہ وہ ادا کس کی ہے — وہ نہیں ہے تری صورت تو بتا کس کی ہے
اللہ اللہ غضب ہے تری نازک نگہی — کون زخمی ہو نگاہوں سے قضا کس کی ہے
منزلِ یاس میں ہے کس کی ضیائے صبحِ امید — شامِ غربت میں چمک جلوہ نما کس کی ہے
دیر و کعبہ میں اگر نور ترا روشن ہے — سچ بتا شمعِ کلیسا میں ضیا کس کی ہے
خندۂ گل ہی میں کیا غنچۂ نورس میں بھی — یہ مہک اور یہ کھٹک صبح و مسا کس کی ہے
شورِ ناقوس و اذاں بانگِ جرس راز نہیں — تیری آواز نہیں ہے تو بتا کس کی ہے
کون جانے مری نازِ جنوں کو صابر — کس پہ مرتا ہے زمانہ یہ ادا کس کی ہے

کشمکش میں ہے لئے جانِ جہانِ زندگی — ہے شب و روز نالہ کناں زندگی
سوزِ دل ہیں زباں پر فغاں زندگی — ہے غمِ حال کی ترجماں زندگی
دیکھ کر زندگی کے نشیب و فراز — کہتی ہے الاماں الاماں زندگی

بحرِ الفت میں جو ڈوب کر ہو فنا — ہے اُسی کی یہاں جاوداں زندگی
کیوں کہوں اس کو پیمانۂ مختصر — رکھتی ہے آرزوئے جہاں زندگی
یہ مہ و سال کے گزرتے نہیں — ہو رہے پاؤں گویا رواں زندگی
وہ ابھرنا مرا شورشِ موج سے
اب وہ پُرشور صابرؔ کہاں زندگی

ٹھہرو ناقۂ لیلیٰ ترا دیوانہ آتا ہے — اڑائی جائے گا کب تک کرے گردِ کارواں کب تک
جو ہم ناکامِ الفت ہیں ہمیں ناکام رہنے دو — کہو جائیگا تو ہی شوقِ سعیٔ رائیگاں کب تک
یہاں ہر ہر قدم پر پیچ نکلی ہیں نئی راہیں — دیارِ دلدار تک پہنچوں نہ جاؤں کامراں کب تک
ہوا ہے درد و غم روزِ ازل سے رازداں میرا — خبر کیا ہے رہیگا یہ بھی میرا رازداں کب تک
نہیں معلوم کب ہو ختم گردش ہی قسمت کی — بھٹکتے ہیں کارواں سے بھی منزل نشاں کب تک
جوابِ نامہ کیا ہو چلا آئے وہ گھر میرے — مرا جذبِ محبت یونہی جائیگا رائیگاں کب تک
بجھا دے شعلۂ احساس کب پیدا ہو مسلم میں — جلیگی شمعِ محفل بن کے یہ نوکِ زباں کب تک
بدل دی ہمتِ مسلم اسی بحر و دریا میں — نظر میں منظرِ تاراجیٔ ہندوستاں کب تک
یقینی حشر میں دیدار اس کا ہوگا ہی صابرؔ
رہیگا مجھ سے وہ بیدرد روپوشی کا کب تک

ہو جیسے چاند کے پہلو میں جیسے چند تاروں کا — سماں آنکھوں میں دکھتا ہے پھولوں کے ہاروں کا
بجا دو دیکھ کر کیوں نہ سکو صابرؔ کشک مرلایا — وہی فہرست جبینِ ماتھا سیدہ دل کا

جب جا بہو گی لگاؤں گا بزمِ جہاں میں آگ — یہ میرے دل کی آہ بھی شعلے سے کم نہیں
صابرؔ اس آستاں پہ ہے سجدے سے ہم کو کام — ٹھکرائے وہ جبینِ طلب کو تو غم نہیں

بیداد کروگے ستم ایجاد کروگے — یہ بھی دلِ ناشاد کو تم شاد کروگے
آباد کرو یا اسے برباد کرو تم — وہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کروگے
کہتا ہے یہی شام و سحر ہجر میں صابرؔ
کب تک دلِ وحشی کو تم آزاد کروگے

تھی عندلیب کیلئے مخصوص بوئے گل — موجِ صبا سے ہوگئی تشہیر پھول کی
شاطرۂ بہار سے کہدو کہ ہوشیار — بکھری ہوئی ہے زلفِ گرہ گیر پھول کی
صابرؔ ہے شیفتہ لبِ رنگین یار کا
پھر اسکے دل سے پوچھئے توقیر پھول کی

ہے نظارہ اک بار سجابیوں کا — حسینوں کی ترچھی نظر دیکھ لینا
وہ اس شوخ کا میری خلوت میں آکر — ادھر دیکھ لینا ادھر دیکھ لینا
نہیں تیغ کا باندھنا عیب لیکن — ذرا پہلے اپنی کمر دیکھ لینا

وہم کی پرورش ہی اور رہ رہ کر آتا ہے خیال
نامہ بر با خیر پہنچا یا وہاں مارا گیا
قدر دانِ فکرِ عالی کون ہے صابرؔ یہاں
خاک ہو فکرِ سخن جب قدرداں مارا گیا

عمر پوشش کا زمانہ ہے — رگ رگ میں ہے شباب ہنوز
پھونکدوں میں چمن کو جب چاہوں — ہوں قفس میں پرِ التہاب ہنوز

صبا رفیع احمد صاحب متھراوی (۵۸)

آپ کا پورا نام رفیع احمد عرف اقبال احمد ہے لیکن آپ مشہور رفیع احمد ہی ہیں۔ آپ جناب نسیم متھراوی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ یکم نومبر ۱۹۳۰ء کو بمقام متھرا محلہ ڈوگھاٹی پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولوی رضی الدین صاحب خطیب ہے۔ آپ کے والد اگرچہ شاعر کی حیثیت سے مشہور نہیں لیکن موزوں طبع ضرور ہیں۔ بسا اوقات اس کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اکثر شعر اور مصرعے بے ساختہ آپ کی زبان سے موزوں نکل جاتے ہیں۔ آپ خاندانی مولوی ہیں۔ آپ کا خاندان متھرا میں شریف، مفتی اور معزز سمجھا جاتا ہے۔ صبا صاحب کو خاندانی قاعدے کے مطابق شروع میں مذہبی تعلیم دلائی گئی۔ مکتب کی تعلیم کے بعد آپ نے ۱۹۴۸ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے منشی کا امتحان بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ اس کے بعد اعلیٰ قابلیت اردو اور کامل کے امتحانات میں شرکت کی اور کامیاب ہوئے۔ امسال الٰہ آباد یونیورسٹی کے عربی کے امتحان مولوی اور پنجاب کے امتحان منشی فاضل میں شرکت فرما رہے ہیں۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے آپ ذہین الطبع اور ذکی ہیں۔ آپ ہمیشہ اپنی کلاس میں سب سے ممتاز رہے۔ اساتذہ کلاس میں آپ پر [illegible] رہے۔ مضمون نگاری اور تصنیف کا شوق آپ کو بچپن ہی سے ہے۔ آپ شاعری اگرچہ طالب علمی کے زمانے میں بھی کرتے تھے لیکن گاہے گاہے۔ مستقل شوق آپ کو تین سال سے پیدا ہوا۔ اس قلیل عرصہ میں آپ نے جو نمایاں ترقی کی ہے وہ صرف آپ کے ذکی الفہم ہونے کا ثبوت ہے بلکہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ فطری شاعر ہیں۔ قدیم رنگ تغزل سے آپ کو شروع ہی سے نفرت ہے۔ خاص کر مولانا سیماب اکبرآبادی کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہونے کے بعد آپ نے اس رنگ کو نہ صرف خود ترک کیا بلکہ حتی الوسع اس بات کی کوشش کی کہ آپ کے ملنے جلنے والے شعرا بھی اس سے اجتناب کریں۔ چنانچہ آپ کے بیشتر قطعات اور رباعیات اس کے شاہد ہیں۔ ؎

دلکو گرما دینے والے تیر و نشتر چاہئیں　　پر اثر الفاظ جن میں ہوں وہ دفتر چاہئیں
گنگھی چوٹی کی ضرورت اب نہیں ہے بزم کو　　جو سجا دیں روح کو کچھ ایسے زیور چاہئیں

آپ نے مارچ ۱۹۴۸ء میں مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

یہ آپ کا شاعری سے فطری لگاؤ کہئے یا مولانا سیماب مدظلہ کا فیض سمجھئے کہ اس قلیل عرصہ میں آپ کے کئی شاگرد بھی ہو گئے ہیں چنانچہ ضیا، نفیس، حقا، نور، عزیز، یقین، تسنیم متھراوی، قمر متھراوی وغیرہ آپ ہی سے اصلاح لیتے ہیں۔ بعض غزلیں آپ کے پاس باہر سے بھی اصلاح کے لئے آتی ہیں۔ چنانچہ کراؤلی ضلع مین پوری میں بھی آپ کے دو شاگرد ہیں۔

یوں تو ہر شاگرد کو اپنے استاد سے انس ہوتا ہے لیکن صبا صاحب کو مولانا سیماب مدظلہ سے وہ دلی ارادت ہے کہ کوئی دن اور کوئی وقت ایسا نہیں جاتا جس میں آپ اپنے استاذی المکرم کا ذکرِ خیر کرتے ہوں۔ چنانچہ آپ نے اپنے اکثر اشعار میں اس نسبت کو سراہا ہے ؎

سیماب سے ادیب کا شاگرد ہو کے صبا　　رکھتے نہیں جواب جو اپنا ہنر میں ہیں

ہو کرم حضرتِ سیماب کا مجھ پر جب سے
اے صبا میری غزل سوز کی ہر ساز میں ہے

www.taemeernews.com

ہو کرم علامۂ سیماب کا مجھ پر صبا — باتوں باتوں میں جو اکثر شعر کہہ لیتا ہوں میں

اس میں شک نہیں کہ اس عقیدت و ارادت ہی کا اثر ہے کہ صبا صاحب کو ریختہ و بلند اشعار کہنے کی ایسی مہارت ہو گئی ہے جو بعض پرمشق شعراء میں بھی نہیں پائی جاتی۔ مدت تک متھرا کے ہفتہ وار "الاتفاق" کے معاون خصوصی بھی رہے ہیں اس اخبار کی ترتیب اور تدوین آپ ہی کے سپرد تھی مضامین کا بیشتر حصہ آپ کا ہوتا تھا اور جب تک یہ جاری رہا آپ برابر اس میں کام کرتے رہے۔

اسوقت آپ جمعیت القریش اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور اردو ٹیچنگ انسٹیٹیوشن کے ممبر ہیں۔ آپ فارسی میں بھی اشعار کہتے ہیں نیز تاریخ نکالنے میں بھی کافی مشق ہے۔

اس زمانے کی تصنیف نغمۂ سحری دو حصص (رمضان المبارک کی نظموں کا مجموعہ) ہندی اور اردو، ایک مبسوط ناول "ماں کا پیار"، کیفیت شباب، فسانۂ ماہی وغیرہ ہیں ہندی اور اردو کا افسانہ "الاتفاق" متھرا میں بالاقساط شائع ہو چکا ہے۔ نغمۂ سحری کے دو حصص عنقریب شائع ہونے والے ہیں۔ بقیہ کتب زیر ترتیب ہیں۔

نمونۂ تغزل

وہ اثر ہم اضطرابِ شوق میں پیدا کریں — حسن کی نیرنگیاں بھی گردشیں لایا کریں
حسن تو آغوشِ فطرت میں بہت معصوم ہے — گرمیٔ عشق و تمنا کو فراہم کیا کریں
آج کل اس بزم عالم کی فضا کچھ اور ہے — آپ نغمۂ وقت کی آواز میں گایا کریں
حسن خود دیکھو گے ہم آغوشِ نظر ہو جائیگا — آرزو والے مذاقِ دید تو پیدا کریں

کائناتِ دہر میں پنہاں تری آواز ہے — کائناتِ دہر بھی تیرا ہی شاید ساز ہے
بے خبر اک عہد سے سرگشتۂ آغاز ہے — زندگی ہستی بھی جیسے ایک سربستہ راز ہے
ہے اچھوتا راز کوئی ذہنِ عالم ساز میں — رنگِ عالم فطرت جو اک پردۂ راز ہے

سجدہ کیسا امتحانِ عجز ہوں سرفرازی کر — بے خبر ہوش میں آ یہ حریمِ ناز ہے
ذہنِ فطرت میں کوئی معجزہ ہے انجام بھی — عشق کی منزل کا یا آغاز ہی آغاز ہے
میری یہ مجبوریاں ہیں حاصلِ صد مشکلات — مجھ کو ان مجبوریوں پر ناز تھا اور ناز ہے
چھیڑ کر تو دیکھئے مضرابِ الفت سے مجھے — میرے سازِ زندگی میں آپ کی آواز ہے
مجھ کو ان ناکامیوں سے نسبت ہے نظر آ — میری ان ناکامیوں میں ایک گہرا راز ہے

فی الحقیقت اے صبا سارے زمانے کے لئے
میری ہستی راز تھی اور میری ہستی راز ہے

تم نے مذاقِ دید جب مدہوش بنا دیا — عالمِ ممکنات کو پردہ سرا بنا دیا
عالمِ ہست و نیست کا مجھ کو سبب بتاؤ — سنو بتا کے آپ نے آپ ہی کیوں مٹا دیا
پردۂ التفات میں مجھ سے نگاہ پھیر کر — غایتِ رازِ زندگی تم نے مجھے بتا دیا

حسن کی فطرت کوئی ایسی ضیا پیدا کرے — ذرہ ذرہ جس کی خاطر دل نیا پیدا کرے
سازِ دل پر ہو رہی ہے بارشِ مضرابِ غم — ہر نفس اک نغمۂ درد آشنا پیدا کرے

اب تو دعائے نیم شبی بھی ہے بے اثر — باتوں میں تھا اثر وہ زمانہ گذر گیا
جب تم نے بھی تو لب پہ دعائیں سیکڑوں — تم آگئے تو لطفِ دعا سحر گیا

اے زمانۂ دل تجھے احساس چاہیئے — ہر ذرہ ایک دل ہے تری رہگذار میں
آغازِ حسن و عشق میں ہو ربط کس طرح — تم اختیار میں ہو نہ میں اختیار میں

کہیں ذراتِ مدفن میں مری جنبش پیدا ہو — زمیں ہم سے کوئی دیکھے اگر ہو بیاں کیونکر
فلک ذرہ ایک راز ہی مجھ سے سمجھ گئے — حسنِ عشق کی کیوں ہی کی غمازی
خدا ہی جب مددگار نہیں تو شوقِ جنون میں — یہ تنہا کیا کرے گا ذرۂ جانباز کو

رنگ اڑنے کا تقاضہ ہے غنچۂ بہار میں — نغمۂ تاثیر مرے درد بھرے ساز میں

اب کسی اور طریقے سے پکاروں گا تمہیں ۔۔۔ یہ تو آواز تمہاری مری آواز میں ہے

نظر اے جہاں بھی حسن کی تنویر دیکھیں گے ۔۔۔ وہاں میری محبت کو بھی دامنگیر دیکھیں گے
نہیں معلوم کیا سمجھیں تماشہ دیکھنے والے ۔۔۔ تری تصویر دیکھیں گے مری تصویر دیکھیں گے

دفور تجلی سے مجبور ہوکر ۔۔۔ صدا دل سے نکلی انا الطور ہوکر
نگاہ تمنا سے مجبور ہوکر ۔۔۔ مرے دل پہ چھایا کوئی نور ہوکر

تجلی حسن کی ہر سو عیاں معلوم ہوتی ہے ۔۔۔ جوانی میں نظر بھی نوجواں معلوم ہوتی ہے
ضرورت ہی اٹھائیں خضر و الیاس کی ذلتیں ۔۔۔ ہمیں ہر شے نشان کارواں معلوم ہوتی ہے
ارادہ تیرے دل کا جو بتا دیتی ہیں آنکھیں ۔۔۔ ہماری سانس میں تیری زباں معلوم ہوتی ہے

از شاخ گل جدا شد آشیان ما ۔۔۔ کشش ہزار بار کند باغبان ما
در دو زبان خلق شدہ داستان ما ۔۔۔ در ظرف تنگ دہر نگنجد فغان ما
منزل تلاش می کند کشف نشان ما ۔۔۔ ہو شوق دل رسید کجا کاروان ما
رہرو ناکام و در آمد ۔۔۔ منزل شناس نیست ازیں کاروان ما
باز بہار موسم خزاں گشت ۔۔۔ باد خزاں چہ سبز کند گلستان ما
از خاک ما شگفتہ شود نسترن و سمن ۔۔۔ از سوز عشق سبز شود گلستان ما
راز کہ در حجاب نہاں بود ۔۔۔ راز را بیان کند اکنون بیان ما
ما از زمین و چرخ ندارم نسبتے ۔۔۔ دنیائے ما جدا و دگر آسمان ما
تعمیر باز خاک ستم شد صبا ۔۔۔ برباد و برق خاک کند آشیان ما

نمونۂ نثر صبا متھراوی

محبت

محبت نورانی محبت ۔۔۔۔۔۔ تو ذیب آرزو نہیں ۔۔۔۔۔۔ تجھ میں چاند کو شرمانے والی تجلیاں ہیں ۔۔۔۔۔۔ تو رنگینیوں کا مجموعہ ۔۔۔۔۔۔ تو شاہد روح ہے ۔۔۔۔۔۔ تو وہ چمکتا ہوا سورج ہے جس کی کرنیں لاکھوں خورشید پوشیدہ ہیں ۔۔۔۔۔۔ تو کیوپڈ ہے ۔۔۔۔۔۔ اور وہ کیوپڈ جس کا تیر کبھی خالی نہیں جاتا ۔۔۔ تیری تیرے سائے کی کا قلب مجروح ہے ۔۔۔۔۔۔ تو آزادی کا دیوتا ہے ۔۔۔۔۔۔ تیرا پجاری خود پرستش کے قابل ہے ۔۔۔۔۔۔ تیرے ہی حسن آفریں جلوے طور کی پہاڑی پر ۔۔۔۔ فاران کی چوٹی پر ظاہر ہوئے ۔۔۔۔۔۔ دنیا کا ذرہ ذرہ تیرا رازدار ہے ۔۔۔۔ کعبہ کا سیاہ غلاف تیرے ماتم میں سوگ نشیں ہے ۔۔۔۔۔۔ تو نور ہے ۔۔۔۔ تو نار ہے ۔۔۔۔ تو حسن ہے ۔۔۔۔ تیرے حسن میں کشش ہے ۔۔۔۔ اور وہ کشش جو ناز والوں کے ناز میں نہیں ۔۔۔۔۔۔ جو نیاز والوں کے نیاز میں نہیں ۔ آ ۔۔ جلد آ ۔۔۔۔۔ اور میرے کاشانۂ دل میں اپنا مسکن بنا ۔

جناب فصیح احمد صاحب صبا متھراوی کی نظم پر حضرت مولانا سیمابؔ کی اصلاح

انسانی حیات کا تاریک پہلو

چھا رہی ہیں منظر عالم پہ یہ تاریکیاں ۔۔۔ یا گناہوں کی سیاہی ہو محیط آسماں
مفسدوں کی یہ شر انگیز سازش ہو کوئی ۔۔۔ اڑ رہا ہے یا غریبوں کی یہ آہوں کا دھواں
ہیں سلسلہ کبر و نخوت یہ فضا کی دھڑکنیں ۔۔۔ چل رہی ہیں یا ہوائے تنگدل کی آندھیاں
ذہن پر انساں کی ہے معکوس فطرت کا اثر ۔۔۔ سلب ہیں یا عالم ہستی کی کل آزادیاں
یہ ضمیر و روح کی تحریک کا سامان ہے ۔۔۔ یا تمدن میں ہماری آگئیں ہیں خامیاں
یا ہیں شورش گاہ ہستی کی اساسیں ہی خراب ۔۔۔ یا تباہی ہی ہماری تھی جو عالم میں نہاں

یہ حسد یہ دشمنی یہ بیر یہ بغض و نفاق
ہو تباہی پر جہاں رحم و کرم کی یہ تفاق

ان حوادث میں رواں ہے کشتیٔ عمر رواں ۔۔۔ سانس لینے کی بھی گنجائش نہیں باقی رہا
بیخودی کی موج سے انساں ہے مصروف تلاش ۔۔۔ خواب کے عالم میں گویا ہو رہا ہے منفعل
ذہن ہی کھویا ہوا سا عقل ہے بادوں سی ۔۔۔ جیسے دیوانہ ہو کوئی دشت کی جانب رواں
عارضی سی اک نظر ہے ساحل مقصود پر ۔۔۔ سامنے ہو طائر بے پر کے جیسے آشیاں
بے خبر ہا دل ہے نا آشنائے رنگ و بو ۔۔۔ ہر ادا ہر طرز سے تاریک پہلو ہے عیاں

ناخدا ۔۔ نا ۔۔ کی ۔۔ ناخدا انساں ہمرہ ۔۔۔ یہ تلاطم یہ بہا لیجائیگا جانے کہاں

ضیا — حاجی ضیاء الاسلام صاحب کاندھلوی (۵۹)

آپ کا نام ضیاء الاسلام اور ضیا تخلص ہے۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں اپریل ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے۔ ضیا صاحب کے آباؤ اجداد کا شمار مظفر نگر کے صاحب حیثیت اکابر اور معززین میں ہوتا ہے۔ زمینداری اور باغات وغیرہ اس زمانہ میں بھی اس خاندان کے قبضہ میں تھے اور اب بھی ہیں۔ ضیا صاحب کاندھلہ کے مشہور رئیسوں میں ہیں۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کاندھلہ ہی کے مکتبوں اور مدرسوں میں ہوئی۔ مدرسہ کی تعلیم کے اختتام پر آپ علی گڑھ چلے گئے سنہ ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۸ء تک علی گڑھ کالج اور اسکول میں متعلم رہے اور وہیں۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ کالج کی تعلیم کے بعد آپ پھر کاندھلہ چلے آئے ۱۹۴۲ء تک آپ مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ اسی اثناء میں حج بیت اللہ شریف کیلئے روانہ ہوگئے۔

آپ عرصہ تک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ بھی رہ چکے ہیں۔ چونکہ آپکی طبیعت اس قسم کے اعزازوں سے بے نیاز ہے اس لئے آپ نے کبھی سرکاری ملازمت کی پرواہ نہ کی۔ نام و نمود سے آپ کو اس درجہ گریز ہے کہ بایدوشاید۔ اس کا اندازہ اس چیز سے ہو سکتا ہے کہ باوجود متعدد بار لکھنے کے آپ نے اپنا تذکرہ روانہ نہ فرمایا۔ اور ہر مرتبہ کسر نفسی فرمائی۔ اصرار پیہم سے مجبور ہو کر تذکرہ بھیجا بھی تو قطعاً نامکمل صرف چند اشارے لکھ دیئے۔

۱۹۴۲ء سے آپ اپنی زمینداری اور جائداد و باغات وغیرہ کی نگہداشت میں مصروف ہیں۔ گوشہ نشین۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور باوضع بزرگ ہیں۔

آپ کی شاعری کا آغاز کب ہوا اور کیوں کر ہوا یہ خود آپ کو بھی معلوم نہیں۔ آپ فطری شاعر ہیں اور فطرت شناس۔ بعض فطرت آپکی انگلیوں میں بے قلم کی جنبش سے صفحۂ قرطاس پر وہ وہ گلکاریاں کرتی ہیں کہ جیسے خود دوسرے کوئی چھپتا ہے۔ آپ عرصہ دراز سے شعر کہتے ہیں ۱۹۳۸ء میں آپ حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ کے تلامذہ میں شریک ہوئے۔ اپنے استاد محترم کی ضیا صاحب کتنی قدر کرتے ہیں۔ اسے یا تو وہ خود جانتے ہیں یا قبلہ مولانا۔ یہ مولانا کا ہی فیض سخن ہے کہ آپ بہت مختصر عرصہ میں کہیں سے کہیں ہو پہنچ گئے ہیں۔ نظم و غزل دونوں کہتے ہیں۔ مشاعروں کی شرکت سے آپ ہمیشہ گریز فرماتے ہیں۔ آپ کے کلام سے نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

نمونۂ تغزل

دل کا وحدت کدہ بتخانۂ آذر نکلا
بت شکن جسکو سمجھتے تھے وہ بت گر نکلا

بزم گیتی سے میں اسدرجہ مکدر نکلا
تیرہ ظلمات سے جس طرح سکندر نکلا

گردشِ کوثر اک غلط اندازہ
دل تو حسرت زدہ بھی نور نکلا

پیکشِ اشک ندامت کا اثر یا طوفان
ٹوٹ کر کا سۂ دل چشمۂ کوثر نکلا

زخم دوزِ شبِ غربت کی خلش
ہیں جو بیٹھ گیا خار وہ نشتر نکلا

اے ضیا جس کو میسر ہوا فیض سیماب
وہ سخن فہم سخن سنج سخنور نکلا

رہبر بنا کسی کو نہ مدام سمت نما
ہر کارواں کا اپنا جدا

ظلمت سرائے قلب کو جنت نشاں بنا
سینوں بنا دے

کر چشم التفات کو تو جاں دوست
گلزار عشق کو چمن جاوداں

سنگِ فنا کی شکل میں ہو اگر حیات تو
ہستی کو اپنی زندگی جاوداں بنا

www.taemeernews.com

احساس کا ہو نام یہاں شادئ عالم — احساس کی فضا سے بلند آشیاں بنا
بلبل شباب گل کا نہیں ہمیشہ بیش — چن تنکے پھول دیکھ لیا آشیاں بنا
ناموس و ننگ و نام و نشاں عار ہیں ضیاؔ
ہستی کو جس قدر بھی بنے بے نشاں بنا

اب تیرہ محبت ہو شاید جز مرگ رہائی مشکل ہے
درد ہی جو بیدا ہو اک سی کی جو لا حاصل ہے
دیکھو آبلہ پائی کوشش کا انجام یہی حاصل ہے
پہنچا مرا جس کو مرتے ہیں آنکھوں میں تری منزل ہے
احباب دوبارہ کسی میں یہ کہہ رخصت ہوتے ہیں
دامن … سے ہوا ہے تو گو سکون کامل ہے
ارشاد ہماری قسمت کی آسودہ … کیا جاتی ہیں
مضطر ہے … نظارہ … آوازوں میں صدائے سامل ہے
جب عشق غرض سے آلودہ ہوتا ہے ہوس بن جاتا ہے
عشق اور ہوس کی وادی میں نازک سی یہ حد فاصل ہے
راہرو نا برد ہو کر مخلص رفتہ سوچ کے ہر منزل میں قدم
ہر … طلب … حجاب منزل ہے
اللہ رے ذوقِ طلب … ہر … دل …
… رنگ … سنگ در کا … ہر … منزل ہے

فانوس دل کو نور سے پھر جگمگا دیا — ویرانے میں چراغ محبت جلا دیا
میں کس زباں سے شکر کروں مجھ کو کیا دیا — جو کچھ دیا وہ فطرت سے بیری سوا دیا

جستن ز دو غمزہ … بود و خطا بود — یک نگاہ کرم یار شفا بود
ہر موج نسیم صبا حلقۂ زنجیر بلا بود — بلبل بہ قفس گل … خار جفا بود
صوفی نہ ز خود بندۂ تسلیم و رضا بود — … صد مرحلہ … در حجاب بود
جان را ز سر کردہ … ہستی فانی — در سلسلہ روز و شب و صبح و مسا بود

صد دفتر نیرنگی عالم ورق گل — پروردۂ خون شہدا رنگ حنا بود
سے نے طاقت گفتار نہ یارائے رسیدن — طوفان فنا چشم و زاری بہ قضا بود
رفتم بہ در شیخ و تسلی طلبیدم — او نیز بہ شرمندگی جرم و خطا بود
دردم نہ شد از کشمکش درماں — از دیدۂ تحقیق ہمہ دیدیم دوا بود
از شعلۂ درخشاں خودی برق تجلی
ہر سمت ضیا بود ضیا بود ضیا بود

دل بیچتا ہوں رونق بازار کیلئے — یہ جنس بے بہا ہے خریدار کیلئے
لذت شناس تیغ ستم ہے تو بڑھ کے چل — منصور وار رقص کناں دار کیلئے
جو ہیں سیری پائے طلب ہر آبلہ — اک چشم منتظر ہے ہر اک خار کیلئے
رسم فغاں حرام ہے مسلک میں عشق کی — واجب ہے سجدہ ہر خلش خار کیلئے
سن یاوری بخت کہ شب میں نہ خواب — … لپٹ کر دیدار کیلئے

نمونۂ نظم

"برخیز"

آسماں دُر بار ہے کشتِ زمیں زرخیز ہے — خاطرِ دہقاں نشاط کار سے لبریز ہے
شاخِ گل گلپوش ہے گل ریز ہے گل بیز ہے — نکہت افشاں گل ہے شبنم گل پہ گوہر ریز ہے
بادۂ توحید ہے اور ساقی پرویز ہے — وہ تہی دستانِ قسمت ہیں جنہیں پرہیز ہے
ظلمتِ شب میں سحر کی نور کا آمیز ہے — منظرِ ارض و سما کتنا نشاط انگیز ہے
منتظر ہے گوش سکوں آموز ہے دشت کا سکوت — جو کا عالم ہے جہاں نظارہ وجد انگیز ہے
تارے ٹمٹمارہے ہیں بے تاب ہو ہو آنکھوں کی طرح — میٹھے جھونکوں میں نسیم صبح عنبر بیز ہے
جلوہ گر ہے حسن معصوم فطرت اور غنچوں کا ابھار — شاخ گل ہے جلوہ گر یا اک بت نوخیز ہے
اک حیات تازہ کی حامل ہے ہر موج صبا — ذہن فکر رسا کو ہر نفس مہمیز ہے
خود بخود روشن ہوئی آنکھ فطرت کی کتاب — جو ہر ادراک ارباب معانی تیز ہے
موجیں ہیں در حقیقت میں گل و برگ و ثمر — طائرانِ خوش نوا کا نغمہ دل آویز ہے

دے رہی ہے جام کو ہر شاخ پیمانِ عمل　　بزمِ گیتی کا تماشہ ولولہ انگیز ہے
اٹھ گئے پردے فضائے عالمِ اسرار سے　　ہر اشارہ شاہدِ فطرت کا معنی خیز ہے
ہو رہا ہے چشمِ بینا پر تجلی کا ظہور　　گوشِ شنوا نغمۂ راز سے لبریز ہے
ہے دلِ بیدار تازہ بارشِ الہام سے　　بہرہ اندوز سعادت زاہدِ شب خیز ہے
جل بجھی شمعِ شبستاں دل کہ پروانوں کے　　بزمِ عشرت میں بپا ہنگامۂ خونریز ہے
جاگنے والوں پہ ارزاں ہے جمالِ برقِ طور　　سونے والے تیری غفلت کیا قیامت خیز ہے
نرگسِ بیدار کہتی ہے نہیں سونے کا وقت　　لب پہ ہر سنگ و شجر کے نعرۂ برخیز ہے
ہوشیار اے خفتگانِ خوابِ غفلت ہوشیار　　مہرِ عالمتاب کی تم پر نگاہِ تیز ہے
کام جو کرنا ہے کل وہ آج ہی کر لو ضیا　　گرمِ جولاں زندگی کا مرکبِ شبدیز ہے
جل گئی کشتِ امل تازہ ہوا میدانِ کار　　تخمِ ہمت در بغلِ دہقان لب کاریز ہے

اٹھ بدل کشتی کا اپنی رخ ہوا کے ساتھ ساتھ
غم نہیں گر قلزمِ ہستی تلاطم خیز ہے

سوز کا نونِ محبت کیمیا تاثیر ہے　　جل گیا جو خام تھا جو رہ گیا اکسیر ہے
جلوہ گر اس میں کسی کی شوخیٔ تحریر ہے　　یوں تبسم آشنا ہر غنچۂ تصویر ہے
آج بزمِ ناز میں پھر شور دارو گیر ہے　　شمع بھی دلگیر ہے پروانہ بھی دلگیر ہے
کشتنی ہوں تا کمر پر کر ہوں تم پر فدا　　یہ خطا میں ہے خطا تقصیر میں تقصیر ہے
آنکھ ہے تصویرِ حیرت آئینہ عکسِ رخِ یار　　شمع اندر شمع ہے تصویر در تصویر ہے
جنونانیوں میں نوائے سوزِ شمعِ بزمِ سن　　سوزِ پروانہ کی یہ اک آتشیں تصویر ہے
آہ وہ برگِ خزاں دیدہ سوارِ دوشِ باد　　اسکی خاموشی میں بھی اک عالمِ تقریر ہے
محرمِ اسرارِ دل اور چشمِ بینا چاہیے　　ذرہ ذرہ میں جمالِ یار کی تنویر ہے
کر دیا زنداں کو زنداں یوسفِ معصوم نے　　دار کیا ہے عظمتِ منصور کی تصویر ہے
سوزِ پروانہ میں ہے رازِ حیاتِ جاوداں　　یہ بقا کی شرح ہے اور موت کی تفسیر ہے

دل میں ہے نورِ سویدا آنکھ میں تصویرِ دوست
اے ضیا پیشِ نظر تنویر ہی تنویر ہے

۱ آتشدان

آپ کی شہزادیوں کیلئے

زنانہ بستہ

از حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی

جس کو ہر لڑکی ۵ سال کی عمر سے پندرہ سال کی عمر تک پڑھے اور اسکے مضامین پر عمل کرنے سے تمام عمر عیش و آرام سے زندگی گذار سکتی ہے یہ دس علمی پھولوں کا گجرا ہے جس کو ہم گلدستۂ زندگی بھی کہتے ہیں۔ اس میں بچوں اور بڑی لڑکیوں کے پڑھنے کے لیے ایسے عمدہ قاعدے بتائے گئے ہیں کہ الف بے تے سے لیکر اردو لکھنا پڑھنا اور قرآن شریف پڑھنا بہت جلد سیکھ جاتی ہیں۔ شادی بیاہ تک کے تمام قاعدے جہیز کی تیاری ساس نندوں کے برتاو بھی بتائے گئے ہیں۔ اب کی مرتبہ تیسری بار بڑی تقطیع پر شائع ہوا ہے اسمیں دس کتابیں ہیں (۱) بسم اللہ کی کتاب (۲) کہانیوں کی کتاب (۳) کھیل کی کتاب (۴) لکھنے کی کتاب (۵) نماز کی کتاب (۶) کھانا پکانے کی کتاب (۷) تندرستی کی کتاب (۸) تہذیب کی کتاب (۹) پڑھنے کی کتاب (۱۰) دلہن کا اصلی جہیز جو کتاب جس مضمون پر لکھی گئی ہے اس کو مکمل کر دیا گیا ہے۔ اپنی بچیوں کو فوراً اسکی تعلیم دیجئے تاکہ وہ گھرداری کے تمام کاموں کو شلاً کھانا پکانے سینے پرونے اور لکھنے پڑھنے سے پوری واقفیت حاصل کریں۔ مکمل سیٹ کی قیمت صرف ۱۲ ڈھائی روپے

ملنے کا پتہ: شاعر بکڈپو قصر الادب آگرہ

www.taemeernews.com

ضیاء ۶۰ محمد صادق صاحب بی اے ایل ایل بی (فاضل)

نام محمد صادق۔ تخلص ضیا۔ خلف میاں الٰہی بخش صاحب گوں۔ آپ یکم اکتوبر سنہ ۱۹۰۱ء کو بمقام چینوٹ ضلع جھنگ پنجاب پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق گوں قوم سے ہے۔ جو پنجاب میں بہت با اثر اور با رسوخ مانی جاتی ہے۔ آپ کے مورث اعلیٰ بابا سلطان جو رنجیت سنگھ کے زمانے میں بہت عزت و شہرت کے مالک تھے۔ پنجاب کے کئی بہت بڑی جاگیرداری تھی، جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے بابا سلطان کو مرحمت ہوئی تھی۔ یہ زمین اور زمینداری ابتک اسی خاندان میں وراثتاً چلی آتی ہے۔

ضیا صاحب سعد اللہ خاں وزیر اعظم شاہجہاں کے ہم وطن ہیں۔ آپ کے والد بسلسلۂ تجارت زمانۂ شباب میں آگرہ آئے اور ابتک یہیں مقیم ہیں۔ آپ کے والد میاں الٰہی بخش نہایت کامیاب تاجر ہیں۔ قومیات اور سیاسیات میں آپ غیر معمولی درک حاصل ہے۔ پابند صوم و صلوٰۃ بزرگ۔ دینی حلقوں میں بہت زیادہ دخل ہے۔

ضیا صاحب کی ابتدائی تعلیم چینوٹ میں شروع ہوئی۔ اور باقی تمام مراحل تعلیم آگرہ میں طے ہوئے۔ ۵ جولائی بروز شنبہ آپ شعیب محمدیہ ہائی اسکول کے درجہ [illegible] میں داخل ہوئے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ سنہ ۱۹۲۷ء میں ایل ایل بی پریویس میں کامیاب ہوئے۔ اب مئی سنہ ۱۹۶۲ء میں فائنل کا [illegible] دے چکے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسمیں بھی کامیاب ہوں گے۔

آپ کی اسکول کی زندگی بہت خاموش گذری۔ چونکہ طبیعت ہنگامہ پسند نہ تھی اس لئے کھیل وغیرہ میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ فرصت کے اوقات ہمیشہ مطالعے میں گذرے۔ سنہ ۱۹۱۶ء سے آپکی طبیعت میں ذوق شاعرانہ پیدا ہوا۔ اور رسالہ "غنچہ" بجنور و "تاج" آگرہ میں آپنے مضامین بھی لکھے۔ انٹرنس پاس کرنے کے بعد جب آپ آگرہ کالج میں بار یاب ہوئے تو شاعری کا ذوق۔ جو اسکول لائف تک خاموش ترقی کر رہا تھا اب چمک اٹھا اور آپ کی نگاہ کامل شناس نے اپنی رہنمائی کے لئے حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کو منتخب کرلیا۔ ۱۰ر دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء کو بدھ کے دن شام کو چار بجے آپ باقاعدہ مولانا کے شاگرد ہوئے۔ مشق سخن جاری رہی۔ مضمون نویسی کا ذوق ترقی کرتا رہا۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں آپنے جریدہ "تاج" آگرہ میں بیحد مضامین لکھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ادارہ "تاج" میں آپ بھی شریک تھے۔ اسی زمانہ میں بعض انگریزی مضامین کا ترجمہ بھی کیا۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں آپ نے فلمی موضوعات پر قلم اٹھایا اور آپ کے فلمی مضامین کی شہرت تمام ہندوستان میں ہوگئی۔ ہندوستان کے فلمی افراد سے اسی زمانہ میں آپ کے تعلقات بھی ہوگئے۔ جو اب تک قائم و باقی ہیں۔ اسی سال آپ نے تقریباً ہر رسالے میں مضامین لکھے۔ مثلاً تاج۔ زمیندار بندے ماترم۔ فلم اسٹیج۔ وغیرہ اور اسی سال انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرکے بی اے میں آئے۔

جب بی اے میں تعلیم پارہے تھے تو آپ نے ادبی کام بہت انہماک سے کیا اور ورڈس ورتھ کی مشہور نظم Ode to immortality کا کامیاب منظوم ترجمہ کیا جس سے آپ کا ادبی وقار دنیائے ادب میں قائم ہوگیا۔ ۸ر دسمبر سنہ ۱۹۲۳ء کو آپنے آگرہ میں سیماب لٹریری سوسائٹی کی بنیاد رکھی اور اس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔

۴ر جولائی سنہ ۱۹۲۶ء کو آپ کی شادی چینوٹ میں ہوئی۔ مولانا مدظلہٗ

www.taemeernews.com

بھی اس شادی میں شریک ہوئے تھے۔ اسی سال کلکتہ کا سفر کیا اور حضرت آغا حشر کاشمیری مرحوم سے نیاز حاصل کیا۔ مرحوم نے آپ کی ادبی قابلیتوں کا نہایت کشادہ دلی سے اعتراف کیا۔

۱۹۳۲ء میں حسن کارہ کے نام سے آرٹ پر آپ کے لیکچر شائع ہوئے اور اسی سال آپ کا ڈرامہ "حسن کی آگ" پریس سے نکلا۔ اسی سال موضوع تعلیم پر آپ نے ایک سیر حاصل مبسوط مضمون لکھا۔ اور ہندوستان کے تمام مشاہیر کے پاس چھپوا کر بھیجا۔ اس مضمون میں ضیا صاحب نے اپنے نقطۂ نظر سے موجودہ ہندوستان کے نوجوانوں کی عام تعلیمی حالت پر بہت اہم تبصرہ کیا تھا۔

۱۹۳۱ء میں آپ سیماب لٹریری سوسائٹی کے نائب صدر منتخب ہوئے اور اس وقت تک اسی عہدے پر فائز ہیں۔ ستمبر ۱۹۳۲ء میں جب مولانا مدظلہٗ اپنے مجموعۂ نظمیات "کار امروز" کی تسوید و ترتیب میں مصروف تھے تو ضیا صاحب نے شب و روز اس میں حصہ لیا۔ ۱۹۳۱ء میں شاعر کا "کار امروز نمبر" بھی آپ نے بڑی محنت سے مرتب کیا۔ ۱۹۳۲ء میں جب مولانا "کلیم عجم" مرتب کر رہے تھے اس وقت بھی ضیا صاحب نے اس کی ترتیب کے سلسلے میں دست راست کا کام دیا۔

یکم ستمبر ۱۹۳۲ء کو آپ نے اپنے افسانوں کا مجموعہ "شب چراغ" کے نام سے شائع کیا جس پر ہندوستان کے بیشتر رسائل و اخبارات نے نہایت حوصلہ افزا ریویو کئے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں مولانا سیماب مدظلہٗ کے ساتھ کلکتہ کا سفر کیا۔ اسی سال آپ سیماب لٹریری سوسائٹی اٹاوہ کی صدارت کیلئے اٹاوہ بھی گئے۔

۳ جولائی ۱۹۳۲ء کو خدا نے آپ کو ایک دختر عطا فرمائی جس کا نام "زرینہ خاتون" ہے۔

قانون کی تکمیل کے بعد آپ کا ارادہ یورپ جا کر مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا ہے۔

ضیا صاحب حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کا بے انتہا ادب کرتے ہیں اور مولانا بھی آپ سے شفقت رکھتے ہیں کیونکہ آپ ایک قابل اور ہمہ گیر نوجوان ہیں۔ اور ملک کے ان نوجوانوں میں سے ہیں جن پر ملک کے مستقبل کا دار و مدار ہے۔ آپ کے خیالات قومی دلی زیادہ ہیں۔ سگریٹ اور پان سے آپ کو نفرت ہے۔ نماز اور روزے کے پابند ہیں۔ ادبی مضامین کے علاوہ فلمی اور تجارتی مضامین لکھنے میں بھی آپ کو دلچسپی حاصل ہے۔ انگریزی نظموں کا ترجمہ بے تکلف اردو نظموں میں اتنا خوبصورت کرتے ہیں کہ ہر نظم باوجود مترجم ہونے کے تخلیقی معلوم ہوتی ہے۔ آپ کی سیرت بہت ممتاز اور بلند ہے۔ اس کے متعلق ہماری نہیں دوسروں کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔ سید محمود صاحب عارزی، کلکتے کے ایک مشہور ادیب اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

ضیا صاحب ماشاء اللہ مجسم زندگی ہیں اس لئے انہیں اپنے خط میں زندگی پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ...... زندگی نام ہے جوانی اور تندرستی کا لیکن اگر اس میں فطرت اپنے خزانے سے تحفۂ پاکبازی بھی عطا کر دے تو پھر ایسا انسان انسان نہیں بلکہ فرشتوں سے بھی کچھ اونچا ہی شمار کیا جاتا ہے۔ الحمد للہ ضیا صاحب میں یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ صفات ملکوتی سے ہٹ کر اگر صنف پیغمبری میں آجائیں تو یہی مسیحائی تحریر سے ہم جیسے لوگوں کو نہ صرف زندہ کر سکتے ہیں بلکہ زندہ رکھ سکتے ہیں۔ خدا انہیں ہر قدم پر کامیاب کرے آمین

نمونۂ تغزل

سب سازِ خلش اپنا کہہ دیا اشارے میں — پھر طعنۂ بے ضبطی بیہودہ ہے سنا کرنا

اور سب گلشن میں شیِ بوئے گل انداز ہو — تنگ میری ہی نوا سے صحنِ گلستاں ہو گیا

جا نہیں میں تشنۂ بانگِ درائے کارواں | اب دلِ پُرشوق میرا خود حدی خواں ہو گیا

نغمۂ دوشیزۂ جادو، مہتابِ زندگی | تشنۂ مضراب ہے میرا ربابِ زندگی
پھر وہی صحرا نوردی پھر وہی جوشِ جنوں | خار و گل میں پھر نظر آیا شبابِ زندگی

۱۹۳۱ء

بقا دیگی وفا بھی مجھ کو جو حاصل ہے زندگی کا | سکونِ مطلق نصیب میں ہے تو موت ہی ہے رفیق دل کی
ہر ایک غنچہ یہ آج گلشن میں بن کے ساغر ہے گنگنایا | کہ بزمِ انجم کے سینے میں مرقع ہے تجلی کا

بزمِ طرب میں کب تک امیدِ جام و ساقی | شبنم سے کہہ رہا ہوں بادہ فروش ہو جا
کر سیرِ بزمِ فطرت یا شورشوں میں گم ہو | یا صرف آنکھ بن جا یا صرف گوش ہو جا

حریمِ گل کا اسرار، بھوروں کی یہ سوالی | ہوائے گل بہاروں میں فسانہ خواں کیوں

نہ کر بادہ و رنگ و بو ختم، دیکھ افسانۂ دل | پھول اڑا کر بھری محفل میں ہوائیں چلی
ہو گئی برہم نگاہِ ساقیہ تو وائے فنا | سیکڑوں ہیں خوب شیشے اور پیمانے چلے

جنت کی رہی سی غنچوں کی نکہت جاز ہے | راز گلشن کوئی ان آشنا پیدا کرے
کر رہی ہے یوں شبابِ گلستاں پیدا نیا | شعر جیسے شاعرِ رنگیں نوا پیدا کرے

۱۹۳۳ء

یاد ہے تو کا دورِ رنگ و نور جب آنا | یوں فضاؤں میں گھٹا گھنگھور ہو جانا
رنگینیٔ بدوش فضا چھانا | دیکھنا ساز کو اور نغمہ سرا ہو جانا

میں جو تو آگ دامنِ گل میں لگی تھی | جل اٹھی میری شاخِ نشیمن یہ کیا ہوا
غمگین مجھ کو دیکھ کے گھبرا نہ ہم نشیں | مسرور ہوں کہ آج مجھے دل عطا ہوا
ہر دیکھو کی چیز دھندلکے میں صبح کے | سیارہ ٹوٹتا ہوا دل ڈوبتا ہوا

میں کارواں سے الگ ہو کے چل رہا تنہا | مذاقِ فہم مرا کوئی کارواں میں نہیں

آج شباب مست ہے محفلِ حسن و عشق میں | وقتِ خرام جلوۂ لغزشِ پا لئے ہوئے

۱۹۳۲ء

یوں غنچوں میں لگی گردشِ ایام سے آگ | کہ برسنے لگی ہستی کے در و بام سے آگ
لگ گئی بادہ ستاں میں غمِ ایام سے آگ | مانگتے رہ گئے میکش شفقِ جام سے آگ

نو اسیرانِ قفس کا ظرف دیکھ | فصلِ گل کی تازگی کو سہہ گئے
سازِ پر غنچوں سے گایا کس نے گیت | نغمے بھوروں میں الجھ کر رہ گئے

۱۹۳۴ء

اسے ڈرائے گا کیوں کر مآل طوفاں کا | جو پرورش کرے طوفاں کی سفینوں میں

بیٹھے تو ہم نے خاک کو آوارہ کر دیا | اٹھے تو اک نگاہ تھی برقِ شرار کی
میں شہپرِ نسیم پہ آیا ہوں باغ میں | مجھ کو اڑا کے لائی ہیں موجیں بہار کی
پھر کوئی انقلابِ جدید آئیگا ضیا | بدلی ہوئی سی ہیں روشیں روزگار کی

۱۹۳۵ء

جلوے فضا نواز ہیں آنکھیں کدھر گئیں | نغموں کی بارشیں ہیں سمع کدھر گئی

بجلی چمک چمک کے رستہ بتا رہی ہے | تاریک بادلوں میں شاید ضیا نہاں ہے

تاروں سے کہو تھا میں مستِ کلّے پیمانہ | میں کسل سے تنگ آ کر پیتا ہوں آگ لگ گئی

۱۹۳۶ء

اگر عمل ہے اپنی لغزشوں پہ نہیں تو اس کو | تو کیوں یہ قطرۂ شبنم بنا کے گل پر تھرتھرایا
الٰہی کس قدر تھا قابلِ رحم اس کی ہستی بھی | بلندی سے گرے جو اور گرتا ہی چلا جائے

۱۹۳۷ء

www.taemeernews.com

نمونۂ نظم

"پیامِ محبت"

کیفِ نظارے سے لب کو آشنا کردو | دنیا کے نوجوانو! دنیا کو مست کردو
رازِ حیات سے تم آگاہ کیوں نہیں ہو | آگاہ ہو تو شمعِ ہر راہ کیوں نہیں ہو
تم خود ہو اپنی منزل تم خود ہو اپنا جادہ | کیوں فکرِ راہبر میں بیٹھے ہو سر فتادہ
سر رشتہ زمیں ہے کاندھا وہاں تمہارا | ورنہ زمیں تمہاری اور آسماں تمہارا
جب قوّتِ نہاں سے تدبیر کام لے گی | دنیا غلام بن کر قدموں پہ آگرے گی
ہیں حسن اور محبت فطرت کی ایک طاقت | چاہیں تو فتح کرلیں دونوں جہاں کی وسعت
فطرت نے حسن دنیا انساں میں بھر دیا ہے | مسرور اس کے دل کو الفت نے کر دیا ہے

ان قوّتوں سے انساں جس روز کام لے گا
دامانِ عرشِ رفعت جھکنے میں تھام لے گا

نمونۂ نثر

میں نے اس انسان کو مختلف حالتوں میں دیکھا ہے اور اس کی ناکامیوں پر خندہ زن بھی ہوا ہوں۔ یہ شخص میری مسکراہٹ کی آواز سنتا ہے۔ اور محسوس کرتا ہے کہ کوئی زبردست فطرت ہستی اس کی رہنمائی کر رہی ہے۔ اسی ہستی کی تلاش میں وہ آسمان کی طرف نظر اٹھاتا ہے لیکن نہیں سمجھتا کہ اس کی رہنما ہستی اسی کے دل میں ہے۔ اور وہ میں ہوں ......

اس انسان کو اس بات کا احساس بھی ہے کہ انسان کا زیور انسانیت ہے وحشت اور درندگی نہیں۔ انسانی زندگی کا ایک دور وحشت اور درندگی کا آئینہ دار بھی تھا۔ یہ اس دور کا بیٹا ہے۔ باپ نہیں ...... دنیا خدا کی طرف پرواز کر رہی ہے۔ خدا دنیا کی انتہائی منزل ہے۔

یہ ایک عظیم المرتبت انسان ہے اور عجیب فطرت کا حامل۔

مجھے اس انسان سے خوف معلوم ہونے لگا اگر میرا بس چلتا تو میں اس شخص کو دیکھ کر بھاگ جاتا لیکن مجھے احساس ہوا کہ اس کی گرفت اتنی کڑی ...

محمد صادق صاحب ضیا چنیوٹی کی نظم پر حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ کی اصلاح

"تفاوت"

(سانیٹ)

ادھر ویران صحرا اور ادھر پریوں کی محفل ہے
ادھر کانٹوں کی نوکیں ہیں ادھر شاداب کلیاں ہیں
یہ منظر گل بداماں اور وہ آتش بداماں ہیں
انہیں رنگینیوں میں اے ضیا الجھا ہوا دل ہے
یہ رنگیں محفلیں مجھ کو پیامِ عیش دیتی ہیں
ابھاریں گی ہمیشہ یہ گنہگاری کے جذبوں کو
تمہارے عشق سے بھڑکائیں گی یہ دل کے شعلوں کو

یہ رنگیں محفلیں اذنِ دوامِ عیش دیتی ہیں
مگر ویران صحرا ہے مرے جذبات کا شایاں
مری وحشت کو کافی ہے فضا صحرا کی پُر وسعت
اسی صحرا کی شایاں ارتقاءِ بے ضرر فطرت
یہی فطرت منافی ہے مری تسکین کے ساماں
یہ جیتی جاگتی دنیا ضیا میری نہیں رنگین محفل ہے
یہی اجڑا ہوا جنگل مری ہستی کا حاصل ہے

www.taemeernews.com

ضیا — مہرلال صاحب سونی فتح آبادی ایم اے (۶۱)

آپ کا نام مہرلال سونی اور ضیا تخلص ہے۔ شمالی ہندوستان میں دریائے بیاس کے کنارے جالندھر شہر کے قریب کپورتھلہ کے نام سے ایک بہت مشہور سکھ ریاست واقع ہے۔ اسی ریاست میں اپنے نانا لالہ شنکرداس پوری مرحوم کے مکان میں ۹ فروری ۱۹۱۳ء کو صبح ساڑھے سات بجے پیدا ہوئے۔ لیکن ضیا صاحب کا وطن خاص فتح آباد دریائے بیاس کے دوسرے کنارے پر امرتسر کے ضلع میں ہے۔ ضیا صاحب کے والد بزرگوار لالہ منشی رام سونی ملازمت کے سلسلہ میں اس وقت پشاور پہونچے۔ جب ضیا صاحب کی عمر چھ سات برس کی تھی۔ چنانچہ ضیا صاحب کی تعلیم کا آغاز اسی سرحدی شہر میں ہوا۔ اور کافی مدت تک گھر پر تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کو خالصہ مڈل اسکول پشاور چھاؤنی میں داخل کرا دیا گیا۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکا۔ کیونکہ آپ کے والد صاحب جے پور منتقل ہو گئے۔ اور ضیا صاحب کو بھی راجپوتانے کی فضا کو خیرمقدم کہنا پڑا۔ ۱۹۲۹ء میں مہاراجہ ہائی اسکول جے پور سے ضیا صاحب نے دسویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد ضیا صاحب کو امرتسر آنا پڑا۔ کیونکہ لالہ منشی رام صاحب سونی کا تبادلہ ہائیڈرو الیکٹرک اسکیم کے سلسلہ میں جوگندر نگر ہو گیا۔ آپ ہندو سبھا کالج امرتسر سے ۱۹۳۱ء میں ایف اے کا ڈپلومہ حاصل کر کے بی اے کے امتحان کے لئے فورمین کرسچین کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ جہاں سے آپ نے ۱۹۳۳ء میں فارسی میں آنرز کے ساتھ بی اے کی ڈگری حاصل کی اور پھر ۱۹۳۵ء میں آپ انگریزی میں ایم اے کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے حاصل کی۔ اس وقت ریزرو بینک آف انڈیا کے سلسلے میں آپ مستقل طور پر دہلی میں آ گئے ہیں۔

بچپن کی ابتدائی منازل طے کر لینے کے بعد جب ضیا صاحب کی نظر سے بعض درسی کتابوں میں چند اصلاحی نظمیں گزریں تو اسی وقت سے آپ کو یہ احساس ہو گیا کہ طبیعت کا رجحان زیادہ تر شعر و شاعری ہی کی طرف ہے۔ چنانچہ جے پور میں آپ کو ایک شاعر مسلم اُردو اصغر علی صاحب حیا کے مل جانے پر آپ کو شوق کی تکمیل کا زیادہ موقع ملا اور اپنے قابل استاد کی نگرانی میں آپ نے پہلے پہل شعرگوئی شروع کی۔ اس کے بعد ایک سال تک ضیا صاحب امرتسر کے مشہور شاعر جناب فرخ سے باقاعدہ اصلاح لیتے رہے۔ ۱۹۳۰ء کے آغاز میں جب طبیعت یکسر شعر و شاعری میں مدغم ہو کر رہ گئی اور ذوق کی بلندی کسی بلند مرتبت استاد کی متلاشی ہوئی تو آپ کی جویا نگاہوں نے حضرت مولانا سیماب مدظلہ کو اپنی رہبری کے لئے چن لیا اور اب تک مولانا مدظلہ ہی سے سلسلۂ اصلاح جاری ہے۔

سلسلۂ شاگردی قائم ہو جانے کے بعد ضیا صاحب حقیقی معنوں میں آگرہ اسکول کے ایک ممتاز فرد ہو گئے۔ اکثر و بیشتر آپ کو مولانا مدظلہ سے بالمشافہ استفادہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ مولانا مدظلہ کے مخصوص شاگردوں میں آپ کا شمار ہے۔

زمانۂ تعلیم ہی میں ضیا صاحب نے شاعری میں کافی استعداد و شہرت حاصل کر لی تھی۔ چار سال تک وہ فورمین کرسچین کالج میگزین کے حصہ اردو کو ایڈٹ کرتے رہے اور پھر چند ماہ جریدۂ "کنول" میں بطور مدیر معاون کام کرتے رہے۔ "کنول" کے علاوہ ضیا صاحب کا کلام ملک کے اکثر مقتدر جرائد و رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ اور بالخصوص "ایشیا" اور "ادبی دنیا" میں ہمیشہ انکی

www.taemeernews.com

نظمیں اور غزلیں شائع ہوئی ہیں۔

منصور احمد صاحب مدیر "ادبی دنیا" ضیا صاحب کے متعلق اپنے رسالے میں تحریر فرماتے ہیں "مجھے معلوم ہوا ہے کہ ضیا ایک حقیقی شاعر ہیں اور جو کچھ انہوں نے لکھا ہے پہلے انہوں نے محسوس بھی کیا ہے اور سوچا بھی ہے۔ اسی لئے ان کے کلام میں سنجیدگی اور اثر کی فراوانی ہے ان کا ذوق بلند ہے اور زبان نہایت پاکیزہ اور صحیح ہے۔"

شاہد احمد صاحب دہلوی ایڈیٹر ساقی کی رائے ہے کہ "بحیثیت مجموعی ضیا کی شاعری داد طلب ہے" اور منشی تلوک چند محروم اپنے ایک گرامی نامے میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ابتدا میں آپ کے کلام کی انتہائی پختگی دیکھ کر مجھے بہت مسرت ہوئی"

ضیا صاحب کی نظم نگاری کے متعلق حضرت منظر صدیقی اکبرآبادی کا خیال ہے کہ "وہ حکاسیٔ فطرت کے زیادہ خوگر ہیں اور اردو میں مغربی رنگِ نظم نگاری پیدا کرنے کی صلاحیت اُن میں بدرجۂ اتم نظر آتی ہے۔"

ساغر صاحب نظامی تحریر فرماتے ہیں کہ "کسی شاعر کی عظمت اس کے ذوق کی صحت، مطالعہ کی گہرائی اور مشاہدہ کے روشن و عمیق ہونے سے ہوا کرتی ہے مجھے یہ دیکھ کر روحانی مسرت ہے کہ جناب ضیا فتح آبادی شاعرانہ معیار پر صحیح اترتے ہیں۔"

ضیا کی تصانیف میں مندرجۂ ذیل کتب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) "طلوع" ۔ قطعات و رباعیات کا ایک مختصر مجموعہ۔

(۲) "سقراط کی موت" ایک دلچسپ تحقیقی اور فلسفیانہ مکالمہ

(۳) "نورِ تاباں" نظموں اور غزلوں کا ایک منتخب مجموعہ

نمونۂ تغزل

حال اس پر ہی مرے دل کا نمایاں ہوتا — جس کا دل محرمِ سوزِ غمِ پنہاں ہوتا
تیری مستی پہ ہے رحمت مئے انگور ابھی — مہرباں تجھ پہ وہ کیا اے دلِ ناداں ہوتا

رونا شیوہ ہی ازل سے تھا ابرِ بہار — تو مرے حال پہ ہنستا بھی تو کیا
دیکھ کر مجھ کو ستاروں کو نہ کیوں ہنسی آئی — درد کیا اس سے زیادہ غمِ ہجراں ہوتا
عشقِ بیتاب کو لازم ہے کہ خاموش رہے — قسمتِ حسن میں ہوتا تو پریشاں ہوتا
مجھ سے ممکن نہ ہوئی ترکِ وفا تک بھی ضیاؔ — کیا گنہگار گنا ہوں پہ پشیماں ہوتا
فطرتِ غم کو گوارا نہ ہوا یہ بھی مگر — جینا مشکل تھا تو مرنا مجھے آساں ہوتا
ضبط نے آنکھ کو رونے بھی نہ دیا جی بھر کے — یوں ہی شاید کوئی پورا ارماں ہوتا
ہمہ تن گوش تھے سب پھول بھی اور تارے بھی — رات کے پچھلے پہر کوئی غزلخواں ہوتا
خوف روتا ہوں کہ انساں بھی نہیں ہوں اب تک — یہ بڑی چیز تھی انساں اگر انساں ہوتا
دل اگر عشرتِ فردا سے نہ رکھتا امید — کیوں مہیا غمِ امروز کا ساماں ہوتا
تم نے نظروں سے گرا کر نہ کہیں کا رکھا — دل نہ جاتا تو تمہارا کرمِ ارزاں ہوتا

سیری ہونے سے گلستاں بھی بیاباں ہے ضیاؔ
میں نہ ہوتا تو بیاباں بھی گلستاں ہوتا

چشمِ بینا کو حجابِ رخِ زیبا کیا ہے — فطرتِ حسن کو اندازہ یہ سمجھا کیا ہے
کبھی سورج ہے کبھی چاند ہے زیرِ گردوں — رات دن سوچ رہا ہوں کہ یہ ہوتا کیا ہے
عندلیبانِ قفس سے کوئی اتنا پوچھے — آخر انجامِ غمِ داد و بکا کیا ہے
کوئی ناکامِ تمنا ہی کرے اندازہ — مدعائے دلِ ناکامِ تمنا کیا ہے
بادۂ حال میں ہوں مست مجھے کیا معلوم — الم دوش تھا کیا؟ غمِ فردا کیا ہے
خود کہے دیتی ہے ویرانیٔ محفل — ساقیا حسرتِ بادہ کش کیا ہے
رونا اس بات پہ آتا ہے کہ سوچا کیا تھا — اور اس بات پہ ہنستا ہوں کہ ہوتا کیا ہے
تیری کشتی نے مصیبت میں دیا تجھ کو جواب — ناخدا تیرے خدا کا بھی بھروسا کیا ہے

نجد میں قیس کو تا عمر جو آیا نہ نظر — دل کے صحرا میں وہ محمل نظر آتا ہے مجھے
مجھ میں تکمیلِ محبت کی کہاں تھی قوت — دوست کا ہاتھ بھی شامل نظر آتا ہے مجھے

خود غرض کر کے گنہگار ہوئے ورنہ

www.taemeernews.com

نمونۂ نظم

"شاعر سجدے میں"

شاعری کی تکمیل صرف اس وقت ممکن ہے جب شاعر اپنے ماحول کی حقیر سے حقیر چیز کی پرستش کرنے لگے

اے زمیں اے آسماں اے زندگی کی کائنات ۔۔۔ اے ہوا اے موجِ دریا اے نباتِ بے ثبات

اے پہاڑوں کی بلندی اے سرِ پا آبشار ۔۔۔ اے گھٹا جھومی ہوئی اے نغمۂ لبِ جوئبار

اے سکوتِ غیر فانی اے فضائے کیف ریز ۔۔۔ اے دلِ آبادِ وحشت اے رگوں میں خونِ تیز

اے بسیطِ ریگِ صحرا اے کرشمہ زا خزاں ۔۔۔ اے بگولوں کی خمارِ رقص میں رعنائیاں

اے سمندر وسعتِ آغوش پھیلائے ہوئے ۔۔۔ اے ارادہ حادثوں کی ٹھوکریں کھائے ہوئے

اے بہارِ صحنِ گلشن اے تمامِ رنگ و بو ۔۔۔ اے گلوں کی سادگی اے بلبلوں کی آرزو

اے پھلوں کے بوجھ سے سر بہ زمیں شاخِ شجر ۔۔۔ اے پریشاں زلفِ سنبل چشمِ نرگس با بصر

اے عروسِ صبحِ مستی اے شامِ بزمِ میکدہ ۔۔۔ اے جوانی کی نظر دزدیدہ و ہوش آزما

اے ستاروں کی چمک اے گردشِ خورشید و ماہ ۔۔۔ اے سرورِ بے گناہی لذتِ جامِ گناہ

اے دلِ بیتاب اے موہومِ امیدِ سکوں ۔۔۔ اے سکوتِ یاس اے طوفانِ امواجِ جنوں

اے وقارِ حسن بزمِ زیست پر چھائے ہوئے ۔۔۔ اے جنونِ عشق سرد آہوں کو گرمائے ہوئے

بے نیازِ مستیِ جام و سبو کر دو مجھے ۔۔۔ اپنے کیفِ مستقل سے اس طرح بھر دو مجھے

میں تمہارا بن کے سوز و جذب کا ماہر ہوں
دل سے وہ نغمے اٹھیں جن کے لئے شاعر ہوں

جناب مہر لال صاحب سونی ضیا فتح آبادی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

کہوں کس سے کوئی سنتا نہیں جب داستاں میری
(بند رہتی ہے)
مثالِ شمعِ محفل جل رہا ہوں نہیں کھلتی زباں میری

(جوانی) (میری)
[illegible] جاوداں [illegible] نہ دنیا جاوداں میری
(مجھے کر کے رہیں گی فنا سامانیاں میری)
کسی دن گل کھلائیں گی یہی نادانیاں میری

ہر اک تحریر اور تقریر مقبولِ جہاں میری
قلم گوہر فشاں میرا زباں جادو بیاں میری

(یوں بھی)
یقیں آتا نہیں ہے مجھ کو اپنی خوش نصیبی کا
طبیعت اس قدر کیوں ہو گئی ہے بدگماں میری

(اپنے نشیمن سے)
قفس میں کھینچ لائی ہے مجھے اپنے ہی
(بنی تھی دست اس دن کو)
تمنائے تماشائے بہارِ گلستاں میری

خدا کے واسطے رہنے دو اب تو چین سے مجھ کو
(کرے چل) (مٹی)
اڑا لے جائے گی بادِ صبا تربت کہاں میری

(سوئے عدم دنیا سے جاتا ہوں)
ضیا اس واسطے دنیا سے جاتا ہوں عدم کو میں
(کہ رہ جائے حسرت ادھر بھی نکل جائے وہاں میری)
کوئی امید باقی رہ نہ جائے گی یہاں میری

۱۹۳۳ء

www.taemeernews.com

طالب — پنڈت نندلال صاحب کول کاشمیری ایم اے، ایم او ایل — ۶۲

آپ کا نام نندلال اور طالب تخلص ہے۔ آپ کشمیری پنڈتوں کے ایک اعلیٰ اور معزز خاندان کول میں بمقام سری نگر کشمیر ۱۹۰۱ء پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد دربارِ کشمیر میں مختلف ذمہ دار اور باعزت عہدوں پر مامور رہے۔ چنانچہ آپ کے جدِ امجد راجہ رگھوناتھ صاحب کول ریاست کے وزیرِ اعظم رہ چکے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار اس وقت بھی کشمیر کے بڑے رؤسا اور زمینداروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ سرکار کی طرف جاگیر کی وراثتی کا مالیہ پندرہ سو روپیہ سے زائد سالانہ اب تک ادا کیا جاتا ہے۔

آپ نے خداداد ذہانت اور قابلیت پائی ہے۔ میٹریکولیشن امتحان سی، ایم، ایس ہائی اسکول سری نگر سے پاس کیا اور اپنے اسکول میں دوسرے درجے پر رہے۔ اسی سال آپ نے سناتن دھرم سبھا کا امتحان جو مرحوم ڈاکٹر اینی بسینٹ کے زیرِ اہتمام بنارس سے سالانہ لیا جاتا تھا، اعلیٰ نمبروں پر پاس کر کے ایک قیمتی انعام حاصل کیا۔ اس کے بعد کشمیر گورنمنٹ کالج میں داخل ہو کر آپ نے ایف اے اور بی اے کے امتحانات اعزاز سے پاس کئے۔ اپنی قابلِ رشک ذہانت کی بدولت طالب علمی کے دوران میں پنجاب یونیورسٹی سے ہر سال آنرس کے امتحانات کے ساتھ ساتھ منشی، منشی عالم اور منشی فاضل کے امتحانات بھی علی الترتیب پاس کئے۔ دوسرے طلباء کے مقابلے میں دوگنا کام کرنے اور سال بھر میں دو دو امتحان پاس کرنے کے باوجود کالج میں ہمیشہ اعلیٰ نمبر حاصل کر کے وظیفہ بھی پاتے رہے۔ بی اے پاس کرنے کے بعد آپ ایم اے، ایم او ایل اور ادیب فاضل کے امتحانات میں نہایت اعزاز سے کامیاب ہوئے۔ آخر الذکر امتحان میں فقط ایک نمبر کم پانے کی وجہ سے تمام یونیورسٹی میں دوم رہے۔

آپ کو فارسی اور اردو سے خاص لگاؤ ہے اور دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔

جناب طالب کی شاعری ایک وہبی عطیہ ہے۔ طبیعت بچپن ہی سے شعر و سخن کی طرف مائل ہے۔ بارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے اور یہ شغل برابر جاری رہا۔ اول اول لکھنوی استادوں سے اصلاح لیتے رہے۔ ۱۹۲۸ء سے علامہ کیفی دہلوی سے استفادہ حاصل کرتے رہے۔ اسی اثنا میں حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ کی طرف آپ رجوع ہوئے۔ چونکہ آپ ایک آزاد خیال آدمی ہیں اور بہر صورت استفادہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے دونوں استادوں سے اصلاح لیتے ہیں۔ کیفی صاحب و نیز حضرت مولانا مدظلہٗ کا انتہائی احترام کرتے ہیں۔

آپ خاص کشمیر کے باشندے ہیں۔ اردو میں یہاں سب سے اول صاحبِ دیوان ہیں۔ اکثر نئے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ ملک بھر کے اور خاص کر پنجاب کے ادبی رسائل اور اخبارات میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ جن میں سے "زبان" لکھنؤ، "مدھر" لکھنؤ، "زمانہ" کانپور، "پیمانہ" آگرہ، "ہلال" دہلی، "ساقی" دہلی، "چمن" امرتسر، "چمنستان" امرتسر، "سربہشت" لاہور، "ادبی دنیا" لاہور، "شاہکار" لاہور، "ادبِ لطیف" لاہور وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

زمانۂ حال کے شائع شدہ تذکرۃ الشعراء میں تقریباً کوئی ایسا نہیں جس میں آپ کے حالات مع انتخابِ کلام نہ دئے گئے ہوں۔ علامہ کیفی دہلوی۔ نظامی بدایونی۔ اور مولوی عبدالحق (حیدر آباد)، جسٹس عبدالقادر، محروم، برق دہلوی۔ لالہ سری رام دہلوی مرحوم مؤلف خمخانۂ جاوید۔ چودھری خوشی محمد ناظر۔ تسنیم وغیرہ وغیرہ جیسے اہلِ قلم حضرات

آپ کے کلام کو وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

آپ کی تصانیف میں سے "کلامِ طالب" موسوم بہ "رشحات التخیل" اور "تصویرِ قوم" شائع ہو کر مقبولِ خاص و عام ہو چکی ہیں۔ تاریخی ناول "حیات پرتھوی راج" کا آپ نے دسویں جماعت میں انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ جو اجرٹن پریس راولپنڈی میں چھپا۔ آپ کی بیشمار نظمیں جو اپنے رنگ میں کہی ہیں ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک سوشیل ڈراما لکھا ہے یہ بھی ہنوز تشنۂ طباعت ہے۔ عدمِ گنجائش کے باعث یہاں ان بے شمار رسائل و جرائد کی فہرست جن میں آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے اور ملک بھر کے ادیبوں اور نقادوں کی آرا جو انہوں نے آپ کے کلام پر تحریر فرمائی ہیں۔ نظر انداز کرتا ہوں۔ آپ اس وقت گورنمنٹ کالج کشمیر میں فارسی اور اردو کے پروفیسر ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کی وجہ سے طالب صاحب کے خیالات میں ندرت تخیل میں رفعت اور شعری زندگی پوری طور پر پائی جاتی ہے۔

نمونۂ تغزل

ہم نے دنیا کو دورنگی کا تماشا جانا — ایک اندازِ مدوجزرِ تمنا جانا
کیا کہیں تم سے کہ کیا سمجھے ہیں ہم رازِ حیات — آنے جانے کا اسے ایک بہانا جانا

مہذب گھٹتے جاتے ہیں معذب بڑھتے جاتے ہیں
موافق دوست تو ہم سے زمانا ہو نہیں سکتا

اعمال بھی سیہ ہوئے جب عمر بڑھ گئی — پیری میں بھی شباب کچھ ہم سے دور تھا

مری آنکھوں میں حسنِ یار کی تصویر پنہاں تھی
تو پھر اس روکنے سے پاسباں کے ہاتھ کیا آیا

نہ غربی بن سکا ہاں شرقیت اپنی گنوا بیٹھا
تشبّہ سے بھلا ہندوستاں کے ہاتھ کیا آیا

وہ عاشق ہوں کہ وحشت میں بھی یادِ یار باقی ہے
خودی میں بےخبر اور بیخودی میں باخبر ہو کر

رہ کے دنیا میں فلک پر آشیاں رکھتے ہیں ہم
گرچہ فانی ہیں حیاتِ جاوداں رکھتے ہیں ہم

میں نہیں رونق دہِ شبستانِ بزمِ خیال — اور خنداں برق ساں برسات کے موسم میں ہوں
بحرِ ہستی کا ہے ساحل دور میں ناآشنا — کیا مجھے معلوم کیا ہوں اور کس عالم میں ہوں
یا تو طالب ہے جنوں یا عہدِ طفلی کا سماں — اس دورنگی کے اثر سے میں عجب عالم میں ہوں

دشت میں بیداد گھر بھی بیاباں سے کم نہیں — جوشِ شباب چاکِ گریباں سے کم نہیں
زخمِ جگر کی تشنگی اے ہمنشیں نہ پوچھ — ہر شعلہ لے شورِ نمکداں سے کم نہیں
سوزِ دروں نے ہم کو کیا سر سے پاؤں تک — جسمِ نزار سروِ چراغاں سے کم نہیں
ہے اضطرابِ شوق نقابِ رخِ امید — تارِ نگاہ پردۂ مژگاں سے کم نہیں

مری فریاد کی ظالم خوشی سے داد دیتا ہے — صدائے ساز ہے یا سوزِ مضمر میرے شیون میں
بہارِ گلستاں ظاہر ہماری خاکداں سے ہے — پرِ طاؤس وا ہوتے ہیں جو بنتا ہے گلخن میں

یہ آگ میری بجھ نہ سکی آبِ اشک سے — کافور ہوں کہ پانی میں بھی شعلہ رنگ ہوں

سو گیا میں جوشِ وحشت سے تفنن ملتفت — آرزو میں خندۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

ٹوٹ جائے میری پستی سے بلندی کا غرور　　اس زمیں پر سایۂ فگن آسماں کوئی نہ ہو

ایک تنکا تک نہ چھوڑا ہستیٔ موہوم کا　　اس چمن سے آشیاں ہم دوش پر لیکر گئے

نہ مجھ سے بڑھ سکیگا حسنِ گیسوئے نکارکا　　نحیف و ناتواں ہیں اور بیڑی زنجیر بھاری ہے

رنگ لایا ہے دمِ وحشت مذاقِ اضطراب　　گریۂ خونیں سے رنگیں ہے گریباں دیکھئے
سرخ آنسو بن گئے ہیں غیرتِ رنگِ چمن　　دامنِ تر میں بہارِ گل بداماں دیکھئے
پھر نکالی آپ کو وحشی نے دنیائے جنوں　　اب شرارِ سنگِ طفلاں کا چراغاں دیکھئے
انقلابِ دہر کا نظارہ گر منظور ہے　　کیجئے برہم نگاہِ فتنہ ساماں دیکھئے
عاشقِ مہجور ہے پابند بھی آزاد بھی　　دیکھئے دشتِ بیاباں شوقِ زنداں دیکھئے

نمونۂ نظم

"تنہائی"

میں آغوشِ تنہائی میں جب محوِ تصور رہتا ہوں
خود گوشِ بہوش سے سنتا ہوں جو غم کی باتیں کہتا ہوں
جب غم کی باتیں کہتا ہوں میں محوِ تصور رہتا ہوں
کچھ راحت ایسی ملتی ہے اک وجد سا طاری ہوتا ہے
پھر یاد کسی کی آتی ہے دل ہوش و خرد سب کھوتا ہے
دل ہوش و خرد سب کھوتا ہے اک وجد سا طاری ہوتا ہے
اک کیف مسرت ملتا ہے گلزار کی سرد ہواؤں میں
میں نغمۂ دلکش سنتا ہوں شب کی خاموش فضاؤں میں
شب کی خاموش فضاؤں میں گلزار کی سرد ہواؤں میں
بے بادہ ہو کے عالم میں مستوں کا رنگ بدلتا ہے
دنیا کی گردش کے بدلے وحدت کا ساغر چلتا ہے
وحدت کا ساغر چلتا ہے مستوں کا رنگ بدلتا ہے
پھر موجِ ترنم اٹھتی ہے رندانِ الست کی محفل میں
اور سازِ محبت بجتا ہے اک سناٹے کی منزل میں
اک سناٹے کی منزل میں رندانِ الست کی محفل میں
عقبیٰ کی حسرت مٹتی ہے دنیا کی یاد بھی جاتی ہے
پردہ جو دوئی کا اٹھتا ہے یک رنگی رنگ جماتی ہے
یک رنگی رنگ جماتی ہے دنیا کی یاد بھی جاتی ہے
احساسِ خودی تنہائی میں کچھ ایسا غالب ہوتا ہے
خود بندہ خدا بن جاتا ہے مطلوب ہی طالب ہوتا ہے
مطلوب ہی طالب ہوتا ہے کچھ ایسا غالب ہوتا ہے
خود مست ہوں کچھ بے ہوش میں ہوں کچھ سنتا ہوں کچھ کہتا ہوں
میں آغوشِ تنہائی میں جب محوِ تصور رہتا ہوں
میں محوِ تصور رہتا ہوں کچھ سنتا ہوں کچھ کہتا ہوں

نمونۂ نثر

انسان کی فطرت میں اکثر ایسے لطیف اور پاکیزہ جوہر پائے جاتے ہیں جن کو جلا دینے کے لئے ادبی قابلیت کا نشو و نما پانا ضروری ہے۔ روحانی راحت کے پاکیزہ جذبات کا بیدار کرنا شاعری کا کام ہے۔ شعر و سخن کا مذاقِ سلیم حاصل کرنے کے بعد جو کیفیت انسان کے دل و دماغ پر طاری رہتی ہے اس کا لطیف اور پاکیزہ اثر دنیا کی معمولی اور مصنوعی راحتوں کے اثر سے زیادہ دیرپا ہوتا ہے۔ شاعرانہ لطافت کا حظ اٹھانے کیلئے شعر و سخن کا مذاق صحیح ہونا لازمی ہے۔ بلا اس قید کے شاعری بے تال اور سر کے گانے سے زیادہ دلکش نہیں ہو سکتی لیکن اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ محض روزمرہ اور محاورہ کی صفائی اور زبان کے مصنوعی تکلفات کا نام شاعری نہیں ہے۔ شعر میں زبان کی پاکیزگی و لطافت کے علاوہ تاثیر بھی ہونی چاہیئے۔ برخلاف اس کے حسن کلام اور انداز

بیان بھی شاعری کے لئے ضروری جز نہیں۔ شاعرانہ خیالات وہی ہیں جو جذبات کے سانچے میں ڈھل کر زبان سے نکلتے ہیں اور حسن بیان کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں

طالب — مرزا عبدالمجید صاحب جہلمی — ۶۳

آپ کا نام عبدالمجید اور طالب تخلص ہے۔ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۳ء میں بمقام جہلم پیدا ہوئے آپ کے والد بادشاہ عالم صاحب گورنمنٹ پنشنر ہیں اور ایک باعزت عہدہ پر مامور ہیں۔

آغوشِ پدری میں آپ نہایت ناز و نعم سے پلے اور آپ کے والد ماجد نے آپ کی تعلیم و تربیت میں ہمیشہ کوشش کی، اردو فارسی کی ابتدائی تعلیم آپ کو خاص طور پر دی گئی اس کے بعد آپ گورنمنٹ ہائی اسکول میں داخل ہوگئے اور میٹریکولیشن تک انگریزی حاصل کی حصولِ تعلیم کے بعد آپ نے خود مختارانہ زندگی میں قدم رکھا۔ ایک سال آپ نے ہائی اسکول قادیان میں بھی حصولِ تعلیم کیلئے صرف کیا۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے لکڑی کی تجارت شروع کی۔ لیکن آپ کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہندوستان میں تجارت کی ناکامی انسان کو مجبوراً ملازمت کی طرف دھکیلتی ہے چنانچہ آپ نے بھی چار و ناچار حصولِ ملازمت کی کوشش شروع کردی کچھ عرصہ لاہور میں ملازمت کی لیکن اسے ترک کردیا۔ آج کل جہلم میونسپلٹی میں ٹیکس سپرنٹنڈنٹ ہیں۔

آپ شاعری سے گہرا ذوق رکھتے ہیں۔ جب آپ طالب علمی کا زمانہ گذار رہے تھے اس وقت سے آپ کی فطرت میں بیداری پیدا ہوچلی تھی۔ اور آپ کی قوتِ احساس میں ایک اضطراب پیدا ہوگیا تھا تاآنکہ آپ کے جذبات و احساسات نے شعر کی صورت اختیار کرلی۔ شعر گوئی کے بعد ایک رہبرِ منزل کی ضرورت ہوئی اور ۱۹۲۳ء میں حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ کے تلامذہ میں داخل ہوگئے۔ ۱۹۲۳ء کے بعد شفیق و باکمال استاد کی رہنمائی میں آپ نے بہت کچھ حاصل کیا اور آپ کا کلام بتدریج ترقی پا گیا۔ آپ کو ملکی لٹریچر سے خاص طور پر دلچسپی ہے۔ قدماء کے کلام کا بہ امعانِ نظر مطالعہ کیا ہے جس نے آپ کے خیالات میں وسعت پیدا کردی ہے۔

طالب صاحب کی شاعری میں سلاست اور روانی ہے خیالات لطیف جذبات پاکیزہ اور احساسات نازک ہوتے ہیں۔ آپ اصنافِ شعر میں غزل اور نظم سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن دوسرے اصناف میں بھی طبع آزمائی کرنے سے عاری نہیں۔ رباعی اور قطعہ کے علاوہ افسانہ نگاری میں بھی آپ کو کمال حاصل ہے۔ ہندوستان کے متعدد رسائل میں آپ کے افسانے شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ایک افسانہ "پوشین" کتابی صورت میں شائع ہوکر قبولِ عام حاصل کرچکا ہے۔ کئی افسانے اب بھی آپ کے پاس موجود ہیں۔ نظموں اور غزلوں کی ایک بہت بڑی تعداد آپ کے پاس ہے مستقبل قریب میں آپ کا ارادہ ان کو طبع کرانے کا ہے۔ طالب صاحب نے نظم و غزل دونوں میں آگرہ اسکول کا صحیح تتبع کیا ہے۔ اور آپ کے کلام میں وہی زور ہے جو آگرہ اسکول کے دیگر ممتاز شعراء کے کلام میں ہے۔

نمونۂ تغزل

کانٹا سمجھ کے پھینک نہ نفرت سے تو مجھے — مارا ہوا ہوں میں بھی نسیمِ بہار کا
وہ گلستاں میں آئے ہیں کیفِ نظر لئے — عالم ہے مست میکدۂ لالہ زار کا

دل دوز ہیں حسین نگاہیں حجاب میں — نشتر ہے رکھ لئے ہیں چھپا کر نقاب میں
ممنون ہوں بہت نگہِ انتخاب کا — آیا تمہارا حسن مرے انتخاب میں
معلوم سب کو ہوگئے آثار عشق کے — کیوں میں نے ان کا نام لیا اضطراب میں
طالب سوالِ جلوۂ دیدار کیوں کیا — شوقِ طلب نے ان کو چھپایا حجاب میں

بنائے سخن قائم ہے ہماری عشق کا ہر شعر　　پھر آتی رہی ہم سے پہر لیسی ذہنی ہری
دعوٰی انشا ہے اس کا قلب ہو موج فلک بر　　میں اپنا سوز دل کہتا ہوں جب شمع شب غم

تری کوچہ میں نسیم سحری سے پہلے　　سینہ زن جب نہیں ہوتا کوئی ہم ہوتے ہیں
بزم عشرت کو فلک شک کی نظروں سے نہ دیکھ　　اتفاقات سے کچھ رنگ بہم ہوتے ہیں
ہو مسرت کہ غم و اندوہ کا نہیں انجام　　انہیں مژدہ ہو جو وابستۂ غم ہوتے ہیں

مست ہیں کیف سے اک مست نظر کے طالب
ہم کہیں طالب زیادہ جم ہوتے ہیں

اس نے چھپ کر رازِ الفت آشکارا کر دیا　　خود بھی رسوا ہو گیا مجھ کو بھی رسوا کر دیا
حالِ غم ان کو سنا کر ناشکیبا کر دیا　　میں نے اک بیدرد دل میں درد پیدا کر دیا
غیر کی محفل میں یوں ہوئی تجلی یار کی　　اپنی نظروں کو نقاب روئے زیبا کر دیا
زندگی کی سخت گھڑیاں سہل ہو کر رہ گئیں　　موت نے الفت کے بیمار کو اچھا کر دیا
ہونٹ ہل جائیں تو مل جائے حیاتِ جاوداں　　جنبشِ چشمِ کرم نے مجھ کو زندہ کر دیا

دیکھا مجھے اس نظر سے کسی نے حجاب میں　　سو بجلیاں چمک گئیں اک اضطراب میں
جادو تھا جذبۂ دل پر اضطراب میں　　وہ خود ہی آ گئے مرے خط کے جواب میں
ہر دل میں ایک زخم ہے ہر سر میں اک جنوں　　آسودگی کہاں ہے جہانِ خراب میں
کس درجہ حسرتوں کی کمیں یاد رہ جائیں　　اتنی جگہ نہیں دلِ پُر اضطراب میں
اک عمر کٹ گئی ہیں اور نہیں امتحان کی　　کتنی جوانیاں ہیں تمہارے شباب میں
طالب سوالِ جلوۂ دیدار کیوں کیا　　شوقِ طلب نے ان کو چھپایا حجاب میں

تماشائے حقیقت بار ہے تخئیلِ انساں پر　　رگِ جاں سے نکل کر جلوہ گر ہو چشمِ حیراں پر
مری نظریں ہیں یارب آج کس کی تابِ مژگاں پر　　نگر پڑتی ہے سب کی میری افسانوں کے عنواں پر
یہ کون آیا ہے زہے فاتحہ کو گورِ غریباں پر　　اداس ہو رہی ہے شام کی زلفِ پریشانی
تجھے جانا کاوشِ دل کی ترجمانی کی نگاہوں نے　　انہیں سمجھا گیا آخر مری حالِ پریشاں پر

میری آنکھیں بند کر دیتا ہوا احساس تشنگی کا ہے　　قفس صیاد جب کھلتا ہے دیار گلستاں پر
فرو بستہ دنیا دل کو شبنم چھا جاتی ہے　　گمانِ صبح ہوتا ہے مری پلک گریباں پر
نکالی ہیں تری دامن کی کانٹی بزم دشمن کو　　مجھے کیوں اعتبار آتا بہارِ گل بدماں پر
لبِ گلرنگ اور اس پر تبسم ہائے صلوٰۃ اللہ　　کہ جیسے چاندنی چھٹکی ہوئی ہو شبستاں پر
تری منت کروں دی خدا یہ ہو نہیں سکتا　　مجھے ساحل کی پروا کیا کہ یہ قائم ہو طوفاں پر
حقیقت بیں نگاہوں سے مجھے دیکھا ہے دیکھا ہے　　ہوا ہے مجھ کو دھوکا بارہا تصویرِ انساں پر

یہ دنیا تو حریفِ دستِ شورش ہائے ہستی ہے
کوئی کیوں آئے گا طالب ہماری قبر ویراں پر

نمونۂ نظم

سروشِ مستقل

اے اسیرِ آرزو اے نامرادِ زندگی　　اب تجھے آتی نہیں بھولی ہوئی یادِ زندگی
ایک دن وہ تھا کہ تو ناواقفِ افتاد تھا　　تیرے دل کا گوشہ گوشہ اک سکون آباد تھا
آج تو ہے اور آغوشِ مزارِ بے کسی　　تیری تربت پر برستا ہے غبارِ بے کسی

ہائے وہ تیری جوانی وہ ترا عہدِ شباب
آج تو ہے قبر کی آغوش میں مصروفِ خواب

(مخاطب کی محبوبہ کی حالت لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیرے بعد اس کی زندگی)
بے غم کے اس طرح ختم کرتے ہیں!

روح تیری جب ہے اس کی اُچھلتی ہے بہت　　حسرتِ واماندہ ہیں جب تک مچلتی ہے بہت
لیکن اک دن آئے گا عمرِ مقررہ ختم ہیں　　حسن کا حسنِ جاں افزا ہو گا تری آغوش پر
وہ تری رسوائیاں وہ تری وارفتگی　　آہ فسانہ ترا دنیا نہ بھولے گی کبھی

زنگ بیزی کی جھلک ہے تری رفتار میں
پھر بہار آئے گی تیرے گلشن آباد میں

عارف — ڈاکٹر مولوی عبدالحئی صاحب بھاگلپوری — ۶۴

آپ کا نام عبدالحئی اور عارف تخلص ہے آپ شہر بھاگلپور محلہ برہ پورہ میں جو قدرتی باغات اور مرغزاروں کے درمیان واقع ہے ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔

ڈاکٹر صاحب اس ممتاز اور قدیم خاندان کے قابل فرد ہیں جو فرمانروائے ہند اکبر اعظم کے زمانہ میں لقب "میردہ" سے شرف یاب ہوا تھا۔ اس خاندان کو بادشاہ کی طرف سے چند گاؤں تفویض کئے گئے تھے جن کی "میردہ" لوگ حفاظت کرتے تھے۔ علاوہ ازیں سلطان زماں جب مشرقی ہند کی طرف بغرض معائنہ یا سیاحت۔ یا شکار تشریف لے جاتے تو ان کی خیمہ گاہ اسی شہر کی حدود میں مقرر مقام پر قائم کی جاتی تھی۔ جس کی حفاظت بھی یہی لوگ کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی رئیس سلطان معظم سے شرف ملاقات کا خواہاں ہوتا تھا تو انہیں کی وساطت سے اس کی باریابی ہوتی تھی۔ ان خدمات کے صلے میں ان کو جاگیریں عطا ہوئی تھیں جو اب تک بعض لوگوں کے پاس موجود ہیں۔ برہ پورہ شہر بھاگلپور میں خالص مسلمان شرفا کا ایک بہت بڑا محلہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے والد ماجد میردہ عبدالعزیز محلے کے تعلیم یافتہ لوگوں میں تھے۔ اور اس شہر کی ایک بہت بڑی ریاست کی تحصیلداری کے عہدہ پر مامور تھے ان کو علم کا بہت شوق تھا۔ اور ہمیشہ اپنے لڑکے کو اعلیٰ تعلیم دلانے کا ارادہ ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ مگر افسوس کہ ابھی ڈاکٹر صاحب مکتب ہی میں تعلیم پا رہے تھے۔ اور آپ کی عمر صرف سات سال کی تھی کہ والد بزرگوار کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ مگر آپ کی والدہ ماجدہ نے اپنے مرحوم شوہر کے ارادہ کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تعلیم کا ہر طرح انتظام کر دیا۔

مکتب کی تعلیم کے بعد جب آپ انگریزی اسکول میں آئے تو شاعری کا شوق بھی پیدا ہوا۔ اور یہ بالکل فطری تھا۔ اس لئے کہ نہ تو کوئی ان کا ہم جماعت شاعر تھا نہ شاعری ماحول میں پیدا ہوئے تھے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کثرت سے شعر کہنے لگے کہ ایک مکمل تاریخ اپنے محلے کی مسدس میں کر ڈالی۔ جو نہایت مقبول ہوئی۔ شاعری کے شوق نے آپ کو مذہبی اور عربی تعلیم کی طرف بھی رغبت دلائی چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ پرائیوٹ طور پر فارسی اور عربی زبان میں بھی کامل دستگاہ حاصل کر لی۔

۱۹۱۰ء میں ڈاکٹر صاحب نے کلکتہ سے اول درجہ میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اپنے شہر کے کالج میں داخل ہو گئے خوش قسمتی سے جناب واقف بہاری مرحوم اس کالج میں داخل ہو کر آپ کے ہم جماعت ہوئے اور بہت گہرے دوست ہو گئے۔ اب تو عارف صاحب کی شاعری میں اور بھی چار چاند لگ گئے۔ آپ نے بی اے تک تعلیم حاصل کی مگر افسوس کہ بی اے کے امتحان میں چند ہفتے ہی رہ گئے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کی رفیقۂ حیات نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جس کا ڈاکٹر صاحب کو بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنی رفیقۂ حیات سے بیحد الفت تھی۔ مرنے والی نہایت خوبصورت۔ تعلیم یافتہ۔ روشن ضمیر اور نیک سیرت خاتون تھیں یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے پھر دوسری شادی اب تک نہیں کی۔ اس سانحۂ جانکاہ نے ڈاکٹر صاحب کو اس قدر مضطرب کیا کہ آخر مجبوراً تعلیم ترک کر دی۔

ڈاکٹر صاحب کو شاعری کے ساتھ مذہب سے بھی دلچسپی تھی۔ اسی لئے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ تسکین

خاطر کی خاطر سے قادیان تشریف لے گئے یہاں کچھ عرصہ مقیم رہ کر افریقہ پہنچے۔ یہاں تین سال اپنی جماعت کا کام کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیر کرتے ہوئے وطن آ گئے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب کو علم ڈاکٹری سے بہت دلچسپی تھی اس لئے کلکتہ سے ڈاکٹری میں اعلیٰ درجہ کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد اپنی جماعت کی طرف سے حلقۂ آگرہ کے لئے امیر مقرر کئے گئے۔ ڈاکٹر صاحب یہاں سات سال تک دینی خدمات میں مصروف رہے۔ دوران قیام آگرہ میں ڈاکٹر صاحب کو حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ سے شرف ملاقات کا موقع ملا۔ جوہر شناس آنکھوں نے ایک ہی نگاہ میں اپنی رہبری کے لئے مولانا کو چن لیا۔ اور حلقۂ شاگردی میں داخل ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے جس رنگ میں اپنے لائق استاد کو دیکھا اس کے متعلق یوں فرماتے ہیں۔

سیماب

رحمت و فضل الٰہی شامل سیماب ہے　　عالم اردو میں روشن محفل سیماب ہے
جوش زن ہو کر قلوب اہل معنی میں خروش　　مضطرب بزم سخن میں اک دل سیماب ہے
بد مذاقی کے تلاطم میں ہے کشتیٔ سخن　　ضو فشاں تا دور شمع ساحل سیماب ہے
چھوڑ دی فرہاد اور دوشت گردی چھوڑ دی　　آج شیریں ہے سخن اور محمل سیماب ہے
جزو اعظم کیمیا کا ہے یہی اس واسطے　　کیمیاگر کو تلاش حاصل سیماب ہے
آنکھ سے دیکھا سو اوجھل راہیں کرتا نہیں　　قافلے والو یہ خضر منزل سیماب ہے

کچھ تو ہے گفتار میں تاثیر عارف با یقیں
ورنہ کیوں یہ بزم عالم مائل سیماب ہے

نمونۂ تغزل

نالۂ خاموش ہیں ہنگامۂ ہستی میں ہم　　زندگی طے کر رہے ہیں جنوں کی بستی میں ہم
انتہائی بام پر ہے مادیت کا عروج　　دیکھتے ہیں آدمیت کو گر پستی میں ہم
ہوش میں جز رگ کوئی لا نہیں سکتا ہمیں　　اس قدر آسودہ ہیں بادۂ ازل مستی میں ہم
آرزوئے بادۂ ظاہر نہیں ہے ہم کو شیخ　　غرق رہتے ہیں مے توحید کی مستی میں ہم
عالم حرص و ہوا سے اپنا عالم دور ہے　　اس لئے مسرور ہیں عارف تہی دستی میں ہم

یاد آیا ہے کہ صبح زندگی ضو بار تھی　　دامن ذہن رسا پر بارش انوار تھی
بارش مضراب سے پر شور تھا ساز حیات　　نغمہ زا تعمیر خاکی کی در و دیوار تھی
موج نزہت موجزن تھی گلستاں میں ہر طرف　　ہر بساط گل و نور گل سے آتشبار تھی
اہتزاز گل سے تھی پیدا بہار جاوداں　　سرزمین گلکدہ نادیدہ و ادبار تھی
مے خواں چشمۂ کوثر فشاں زیر شجر　　جرعۂ آب بقا ہر موج جو سرشار تھی

عالم اخلاص میں عمر بسر کرتے تھے ہم
رشک کے قابل ہماری ہستی بیدار تھی

نمونۂ نظم

اولاد آدم

کاشانۂ دہقاں میں دیا ہو گیا روشن　　کہسار کے [illegible]
آتا ہے نظر شکل گل و لالۂ گلشن　　جس کو [illegible] ہی جو مٹادہ زمین

گلدستۂ فردوس بریں زیب نظر ہے
آئینۂ قدرت میں یہ نایاب گہر ہے

پیدا ہوئی ہر رنگ میں اک شان حیا کی　　لیلیٰ نے گرہ کھول دی گیسوئے رسا کی
ضوگیر محبت ہوئی آغوش فضا کی　　امواج ہوئیں نور فشاں مست ہوا کی

ہنگامہ [illegible] جہاں کا
ناقوس صدا ریز ہوا امن و اماں کا

آسودہ ہوئی خلق جہاں امن شب میں　　محفوظ [illegible]
اولاد ہے آدم کی گرفتار تعب میں　　معتوب نقطۂ [illegible]

اس عالم ہستی میں [illegible]
سمجھائے سکوں کا کوئی چھینا ہی [illegible]

نفشانی — ابوالعرفان مولوی حبیب اللہ رضا ٹونکی — ۶۵

آپ کا نام حبیب اللہ اور نفشانی تخلص ہے۔ نفشانی صاحب ریاست ٹونک راجپوتانہ کے باشندے اور ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے والد مفتی عبداللہ خاں صاحب سہیل ٹونک کے علمائے مشاہیر کی صف اول میں شمار ہوتے تھے۔ خاندانی امتیاز اور مرتبہ کے لحاظ سے آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد عرصہ تک آپ بھوپال میں مقیم رہے۔

ٹونک ایک اسلامی ریاست ہے اور وہاں دینی تعلیم و مشرقی علوم کی تکمیل پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اس لئے اکثریت علوم مشرقی اور تعلیمات مذہب سے آگاہ ہوتی ہے۔ چنانچہ اس رواج اور ماحول کے تحت آپ کو بھی مشرقی علوم و تعلیمات سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا۔ روایات کے مطابق مذہبی تعلیم اور علوم شرقیہ کا مطالعہ بھی ضروری تھا چنانچہ ریاست کی اسلامی درس گاہوں کے مدرس اعلیٰ مولانا حکیم برکات احمد مرحوم اور ان کے صاحبزادے حکیم سید میاں مرحوم تھے آپ نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور فارسی میں آپ کی قابلیت نہایت اعلیٰ اور آپ کا مطالعہ وسیع ہے۔ ذہنی طور پر آپ فلسفۂ یونان اور قدیم علمی نظریات کے دوسرے لوگوں کی طرح غلام نہیں۔ آپ نہایت آزاد خیال اور مضبوط ایمان کے شخص ہیں۔ اور عقل کے ساتھ عشق کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔

۱۹۲۳ء میں جب حضرت علامہ سیماب اکبرآبادی مدظلہ نے ٹونک کا سفر کیا تو مولانائے موصوف کے علم و فضل اور شعر و ادب سے آپ بھی متاثر ہوئے طبیعت میں قدرتاً شعر سے ایک علاقہ تحریک پیدا ہوا۔ اور علوم مشرقی کے سلسلے میں ابونواس و متنبی، خیام و حافظ، نظیری و عرفی وغیرہ کا تمام کلام جو آپ کی نگاہوں سے گذر چکا تھا۔ اپنی تمام اعجاز نمائیوں کیساتھ کارفرما ہوا یہاں تک کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ آپ ایک فطری شاعر ہیں اور اس جوہر کو صرف نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے اور ادارۂ قصر الادب آگرہ کی ترغیب پر میدانِ ادب میں نمودار ہو گئے جہاں بہت جلد ہی اپنی مضبوط ادبیت کا علم گاڑ دیا۔

اسی زمانہ میں اجمیر سے صاحبزادہ اسلام علی و وزیر علی صاحب کی ملکیت و انتظام میں ایک ادبی رسالہ "کیف" کے نام سے شائع ہو رہا تھا۔ جس کے نگراں ملک کے مشہور ادیب حضرت رفیقی اجمیری تھے، آپ کی تحریک پر نفشانی صاحب نے "کیف" کی ادارت قبول کر لی۔

آپ نے اپنی پوری قابلیت اور انہماک کے ساتھ "کیف" کے فرائض ادارت ادا کئے اور چند ماہ کے اندر ہی اسے ترقی کے منازل طے کرا دئے یہاں تک کہ اس کا شمار ملک کے بہترین رسائل میں ہونے لگا، اسی زمانے میں یعنی ۱۹۲۶ء میں ادارۂ کیف سے ایک ہفتہ وار "الاتفاق" بھی جاری کیا گیا۔ اس کی ادارت بھی آپ نے فرمائی اور سیاسیات میں اپنی بالغ نظری کا ثبوت دیا۔ کیف و اتفاق کی معروفیت نے آپ کے جوہر قابلیت اور روح ادبیت کو ملک بھر میں روشناس کرا دیا اور آپ کا شمار آپ کے کلام کے لحاظ سے ملک کے نوجوان ادیبوں میں ہونے لگا۔

آپ عربی و فارسی سے آسانی کیساتھ بامحاورہ ترجمہ کر لیتے ہیں اور ہر قسم کے مضامین خصوصاً ادبی و تنقیدی لکھنے میں مہارت تامہ حاصل ہے اور شعر کا معیار بہت ستھرا ہے۔

آپ کے اخلاق و عادات ایک سچے مسلمان کے سے ہیں، ملنساری اصول ہے۔ اور سچائی مشرب، جس کو دوست کہہ دیتے ہیں اس کی

www.taemeernews.com

وسعت سے کم انکار کرتے ہیں جیسے ملتے ہیں دل کھول کر بھائی سے ملتے
ہیں۔ اکرم سخن، مجرب، آزاد خیال، حریت کوش اور مضبوط دل کے انسان ہیں
آپ کی شاعری باوجود مولوی اور عربی داں ہونے کے خشک اور
مولویانہ نہیں۔ شعر میں کمل شعریت ہوتی ہے۔ خیالات لطیف اور نازک ہیں۔
جذبات اور تاثرات کی چمک ہوتی ہے۔ "زمانے کے مصائب نے دل کو زخمی
کر دیا ہے" دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ کلام میں بڑی حد تک پختگی
متانت اور ادبی بلندی پائی جاتی ہے۔ نظم اور غزل کے علاوہ افسانے اور
ادبی مضامین بھی خوب لکھتے ہیں۔ آج کل بھی آپ اجمیر ہی میں قیام کرتے
ہیں اور معینیہ اسلامیہ ہائی اسکول میں دینیات و فارسی کے معلم ہیں۔

نمونۂ تغزل

معصیت زاد کہن دنیا ہی انساں کیلئے — دوسرا عالم بنا دے چشمِ عرفاں کیلئے
اک تغافل کیش سے کہنی ہے غم کی داستاں — چاہیئے خونِ جگر تہذیبِ عنواں کیلئے
چشمِ ظاہر پر ہو سرِّ کن اے رب آشکار — بیخودی اک نشتر لا دو رگِ جاں کیلئے
زود یار خفتہ بختی سی اگر گذرے صبا — ڈھونڈتا اک نیند میری چشمِ گریاں کیلئے
آپ کیوں کر دیں مجھے ترکِ تعلق سی تباہ — اک سہارا ہو یہی عمرِ پریشاں کیلئے
جوہرِ اشیاء میں ہو تا ہی تقابل سی ظہور — بت پرستی شرط ہے تیرے ایماں کیلئے
چند راتیں اپنی زلفوں سی بنا کر بھیج دو — ہو ضرورت میری چشمِ انجم افشاں کیلئے
شوق نے مانگی تھی اک دن بیکسی پر یاد دست — دیدۂ جاناں کی نازک شرمِ ادا کیلئے

سازِ لب سے آپ نکلیگی فغانی جو پیام
زالفت چاہی قلبِ غزلخواں کیلئے

جذب ہی دل میں مری وہ لذتِ الفت قدیم — اب نہیں پروا اگر بیگانگی کی خو بڑھی
پیچھے پیچھے آئیگا پیراہنِ یوسف مگر — آگے آگے لیے پیغام بھر خوشبو گئی

ہو فغانی غم سے حرفِ جاں خود داری ضبط
کہئے کس سے جب زباں رک جائے تو نہ بولیگا

نمونۂ نظم

"الہام پارہ"

شب کی خاموشی میں جب بجتا ہی سازِ نغمہ — چپکے چپکے گا کے تاروں کو سلاتا ہی کوئی
جاگ جاتا ہوں میں گھبرا کر باندازِ جنوں — چاندنی وحشت پہ میری مسکراتا ہی کوئی
چاہتا ہوں لاکھ کروں بند آنکھوں کو اگر — پھر پردۂ تخئیل کی ڈرا تا ہی کوئی

لٹ گئیں آنکھوں کی نیندیں چھن گیا دل کا سکوں
پھر بھی یہ ممکن نہیں میں تجھ کو غارت گر کہوں

خوابِ تجلّی

شب کو میں خواب میں تھا بسترِ راحت پہ دراز — محیطِ ظلمات میں ہر چیز تھی اک عالمِ راز
نکہت آمیز ہواؤں میں سکوں سوتا تھا — شبنمِ برگ نشیں سیکھ رہی تھی پرواز
یک بیک مطلعِ ارماں سے اجالا چمکا — صورت آرا ہوا اک جلوۂ تخئیل طراز
جس کی سیراب تبسم سے تھی احیائے نشاط — جس کی شاداب نگاہیں تھیں مسیحا اعجاز
عجزِ فطری پہ ہوا ذوقِ تماشا طاری — راہگزار ہے تعظیم بڑھا شوقِ نیاز
رونقِ خلوتِ پہلو ہوا دل کی طرح — میرا غم خانہ بنا برق گہِ جلوۂ ناز
مجمرِ شوق میں اک آتشِ لذت بھڑکی — روشِ سرو فرازاں کی ہوئی عنبر ساز
زانوئے صاف پہ رکھا سرِ سودائی کو — کھل گیا بختِ فغانی کو سرِ اعجاز
لبِ شیریں سے پلائی مجھے تسنیمِ گناہ — آہ یہ عرشِ تعشق یہ ہی معراجِ نیاز
اے مرے مردمِ دیدہ کی ضیائے روشن! — اے مرے آئینۂ دل کی جلا اے جانِ ناز
پردۂ خواب میں محدود تجلی تا چند — سوز بن کر تنِ آلودہ میں ہو رہ جگر گداز
ایک تنویرِ سکوں بن کے سما جا دل میں — ایک تعبیرِ درد بن کے ہو تجانہ ز

رنگ کثرت بہ سبک دستی من طاری شد
جلوہ بنگر کہ فغان از نغم جاری شد

فیاض — محمد فیاض حسین صاحب اکبرآبادی — ۶۶

آپ کا نام محمد فیاض حسین اور فیاض تخلص ہے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ محمد قادر بخش صاحب قریشی۔ تحصیلدار مرحوم بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ وطن خاص اکبرآباد ہے۔ ۱۸۹۸ء میں آپ پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد لکھنؤ کے باشندے تھے اور ریاست اودھ کی بڑی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔ آپ کے جدِ امجد تحصیل فتح آباد ضلع آگرہ میں اہلکار تھے۔ آپ کے والد صاحب کے حقیقی ماموں ڈاکٹر حاجی شیخ الٰہی بخش صاحب آگرہ کے مشہور لوگوں میں تھے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر آپ کی قدر کرتے تھے۔ غدر سے پہلے آپ کے آباؤ اجداد وارد آگرہ ہوئے۔

فیاض صاحب نے ۱۹۱۶ء میں سینٹ جونس ہائی اسکول آگرہ سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ خان بہادر مولوی اختر عادل صاحب ڈپٹی ایم اے۔ گورنمنٹ پلیڈر۔ ممبر کونسل و میونسپل کمشنر آگرہ آپ کے ہم جماعت تھے۔ ۱۹۱۸ء اور ۱۹۲۰ء کے قحط کے زمانے میں چار پانچ سال تک آپ متھرا اور آگرہ میں نائب تحصیلدار رہے۔ اس کے بعد محکمۂ نمک میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۶ء تک بعہدۂ انسپکٹری فائز رہے۔ ۱۹۳۶ء سے آپ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہو گئے ہیں۔ اور سانبھر (راجپوتانہ) میں مقیم ہیں۔

۱۹۱۷ء میں آپ کی شادی ڈاکٹر غفور خاں صاحب مرحوم ساکن چھلی اینٹ آگرہ کے یہاں ہوئی تھی لیکن شادی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد رفیقۂ حیات کا انتقال ہو گیا۔ اس صدمہ سے آپ نے ارادہ کر لیا کہ دوبارہ شادی نہ کریں گے لیکن نوعمری کا زمانہ تھا اس لئے بزرگوں اور احباب کے مشورہ سے دوسری شادی ڈاکٹر شیخ انور علی صاحب مرحوم ساکن اناؤ کی دختر نیک اختر سے کی۔ آپ کی خسرال میں ماشاء اللہ سب اعلیٰ عہدوں پر ہیں۔ آپ کے صرف ایک صاحبزادہ محمد اعجاز حسین ہیں جو آگرہ کالج میں تعلیم پاتے ہیں۔ اس سال ایف اے کا امتحان دیا ہے۔

آپ ایک ایسی سرزمین کے باشندے ہیں جس کا ذرہ ذرہ شعریت بداماں ہے اس لئے شاعری کا ذوق ہونا لازمی تھا۔ آپ نے آگرہ کے چار مشہور اساتذہ۔ رئیس۔ نثار۔ واقف اور حالی کا زمانہ دیکھا ہے سب سے پہلے اپنے ذوق کی تکمیل کیلئے حضرت واقف اکبرآبادی کو اپنا رہبر تجویز کیا لیکن زیادہ عرصہ تک فیضیاب نہ ہو سکے۔ واقف صاحب کے انتقال کے بعد حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے دامنِ ادب سے وابستہ ہو گئے اور پھر آج تک کسی دوسرے کے سامنے ایک مصرع بھی پیش نہیں کیا۔ ہم وطن اور ہم محلہ ہونے کی وجہ سے مولانا صاحب قبلہ آپ پر بہت عنایت فرماتے ہیں۔ بوجہ ملازمت اور مصروفیت شعر بہت کم کہتے ہیں لیکن کہتے ضرور ہیں۔ اکثر سانبھر اور راجپوتانہ وغیرہ کے مشاعروں میں بھی شرکت کی ہے۔ بہت کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اکثر رسائل میں آپ کا کلام بھی شائع ہو چکا ہے۔ انتہائی خلیق اور باوضع بزرگ ہیں۔

نمونۂ تغزل

یہ جہاں اہلِ محبت سے اب آباد نہیں
اک ہوس گاہ ہے یہ عالمِ ایجاد نہیں

یاد اتنا ہے کہ آیا تھا کبھی دورِ شباب
کب گیا اور کب آیا یہ ہمیں یاد نہیں

بال و پر نوچ کے کرتا ہے اسیروں کو رہا
یہ ستم ہے یہ کرم ہے مرے صیاد نہیں

خوفِ انجامِ محبت کا ہوا ہے غالب
تم بھی اب وجہِ سکونِ دلِ ناشاد نہیں

عہد و پیماں وفا کو آپ تو سب بھول گئے — بھول جانے کے سوا آپ کو کچھ یاد نہیں
آستانہ ہو بتوں کا کہ خدا کا در ہو — کہیں مقبول دعا سے دلِ ناشاد نہیں
زہے تقدیر کہ دل میں ہیں تمہارے جلوے — اب یہ برباد بھی ہو جائے تو برباد نہیں
شکوہ کیا ہے زمانہ نہ رہا اے فیاض — اب تو اک سانس بھی لینے کو آزاد نہیں

خانۂ دل میں ہے جلوہ اس بتِ بے پیر کا — خلق میں شہرہ ہے جس کے حسنِ عالمگیر کا
اک بہانہ ہو گیا تقدیر کو تدبیر کا — معرکہ قائم رہا تدبیر سے تقدیر کا
صنعتِ خلاق کا ادنیٰ نمونہ ہے قمر — شمس ذرہ ہے خدا کے نور کی تنویر کا
ہاں دیے دیتا ہے سب کو فضل سے اپنے مدام — ہے جو مخزن اک منبع فیضِ عالمگیر کا
یا الٰہی ہو گدائی اس کے در کی نصیب — میں نہیں خواہاں ہوں مجھ کو منصبِ جاگیر کا
ہو گیا غالب کا مصرع لوحِ دل پر نقش — "کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا"
بلبل و گل کا تعشق حسنِ گل سے ہے عیاں — شاہد و مشہود حق ہے عاشقِ دلگیر کا
عشق کا حسنین کے صبح و مسا بھرتا ہوں دم — فیض ہے فیاض دائم شبر و شبیر کا

یکتا ہیں دو نگار ہیں دونوں کمال میں — کامل ہیں عشق میں ہیں وہ حسن و جمال میں
صدمے ہجر کے سہے ہیں دل پر ملال ہے — تسکین دیجئے مجھے آکر خیال میں
ثانی نہیں ترا کوئی حسن و جمال میں — میں کیوں نہ مر مٹوں ترے شوقِ وصال میں
نکلیں گی جیتے جی نہ مرے دل کی حسرتیں — ہو جائیگا وصال ہی شوقِ وصال میں
وہ برق جس نے میرا نشیمن جلا دیا — لرزاں ہی تھی میری ہی شاخِ نہال میں
کچھ ہے تری جمال میں ایسی نظر کشی — کچھ ہے مری نظر کا کرشمہ جمال میں
فیاض حشر دیکھئے زاہد و گنہگار کا — سب نے پناہ لی کرمِ ذوالجلال میں

کچھ ذوقِ اضطراب نے رسوا کیا مجھے — کچھ دیدۂ پر آب نے رسوا کیا مجھے
پھر تیرے اس حجاب نے رسوا کیا مجھے — بے وجہ اجتناب نے رسوا کیا مجھے
ضبطِ جمال نے انہیں بدنام کر دیا — اور میرے اضطراب نے رسوا کیا مجھے

لاکھوں میں کہہ دیا انہیں بیت تو یہ کہا — ظالم اس انتخاب نے رسوا کیا مجھے
جو جس نے جا کے بزم میں تک پی لی گیا — مدہوشیٔ شراب نے رسوا کیا مجھے
صورت جو میری دیکھی تو ناراض ہو گئے — بے وجہ اس عتاب نے رسوا کیا مجھے
دیکر جواب صاف مرا رد کیا سوال — اس برملا جواب نے رسوا کیا مجھے
اس بھولے پن کی باتوں کے قربان جائیے — کہتے ہیں وہ جناب نے رسوا کیا مجھے

رکھا ہے بے وفائی پہ فیاض میرا نام
دنیا کے انقلاب نے رسوا کیا مجھے

خدا کی خاص رحمت یا رسولِ ہاشمی ہوگی — تمہاری ساری امت جنتی ہی جنتی ہوگی
وہ کیوں جائیگا دوزخ میں کہ کیا کام دوزخ سے — بھلا وہ کیوں جلیگا جس کی لو تم سے لگی ہوگی
زباں پر ان کو کوئی بات ہوگی تو یہ ہوگی — سرِ محشر صدا اُمتی یا اُمتی ہوگی
تم اپنے گیسوؤں کا سر پہ سایہ ڈالے رہنا — کہ تپتی دھوپ میدانِ قیامت میں کڑی ہوگی
قلم کی دو زبانیں ہیں تو دل کا کام دونوں سے — خدا کی حمد بھی ہوگی نبی کی نعت بھی ہوگی
مجھے امید ہے وہ خود ہی بڑھ کے تھام لیں گے — بہت محشر میں کوئی گڑبڑی ہوگی
وہیں چل کر کسی پتھر سے اسکو پھوڑ ڈالیں گے — سرِ شفقت ہوگا اور طیبہ کی گلی ہوگی
تم اپنے جلوۂ روشن سے کچھ شمعیں جلا جانا — سنا ہے قبر کی خلوت میں تاریکی بڑی ہوگی

ملیگا مجھ کو اے فیاض جو کچھ ان سے مانگوں گا
سخی داتا ہیں وہ سرکار بھی اُن کی سخی ہوگی

محمد مصطفیٰ صلی علیٰ صدر العلا ہو کر — زمیں پر آئے بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ ہو کر
پڑھوں یوں نعت مداحِ محمد مصطفیٰ ہو کر — کہ مجھ کو داد دے بزمِ سخن صلی علیٰ ہو کر
مجھے جلوہ دکھا بھی دیجئے جلوہ نما ہو کر — نکل بھی آئیے پردے سے دل کا مدعا ہو کر
دکھایا ہو کیا شق القمر کا معجزہ تم نے — مسخر کر لئے دل کافروں کے مصطفیٰ ہو کر
ازل میں سب سے پہلے جو حضرت کا ہوا پیدا — مگر تشریف لائے آپ ختم الانبیاء ہو کر
شفاعت آپ کی ہم عاصیوں کو بخشوا دیگی — ہمیں جنت میں لیجائیں گے حضرت رہنما ہو کر
ہو الاول ہو الآخر ہے ظاہر جو آپ کو — فلک کی ابتدا ہو کر زمیں کی انتہا ہو کر
جسے دیکھو اسی کے دل میں ہے سرکار کی الفت — ہوئے محبوبِ عالم آپ محبوبِ خدا ہو کر

www.taemeernews.com

نعیم — حکیم الدین صاحب انصاری فیروزآبادی — ۶۷

آپ کا نام حکیم الدین اور نعیم تخلص ہے۔ نعیم صاحب کا وطنِ اصلی فیروزآباد کے قریب موضع نگلہ کلاں (ضلع آگرہ) ہے۔ اسی رعایت سے آپ اپنے کو فیروزآبادی کہتے ہیں۔ آپ کے آباء [illegible] اجداد نے یہ سلسلۂ زمینداری نگلہ ملاں کو آباد کیا تھا۔ آپ کے والد شیخ حنیف الدین صاحب اپنے زمانے کے ایک کامیاب تاجر تھے لیکن آج کل ضعیفی کی وجہ سے تجارت کے کاروبار کو ترک کر چکے ہیں۔ آپ نگلہ ملاں میں یکم دسمبر ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم فیروزآباد میں ہوئی دینی تعلیم کا خاص انتظام صوبہ متحدہ کے ایسے قصبوں میں جیسا کہ فیروزآباد ہے لازماً پایا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان شہروں کے قریبی قصبات میں جو عہدِ مغلیہ میں دارالسلطنت رہ چکے ہیں آفتابِ علم کی شعاعیں ہمیشہ نور افشانی کرتی رہی ہیں۔ چنانچہ ان قصبات میں بھی اکثر ایسے نفوس پیدا ہوئے جن کی ذات مقامی طور پر فیض رساں [illegible] وزآباد میں بہت سے نفوس ایسے موجود ہیں جو علوم مشرقی کے ماہر اور فنِ شعر سے واقف ہیں۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ نگلہ ملاں صوبہ متحدہ کے جغرافیہ میں فیروزآباد اور شکوہ آباد یعنی حضرت تنیر کے وطن مالوف کے بین بین ایک جگہ ہے دنیائے شاعری میں تنیر شکوہ آبادی کی جو عظمت و شخصیت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نگلہ ملاں پر اس کا جو اثر پڑا ہوگا اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ فیروزآباد اور نگلہ ملاں تو درکنار آگرہ بھی تنیر کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا اور یہاں بھی موجودہ عہد کے مسلم الثبوت نغز گو اور ماہرِ [illegible] فنِ ادب [illegible] عاشق حسین بزم اکبرآبادی نے تنیر ہی کی بزمِ شعر سے اکتسابِ فیض کیا ہے۔ مطلب اس تمہید سے یہ ہے کہ فیروزآباد علمی اور شاعرانہ حیثیت سے ایک غنیمت مقام ہے جو انحطاط [illegible] وہاں پایا جاتا ہے وہ خصوصی نہیں بلکہ عمومی ہے جیسا کہ تمام ہندوستان اور خصوصاً مراکزِ ادب دہلی لکھنؤ اور آگرہ میں پایا جاتا ہے۔

نعیم صاحب نے اردو فارسی اور دینی تعلیم فیروزآباد میں حاصل کی اور اردو، فارسی، ہندی سنسکرت اور طریقِ تعلیم کے امتحانات الہ آباد یونیورسٹی سے پاس کئے آپ بڑے علم دوست نوجوان ہیں کسی وقت اپنی ترقیٔ تعلیم کے خیال سے خالی نہیں رہتے۔ اور آج کل انگریزی زبان سے بھی استفادہ کر رہے ہیں۔

تکمیلِ تعلیم کے بعد آپ ٹیچرس ٹریننگ اسکول متھرا کر [illegible] آگرہ میں طریقِ تعلیم کے ماسٹر رہے۔ آج کل [illegible] آگرہ مڈل اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں اور سیماب لٹریری سوسائٹی آگرہ کے سکریٹری بھی ہیں۔

سالِ گزشتہ جولائی ۱۹۳۴ء میں آپ کی شادی قصبہ جلیسر ضلع ایٹہ میں سید معشوق علی صاحب گورنمنٹ پنشنر کے یہاں ہوئی ہے۔

آپ کو ابتدا ہی سے شعر و شاعری سے بطورِ خاص ذوق ہے ابتدا میں آپ نے اپنے برادرِ محترم منشی قمرالدین صاحب قمر سے مشورۂ سخن کیا پھر ۱۹۳۱ء میں آپ نے حضرت علامہ مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ سے باقاعدہ شرفِ تلمذ حاصل کر لیا۔

نعیم صاحب ان نوجوانوں میں سے ہیں جن پر ترقی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور جو اپنی تیز گامی سے منزل کے حائلات کو ٹھکراتے ہوئے آگے نکلے چلے جا رہے ہیں۔ میں نعیم صاحب کے کلام اور معیار پر اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھ سکتا۔ وہ زمانہ قریب ہے کہ آپ ادبی دنیا میں چمکنے لگیں گے۔ نعیم صاحب میں چند خصوصیات جو میرے مطالعہ میں آ چکی ہیں وہ بھی ہیں۔ اُن کا خلوص، سیرت کی نیکی، طرزِ گفتگو اور

www.taemeernews.com

بغیر مدد مشکل سے مشکل کام پر آمادہ ہو جانا ہر شخص کو گرویدہ کر لیتا ہے۔
نظم و نثر دونوں میں آپ کو عبور حاصل ہے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا کلام چھپنے والا ہے۔

نمونۂ تغزل

کیا ہماری ابتلا میں سنگ و آہن تھے کہ یہ   کیوں زمیں کو دوش پہ اتنی گراں ہو زندگی

حسن کو طاری یہ مجبور کیا تھا جس نے   بھول سکتی نہیں تاریخ محبت مجھ کو

ستاروں میں بھر لیا درکشتی سرمۂ اکلیر   مری آنسو کی بوندیں پانی ہی نہ تھا آسماں نکلیں
فریب حسن کی گہرائیاں کیا تھیں معاذ اللہ   وہیں پہ جذب ہو کر رہ گئیں نظریں جہاں نکلیں
نسیم اپنے مذاقِ دید کی تکمیل ہو جاتی   یہ نظریں کیوں ہماری اور ادھر سے ہی نکلیں

دل کی بھی تعمیر تخریب سے   خود آسا جسم ہستی میں تجلی ریز ہے
ہو گئی ہے کیا اسی میں جذب تابانی تری   یہ سوادِ صبح گلشن کیوں تبسم ریز ہے
جنبشوں میں آ گئی بام و در کونین تک
ہستی انساں نسیم زار فتنہ خیز ہے
اہلِ زنداں کی یہ زنداں میں کوئی تو یادگار   خونِ دل سے لفظ آزادی ہی لکھ جایا کریں

جب نہ نکلیں شامِ غم تارے تو پھر کیا کیجئے   اپنے دل کے داغ ہی تا صبح دیکھا کیجئے
اُن کی دزدیدہ نگاہی کا اثر کیا پوچھئے   ہر نظر کی ہے یہی حسرت کہ دیکھا کیجئے

یہ شعریت یہ کیف اور یہ حسن کوئی معاذ اللہ   مرصع اک غزل تیری نظر معلوم ہوتی ہے
یہیں دل کی روشنی ہے جب نظر سے کام لیتا ہوں   تو وسعت دو جہاں کی مختصر معلوم ہوتی ہے

مرا نصیب نہ آئے اگر قرار تجھے   کوئی کرے بھی تو آسودۂ بہار مجھے
روا ہے لالہ و گل میں عیب گری بھی اگیا   مذاقِ سیرِ نظر پہ ہے اختیار مجھے
مسل کے پھینک دیئے میں نے پھول گلشن کے   تری نظر سے جو آئی نظر بہار مجھے

اگر وہ حسنِ معنی ذوقِ نیاز آشنا ہوتا   تو پھر کیوں آدمی کو بھیس میں چھپنا آتا ہوتا

جو ذرّے خاک کے تو کبھی یا میں ملکر ہی نور   انہیں ذرات میں ہم ارتقاءِ دل سمجھتے ہیں
جو گرداب فنا میں تجھ کو ڈوبا دو تو پھر ہے   جو ڈالے تیرے تو دل ہے ہم اسی کو دل سمجھتے ہیں

درحقیقت سے تھے وہی لمحات موت   یاد تیری جو خالی رہ گئے
اٹھ نہ سکتا تھا بیاباں سے جو جسم   دل کے ذرّات پریشاں رہ گئے

کیا کرے گی برق بھی جستجو میری طرح   ہو تو لے بیتاب آرزو میری طرح
کیوں نہ اس کو انس میری آبلہ پائی سے ہو   خار بھی ہیں ذوقِ نیاز رنگ و بو میری طرح
رازِ فطرت سننے والا کوئی پیدا ہی نہیں   ورنہ تارے بھی ہیں گرم گفتگو میری طرح
آستانِ عرش پہ پہنچیں گے سجدے کس لئے   خونِ دل سے دیکھ لو کر کے وضو میری طرح

جو بہار ہے تو ہوا کر رہی ہے چمن میں کیا اترا کے   اٹھے اور آئینہ کی نظر جو اسے جلوہ یار ہے
اے کارواں کی خبر نہیں کہ گل کو ہوئی گرد   یہ نسیم راہ کی ہے جو ابھی گرد و غبار ہے

شاید کبھی وہ ایسی جلوہ گری کر جائیں   تاریکی کچھ کم ہو ہم اپنا دل بنا لیں
ویسے ہی ہے پھر بھی طاری ہم شور کیوں مچائیں   جل جائے ساز سے خاموش گیت گائیں
نکلے نہ چاند تارے تاریک ہے شبِ غم   اب داغِ دل کی جگنو سے بزم سجائیں

نمونۂ نظم

کسان

ہل چلائیں گی تری کھیتوں میں اک دن نہریں
سر رکھیں گے آکے تیرے پاؤں پر سرمایہ دار
اس طرح ہو جائیگا اک روز مقبول انام
گنج جو آتا ہے ہو گا کل وہی تیرا غلام
ایک دن رسیگا ہر سطحِ خس دکھانیکی
دن بھر تپا کر دیکھنا اڑی انگیٹھی خاک پر
کھیت کی مینڈوں سے ہوگا آفتابِ طلوع
ساز نغمے سے تری ہوگا ربابِ زر طلوع
انقلابِ آسماں کی دھاک بیٹھا کر رہے
زندگی پھر اس زمیں میں انقلاب آنکر رہے

دیہات کی شام کا ایک منظر

کھل رہے ہیں تازہ تازہ نشاطِ جھرنوں میں کنول
جیسے ہوں کچھ سادہ سادہ شعر شاعر کی غزل
یا تبسم جگنوؤں کا ہو کہیں جلوہ فروش
یا کلیلیں کر رہی ہوں ہوا میں بوئے خوش
مچھلیوں کو آج پانی کی تھی شاید جستجو
گاگریں لیکر جو آئی ہیں کنارِ آبجو
قلب کی وارفتگی کا نور برساتی ہوئی
وہ چلی گھر کی طرف اک برق لہراتی ہوئی
رفتہ رفتہ اس طرح مقصد میں ہو کر کامیاب
سب چلی جائیں گی شاید تا غروبِ آفتاب

جناب حکیم الدین صاحب فہیم انصاری فیروزآبادی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

(ہے نغمۂ درد)
اسی لئے تو یہ ~~نغمہ~~ خوشگوار ہے مجھے
قرار والے ہی کرتے ہیں بیقرار مجھے

(مرا نصیب، نہ آئے اگر قرار)
~~پھر آئے یا کہ نہ آئے ... سازگار~~ ہے مجھے
کوئی کرے بھی تو آسودۂ بہار مجھے

(نظر کرے ہو یہ عالم بھی)
~~یہ ... نہیں عشق~~ سازگار ہے مجھے
بنا رہے ہیں وہ تصویرِ انتظار مجھے

تری تلاش میں آوارۂ بیاباں ہوں
ہر ایک ذرے سے ہے اک حسن ابکار مجھے

(گلشن کے)
مسل کے پھینک دئیے میں نے پھول ~~...~~
تری نظر میں جو آئی نظرِ بہار مجھے

(لگے ہیں، ہو تو تجھے)
حدودِ شوق سے بھی ~~...~~
نظر نہ آئے گا تا حدِ انتظار مجھے

(گئی)
ردائے لالہ و گل میں وہ چھپ گئی تو کیا
مذاقِ سیرِ نظر پہ ہے اختیار مجھے

جب انتظار کا آغاز ہی قیامت ہے
تو کیا دکھائے گا انجامِ انتظار مجھے

فہیم اس نے کیا بے نیازِ عالم سے
سپرد کرکے محبت کے کاروبار مجھے

فدا — پنڈت سری کرشن صاحب پٹیالوی — ۶۸

سری کرشن نام اور فدا تخلص ہے۔ وطنِ اصلی کھوڑانی کلاں ریاست پٹیالہ ہے۔ آپ ۱۷ رجون ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جناب شورام صاحب پولیس کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں۔ فدا صاحب نے ۱۹۲۳ء میں مڈل پاس کیا۔ اور پھر اپنے والد صاحب سے انگریزی کی تعلیم حاصل کی۔ کافی استعداد ہو جانے کے بعد انٹرنس کے امتحان کی تیاری کی۔ امتحان سے چند روز قبل آپ سخت بیمار ہو گئے اس لئے امتحان میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد انگریزی تعلیم کی طرف سے طبیعت اچاٹ سی ہو گئی۔ البتہ مشرقی علوم حاصل کرنے کا شوق رہا۔

آپ نے تعلیم چھوڑتے ہی پولیس میں ملازمت اختیار کر لی۔ دو سال تک یہ ملازمت کی۔ طبیعت کا لگاؤ اس طرف نہ تھا اس لئے محکمہ تعلیم میں مدرس ہو گئے۔ کچھ عرصہ ہائی اسکول سامانیہ میں پڑھاتے رہے بعد ۱۹۳۲ء میں آپ کا تبادلہ مدرسہ شیر پور میں ہو گیا۔ اب راجپورہ میں ہیں۔

۱۹۲۷ء ہی سے آپ کو شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا۔ ان ہی دنوں آپ کو جناب وقار انبالوی سے تعارف حاصل ہوا۔ کچھ عرصہ تک وقار صاحب سے مشورۂ کلام کرتے رہے اور آپ کا کلام پنجاب کے مشہور رسائل۔ ادبی دنیا۔ شاہکار۔ پرتاپ۔ ملاپ۔ راجپوت گزٹ۔ بھارت ماتا۔ زندگی۔ علم و عمل وغیرہ اخبار و رسائل میں چھپتا رہا۔ مزید ترقی کے خیال سے آپ کو ایک کامل استاد کی ضرورت تھی۔ لیکن انتخاب میں آپ مجبور تھے کہ کس سے کام لینا چاہئے۔ چنانچہ عرصہ تک آپ نے حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی، ڈاکٹر سر محمد اقبال، حضرت نوح ناروی۔ اور حضرت جوش ملسیانی کے کلام کا مطالعہ کیا۔ اور ہر چہار حضرات کے طرز و اسلوب و اصلاح پر غور کیا اور ایک اٹل فیصلہ کے بعد ۱۹۳۲ء میں حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ کی خدمت میں اپنی درخواست شاگردی پیش کی جو منظور ہوئی چنانچہ بذریعۂ خط و کتابت یہ سلسلہ جاری ہے۔

آپ حضرت قبلہ مولانا کے فیضِ سخن اور اپنے برادرِ عزیز بابو جانکی رام صاحب بی اے ایل ایل بی کی اعانت سے اپنا کلام "مے عرفان" کے نام سے منظرِ عام پر لانے والے ہیں۔ اردو غزل کے علاوہ ہندی گیت بھی لکھتے ہیں۔ آپ غزل شور و شغب میں بھی کہہ لیتے ہیں لیکن نظم کے لئے تنہائی اور سکون کی ضرورت ہوتی ہے۔

نمونۂ تغزل

سنو ہم رات دن ہیں مراول تری بغیر	بیراؤ ہائے عشق ہیں باطل تری بغیر
دیوار و در اداس ہیں شمعیں بھی ہیں خموش	ہے سرو آج گرمیٔ محفل تری بغیر
ایسا کوئی جہان میں آتا نہیں نظر	آساں کرے جو عقدۂ مشکل تری بغیر
ہر دم فریبِ عصمت سی کھاتی ہیں دل کو تو	یہ دل اک عذاب ہے نازِ دل تری بغیر
پھر لب ہیں سیکڑوں لئی نغمہ نواز آ	سونی پڑی ہے عشق کی محفل تری بغیر
تاروں کی چھاؤں میں وہ تری ہم خرامیاں	اب کاٹتا ہے دامنِ ساحل تری بغیر

تاریکیٔ دل فدا کا ہے بے نور ہی نگاہ
جینا کٹھن ہوئے مہ کامل تری بغیر

یہ ہوش ہی دکھائی خوبیٔ قسمت جو دی ہم نے	کہ بیٹے نازِ پہ رکھ دی نگاہ تجلی ہم نے
زمانے کی مصیبت مول لی ان کو دل دیکر	خزاں ہی خود بنادی اپنی بہارِ زندگی ہم نے
ہم زمانہ کہتے ہیں ہم ان کی نظر میں لیکن	ہم نظر آئیں گے دنیا ان کی نگاہِ رنگ
کمالِ شوق کا وہ اضطراب نظارہ	جمالِ حسن کا وہ رقص ہے ہے
امیدیں قطع ہوئیں جو صلح کی بابت ہوئے	دیکھیں ہیں بہاریاں
بجلیاں توڑ کر دو اس کا قفس کی صیاد	لطف پرواز کا گئے اگر یاد
رنگ پژمردہ دل افسردہ تمنا خونیں	بن کے تصویر رنج ستم

فدا — فضل الدین صاحب حکیم کرنوی

آپ کا نام فضل الدین اور فدا تخلص ہے۔ ۱۲ فروری ۱۹۱۲ء بمقام کرن ضلع لاہور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو آپ ریلوے میں ملازم ہو گئے چونکہ آپ ذہین اور اپنے کام میں بہت کافی ہوشیار ہیں اس لئے بہت جلد ترقی حاصل کی پہلے آپ کو [illegible] روپیہ تنخواہ ملتی تھی لیکن دسمبر ۱۹۴۹ء سے ایک [illegible] روپیہ الاؤنس اور [illegible] روپیہ تنخواہ ملتی ہے۔ آپ آج کل [illegible] ہیں اس سے قبل گڈس کلرک تھے ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو لاہور سے تبدیل ہو کر آپ دینا نگر گئے اور وہاں ساڑھے پانچ سال تک کام کیا۔ آپ لاہور آ گئے ہیں اور اکثر دورے پر رہتے ہیں۔

دینا نگر کے قیام میں ۱۹۳۲ء سے آپ کو شعر کہنے کا شوق پیدا ہوا۔ وہاں مولوی برکت علی خاں صاحب شمیم مدیر رسالہ "مسلم گوجر" ہیں آپ کے خاص کرم فرما تھے۔ جب آپ نے پہلی غزل کہی شمیم صاحب کو سنائی تو موصوف نے حوصلہ افزائی کی اور شعر کہنے پر آمادہ کیا۔ جون ۱۹۳۵ء تک آپ شمیم صاحب ہی سے اصلاح لیتے رہے۔ چونکہ طبیعت میں یہ جوہر بدرجہ اتم موجود تھا اس لئے اس میں ترقی ہوتی رہی۔ چند غزلیں کہنے کے بعد آپ نے حضرت نوح ناروی کی خدمت میں اپنا کلام برائے اصلاح بھیجا۔ حضرت نوح صاحب نے بھی فدا صاحب کی غزلوں پر نہایت محبت سے اصلاح دی۔ چونکہ طبیعت کا زور روز بروز بڑھتا جا رہا تھا ادھر نوح صاحب کے پاس غزلیں بھی دیر سے واپس ہوتی تھیں اس لئے آپ حضرت دل شاہجہانپوری کی طرف متوجہ ہوئے اور چند غزلیں انہیں بھی دکھائیں۔ دل صاحب نے فدا صاحب کی بہت حوصلہ افزائی کی اور غزلوں کے معیار کو بلند کرنے پر آمادہ کیا۔

جون ۱۹۴۳ء میں حضرت کاظم دہلوی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ کاظم صاحب جدید رنگ تغزل کے پیرو ہیں اور ایک ہونہار نقاد ہیں کاظم صاحب نے فدا صاحب کے کلام میں سے سو شعر منتخب کر کے "خوشۂ پروین" کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد "نغمۂ سرکش" کے نام سے فدا صاحب کی سو رباعیاں بھی شائع کیں جو کافی مقبول ہوئیں کاظم صاحب فدا صاحب کے مخلص دوستوں میں سے ہیں۔ آپ نہ صرف ایک محب صادق ہی ہیں بلکہ اکثر فدا صاحب کے کلام پر اصلاح بھی دیتے رہتے ہیں اور ان کا کلام کہکشاں میں بھی شائع کرتے ہیں اور انتہائی محبت سے پیش آتے ہیں۔ اس اخوت و محبت کا معیار اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ حقیقی بھائیوں میں بھی اس چیز کا ملنا مشکل ہے۔ گو فدا صاحب کا زمانۂ مشق سخن بہت کم ہے لیکن تین حضرات کی اصلاح نے ان میں رفعت اور بلندی کے آثار پیدا کر دئے تھے۔ یہ فطری بات ہے کہ انسان ہر کام بقدر فطرت کرتا ہے۔ اور فطرت جتنا بڑھتا جاتا اتنا ہی ذوق بڑھتا جاتا ہے۔ یہی حال فدا صاحب کا ہوا۔ ذوق شعری کی فراوانی کے ساتھ ساتھ آپ کی تشنگیٔ شوق بھی بڑھتی گئی۔ اب تک جتنے رہبر آپ کو ملے ان میں ہر شخص نے اپنے رنگ میں آپ کو رنگا لیکن آپ منزلِ کمال تک پہونچنے کے لئے برابر مصروف فکر و غور رہے۔ آپ لکھتے ہیں: "حضرت علامہ مولانا سیماب مدظلہ کی بہت شہرت سنی تھی اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ کے یہاں سے ایک رسالہ "شاعر" بھی نکلتا ہے۔ آپ زمانہ بھر میں مانے ہوئے استاد ہیں۔ میں نے اپنی تخیل کو اور بلند کرنے کے لئے بیتاب

www.taemeernews.com

سمجھا کہ ایک ہی طرف رجوع ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے درخواست کی اور مولانا نظم نے اسے شرفِ قبولیت بخشا۔ ۱۴ رمئی ۱۹۴۳ء سے برابر اصلاح لے رہا ہوں۔"

قدا صاحب نے جس نقطۂ نظر کے تحت اصلاح لینی شروع کی تھی الحمدللہ کہ وہ اس میں کامیاب ہیں اور روز بروز ان کا معیار بلند ہوتا جا رہا ہے۔ ایک سال کے محدود زمانہ میں آپ کہیں سے کہیں پہونچ گئے ہیں۔ "نوشتۂ پردہ" اور "نغمۂ سروش" آپ کی تصانیف ہیں۔ جن پر ملک کے شعرا کی آرا بہت حوصلہ افزا ہیں۔ آپ کو تاریخ گوئی میں بھی درک ہے اور تاریخیں خوب نکال لیتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

کیف کیا اس عالمِ ہستی میں ہو حاصل مجھے — یہ نظر آتا ہے صورت خانۂ باطل مجھے
ختم ہوتی ہے جہاں پابندیٔ دیر و حرم — اس جگہ اب لے چلی ہے بیخودیٔ دل مجھے
خاک ہو کر ذرہ ذرہ ہے تجلی آفریں — پھر نظر آنے لگا دل حسن کی محفل مجھے
بحرِ طوفاں خیز کی موجوں کا اندیشہ ہو کیا — جس جگہ میں ڈوب جاؤں ہے وہی ساحل مجھے
ذرہ ذرہ میں نظر آنے لگی تصویرِ دوست — کاش حاصل ہو کبھی ایسی صفائے دل مجھے
ماشاءاللہ تصور کی اثر انگیزیاں — ہر طرف آیا نظر وہ صاحبِ محمل مجھے
اس قدر مجھ کو کسی کے عشق نے بیخود کیا — غم ہے ماضی کا نہ ہے کچھ فکرِ مستقبل مجھے
مل گئیں سب خاک میں شوقِ طلب کی کوششیں — کچھ اثر تو ہی دکھا اے سعیٔ لاحاصل مجھے

کس لئے ہو جستجوئے دیر و حرم کی اے قدا
جلوہ گاہِ یار آتا ہے نظر جب دل مجھے

ماسوا سے کوئی بیگانہ بنے یا نہ بنے — تو میاں ہو کوئی دیوانہ بنے یا نہ بنے
بن گیا ہے حقیقت کی تجلی مجھ کو — عرش میرے لئے کاشانہ بنے یا نہ بنے
نغمہ خواں روح کی مرلی جب آپ ہی ہے — ہر نفس نغمۂ مستانہ بنے یا نہ بنے
جذبۂ ذوقِ طلب جا پہونچا کہاں کوئی — پھر کوئی جانانہ بنے یا نہ بنے
وسعتیں جامئیں نظروں میں ترا دیوانہ — قابلِ کعبہ و بت خانہ بنے یا نہ بنے
انھیں ارمانِ تجلی کی خبر ہو جائے — میری روداد کا افسانہ بنے یا نہ بنے
طلبِ جلوہ گہِ دوست میں آوارہ ہوں — میرا انداز کلیمانہ بنے یا نہ بنے

اے قدا کیفِ حقیقت سے رہوں گا مسرور
دورِ مستی سے دلِ میخانہ بنے یا نہ بنے

حسنِ خلوت نشیں اب تو دکھا جلوہ مجھے — کھو چکی ہے آرزوئے دیدۂ بینا مجھے
اک نظر میں کر دیا دل کو حقیقت آشنا — اللہ اللہ کس ادا سے آپ نے دیکھا مجھے
لے چلی ہے آج کس عالم میں مجھ کو بیخودی — قطرے قطرے میں نظر آتا ہے اک دریا مجھے
حسن کی ہیں دستِ قدرت میں کرم فرمائیاں — کیوں نہ ہو عشرت کدہ معمورۂ دنیا مجھے
حشر میں بھی ہے نگاہِ شوق بے تابِ طلب — ہو کہاں تک انتظارِ وعدۂ فردا مجھے
ہو گیا ہوں میں جدا ہو کے سوزِ گلرخ — ہر نظر پہ ہو رہا ہے اب ترا دھوکا مجھے
الاماں جوشِ جنوں پہ دل کا عالم الاماں — تنگ آتی ہے نظر اب وسعتِ صحرا مجھے

عالمِ ہستی میں ذوقِ بیخودی دے کر قدا
کر دیا ہے عشق نے بیگانۂ دنیا مجھے

رباعیات

ایک ایک نفس نعرۂ منصور ہوا — دنیا سے خودی میں یوں ہی دور ہوا
پردے جو یقین کی آنکھوں سے ہٹے — لاریب کہ دل نورِ علیٰ نور ہوا

بدبختیٔ مسلماں کا ہے تقویٰ بیکار — خیرات میں صدقہ بھی ہے اس کا بیکار
جس کو نہیں تمیزِ حلال اور حرام — بے سود نماز اس کی ہے روزہ بیکار

ہر چند قدا شعبدہ گر ہے دنیا — آزار دہ و درد کا گھر ہے دنیا
لیکن جو رہے سعی و عمل میں کوشاں — اس کے لئے فردوسِ نظر ہے دنیا

دل جلوۂ مستور کی معمور بھی ہے
در اصل یہی شمع بھی ہے طور بھی ہے
اللہ رے اس نور کی ضو ہوئی دل میں فدا
جو نار بھی ہے اور نور بھی ہے

وہ آئیں حیات جاودانی کی طرح
دل میں رہیں راز نہانی کی طرح
باقی ہے ابھی آتش دوئی کی جو فدا
اے کاش یہ رخصت ہو جوانی کی طرح

اک دن یہیں عیش جاوداں دیکھیں گے
ہر سمت سے جلوہ کناں دیکھیں گے
جب اٹھے گا نظروں سے دوئی کا پردہ
ہم طور کو دل میں ضوفشاں دیکھیں گے

آپس میں ہے صلح اور صفائی بھی
مقصد ہے بہرحال جدائی ابھی
جس پہ ہے تجھے ناز وہ نیکی بیکار
جس پر تو خجل ہے وہ برائی اچھا

ہوتا ہے بشر علم و ادب سے قابل
بنتا ہے عمل کرنے سے انسان کامل
اس دہر میں کہتے ہیں شرافت جسکو
ہوتی ہے بلندی نظر سے حاصل

فضل الدین صاحب فدا کھیم کرنوی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی کی اصلاح

کفر کے عرفان سے ایماں چاہیئے
بے نیاز سلطنت ہونے کا ساماں چاہیئے

دولت قارون اب تخت سلیماں چاہیئے
ہم کو بس جلوۂ محبوب یزداں چاہیئے

درحقیقت پیکر خاکی نہیں حق سے جدا
ہاں مگر فہم آشنا ادراک انساں چاہیئے

خاک کر کے زندہ کر برق تجلائے جمال
کچھ نہ کچھ اس دہر کا رنگ نمایاں چاہیئے

پھر فروغ حسن ہو جائے ضیا بار آپ کا
دل کا ذرہ ذرہ رشک مہر تاباں چاہیئے

بخشش عصیاں تو ناممکن نہیں
بات اتنی ہے کہ دل پشیماں چاہیئے

نعرۂ منصور نے دنیا میں ثابت کر دیا
بادۂ عرفاں بقدر ظرف انساں چاہیئے

بزم عرفاں پہ پہنچنا تو کوئی مشکل نہیں
دل میں انساں کی مگر ذوق فراواں چاہیئے

جو سجھے مسعود زاہد خلوت دیر و حرم
اپنی نظروں میں تجلی گاہ جاناں چاہیئے

ذرہ ذرہ دہر کا آئینہ خانہ ہے فدا
لیکن چشم عرفاں چاہیئے

www.taemeernews.com

فضا — مرزا اسلام اللہ صاحب الہ آبادی

آپ کا نام مرزا اسلام اللہ اور فضا تخلص ہے۔ وطن الہ آباد ہے۔ ایک مشہور اور شریف النسل خاندان کے فرد ہیں۔ اس وقت پچیس سال کی عمر ہے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد انگریزی تعلیم حاصل کی۔ علوم مشرقیہ سے بہرہ یاب ہونے کیلئے سنہ ۱۹۳۰ء میں منشی کا امتحان پاس کیا اور کامل کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ آپ کامل کا امتحان دے سکیں چنانچہ بعض مجبوریاں ایسی پیش آئیں کہ آپ امتحان میں شریک نہ ہو سکے گو امتحان میں آپ کو شریک نہ ہونے کا افسوس بہت ہوا لیکن پھر بھی آپ نے ذاتی استعداد بڑھانے کے لئے کتب درسی کا مطالعہ جاری رکھا اور یہ چیز اب آپ کی عادت ثانیہ بن کر رہ گئی ہے۔

شاعری کا شوق آپ کو ابتدا ہی سے ہے۔ جب آپ شاعر نہ تھے اس وقت بھی مقامی اور غیر مقامی مشاعروں میں بہت دلچسپی لیا کرتے تھے سنہ ۱۹۳۲ء میں محمد خلیق صاحب جو کانپور کے باشندے تھے آپ کے چھوٹے بھائیوں کی درس و تدریس کے لئے مقرر کئے گئے چونکہ خلیق صاحب پردیسی تھے اس لئے فضا صاحب ہی کے مکان پر اقامت گزیں تھے۔ حسن اتفاق سے وہ شاعر بھی نکلے ان کی صحبت میں فضا صاحب کو شاعری کا شوق ہوا۔ کچھ دنوں خلیق صاحب نے آپ کی غزلوں پر اصلاح کی لیکن جب آپ خوب شعر کہنے لگے تو خلیق صاحب نے کسی صاحب فن کی طرف رجوع ہونے کی رائے دی۔

فضا صاحب سب سے پہلے اپنی غزل حضرت نوح ناروی کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے جو الہ آباد کے نواح میں بہت مشہور ہیں۔ بہت اصرار اور جد و کد کے بعد اصلاح کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

مئی ۱۹۳۳ء میں آپ نے چند رباعیاں مختلف عنوانات پر کہیں جس میں کچھ موضوعات ہستی پر بھی تھیں۔ حضرت نوح نے اصلاح دینے کے بعد حاشیہ پر حسب ذیل الفاظ لکھ دئے۔

"تم نے بھی بسمل پر ہاتھ صاف کیا ہے، رباعیاں ان کی خوب ہیں اور یہ اُن کا منہ چڑھانا ہے"

اس تحریر سے فضا صاحب کے دل پر ایک زبردست ٹھیس لگی۔ کیونکہ اُن کا مقصد مقابلہ کرنا یا ان رباعیوں کا چربہ اتارنا نہ تھا۔ شاعری میں اس کی قید نہیں ہوتی کہ جس قافیہ ردیف میں ایک نے لکھا دوسرا نہ لکھے۔ اکثر طرحی مشاعروں میں اساتذہ کی غزلوں پر بھی غزلیں کہی جاتی ہیں۔ چونکہ بسمل صاحب حضرت نوح ناروی کے عزیز ترین شاگردوں میں ہیں اس لئے جناب موصوف کو یہ بات ناگوار گذری۔

اس واقعہ کے بعد سے فضا صاحب نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ شاعری ترک کر دیں گے لیکن کہیں یہ جوش رکنے والا ہوتا ہے آخر جذبات سے مجبور ہوئے اور کچھ عرصے کے بعد پھر شعر کہنے لگے۔ چونکہ ابھی آپ نے بہت کم استفادہ کیا تھا اس لئے بہر طور آپ کو استاد کامل کی ضرورت تھی۔ اس مرتبہ آپ نے مختلف اساتذہ کے پاس اپنا کلام برائے اصلاح بھیجا۔ دو بزرگوں کو چھوڑ کر باقی تمام استادانِ وقت نے ہمت افزائی کے خطوط بھیجے اور ہر طرح آپ کی خامیوں کو دور کرنے کا وعدہ فرمایا ان تمام اصلاح شدہ غزلوں میں آپ کو حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی کی اصلاح بہت پسند آئی اور ۱۲ ستمبر ۱۹۳۵ء کو آپ باقاعدہ اُن کے شاگرد ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک یہ سلسلہ بالالتزام جاری ہے۔ آپ نظم بالکل نہیں کہتے

لیکن کاوامروز کے سعدی کے مطالعہ نے آپ پر جادو کا کام کیا اور مشعل ہدایت ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ نظمیں ہی کہنے لگے۔ اس کے بعد ہی دیوان حکیم مومن بھی آپ پڑھ سکا جس نے آپ کے جذبات میں بجلیاں بھر دیں۔ اصلاح کے فیض اور مولانا کی تصانیف کے مطالعہ سے آپ کے رنگ شاعری میں بہت جلد اور نمایاں ترقی ہو گئی۔ آپ جو کچھ کہتے ہیں بہت خوب کہتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

یہ حسن کا اعجاز یہ جلووں کا اثر ہے — خود اپنی ہی صورت پہ فدا آئینہ گر ہے
وحشی ترے در چھوڑ کے مر جاؤں میں کیونکر — صحرائے جنوں میں کوئی دیوار نہ در ہے
یہ بیخودی جوش ہے میں دیر میں جا کر — کہتا ہوں بتوں سے کہ یہ اللہ کا گھر ہے

قید ہستی توڑنے کو ہے کوئی وحشت زدہ — بیڑی ہے اب جدا اک کوئی زنجیر ہے
جلد سے دامن بچا کر گو مری تربت سے تم — بچ نہیں سکتے جو پھر بھی خاک دامنگیر ہے

بانیٔ دست قدرت نے جب تصویر کھینچی — کسی کا حسن کہتا ہے مجھے دیکھا کرے کوئی
نظر میں ہے تماشا بن کے ہستی ہو بہو ذرہ — تماشا گاہ دو عالم میں تماشا کیا کرے کوئی

جب آنکھ اٹھاتا ہوں کوئی مد نظر ہو — تاثیر نظر ہے کہ تصور کا اثر ہے
اک منظر دید کی یہ اس ترے دیکھو — دم بھر تو نہ یہ آنکھ کہ گرداب نظر ہے
وحشت کا یہ عالم ہے کہ صحرا میں جو در در — میں پوچھ رہا ہوں کہ مرا خانہ کدھر ہے

کچھ قفس کی کام آئیں بجلیاں کچھ گر گئیں — ہم نے جو تنکے رکھے تھے جو نشیمن کیلئے
وہ جفا بھی کر نہیں سکتے بہ انداز جفا — سادگی کتنی ضروری ہے حسین کیلئے

کبھی بے پردہ اگر جلوۂ جاناں ہو جائے — نگہ شوق کی حیرت ہی نگہباں ہو جائے
اس سے کیا پوچھتا ہوں حال جو بیمار ہو بیٹھا — فصل گل آتے ہی یہ داخل زنداں ہو جائے
جب چھپے دل میں ہی کبھی تیر پیکان نظر — کبھی تیر و پیوست رگ جاں ہو جائے

کافر بنائیے نہ مسلماں بنائیے — اب مصلحت یہی ہے کہ انساں بنائیے
دونوں طرح سے اپنے لہو کی بلا جاں — بکھرائیے کہ زلف پریشاں بنائیے

کہا قاصد نے سب کچھ پھر بھی ناکامی ہوئی اس کو
زبان غیر سے ہوتی ادا کیا داستاں میری
الٰہی کیا ہوا انجام اس گم کردہ منزل کا
جسے یہ بھی نہ تھا معلوم منزل ہے کہاں میری

وہ سر بزم مری جان لیے لیتے ہیں — جو یہ سمجھوں کہ یہ انداز مسیحائی ہے
اللہ اللہ ستم ایجاد ترا عہد شباب — جو ادا آئی ہے پیغام قضا لائی ہے
واہ کیا ضد ہے کہ اپنی ہی کہے جاتے ہیں — آئینہ دیکھ کے بھی دعویٔ یکتائی ہے

نہ تھی نگاہ کی ہمت اگر تو وقت سوال — کلیم تا ابد امکاں ہی آرزو کرتے
وہ رعب حسن کا عالم ارے معاذ اللہ — رہا نہ ہوش کہ ہم ان سے گفتگو کرتے

نمونۂ نثر

عورتوں کی تعلیم

مسلمان اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے جب تک ان کی عورتیں تعلیم حاصل نہ کریں کیونکہ بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے اور پرورش میں باپ سے زیادہ ماں کو دخل رہتا ہے فی زمانہ نوے فی صدی مائیں جاہل ہوتی ہیں اس لئے جہالت کیا تعجب ساتھ ان میں بزدلی اور

اوہام پرستی وغیرہ کا ہونا لازمی ہے اور بچے پر ابتدا ہی سے ماں کی عادتوں کا اثر پڑنے [illegible] باتیں اس وقت سیکھتا ہے پھر آخر وقت تک اس کے [illegible] نہیں ہوتیں اس لئے وہ جوان ہو کر بھی بزدل اور جاہل رہ جاتا ہے بلند خیالات اس کے دماغ میں نہیں آنے پاتے اور اس کی طبیعت ہمیشہ پستی کی طرف مائل رہتی ہے۔

اسلام نے مردوں اور عورتوں پر تحصیل علم کو فرض قرار دیا ہے لیکن علمائے سو تعلیم نسواں کے سخت مخالف ہیں اور وہ زیادہ تر اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ مرد بھی اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کر سکیں ہمارے یہ نام نہاد مولوی اسلام اور مسلمان دونوں کے سخت دشمن ہیں ان کو ہر قدم پر اس بات کا خوف ہے کہ اگر مسلمان صحیح معنوں میں اسلامی تعلیم سے واقف ہو گئے تو ہم کو مفت میں روزانہ قورمے پلاؤ کس کے یہاں کھانے کو ملیں گے نذر و نیاز کی بے تعداد رقم کہاں سے ہاتھ آئے گی اس لئے وہ ہر اس بات کو جس میں اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کا فائدہ ہو قطعی حرام بتاتے ہیں اور ہر ایسے شخص کو جو کسی اچھی اور مفید تحریک کا بانی ہو کافر مرتد وغیرہ کہتے ہیں اور اس کو ہر طرح ذلیل و خوار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے خلاف عوام میں جذبۂ نفرت پھیلاتے رہتے ہیں مثال کے طور پر سر سید احمد خاں بانیٔ علی گڈھ کالج کو لیجئے۔ جس وقت کہ آپ نے انگریزی تعلیم کے متعلق اپنے خیال کا اظہار فرمایا تو ہر چہار طرف سے علمائے سو نے ان پر کفر کی مشین گن چلانی شروع کر دی۔ لیکن سر سید نے بھی نہایت مستقل مزاجی سے ان کفر سازوں کا مقابلہ کیا اور نہایت استقلال سے اپنے کام میں منہمک رہے آج آپ جو کو مسلمان تعلیم یافتہ نظر آتے ہیں یہ سر سید احمد خاں کی کوششوں کا نتیجہ ہے ورنہ علمائے سو نے اپنی طرف سے مخالفت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان جاہل اور دشمن اسلام مولویوں کو چلا نے دیا جائے اور عوام خود اپنی لڑکیوں کی تعلیم کا بندوبست کریں۔ اگر وہ اسکول میں تعلیم دلانا پسند نہیں کرتے تو خود اپنے گھروں میں ہی اسلامی تعلیم دیں جو کہ موجودہ توہمات سے پاک رہے تاکہ آئندہ [illegible] نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان ہوں۔ اور ملک و قوم کی خدمت کر سکیں۔

اگر آپ اسلامی تاریخوں کا معائنہ کریں گے تو آپ کو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ اسلام میں کیسی کیسی صاحب کمال ہستیاں گذر چکی ہیں جن پر اسلام کو آج تک فخر و ناز ہے۔ یہ وہ مسلمان عورتیں تھیں جنہوں نے علما کی طرح فتوے بھی دیئے اور جہاد میں ایک سپاہی کے فرائض بھی ادا کئے یہ وہ عورتیں تھیں جو کہ جہاد میں مردوں کے حوصلے بڑھاتی تھیں اور اگر مرد پیچھے ہٹنے کا قصد کرتے تو انھیں غیرت دلا کر آگے بڑھاتیں۔ وہ اگر ایک طرف زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں تو دوسری طرف شوہر اور بچوں کی بھی خدمت کرتی تھیں [illegible] جن کے فرزندوں نے شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک اسلام کا ڈنکا بجایا وہ صرف خدائے واحد سے ڈرتے تھے اور اسلام کی سچی تعلیم پر عمل کرتے تھے جس کا نصب العین انسانوں کو دوسروں کی غلامی سے آزاد کرنا ہے۔

مرزا اسلام اللہ بیگ صاحب فضا کی غزل بہ اتباع حضرت مولانا [illegible]

مشاہدات
لطف بینت جہاں کا اک آئینہ ہوں میں ... دل کو حیرت دیکھتا ہوں میں
دیار دوست سے آگے نکل گیا ہوں میں خبر نہیں مجھے اب کس کو ڈھونڈتا ہوں میں
اب احتیاج نہیں مجھ کو خضر منزل کی خود اپنی راہ محبت کا رہنما ہوں میں
بلند
ہے کہکشاں کہ بلند پرواز میری فکر رسا ہزار بار فلک سے گذر چکا ہوں میں
[illegible]
الست کی ہو صدا یا کہ ہو اذاں کی گمان ہے [illegible] گوش آشنا ہوں میں
[illegible]
ہر ایک چیز نظر آتی ہے خوب لطف اگر قریب سے دنیا کو دیکھتا ہوں میں

نہیں ہے بحر محبت میں خوف طغیانی
کہ اپنی کشتئ الفت کا ناخدا ہوں میں

فکری — عبدالستار خاں صاحب یوسف زئی

آپ کا نام عبدالستار خاں یوسف زئی اور فکری تخلص ہے۔ آپ کے اجداد کا وطن رام پور تھا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں بیاور (دنیا نگر) میں سکونت اختیار کی جسے کرنل ڈکسن نے بسایا تھا۔ اس کے بعد آپ کے دادا صاحب مرحوم نے کچھ عرصہ ریاست جودھپور میں ملازمت کی لیکن مستعفی ہو کر بیاور ہی کو مستقل قیام گاہ بنا لیا حتیٰ کہ یہیں وفات پائی۔ آپ کے والد محترم امانت علی خاں صاحب بیاور ہی میں پیدا ہوئے یہیں تعلیم و تربیت ہوئی اور ختم تعلیم کے بعد ۱۹۰۸ء میں بی بی اینڈ سی آئی ریلوے میں ہیڈ ٹکٹ کلکٹری کا عہدہ مستقل طور پر مل گیا۔ جس کی وجہ سے مختلف مقامات پر تبادلہ ہوتا رہا لیکن زیادہ عرصہ آبو روڈ میں گذرا جہاں ۵ جولائی ۱۹۱۶ء کو فکری صاحب کی ولادت ہوئی۔ سن شعور کو پہونچنے کے بعد آپ آبو کے [illegible] ہائی اسکول میں تعلیم پانے لگے۔ ابھی آٹھویں جماعت کے امتحان میں کامیاب ہوئے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار ۱۹۳۱ء میں ملازمت سے سبکدوش ہو گئے اس لئے آپ کو بیاور آنا پڑا چونکہ اب یہی وطن ہو چکا تھا۔ اسی زمانے میں بیاور میں مشن ہائی اسکول قریباً ٹوٹ چکا تھا جسے مولوی معین الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایڈوکیٹ سب جج بہادر نے جو اس زمانے میں یہاں وکالت کرتے تھے، حسن خوبی سے لیکر از سر نو زندہ کیا اور شہید ملت بلبل حریت حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ کی یادگار میں انہیں کے اسم گرامی کے ساتھ منسوب کر کے محمد علی میموریل ہائی اسکول بیاور قائم کیا۔ اسلامی اسکول ہونے کی وجہ سے آپ کو بھی اسی میں داخل کرا دیا گیا جہاں سے آپ نے ۱۹۳۴ء میں دوسرے ڈویژن میں میٹرک (دسویں جماعت) کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ دوران تعلیم میں آپ نے مختلف انعامات حاصل کئے۔ بیاور میں نویں اور دسویں جماعت میں انجمن خیابان اردو قائم کردہ مولانا نورالدین صاحب انور بھوپالی کا طلباء کی جانب سے آپ ہی کو سکریٹری بنایا گیا اور انگریزی میں بھی سکریٹری کا عہدہ آپ ہی کو دیا گیا۔ ایک سوشل کمیٹی کے بھی آپ ہی سکریٹری تھے جس کا کام آپ نے نہایت مستعدی و دیانت داری سے انجام دیا۔ اور اس کے معاوضہ میں آپ کو اسکول کی طرف سے ایک سند بھی عطا ہوئی آپ کو شاعری کا ذوق بچپن سے تھا مگر اب تک ایسا کوئی استاد نہیں ملا تھا جس سے اصلاح لیتے اس وجہ سے مشاعروں میں غزل پڑھتے ہوئے آپ کو ایک جھجک سی محسوس ہوتی تھی۔ جب بیاور آئے تو یہاں مشاعرے اور جلسے ہوتے دیکھے اور شعر و شاعری کا بھی کافی شوق لوگوں میں پایا۔ خصوصاً مولانا انور صاحب سیمابی بھوپالی اور ان کی قائم کردہ انجمن خیابان اردو کی سرگرمیاں بڑے زوروں پر تھیں لہذا شاعری کا ذوق پھر تازہ ہو گیا اور اب آپ کو ایسے استاد کی تلاش تھی جس سے اصلاح لی جائے۔ مولانا انور صاحب بھوپالی جو آپ کے ہیڈ مولوی تھے اس فن میں ماہر تھے اس لئے آپ نے اپنی غزلیں ان کے سامنے بغرض اصلاح پیش کیں چنانچہ انور صاحب نے آپ کی غزلیات دیکھ کر آپ کی ہمت افزائی فرمائی اور آپ انہیں سے اصلاح لینے لگے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج میں داخل ہوئے لیکن چند امور ایسے حائل ہوئے جن کی بنا پر کالج کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ اسی دوران میں آپ نے مولانا انور صاحب سے علم عروض و دیگر کی کتابیں بھی پڑھیں اور اپنی ذہنی تربیت کی۔ فارسی کی تکمیل کے

عربی بھی انور صاحب ہی سے پڑھی۔

چونکہ آپ کا شعری مذاق بہت بلند ہو چکا تھا اور آپ کے اشعار اس قابل ہو گئے تھے کہ ان میں ذرا سی تبدیلی سے جان پڑ جائے اس لیے کسی کامل الفن کی ضرورت ہوئی چنانچہ آپ مولانا انور صاحب بھوپالی کی ترغیب و توسل سے جو خود حضرت مولانا سیماب صاحب مدظلہٗ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، مولانا کی طرف رجوع ہوئے اور یکم ستمبر ۱۹۳۲ء کو باقاعدہ شاگرد ہو گئے۔

فکری صاحب کے کلام میں ندرت، موسیقی اور روانی حد درجہ پائی جاتی ہے۔ وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ آپ ملک میں نام پیدا کریں گے۔

نمونۂ تغزل

جانِ فکری یہ کیا کیا تو نے — مجھ کو دل سے بھلا دیا تو نے
جب سے جلوہ دکھا دیا تو نے — مجھے مجذوب بنا دیا تو نے
نگہِ لطف کے تبسم سے — مجھ کو جینا سکھا دیا تو نے
اپنی کافر حسین آنکھوں سے — سل کو اب دل بنا دیا تو نے
مجھ سے کافر کو کافر آنکھوں سے — پھر مسلماں بنا دیا تو نے
میرے غم خانۂ تصور کو — آج پھر جگمگا دیا تو نے
میں وہی خانہ زادِ الفت ہوں — مجھے اتنا بھلا دیا تو نے
ایک نظارہ سوزِ جلوے کو — سر سے پا تک جلا دیا تو نے
دل ابھی ہوش میں نہ آیا تھا — پھر تڑپنا سکھا دیا تو نے
یہ بھی انداز تھا کوئی آخر — مسکرا کر مٹا دیا تو نے
طیش میں جو نکل گیا منہ سے — وہی کر کے دکھا دیا تو نے

آنکھوں آنکھوں میں آج او فکری
حالِ دل سب بتا دیا تو نے

سنا مغنیہ! کوئی حسین راگ ناز سے — جگر میں بھر دے بجلیاں نوائے دلگداز سے
تھا پتہ پتہ رقص میں تھا ذرہ ذرہ وجد میں — یہ حال تھا تری کشش خرامِ ناز سے
شراب و رنگ در فزا وہ سماں وہ فضا — فسردگی سی چھا گئی ترے سکوتِ ساز سے
ادھر یہ خستہ جانیاں کہ زندگی وبال ہے — ادھر وہ فتنہ خیزیاں تری خرامِ ناز سے
مری حسین کافرہ! تجھے بھی اس کا علم ہے — کہ اک غریب مر مٹا تری خرامِ ناز سے

نہ چھیڑ اس کو ناصحا! کہ فکری نزار کا
نہیں ہے ان سے ربط و ضبط بے سبب دراز سے

عیش کر لو ابھی جوانی ہے — چار دن کی یہ زندگانی ہے
ہم سے ایسی ہوئی ہے کیا تقصیر — کیوں یہ اس درجہ سرگرانی ہے
دست مجھ کو رحم کر ظالم! — جانتا ہوں تری جوانی ہے
سن لے اور مسکرائے جا — دل مجروح کی کہانی ہے
خلش درد دل میں باقی — ہے یہی اک تری نشانی ہے
ناامیدی کا دور ختم ہوا — اب فقط عیش جاودانی ہے
جیسے بربط کوئی ساز ہو — چشم بد دور کیا جوانی ہے
مجھ کو دیکھا تو پھیر لیں نظریں — یہ بھی اک طرزِ مہربانی ہے
سو اب سن کے کیا کرو گی تم — یہ مری دکھ بھری کہانی ہے

میں کہاں قابلِ کرم فکری
یہ فقط اُن کی مہربانی ہے

عشق جب بے نقاب ہوتا ہے — آپ اپنا جواب ہوتا ہے
ذکر پہ میرے ہو گئے خاموش — یوں بھی ان کا عتاب ہوتا ہے
دل محبت میں دل نہیں ہوتا — اک آفتاب ہوتا ہے
ہم ادھر رات بھر تڑپتے ہیں — حسن ادھر محوِ خواب ہوتا ہے
جس کو دل بھی سمجھ نہیں سکتا — کبھی وہ اضطراب ہوتا ہے
حسن کا اضطراب ایسی توبہ — عشق جب کامیاب ہوتا ہے
خیر کیسا تھا آج فکری بھی — بزم میں باریاب ہوتا ہے

تلاشِ دوست کا انجام جانتا ہوں میں — ابھی سے ذوقِ تجسس میں کھو چلا ہوں میں

۱. اپنے آپ کو ہر شے میں دیکھتا ہوں میں — تعینات کے پردے اٹھا چکا ہوں میں

شبابِ حسن و بہارِ شباب یا اللہ — بس اک نگاہ سراپا بنا ہوا ہوں میں

تمام روح کھنچ آئی ہے دونوں آنکھوں تک — یہ کون سامنے ہے کس کو دیکھتا ہوں میں

میں اپنی کیفیت و مستی کہ اپنی کیفیت میں گم — کسی کے کیفِ جوانی کو پا رہا ہوں میں

سراغِ عمرِ ابد کا تو خیر ذکر ہی کیا — اب دہر میں تصویرِ نقشِ پا ہوں میں

حیاتِ عشق کی ناکام چند لمحوں کو — تمام عمر کا حاصل سمجھ رہا ہوں میں

تو اور مجھ کو جلائے جلی ہوئی تپِ غم — تجھے خبر بھی ہے پروردۂ فنا ہوں میں

۱. آج دردِ محبت کو رو دوں کیا فکری
ازل سے قیدِ محبت میں مبتلا ہوں میں

نمونۂ نثر

"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا"

غالباً آپ کو معلوم ہو گا کہ موسمِ سرما کی غیر شعوری کیفیت ختم ہو جانے کے بعد ہلکی ہلکی سردی اور گرمی کی امتزاجی کیفیت کے توازنِ صحیح سے جو موسم رونما ہوتا ہے اسے "بسنت" کہتے ہیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ یہ کافر موسم اپنے اندر کتنے جذبات، کس قدر احساسات اور کس درجہ کیفیات پنہاں رکھتا ہے۔ گلاب کی ایک پنکھڑی سے دوسری پنکھڑی پر جب شبنم کا ساز بجتا ہے غالباً آپ نے دیکھا ہو گا۔ بس بالکل اسی قسم کا ایک سہانا سماں اور شفقِ شام پہ چھایا ہوا تھا۔ میں حسبِ معمول تالاب کے ساحل پر پانی میں پاؤں لٹکائے ہوئے ایک چٹان پر بیٹھا ... اپنے پہلو میں ایک ہمیشہ بے چین رہنے والے شعلۂ بالیدہ کو اسی موسم کی آتشِ سیال سے ملتہب کرنے میں مستغرق تھا۔ ہلکی ہلکی خنک ہوا سطحِ آب پر موجوں کی زنجیروں کا کمزور و نازک جال بنا بنا کر بگاڑ رہی تھی۔ میری روح پر ایک عجیب نوع کا غیر معلوم احساس مستولی تھا جس کی تعبیر میں غالباً خوشی و رنج اور رنج و خوشی کا اختلاط پنہاں تھا۔ نہیں معلوم ایک شیریں آہنگ سادھو میرے قریب ہی برگد کے درخت کے نیچے کب سے اسی فضا کی دلربا کیفیات کو اپنے اندر جذب کرنے میں منہمک تھا اور غالباً مجھے اس کا احساس بھی نہ ہوتا اگر وہ اپنے ستار کے نہایت شیریں گھونگھروؤں کی طرح نرم و نازک نغمات سے میری توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرتا۔ مجھے بالکل احساس نہیں ہوا کہ میں کس وقت اپنی جگہ چھوڑ کر سادھو کے پاس جا بیٹھا اور غالباً میں یہ بھی نہ بتا سکوں گا کہ ناگنوں کی طرح بل کھانے والی بجلیوں کی طرح لہرانے والی اور موجوں کی طرح کروٹیں بدلنے والی راگنی کی پھیلی آوازیں اور ساز کی آواز میں کوئی امتیاز تھا لیکن اس میں کلام نہیں کہ اس کی ہر تان میرے دل و جگر کے ساتھ وہی سلوک کرتی تھی جو بجلیاں خرمن کے ساتھ کیا کرتی ہیں۔ آہ ......! وہ اس کی آواز کا زیر و بم ......! ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میری روح تحلیل ہو کر اسی بحرِ نغمات میں بہہ جائے گی۔

جناب عبدالستار خاں صاحب فکری کی نظم پر حضرت مولانا سیماب کی اصلاح

"کسی کی یاد"

وہ کسی کا دل چرانا یاد ہے — دل چرا کر بھول جانا یاد ہے

دیکھتے ہی سر جھکانا یاد ہے — سر جھکا کر مسکرانا یاد ہے

التجائے وصل پر تمکینِ ناز — ان کا وہ تیور چڑھانا یاد ہے

مجھ کو روتے دیکھ کر وہ چھپ کے — جاتے جاتے ٹھہر جانا یاد ہے

[illegible] — کنجِ گل میں چھپ کے بیٹھا یاد ہے

ابتدائے عشق ... فکری — وہ کسی سے دل لگانا یاد ہے

ان نشیلی انکھڑیوں کی یاد میں — بیخودی سی چھائی جانا یاد ہے

اب کہاں فکری وہ رنگیں صحبتیں
چپکے چپکے روئے جانا یاد ہے

قاتل — سید شاہ محمد احمد صدیق لکھنوی (۷۲)

آپ کا لقب میر۔ اسم گرامی محمد احمد صدیق۔ کنیت ابوالقاسم۔ خطاب سیف الکلام۔ اور تخلص قاتل ہے۔ نسب سید ہے۔ سلسلۂ حسب حضرت غوث الثقلین سیدنا محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ مشرب چشتیہ۔ نسبت ابوالعلائیہ۔ جہانگیریہ۔ بیعت شکوریہ ہے۔ تاریخ پیدائش ۱۱ر جنوری ۱۹۴۵ء روز پنجشنبہ اور عمر موجودہ اڑتالیس سال ہے۔ آپ عربی کے عالم اور فارسی کے فاضل اور انگریزی کے ماہر ہیں۔ قدرت نے آپ کو خلق کثیر سے خلق فرمایا ہے۔ ہر شخص آپ سے مل کر ایک بار آپ کے اخلاق کریمانہ کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ آپ کے روئے انور پر ہر وقت فراست و محبت کی ہلکی پھوار برسا کرتی ہے۔ اور آپ کا سعادت ضمیر چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ نگاہوں کی جاذبیت نے خاص دلکشی پیدا کی ہے۔ طبیعت کچھ ایسی شگفتہ اور انداز بیان اتنا دلچسپ اور نرالا ہے کہ مخاطب کو آپ کی باتوں سے خاص حظ حاصل ہوتا ہے۔ غرض آپ بہ ہمہ صفت موصوف ہیں۔ شاعری کا ذوق سلیم بھی تعلیم کے ہم آغوش رہا۔ اکثر مشاعروں میں شرکت بغیر غزل ہوئی۔ آخر یہ شوق رنگ لائے بغیر نہ رہا۔ آپ کے ذوق عمل کا یہ حال تھا کہ مشق سخن میں چار پانچسو شعر تک لکھے اور تلف کر دئے۔ سابرمتی اور احمد آباد کے مشاعروں میں بھی شرکت کی جہاں حضرت بہار ابوالاعجاز حضرت [illegible] زبجروی اور حضرت سہیل سورتی اور حضرت نوح ناروی وغیرہ اساتذہ کے ہم مشاعرہ رہے۔ اب قیام کی صورت اجمیر شریف میں ہوئی۔ یہاں بھی معرکۃ الآرا مشاعرے پڑھے۔ رئیس العارفین تاج السالکین امیر الصابرین سید الشاکرین قطب الاولیاء مولانا شاہ حضرت محمد عبدالشکور ادام اللہ اجلالہ علیٰ رؤس الطالبین نے آپ کا ذوق و شوق دیکھ کر آپ کو حکم دیا کہ تم حضرت مولانا سیماب صاحب اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہو جاؤ۔ تعمیل حکم میں در میخانۂ سیمابی کھٹکھٹایا۔ یہاں سیمابی سے نے نشہ دوبالا کر دیا۔ واجب الذکر ہے کہ پہلے آپ صنم تخلص فرماتے تھے۔ شعرائے اجمیر نے اس پر بڑی لے دے کی تو مجبوراً میر مشاعرہ پیر و بدلا۔ تخلص قاتل رکھا اور فی البدیہہ یہ رباعی کہی ؎

میں جان سخن ہوں شاعری کا دل ہوں زینت بزم، رونق محفل ہوں
[illegible] ذرا آج سنبھل کر بیٹھیں میں پہلے صنم تھا اور اب قاتل ہوں

آپ کے کلام نے دور دور تک مقبولیت حاصل کی۔ رفتہ رفتہ قال سے حال پر آئے تو لکھتے ہیں ؎

اللہ کے مقامات سے گذرا تو یہ دیکھا ہیں منکشف پردۂ لا احمد و محمد

کبھی پردہ کو آپ یوں لکھا کرتے تھے ؎

چراغوں کو بجھا آئے کبھی پردہ ہٹا کر واں سے
شب وعدہ خدا جانے انھیں کیا کیا خیال آئے

مضمون کی بندش، بیان کی پختگی۔۔۔ کلام کی فصاحت پختہ اور شگفتہ ہو چکی تھی۔ جس نے یہ اثر دکھایا کہ آپ سیف الکلام کہلائے۔ چنانچہ خود ان کے استاد مولانا سیماب صاحب مدظلہ نے ان کی ایک نظم پر یہ حاشیہ دیا تھا ؎

لوگ سچ کہتے ہیں اے قاتل تجھے سیف الکلام ہے خدا رکھے ترا ہر شعر تیغ آبدار
لافتیٰ تیری نظم پڑھ کر سیفی ہو کہ دے لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔

طبیعت کی جولانی اور تخیل کی بلندی پر تخلص و خطاب کا اثر لازمی تھا۔ کارزار سخن میں وہ ہاتھ دکھائے کہ دنیائے صحافت لوہا مان گئی

www.taemeernews.com

اب بھی ذاتی طبع کا یہ حال ہے کہ جب لکھنے بیٹھتے ہیں جذبات کے دریا بہا دیتے ہیں۔ جب تک آپ نے کوچۂ فقر میں قدم نہ رکھا تھا طبیعت نہایت شوخ اور تغزل نہایت بے باک تھا۔ لیکن اب سلسلۂ عالیہ، قادریہ، ابوالعلائیہ جہانگیریہ شکوریہ سے وابستہ ہونے کے بعد مجاز حقیقت سے بدل گیا ہے۔

شیخ سلسلۂ عالیہ ادام اللہ اجلالہٗ علیٰ رؤس العالمین آپ کو خرقۂ خلافت اور بیعت کی اجازت سے ممتاز و سرفراز فرما چکے ہیں۔ چنانچہ اس واقعہ کو عالمِ کیف میں آپ اس طرح بیان فرماتے ہیں ؎

بیعت کی اجازت جو بہ تقدیر ملی
قائل مجھے خلعتِ جہانگیر ملی

اب آئی سمجھ میں وجہ خلقِ آدم
"فی الارض خلیفہ" کی یہ تفسیر ملی

آج صرف آپ کے حلقہ بگوشوں اور مریدوں کی تعداد پچیس ۲۵ ہزار کے قریب ہے، اور آپ کے نام لیوا مریدین تمام اطراف ہند کے علاوہ وجہ پان۔ لندن۔ افریقہ۔ مکہ معظمہ۔ مدینۂ طیبہ۔ بغداد شریف وغیرہ ممالک غیر میں بھی موجود ہیں۔ گذشتہ سال آپ کے ایک مرید سید محمد ہارون صاحب آئی سی ایس کا امتحان دینے لندن گئے ہیں۔ مریدین کے علاوہ بھی ہر مذہب وملت کے اشخاص ہزاروں کی تعداد میں آپ کے معتقد ہیں۔ اگر آپ کارزارِ سخن میں "سیف الکلام" ہیں تو دنیائے علم و اخلاق میں مرجع ہر خاص و عام۔

نمونۂ تغزل

مدتوں کی کچھ تو آن بن ہے شیخ و زاہد کے
کچھ مجھے سلام ہے، جانے والے طور کی

ہم بھی کشتہ ہیں کسی کے جلوۂ مستور کے
حشر کے دن قبر دیکھیں گے ہم بے نور کی

پشت صدیاں ہیں یہ سخت، رستے طور کے
کیا کریں سرکار بس میں ہیں دلِ مجبور کی

پھوٹ نکلے زخم سینے سے دلِ رنجور کے
اک نظر پڑتے ہی گہری ہو گئی ناسور کی

سینکڑوں دل ہو گئی ٹکڑے میں ششدر بن کے جب
پھر کسی دن آ کے چمکا دو اندھیرا طور کے

جانے مجھ میں کیوں نہ آ جائیں کئی خوبیاں طور
ہائے یہ صبح قیامت اور یہ نغمے صور کے

گردِ صحرا کا نہ ہو کیوں پاس غربت میں مجھے
کچھ پتے ملتے ہیں اس سے کارواں دار کے

آئے تو میدان میں دار و رسن لیکر کوئی
ہیں ابھی باقی متعلقین منصور کے

بر۔ پروازی مری سوز دروں کی دیکھئے
آبلے پھٹکے تو چھائی آگ کی کافور کے

ناخنِ دستِ جنوں ہیں آج تک درکار ہیں
آج کرنے ہیں مجھے ٹکڑے شبِ دیجور کے

ہوش میں لغزش نہ آئی اہلِ مئے ہوشیار
مست آنکھیں ہیں کسی کی نرگسِ مخمور کے

دیکھ کر رازِ دنیا حسنِ الفت جل گیا
ہم اگر ہوتے اڑا دیتے پرخچے طور کے

اب کہاں وہ آرزو میں بے کہیں وہ ولولے
آجکل خالی ہیں گوشے دلِ رنجور کے

خلد میں اعضا اگر آئی وہی کالی گھٹا
کھول دوں گا چشمہ گر زر پہ گیسو حور کے

نالہ و فریاد و شیون زخم و آہ و بکا
کارنامے ہیں یہ سب قائل دلِ رنجور کے

تجلی ایک سی ہے ایک ہی ہے شانِ تیور کی
کھڑے ہیں ایک آئینہ میں وہ قائل برابر کے

چمن سے پھول سب لیجائے گلچیں جھولیاں بھر کر
کہیں دامن لگی کانٹے جو تھی تقدیر مقدر کے

حرم ہو دیر ہو یا ہوں راستے مسجد و مندر کے
ہمیں کیا فکر ہم تو پجاری ہیں ترے در کے

دکھا دی کیا تو نے برہمن کو صورتِ باطن
یہ بتخانے میں کیسے شور ہیں اللہ اکبر کے

سنبھل اے بیخودی اب قبر سے اٹھنے کا ساماں کر
کہ رہ رہ کر بلاوے آ رہے ہیں صورِ محشر کے

بڑا بارِ گراں تھا نامۂ حسرت نشاں میرا
ذرا سی دیر میں شل ہو گئے بازو کبوتر کے

سرِ محشر تری تیغِ ادا جوبن کھلیگا
مبارک ہو تجھے قائل کہ قاتل بھی ہیں اکبر کے

مل جائیں کاش ٹکڑے مجھے دامنِ جنوں کے
کو تاہ دستیوں کو ہے آستیں کی حسرت

ہے ان کا آستاں بھی دلکش اک آستانہ
سر میں بسی کا سودا دل میں ہے یکی حسرت

بسمل بنا رہی ہیں سفاک ان کی آنکھیں
قائل نکل رہی ہے جانِ حزیں کی حسرت

رُباعی

مخدوم گوشہ نشیں تھا سب تجلی ہر چند
تا مجھے جلوتِ ہنگامہ سے پہنچے نہ گزند

لیلیٰ بزم کی ادا سے گھرائی قائل
قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

قدسی — مولوی عبیداللہ صاحب ایچ پی ایچ ای ٹونکی — ۷۳

آپ کا نام عبیداللہ اور قدسی تخلص ہے۔ ۱۹۱۱ء میں بمقام ریاست ٹونک پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب مقبل ایک عالم متبحر اور جلیل القدر بزرگ تھے۔ آپ کا خاندان ٹونک کے مشاہیر علماء کی صف میں شمار ہوتا تھا۔ ٹونک کے اکثر بڑے خاندان نسلاً بعد نسلاً آپ کے آباء و اجداد کے شاگرد چلے آتے ہیں۔ قضا اور افتا تین پشتوں سے لازمہ قسمت ہو گئی ہے۔

آپ ابو العرفان مولوی حبیب اللہ صاحب نعمانی ٹونکی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ابتدائی تعلیم اور فارسی اپنے والد صاحب قبلہ سے حاصل کی۔ اور ان کی وفات کے بعد بھوپال میں اپنے بڑے بھائی کے پاس رہ کر عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ خانگی طور پر درس نظامیہ کی تکمیل کی اور عمر کے سولہویں، سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں سال میں علی الترتیب مولوی، عالم اور فاضلِ ادب کا امتحان الہ آباد یونیورسٹی سے اور فاضل کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔

۱۹۳۰ء سے سناتن دھرم ہائی اسکول بیاور (راجپوتانہ) میں مدرس فارسی رہے اور انٹر کالج ہو جانے پر ۱۹۳۷ء سے فارسی کے لکچرار ہیں۔

علوم مشرقیہ کی تعلیم اور بھی انتہائی ارتقائی حیثیت سے حاصل کرنے کے بعد ایک غیر شاعر میں بھی شعری ذوق پیدا کرنے کی موجب ہوتی ہے چہ جائیکہ قدسی صاحب کے والد محترم اور برادر بزرگوار نعمانی صاحب شاعر اور ایک اچھے شاعر مانے جاتے ہیں۔ گویا آپ پیدائشی شاعر ہیں جب آپ نے دسویں سال میں قدم رکھا تو درِ شاعری آپ میں گرمیاں پیدا کرتی ہوئی معلوم ہوئی۔ آخرکار آتش فشاں کی طرح یہ مادہ پھوٹ نکلا اور آپ اس وادی رنگ و بو میں تخیل کی عطر بیزی کرنے لگے۔ ابتدائی کلام سید ظہیر حسن صاحب ظہیری دہلوی مقیم بھوپال کو دکھایا۔ جب نعمانی صاحب نے آپ میں وہ تمام خوبیاں دیکھ لیں جو ایک حقیقی شاعر میں ہوتی ہیں تو کچھ عرصہ خود اصلاح دی اور بعد ازاں حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے دامنِ فیض سے وابستہ کر دیا۔

آپ نے ۱۹۳۱ء میں بھوپال کے علماء اور شعراء کی ادبی روش کے سلسلے میں ایک تنقیدی رسالہ "بصیرت" لکھا۔ ۱۹۳۲ء میں ٹونک ہفتہ وار "ریاست" دہلی میں مضامین لکھے۔ احباب کے اصرار سے اور تفننِ طبع کے لئے ہندوستان کے متعدد رسائل میں مضامین بھیجے گو نام و نمود سے ہمیشہ آپ بچتے رہے ہیں لیکن پھر بھی مجبور کرنیوالوں نے آپ کو مجبور کر ہی دیا۔ ۱۹۳۳ء میں "روح الاسلام" کتاب لکھی جو مختلف اسلامیہ ہائی اسکولوں میں نصاب "دینیات" میں داخل ہے۔ آج کل آپ ایک مختصر اور جامع کتاب "روح کا تخیل مشرق میں" تصنیف فرما رہے ہیں۔ اس تصنیف کا پروگرام سات سال کا ہے۔ یہ کتاب واقعی آپ کی زندگی کا کارنامہ ہوگی۔ اس کے علاوہ "محاکمہ بر موازنہ انیس و دبیر" بھی تقریباً نصف لکھ چکے ہیں۔ اور یہ کتاب بھی بہت جلد شائع ہونے والی ہے۔

قدسی صاحب میں اپنے خاندان اور اسلاف کی تمام خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ بہت سے طلبا کی ذہنی تربیت آپ کے دم سے ہو رہی ہے۔ شاعری آپ کا مشغلہ عزیز ہے لیکن وقت کم ...

www.taemeernews.com

کی وجہ سے فکرِ سخن بھی کم کرتے ہیں۔ آپ کو نثر میں بھی وہی مہارت حاصل ہے جو نظم میں ہے۔

نمونۂ تغزل

موت و حیات و نیز دی سب ہی ملیں الگ الگ
سارے جہاں کی لذتیں ایک شبِ دراز میں

موجِ نسیم سی جو رزتی ہے شمعِ صبح — تصویر ہے وہی تو مری اضطراب کی
آغوشِ دوست، صحبتِ احباب، شرب مے — ہاں تذکرہ یہ بات ہے عہدِ شباب کی

عمریں گزریں میں ایسے وقت بھی — ہم محبت کہتے کہ ذرہ گو

کسی کا جلوۂ رنگیں جو دیکھتا نہ ہو — تمام حسنِ حقیقت لباسِ مجاز ہو

سازِ الفت چھیڑ کر ہم دل کو بہلاتے گئے — شوخیاں پہلو بدل کر دردِ پنہاں ہو گئیں
بس یہی ہے مختصر افسانۂ شامِ بہار — چند کانٹے بدلیاں شمعیں پریشاں ہو گئیں

روحِ فردوس ہے اب چمن کی ہر موجِ نگاہ
دل کا ہر ذرہ ہے خورشید بداماں مجھ سی
ہر نظر ہے تری پنہاں غمِ ہستی کا علاج
آتشِ خاموش بداماں مجھ سی

نگر یونہی یہ نئی جلوہ بار رہنے دی — ہزار میکدے تجھ پہ نثار رہنے دی
کسی کو دامنِ رنگیں کی لہر کیا کہئے — شفق کا سایہ سرِ جوئبار رہنے دی
وہ ایک شعلۂ رقصاں وہ ایک برقِ قرار — سکوتِ صبح میں وہ لالہ زار رہنے دی
چمن چمن ہے حقیقت میں پھر غبار انجم — شفق کی جبیں میں رنگیں غبار رہنے دی

ایک مثنوی بارگاہِ خداوندی میں اعترافِ عبودیت جس کا عنوان "تعارف" ہے اس کے چند شعر سنئے۔

نالِ قسمتِ گلشن ہو باغباں کیلئے — سیاہ بختیِ بلبل کو باغباں ہو تم
دہانِ کام و دہن ہو لب و زباں بن کر — محلِ نازشِ انساں کا امتحاں ہو تم
تمام حکمت و عظمت کا ہو جمال و جلال — جانِ علم و سیاست کی پاسباں ہو تم
شرابِ عشق و محبت محیطِ علم و عمل — نظامِ میکدہ، قانونِ آسماں ہو تم

نمونہ فارسی و عربی کلام

بر شمعِ روئے یار چو پروانہ سوختیم — مستانہ آمدیم و خوشانہ سوختیم
روغن ز دل گرفتہ ہمہ شب چراغِ چشم — در ظلمتِ فراق بتنہا نہ سوختیم
قدسی ز آتشے کہ بہ پر بال دل گرفت — ہر چیز آمدہ ہمہ کاشانہ سوختیم

ما ز گزشتہ ایم لالہ و گل — ہمنشیں حالیا نمی دانی
قدسیا ساز محنتِ عالم — ہیچ ارزد نہ عالمِ فانی
باز آمد خیالِ قدسیِ زار — چند خفتن بکن کہ نتوانی

لما رکبت منی فی السیر کالنعامہ — انی رایت لیلا فی خلفہا قیامہ
بر حسن ماہتابت نازم چرا نہ نازم — لما قدمت منی جلت عن النعامہ
ایں دل شکستہ قدسی امیدوار لطف است — انظر الی یوماً یا صاحب الکرامہ

من و شمعِ مجلسِ تو بہ ہمیں خیال سوزیم — بطلوعِ اولِ شب تو آفتابِ ثانی

www.taemeernews.com

(۴۷) قمر — حکیم مولوی بدیع الزماں صاحب سہسرامی

بدیع الزمان نام۔ قمر تخلص۔ والد محترم کا نام نامی لعل زمان صاحب مرحوم ہے ۱۹۰۳ء میں بمقام سہسرام ضلع شاہ آباد پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا شمار سہسرام کے اچھے طبیبوں اور عالموں میں ہوتا تھا آپ معقولات میں سیرِ حاصل دستگاہ رکھتے تھے۔ مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی مرحوم کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ عربی اور اُردو کی کتابیں آپنے تصنیف فرمائیں جس میں سے کچھ تو ضائع ہوگئیں جو موجود ہیں اُن کے نام یہ ہیں۔

ترجمہ مختصر المعانی۔ اصولِ منطق۔ تاریخ الاقوام۔ وغیرہ سماع بالمزامیر طبع ہو چکی ہے۔

قمر صاحب کی ابتدائی تعلیم بہت انتظام سے ہوئی چونکہ آپ ایسے خاندان کے نونہال تھے جو علم و فن کا مخزن تھا اور ہے اس لئے عربی اور فارسی کی تکمیل مدرسہ "خیریہ" سہسرام ہی کی۔ سکندر نامہ بہار دانش۔ بہار عجم پنج رقعہ۔ اور عربی مشکوٰۃ شریف ملا جلال شمس بازغہ وغیرہ کتب آپنے اسی مدرسہ میں ختم کیں۔ والد صاحب کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد آپ کو وطن چھوڑنا پڑا چنانچہ ۱۹۳۳ء میں آپ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد چلے آئے اس وقت وہاں مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب بادشاہ پوری معلم تھے آپ اُن کے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہوگئے۔ ۱۹۳۵ء تک آپ نے تکمیل درس کرلی۔ چونکہ آپ کی خاندانی سنت طبابت تھی وہ آپکے والد المحترم کے بعد آپکے برادر مکرم مولوی حکیم بدیع الزمان صاحب حاذق سہسرام میں کامیابی کے ساتھ والد صاحب مرحوم کی جگہ مطب کر رہے ہیں اسلئے آپ کو بھی طب پڑھنے کی رائے دی گئی اور آپ طبیہ کالج الہ آباد میں داخل ہوگئے۔ پہلے سال امتحان دینے کے بعد وہاں کے ماحول اور طریقۂ تعلیم سے بدظن ہوکر آپ نے کالج چھوڑ دیا۔ اور تکمیل فن کی غرض سے مولانا حکیم فخر الدین صاحب جعفری زینبی بانیٔ مدرسہ سنبھل اطبا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور طب پڑھنا شروع کردی۔ یہ سلسلہ ابتک جاری ہے۔ حکیم فخر الدین صاحب مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی کے قابل شاگرد اور مریدوں میں ہیں۔ الہ آباد میں اس وقت آپکا دم غنیمت ہے۔ امیر و غریب کسی سے آپ ایک پیسہ نہیں لیتے۔ مگر انتہائی جانفشانی سے علاج کرتے ہیں۔ امید ہے کہ قمر صاحب آپکی تربیت اور تعلیم سے آپ کے جانشین ثابت ہوں گے۔

ماحول۔ صحبت اور مطالعہ نے قمر صاحب کے شعری رجحانات کو بچپن ہی سے ابھار رکھا تھا۔ جہاں کہیں مشاعرہ ہوتا آپ ضرور سننے جاتے۔ آپ کے ایک دوست اور ہم جماعت مولوی شاہد حسین صاحب سوز نامدی نائب مہتمم مدرسہ سبحانیہ الہ آباد جب غزل کہتے تو آپ کو ضرور سناتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو شعر قمر صاحب پسند کرتے اُس پر مشاعرہ میں خوب داد ملتی۔ گویا "شعری معیار" آپ کی نگاہ و دماغ میں پیدا ہو چکا تھا۔ سوز صاحب آپ کو شعر کہنے کے لئے اکثر مجبور کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سوز صاحب کے پاس ایک مشاعرہ کا دعوت نامہ آیا جس کے مصرع کے ردیف قافئے "ہوش مجھے" اور "جوش مجھے" تھے۔

سوز صاحب کے اصرار سے آپ نے غزل کہی جس کا مطلع یہ تھا۔

اور کچھ دیر جو آتا نہ کہیں ہوش مجھے — بیخودی میں کوئی کرتا یہاں خوش مجھے

غزل کہنے کے بعد اصلاح کا سوال پیش ہوا۔ اس وقت حضرت مولانا شفق عمادپوری الہ آباد ہی میں مقیم تھے چنانچہ سوز صاحب کی وساطت سے آپ مولانا شفق صاحب کی خدمت میں پہونچے۔ مولانا دیکھی اور بہت ہمت افزائی کی۔ اصلاح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

www.taemeernews.com

اسی زمانہ میں جناب حالیؔ بہسرامی اپنے کسی شاگرد سے "شاعر" کا پرچہ لائے قیصرؔ صاحب نے جب یہ پرچہ دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور ماہ بماہ اپنی غزلیں اشاعت کے لئے بھیجتے رہے۔ اور باقاعدہ "شاعر" کا مطالعہ کرنے لگے۔ غزلوں پر اصلاح جو دفتر سے دیجاتی تھی آپ کو بہت پسند آئی۔ ادھر حضرت قبلہ مولانا سیمابؔ مدظلہٗ کی اصلاحیں جو "اصلاح سخن" میں شائع ہوتی تھیں آپ کے لئے بہت جاذب توجہ ہوئیں۔ اور روز بروز شعر و شاعری سے لگاؤ بڑھتا گیا۔ گو آپ اُس وقت بھی حضرت مولانا شفیق عماد پوری ہی سے اصلاح لیتے تھے لیکن بعض مرتبہ جب مولانا توجہ نہیں فرماتے تھے تو آپ کو یہ بات بہت شاق گذرتی تھی۔ گو مولانا بہت کرم فرماتے تھے یہاں تک کہ "علی منزل" جو مولانا کا دولت کدہ ہے آپ کا بھی مسکن ہو چکا تھا لیکن پھر بھی آپ کو ان الطاف بے پایاں کے باوجود اطمینان نہ تھا اور جس مقصد کی تکمیل آپ چاہتے تھے وہ نہ ہو سکتی تھی۔

جب "شاعر" آتا تو آپ اُس کے مضامین وغیرہ بطور خاص مطالعہ کرتے حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہٗ کی عقیدت روز بروز آپکے دل میں بڑھتی جا رہی تھی ۱۹۳۳ء میں حضرت مولانا مدظلہٗ کی ایک غزل جو آپ نے جہلم کے مشاعرہ میں پڑھی تھی شائع ہوئی اُس کا مندرجہ ذیل مطلع پڑھ کر قیصر صاحب جھومتے تھے اور بیتاب تھے کہ کسی طرح حضرت مولانا مدظلہٗ کے قدم مبارک چوم لیں۔ مطلع یہ تھا

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی چمک چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر

آپ نے سوزؔ صاحب سے اپنی بیتابی کا ذکر کیا مگر "باریابی کس طرح ہو" کے سوال پر وہ بھی خاموش ہو گئے۔ قیصرؔ صاحب کو اب دن رات یہی فکر رہتی تھی کہ کسی طرح حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہٗ کی خدمت میں اپنا کلام بھیجیں اور اپنی تشنگی کو بجھائیں۔ قیصرؔ صاحب ایسے استاد کی فکر میں تھے جو ہر صنف پر قادر ہو اور انتہائی غور و فکر کے بعد بھی آپ کو سوائے مولانا مدظلہٗ کے کوئی ہستی آپکی طرف مائل نہ تھی اور ہر مرتبہ آپ کی نگاہ قصر الادب کی چار دیواری ہی سے ٹکرا گئی تھی۔

۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۶ء تک یہ جذبۂ بے پایاں دل نشیں رہا تو اٹھتے بیٹھتے ایک کشش محسوس کرنے لگے۔ آخر ۱۸ جون ۱۹۳۶ء کو ایک غزل اور چند رباعیاں آپ نے لکھیں دھڑکتے ہوئے دل اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے خط ڈاک کے سپرد کر دیا اور غزل کی واپسی تک "الانتظار اشدّ من الموت" کا مزہ چکھتے رہے۔ ۸ جون ۱۹۳۶ء کو جواب ملا اور اضطراب شوق سے وارفتہ ہو کر لفافہ کھولا دل میں سینکڑوں قسم کے خیالات آ رہے تھے۔ "عدیم الفرصتی"، "مجھے ابھی مشق کی ضرورت ہے"، "فہرست تلامذہ میں جگہ نہیں" وغیرہ وغیرہ الفاظ آہستہ آہستہ زبان سے نکل رہے تھے۔ لیکن جب لفافہ میں اصلاح شدہ غزل اور رباعیاں نکلیں اور اس نوید کے ساتھ کہ "آپ کا نام فہرست تلامذہ میں لکھ لیا گیا ہے" تو بس کچھ نہ پوچھئے کتنی مسرت ہوئی کہ آپکو وہ لمحہ عمر بھر یاد رہے گا اس واقعہ کا ذکر آپ نے اپنے الفاظ میں جسطرح کیا ہے وہ میں لکھنے سے قاصر ہوں۔ لفافہ لیکر فوراً اپنے مخلص دوست جناب سوزؔ صاحب کی خدمت میں پہونچے اور انھیں خوشخبری سُنائی۔

اس وقت آپ کی عمر شاعری صرف تین سال ہے لیکن جب سے حضرت قبلہ مولانا سیمابؔ مدظلہٗ کے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوئے ہیں غزل، نظم، رباعی، قطعات، نثر، مضامین غرض سب ہی کچھ بے تکان خوب لکھ لیتے ہیں۔ آپ اپنے استاد کے متعلق اس طرح لکھتے ہیں:- "میں بانگِ دہل یہ کہنے کو تیار ہوں اور اس بات پر میرا ایمان ہے کہ میرا استاد یگانۂ روزگار اور وحید العصر ہے۔"

www.taemeernews.com

نمونہ تغزل

کل کہیں لے اٹھا نہ سکے تجھکو نسیم بہشت کی — جرم یہاں جو میں کروں دل کی کہیں سزا بھی
تجھسے جو راز دل کہا اپنا بھرم گنوا دیا — سچ تو یہ ہے بُرا کیا غیر سے بھلا بھی نہ

مژدہ اے باغباں کہ روز ایسا آئیگا ہو — کہ نہ جائے گی ہری چمن کی ہمزباں میری
نا شناس ہو وہ کام کرنا چاہیے — مرکے بھی زندہ رہیں اسطرح مرنا چاہیے

آدم تم تھکے تو ہیں حسن و الفت کے مزے — کہنے دو دنیا کو دنیا کا یہی دستور ہے

ترے باب کی نظر میں کوئی لطف نہیں — ہر صبح گلشن کی قسم شام بیاباں کی قسم
آتش شوق کو کچھ اور ذرا بھڑکا دے — تجھکو اپنے کرم جنبش داماں کی قسم

محصور کرکے مجھکو عناصر کی قید میں — سو سو طرح حجاب وہ جلوہ گر ہوا
اک مشت پر ہے جس سے بنا ہے چمن چمن — رنگینیاں ہیں ختم یہ برباد اگر ہوا

وہ دن بھی آئینگے جب جنوں ہوگی دنیا — ابھی کوئی سمجھتا نہیں ہے کیا ہوں میں
یہ خوبیاں جو رہیں دیکھ دنوں ابھی — کوئی عجب نہیں کہ دیں کبھی خدا ہوں میں

تاب نظر نہیں تو مری آنکھیں کیا خطا — یہ بات تو نہیں ہے کہ ذوق نظر نہیں

کرم پر بھی اسکے نہیں دل کو راحت — خدا جانے اب اور کیا چاہتا ہوں
جہاں ہو نہ مے کیف و مستی کو کوئی نشے — قفس میں اک ایسی فضا چاہتا ہوں

تمھیں دل میں کیا جلوہ گر پا رہا ہوں — فضا بنکے کونین پر چھا رہا ہوں
نہ مغموم ہو میری ناکامیوں پر — میں اپنے کیے کی سزا پا رہا ہوں

اپنے ذوق دید پر ہے مجھکو کامل اعتبار — دیکھ ہی لونگا کسی صورت کر پردا کیجیے

میں تو در پہ سجدہ کی بھی جرأت کر نہیں سکتا — کہ نقش آستاں میری جبیں معلوم ہوتی ہے
قمر یہ سب کرشمے ہیں کسی کے حسن رنگیں کا — کہ دنیا میری نظروں میں حسیں معلوم ہوتی ہے

نمونہ نثر

کسی کی تلاش

آہ مجھے نہ چھیڑو۔ جاؤ میرے دل مغموم کی افسردگی سے اٹکھیلیاں نہ کرو۔ آہ اے نسیم سحری کے خوشگوار جھونکو۔ خدا کے لئے مجھے تنہا غرق خیال رہنے دو۔ یہاں سے جاؤ اور کسی غنچۂ شمیم ریز کو تختۂ مشق ستم بناؤ دیکھو میرے آشفتہ بالوں کو پریشاں نہ کرو آہ۔

تمہیں اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں، میرا شیشۂ دل ٹوٹ چکا ہے، ہاں اور وہ نازک دیکھو اسے موج تبسم کی ٹھوکروں سے چور نہ کرو میں بیزار ہوں تم سے تمھاری چنچل ادائوں سے۔ اور عنادل تفتہ جگر کے سرد درد ناک چیخوں سے تو اب ساری دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہے۔ اس معمورۂ عالم کا ذرہ ذرہ میری مردہ تمناؤں اور خوں شدہ حسرتوں کا مدفن نظر آتا ہے۔ میری کلبۂ احزان کی تاریک ظلمت، فضا میں بلکتے ہوئے ارمان اور سسکتی ہوئی آرزوؤں نے گونج گونجکر ایک محشر بپا کر رکھا ہے۔ آہ مجھے تو پھر نہ سے لئے آگئی۔ اے بلبل اے ریاض حسن کی معصوم ہستی تو کیوں شور مچا رہی ہے کیوں میرے دل حسرت زدہ کو اپنے وحشت انگیز نغمے سنا رہی ہے اب میں سمجھا تو بھی میری طرح کسی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ بدایوں قیصر

ہم آہنگ نہیں ہو سکتا۔ میں تیرا ساتھ نہیں دے سکتا۔ آہ تو بے زبان ہے تجھے کیا معلوم۔ کہ میرے سینے میں محبت کا بحر بے پایاں موجیں مار رہا ہے جس میں میری زندگی کی کشتی ایک تنکے کی طرح ڈگمگا رہی ہے ناامیدیوں کی بے پناہ موجیں ہر چہار جانب سے بلا کی طرح ٹوٹ پڑی ہیں اے گلستاں کی ننھی کیف انگیز چڑیا سُن کہ میری مسرت کا ساز چور چور ہو رہا ہے اور ہر تار میں ہزاروں نغمہ ہائے فغاں نکلنے کے لئے جتیا بانہ کروٹیں لے رہے ہیں دیکھ خدا کے لئے ان شکستہ تاروں پر اپنی منزوں کی ضرب نہ لگا للہ انہیں تشنۂ مضراب ہی رہنے دے۔ ورنہ یہ فلک شگاف نالے جاگ کر تختۂ عالم اُلٹ دیں گے۔ جا دیکھ۔ نازنیناں بزم گلشن چمنستان میں تیرا انتظار کر رہی ہیں۔ جا کہ پھول سے گالوں کو کھیل۔ میرے خیال کی یکسوئی میں خلل انداز نہ ہو پھر مجھے کوئی یاد آیا۔ آہ وہی گم گشتہ جس کے خیال میں کھویا رہتا ہوں۔ میرا طفل دل شب دیجور کی ظلمتوں اور ماہتاب کی لطیف رعنیوں میں کھیلا کرتا ہے۔ آہ میں دیوانہ ہو جاؤں گا پھر کسی کی بیقرار کر دینے والی یاد۔ پھر کسی کا خیال فتنہ ساماں پنہ دوش پر سیکڑوں شوق لئے ہوئے آ رہا ہے۔ پھر میرا ہاتھ غریب گریباں کو بار بار اٹھا اٹھا کر دھمکیاں دے رہا ہے اے جیب و داماں اب خدا حافظ۔ صبر اے طوفان اشک صبر ذرا خدا کے لئے ٹھہر جا۔ پگل پگل کر میرے دامن میں نہ گر رہا ہو۔ مگر کس سے پوچھوں کہ کس سے دریافت کروں کوئی اس کا پتہ نہیں دیتا۔ کوئی نہیں بتاتا کہ وہ کہاں ملے گا۔

آہ اس جہاں میں کوئی ہستی بھی ایسی نہیں دکھائی دیتی جو مجھے اُس کا پتہ بتا دے۔ آہ نہیں معلوم وہ کہاں ہے۔ رات کی تاریکیوں میں مستور ہے یا آفتاب کی تنویروں میں پنہاں۔ آہ فطرت مجھے دیوانہ سمجھتی ہے ساری خلائق دیدہ ہائے حیراں سے اس گم کردہ راہ محبت کو آئینہ دار بنی ہوئی ہے۔ سبز پوش جھاڑیاں حیرت سے میرا منہ تک رہی ہیں۔ شاخ گل اس دشت نوردی کو دیکھتی ہے۔ اور انگڑائیاں لے کر منہ پھیر لیتی ہے۔ قدرت کی نازک ہستیاں مجھ سے تمسخر کرتی ہیں۔ گل خنداں بھی ایک سراپا جستجو کو دیکھ کر نقاب برگ میں منہ چھپانے لگتا ہے کوئی بھی مجھ آفت زدہ کا ساتھ دینے کو تیار نہیں آہ میں کہاں جاؤں کس سے پوچھوں۔ کہاں تلاش کروں۔ آہ یہ کیا۔ میرا سر کیوں چکرا رہا ہے۔ اُف ہوش۔ اے ہمنشیں ہم چلے سنبھالنا ہمیں۔ میں بیہوش ہو کر فرش زمردیں پر گر پڑا۔ جب مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ سبزوں کی نرم پتیوں پر شبنم آسا قطروں سے یہ منقوش تھا

"اے دیوانے تجھے جس کی تلاش ہے اُس کو اپنے کاشانۂ دل میں ڈھونڈ"

حکیم بدیع الزماں صاحب قمر سہسرامی کی غزل پر حضرت مولانا سیمابؔ کی اصلاح

نافہمی عشق میں نادانیاں نہ پوچھ　　کیا کیا ہوئی ہیں مجھکو پشیمانیاں نہ پوچھ

نگاہ رحمت کی
لطف کرم میں بیجا ازراہ نیاں نہ پوچھ　　عیش و طرب کی بیوفزا دانیاں نہ پوچھ

یہ حال ہو کہ اب مجھے کچھ سوجھتا نہیں　　برق جمال یار کی تابانیاں نہ پوچھ

اب بھول کر بھی ہنستی نہیں نگاہ ناز　　۲　اظہار شوق کرکے پشیمانیاں نہ پوچھ

ہر ہر قدم پہ سینکڑوں حائل تھیں مصیبتیں　　وہ ابتدائے عشق کی حیرانیاں نہ پوچھ

ذوقِ و فا طلب کی گراں جانیاں
وہ اجتناب اور تغافل میں مست ہیں　　~~تیرے منع عشق کی عریانیاں نہ پوچھ~~

نگاہ
اک دن تھا کنشوں میں نگیں تھی کائنات　　وہ جلوہ ہائے حسن کی ارزانیاں

کہ خندہ جمیل
وہ میری اضطراب پہ ہنس ہنس کے ~~ہنسنا~~　　پھر ہر جگہ کھلنے لگی پشیمانیاں نہ پوچھ

کیا کیا ستم کئے نہ قمر نے ترے لئے
اٹھائے ہیں بلیات
~~کچھ بیر ہیچ کے~~ رہا خوانیاں نہ پوچھ

کوثر — ابوالمحامد سید اشفاق حسین صاحب نقوی (۵۰)

آپ کا نام سید اشفاق حسین اور کوثرؔ تخلص ہے۔ آپ کا اصلی وطن عراق (عرب) ہے۔ مذہباً فرقہ ناجیہ اثنا عشریہ سے متعلق ہیں اور حضرت امام علی نقیؑ کی اولاد ہیں۔ آپ کے بزرگ سنین ماضیہ میں بغرض تبلیغ اسلام وارد ہندوستان ہوئے۔ منجملہ دیگر بزرگان خاندان آپ کے جدِّ امجد مولانا و مقتدانا قطب الاقطاب سید نا حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت علیہ الرحمۃ نے اوچ شریف صوبہ پنجاب میں طرح اقامت ڈالی۔ دیگر افراد خاندان عظام بسلسلۂ نشر و اشاعتِ مذہب حقہ مختلف دیار و امصار۔ اطراف واکناف ہندوستان میں پھیل گئے۔ اور ہزارہا تکالیف و مصائب عظیم برداشت کرنے کے بعد کروڑوں گم گشتگان راہ مذہب و ملت کو جادۂ مستقیم پر لا کر سلکِ اسلام میں منسلک فرمایا۔ چنانچہ عالی جناب میر شرف الدین صاحب محمود مرحوم و مغفور نے ریاست مالیر کوٹلہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ اور مشعلِ ہدایت سے ہزاروں قلوب روشن کئے۔ باعتبار قدامت۔ سیادت۔ شرافت۔ نجابت۔ نبالت۔ شجاعت۔ صداقت۔ طہارت اور ماہر علوم و فنون مستداولہ ہونے کے آج تک آپ کا خاندان اقصائے ہندوستان میں عظیم المرتبت و جلیل المقدرت مانا جاتا ہے۔

آپ کے جدِّ محترم حضرت میر مہدی حسن صاحب المتخلص بہ محسن مرحوم شاگرد رشید حضرت علامہ اوج صاحب مرحوم و مغفور لکھنوی کی شادی مرحوم و مغفور عالی جناب راجہ میر محمد اکبر علی خاں صاحب بہادر والی و فرماں روائے ریاست کوٹاہہ کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی گو آپ کے جملہ خاندان کی سکونت مستقلہ مالیر کوٹلہ ہی میں ہے لیکن آپ کی جدۂ محترمہ زیادہ تر اپنے والد ماجد راجہ صاحب مغفور اعلی اللہ مقامہٗ کے یہاں اقامت پذیر رہیں۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ محترمہ مرحومہ راجہ صاحب مغفور اعلی اللہ مقامہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ چونکہ دستور زمانہ ہے کہ والدین کو بہ نسبت اولاد کلاں کے اولاد خورد سے زیادہ محبت و موانست ہوا کرتی ہے اسی کلیہ کے مطابق مرحومہ کا بیشتر قیام کوٹاہہ میں ہوا۔ اور آپ کے والد ماجد کی یہیں پیدائش ہوئی۔ بعد انتقال جدۂ محترمہ گزارۂ مقررہ منجانب ریاست عالیہ کوٹاہہ از راہِ کرم آپ کے والد ماجد کے نام منتقل کیا گیا۔ جو بدستور مل رہا ہے۔ اور کوثرؔ صاحب بھی ریاست العالیہ ہی میں عرصہ چار سال سے بعہدۂ اسسٹنٹ منیجر خدمات مفوضہ بحسن وجوہ انجام دے رہے ہیں۔

آپ کی پیدائش بھی یہیں ۴ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو بروز چہار شنبہ بمقام گڑھی کوٹاہہ اپنے والد ماجد کے ننھیالی مکان میں (جو آپ کی قیام گاہ ہے) ہوئی تھی۔ آپ سے چھوٹے دو بھائی ہیں۔ ایک کا نام سید افتخار حسین اور دوسرے کا نام جدِّ امجد نور اللہ مرقدہٗ حضرت مولانا مخدوم جہانیان جہاں گشت علیہ الرحمۃ کے نام نامی سے موسوم گرامی پر سید مخدوم حسین رکھا گیا ہے۔ ماشاء اللہ دونوں سعید و رشید نجیب و شائستہ ہیں۔

آپ کے عم محترم میر لطافت حسین صاحب و برادر مکرم میر مشتاق حسین صاحب قبلہ نقوی البخاری الجعفری مشہور عالم، عادل، بردبار، پاک طینت، نیک سیرت فرشتہ خصائل ہستی ہیں۔

آپ نے سال ۱۹۲۸ء میں اینگلو ورنیکلر مڈل پاس کرنے کے بعد ہی (کوٹاہہ) سے ریاست مالیر کوٹلہ چلے گئے۔

سیر الطاف حسین صاحب کی خدمت اقدس میں بحصول تعلیم گئے جناب ممدوح بعدہ سپرنٹنڈنٹ محکمہ محکمۂ اجلاس خاص سرکار مالیر کوٹلہ دام اقبالہٗ فائز و مامور رہے وہاں ، وہ کئی سال تک آپ نے متعدد کتب عربی و فارسی کا بالاستیعاب مطالعہ مختلف علمائے کرام سے تحصیل علم کی۔ شاعری سے آپ کو بچپن سے لگاؤ تھا ۔حسن اتفاق سے قیام مالیر کوٹلہ میں حضرت شیخ بشیر حسن صاحب بشیر کی صحبت نصیب ہوئی اور وہ جوہر شاعری جو فطرتاً مبدءِ فیاض نے آپ کی طبیعت میں ودیعت فرمادیا تھا اور زیادہ چمک اٹھا ۔ اور ا آپ بجائے سید اشفاق حسین کے ابو المجاہد میر کوثر نقوی کے نام سے پکارے جانے لگے ۔ بیشتر مشاعرے موصوف کی قیادت وصدارت میں آپ نے پڑھے جس سے مالیر کوٹلہ کے ادبی طبقات میں بہت جلد روشناس ہوکر ہر دلعزیز ہوگئے اسی زمانے میں حضرت قبلہ محترم مولانا سیماب صاحب اکبرآبادی مدظلہٗ مالیر کوٹلہ تشریف لے گئے اور حضرت بشیر کے دولت کدہ پر آپ کو ان سے شرف نیاز حاصل ہوا ۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا حضرت بشیر کی جانب سے بتقریب تشریف آوری مولانا سیماب صاحب قبلہ خاص خاص شعرائے مالیر کوٹلہ کو دعوت افطار وطعام دی گئی تھی۔ جس میں آپ بھی مدعو تھے ۔ آپ لکھتے ہیں:

"سیماب صاحب قبلہ نے بعد فراغت طعام جو غزل میں روز لحن داؤدی میں ارشاد فرمائی تھی وہ آواز اس وقت تک برابر میرے کانوں میں گونج رہی ہے ۔ اور تا زیست براہ راست قلب پر نشتر زن رہے گی ۔ اللہ اللہ کتنا دلنشیں ، درد نما ، پر از حقائق و معارف کلام ہے ۔

گوارا اتنی زحمت اور اے شعلے کارواں کرلیں
اسیروں کی طرف سے بھی طواف گلستاں کرلیں

اس روز سے آج تک کوئی دن ایسا نہیں گذرا جس دن میں نے اس مطلع کو بار بار نہ پڑھا ہو ۔ برخاست مجلس کے بعد جناب شیخ ظفر علی صاحب ہاؤس ہولڈ منسٹر ریاست مالیر کوٹلہ کے مکان تک جناب علامہ مدظلہٗ کے ہمرکاب رہنے کا مجھے بھی شرف حاصل ہوا ۔ اور اسی شب میں نے اپنے مکان پر پہونچ کر فیصلہ کرلیا ۔ کہ کوثر شاعری بغیر سیماب مشکل ہے ہرگز نہ آسکے گی ۔ چنانچہ ۲۴ ر فروری ۱۹۳۱ء کو جناب ممدوح الشان مدظلہٗ کے حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوگیا اور آج تک سرکار علامہ کے فیوض روحانی سے وہ وہ نکات حاصل کر رہا ہوں جن کا بہترین اعتراف میرا قلب ہی کرسکتا ہے ۔ قلم وزبان میں ادائے تشکر کی بالکل طاقت نہیں ۔ دعا ہے کہ خدائے حی وقیوم ہمیشہ ہمیشہ قبلۂ محترم کو میری ہدایت کیلئے زندہ وسلامت رکھے آمین ثم آمین"

آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) گم شدہ دوست ۔ ۲ ۔ زمین محبت ۔ ۳ ۔ دامان کوہسار ۔ ۴ ۔ اتحاد باہمی ۔ ۵ ۔ نوائے مہجور ۔ ۶ ۔ بانسری کی صدا ، ۔ چودہویں صدی کا شاعر ۔ ۸ ۔ شعرا کی ذہنی تصاویر ۔ ۹ ۔ الماستان (دیوان اردو) ۱۰ ۔ زیور ہند (دیوان فارسی)

آپ نظم وغزل فارسی اور اردو دونوں میں کہتے ہیں ۔ نہایت وسیع المطالعہ اور باذوق نوجوان ہیں ۔ شکوہ الفاظ اور ندرت بیان آپ کے یہاں بدرجۂ غایت ہے ۔

نمونۂ غزل

لب جو خموشی شام میں جو غزل بھی نغمہ نواز ہو
وہ سری حکایت سوز ہو وہ سری حدیث گداز ہو
وہی حسن فتنہ خرام ہو ۔ وہی عشق حشر نواز ہو
وہی غزنوی کا مذاق ہو ۔ وہی کیف زلف ایاز ہو
میری بندگی نیاز ہو ۔ ترا لطف بندہ نواز ہو

جو یہ رابطۂ ناز و نیاز ہو۔ تو نہ اس پہ کیوں مجھے ناز ہو
میں رہینِ منتِ عشق ہوں میں اسیرِ جذبۂ عشق ہوں
وہ حقیقت اب مجھے چاہیے جو مری مجاز نواز ہو
نہ سہی مجھ کو کوئی آرزو مگر اب بھی اتنی ہوس تو ہے
ترا آستانۂ ناز ہو یہ مری جبینِ نیاز ہو
مرا عشق عشقِ غلط سہی مرا درد درد نہیں سہی
مگر اک غلط ہی کوئی سہی اک جو میری درد نواز ہو
یہ فریبِ ہمتِ پست ہے کہ اسیرِ جادۂ راہ ہوں
جو ہو میرا ذوقِ طلب جواں نہ نشیب ہو نہ فراز ہو
ہوں رہینِ لذتِ بیخودی۔ کوئی کیف غیر نظر سہی
مجھے کوثر اس سے غرض نہیں کہ خرابِ میکدہ ساز ہو

زمیں کیسی گُند ابا عروجِ آسماں تک ہے — جنوں سامانِ الفت کی تگ و دو لامکاں تک ہے
دعائے مرگ کا بھی تو خیال آنے نہیں دیتا — اثر کو دشمنی مجھ سوختہ جاں سے یہاں تک ہے
تعجب منزلِ گم گشتگانِ راہِ وحشت کا — سرابِ دلنشاں تک ہے غبارِ کارواں تک ہے
گدائے میکدہ ہوں ساغرستانِ محبت کا — کہوں کیا حسرتِ بادہ کشی مجھ کو کہاں تک ہے
نہ کیوں معمورۂ عالم سراپا نور بن جائے — تمہارے حسن کی تابش زمیں سے آسماں تک ہے
جمالِ حسن اور ارزانیٔ جلوہ اری تو یہ — مری تقدیر کا بازار سودائے زیاں تک ہے
ہمیں معلوم ہے رنگِ تغزل آپ کا کوثر
یہ ساری قدر افزائی خلوصِ دوستاں تک ہے

جو دیکھے گا سزا دیکھے گا — نظر سے نہ اپنی گرا دیکھے گا
سنا کر دیں نغمۂ ناخدا — مجھے مست و بیخود بنا دیکھے گا
وہ دن یاد ہیں کوئی کہتا تھا کوثر — ہمیں شعر اپنا سنا دیکھے گا

دیوانۂ حسن ہی کو نہ دیوانہ وار دیکھ — ہو دیکھنے کی چیز دلِ داغدار دیکھ
پہلے نگاہِ ناز کے تیروں پہ کر نظر — پھر میری حسرتوں کا شکستہ مزار دیکھ

ہے سبے محل ترانۂ آزادیٔ وطن — کوثر ہو سلئے وقت نہیں سازگار دیکھ

برق سی اک تڑپ گئی گر گئی اشکِ آہ کی — کس کی نگاہ لڑ گئی میرے دلِ تباہ کی

غزلِ فارسی

شیوۂ حسن دگر انگیزِ محبت دگر است — شوخیٔ عشق دگر گرمیٔ الفت دگر است
جذبِ تیر ز چہ دانی جنونِ مجنوں — عالمِ جذب دگر عالمِ وحشت دگر است
آں تفاوت کہ درین است نداند واعظ — کوچۂ یار دگر کوچۂ جنت دگر است
آنکہ فردوس بگویند بکوئے جاناں — ایں خیال است دگر کوچۂ جنت دگر است
ایں حسینانِ جہاں تفرقہ انداختہ اند — نہ ملاحت دگر است و نہ صباحت دگر است
شتق از نورِ احمد نورِ علیؑ واحد — نہ امامت دگر است و نہ نبوت دگر است
ایں بن و بیخ یک دوحۂ ہستی دارد — نہ جوانی دگر است و نہ کہولت دگر است
ہادیٔ راہِ ہدا خیرِ خلق نیست کسے — نہ امامت دگر است و نہ خلافت دگر است
ظاہر و باطنِ احباب ہمیں ہے کوثر
حسنِ صورت دگر و خوبیٔ سیرت دگر است

نمونۂ نظم

"شہر یاری و محبت"

شہر یاری، طلبِ زر کا آلۂ نام و نمود — اور محبت، ارتباطِ دین و دنیا کی کشود
شہر یاری، اہتمامِ تاج و تخت و مال و زر — اور محبت، شیوۂ اربابِ مخلص کا ہنر
شہر یاری، لعنتِ ہامان و فرعونِ ذلیل — اور محبت، حکمتِ موسیٰ و ہارونِ جلیل
شہر یاری، خوردن و نوشیدن و رقص و بلا — اور محبت، جذبۂ محمود و الہامِ سروش
شہر یاری، چند روزہ بے نشانِ دلنشاں — اور محبت، زندۂ جاوید و دائم بیخزاں
شہر یاری، خود ذلیل ابنِ ذلیل ابنِ ذلیل — اور محبت، آتشِ نمرود میں باغِ خلیل
شہر یاری، مرکزِ جور و جفا و ظلم زاد — اور محبت، رشتۂ مابینِ معبود و عباد
شہر یاری، درد و داغ و سوز و سازِ جستجو — اور محبت، بے نیاز [illegible]

شہریاری، انتداب، انتقام و انتشار — اور محبت، امن، بیم نازشِ لیل و نہار
شہریاری، عالم کرب و تعجب کا رازِ خاص — اور محبت، احسنِ تقویم کا اعجازِ خاص
شہریاری کافرِ اکبر از خدائے دوسرا
اور محبت، حق نمائے ذ نیاز ما

نمونۂ نثر

اگر میں پھول ہوتا

تو مجھ سے تزئینِ چمن ہوتی۔ بلبلیں میری محبت کا دم بھرتیں۔ بھنورے چاروں طرف پھر کر بصد فخر مجھ پر قربان ہوتیں۔ خار کو میرے قرب کے سبب چین ہو جاتا۔ دستِ گلچیں کی دست برد سے بچانے کے لئے ہر ممکن سعی کرتیں۔ قطرۂ شبنم صبح سویرے سے میرا منہ دھلانیکو آسمان سے ٹپک پڑتا۔ گلشن میری خوشبو سے مہک اٹھتا۔ ہر نازنین میرا والہ و شیدا ہوتا۔ کوئی طرۂ دستار بناتا۔ اور کوئی آویزۂ پر پیچ میں آویزاں کرتا۔ کوئی ہار گوندھ کر زینتِ گلو و سامد میں محو ہوتا۔ کوئی زیبا نقش عروس میں مجھے بہترین جگہ دیتا۔ کوئی گلدستۂ بوقلموں میں صدر بناتا۔ کوئی میری خوشبوئے عطر بیز و عنبر بیز سے مستِ مئے سرور ہو جاتا۔ اگر باغ میں کوئی "دوشیزہ نازنین" نکلتی تو وہ بھی مجھ پر نظر پڑتے ہزار جان سے مجھ پر فریفتہ ہو جاتی حصولِ قرب کے لئے ہر ممکن سعی سے کام لیتی۔ مجھ سے اپنی شانِ دوشیزگی کو دوبالا کرنے کے واسطے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی۔ طوطیاں ہزار چہچہاتیں۔ بلبلیں نغمہ شور مچاتیں۔ گرد و میری عاشقِ زار اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے شاخ گلبن سے جدا ہی کر لیتی۔ پھر کیا ہوتا۔ کبھی چشمِ افسوں ساز سے لگاتی۔ کبھی سینۂ ناز پر جگہ دیتی۔ اور بار بار لبِ میگوں سے بوسے دیتی۔

اگر مجھے کوئی شاعرِ شیریں مقال دیکھ پاتا۔ تو اس قدر میری مدح و ستائش کرتا۔ اپنے طائرِ خیال کی بلند پروازیوں۔ شب فکر کی جولانیوں اور ترنم ریز نغموں کی گونج سے فضائے عالم کو معمور کر دیتا۔

دنیائے شباب میرے وجدان بویت سے متحیر و انگشت بدنداں رہ جاتی۔ عالی مرتبت و ذی وجاہت ہستیاں میرے قرب کو فخر و مباہات سمجھتیں۔ اپنی شگفتگی اور سحر بوییت سے دنیائے عشق میں بوقلمونی اور انقلابِ عظیم پیدا کر دیتا۔ ہر وقت معشوقانِ طرحدار اور نازنینانِ طرار کا طرۂ دستار ہوتا۔ اور اپنی دو روزہ زندگی کو مسرتوں کا گلکدہ بنا دیتا۔ لیکن میرا پھول ہونے سے فقط یہی مقصد نہ ہوتا کہ صرف حسینانِ سراپا ناز و لعبتانِ طناز ———— سے ہی لطف اندوز ہوتا۔ نہیں۔ بلکہ ہر روز شاخِ گلشن پر کھلتا۔ اور عمر طبعی کو پہونچکر اپنے انجام سے اہلِ دنیا کو درسِ عبرت دیتا۔ اور بے ثباتیٔ جہاں کا عبرتناک مرقع اہلِ عالم کے سامنے کھینچکر بود و نابود کی تغیر سے ہر مستِ مئے پندار کو انا للہ وانا الیہ راجعون کی تعلیم دیتا۔ غرض ہر روز اسی طرح قدرت کا پیغام اہلِ جہاں کو پہونچاتا۔ گو اب بھی میری ہستی اہلِ جہاں کیلئے درسِ عبرت ہوگی۔ مگر ایک مرتبہ افسوس قدرت نے مجھے گلوں کے زمرے میں شامل نہ ہونے دیا اسکو بھی اس کی ستم ظریفی کہنا چاہیے۔ ورنہ مجھ میں تو کوئی نقص نہیں۔

سید اشفاق حسین صاحب کوثر نقوی کی غزل پر علامہ سیماب مدظلہ کی اصلاح

سکونِ قلب رواں گشت و جوشش می آید — بہار آمد و عہدِ خروشش می آید
مزارِ تیرہ و تاریکِ بیکساں گہ عدو — ایں نگیست برقِ تجلی بدوشش می آید
ز بیم بادہ کشانِ مئے فراموشی — تمام تیرہ و سرد و خموشش می آید
بیانِ سخن زبانِ خلیل زدہ بیا — کہ عہدِ باطل ایماں فروشش می آید
زمانہ مائلِ صد انقلاب میگردد — صدائے ہاتفِ غیبی بگوشش می آید
سرِ مزارِ من آں ساقیٔ جمیل و حسین — سبو گرفتہ و مینا بدوشش می آید
گناہ و کوثرِ عاصی ... — زادِ بیچ پرسش صدائے سروشش می آید

کوثر — شیخ منظور الٰہی صاحب — ۷۶

آپ کا نام شیخ منظور الٰہی ہے اور کوثر تخلص ہے والد بزرگوار کا اسم شریف شیخ محمد مبارک صاحب ہے جو ریاست جموں کے پرانے تجربہ کار ملازم ہیں۔ اور سرینگر کشمیر میں اچھے عہدہ پر ممتاز ہیں۔

آپ سورج بنسی راجپوت خاندان سے ہیں آپ کا شجرہ نسب راجہ جے پال سے ملتا ہے۔ اسی خاندان کے ایک رکن راجہ جسونت رائے مشرف بہ اسلام ہو کر شیخ کرم اللہ کہلائے۔

آپ ۱۶ر فروری ۱۹۱۳ء کو مقام میانی (ضلع شاہ پور) میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں انٹرنس تک تعلیم حاصل کی۔

آپ کو چودہ سال کی عمر میں پنجابی شاعری سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ ۱۹۳۵ء تک پنجابی کی چالیس کتب و قصص وغیرہ تصنیف کیں۔ منظوم ہدایت۔ جنگ نامہ کوثر۔ خطبۂ انشائے کوثر وغیرہ پنجابی حلقوں میں دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ اسی دوران میں آپ کے ضلع کے پنجابی شعرا آپ کی جانب رجوع ہوئے۔ جن میں تسکین صاحب شاد صاحب بشیر صاحب ساحرؔ اور احمد صاحب قابل ذکر ہیں۔ آپ ان حضرات کو برابر اصلاح و مشورہ دیتے رہے ہیں ایک عرصہ کے بعد آخر آپ کی طبیعت پنجابی شاعری سے اُچاٹ ہو گئی ۱۹۳۷ء میں میانی میں جناب ظفر مرادآبادی سے ملاقات ہوئی جو آپ کے دوست تھے اور جنہیں اردو شاعری میں کافی ملکہ تھا۔ اُن کی صحبت میں رہ کر آپ کی طبیعت کا رجحان اردو کی طرف مائل ہو گیا۔ نغمہ کوثر۔ جاسوس عاشق تیر دلبرا ور شہید ناز افسانے لکھے۔ میانی میں بہت سے مشاعرے پڑھے۔ اُس وقت تک یہاں کسی کو اردو شاعری کا شوق نہ تھا۔ آپ نے "ینگ اسٹوڈنٹ سوسائٹی" کی بنیاد ڈالی جو دو سال تک قائم رہی آپ کے یکایک جموں چلے جانے سے یہ سوسائٹی درہم برہم ہو گئی۔

آپ کی اردو غزلیں تشنۂ اصلاح تھیں۔ اور آپ کو کسی کامل اُستاد کی جستجو تھی پنجاب میں اساتذہ کی کمی نہ تھی۔ لیکن آپ کا ذوق نظر کسی اہل زبان بلند پایہ رہبر کی تلاش میں تھا۔ وہاں کوئی ایسا کامل فن استاد نظر نہ آیا جو آپ کے نقائص اور اغلاط کی تصحیح کرتا۔

آپ مدت سے گرامی حضرت قبلہ علامہ سیماب مدظلہ کی شہرت سُن رہے تھے۔ آپ کی تمنا تھی کہ آپ بھی مولانا مدظلہ کے خوشہ چینوں میں سے ہوں۔ آخر مورخہ ۲۷ر نومبر ۱۹۳۵ء کو حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی کے تلامذہ میں شامل ہو گئے

اُس وقت سے ذریعہ خط و کتابت اصلاح لیتے ہیں چند دنوں کی اصلاح سے آپ کے کلام کا رنگ کچھ سے کچھ ہو گیا گویا کہ حضرت قبلہ موصوف نے آپ کے پژمردہ قالب میں حقیقی روح پھونک دی ہے آجکل کی تصانیف جو غیر مطبوعہ ہیں اور جن کے متعلق خط و کتابت جاری ہے۔ وہ یہ ہیں۔ طلسمی چکر۔ "چند افسانے" "زہریلی ناگن"۔ وغیرہ وغیرہ آپ کا کلام ہمدرد کشمیر، شاعر آگرہ، اودھ پنچ لکھنؤ، خاتون بمبئی، اور کنول، میں شائع ہوتا رہتا ہے۔

کوثر صاحب نے پنجابی شاعری کو ترک کرنے کے بعد اردو شاعری پر گو ابھی بہت کم وقت دیا ہے لیکن پھر بھی حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ موجودہ کلام سے آپ کے مستقبل کا اندازہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔

---

www.taemeernews.com

نمونۂ تغزل

سوز کی توہین ہے بن جائیں گر پروانہ ہم
ہو نہیں سکتے ہیں آتش بیگانہ ہم

سجدے کے قابل ہے کیا مطلب کہیں دیوانہ ہم
اپنا خود آباد کر سکتے ہیں اک ویرانہ ہم

ہو گئی ہے ساقیِ فطرت سے تکمیلِ خمار
اپنے ملبیں دیکھتے ہیں آجکل پیمانہ ہم

شامِ فرقت آتشِ دل کی فراوانی نہ پوچھ
اپنی ہستی کو سمجھتے ہیں چراغِ خانہ ہم

قابلِ سجدہ جو کعبہ ہے تو میخانہ بھی ہے
ہر ادا میں دیکھتے ہیں جلوۂ جانانہ ہم

تیرے میخانے کے ساقی بہت آزردہ دل
لیکے نکلے ہیں کبھی ٹوٹا ہوا پیمانہ ہم

اپنی ویرانی پہ کوثر شکر ہے ماتم نہیں
ہو نہیں سکتے شریکِ قسمتِ بیگانہ ہم

کسطرح ہو رسائی تری بارگاہ تک
واقف نہیں ہوں پیچ و خمِ رسمِ راہ سے

چھائی ہے میری سوختہ قلبِ حزیں کی گرد
اٹھے ہیں افق پہ جو بادل سیاہ سے

افسانہ ہو کہ ہوش میں آجاؤں بعدِ مرگ
کچھ درست کر دو تم اپنی نگاہ سے

جا ہوں جہاں جھکا دوں میں اپنا سرِ نیاز
آگے ہوں قیدِ مسجد و خانقاہ سے

یہ سوزِ شام ہجر یہ کوثر کی بے بسی
روشن چراغ کرتا ہے کمبخت آہ سے

میری روداد کا افسانہ بنے یا نہ بنے
وہ اثر گیر ہو دیوانہ بنے یا نہ بنے

تیرے میخانہ کی زینت نکھر جائے گی ساقی
دل مرا قابلِ پیمانہ بنے یا نہ بنے

کاش اک شمع بنا دے کوئی خاکستر کو
پھر مرے ذرے سے پروانہ بنے یا نہ بنے

میری بربادیوں کا ذکر ہو چاہے میاں
ارضِ کشمیر میں کاشانہ بنے یا نہ بنے

قابلِ قیدِ تعین مرا دل ہے کوثر
کعبہ بن جائے صنم خانہ بنے یا نہ بنے

ہوش والوں کیلئے بار گراں ہے زندگی
کچھ بھی ہو لیکن بہت سخت امتحاں ہے زندگی

کیا فریب کر قدم پر بھی منزل ہو تمام
موت کا ایک چلتا پھرتا کارواں ہے زندگی

حقیقت بجز تخیل کے حقیقت کچھ نہیں
خواب ہے سارا جہاں وہم و گماں ہے زندگی

کھل گئے اسرار پنہاں عالمِ ہستی کے بعد
داستانِ ہستی کی ترجماں ہے زندگی

کچھ بھی نہیں ہے دید کے قابل ترے بغیر
جلوے ہیں سب نگاہ میں باطل ترے بغیر

چلتا ہوں دو قدم بھی تو رکتا ہوں بار بار
کیونکر کٹے گی عشق کی منزل ترے بغیر

مجھکو کہیں ڈبو نہ دے گردابِ بحرِ زیست
مضطر کھڑا ہوں میں لبِ ساحل ترے بغیر

کچھ دور بن ہی ہے مگر مری حیات
کھولے گا کون عقدۂ مشکل ترے بغیر

فریادِ نیم رفتہ بھی آوے نیم شب
ممکن نہیں ہے کوئی بھی کامل ترے بغیر

دل ہو رہا ہے جنتِ کشمیر سے اچاٹ
لگتا نہیں کہیں بھی مرا دل ترے بغیر

کوثر کے سازِ دل سے بھی پھوٹیں آفریں
اک ہر ایک سانس ہے غافل ترے بغیر

نمونۂ نثر

بھولی ہوئی کہانی

بچپن کا زمانہ بھی کیسا دلفریب زمانہ ہوتا ہے اب بھی جب کبھی یاد آتا ہے تو بے اختیار ایک آہ نکل جاتی ہے وہ ساون برسات، وہ میرا سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھولنا اکثر یاد آیا کرتا ہے۔ وہ میری جذبات آفرینی۔ وہ گداز۔ وہ جوانی کی ترنگ۔ کاش یہ سب ہوا کے جھونکے کیطرح گذر گئی ہوتیں۔ وہ آم کا پیڑ شاید اب بھی موجود ہوگا اسمیں ویسی ہی شادابی ہوگی لیکن میرا شجرِ امید ناامیدی کے خشک جھونکوں نے پژمردہ کر دیا ہے۔ جب میں اپنے آپ پر نظر ڈالتی ہوں تو حسرت سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔ رحیلہ کی وہ شوخی اب بھی کبھی کبھی میرے افسردہ قلب کو چھیڑ دیتی ہے۔

رحیلہ کی طرح آج ایسے ابرو والی ہیں جو نہیں لیکن میں ابھی تک وہ ہوں اور اپنی حیات کی درد آفریں گھڑیاں خوش معاقت میں بسر کر رہی ہوں جب میں دو سال کی تھی تو رحیلہ اسوقت سترہ برس کی تھی وہ سلسلۂ ازدواج میں منسلک ہو چکی تھی اور

کلیم — شیخ جمن صاحب کساروی — ۷۷

آپ کا نام شیخ جمن اور کلیم تخلص ہے آپ سنہ ۱۹۱۱ء میں بمقام کسارہ پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ تجارت ہے۔ اور اسی سلسلہ میں آپ وہاں مقیم ہیں۔ آپ کے دیگر اعزا بمبئی اور اکثر بمبئی میں مشہور تاجر ہیں چونکہ آپ ایک ایسے مقام میں پیدا ہوئے جہاں قدرتی رنگینیاں اور دلچسپیاں تو بہت ہیں لیکن تہذیب تمدن کے دوسرے شعبے قریب قریب مفقود سے ہیں نہ وہاں کوئی اسکول ہے نہ کوئی سوسائٹی نہ کوئی ادبی دلچسپی کسارہ۔ اگت پوری کے قریب ایک قصبہ ہے جہاں جنگلات بہت کافی ہیں چاروں طرف فلک بوس دریا اور پہاڑ ہیں۔ موسم گرما میں تو وہاں کچھ چہل پہل بھی ہو جاتی ہے لیکن برسات اور سرما میں یہ مقام قطعاً سونا پڑا رہتا ہے دہی سو پچاس آدمی جو وہاں کے قدیم باشندے ہیں یا تجارت کرتے ہیں ان دنوں موسموں میں وہاں رہتے ہیں۔ چونکہ یہ ریلوے اسٹیشن بھی ہے اسلئے سامانِ خورد و نوش کے ملنے میں آسانی ہوتی ہے ایسے مقام پر انسان رہنے کے بعد کیا ترقی کر سکتا ہے۔ کلیم صاحب نے ابتدا میں مراٹھی کی چند کتابیں پڑھیں اور اس کے بعد اردو کی چند کتابیں اپنے ذاتی ذوق کے بنا پر ختم کیں۔ ورنہ کہاں "کسارہ" اور کہاں اردو۔

کچھ تو فطری لگاؤ اور کچھ ماحولی رنگ سامانیوں سے متاثر ہو کر کلیم صاحب کی شعری زندگی شروع ہو لی۔ ادبی دلبستگی کے لیے چند احباب پیدا کئے انہی کی صحبت میں آپ کا مذاقِ شاعری ترقی پاتا رہا بلکہ علمی استعداد جستہ جستہ ہے جس کے وجوہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں اس لئے کلام کی صحت اور معیار کی بلندی کے لئے آپ نے حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ کے سامنے اپنی عرض داشت شاگردی اپنے ماحول اور اپنی بے مائگی کے ذکر کے ساتھ پیش کی۔ مولانا مدظلہ نے جب آپکی ذوق و شوق دیکھا تو آپ کی درخواست شاگردی منظور فرمالی سنہ ۱۹۳۲ء میں آپ کو شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔

مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ کلیم صاحب اُن سینکڑوں واقعات کے باوجود بھی جو آپ کو پیش آتے رہتے ہیں نہایت اچھا شعر کیونکر کہہ لیتے ہیں۔ اگر اس چیز کو فیضِ سخن نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

نمونۂ تغزل

یہ تو نے کیا کیا پردہ ہٹا کر روئے انور سے　　کہ رنگِ زندگی پھر چھوٹ نکلا شام محشر سے
کہاں وہ عیش کے سامان کہاں تخیل حیرت سا　　میری دنیا بھی چھین لی آغوشِ مقدر سے
نگاہِ ناز سرگرم مدا وائے تمنا ہے　　نکالی جا رہی ہیں دل کی پھانسیں نوکِ نشتر سے

کلیم اب اُن کے جلوے ہیں وہ رنگین نظارہ
اداسی کیوں نہ برسے وادیٔ ایمن کے منظر سے

اب مجھ کو جستجو ہوں کہ ہے آشیاں کہاں　　بجلی فلک سے گر بھی آخر سیاں کہاں
بہتو رواں ہیں جسم پہ موجیں سر شک کی　　اے چشم شوق جادۂ آبِ رواں کہاں
میں منتقل ہو اور وہی بزم ناز ہیں　　یا رب کشش شباب کی انگڑائیاں کہاں
صیاد سے بیک نار جینا کسوں بیاں کروں　　ماندہ ہم وطن ہیں گر ہم زباں کہاں

ویراں پڑا ہے بادۂ حسن وفا کلیم
اب گرد کارواں بھی نہیں کارواں کہاں

دیجیے نقشِ قدم کو یوں نہ کھیلا کیجیے
ایک سجدہ کیجیے پھر ایک سجدہ کیجیے

جاذبیتِ حسن کی ہے تیری ہی نظر
دل یہ کہتا ہے تجھے ہر وقت دیکھا کیجیے

کیجیے ترمیم آدابِ محبت میں ذرا
حسن کی فطرت کو مجبورِ تمنا کیجیے

پھونکئے اک روح تازہ عالمِ امکاں میں آج
لیجئے انگڑائی بہاروں کو دوبالا کیجیے

یہ طریقہ ہے کسی کو دیکھنے کا اے کلیم
سر جھکا کر بند اپنی چشمِ بینا کیجیے

عشق کا انتقام ارے توبہ
اُن کے لب اپنا نام ارے توبہ

تیری رنگین صدا میں سنتا ہوں
زندگی کا پیام ارے توبہ

کیا کہوں کس قدر قیامت تھی
میری منزل کی شام ارے توبہ

آنکھ اٹھتی نہیں سرِ محفل
حُسن کا اہتمام ارے توبہ

میری تدبیر کو میری تقدیر
کر رہی ہے سلام ارے توبہ

عیدِ مژدہ ور کا ہے اک منظر
نامرادوں کی شام ارے توبہ

ہے نظر میں مآلِ طورِ کلیم
پھر بھی ذوقِ کلام ارے توبہ

تیرِ غم میرے دل تنگ سے رخصت ہو جائے
سازِ محفل نے یا سوزِ محبت ہو جائے

حُسن بے پردہ جو ہنگامۂ جلوت بن جائے
رنگِ محفل کا تیری رُخ پہ قیامت بن جائے

جوشِ گریہ کو ابھی روک ذرا اے قوتِ ضبط
انفعال اُنکا نہ تمہیدِ ندامت بن جائے

رنگِ گل بن کے چمن زینتِ محفل ہوں نہیں
طبعِ عالم پہ گراں کیوں میری فطرت بن جائے

جوشِ جذبات سے ہیں سینکڑوں طوفاں دل میں
اب جو پہنچوں لبِ ساحل تو قیامت بن جائے

کیا قیامت ہو کہ نادار گردشِ شب غم
دامنِ صبح پہ تصویرِ قیامت ہو جائے

نئی انگڑائیاں لیتی ہوئی حُسن کا نشہ
عشق ہشیار، خبردار محبت ہو جائے

برقِ ایمن کے فسانے ہیں نہ وہ موسیٰ کلیم
طور پر پھر بھی جانے کی اجازت ہو جائے

پردہ در پردہ ہی بہتر ہے نظر آنے سے
مجھ پہ یہ راز کھلا طور کے جل جانے سے

عشق کی کشتوں کو فانی ہی ہوا کے دشت
جلتے رہتے ہیں سرِ بزم جو پروانے سے

اب تو موسم بہار میں سب کچھ جنوں کا ہے
دامن نہیں ہے یار میری آستین نہیں

اتنی خبر ہے صبح کے دامن میں تھا خرش
بیمار آرزو کا پتا اب کہیں نہیں

روشن ہوں کس طرح میری دنیائے جگر کلیم
جلووں کو آشنا میری چشمِ حزیں نہیں

نعتِ علم ملی جہل و ذلت سے بچا
کتنے اچھے مرے تحصیل کی جو ہر نکلے

نمونۂ نظم

نشاط

بام پہ کون آگیا لعبتِ کائنات آج
جس سے بڑی ہی ہے تحریکِ عظمتِ کائنات آج

وجہ سکون قلب ہے عشرتِ کائنات آج
ابر ہوا ، بہار ہے رحمتِ کائنات آج

بادِ صبا پھر آئی ہے باغ میں جھومتی ہوئی
پھولوں کو چھیڑتی ہوئی کلیوں کو چومتی ہوئی

ابرِ کرم وہ چھا گیا لذتِ کیف لیجئے
مست ہے موجِ ہوا لذتِ کیف لیجئے

ہوش میں آئیے ذرا لذتِ کیف لیجئے
دیکھئے کیا ہے ماجرا لذتِ کیف لیجئے

ہو گئی کشتِ خشک سبز پانی ہے ہر جگہ رواں
آمدِ شام نگہ ہے قابلِ دید ہے سماں

پھرتی ہے دوش پر صبا نکہتِ دلستاں لئے ہوئے
دامنوں میں بہار کا کیفِ رواں لئے ہوئے

دل کا سکوں لئے ہوئے راحتِ جاں لئے ہوئے
ہر نفس میں نعمتِ دو جہاں لئے ہوئے

رنگِ بہار دفعتاً رنگ باغ ہی گلفشاں ہے
ہے یہ دعا کہ یہ نشاط خلق میں جاوداں رہے

میر — شیخ محمد علی صاحب احدی اجمیری (۷۸)

آپ کا نام شیخ محمد علی احدی اور میر تخلص ہے۔ والد بزرگوار کا اسم گرامی شیخ امداد علی صاحب احدی تھا۔ احدی آپ کا خاندانی لقب ہے۔ ۱۸۹۸ء میں گلی احدیان محلہ چوک پنی گران، اجمیر شریف میں پیدا ہوئے اس وقت آپ کی عمر اکیاون سال ہے۔ اجمیر شریف کے ایک مشہور خاندان سے ہیں۔

ابتدائی تعلیم مدرسہ معین الاسلام درگاہ معلی اجمیر شریف میں ہوئی قرآن پاک۔ اردو۔ فارسی اور ہندی کی تکمیل کی۔ آپ انگریزی بالکل نہیں جانتے۔ کثرتِ مطالعہ نے آپکو زبردست مدد پہونچائی۔ اردو اور فارسی میں آپ کو کافی دستگاہ ہے۔

میر صاحب نے ۱۹۱۰ء میں شاعری شروع کی ابتدا میں آپ نے مولانا عبدالمعبود صاحب حنفی اجمیری کو اپنا کلام دکھایا۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ آپ کی مشق کافی بڑھ چکی تھی اس لئے مولانا مدظلہ کے فیضِ اصلاح سے آپ بہت جلد ترقی کر گئے۔ اور چند سال ہی میں فارغ الاصلاح ہو گئے۔

میر صاحب نے اپنی زندگی میں ایک ایسا انقلاب پیدا کیا۔ جس نے آپ کو ملک سے روشناس کرا دیا۔ ابتدائی دورِ شاعری میں آپ نعت یا عشقیہ غزلیں کہتے تھے اور بہت زیادہ کامیاب تھے۔ لیکن یکایک آپ کی طبیعت نے ایک نیا راستہ پیدا کیا اور آپ۔ حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کے رنگ میں ایسے رنگے کہ ملک کا بچہ بچہ آپ کو جاننے اور ماننے لگا۔ حقیقت میں آپ نے حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کے رنگ کی صحیح تقلید کی ہے۔ ہندوستان کو اسی چیز کی ضرورت تھی۔ ملک کے مشہور رسائل اور اخبارات میں آپکا ظریفانہ کلام چھپتا رہتا ہے۔ نعت گوئی لکھتے ہیں۔

اس وقت تک آپ کی ۲۲ تصانیف شائع ہو چکی ہیں جو ملک میں بے حد مقبول ہیں۔ مثنوی نظارۂ عرس خواجہ۔ دربارِ خواجہ۔ روضۂ خواجہ ریاضِ خواجہ۔ الوداع مدینہ۔ درود بہارِ خواجہ۔ مجاہدِ مجبیر۔ مختصر جذبات۔ پنجابی تحفہ نذر جستان۔ تاثراتِ میر احدی۔ رشحاتِ میر احدی۔ فیضی شاعرِ تاج حریت سیر اجمیر۔ ارضِ خواجہ۔ مدحت العین۔ شوکتِ خواجہ۔ عظمتِ خواجہ۔ الفتِ خواجہ۔ بزمِ اسلام۔ ترغیبِ تجارت اور گلکدۂ نعت۔ آپ کی غزلیں اکثر ریکارڈ کمپنیوں میں بھی ریکارڈ ہو چکی ہیں۔

آپ کا لباس نہایت سادہ اور مزاج نہایت شگفتہ ہے۔ بات بات سے ظرافت ٹپکتی ہے۔ کلام میں پختگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ گو آپ انگریزی بالکل نہیں پڑھے لیکن اپنے ظریفانہ کلام میں بستعد بیجا انگریزی الفاظ کو صحیح معنی میں آپ نظم کر جاتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

(بیک قافیہ)

میں اسیرِ غم جو نکلا گھر بنانے کے لئے
تیلیاں پائیں قفس کی آشیانے کے لئے

دیکھنا قسمت! کہ رہ رہ کر وہیں بجلی گری
شاخ جو بلبل نے ڈھونڈی آشیانے کے لئے

ہو مبارک بلبلوں کو موسمِ گل اب کے سال
تنکے خود آئے ہیں اُڑ کر آشیانے کے لئے

دستِ گلچیں آتشِ گل برقِ خالف باد تند
جو بلا آئی وہ میرے آشیانے کے لئے

آشیاں میں شب کو کتنے گل اُڑا لائی صبا
صبح تک بلبل نے بو آشیانے کے لئے

گھر چھڑایا جب سے گلچیں نے بہ تو ہیں بوزار
آشیاں میری کیلئے میری آشیانے کے لئے

مہرباں صیاد نے دلکش بنانے کو قفس
تیلیاں پھولوں کی لگوا آشیانے کے لئے

تیغِ ابرو پہ ہوا جاتا ہے قربان مرغِ جاں — شاخ ڈھونڈی ہے غضب کی آشیانے کے لئے
دشمنی کتنی ہے مجھ دل سوختہ سے برق کو — پھونک ڈالا اب چمن اک آشیانے کے لئے
گاہ بجلی گر پڑی گہ بادِ صرصر لے اڑی — جب چنے دو چار تنکے آشیانے کے لئے
عمر بھر کرتے رہیں گے صد جدائی عندلیب — ہم وطن کو لوٹو تو آشیانے کے لئے

کیا بلند آہنگ ہے لے تیسر اپنا مرغِ طبع
ڈھونڈتا ہے شاخِ سدرہ آشیانے کے لئے

تیغِ ادا کے زخمی قاتل کو ڈھونڈتے ہیں — ارمانوں کے خواہاں مشکل کو ڈھونڈتے ہیں
مجنوں نے صحرا میں سب خاک میں ملا دی — فندوں میں بجد کے ہم محمل کو ڈھونڈتے ہیں
آ آ کے بیٹھتے ہیں سینے میں تیر ان کے — بچھڑے ہوئے سازِ منزل کو ڈھونڈتے ہیں
دنیا کی خواہشوں سے کرتا ہیں ہم کنارا — دریا سے تنگ آ کر ساحل کو ڈھونڈتے ہیں
حق کی طلب میں عاشق کرتا ہی مدینہ کعبہ — لیلیٰ کی آمد میں محمل کو ڈھونڈتے ہیں

گو تیسر ہر طرف ہے نااہلیت کا رونا
قابل مگر ہمیشہ قابل کو ڈھونڈتے ہیں

درِ خواجہ پیاسوں کی کثرت لیکے آیا ہوں — محبت کا ہوں دیوانہ محبت لیکے آیا ہوں
بہت مدت سے آنکھوں کو زیارت کی تمنا تھی — میں اے خواجہ ترا شوقِ زیارت لیکے آیا ہوں
محبت کا ترے ہندوستاں کی دل پہ سکہ ہے — ازل سے ساتھ یہ تیرِ صداقت لیکے آیا ہوں
مجھے اے حضرتِ خواجہ تمہارے آستانے پر — عقیدت لے کے آئی ہے عقیدت لیکے آیا ہوں

سما کرتا ہوں ہر دم تیسر میں دربارِ خواجہ میں
گدا ہو کر بھی سلطانوں کی قسمت لیکے آیا ہوں

عجب ستو رہے ہندوستاں کی نوجوانوں کا — بجائے گل کے اپنے باغ میں یہ خار بوتے ہیں
چلے کیوں نکر نہ ہو تا در توں ہندو مسلماں میں — شاعرِ آگرہ کے تو بڑے مضبوط رستے ہیں

سنتے ہیں صد میری شاعری کی ثناء میں — مرے اشعار ملتے ہیں بدیشی کارخانوں میں

سفر کی دقتیں آکر وطن میں بھول جاتے ہیں — قفس کی یاد کیوں بلبل کو لا آشیانوں میں

نظر پڑتی ہے دنیا کی ہمیشہ خوش لباسوں پہ — نمائش کر رہیں گویا اہلِ دنیا دیکھنے والے
تعجب کیا اگر قسمت بدل دے تیرا نقشہ بھی — نہ خوش ہو میری بربادی کا نقشہ دیکھنے والے

اترا ہے یہ پورا یا نہ پورا آزمائش میں — مرے دل کو بھی ٹھکرا کے دیکھ لو یہی نمائش میں

پڑھ کے انگلش شیخ بھی نیچر کا قائل ہوگیا — دیکھنا لکھا پڑھا انسان جاہل ہوگیا

سبق حاصل کیا ہمدرد دیوانوں کا پھر دل نے — پتہ منزل کا پایا پھر کسی گم کردہ منزل نے
بحمد اللہ ہوئیں پھر بار آور مجتنی سدا کی — مری امید کے گلشن میں پھر غنچے لگے کھلنے
بھلا پھر کیوں نہ اے حسن تری تجھ کو ڈھونڈے ہیں — تجھے دیکھا تجھے چاہا ہو جن آنکھوں نے جس دل نے
مری تقدیر جب چمکی بھلے دن جب قریب آئے — مری کشتی کی لیں بڑھ کر بلائیں دستِ ساحل نے
میں وہ شاعر ہوں پیرا تذکرہ اعزاز سے جا ہے — کبھی گلشن ہوا اندر کبھی امید سائل نے
ثانی جا رہی ہے جوبلی صد سالہ کالج کی — کیا ہے جمع پروانوں کو اپنی شمعِ محفل نے

تجھے اے تیسر مشہورِ جہاں کر ہی دیا آخر
تری روشن خیالی نے تری علمی مشاغل نے

حاصل ہوا یہ رتبہ اس بے کسی کی زندگی میں — بخشش سے پیشتر ہی ہم آ گئے گلی میں
کیا چیز آدمی ہے کیا شے ہے آدمی میں — ہیں دو جہاں کے جلوے اس بزمِ عارفی میں
گھیرا ہے ہر طرف سے تاریکیوں نے ہم کو — اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں
جب سے گرا چکا ہوں میں زندگی کا بیمہ — مر جاؤں ہو خوشی سے یہ ٹھان لی ہے جی میں
مدت کے بعد جا کے بخیہ گری کی سوجھی — مجنوں ہوا نوکری کا سنگر کی کمپنی میں

تیسر حزیں ہوا ہے اب آگرہ میں حاضر
یہ پوسٹر لگا دو اس شہر کی گلی میں

---

www.taemeernews.com

منظر — شمشاد حسین صاحب صدیقی اکبرآبادی — ۷۹

آپ کا اسم گرامی شمشاد حسین صدیقی اور منظر تخلص ہے۔ آپ میرے برادرِ معظم اور حضرت قبلہ علامہ مولانا سیماب مدظلہ العالی کے خلفِ اکبر ہیں۔ ۱۹۰۷ء میں کانپور میں پیدا ہوئے۔ بچپن کا زمانہ کانپور، اجمیر اور ٹونڈلہ ضلع آگرہ میں گذرا اور یہیں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد جب حضرت مولانا مدظلہ بسلسلۂ ملازمت ٹونڈلہ میں قیام پذیر ہوئے تو آپ وہاں ریلوے ہائی اسکول میں داخل ہو گئے۔ ابھی انٹرنس تک تعلیم حاصل کی تھی کہ مولانا مدظلہ مستقل طور پر آگرہ تشریف لے آئے۔ یہاں آنے کے بعد برادرِ معظم حضرت منظر صدیقی سخت بیمار ہو گئے۔ اور بیماری نے ایسا طول کھینچا کہ انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا اطباء اور ڈاکٹروں کے مشورے سے آپ کو دماغی سکون کے لئے دو سال تک تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا

فارسی، عربی اور اردو کی تعلیم آپ نے مدرسۂ عالیہ جامع مسجد آگرہ اور مدرسۂ محمدیہ آگرہ میں حاصل کی۔ اصل میں منشائے فطرت کچھ اور تھا فطرت برادرِ معظم سے کچھ اور کام لینا چاہتی تھی۔ ایسا کام جس کے لئے ایک سکونِ قلب و دل و دماغ کی ضرورت تھی اور غالباً اسی لئے آپ کو ادبی جدوجہد سے پہلے کچھ عرصے کے لئے دماغی سکون بخش دیا۔ آپ نے ادبی ماحول میں آنکھ کھولی۔ اد[illegible] اردو کی گود میں پرورش پائی۔ اور حضرت قبلہ مولانا مدظلہٗ کے سایہ میں زندگی کی گھڑیاں بسر کیں۔ یہ تربیت کا نتیجہ تھا۔ کہ سن شعور کے پہنچنے کے بعد ہی آپ نے خدماتِ ادب کے لئے زندگی وقف کر دی

اپنی زندگی برادر منظر صاحب نے جس ادبی انہماک میں بسر کی ہے اس کی مثال نوجوان طبقہ میں ذرا مشکل سے مل سکتی ہے۔ آپ کی ادبی کاوشیں ۱۹۲۳ء سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ مستقلاً آگرہ تشریف لائے تھے اور قصرالادب سے پیمانہ شائع ہوا تھا۔ ابتدا سے آپ کو انتظامی قابلیت بدرجۂ اتم ودیعت فرمائی تھی چنانچہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک جب کہ حضرت مولانا مدظلہٗ تمام اکنافِ ہند کا دورہ کر رہے تھے۔ اس وقت آپ قصرالادب کے تمام انتظامی امور نہایت حسن و خوبی سے انجام دے رہے تھے۔ "پیمانہ" کے ہنگامی انتظامات کے ساتھ ساتھ آپ نے کتب خانہ کی بھی بنیاد ڈال دی تھی۔ اور تنہا اتنے بڑے ادارے کی دیکھ بھال فرما رہے تھے۔ ۱۹۲۹ء میں حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ نے اپنے چند احباب اور تلامذہ کے مشورے سے قصرالادب کو لاہور منتقل کیا۔ تو آپ نے وہاں بھی بہت سرگرمی سے کام کیا کچھ عرصہ تک فیروز پرنٹنگ ورکس لاہور کے شعبۂ تصنیف و تالیف میں بھی کام کیا۔ جس وقت لاہور سے قصرالادب آگرہ لایا گیا تو قصرالادب سے آپ ہی کی ادارت میں ایک ماہنامہ "ثریا" کے نام سے شائع ہوا۔ جو کچھ عرصے کے بعد آپکی بے انتہا دیگر مصروفیتوں کی نذر ہو گیا۔

۱۹۳۰ء میں جب حضرت مولانا مدظلہٗ نے اخبار "تاج" جاری فرمایا۔ تو اس وقت "پیمانہ" کے ساتھ ساتھ "تاج" کا بھی تمام انتظام آپ ہی کے سپرد تھا۔ آپ نے جس حسن انتظام کے ساتھ اخبار "تاج" کی ملک تک کا اس سے ہندوستان کی ادبی اور سیاسی دنیا اچھی طرح واقف ہے ابھی آپ کی ادبی زندگی کو چند اور ہنگامی چیزوں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ قبلۂ معظم حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی کی سرپرستی اور اپنی ادارت میں پندرہ روزہ رسالہ "شاعر" شائع کیا۔ جس نے ادبی دنیا میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ اور آج آپ ہی کے لگائے ہوئے اور سینچے ہوئے پودے کی آبیاری میں کر رہا ہوں یہ انتہائی قابلیت تھی کہ ۔ تاج۔ شاعر

تینوں پرچوں کو بڑی سرگرمی کے ساتھ وقت پر شائع فرماتے رہے۔

حضرت مولانا مدظلہٗ کی خدمت اور نگرانی میں عرصہ دراز تک کام کرتے کرتے آپ کی تربیت اور ادبی نشو ونما اتنی مکمل اور احسن طریقہ پر ہو چکی تھی کہ تمام زندگی گنوا کر بھی دوسرا شخص اس پایہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ جس وقت میں نے قصر الادب کے انتظامی معاملات اپنے ہاتھ میں سے لئے تو آپ کو کچھ سبکدوشی حاصل ہوئی۔ اور آپ نے ماہنامہ "مشورہ" آگرہ اور ماہنامہ "یادگار" لاہور میں بطور مدیر کام کیا۔ اپنے دس سالہ تجربہ کی بنا پر آپ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا رسالہ آگرہ سے شائع کیا جائے جس میں مرحوم رسالہ "پیمانہ" کی جھلک نمایاں ہو۔ اور جو پنجاب کے شہرت یا[illegible] رسالوں میں ممتاز جگہ پا سکے۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں ماہنامہ "کنول" مرکز اشاعت ہینگ کی منڈی آگرہ سے جاری کیا۔ جس نے اپنی بہت ہی کم عمر میں مشہور ادبی صحائف کی صفِ اول میں ممتاز جگہ پائی۔ اس کے ساتھ ہی آپ اپنے مخلص دوست جناب محمد خلیل صاحب ساز صدیقی اکبرآبادی کے ساتھ ساتھ "رفاہِ عام پریس" آگرہ کے انتظامی معاملات میں بھی دخیل ہیں۔

ابتک میں نے برادرِ معظم کی ادبی زندگی پر بہت ہی مختصر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن شعری زندگی ہنوز باقی ہے۔ آپ کی شاعری کے تعلق میں بھلا کیا لکھ سکتا ہوں۔ چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق ہوگا۔ آج تمام ہندوستان آپ کی شاعری سے متعارف ہے۔ آپ جیسے ادیب جلیل اور شاعر بے مثل کے فرزند اکبر ہیں۔ اسی اعتبار سے اگر آپکے کلام پر روشنی ڈالی جائے تو ایک طویل مضمون مرتب ہو سکتا ہے برادرِ معظم میں چند خصوصیات ایسی ہیں جو آپ کے درجہ کو آگرہ اسکول کے افراد سے ممتاز کرتی ہیں۔ سب سے پہلے تو آپ کو حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ کا فرزند اکبر ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ عرصہ دراز تک آپ نے مولانا مدظلہٗ کے دوش بدوش حاضر رہ کر اپنی مشق کی تکمیل کی ہے۔ مولانا مدظلہٗ کی صحیح جانشینی کا حق حاصل ہے۔ اس کے علاوہ تمام ادبی خصوصیات جو مولانا مدظلہٗ میں پائی جاتی ہیں۔ آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ شاعری کی ہر صنف پر قادر ہیں۔ مولانا مدظلہٗ کے تمام تلامذہ آپ کی عزت کرتے ہیں۔ اس وقت ہندوستان میں متعدد شاعر ایسے بھی ہیں۔ جو آپ کے فیضِ سخن سے ترقی پا رہے ہیں۔ ہندوستان کے ہر مشہور رسالے اور ا[illegible] رکو آپکے کلام، مضمون اور افسانوں کے شائع کرنے کا فخر حاصل ہو چکا ہے۔ کوئی بڑا مشاعرہ ایسا نہیں ہوا جس میں آپ نے شرکت نہ کی ہو۔ برادرِ معظم کی شعری خصوصیات کے متعلق ملک کی رائیں جو کچھ ہیں وہ ادبی ذوق رکھنے والوں کی نگاہوں سے گذرتی رہتی ہیں۔

آپ نہایت خاموش، سنجیدہ اور خلوت پسند انسان ہیں۔ گو آپ کی صحت اچھی نہیں رہتی۔ اور آپ آئے دن بیمار رہتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی زیادہ سے زیادہ کام کرتے ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں عام فہم عروض بہت مقبول ہوئی ہے۔ اشاعتِ کلام اور دیگر ادبی مضامین اور افسانوں کے متعلق آپ کا خیال ہے۔ کہ جب تک ایک ادیب معیار کی انتہائی معراج تک نہ پہونچ جائے اور ملک اُس کے کلام اور کام کی ضرورت محسوس نہ ہو اُس وقت تک ملک کے سامنے کسی تصنیف کو پیش کرنا لاحاصل ہے۔

نمونۂ تغزل

یہ خانے سے میری جانفشانی کو یہ کدورت تھی — کہ آئی بھی تو آئی مدد زندانِ دیوار زنداں تک

اٹھاؤں غم دلِ مجبور پر زمانے کا — یہ مدعا تھا مرے آدمی بنانے کا

دلِ خراب کی سرمستیاں معاذ اللہ
اسے ہم اور بھی کر کے خراب دیکھیں گے

میں پوچھتا ہوں یہ دنیا کے بامرادوں سے
وہ کیا کرے کہ جو ناکامِ آرزو ہو جائے

رکھ لیا سینے پہ پھینکا ہوا خنجر میں نے
مجھ سے دیکھا نہ گیا اُن کا پشیماں ہونا

تمہاری باتیں کسی میں ہوتیں تو کیا مرے دل کا حال ہوتا
جو تم سے دو چار اور ہوتے تو میرا جینا محال ہوتا
خدا نے کچھ سوچ کر سمجھ کر کیا تمہیں لاجواب پیدا

جسے منظور ہو بربادیٔ مطلق تنظر
آئے اور دیوانۂ ہستی کا گریباں ہو جائے

ذرا کمسن تھا کہ تھی ہر چیز پہ اک گونہ ملال
جوانی ہے کہ اک دنیا جواں معلوم ہوتی ہے

تاریکیٔ لحد کو رنگینیاں مبارک
آنکھوں میں لے چلا ہوں تیرا جمال بھر کے

یہ جتنے کارواں ہیں سب بنیں گے خاک منزل کی
نیا اک کارواں خاکسترِ منزل سے نکلے گا

تیری بیداد سر آنکھوں پہ مگر سن تو سہی
اس پہ بیداد ہے جو قابلِ بیداد نہیں

عبادت ہے کہ سجدہ روز کرتا ہوں خدا کو میں
طبیعت ہے کہ اب تک بت پرستی کو ترستی ہے

کچھ بن نہ سکی ہستیٔ ناکام ہماری
کوشش تو بہت کی کوئی دیوانہ بنا دے

تجلّیٔ نظر مبارک کہ عشقِ جمال
کل کسی کے دستِ نازک میں تری تصویر تھی

دیکھئے کس نام سے ہو ذکرِ مرگِ عاشقی
نام میری بیخودی کا زندگی مشہور ہے

ستاروں کی چپ، فضا خاموش، پھیلی شب کا سناٹا
مناسب وقت ہے دل چاہتا ہے اک فغاں کر لیں

اک کیف تاج میں ہے اک روح ہے چمن میں
کوثر مرے وطن میں جنت مرے وطن میں

پھیلی ہوئی ہے میری تربت پہ چاندنی سی
یہ داغِ عاشقی ہے یا چاند ہے کفن میں
مزدور کو عطا کی معراج عاشقی کی
فطرت شریک کی تقدیرِ کوہکن میں
صیاد اب چمن سے کیا کیجئے کنارا
جینا اسی چمن میں مرنا اسی چمن میں

میں نزع میں ہوں مگر وہ ستائے جاتے ہیں
نظر ملا کے ستم بخشوائے جاتے ہیں
شباب آہ میں وہ جھلملائے جاتے ہیں
حیاتِ عشق کو وحشی بنائے جاتے ہیں
شباب مجھ کو ہے بے پناہ سے اپنی
اسی طرح تو فسانے بنائے جاتے ہیں

اب کہیں تیری تمنا کا ٹھکانا بھی نہیں
دیکھ انجام تمناؤں کے ٹھکرانے کا

مرا دل مر گیا تو زندگی کر رو گئی دنیا
فنا یا محفلِ ہستی عبارت ہے مرے دل سے

عجب اک چیز ہے انساں کا ہونا بھی نہ ہونا بھی
جہاں آباد ہوتا ہے وہیں برباد ہوتا ہے

سینے میں اپنے میں لئے پھرتا ہوں ایک قبر
تیرے فریبِ لطف کی برباد کی ہوئی

یہ ثابت ہو رہا ہے انقلابِ بزمِ امکاں سے
کسی دن قصرِ آزادی بنے گا خشتِ زنداں سے

دل کے ٹکڑے آنسوؤں میں بہہ گئے
اب تباہی حسن ہم کیا رہ گئے

فطرتِ فن نے کس سے انگڑائی لی — ایک موج آئی سمندر بہہ گئے

کبھی تو بھی غیر سے گر مرا حال پوچھ لیتا — جو نہ چارہ ساز تھا تو زمانہ ساز ہوتا

برباد کر کے دے نہ فریبِ التفات کے — اب ہم تری نگاہ کے قابل کہاں رہے
جب میں نہ تھا تو دل کا تعین محال تھا — جب دل نہ تھا تو آپ کے جلوے کہاں رہے

نمونۂ نظم

تصویرِ حیات کے دو رخ

ہستی و مستی ———— عبرت و ویرانی

انقلاب اُف کس قدر عبرت بداماں انقلاب — زندگی کے سو پہلوئے نظر نمایاں انقلاب
اک طرف ہستی و مستی کی بہاریں موجزن — اک طرف خاموش دنیا غرقِ سیلابِ محن
اک طرف صبحِ چراغاں اور دنیائے بہار — اک طرف تاریکیاں تاریکیوں میں انتشار
اک طرف کچھ قصر کچھ کاخ بلند و بے نظیر — اک طرف ویرانیاں قیدِ تعین میں اسیر
اک طرف سورج کی تابانی فروغِ زندگی — اک طرف عبرت کا آئینہ اداسی شام کی
اک طرف شغلِ شبِ مہتاب کی بادہ وشی — اک طرف کچھ ظلمتیں عبرت بکف محوِ بکا
اک طرف اٹھے زمیں کی سمت خود ڈوبے ہوئے — اک طرف خاموش قطعے موت کے ڈوبے ہوئے

آہ ان قطعوں میں ہستی بستی کبھی آباد تھی — گونجتی تھی ساز کی لے پر فضا جادو دواں
صبح کو جلوے نئے تھے شام کے تیور نئے — پیش کرتا تھا شفق کا آئینہ منظر نئے
رات آتی تھی یہاں بن کر مجسم کہکشاں — مسکراتا تھا ہر اک ذرے میں ہر شوخ نشاں
تھے ضیا افروز اوراقِ کتابِ زندگی — اب کہاں وہ نزہتِ دورِ شبابِ زندگی

تھے یہی قطعے جہاں جھکتا تھا زریں آسماں — آج بن کر رہ گئے ہیں سرخئ نظمِ خزاں
لٹ گئی وہ بزم وہ رنگِ بہارِ گلستاں — دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا ہندوستاں
اب یہاں عبرت کی بینائی کی راہیں — مرثیہ خوانِ زوالِ عالمِ ایجاد ہیں
اک طرف ہنگامۂ نو اک طرف عالم تمام — اک طرف تابندگی اور اک طرف خوشتر ہیں
آہ کیا نظارۂ پُر درد و غم آثار ہے — صدمۂ بے انتہا ناقابلِ اظہار ہے

دیکھ کر ناظر نئی دہلی پہ دیر اپنی بھی دیکھ
ناز تھا جن پر زمانے کو وہ کاشانے بھی دیکھ

نمونۂ نثر

حسن و جمال کی نادر ترین تصویرِ حیاتِ انسانی کی ممتاز ہستی طاؤسا نیودت کی ایک ہی صورت تھی۔ وہ اتنی حسین تھی اتنی جمیل تھی کہ اُسے دیکھنے کے بعد کیفِ نظارہ سے ناظر پر بیخودی سی طاری ہوتی تھی۔ اس کے خداداد حسن کا اثرات پر بنیاد تھی وہ جب اپنی قیمتی اور مرصع موٹر میں بیٹھ کر سیر کیلئے نکلتی تو بازاروں میں ایک حشر برپا ہو جاتا۔ دیکھنے والے ساکت رہ جاتے۔

وہ ایک پارسی کی لڑکی تھی۔ جو ایک تھیٹریکل کمپنی کا مالک تھا اور بے انتہا دولتمند۔ طاؤسہ کو تھیٹر، سینما اور ایسی ہی دوسری تفریحات سے سخت نفرت تھی اس کا یہ تنفر بڑی حیرت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا تھا۔ اور لوگوں کو تعجب تھا کہ ایک تھیٹر کے مالک کی بیٹی کی فطرت اتنی مختلف کیوں ہے۔ طاؤسہ جتنی حسین تھی اتنی ہی سنجیدہ بھی تھی۔ اُسے کسی نے کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا اور وہ کبھی قہقہے لگاتی ہوئی نہیں پائی گئی۔ اور یہ خیال بھی معقول تھا کہ یہ حالت اس کے غم دروں کی ترجمان ہے۔ وہ مطلق غمگین نہیں رہتی تھی۔ اور حقیقتاً اسکو کوئی غم بھی نہ تھا

کوثر :- عبدالحمید صاحب اکبرآبادی ۸۰

تلمیذ حضرت منظر صدیقی اکبرآبادی مدیر کنول آگرہ

آپ کا نام عبدالحمید صدیقی اور کوثر تخلص ہے۔ آپ عبدالعزیز صاحب نعم صدیقی اکبرآبادی مرحوم شاگرد رشید حضرت نثار اکبرآبادی مرحوم کے خلف اکبر ہیں

۱۰ جولائی ۱۹۰۹ء بروز چہار شنبہ بمقام منڈا گنج آگرہ پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ نقشہ نویسی ہے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ اُستاد عیسیٰ صدیقی (جن کا مزار میوٹ پارک آگرہ کی بیرکوں کے بیچ ہے) کا وطن البانیہ تھا۔ تلاشِ معاش میں آفندی تشریف لائے اور وہاں سے ہندوستان وارد ہو کر شاہجہاں بادشاہ کے دربار میں بمشاہرہ ۱۵۰۰ روپیہ ماہانہ نقشہ نویسی پر مقرر ہوئے۔ تاج محل آگرہ کا نقشہ تیار کیا اور "نادر العصر" کا خطاب پایا۔

کوثر صاحب نے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء میں مطبع کا کام شروع کیا۔ ۱۹۳۰ء میں کچھ عرصہ کے لئے ملٹری اسٹیشن آفس ہیڈ سرکل آگرہ میں بحیثیت نقشہ نویس کے کام کیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں پھر ایک مطبع رفاہِ عام پریس کے نام سے قائم کیا۔ جو بمعیت جناب محمد خلیل صاحب ساغر آجکل انتہائی ترقی پر ہے۔ آپکے دو بھائی ہیں۔ حفظ القدر صدیقی اور ظفر المجید صدیقی متعلم تھرڈ ایر سینٹ جانس کالج آگرہ۔

شاعری آپ کو ورثتاً ملی ہے۔ اسکول کی زندگی میں بھی آپ ادبی صحبتوں میں شرکت کرتے تھے۔ ابتدائی دور میں مولوی بشارت علیخاں ادمان آفریدی اکبرآبادی سے اصلاح لی اور اس کے بعد سے برادرِ معظم حضرت مضطر صدیقی اکبرآبادی سے اصلاح و مشورہ فرماتے ہیں۔ آپ کا کلام صاف اور سنجیدہ ہوتا ہے۔ مشاعروں میں بھی کبھی کبھی شرکت فرماتے ہیں۔ نہایت خوش مزاج اور باوضع انسان ہیں۔

نمونۂ تغزل

سرِّ ماضی فکرِ مستقبل میں ہر زمانہ ہے — جس کو جتنا ہوش ہے اتنا ہی وہ دیوانہ ہے
ہر نظر ہے آپکی برہم زنِ ہوش و ہوس — آپ دیوانہ جسے کہدیں وہی دیوانہ ہے

کہہ گئے کوثر وہ یوں مجھ کو چشمِ مست سے
اب مری آنکھوں سے پیدا حاصلِ میخانہ ہے

دل محبت میں پریشاں ہے بیک انداز سے — جانے کس مضراب کا مرہون دل کا ساز ہے
بے نیازِ دو جہاں ہوں میں طفیلِ زندگی — غم مرا ہمدرد ہے اور درد چارہ ساز ہے

بس گئی دنیا امید و بیم کی میرے لئے — اک کرشمہ بن گئی ہستی تری میرے لئے
بے نیازی تیری عادت عجز شیوہ ہے مرا — بیخودی تیرے لئے اور خودی میرے لئے
ہے نفس کی آمد و شد پر مدارِ زندگی — موت کی تصویر ہے یہ زندگی میرے لئے
جب کبھی صحنِ چمن میں دعوتِ گلگشت دی — ہر کلی تیرا تبسم بن گئی میرے لئے

اسکی یاد اور شباب ائے توبہ — روح صرفِ عذاب ائے توبہ
ان کا کافر شباب ائے توبہ — عشق کا اضطراب ائے توبہ
چاند پر جیسے ابر کا سایہ — حسن زیرِ نقاب ائے توبہ
سو رہی ہیں جوانیاں انکی — حسن ہے محوِ خواب ائے توبہ
دردِ فرقت نے کر دیا مجبور — ورنہ میں اور شراب ائے توبہ

یہ بلا نوشیاں مری کوثر
پی گیا بے حساب ائے توبہ

غمِ فراق میں انساں غلط نگاہ سہی — قرار کی ہے یہ صورت کہ بیقرار رہے
ہے نہ درد ہی باقی خلش ہی رہ جائے — کوئی تو عہدِ محبت کی یادگار رہے
کچھ اس طرح ہو محبت کے فرض کی تکمیل — زبانِ شوق پہ ہر وقت ذکرِ یار رہے
چلا تو ہوں رہِ الفت میں ہمتیں لیکر — بہک نہ جاؤں کہیں ضبط ہوشیار رہے
ملی نہ دردِ محبت سے بعدِ مرگ نجات — ہماری خاک کے ذرے بھی بیقرار رہے
حصولِ مرجعِ حقیقت نہیں محال مگر — یہ ایک شرط کہ انسان ہوشیار رہے

ماہر — "خان صاحب" حکیم محمود علیخاں صاحب اکبرآبادی (۸۱)

آپ کا اسم گرامی محمود علی خاں اور ماہر تخلص ہے۔ اکبرآباد میں پیدا ہوئے۔ گزشتہ پچیس چھبیس سال سے دہلی ہی میں مطب کرتے ہیں۔ آپ کو آبا و اجداد نے اسلامی سلطنت کے زمانے میں طبی کمالات کے وہ جوہر دکھائے تھے کہ بادشاہِ وقت نے خوش ہو کر بڑے بڑے منصب اور جاگیریں بخشی تھیں۔ آج بھی حکیم صاحب موصوف نے اپنے فنی کمالات کے ذریعہ ہندوستان والوں کو عموماً اور دہلی والوں کو خصوصاً گرویدہ کر رکھا ہے۔ آپ کا مطب بھی بہت کامیاب ہے۔ اور روزانہ صدہا مریض اس چشمہ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ بلا معاوضہ خدمتِ خلق کو اپنا نصب العین سمجھتے ہیں۔ گذشتہ تجربوں سے یہ بات بھی ثابت ہوئی ہے کہ وبائی امراض میں حکیم صاحب خدمتِ خلق کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں۔ پبلک خدمات کے صلہ میں گورنمنٹ نے آپ کو "خان صاحب" کا خطاب عطا کیا ہے۔ آپ کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مرض کی بہت جلد تشخیص کر لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کے مطب میں روزانہ دور دور سے مریض آتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی دیسی ریاستوں سے بھی آپ کا تعلق ہے۔ ان مصروفیتوں کے باوجود آپ بہت سی طبی اخلاقی اور مذہبی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ ان کتابوں کو جو یونانی اطباء کے بخل کا شکار ہو رہی تھیں۔ آپ منظر عام پر لے آئے ہیں۔ آپ نے اپنی تصانیف میں اپنے خاندانی مجربات شائع کرنے کے علاوہ دوسرے اطباء کے خاندانی مجربات بھی حاصل کر کے شائع کئے ہیں۔ آپ کی تصانیف کی مختصر فہرست یہ ہے۔ (۱) بیاضِ ماہر (۲) اکسیر ماہر (۳) جوہر ماہر (۴) صدائے ماہر (۵) مجرباتِ ماہر طبی چٹکلے (۶) تحفۂ ماہر (۷) محافظِ شباب (۸) تعلیمِ شباب (۹) تحفۂ شباب (۱۰) علاج الانسان باجزاء الحیوان (۱۱) رسالہ چائے اور کافی (۱۲) رسالہ سل و دق (۱۳) رسالہ آتشک و سوزاک (۱۴) رسالہ بواسیر (۱۵) سرخ رسالہ چیچک سے نجات (۱۶) رسالہ ہینگ (۱۷) دستورِ علاج دہلی۔ (۱۸) معاشرتِ افغانان (۱۹) ابوحنیفہ (۲۰) سلیقہ بیگم، علم الحروف وغیرہ

اخبارات و رسائل میں بھی آپ کو خاص شہرت حاصل ہے۔ آپ کے ادبی اور طبی مضامین اکثر جریدوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ علاوہ نثر نویسی کے آپ ایک کامیاب شاعر بھی ہیں۔ آپ کا ذوقِ شعر گوئی بہت قدیمی ہے۔ آگرہ کے شعرزار سے آپ کو تعلق ہے۔ اس لئے ان تمام مصروفیتوں کے باوجود بھی آپ کا شاعر ہونا عجائبات سے نہیں۔ آپ غزل بہت ٹھاٹ سے پڑھتے ہیں۔ یہ سب فیض حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ کا ہے۔ آپ عرصہ سے مولانا مدظلہٗ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ بیرونجات کے مشاعروں میں آپ کی رباعیاں نظمیں اور غزلیں بڑے ذوق شوق سے سنی جاتی ہیں۔ عنقریب آپ کی رباعیوں اور نظموں کا مجموعہ شائع ہونے والا ہے۔

نمونۂ تغزل

جب شام غم تصورِ گیسوئے یار تھا — دل کا دھواں بھی سایۂ ابرِ بہار تھا
وعدے کا بھول جانا تو تھی ہی نہ کوئی بات — تکلیف یوں ہوئی کہ ترا انتظار تھا
کچھ روز ہم جہاں میں رہے کچھ بہ مزار — کچھ روز محو ہم نہ ہمارا مزار تھا
درماں تھا اس کا کوئی نہ اس کا کوئی علاج
ماہر عجیب چیز غمِ ہجرِ یار تھا

بیکشی یوں ہے ساقی مجھ کو منظور نہیں   ملتفت آج تری نرگسِ مخمور نہیں
سوزِ دل کا ہے اثر حسن بھی مجبور نہیں   پھر تجلّی کا مزہ کیا ہے جو دل طور نہیں
سوچتا ہوں کبھی افسانۂ غم ختم کروں   کبھی کہتا ہوں محبت کا یہ دستور نہیں
ہمیں منزل ہے ہمیں دیر ہمیں کعبہ ہے   ساری دنیا ہے مرے پاس جو تو دور نہیں
دل تصور میں تو رہتا ہے ترے قدموں پہ   اپنے سجدوں کی نمائش مجھے منظور نہیں
قابلِ عیش کوئی اور جہاں پیدا کر   اس خدائی میں تو یارب کوئی مسرور نہیں
لینے آئی ہیں بہاریں مجھے واپس کیسے   اے جنوں گھر ابھی صحرا سے بہت دور نہیں

ماہر فنِ حذاقت ہوں مگر اے ماہر
مجھے معلوم دوائے دلِ رنجور نہیں

کیا دوں اب فریبِ امیدِ سحر کو میں   ماہر سمجھ گیا نگہِ چارہ گر کو میں
پھیلا رہا ہوں ذوقِ تماشائے نظر کو میں   اب حسن مضطرب ہے کہ جاؤں کدھر کو میں
بے اختیار دے کے خود و بیہوش دی خبر   کس شان سے چلا ہوں تمہاری خبر کو میں
ہر خار ہے جنوں میں قدم گیر و پُر نیاز   یہ حال ہے تو لوٹ چکا اپنے گھر کو میں
آنکھیں جھکا کے بیٹھ گیا ان کی بزم میں   سمجھا نظر سے پہلے مآلِ نظر کو میں
اے محتسب نہ توڑ مرا جامِ آتشیں   پیتا ہوں اس میں گھول کے برقِ شرر کو میں
ہوگی طلوع میرے گریباں سے صبحِ گل   پہچانتا ہوں موسمِ دیوانہ گر کو میں
اس درجہ اکتسابِ تجلّی کا شوق ہے   اٹھتا ہوں نصفِ شب سے بنانے سحر کو میں
دنیا سے دور اپنا شوالا بناؤں گا   لے جاؤں گا اٹھا کے ترے سنگِ در کو میں

ماہر دیارِ نجد میں مجنوں کی قبر پہ
جاتا ہوں روز پرسشِ دردِ جگر کو میں

کیوں نہ مٹ جاؤں کہ احساسِ فنا لکھتا ہوں   شعلہ و شبنم کا رنگِ اتحاد لکھتا ہوں میں
غم کے انجامِ مسرت کا پتہ لکھتا ہوں میں   اپنے دل کو اس لیے غم آشنا لکھتا ہوں میں
کر رہا ہے مجھے ہمراہِ منزل کے قریب   جو قدم راہِ محبت میں بڑھا لکھتا ہوں میں
اس زمانے میں سخن فہمی کا قحط عام ہے   مدعی سے کیا کہوں جو مدعا لکھتا ہوں میں
جن میں اہلیت بغیر برق جل جانے کی ہو   ایسی شاخوں پر نشیمن کی بنا لکھتا ہوں میں
کیا خبر کب آگ بستی میں لگا دیں بیٹھے   شاعرِ غم ناکوں کے نغمے شعلہ زا لکھتا ہوں میں
شاد ہوں ہر وقت تحصیلِ مآلِ کار سے   منزلوں کا حاصل اک نقشِ پا لکھتا ہوں میں
حسن کے شعلوں کو خود کرتا ہوں شمعِ انجمن   یعنی پروانوں سے بڑھ کر حوصلہ لکھتا ہوں میں

ماہر مجبور درمانِ جراحت کیا کروں
زخم بن جاتی ہے وہ بھی جو دوا لکھتا ہوں میں

نظروں سے سمجھ لو دلِ مایوس میں کیا ہے   اشکوں کا عنوان ہی افسانہ نما ہے
اب عشق کی قسمت نہ دوا ہے نہ دعا ہے   اے حسن ابھی تجھ پہ بھی وقت پڑا ہے
بے خودی کیفِ خودی مظہرِ انساں   پیدا ہو تو بندہ ہے مٹا ہو تو خدا ہے
اچھا تو ہوا چھوڑ گئے قافلے والے   اب ہی ہر اک سانس مجھے بانگِ درا ہے
دیکھو آکے بہاریں دلِ صد پارہ کی میرے   سینے میں بنا اک گلِ صد برگ کھلا ہے
دنیا یہ سمجھتی ہے کہ ہوں مائلِ صحت   اندھیری یہ حالت کہ دعا ہے نہ دوا ہے
سنتا ہوں کہ تم واقفِ [illegible]   مجھ کو [illegible] مری تقدیر میں کیا ہے
کافر نہ سمجھ مجھ کو جو مایوس ہوا ہوں   جب [illegible]
اب مائلِ تخریب ہے ہر سنگ سے فطرت   یہ خاک کو انسان بنانے کی سزا ہے

ہر لحظہ ہوں [illegible] چشم [illegible] دوست کا ناظر
ماہر یہ [illegible] اشارت [illegible] ہے

نمونۂ رباعیات

کلیوں میں چمن کی پھر کے شاداں ہونا   گویا جنت میں ہے خراماں ہونا
ہر شب علامہ سنجیدہ خوانی ماہر   [illegible]

قسمت میں تھا کل جو کیف وہ آج نہیں   حاصل مجھے زندگی کی معراج نہیں
کیا دل لگے اس شہر میں ماہر اپنا   [illegible] بھی ہے مگر [illegible] نہیں

وطن کی فضاؤں سے [illegible] اسے مجھے   ہم صورت [illegible]
لے کاش یہ میری خاک [illegible]   [illegible]

مظفر — محمد عبداللہ صاحب عالم گڑھی — ۶۲

آپ کا نام محمد عبداللہ اور مظفر تخلص ہے۔ موضع عالم گڑھ ضلع گجرات (پنجاب) کے ایک معزز اور متمول خاندان میں یکم اکتوبر ۱۹۱۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابھی آپ کی عمر صرف دو سال ہی کی تھی۔ کہ آپکے والدِ محترم کا سایۂ عاطفت آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔ مگر اس سانحۂ عظیم کے باوجود بھی آپ کی پرورش اور نگہداشت میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ آپ کی تربیت اور تعلیم کا انتظام بطورِ خاص کیا گیا۔ اور آپنے اپنا تعلیمی نصاب ا... دات کے ساتھ پاس کیا۔ ... اِن تعلیم میں آپنے سرکاری وظائف بھی حاصل کئے۔

یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ہی فوراً لاہور ریلوے اکاؤنٹس آفس میں آپ کو ملازمت مل گئی۔ آج تک آپ ... دہیں ملازم ہیں۔

اوائلِ عمری سے آپ کو شعر و سخن سے حد درجہ شغف رہا ہے مناظرِ قدرت سے فطری لگاؤ ہے۔ اکثر برسات کی راتیں مناظرِ فطرت کے مطالعے کی نذر ہو چکی ہیں۔ جب آپ چھٹی جماعت میں تھے تو آپ کی ایک قومی نظم جریدۂ "لاحول" میں شائع ہوئی۔ اور یہی نظم آپ کی حوصلہ افزائی کا باعث ہوئی۔ ملازمت کی مصروفیت نے ایک ایسا انقلاب پیدا کیا کہ کچھ عرصہ تک شعر و شاعری کا ذوق سرد پڑا رہا۔ لیکن پھر احباب کے اصرار سے مشقِ سخن جاری کر دی اسی اثنا میں آپ کی ملاقات حضرتِ احسان دانش کاندھلوی سے ہوئی۔ احسان صاحب نے آپ کو اصنافِ سخن سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرنے کا وعدہ کیا۔ دراصل احسان صاحب کا احسان مظفر صاحب کی شاعرانہ تربیت پر بہت زیادہ ہے۔

۱۹۲۹ء سے آپ اُستاذ السلطان فصاحت یار جنگ حضرت جلیل مانکپوری کو اپنی غزلیں بغرضِ اصلاح بھیجتے رہے۔ جو ضروری اصلاح کے بعد واپس آتی رہیں۔ اور آپ کو حضرت جلیل سے فیض حاصل ہوتا رہا۔ یہ سلسلۂ فیض رسانی چند وجوہ کی بنا پر زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکا۔

اس کے بعد اگرچہ آپ کا ذوقِ عمل خاموش تھا۔ لیکن نگاہ برابر کسی خضرِ راہ کی تلاش میں تھی ناگہاں بعض رسائل میں آپکی نظر حضرت قبلہ علامۂ مولانا سیماب مدظلہٗ العالی کے نام پر پڑی۔ ضمیر اور ذوق نے فوراً ذاتی رائے سے مولانا کے حضور زانوئے تلمذ طے کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ یہ ۱۹۳۲ء کے آغاز کی بات ہے۔ آپ نے اپنی درخواست مولانا مدظلہٗ کے پاس بھیجی۔ اور مولانا مدظلہٗ کے سرچشمۂ سخن سے آپ سیراب ہونے لگے۔ آپ کو مولانا سے ایسی دلی محبت ہے۔ جو ارادت مندوں اور عقیدت کیشوں میں بھی کم ہوتی ہے چنانچہ اُن کا یہ ایک شعر ہر پہلو ایک دفترِ عقیدت ہے ؎

مری ہستی پہ تنقیدی نگاہیں ڈالنے والو ۔۔۔ میں سیمابی ہوں مجھکو خادمِ سیماب کہتے ہیں

مظفر صاحب ایک جوان ادیب ہیں۔ انتہائی سعید انتہائی سنجیدہ دل میں ملک و قوم کا درد ہے۔ نظم و غزل۔ رباعی۔ افسانے مضامین غرض سب کچھ لکھتے ہیں۔ شعر و ادب کی طرف سے اُن کے دل میں ایک ایسا جذبہ ہے جسے وہ ظاہر نہیں کر سکتے۔ حقیقتاً مجھے اُن کے خطوط سے حقیقی خلوص کی بو آتی ہے۔ وہ زمانہ دور نہیں ہے کہ آپ اپنے اُستادِ محترم کا نام دنیا میں روشن کریں گے۔

ابھی تک آپ کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔ آجکل آپ مجموعۂ کلام

کے مشاہیر شعرا کا تذکرہ "نیازگانِ مشرق" کے نام سے مرتب فرما رہے ہیں
آپ کی مساعی کو کامیاب کرے۔

نمونۂ تغزل

نظر بلند پر جلوہ نگاہ کر نہ سکے　　گناہگار تو ہیں گو گناہ کر نہ سکے
انھیں کسی کی محبت کی قدر کیا معلوم　　جو ایک لمحہ کسی سے نباہ کر نہ سکے
بڑھا دی قیدِ تعلق کی اور بھی میعاد　　کسی طرح وہ مجھے جب تباہ کر نہ سکے
ہمیں گلہ ہے یہ تجھ سے کشاکشِ ہستی　　کہ اپنی فردِ عمل پہ نگاہ کر نہ سکے
دلِ تباہ کی دنیا سے کھیلنے والے　　مرے خیال کی دنیا تباہ کر نہ سکے
کچھ ایسے وقت پہ محشر میں ہم بلائے گئے　　کسی کو اپنی وفا پر گواہ کر نہ سکے
گناہ اصل میں اک جزوِ آدمیت ہے　　وہ آدمی ہی نہیں جو گناہ کر نہ سکے
بہت ہی اپنا گلستاں میں مختصر تھا قیام　　نسیمِ صبح سے بھی رسم و راہ کر نہ سکے

حریمِ حسن سے منتظر حجاب اُٹھ نہ سکا
ہم اک نظر کے برابر گناہ کر نہ سکے

نوید سحر میں ڈسکے بس ظلمتِ شام ہی گزر　　آگ سے کھلتا ہو اجلوتِ عام سے گزر
کرہ نار بن گئیں خلد کی بس یہ وادیاں　　برقِ جمال پھر اسی طرزِ خرام سے گزر
ساقیِ دلنواز کا منتظرِ نظر نہ ہو　　پردۂ بیخودی اُٹھا لذتِ جام سے گزر
رہبرِ راہِ عاشقی منزلِ عشق ابھی کہاں　　چاک کر آفتاب کو اِ دہ تمام سے گزر
دیدۂ محرم ہوں سرنگوں حسنِ نظر فریب ہے　　کھول کے زلف اس طرح منظرِ عام سے گزر
گلشنِ دہر کی بہار اِ خیر بہار ہی سہی　　منتظرِ سحر تو اس عشرتِ شام سے گزر

پامالی ہی جو لکھی تو ہیں بند ہائے عشق　　چرخ پر انجم بقدرِ تیرگی روشن ہوئے
ہاں وہی کچھ فتنہ بارود جوانِ زکی نفیل　　آہ وہ لے کر صرفِ نالہ و شیون ہوئے

وفا کی جس قدر رسمیں یادگارِ گلشن ہیں　　سجا لو زمرۂ حسن کا دربار پھولوں سے

کہیں ایسا نہ ہو بلبل پہ ذوقِ سیرِ گلشن ہے　　زبانِ غنچہ بن کر کہہ گئے گفتار پھولوں سے
ارادہ ہے انھیں بزمِ تصور میں بلانے کا　　نگاہِ شوق جا اور مانگ لا کچھ ابلیوں سے
یہ ہنس ہنس کر وہ تعلیم میں برباد ہو جانا　　خدا توفیق دے تو سیکھئے ایثار پھولوں سے

صحیح رسوائی محبت میں بہا جاتا ہے　　دور سے دیکھ رہے ہیں مجھے ساحل والے

دیار عیش و عشرت کے مکینو　　دیارِ ظلمت ز بام ہوں میں

اس اسیری پر بھی میری یاد عالم کو ہے نہیں　　دیکھتا تو ہیں اکثر مرغِ بستانی مجھے

غم نہ کھا اپنی پامالی پر　　یوں بھی گردش بنائی جاتی ہے

جلوے ہر سو دکھائی دیتے ہیں　　جلوہ فرما نظر نہیں آتا

سحر کو جب شگفتہ ہر گلِ تر دیکھ لیتا ہوں　　کسی گل پوش کی محفل کا منظر دیکھ لیتا ہوں

بس نام اتنی دیر کا فصلِ بہار ہے　　گلشن میں جتنی دیر وہ جلوہ فشاں رہے
بربادیِ نصیب کا آخر علاج کیا؟　　ہم گھر کے باوجود بھی بے خانماں رہے
کر جذب میری قوتِ نظارہ لے جمال　　اچھا نہیں حجاب نظر درمیاں رہے
تو اپنی وضع میں یونہی وفا کو کھلاؤ جا　　پھر باغ میں بہار رہے یا خزاں رہے

نقابِ رنگ و بو میں چھپ کر الٰہی کیا قیامت ہے　　ہر منزل پہ بچ کر رہا ہی کارواں میرا

ہر اک قدر جسے نالہ مدد کھینچا بھی کیا ہو　　جانے کیا کیا
انس سے میکدہ والوں میں کہ بزرگ شیخ

مبارک میکشو! پھر ساقیِ ابرِ بہار آیا — سنبھالو اپنا اپنا جام دیکھا جانے کیا ہو

پائے استقلال میں فطرت کی جنبش آ گئی — کون اٹھا آخری فریاد کرنے کے لئے
ہیں سکونِ بیخودی سے دور یہ دیر و حرم — میکدے میں چل خدا کو یاد کرنے کے لئے
لب پہ آہیں مضطرب آنکھوں میں آنسو بیقرار — یوں چلا ہوں حسن سے فریاد کرنے کے لئے
میں بھی سمجھا تھا کہ مضطر ہے نگاہِ التفات — اک بہانہ تھا مرے برباد کرنے کے لئے

نمونۂ نظم

مزدور

دھوپ میں مزدورِ بیچارے کی ہے یہ شوق کار — دیکھئے انجامِ غفلت کوشیِ اہلِ جہاں
محنتِ پیہم سے چہرہ مضمحل زار و نزار — جھریاں بھیگی ہوئی بالوں میں کچھ گرد و غبار
دل امید و آرزو سے بے کیف آہیں بدوش — حسرتیں پامال ارماں منفعل عیش خموش
خشک لب پچکے ہوئے رخ پیشانی پہ گرد — خال و خط بے نور افسردہ نگاہیں گرم و سرد
بھوک کا پروردہ فاقہ مست رشتِ انتخاب — منزلِ ہستی میں درماندہ غبارِ کارواں
پارہ پارہ تن کی عریانی سے دلیس و فرسودہ — آستیں کرتے کی گم جیب و گریباں تار تار
منہمک ہے تندہی سے فرض کی تکمیل میں — جان کی پروا نہیں ہے عزم کی تکمیل میں

آہ یہ لذت گیرِ جامِ زندگی مستعار — کشتۂ نازِ جفائے گردشِ لیل و نہار
داستانِ حادثاتِ آب و گل کس سے کہے — حالِ دل کس کو سنائے رازِ دل کس سے کہے
آشنا کوئی نہیں — اس کا دنیا میں بجز ذاتِ خدا کوئی نہیں

کس قدر ہے کاروبارِ زندگی حیرت فروش — کس قدر ہولناک ہیں عبرت کا خروش
کس قدر ہے تلخ تر یہ جامِ صہبائے حیات — کس قدر حسرت فزا ہے جوشِ موجِ حیات

ایک وہ ہیں کارگاہِ دہر میں دولت پرست — اپنی خوشحالی میں بیخود اپنی دولت میں مست

درد سے بیگانہ محرومِ نوائے سوز و ساز — جلوۂ احساس کی تابش سے یکسر بے نیاز
محوِ کیفیتِ رنگِ سرابِ زندگی — بیخودِ پندار مخمورِ شرابِ زندگی
مائلِ سامانِ ناز و نوش جس کا دل رہے — جان دو آغاز پر انجام سے غافل رہے
بجلیاں لیتی ہیں جس کے دل میں ارمانِ حیات — جو سمجھتا ہے حصولِ زر کو ایمانِ حیات
جس کا دن کٹتا ہے انواعِ طرب میں بیگماں — شب بسر ہوتی ہے جس کی مہوشوں کے درمیاں
قہقہے مارے کسی کو خون رلواتے ہوئے — مسکرائے دیکھ کر جو پھول مرجھاتے ہوئے
لیکن اے ہنگامہ آرائے جہانِ ہست و بود — فصلِ گل کا باغِ افسردہ میں ممکن ہے ورود
فطرتِ حسنِ ازل کا اس سے کچھ نسبت بھی ہے — جور و استبدادیت کی کوئی آخر حد بھی ہے
سیلِ دریا ایک ہی جانب کو بہہ سکتا نہیں — ایک حالت پر نظامِ دہر رہ سکتا نہیں
مضطرب ہے پردۂ فطرت میں نیرنگِ نمود — ٹوٹنے کو ہے طلسمِ سحر کا باطل جمود
کائناتِ دہر پر چھایا ہے رنگِ اضطراب — شورشِ حاضر سے اٹھتی ہے صدائے انقلاب

اب کوئی دم میں قیامت کی سحر ہونے کو ہے
یہ نظامِ زندگی زیر و زبر ہونے کو ہے

محمد عبد اللہ صاحب مضطر کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی اصلاح

پلا ایسی پلا او ساقیِ پیرِ میخانہ — کہ برسوں آنکھ میں پھرتی رہے تصویرِ میخانہ
جو ممکن ہو تو سر کے بل چل اے دل گھر میخانہ — کہ ہر ذرے پہ ہے لکھی ہوئی تعمیرِ میخانہ
اٹھا اے ساقی آ دے مضطرب کو جام رنگیں سا — وہ کم ظرفی کسی بہتر زنجیرِ میخانہ
تخیل کیا ہے بیداری کی حسیں آرزو صورت — تصور کیا ہے کیفیت نما تصویرِ میخانہ
ہے ہر ذرہ میں نوشانوش کی آواز پیدا — کہاں تک دیکھوں دستِ تقدیرِ میخانہ
ستارے چاند سورج کہکشاں گلشن — یہ سب کیا ہیں فقط عالم خیالِ تصویرِ میخانہ
یہ کس کی نوش ذوقی میں ہے آج ایسی — کہ استقبال کو تقدیرِ میخانہ
اسی میں بانٹ ہے — مجھے کافی ہے مضطر خاک دامن گیرِ میخانہ

موزوں — راجہ محمد لطیف خاں صاحب (۸۳)

آپ کا نام محمد لطیف اور موزوںؔ تخلص ہے۔ آپ کے والدِ محترم کا اسم گرامی راجہ علی اکبر خاں ہے۔ جو علاقہ دار اور اعلیٰ جاگیردار ہیں۔ موضع اسلام آباد چکار ضلع مظفر آباد (کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر چھبیسؔ سال ہے۔ آپ کا خاندان "ککہ مسلم راجپوت" کے نام سے مشہور ہے۔ جو ریاست جموں کشمیر میں زمانۂ قدیم سے ایک اعلیٰ خاندان مانا جاتا ہے۔ ضلع مظفر آباد کا بہت سا حصہ اسی خاندان کی جاگیر میں شامل ہے۔ گو امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں اس قوم کی گذشتہ عظمت و وجاہت باقی نہیں رہی۔ پھر بھی بحالتِ موجودہ اس خاندان کا وقار مسلّم ہے۔ کشمیر کی قدیم مستند تاریخوں مثلاً راج ترنگی وغیرہ میں اس خاندان کے حالات پر بہت روشنی ڈالی گئی ہے۔

موزوںؔ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی پر حاصل کی اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے سری نگر (کشمیر) چلے گئے۔ وہاں مشن ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ لیکن اختلاجِ قلب میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے دسویں جماعت تک ہی تعلیم حاصل کر سکے۔ پنجابی اور دیگر زبانوں میں آپ کو اردو فارسی سے خاص شغف تھا۔ عربی بھی بقدرِ ضرورت پڑھی آپ کو بہت چھوٹی عمر سے شاعری کا شوق ہوا۔ لیکن عرصہ تک آپ پنجابی شاعری کرتے رہے۔ اور کچھ عرصہ بعد یہ ذوق پنجابی سے اردو کی طرف منتقل ہو گیا۔ ایک ایسی زبان کی شاعری کو چھوڑ کر جو مادری ہو۔ دوسری زبان کی شاعری شروع کرنا معمولی کام نہیں موزوںؔ صاحب نے بہت جلد اس کمی کو پورا کر لیا۔ اردو شاعری کی جب آپ نے ابتدا کی تو رہبری کے لئے آپ نے ۲۰ راگست ۱۹۲۳ء کو اپنی درخواستِ شاگردی حضرت قبلہ مولانا سیمابؔ مدظلہٗ العالی کو بھیجی جسے شرفِ قبولیت حاصل ہوا۔ جب سے آپ برابر غزلیں دکھا رہے ہیں۔ اب آپ کے کلام میں بہت زیادہ ترقی ہو چکی ہے آپ کو قومی خدمات میں حصہ لینے کا بھی بہت شوق ہے۔ بہت خلیق اور ملنسار ہیں۔

نمونۂ تغزل

تصوّرات کی دنیا بسا رہا تھا میں
تعیّنات کے پردے اٹھا رہا تھا میں

سمجھ رہا تھا کہ جلوہ ہی تیرا نظروں میں
جبھی تو چاند سی نظریں پڑا رہا تھا میں

بلا ہی کیوں نہ لیا مجھ کو اپنی محفل میں
یہ سب غلط کہ تمہیں یاد آ رہا تھا میں

تجھے خبر بھی نہ تھی اے مرے دلِ برباد
شار کر کے تجھے کیا بنا رہا تھا میں

نہ یہ حسن نغمہ فروش ہے۔ نہ یہ عشق نغمہ طراز ہے
یہ ندائے عالمِ راز ہے۔ یہ صدائے صورِ مجاز ہے

کوئی جستجو نہیں جستجو، کوئی آرزو نہیں آرزو
ہے تعیّنات سے ماورا یہی ذوقِ عشق کا راز ہے

تو رہینِ منّتِ گوش ہے، یہ فریبِ عالمِ ہوش ہے
نہ مغنّی ہے نہ رباب ہے، نہ نوازِ ذوقِ طراز ہے

میں سناؤں کیا تجھے ہمنشیں، کبھی وارداتِ دلِ حزیں
تو نہ سن سکے گا اسے کبھی یہ حدیثِ سوز و گداز ہے

میں خرابِ حسنِ وفا نہیں، ہوں تری نگاہ کا شیفتہ
مجھے سرفراز نگاہ کر کہ تری شان بندہ نواز ہے

تری سرد مہریوں نے مجھے عجب یک جز بے ...

www.taemeernews.com

نہ ہوائے عیش و نشاط ہے، نہ مذاقِ مادہ نیاز ہے

یہ ہزار جلوہ طرازیاں، یہ مری نگاہ نوازیاں
یہ کمال آئینہ کا نہیں، یہ کمالِ آئینہ ساز ہے

یہ دلِ شکستہ کی اک نوا، تو ہے مطربِ طرب آشنا
مرا ساز نوحہ طراز ہے، ترا نغمہ عشرت ساز ہے

مرے ذوقِ عجز طراز نے، کیا راز مجھ پہ یہ منکشف
جو میں بے نیاز سجود ہوں، یہ کمالِ ذوقِ مجاز ہے

میں رہی جاؤں گا ایک دن، اگر مزاج شناس ہیں
مرا دل ہی خرمنِ آرزو۔ وہ نگاہِ ذرہ نواز ہے

ہے کلام کیوں ترا بے اثر تجھے آج موزوں کیا ہوا
نہ وہ نغمہ ہے طرب آفریں، نہ حدیثِ سوز و گداز ہے

میں نے مذاقِ عشق میں ایک طرح گذار دی
میں نغمہ ہاں میں تھا طول الغرض خوش نما ہیں
شمع میں تیرا سوز ہے پھول میں تیرا رنگ و بو
تیری ہی آگ بھری ہے شعلہ بار میں

کس کو مونس جانئے اور کس سے سودا کیجئے
کس کو کہئے آشنا کس کی تمنا کیجئے

حضرتِ دل اب حیاتِ رفتہ کا احساس کیا
ہے کے جی اٹھنے کا پھر ساماں مہیا کیجئے

کون آئی بزم سے نکلا ہے ہو کر سرخرو
اپنی محرومی کا ناحق آپ ان سے شکوہ کیجئے

بربطِ ہستی کا زیر و بم ہے گو فردوسِ گوش
ساز کے پردے میں رہ کر سوز پیدا کیجئے

میری تیرہ بختیوں کی انتہا بھی ہو چکی
اب تو ظلماتِ تصور میں اجالا کیجئے

شوق کی گنجائشیں وسعت طلب ہونے لگیں
تنگ داماں دل کو رشکِ صحرا کیجئے

درد ہے بیزارِ ضبط اور عشق ہے پابندِ ضبط
دل کی اس آشفتگی کو اے خدا کیا کیجئے

ہیں یہ سب انکی نگاہِ پرفسوں کی سازشیں
درد کو کیا کیجئے اور عشق کو کیا کیجئے

تارکِ منزل ہوئے کیوں تھک کے موزوں عشق میں
اک تڑپ اک سوز دل میں اور پیدا کیجئے

جناب راجہ محمد لطیف خاں صاحب موزوں کی غزل پر حضرت مولانا سیماب مد ظلہٗ کی اصلاح

کس لئے اے قیس تو پھرتا ہے محمل کے قریب
لیلیٰ مقصود پنہاں ہے ترے ہی دل کے قریب

(سے تھا ہیں)
تیری پردہ داریوں نے رکھا محروم نظر
تو چھپا بیٹھا تھا میری آنکھ کے تل کے قریب

(کہیں)
تھا حجابِ کم نگاہی حائل اپنی راہ میں
شاہدِ مقصود بھی تھا میرے دل کے قریب

(سازِ دل اٹھا)
دیکھ کر ارزانیِ جنسِ محبت ہمنشیں
اک شررِ سا ہے کہیں اٹھتی ہے پھر دل کے قریب

زمزمہ پرداز کا دورِ درد محبت زندہ باد
ایک ہنگامہ سا رہتا ہے مرے دل کے قریب

(مرحبا شوقِ وصال)
مرحبا ذوقِ شہادت ~~تجھ سے تو مرحبا~~
(کھنچا)
خود ہی کھنچا جا رہا ہوں کس کے قاتل کے قریب

نامرادی دیکھو اُن رہروانِ شوق کی
کارواں لٹ جائے جا کر کسی منزل کے قریب

تیرہ بختی ہو رہی ہے میری رخصت الوداع
شمعِ نور روشن ہوئی ہے محفلِ دل کے قریب
~~تیرہ بختی آج رخصت ہو رہی ہے الوداع~~
~~ہو گئی روشن تمھاری محفلِ دل کے قریب~~

تم بھی موزوں ان نگاہوں کے کرشمے دیکھ لو
~~دیکھ لو تم بھی اے موزوں ان نگاہوں فسوں ذرا~~
(کیا کیا)
رقص کرتی ہیں وہ دیکھے آج بسمل کے قریب

مظہر — حافظ محمد مظہر الدین صاحب امرتسری (۶۴)

آپ کا تاریخی نام منظور الدین اور مظہر تخلص ہے۔ آپ کے والدِ محترم حضرت مولانا نواب دین صاحب "فاتح قادیان" پنجاب کے مشہور معروف علما اور مناظرین میں سے ہیں۔ آپکی پیدائش ۱۳۳۲ھ میں بمقام تنکوہا ضلع گورداس پور (پنجاب) ہوئی۔ آپ کا آبائی وطن رام داس ضلع امرتسر ہے۔ ابتدائی تعلیم کے لئے آپ کے والد ماجد نے مولانا عبدالرزاق صاحب رامپوری کو مقرر کیا۔ اور آپ نے بارہ سال کی عمر تک مولانا موصوف ہی سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء میں آپکے والد بزرگوار اپنے وطن مالوف رام داس تشریف لے آئے۔ اور یہاں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ جب یہاں سکونت اختیار کئے کچھ عرصہ گذر گیا۔ تو ریاست پٹیالہ کے مشہور تاجر شیخ فیض الحسن صاحب مع اپنی اہلیہ محترمہ کے آپ کے والد صاحب کی زیارت کے لئے رامداس تشریف لائے۔ شیخ صاحب کی اہلیہ محترمہ جو حافظ قاری اور حاجی ہونیکے علاوہ شعر و سخن سے بھی انتہائی ذوق رکھتی ہیں مظہر صاحب کو کلام پاک حفظ کرانے کے لئے اپنے ساتھ پٹیالہ لے گئیں۔ اور آپ نے اُن سے ایک سال میں کلام پاک حفظ کرلیا۔ پھر رام داس آکر مولوی فضل الرحمن صاحب خطیب جامع مسجد سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ مگر مولانا موصوف کا ۱۹۳۲ء میں انتقال ہوگیا۔

۱۹۳۳ء میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگئے اب تک آپ کو اپنے شعری رجحانات پر زیادہ وقت دینے کا موقع نہ ملا تھا۔ دیوبند آنے کے بعد جب آپ کو تعلیم کی طرف سے اچھی طرح اطمینان ہوگیا۔ تو شاعری کی طرف متوجہ ہوئے۔ گو آپ عرصہ سے شعر کہہ رہے تھے۔ لیکن طبیعت اصلاح طلب تھی۔ اور آپ کسی باکمال استاد کی تلاش میں تھے۔ آپ کی نگاہ انتخاب نے حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ کو چن لیا۔ اور ۱۹۳۳ء سے آپ سلسلۂ سیمابیہ میں شریک ہوگئے۔ اختتامِ سال کے بعد جب آپ گھر واپس آئے تو آپ کے والد نے آپ کو حزب الاحناف منڈلا ہور میں داخل کرادیا۔ اور آپ ہنوز وہیں تعلیم پارہے ہیں۔

آپ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ آپ نے اپنے شہر رامداس کی دلفریبی کے متعلق ایک فارسی مثنوی میں اس طرح لکھا ہے۔

چیہ رامداس شہرے چیہ رامداس نام بجنبش بود حضرت خاص و عام
بیک جانبش جائے دریا گرفت بیک جانبش بوستاں جا گرفت
بگردش نظر کن کہ آب رواں روانست چوں خانۂ شاعراں
ندیدی گر ایں خطۂ خوشنما بیا بنگر امروز ایں شہر را

آپ کے اردو کلام میں بھی جاذبیت اور رنگینی ہے۔ بہت آزاد خیال اور آزاد روش نوجوان ہیں۔ جس ماحول میں آپ نے پرورش پائی ہے اس کا اقتضا تو یہ تھا۔ کہ آپ یکسر خشک ہو کر رہ جاتے ـــ لیکن ایسا نہیں ہوا

نمونۂ تغزل

اسکی صورت کہن اترب جاگزیں گوش ہے آفتاب بے پردہ ہوا مجھ سے کہ روپوش ہے
تیری محفل میں دیکھا شغل نازِ نوش ہے کوئی بیخود کوئی دیوانہ کوئی مدہوش ہے
جس کے اک جلوے سے ایمن کی فضا بیہوش ہے وہ تصور میں ہماری زینت آغوش ہے
ماجرائے درد دل کس کو سنائیں مضطر انجمن میں کون ایسا ہے کہ جو ہوش ہے

آپ منظر کو نہ سمجھیں فارغِ عقل و حواس
جناب و بیہوش ہی اتنا ہی اس کو ہوش ہے

مریضِ عشق کا جینا تو غیر ممکن ہے — مگر کرم رحمتِ درماں نہ چارہ ساز کرے
شبِ وصال وہ کہتے ہیں با عوازِ فراق — میں کہہ رہا ہوں خدا عمرِ شب دراز کرے
میں ہوں صغیر سگِ آستانِ احمد ہوں — خدا جہاں میں نہ کیوں مجھکو سرفراز کرے
رسائی اسکی جو ہو جائے کوئے جاناں تک
گداگری پہ بھی منظر ہزار ناز کرے

فنا کے بعد بھی دل کو ہے اسکی جستجو باقی — رہی جسکی محبت میں نہ کچھ بھی آبرو باقی
مرے مٹنے کا کیوں اس عالمِ فانی میں چرچا ہے — سبھی مٹنے کو ہیں اکدن رہیگی ذاتِ ہو باقی
ٹھہر اے دل ابھی موقع نہیں مایوس ہونیکا — ابھی تو بزم میں ہے گردشِ جام و سبو باقی
ز نقشِ منظر میں ابھی جلدی نہ فرماؤ — ابھی تو خون سے قاتل کو کرنا ہے وضو باقی

وہ گرنا برق کا وہ آشیاں کا خاک ہو جانا — قفس میں اب بھی آتا ہے خیالِ آشیاں کیا کیا
مجھے غیرت رہی بخیہ گر ہونے نہ دی — جنوں میں گرچہ تنگ پیرہن میں دھجیاں کیا کیا

یہ کانٹوں پر مرا خوں ہے یہ چھالوں سے پڑ گئی ہو — جھلی ہیں تری الفت میں مری ہستی نے کیا کیا
کسی بے مہر نے شاید کیا تھا یاد منظر
تو وقتِ جاں سپردن ہیں سنی ہیں ہچکیاں کیا کیا
محال ہے مرا ایفائے عہد تک جینا — تمہارے وعدۂ فردا میں کچھ کلام نہیں

تو دلمیں جلوہ گر ہے اس لئے دل عرشِ اعظم ہے — مکانوں کی فضیلت ہوتی ہے مکینوں سے

اک عمر سے رہی ہے ہماری شریکِ غم — ہم خوب جانتے ہیں شبِ انتظار کو
رہنے لگا ہوں صد گل و صد گلستاں بدل — نظروں میں جذب کرکے عروسِ بہار کو
اے لالہ زارِ حسنِ محبت ترے بغیر — منظر خزاں سمجھنے لگا ہے بہار کو

نمونۂ فارسی

در باغ صبح دم چو گذر آں نگار کرد — گل پیرہن ز جوشِ جنوں تار تار کرد
آں سنگ دل حکایتِ غم چوں ز من شنید — مانندِ ابر گریۂ بے اختیار کرد
پنداشتم کہ ساکنِ خلدِ بریں شدم — بختِ رسا چو مدفنِ من کوئے یار کرد
منظر چہ پرسی از دلِ بیچارۂ فراق — بالکل چناں تپید کہ آخر قرار کرد

www.taemeernews.com

مخمور — گوربخش سنگھ صاحب جالندھری — ۵۰

آپ کا نام گوربخش سنگھ اور مخمور تخلص ہے۔ آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی سردار کبیر سنگھ ہے۔ آپ ایک متمول راجپوت خاندان کے فرد ہیں۔ آبائی پیشہ سوداگری ہے۔ آپ دیوالی کے دن ۱۹۱۵ء میں بمقام جالندھر پیدا ہوئے۔

گو آپ نے تجارتی ماحول میں آنکھ کھولی تھی لیکن تعلیمی ذوق و شوق فطرتاً لے کر آئے تھے۔ اس لئے آپ کو ہائی اسکول میں حصولِ تعلیم کے لئے داخل کرادیا گیا۔ آپ نے بہت جلد اسکول کی تعلیم سے فارغ ہوکر کالج کی زندگی میں سائنس لی۔ طبیعت میں تخیل کی طرف سے خاص لگاؤ تھا اس لئے دوسرے مشاغل کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ کالج پہونچنے کے بعد علم عروض پڑھنے کا شوق دامنگیر ہوا۔ اور آخرکار اس کی تکمیل کرکے چھوڑی۔ مختلف اساتذہ سے فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ بی اے تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ کورس کی کتابوں کے علاوہ ادبی رسائل کتب بھی مطالعہ میں رہیں۔ جن کی وجہ سے دماغ میں ایسی صلاحیت پیدا ہوگئی جس نے سوئی ہوئی شعری قوتوں کو بیدار کردیا۔

آپ کو بچپن سے ہی شعر و شاعری سے رغبت تھی۔ شعرا کا کلام سننے کا اس قدر اشتیاق تھا کہ دور و نزدیک اگر کوئی محفلِ مشاعرہ ہوتی تو آپ اس میں ضرور شریک ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ آپ شعر فہمی سے شعر گوئی پر اتر آئے۔ بارہ سال کی عمر سے آپ نے شاعری سے دلچسپی لینی شروع کی۔ کالج کی زندگی کے بعد جب آپ کو وقت اور فرصت ملی تو آپ اس طرف اپنا وقت صرف کرنے لگے۔ زمانۂ تعلیم میں آپ جو غزل کہتے تھے وہ مقامی اساتذہ کو دکھانے کے بعد مشاعرہ میں پڑھ دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ ذوقِ شعری کے ساتھ معیار میں بھی رفعت پیدا ہوئی۔ تکمیلِ ذوق کے لئے مختلف اساتذہ کو اپنا کلام اصلاح کے لئے بھیجا۔ لیکن آپ کی تسلی نہ ہوئی۔ آخر آپ کی تجسس آمیز نگاہوں نے قصر الادب کا حصار کیا۔ اور ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو قبلۂ معظم حضرت علامہ مولانا سیماب مدظلہٗ کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ طے کرلیے۔ آپ مولانا مدظلہٗ کی اصلاح سے اس درجہ مطمئن اور مسرور ہیں کہ اصلاح کا ایک ایک نقطہ آپ کے لئے وجدان آفریں ہوتا ہے۔ عقیدت اور ارادت کا یہ عالم ہے کہ اگر مولانا مدظلہٗ کی خیریت معلوم نہیں ہوتی تو آپ بے چین رہتے ہیں۔ جب سے آپ مولانا مدظلہٗ کے شاگرد ہوئے ہیں آپ کی شہرت اور کلام کے معیار میں ایک زبردست اضافہ ہوگیا ہے۔

آپ مقامی بزمِ شعر کے سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کا کلام اکثر ایجوکیشنل گزٹ "شاعر" "زمیندار" "ملاپ" "پرتاپ" اور دیگر رسائل و اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ [illegible] لکھتے ہیں۔ کئی افسانے شائع ہو چکے ہیں۔ غزل اور نظم دونوں خوب کہتے ہیں۔ کلام میں زور اور سلاست ہے۔ دن کا بیشتر حصہ آپ کا مطالعے میں گذرتا ہے۔ آجکل ایک ڈرامہ "[illegible] الانسان" لکھ رہے ہیں۔

نمونۂ تغزل

کلی کلی کی جبا حسن سے جمال ہے بے نقاب تیرا
بہار کی تازگی سے پیدا ہے عنفوانِ شباب تیرا
مری نگاہیں تو دیکھ لیتی ہیں [illegible]
[illegible] ذوقِ منظر کو [illegible]

www.taemeernews.com

یہ میری ہی سرد مہریاں ہیں جو مجھ کو برباد کر رہی ہیں
جو میری غفلت نہ حد سے گزرے تو کیوں ہو نازل عذاب تیرا

شراب سے بے نیاز ہوتے ہوئے بھی مخمور بادہ کش ہے
ہوا ہے تحلیل اس کی رگ رگ میں کیفِ حسن و شباب تیرا

نعت

جلوہ اُس کا خورشید میں ہے، نور اُس کا چاند اور تاروں میں
جس کو درسِ توحید ملا اور رحمت حق غاروں میں
وہ پھول کہ جس کے کھلتے ہی خوشبو پھیلی گلزاروں میں
اک بادِ عنبر بیز چلی ایسے انداز میں کہساروں میں
جو آپ کے سادہ لفظوں میں گہرائی اور دل دوزی تھی
وہ زور نہ تھا پیکانوں میں وہ کاٹ نہ تھی تلواروں میں
پیغامِ خدا دینے والا وہ آخری اک پیغمبر تھا
نصرت کے شاہ سواروں میں وحدت کے علمبرداروں میں
وہ بدرِ منور جب چمکا سب کفر کی ظلمت دور ہوئی
اک قصرِ کسریٰ دہشت ہوئی آتش زاروں میں
داعیٔ مساواتِ عالم حامیٔ مسکیں شاہِ امم
ناداروں میں نادار رہا سردار رہا سرداروں میں
اے ساقیٔ روزِ حشر کرم مجھ کو بھی ملے اک جام بہ دم
ہے تشنہ لبِ التفات و کرم مخمور ترے میخواروں میں

معراجِ عشق منزلِ عجز و نیاز ہے — خود درد جو نہیں ہے وہ سرمایۂ ناز ہے
اپنا دلِ شکستہ ترے پاس لائے ہیں — سنتے ہیں ہم نظر تری آئینہ ساز ہے
کہہ کر تمہارا نام تمہیں یاد کر لیا — اب تو یہی طریق ادائے نماز ہے
مجھ سے تو آج بات بھی مشکل ہے — پہلو میں تیرا درد ہی میرا چارہ ساز ہے
محسوس ہو رہا ہے جنوں کا اثر مجھے — آئی وہ ہوائے میکدہ دیوانہ ساز ہے
مخمور پھر کرشمہ تشنہ لبی ہو کیوں — اُنکی نگاہِ مست تو میخانہ ساز ہے

مذاقِ آہ و فغاں سے تو اجتناب نہیں — مگر مآلِ فغاں کیا جو مستجاب نہیں
جو آگ دل میں لگی ہے بجھاؤں کیسے اسکو — تری نگاہ کی گرمی کا کچھ جواب نہیں
نشا جبر نہ ہو جس کا نئی مصیبت سے — وہ عشق خام ہے وہ عشق کامیاب نہیں
نگاہِ مست کا طالب ازل سے ہے مخمور
مذاقِ عشق نشۂ شراب نہیں
نالہ وہ کر جو ابھی سوئے سماوات پہنچے — آہ وہ کھینچ جو سن کر یہ محفل ہل جائے

مری دنیائے دل میں اک قیامت کر گیا پیدا — وہ پہلی مرتبہ ملنا ترا درد آشنا ہو کر
پڑا رہنے دے کوئے یار میں یا قتل کر ڈالے — کہاں جا کر رہیں گے ہم تری نگاہوں سے جدا ہو کر
غریب و بے نوا مخمور تو ہے بے غرض انساں — تمہیں نقصان کیا پہنچا بتاؤ تم خفا ہو کر

رہتے ہیں جلوہ گر وہ نگاہوں کے سامنے — مجھ سے مرا طریقِ عبادت نہ پوچھئے
میرے لئے بہار قیامت سے کم نہیں — ہے آج کل جو رنگِ طبیعت نہ پوچھئے
وہ مفت مے پلاتے ہیں جب چشمِ مست کی
مخمور سے پھر اُن کی عقیدت نہ پوچھئے
خود اب نگہ حسن پہ یقیں نہیں ہے مجھے — نصیب درد محبت اثر نہیں ہے مجھے
وہ راز دار ہی میرا وہ راز دل ہی مرا — نہیں ہے داورِ محشر کا ڈر نہیں ہے مجھے
مجھے تلاش جنوں کی ہے یا جنوں کو مری — میں بے خبر ہوں کہ دہر کی خبر نہیں ہے مجھے

دادِ الٰہی کا غلط ہے تو یقیں ہی مجھ کو — نہیں منظور مگر تیرا پشیماں ہونا
کرے شاید نہ گوارا دلِ دشوار پسند — نئی مشکل مری مشکل کا ہو آساں ہونا
ساری دنیا مجھے ویران نظر آتی ہے — کیا قیامت ہے مرا بے سر و ساماں ہونا

رنگین اک فسانہ لکھوں نوکِ خار پر — خوں ریز میرے پاؤں کے چھالے ہوئے تو ہیں
مل جائے ہم کو منصبِ آدم تو کیا عجب — محفل سے اس کی ہم بھی نکالے گئے تو ہیں

یلدو پہ چھا گئی رحمت گھٹا کہیں ہیں   آج شاید پھر کوئی بیکس پشیماں ہو گیا

تھی آرزو کہ مانگیں گے اک کیفِ دلنواز   لیکن جواب دے گئی ہمت سوال کی
مخمور اس زمانے میں ملتی نہیں نظیر
بیتابِ خوش بیان و عدیم المثال کی

دل میں پہلے کچھ مذاقِ سوز پیدا کیجئے   پھر کسی کے غم میں جلنے کی تمنا کیجئے
جب نہیں رہنا گلستاں میں ہمیشہ کیلئے   برق کا خوف اور فکرِ آشیاں کیا کیجئے
سرد پڑتا جا رہا ہے جوشِ جذبِ آرزو   اسے پھر کسی نگاہِ لطف سے پیدا کیجئے

اہلِ وحشت کو کہاں بخیہ گری کی فرصت   وہ تو ہشیار ہیں دامن جو سیا کرتے ہیں
اپنے مسکن سے محبت ہی انہیں بھی آخر   کیوں ہمیں لوگ نشیمن سے جدا کرتے ہیں
شکریہ اُن کی نوازش کا ہو کیونکر مخمور
جب وہ کرتے ہیں کرم حد سے سوا کرتے ہیں

اہلِ جنوں کا حشر بھی دیکھئے رنگ و بو   بچھڑے بہار میں آشفتہ سر سے
اے ماہ گیر نجد یہ تیسرا سفر بخیر!!   کہنا مرا سلام "محبت" اگر ملے
کھینچی جو آہ جل گیا اپنا ہی آشیاں   کی تھی دعا کہ نالوں کو یارب اثر ملے
مخمور کیا اُسے ہوسِ جام و بادہ ہو
قسمت سے جس کو روز شرابِ نظر ملے

کاش پہلے ہی ہوتا ناتواں پائے طلب   ضعف سے جب گر پڑا اٹھ کر تو منزل کا در ملا
قدر اپنے اضطرابِ دل کی کچھ مجھ کو ہوئی   زندگی میں مجھے جب اک دلِ مضطر ملا

ہر داغِ لالہ جلنے لگا صورتِ چراغ   ہم جا کے نالہ کش ہوئے جس لالہ زار میں

میں غیر موجودگی میں اُسکی ہزاروں باتیں بناتا ہوں
ابھی وہ آجائے تو فقط اک سوال میں لاجواب کر دے

کچھ نہ کچھ تو ہے جنوں پیرانہ سے مجھ کو   خاکِ صحرا ہی سہی حاصلِ صحرا نہ سہی
جسم و جاں قلب و جگر سب ہیں لٹا کر اپنا   سب تماشے ہی سہی کوئی سہارا نہ سہی
اپنے ہی سوزِ محبت سے بھڑک اٹھیں گے   گر نہیں برق زنِ دل ترا جلوہ نہ سہی
آنکھوں آنکھوں میں ہی پی لیں گے ہوس کے مخمور
آج ساغر نہ سہی آج پیالا نہ سہی

یہ بجلیاں ہیں کہ جلوہ دکھا گئے ہو تم   اک آگ سی مرے دل میں لگا گئے ہو تم
تمہاری یاد میں رہنا نماز ہے میری   مرے جہانِ تصور پہ چھا گئے ہو تم

نئے صحنِ چمن کی خاک چھنے گل بداماں ہو کر   محبت میں سکوں ملتا ہی شاید رائیگاں ہو کر
نئے بانگِ درا کچھ دیر تک سو جائے تو بہتر   اٹھا جب میں تو اٹھوں گا امیرِ کارواں ہو کر
جوانی کیا ہے آفت ہے مصیبت ہے تباہی ہے   تمہیں کیا ہم بھی لاکھوں الجھنوں میں ہیں جواں ہو کر

دنیا کو محبت میں ہے کیوں غم کی شکایت   مجھ کو تو محبت میں کبھی غم نہ ہوا تھا
سنگِ درِ کافر پہ ہوا ناصیہ فرسا   وہ سر جو کبھی پیشِ خدا خم نہ ہوا تھا
مخمور وہ دل ہے مری آہوں سے پریشاں
جو کاوشِ غم سے کبھی برہم نہ ہوا تھا

ذوقِ نظر ابھی ترا حسن آزما نہیں   جلوہ نما یہی ہے جو جلوہ نما نہیں
رہرو جہاں کرے تو وہیں ہے مقامِ دوست   لیکن یہ جانتے ہوئے کہنا روا نہیں

شمع کا کام جلانا ہے جلا دیتی ہے   اس کو کیا تربتِ پروانہ بنے یا نہ بنے

داغِ دل تو ہی ضیا افروز ہے   کچھ شبِ غم میں اُجالا چاہئے
کر چکے مخمور ہم اقدامِ عشق
اب مآل کو دیکھنا چاہئے

نمونۂ نظم

کیفیتِ روزگار

(سانٹ)

آگ لگی ہے چار سو عالمِ ممکنات میں
بحر میں انتشار ہے کوہ کو اضطراب ہے
[illegible] دورِ فیض کو چہرۂ آفتاب ہے
وقت کا پیرِ کہنہ بھی مائلِ انقلاب ہے
حربۂ فتنہ و فساد دہر میں کامیاب ہے
آئے گا سخت زلزلہ کارگہِ حیات میں

جنگ و جدل پسند ہیں اہلِ جہاں کو آج کل
قومیں ہیں آج منہمک جنگ کے اہتمام میں
جوش بھی پا بپا ہے جذبۂ انتقام میں
ملک میں سب [illegible]
ذہن ہے خاص و عام کا محوِ خیالِ خام میں
زہرِ بشر کی فصل پر آج ہے خندہ زن اجل

ظلم و ستم کے ہاتھ میں آج ہے انتظامِ دہر
صاحبِ زر کے ہاتھ میں قوتِ اختیار ہے
ہو گئی پاسبانِ قوم [illegible] سیاہ کار
ملک کا گلہ بان [illegible]
بندۂ بدنصیب کا [illegible]
نیک خصال و متقی آدمی ہے شکارِ قہر

ملک میں اب تمدنِ کہنہ کا ذکر تک نہیں
[illegible]
[illegible] نام ہے
بندۂ حرص و آز کا آدمی [illegible] ہے
اب [illegible] کام ہے
کام ہے سیر و عیش سے [illegible] کی فکر تک نہیں

انقلاب [illegible] جہان کی
[illegible] بزم میں [illegible] کرے گا
آپ خوش [illegible] جوش لائے گا
[illegible] جلائے گا
بھائی جب [illegible] کا خون بہائے گا
[illegible] ہم [illegible] کبھی

جناب گوربخش سنگھ صاحب مخمور جالندھری کی غزل

حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی کی اصلاح

بہت ڈھونڈا کیا وحشت زدہ ہو کر بیاباں میں — اُسے موجود پایا میں نے اپنے چاک داماں میں
فضیلت سب [illegible] امکاں میں — خدا محفوظ رکھے ایسی [illegible] میں
کوئی [illegible] — دعا کرنا خدا [illegible] میں
تعجب کیا جو اس [illegible] طلوعِ صبحِ محشر ہو — [illegible]
[illegible] — اسی آگ [illegible] میں
[illegible] جنونِ فتنہ ساماں نے — ارادہ تھا اٹھا لاؤں بیاباں کو گلستاں میں
مجھے تو ہوش ہے اتنا تجھے جب ہی نے دیکھا تھا — [illegible] اک بجلی سی کوندی تھی [illegible] میں
نگاہیں اٹھ گئیں عالم میں [illegible] — وہ نغمے [illegible] سازِ رگِ جاں میں
[illegible] — کشش ایسی ہی تھی کچھ [illegible] میں
[illegible] — کہ اک لرزش [illegible] میں
نفس کی آمد و شد سے مجھے احساس ہوتا ہے — کوئی [illegible] رگِ جاں میں
مسلماں ہوں مگر اک [illegible] — مزا ملتا ہے ذوقِ عشق [illegible] تکمیلِ ایماں میں
[illegible] — جھلک اپنی نظر آتی ہے تصویرِ جاناں میں

نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر مخمور [illegible]
بھری ہے نشہ آور [illegible] جاناں میں

منظر — سید منظور احمد صاحب رضوی بھوپالی — ۸۶

آپکا تاریخی نام سید منظور احمد اور منظر تخلص ہے۔ آپ بمقام قصبہ گنگہ ریاست بھوپال میں ماہ محرم الحرام میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی مولوی محمد علی ہے۔ آپ صحیح النسب سید ہیں۔ خاندانی اعتبار سے آپ کا درجہ بہت بلند ہے۔ آپ کے خاندان پر سید ہونے کا اور آپ پر ماہ ولادت کا بہت بڑا اثر پڑا ہے۔ نتیجتاً آپ اور آپ کے گھر کے تمام افراد تمام عمر انتہائی پریشانی اور نکبت و افلاس کے شکار رہے ہیں۔

منظر صاحب کو کلام پاک کی تعلیم آپ کے والد محترم ہی نے دی۔ فارسی تعلیم کے حصول کے لئے آپ کو مولوی عبد القادر صاحب اور مولوی عبد الغفور صاحب بھوپالی کے سپرد کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ ان بزرگوں سے تعلیم حاصل کر کے مدرسہ سلیمانیہ بھوپال میں منشی فاضل کے کورس کی تکمیل کی۔ بوجوہ آپ اس سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکے اور ۱۹۳۲ء میں پولیس میں ملازمت کر لی لیکن وہ بھی بعض واقعات کی بنا پر ترک کر دی اور گھڑی سازی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ آپ کے خاندان میں اس فن کو غلامی کا درجہ حاصل ہے گویا آپ کا پورا خاندان صدہا سے چند لوگوں کو چھوڑ کر اس فن کا ماہر ہے۔ آپ نے مختلف مقامات پر اپنی ذاتی دوکانیں قائم کر دی ہیں۔

آپ کو شاعری کا ذوق بچپن سے ہے۔ آپ کی آغاز شاعری کا ایک واقعہ بہت دلچسپ ہے۔ جب آپ کی عمر بارہ سال کی تھی اور آپ کی ہمشیرہ مرحومہ جو آپ سے صرف ایک سال چھوٹی تھیں اور آپ کے ہی ساتھ تعلیم پا رہی تھیں۔ شب برات کے دن ایک لباق میں جیجی بھولی علو کھا رہی تھیں اتفاق سے آپ کے چچا صاحب تشریف لے آئے اور فوراً طوے کا لباق اپنے سامنے رکھ کر کھانا شروع کر دیا۔ اس وقت آپ کی مرحوم ہمشیرہ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ ایک شعر برجستہ کہا۔

> رکھا سامنے اپنے سب را — چچا ہو کے کرتے ہو ایسا مذاق

آپکی ہمشیرہ کا یہ شعر کہنا اور آپ کے چچا صاحب کا انعام دینا آپ کے لئے تازیانہ ہو گیا۔ اس دن سے آپ نے در راست شعر کہنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ آخرکار جوش ہو رہے ۱۹۳۲ء میں آپ کو احساس محبت نے گرمایا۔ دل میں سوز کی بجلیاں کوندنے لگیں۔ اور ایک نگاہ شاعر گر نے بغیر محنت و توجہ آپ کو شاعر بنا دیا اور آپ بے ساختہ شعر کہنے لگے۔ لیکن اصلاح کے لئے کسی مصلح کی ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی پہلی غزل جبیب احمد صاحب آفاق امروہوی کی خدمت میں پیش کی جس کے دو شعر مع اصلاح یہاں دئے جاتے ہیں۔

> ان سے ملنے کی بن آئی کوئی تدبیر نہیں — ~~تھی یہ~~ میری (کیا کروں) قسمت مری تقدیر نہیں
>
> کیوں جگر تھامے ہوئے آپ چلے آتے ہیں — ~~تیکہ دعن کی بیٹا ہے ہم لیں~~ پھر نہ کہئے کہ مری آہ میں تاثیر نہیں

کچھ عرصے کے بعد آپ کو مشاعروں میں شرکت کرنے سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ حضرت آفاق دور تھے اور وقت پر اصلاح شدہ غزل کا ملنا مشکل تھا اس خیال سے آپ حضرت سرشار کسمنڈوی (جو بھوپال کے علاقہ دلودی میں مقیم ہیں) کی طرف رجوع ہوئے۔ دو شعر حضرت سرشار کے اصلاح شدہ بھی دئے جاتے ہیں۔

> (غم نے طاقت) ذات ~~ضبط نے تکلیں~~ آہ و فغاں کھو دی — (ہجر نے گھبرا کے) مریض ~~غم نے اک ہچکی میں~~ جان ناتواں کھو دی
>
> یہ تم نے کیا کیا تم پھر یہ ستم کیوں ساچلا آؤ — ~~چلا آیا عیادت کو عجب بیماری بھرا ان کی~~ تماشے اس کرم نے وقت . . .

اتفاق سے حضرت مولانا محمد حسین صاحب محوی لکھنوی جو حضرت سرشار لکھنوی کے استاد ہیں بھوپال تشریف لائے تو آپ بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی زمانہ میں اٹارسی میں ایک مشاعرہ تھا۔ چونکہ سرشار صاحب اس وقت بھوپال میں نہ تھے اس لئے منظر صاحب نے اپنی غزل حضرت محوی کی خدمت میں پیش کر دی۔ موصوف نے بڑی شفقت سے اصلاح دی۔ آپ کو مولانا محوی کا طریقِ اصلاح بہت پسند آیا۔ اور آپ مستقلاً انہیں کو اپنی غزلیں دکھانے لگے۔ دو شعر مولانا کی اصلاح کے مندرجہ ذیل ہیں:

گلشن
کھل نہیں سکتی ہیں کلیاں باغ طرز انشاد کی ہیں بہاریں ~~حافظی~~ اس عالمِ ایجاد کی
آسماں دیکھا کیا فطرت نے کروٹ تک نہ لی
~~مجھے سے وقت تک بھی نکل افسوس ہے~~ حسن کی دولت نے دنیا عشق کی برباد کی

اس کے بعد آپ کی شاعری نے نیا رنگ بدلا اور آپ نہایت لطیف ادیب! اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

"ابھی میرا ذوقِ تکمیل کو نہ پہونچا تھا کہ میری آشفتہ سری نے مجھے بھوپال سے سیکڑوں میل دور پھینک دیا۔ کسی کے جلوۂ رنگین نے اپنی طلعتِ صبح کے ساتھ آگرہ آنے کی دعوت دی اور میں ذوقِ کلیم لئے ہوئے طورِ ادب، سینائے حسن و محبت، محشرستانِ سخن اکبرآباد پہونچ گیا۔ یہاں پہونچ کر ذرہ ذرہ نے دعوتِ شعر گوئی دی۔ حسن کی ساحرانہ موسیقی نے عالم ... بات کی بہتی ہوئی رو میں حضرت قبلہ مولانا سیماب ... اولین کی خدمتِ قدس میں آخری طور پر پہونچا۔ آپ نے شفقت فرمائی اور اپنی آغوشِ ادب میں لے لیا۔ عرصہ تک مولانا کی خدمت میں رہا۔ زمانۂ قیام اکبرآباد میں قریب قریب ہر مشاعرہ میں مضمون۔ نظم۔ غزل وغیرہ کہہ کر شریک ہوتا رہا۔ لیکن افسوس کہ اکبرآباد کے چھ سال کے قیام میں فکرِ معاش سے آزاد نہ ہو سکا۔ مجبوراً اکبرآباد سے اپنے ذوقِ ناتمام سے کر نکل کھڑا ہوا۔ میں چھ سال کی مستقل طریقہ پر مولانا مدظلہٗ کے فیض سے فیضیاب ہو رہا ہوں"

۱۹۳۲ء میں آپ اپنے عزیز دوست اور شاگرد شہزادہ غلام محی الدین صاحب نظامی۔ سے ملنے بمبئی گئے۔ اتفاق سے ڈائریکٹر فلم کمپنی کے مالک سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے آپ کو اپنی کمپنی میں بحیثیت ڈرامہ نگار رکھ لیا۔ آپ نے وہاں رہ کر دو فلمی ڈرامے صدائے حق اور محبت کا تیر لکھے لیکن دونوں ڈرامے اسکرین پر نہ آسکے۔ بمبئی کی آب و ہوا موافق نہ آئی اس لئے واپس چلے آئے۔

آپ ہندوستان میں اپنے معاصرین کی طرح کافی متعارف ہو چکے ہیں۔ کئی مشاعروں کی صدارت بھی کر چکے ہیں۔ آپ نے اس قدر مشاعرے پڑھے ہیں کہ آپ کی طبیعت اکتا سی گئی ہے لیکن ادبی خدمت سمجھ کر کبھی کبھی شریک ہو جاتے ہیں۔ ورنہ زیادہ وقت تنہائی اور فکر و غور میں گذرتا ہے۔ آپ کے متعدد شاگرد بھی ہیں۔

آپ ہر وقت خوش رہنا چاہتے ہیں لیکن رہ نہیں سکتے۔ ہمیشہ کسی خیال میں کھوئے ہوئے رہتے ہیں۔ اپنے احباب کی امانت کے سلسلے میں ہمیشہ قسم ... بانیاں کرتے رہے ہیں۔ آپ کبھی کسی تنقید سے انتقام نہیں لیتے۔ اکثر و بیشتر اپنے احباب کے اخلاقی جرائم اپنے سر لے کر اپنی پشیمانیوں میں اضافہ کر لیتے ہیں۔

آپ نے اس وقت تک کئی کتابیں لکھی ہیں۔ جو ہنوز تشنۂ طباعت ہیں۔ آپ کی مالی کمزوریاں اس کی اجازت نہیں دیتیں۔ تاہم آپ مایوس نہیں ہیں۔ "گناہ و محبت"، "جوشِ وفا"، دو ناول مکمل ہیں۔ ایک رسالہ فنِ عروض پر بھی لکھا ہے۔ مذہبی معلومات، انتظامِ خانہ داری اور ایک دیوان "مکمل نقوشِ فطرت" بھی موجود ہے۔

نمونۂ تغزل

کیا چرخ پہ تمام عمر تو انجمن آرا تھا ظلمت میں ستاروں کی جو تجھ کو دیکھا تھا

آنسو جو محبت کے عنوان سے نکلا تھا — مٹتا ہوا قطرہ تھا بہتا ہوا دریا تھا

جس دل کو تری چشم پرکیف نے دیکھا تھا — گرتی ہوئی بجلی تھا ٹوٹا ہوا تارا تھا

بھٹکی ہوئی بہاروں میں دیکھا جو نظاروں کی — تھی گردِ نظر تیری یہ رُخ زیبا تھا

وہ جلوہ کہ دنیا پر کشمکشِ محشر — ہم کو بھی تو کچھ کہنی کیا آپ کا منشا تھا

مشتی ہوئی دنیا کو کیوں دیکھتے آئے ہو — اس حال سے پہلے بھی تم نے کبھی پوچھا تھا

عرفانِ حقیقت نے دنیا ہی بدل ڈالی — ہم حسن جسے سمجھے نظروں کا وہ دھوکا تھا

تھی شرط پرستارِ مظلوم کی قربانی — آزادی کی دیوی پہ تلوار مرا کاٹا تھا

بدلی نہ کسی صورت تقدیرِ شیا انداز — کعبہ وہی کعبہ تھا سجدہ وہی سجدہ تھا

بات کی دنیا پہ کیا وقت تھا ای منظر

جب چاند کی کرنوں نے اک گیت سا چھیڑا تھا

مری دل پہ جو طاری ہے ہیبتِ جانانہ برسوں — سکوں نا آشنا ہی خاطرِ دیوانہ برسوں سے

کہاں جائیں کسی ڈھونڈیں کسی دیکھیں کسے پوچھیں — ہم اپنے حال سے بھی اب تو ہیں بیگانہ برسوں

کسی کا حسن نہ افزوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا — زمانہ بھر میں رسوا ہے دلِ دیوانہ برسوں

سکھائے ہیں کچھ وہ آداب چشمِ بزم ناز کو — ہوا ہی جہاں گیری مرا افسانہ برسوں سے

مجرم ہے مرا ذوقِ نظر جوشِ نظر کا — ذوقِ نظر کو مرے دیوانہ بنا دے

پھر طور سے دی جذبۂ خوددار کو آواز — پھر ہو کے مخاطب مجھے دیوانہ بنا دے

فطرتاً درکار ہے اک رہبرِ کامل مجھے — کوئی لا دے ڈھونڈ کر گمراہِ الفت دل مجھے

مستقل اک آگ ہے سوزِ غمِ پنہاں نہیں — اک جہنم دیا ہی یا دیا ہے دل مجھے

مصحفِ آدابِ غلامی جس نے ختم کر دئیے — اور اک سجدہ کرلے آزادی کا دل مجھے

مذہبِ ملت جہاں انسانیت کا ساتھ دیں — منعقد کرنی ہے اک ایسی نئی محفل مجھے

حسن کا عشرت کدہ ہو عشق کا ماتم کدہ — کس سے مانگوں کون دے سکتا ہے لیلیٰ مجھے

حسن کو آفتاب ہونا تھا — زندگی کو خواب ہونا تھا

فطرتاً ہو نسائیت مغلوب — اُن کو مجھ سے حجاب ہونا تھا

نمونۂ نظم

کالی گھٹائیں

گھٹا کی دیویاں آئیں پری جائی ہوئے — نگاہِ شوخ میں کچھ بجلیاں چھپائے ہوئے

شگفتہ نغمے جلو میں وہ رعد کے ہمراہ — سکون دہر پہ اک اثر جمائے ہوئے

کبھی سیاہ کبھی سرخ اور کبھی کاہی — ہزار رنگ سے رنگیں فضا بنائے ہوئے

وہ قطرے پانی کے آغوشِ ابر میں لرزاں — کچھ آنسو آنکھ میں جیسے ہوں ڈبڈبائے ہوئے

شبابِ کیف پہ وہ کوہ کی گھٹا توبہ — ہزار فتنے نگاہوں میں مسکرائے ہوئے

کچھ اس ادا سے اٹھیں جیسے صبح سے پہلے — حسین بال بکھیرے اٹھیں نہائے ہوئے

وہ ان کے عکس سے باغوں میں اک سماں چھایا — وہ ان کے سائے سمندر میں تھرتھرائے ہوئے

کچھ اس ادا سے فضاؤں پہ چھا گئیں آکر — حسین پھول ہوں جس طرح لہلہائے ہوئے

جبینِ ناز پہ بکھرائے کاکلِ مشکیں — فضائے تاج و رشکِ ارم بنائے ہوئے

کسی کی یاد یہ کالی گھٹائیں لائی ہیں

مجھے بہار میں وحشی بنانے آئی ہیں

نمونۂ نثر

فلسفۂ شہادت

صبحِ ازل جب حسنِ خود نما کی بیتابیاں تنہائی سے تنگ آکر اپنے اعلان پر مجبور ہوئیں تو عالمِ کیف و جذب میں "کُن" کہہ کر آرائشِ جمال میں مصروف ہو گئیں۔ حسن۔ جلال و جمال سے مرصع ہو کر تختِ شہود پر جلوہ افروز ہوا اور مقربانِ خاص کو پردۂ حجاب اُٹھانے کا حکم دیا۔ پردہ اٹھا برقِ حسن مسکراتی ہوئی بڑھی اور دیکھنے والوں کو بیخودی کا پیغام دے کر پھر آسودۂ حجاب ہو گئی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ ضیائے جمال سے معمور و مخمور رہ گیا تھا اور ہر وہ چیز جو اس وقت عالمِ فانی میں پہونچ

کیفیتِ عشق سے سرشار و مدہوش تھی - اور یہی وہ وقت تھا کہ جب انسان اس نعمتِ عظیم سے سرفراز ہوا۔ دربارِ حسن کے نقیبوں نے دعوتِ امتحان پیش کی ——— اور اہلِ دل نے بسم اللہ کہہ کر نذرانہ پیش کیا۔

پروانہ نے تڑپ کر بے تابانہ حسن کے جلووں میں کھو جانا چاہا۔ حسن اس جرأت پر مسکرایا، پروانہ اس تبسمِ برق پاش کی تاب نہ لا سکا منہ سے بیساختہ آہ نکلی اور خاکستر کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔

بلبل نے پرِ پرواز کھولے اور فضائے بسیط میں اڑ کر بہارِ حسن کا طواف کرنا چاہا۔ لیکن اس تبسمِ گل بیز کی یہ بھی تاب نہ لا سکا اور دیوانہ ہو کر سر پٹکنے لگا۔

قمری نے بھی جرأت کی اور تحفۂ عشق پیش کیا جو حق سرہ کے نغموں میں تبدیل ہو کر آج تک بے چین ہے۔ پپیہا "جگنو" کوئل، سرو، نرگس، چکور، غرضکہ کائنات کے ہر فرد نے اپنی بساط کے موافق اظہارِ محبت کیا لیکن حسن کی خود داریاں کسی اور ہی کی تلاش میں مصروف تھیں۔ انسان نے اس راز کو سمجھا اور اسے جذب کر لینے کی التجا کی۔ التجا مجبورے تحفہ ... ہوا عرش طیبین پرندوں نے نغمۂ وصلت الاپا۔ چاند سورج نے اپنی زریں شعاعوں کے ساتھ انسان کی اس عظیم الشان جرأت کو دیکھا مقربانِ خاص نے بھی جنبشِ ابرو سے اظہارِ حیرت و تعجب کیا۔ فطرت نے انسان کی جرأتِ عشق پر خلعتِ خوشنودی و شرفِ قبولیت عطا فرمایا۔ اس کے بعد عشق کی پریشانیاں اور تکالیف بھی ایک لطیف درد کے ساتھ انسان کو عطا فرمائی گئیں انسان نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

... وجود میں آئی، نسلِ انسانی نے عروج حاصل کیا اور اپنی محبت کے وجود ... کائنات محوِ حیرت ہو گئی۔ مقربانِ حسنِ انسانی تہذیب و تمدن کے مدارج تھے۔ لیکن ابھی تک وہ خلا باقی تھا جو حسن و عشق کے امتزاج و قبولیت کے وقت پیدا ہوا تھا۔

سید منظور احمد صاحب منظر رضوی بھوپالی کی غزل پر حضرت مولانا سیماب ظلہ کی اصلاح

سو بار ہو چکا اسی مشکل کے سامنے | صدموں کا ذکر کیا دلِ بسمل کے سامنے

بجلی غریب آ ڈگی کیا دل کے سامنے | بیکر چکا ہے جلوۂ کامل کے سامنے (دل)

آئینہ ~~دیکھئے نہ مرے دل~~ کے سامنے (یوں نہ دیکھئے مقتل) | آساں ~~نہیں ہے یہ~~ مقابل کے سامنے (کرتا ہے کوئی)

ہر چند شکوۂ غمِ ہجراں کا قصد تھا (بھی) | خاموش ہو کے رہ گئی قاتل کے سامنے

گرتی ہے آشیاں پہ مری شوق سے گرے | سوڈگی برق بیٹھ کے حاصل کے سامنے

دیکھا ہے چشمِ شوق نے تیری جمال کو | جھینپے گی کیا یہ جلوۂ باطل کے سامنے

~~کیا کہیں میری کشتیِ بیتاب کی قضا~~ (میرے مزاجِ شوق کا انجام دیکھنا) | پہونچا ہوں سر کو کعبۂ قاتل کے سامنے

اللہ رے بیخودی دل ~~...~~ آشنا (رے، ہوش) | منزل کو بھولتا ~~ہے ...~~ منزل کے سامنے (نہیں)

اب بھی ~~نہ ...~~ زلیخا علاج (سرفراز کوئی ہو) | گردن جھکی ہے خنجرِ قاتل کے سامنے

~~... جمال ... کوئی بھی ... سکا~~ (وحشت نہ لائے ... ہے ہر ذرہ نجد کا) | ~~مجنوں ... کے ... محمل کے سامنے~~ (مجنوں کھڑے ہیں نجد کے دل)

آسائشِ حیات سے دل سیر ہو چکا! | راحت کا لطف کچھ نہیں مشکل کے سامنے (فراغ)

کہہ دو فلک سے منہ کی نہ کھانا پڑے کہیں (کھائی)
اچھے نہیں ہیں منظرِ بیدل کے سامنے

محسن — محمد محسن صاحب اکبر آبادی — ۸۷

آپ کا نام محمد محسن اور محسن تخلص ہے۔ ۱۸۹۱ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شیخ حافظ حبیب صاحب مرحوم بھی آگرہ ہی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے اجداد ساکنانِ پنجاب سے تھے جد بزرگوار پنجاب سے دہلی اور دہلی سے آگرہ تشریف لائے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ آپ کے بزرگ جواہرات کی تجارت کرتے تھے۔ آپ کے والد نے جبل پور اور دوسرے پہاڑی مقامات پر پلٹنوں میں "کافی شاپ" کے ٹھیکے لئے۔ بعدہٗ ایک دکان انگریزی سامان کی صدر بازار جبل پور میں اجرا اپنے برادر بزرگ شیخ اللہ بخش صاحب کے نام سے قائم کی جس کو غیر ممالک تک شہرت ہوئی۔ اور کافی عروج پایا۔ اس کے بعد ۱۸۹۳ء میں ایک دکان صدر بازار آگرہ میں اسی نام سے قائم کی۔ اس دکان کو جبل پور والی دوکان سے زیادہ ترقی ہوئی۔ اہل ہندوستان کے اعلیٰ افراد اور حاکموں سے سارٹیفکٹ حاصل کئے۔

۱۸۹۴ء میں جب آپ کی عمر ۳۔۴ برس کی تھی۔ آپ کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اور کاروبار آپ کے چچا مولا بخش صاحب نے سنبھالا۔ ۱۹۲۳ء تک آپ آگرہ اور جبل پور میں ایک زبردست جائداد کے مالک تھے۔ جس میں مکانات۔ دوکانیں۔ کوٹھیاں وغیرہ شامل تھیں۔ اُن کے علاوہ آپ کے کئی کام اور بھی چل رہے تھے۔ لیکن انقلاب وقت سے اب اس جائداد کی ایک اینٹ تک باقی نہیں ہے۔ ۱۹۳۳ء تک تباہی اور بربادی کے سیاہ بادل ایسے چھائے کہ ہر طرف ظلمت ہی ظلمت نظر آنے لگی۔ اس تباہی کے بعد فوراً ہی آپ کے عزیزوں کی تحریک پر آپ کے ایک محب صادق نے صدر بازار آگرہ میں فرنیچر کی ایک دوکان جنرل اسٹور کے نام سے جاری کرا دی۔ جس میں محسن صاحب بحیثیت مینجر فائز ہیں۔ اور ۱۹۳۳ء سے ابتک یہی کام کر رہے ہیں۔ یہ سلسلہ بھی قریب قریب مالکانہ ہی ہے۔

آپ نے آٹھویں جماعت تک۔ سکول میں انگریزی تعلیم حاصل کی اردو فارسی کی مکمل تعلیم مدرسوں میں پائی۔ اسکول کی تعلیم کے بعد پرائیوٹ طور پر ایک ماسٹر اور مولوی سے تینوں زبانوں میں درس لیا۔ کتب بینی کا شوق آپ میں اس قدر تھا کہ اگر دو منٹ بھی آپ کو مہلت ملتی تو آپ کوئی کتاب یا رسالہ اٹھا کر کچھ نہ کچھ پڑھ لیتے تھے۔ آجکل فکرِ معاش اور پریشانیوں نے آپ کو رسائل اور اخبارات کے مطالعے سے بھی محروم کر دیا ہے۔

۱۹۱۱ء سے آپ میں مذاقِ شاعرانہ پیدا ہوا۔ اولاً شاعری کی حیثیت یہ تھی کہ آپ روزانہ شام کو اپنے دوست سراج الدین صاحب رواںؔ کے ساتھ چہل قدمی کے لئے جایا کرتے تھے۔ راستہ میں بطور مشق شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہتا۔ عرصہ تک اسی طرح مشق جاری رہی۔ کچھ عرصے بعد آپ کے بڑے بھائی کے دوست مفتوںؔ اجمیری جبل پور سے آگرہ تشریف لائے۔ جب آپ نے محسن صاحب میں شاعری کا ذوق دیکھا تو فرمایا کہ تمہیں آگرہ ہی میں ایک استاد بتاتا ہوں جس کا جواب اس وقت ہندوستان میں نہیں ملتا۔ چنانچہ مفتوںؔ صاحب اپنے ہمراہ آپ کو اور رواںؔ صاحب کو حضرت قبلہ مولانا سیمابؔ مدظلہٗ العالی کی خدمت میں لائے اور ۱۹[illegible]ء میں شاگرد کرا دیا۔ تین سال تک یہ سلسلہ برابر

آشوب چشم کی شکایت میں ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۵ء تک مبتلا رہ کر اور لکھنے پڑھنے کا سلسلہ بالکل مفقود ہو گیا۔ ۱۹۲۶ء میں اس مرض سے نجات ملی اور احباب کے پیہم اصرار سے پھر آپ نے شاعری شروع کر دی۔ الحمدللہ کہ اب آپ برابر مشاعروں میں شرکت کرتے ہیں۔ گو خانگی پریشانیوں کی وجہ سے بہت کم وقت ملتا ہے لیکن پھر بھی جو کچھ کہتے ہیں۔ اُس سے آپ کی کہنہ مشقی ٹپکتی ہے۔

نمونۂ تغزل

کیا اُنکی نظر دے گئی پیغام محبت　　کیوں آج مزاج دل مضطر نہیں ملتا
لیجاؤں کہاں اب دل بیدار طلب کو　　محشر میں بھی وہ فتنۂ محشر نہیں ملتا

ہماری آرزو اشکوں میں ملکر بہہ گئی آخر　　بہا جائے نہ جس دن تک وہ انکھوں میں کہاں ٹھہرے
دم رخصت کہا میں نے کہ رکھ لے پاؤں پھر آنا　　تو فرمایا کہ ہم انسان کیا ٹھہرے ہوا ٹھہرے!
وہ میخانہ پہ ساقی کھڑا ہو دیر سے محسن　　نہ دے شیشہ مگر اتنا تو کہہ دے جا کہ ٹھہرے!

خوف خدا زمانہ کے دل سے نکل گئی!　　تیری نظر بدلتے ہی دنیا بدل گئی
اکثر خزاں میں داغ ہرے دل کے ہو گئے　　بے فصل ہی یہ شاخ کلی بار پھل گئی
آئی ہیں مجھے نئی دنیا میں سختیاں　　کوسوں زمین کو یہ جاناں نکل گئی
وحشت پرست دل میں کہاں جا نہ تھا سوا　　پہلو میں جب وہ آئے تو حسرت نکل گئی
ہے اس جہاں میں میری جوانی کی یہ مثال　　سردی کی دھوپ تھی کہ جو ٹہری تو ڈھل گئی

کیا جلوہ فگن ہوگا وہ خورشید منور　　کیا چرخ چہارم دل دیوانہ بنے گا
گلشن میں عجب جوش پہ ہے فصل بہاری　　جو پھول کھلے گا وہی پیمانہ بنے گا
ترشح سے بیٹھے تو ہو گرم نہ ہونا　　جو آئے گا محفل میں وہ پروانہ بنے گا

وہ اُنکی نشیلی نیچی نظر سے　　وہ میرا حشر میں فریاد کرنا
تمہیں ہو باعث بربادی دل　　تمہیں آکر اسے آباد کرنا

مٹ جاؤں رہ عشق میں ایسا خدا کرے　　رہ جاؤں ہو کے خاک تری رہگذر میں
تیرا ہی رنگ فصل خزاں میں ہو آشکار　　تیری ہی زینتیں ہیں مرے دل بہار میں

محسن یہ دل ہے عالم فانی میں بیقرار
اس کو قرار آئے گا دارالقرار میں

سوئے بزم دوست آتا ہوا زاہد کی گود سے　　کس غضب کی طاقت پرواز پروانہ میں ہے
تب بھی آتے ہیں تصور میں اگر دوست آرزو　　کعبہ بن کر دیر میرے دل کے کاشانہ میں ہے

تم نے محسن عمر بھی کی ہے بتوں کی بندگی
آج کیوں سجدہ ندامت کا خدا خانہ میں ہے

پیر فلک کو میری جوانی پہ رشک ہے　　اور میری آرزو ہے ہمیشہ جواں رہوں

وہ دیوانہ قتل عہد میں تھا جو قیس بسمل سے　　گری تو پھر شناسا تیغ پر آں بست قاتل
ڈبو دی آبروئے عشق تو نے اے دل بسمل　　بنا ہیں مانگ کر آسودگی کی تیغ قاتل

یکایک ہو گیا رخت سفر محسن تہ و بالا
تلاطم میں پڑی کشتی نکل کر دور ساحل سے

لے نظر کو اپنی وسعت دیکھ پھر اس کا جمال　　ہیں ہزاروں طور لاکھوں کلیمی تیرے لئے
سر جھکا محسن جہاں دل چاہے بے سر بندگی　　ہر جگہ موجود ہے یک آستاں تیرے لئے

دم سے ابھی لئے وسعت گلستاں یک طرف اور　　ہو دم سے تری رونق زنداں کوئی کیا
مقسوم کا لکھا ہوا ہو کر ہی رہے گا　　گر لیں ہم مرے درد کا درماں کوئی کیا
نکلیں گی یہی دل سے الم ناک صدائیں　　گو بجے گا مگر ساز رگ جاں کوئی کب تک

بے گرم خودی میں ہوش تھا ہوش تھا کیا　　کوئی آنسو برابر پونچھتا آنچل پہ دامن سے

www.taemeernews.com

محفوظ — محفوظ الرحمٰن خاں صاحب محفوظ مرادآبادی

آپ کا نام محفوظ الرحمٰن اور تخلص محفوظ ہے۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۹۰۱ء بروز شنبہ بمقام مرادآباد پیدا ہوئے۔ آپ کے والد منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب مرحوم فارسی کے بہت بڑے عالم تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن کبھی منظرِ عام پر آنے کی کوشش نہیں کی۔ سی پی کے محکمۂ پولیس میں بعہدۂ انسپکٹری فائز تھے۔

آپ نے فارسی اور اردو کی تعلیم مکمل طور پر اپنے والد صاحب مرحوم سے حاصل کی۔ اس کے بعد انٹرنس تک گورنمنٹ مسلم اسکول مرادآباد اور اسلامیہ اسکول بریلی میں تعلیم پائی۔

جب آپ بریلی سے مرادآباد واپس ہوئے۔ اُس وقت مرادآباد میں شاعروں کا بہت زور تھا۔ آپ کے احباب اپنی غزلیں آپ کو سنایا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ آپ کو بھی شعر کہنے کا ذوق پیدا ہوگیا۔ اور اپنے ماموں جعفر علی بیگ صاحب افسر (جو میرے ماموں (؟) ...) سے (جو شاگرد رشید جناب اخگر مرادآبادی ہیں) سے اپنا خیال ظاہر کیا۔ اُنھوں نے آپ کے والد مرحوم سے سفارش کی۔ آپ کے والد صاحب نے جب طبیعت کا رجحان مطلقاً شعر و شاعری کی طرف دیکھا تو مولوی فرید احمد صاحب وفا مرادآبادی کی طرف رجوع کردیا۔ آپ کے ماموں صاحب نے ایک مصرعہ آپ کو غزل کہنے کے لئے دیا۔ "کیوں میرے مسیحا مجھے اچھا نہیں کرتے" اس پر آپ نے غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے۔

بیمارِ محبت ہوں دوا نہیں کرتے
کیوں میرے مسیحا مجھے اچھا نہیں کرتے

دوسرے دن آپ وفا صاحب کی خدمت میں غزل لے کر حاضر ہوئے۔ وفا صاحب اُس وقت اپنے ایک شاگرد شیدا صاحب کی غزل دیکھ رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے شیدا صاحب کے منہ پر ایک ہلکا سا طمانچہ مارا اور کہا کمبخت بوڑھا ہوگیا اور ابھی تک شعر کہنا نہیں آیا۔ آپ وفا صاحب کی یہ سخت گیری دیکھ کر خاموشی کے ساتھ واپس چلے آئے۔ دوسرے روز وفا صاحب کے بجائے حکیم بشیر احمد صاحب رفیق مرحوم کے شاگرد ہوگئے۔ آپ نے کمال محبت سے اصلاح دی۔ اور مشاعرے میں اپنے ساتھ لے جاکر غزل پڑھوائی۔ دو سال تک آپ رفیق صاحب سے اصلاح لیتے رہے۔ ۱۹۱۹ء میں آپ بسلسلۂ ملازمت "آسن سول" چلے گئے۔ اور رفیق صاحب گوالیار تشریف لے گئے۔ اس طرح یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

۱۹۲۱ء میں ملازمت ترک کرکے جب آپ مرادآباد آئے اُس وقت رفیق صاحب کا انتقال ہوچکا تھا۔ اس لئے دو غزلوں پر محمد شاہ بیگ صاحب جوہر مرادآبادی سے اصلاح لی۔ ۱۹۲۲ء میں پھر آسن سول چلے گئے۔ اور ۱۹۳۲ء تک پھر کسی سے اصلاح نہیں لی۔ ۱۹۳۲ء میں جب آپ مرادآباد آئے تو جوہر صاحب سے ملاقات ہوئی اور اپنا دیوان جس میں تین سو غزلیں تھیں جوہر صاحب کو برائے اصلاح دے آئے۔ چند ماہ بعد آپ کی آنکھیں دکھنے آگئیں۔ اور وہ ماہ تک آپ لکھنے پڑھنے سے معذور رہے۔ اسی اثنا میں جوہر صاحب کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور آپ کا دیوان بھی اُنھیں کے ساتھ فنا ہوگیا۔ چونکہ آپ نے مسلسل کسی اُستاد سے اصلاح نہیں لی تھی اس لئے آپ میں بہت سی کمیاں تھیں۔ جن کو ہر وقت آپ محسوس کرتے تھے۔ یہ چار جانب آپ اُستادِ کامل کی تلاش میں اپنی نظریں دوڑا رہے ہیں

آخر آپ کی نگاہِ انتخاب حضرت مولانا سیماب مدظلہٗ پر پڑی۔ اور ۱۹۳۳ء کے اوائل میں آپ مولانا کے شاگرد ہو گئے۔ ذریعۂ خط و کتابت اصلاح کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اور روز بروز آپ ترقی کر رہے ہیں شعر بہت سمجھ کر کہتے ہیں۔ آگرہ اسکول کا رنگ طبیعت پر غالب آتا جاتا ہے۔

نمونۂ تغزل

حنا ہی دستِ نازک میں نہ غازہ ہے رخِ روشن پہ   کسی کا رنگ جچتا ہی نہیں اُس شوخِ پُرفن پہ
میرا لقد سکون و صبر کیا تم نے ہی لوٹا ہے   تمہاری آنکھ نیچی ہو گئی کیوں ذکرِ رہزن پہ
مجھے صیاد قبل از قید مجھکو اتنی مہلت دے   نظر اک آخری میں ڈال لوں اپنے نشیمن پہ
نہیں دنیا میں کوئی آجکل جویا حقیقت کا   ریا کا رنگ ہی کاشانۂ شیخ و برہمن پہ
کہاں کی شمع کیسے پھول کیسی چادرِ زریں   کسی نے خاک بھی ڈالی نہ آکر میرے مدفن پہ
قیامت تک خدا معلوم اس کا حال کیا ہوگا   ابھی سے بیکسی چھائی ہوئی ہے میرے مدفن پہ
سمجھ کر اپنی محفل آ گیا تھا تیری محفل میں   خبر کیا تھی گراں ہو جاؤں گا میں طبعِ دشمن پہ
تجلی دیکھتا ہوں اُسکی میں آئینۂ دل میں   نہیں میری نظر اب جلوہ اندازِ ایمن پہ

یہ ہیں مجبوریاں محفوظؔ آئینِ محبت کی
بجائے شادمانی رو رہا ہوں مرگِ دشمن پہ

بارگاہِ عشق و بزمِ حسن کے قابل نہیں   جو نہیں صرفِ وفا ننگِ گراں ہے دل نہیں
وہ ہجومِ آرزو وہ اضطرابِ دل نہیں   میں اب اس عالم میں ہوں جس میں کوئی مشکل نہیں
کشتیٔ امید ہو گی پار کیونکر مان لوں   ناخدا حدِ نظر تک تو کہیں ساحل نہیں
ہیں وہ عالم کی بہاریں میری نظروں میں مگر   ہجر میں تیرے کوئی وجہ سکونِ دل نہیں
آہ یہ بادِ مخالف اور یہ جوشِ بحرِ غم   کشتیٔ امید کی تقدیر میں ساحل نہیں
ہنسنے للّٰہ انکی آبرو رکھ لیجیے   خندہ زن ہے بیکسی کوئی اہلِ دل نہیں
کیا تصدق ہو گا وہ دل تیری شمعِ حسن پہ   جسکو تب پروانۂ محفل کا حاصل نہیں

مست ہیں سب اپنی اپنی ترنگ میں   کون سنتا ہے نوحۂ دردِ دل

تم نے میری جاں نثاری کا صلہ   کیا دیا مجھ کو سوائے دردِ دل
میرے مشرب میں انساں ہے وہی   جو نہیں ہے مبتلائے دردِ دل
سننے والا ہو تو ہر آہِ خموش   کہہ رہی ہے ماجرائے دردِ دل
آسماں بیدرد دنیا بیوفا   اب کہوں کس کو فسانۂ دردِ دل

کیا خبر محفوظؔ کیا ہے مدعا
پوچھتے ہیں وہ بتاؤ دردِ دل

دل میں نظروں میں جمالِ یار ہے   پھر بھی ہم کو حسرتِ دیدار ہے
خونِ دل کا کر کے اک بیگانگی   آشنا اب کیوں نگاہِ یار ہے
سن رہا ہے سب کی کہتا کچھ نہیں   تیرا دیوانہ بڑا ہشیار ہے

ہم نہیں محفوظؔ مطلب آشنا
گو زمانے کی یہی رفتار ہے

دل کو مرے سکوں ہو کیا سیرِ گل و گیاہ سے   جانِ بہار چھپ گیا تو ہی اگر نگاہ سے
رازِ الم نہ چھپ سکا کوششِ ضبطِ آہ سے   ہو گیا حالِ دل عیاں یاس بھری نگاہ سے
آہ یہ میری بیکسی کوئی شریکِ غم نہیں   دیکھ رہا ہوں چار سو حسرت بھری نگاہ سے
دل تمہیں دیکے پڑ گئی جان مری عذاب میں   موت سے شاد ہوں کہ خوش زندگیٔ تباہ سے
آہ خیالِ دید میں یہ بھی نہیں مجھے خیال   دور ہوں یا قریب ہوں آپ کی جلوہ گاہ سے
واہ ری ذوقِ بندگی رکھ ہی دیا قدم پہ سر   لاکھ وہ روکتے رہے برہمیٔ نگاہ سے
عشق کی بارگاہ کا رتبہ سوا ہے کم نہیں   شیخ ذرا تو دیکھ لے مسجد و خانقاہ سے
آئینہ دیگا داد کیا تیرے جمالِ حسن کی   اسکو تو میرے دل سے پوچھ دیکھ مری نگاہ سے
پھول تو پھول خاک ہی ڈال دی آ کے قبر پر   آہ امید ہی نہیں اس بتِ کینہ خواہ سے
میں تو وہ ہوں کہ بارہا دیکھا ہی جلوہ آپکا   خیرہ ہو میری آنکھ کیا تابشِ مہر و ماہ سے
یہ وہ سرور ہے نہیں جسکو اتار دے کوئی   آج ہیں مست ہو کے ہم میکدۂ نگاہ سے
بھول گیا میں گل کی شکایتیں ساری کلفتیں   دیکھ لیا کسی نے جب پیار بھری نگاہ سے
ساقیٔ بزمِ ناز بس اب نہیں جام کی ہوس   جھوم رہا ہوں میں تری کیف بھری نگاہ سے
آج ہیں بام پر تو وہ محفوظؔ اب میں کیا کروں   رخصتِ دید ہی نہیں کثرتِ شوقِ آہ سے

ناقدؔ — مولوی سید حامد علی صاحب بی اے (علیگ) — ۸۹

آپ کا نام سید حامد علی اور ناقدؔ تخلص ہے۔ راجپوتانہ کے مشہور شہر جے پور سے پچاس میل جنوب میں ایک پرانا قصبہ مالپورہ ہے جہاں سید جلال الدین بخاریؒ کے ماموں سید ناصر الدین شہید بڑواہی کے دو فرزند سید ابراہیم اور سید فرید الدین سنہ ۱۲۴۰ بکرمی میں آباد ہوئے تھے۔ ان دونوں کی اولاد جو دو مختلف خاندانوں کے نام سے کوادیہ اور دوسوگھروں کی تعداد میں اب بھی آباد ہے۔ اس خاندان میں شاہان خلیہ کے زمانے سے مالپورہ اور ٹوڈہ رائے سنگھ کی قضاۃ نسلاً بعد نسلاً چلی آرہی ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ان ہی سادات کے خانوادہ سید علی سے وابستہ ہے۔ جو سید وزیر الدین کے فرزندوں میں سے تھے۔ آپ کی ولادت مالپورہ ہی میں یوم یکشنبہ ۲ اررمضان سنہ ۱۳۱۱ھ کو ہوئی۔

آپ کے والد مولوی حافظ سید احمد علی صاحب پہلے مڈل اسکول مالپورہ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ ابتدائی تعلیم ناقدؔ صاحب نے اسی اسکول میں حاصل کی۔ مجوزہ نصاب کے علاوہ اردو کے چند دیوان اور فارسی ابتدائی کتابیں آپ نے اپنے والد ہی سے پڑھی تھیں۔ آپ نے اپنے ایک عزیز منشی سید جمال علی صاحب کی مدد سے جو آجکل اسی اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہیں اور اس زمانہ میں ریاضی کے مدرس تھے۔ آغا رام گھوش کی چکرورتی، برنارڈ اسمتھ کی کتابیں، ذکاء اللہ اور رام زائن کی علم المساحت اور اقلیدس کے دو مقالے تیرہ سال کی عمر میں ختم کردئے تھے۔ جب آپ مہاراجہ کالجیٹ اسکول میں داخل ہوئے تو بھورامل شوکانی مدرس ریاضی آپ کی استعداد دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ وہ آپکے ہم جماعتوں سے کہا کرتے تھے کہ یہ غلط مشہور ہے کہ مسلمانوں کو حساب نہیں آتا۔ دیکھو یہ ناقدؔ صاحب ہمیشہ سو میں سے سو نمبر حاصل کرتا ہے۔

جب آپ مالپورہ اسکول سے ورناکیولر کا فائنل امتحان پاس کرچکے تو آپ کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ریاست کی طرف سے وظیفہ مل گیا۔ اور آپ مہاراجہ کالجیٹ اسکول میں داخل ہوگئے آپ کو صرف انگریزی میں محنت کرنی پڑی۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں ہائی اسکول اسکالرشپ الٰہ آباد کا امتحان پاس کیا۔ اور دو سال کے لئے پھر منظور روپیہ ماہوار آپ کا وظیفہ مقرر ہوگیا۔ سنہ ۱۹۰۶ء میں آپ نے انٹرنس پاس کیا۔ اور دو سال کے لئے پھر آپ کو وظیفہ ملا۔ جب آپ کالج میں داخل ہوئے تو غلطی سے آرٹس کا کورس لے لیا۔ اصولاً آپ کو ریاضی لینی چاہئے تھی۔ فرسٹ ایر میں آپ نے فارسی پڑھی اور سیکنڈ ایر میں عربی لے لی اور اسی کے ساتھ ایف۔ اے پاس کیا۔ اسی زمانہ میں آپ نے احناف اور عاملین بالحدیث کے مناقشات میں عملی حصہ لیا۔ کتب مناظرہ پڑھیں اور مسائل مختلف فیہ کی تحقیق کی۔ حنفیوں کی تائید اور غیر مقلدوں کی تردید میں جس قدر تصانیف شائع ہوچکی تھیں۔ ڈھونڈ ڈھونڈھ کر ان کا مطالعہ کیا۔ کچھ عرصہ یہی سلسلہ قائم رہا۔ ایف۔ اے پاس کرنے کے بعد آپ کو سنہ ۱۹۱۱ء میں دوبارہ ہائی اسکول ٹونک میں پچاس روپیہ ماہانہ کی اسسٹنٹ ٹیچری مل گئی۔

ملازمت کے بعد آپ ... ذوق تحصیل علم ... بڑھ گیا۔ سررشتہ تعلیم میں ترقی کرنے کے لئے ڈگری حاصل کرنا ضروری تھا۔ لیکن پرائیوٹ بی۔ اے کی تیاری کرنے کے لئے یہاں اسباب نہ تھے

www.taemeernews.com

اسکول لائبریری بہت مختصر تھی۔ پبلک لائبریری مفقود اور انگریزی زبان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی صحبت مفقود تھی۔ پہلے آپ نے بی۔اے کے امتحان کی تیاری کے لئے (اقتصادیات) لی۔ لیکن طبیعت کا رجحان نہ ہونے سے درمیان میں اُسے بدلنا پڑا۔ اور تاریخ لے لی۔ تاریخ انگلستان کی خشک اور بے مزہ داستانیں آپ کے لئے ایسی ثابت ہوئیں جیسے ایک عرب کے لئے سنسکرت ہوتی ہے۔ الغرض عربی اور تاریخ کے ساتھ آپ نے الٰہ آباد جا کر ۱۹۱۶ء میں بی۔اے کا امتحان دیا۔ آپ کو جو خدشہ تھا وہی ہوا یعنی آپ امتحان میں ناکامیاب ہوئے۔ اور تاریخ کے پرچوں میں آپ کی تمناؤں کا خون ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں دوبارہ آپ نے امتحان کا ارادہ کیا لیکن آپ تپ لرزہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور تین چار مہینے صاحب فراش رہ کر ۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا کا شکار ہو گئے۔ اور مہینوں آپ کسی دوسرے کام کے قابل نہ رہے۔ چونکہ تحصیل علم کا ذوق ابھی سیراب نہ ہوا تھا اس لئے ڈگری کے خیال کو چھوڑ کر آپ نے عربی، فارسی اور دینیات کی اعلیٰ تعلیم اختیار کی۔ آپ کے اساتذہ کی فہرست طویل ہے۔ چند کے نام پیش کئے جاتے ہیں۔ صرف و نحو مولوی مہتاب علی شاہ مرحوم مولوی محمد اسحاق صاحب مرحوم اور ملا حبیب اللہ صاحب کابلی سے پڑھی۔ عربی ادبیات میں مفتی سید احمد مجتبیٰ مرحوم۔ مولوی محمد اسحاق مرحوم مولوی محمد طلحہ صاحب حال پروفیسر اورینٹل کالج اور مولانا محمود حسن خاں صاحب حال رکن دارالترجمہ حیدرآباد سے استفادہ کیا۔ کچھ عرصہ مولانا سید محمد سورتی سے بھی مستفید ہوئے۔ ہندی میں رائے پنڈت گنگا پرشاد سابق انسپکٹر مدارس دیہات سے پڑھی۔

دربار ہائی اسکول میں آپ کی خدمات کا ہمیشہ اعتراف کیا گیا لیکن چونکہ آپ گریجویٹ نہیں تھے۔ اس لئے ۱۹۳۳ء میں سررشتہ تعلیم نے قبل از وقت آپ کی پینشن کی تجویز کر دی۔ آپ نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ آخر اس شرط پر کہ آپ ۱۹۳۳ء میں بی۔اے پاس کر لیں پینشن ملتوی کر دی گئی۔ آپ نے اپنی انتھک کوششوں سے اسی سال سیکنڈ ڈویژن میں بی۔اے پاس کر لیا۔ اب تو آپ کی تشنگی تعلیم اور بھی بڑھی۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے پریویس کا امتحان پاس کیا اب گذشتہ ماہ اپریل ۱۹۳۶ء میں آپ نے ایم۔اے فائنل کا امتحان بھی دے دیا ہے۔ خدا کامیاب کرے۔

جے پور میں آپ کا حلقۂ احباب وسیع تھا۔ جس میں اکثر ذہین اور طباع لوگ تھے۔ چنانچہ شعر و شاعری کی محفلیں گرم رہتی تھیں۔ ڈاکٹر ایم جی زبیر احمد (حال پروفیسر الٰہ آباد یونیورسٹی) مولوی رضوان اللہ صاحب کلیم (وکیل ہائی کورٹ) مظفر نگر، منشی رضی اللہ صاحب جوش جو آپ کے ہم جماعت تھے وغیرہ وغیرہ اپنے دوستوں میں دن رات اُٹھنے بیٹھنے سے آپ میں بھی مذاقِ شاعری پیدا ہو گیا۔ ویسے بھی جو شخص اس درجہ ہمہ گیر علوم و فنون سے دوچار ہو چکا ہو۔ اُس کا شاعر ہو جانا یقینی تھا۔ لیکن طبعی لگاؤ کو بھی اس میں دخل تھا۔

آپ نے ابتدا میں حضرت جوہر مرحوم سے مشورۂ سخن کیا۔ اور اساتذہ کی ہمت افزائی نے آپ میں ایک برقی رو پیدا کر دی۔ آپ کا مندرجۂ ذیل شعر ظہیر مرحوم نے مکرر پڑھوایا تھا۔ اور بیحد داد دی تھی۔

پی کے ہر جام میں ہوتا تھا نثارِ ساقی
بیخودی کی بھی یہ صورت تھی کہ ہشیار رہا

آپ کی ابتدائی غزلیں "الکمال" میں شائع ہوتی رہتی تھیں ملازمت کے بعد عرصہ تک آپ کا یہ ذوق مردہ رہا اور بجائے شعر گوئی کے شعر فہمی کا مذاق آپ میں بہت زیادہ پیدا ہو گیا۔ آپ نے ڈاکٹر سر محمد اقبال کے کلام کا بطور خاص مطالعہ کیا تو دوسروں کے اشعار

آپ کو پسند آنے لگی۔ جب آپ کی طبیعت پھر شعر گوئی کی طرف راغب ہوئی اور رنگ شاعری بدلا تو آپ کی نگاہیں اسی معیار کا استاد تلاش کرنے لگیں۔ جس معیار پر آپ آ چکے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا سیماب مدظلہ العالی جب ٹونک تشریف لے گئے تو وہاں کی فضا کو انکی ضیا پاش صحبتوں نے چمکا دیا۔ ٹونک کا ذرہ ذرہ آپ کی طرف جھکتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ بھی مولانا مدظلہ کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرنے لگے۔ شعر و شاعری سے آپ کو فطری لگاؤ ہے ابتدائی مشق کا کلام تلف ہو چکا ہے۔ آپ اپنے تخلص کے اعتبار سے بھی بہت مخصوص ہیں۔ ناقد نے صحیح معنوں میں آپ کو "ناقد" بنا دیا ہے آپ سعادت لٹریری سوسائٹی ٹونک کے سکریٹری ہیں۔ ٹونک میں ایک قومی درسگاہ ہے۔ جس کے بارہ سال سے آپ آنریری سکریٹری ہیں قومی خدمت کو اپنے لئے وجہ سعادت اور وسیلۂ نجات سمجھتے ہیں۔

آپ کی تعلیم جس درجہ معیاری ہے اسی پایہ کا کلام ہے۔ آگرہ اسکول کے ممتاز شعرا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت مولانا سیماب مدظلہ بھی بطور خاص آپ پر شفقت فرماتے ہیں۔ اس وقت آپ کی عمر پچاس سال ہے۔ امید ہے کہ مستقبل قریب میں آپ کی ذات سے ادب اردو میں حیرتناک اضافے ہوں گے۔

نمونۂ تغزل

پھرا ہوں عندلیب ملنسار ہو کے گلزاروں میں — مگر اب تک نہیں اک پھول کو بھی رازداں پایا
خدا محفوظ رکھے گلستاں کو دست گلچیں سے — کہ احساس زیاں باقی نہیں اب باغبانوں میں
فنا ہو کر مہیا کر زیر و بم میں نغمۂ ہستی — ہم آہنگی کی عادت گر نہیں ہے ہم نواؤں میں
رہین منت بیگانہ ہو جا عصمت یہ ہے — نظر جب تنگ ہے محبت کی بیگانوں میں
تمدن کی بلندی نے کیا ہے مائل پستی — وہ اگلی سی کہاں ہمت ہے اب نوجوانوں میں
اٹھا سکتا نہیں جو بار احسان یک تنکا — وہ میرا آشیانہ ہے چمن کے آشیانوں میں

تباہ ہے وادیٔ منزل کہاں تک کو سلا آئی — ہمارا کارواں شاید نہیں ہو گا [illegible]
جہاں خاک نیاز اپنی جبین ناز ہو جائے — کوئی ایسا بھی یا رب آستاں ہو گا آستانوں میں
یہ ہنگام سحر کیسی سماعت دل کا ہو جانا — موذن نام انکا بھی نہ لیتے ہوں اذانوں میں
ہمارے نقد دل میں نظر آتی ہیں وہ عالم — زمینیں کہکشاں نہیں جن کی ہیں آسمانوں میں

یہ فیض حضرت سیماب ہے ناقد کہ دنیا میں
زباں اپنی بھی اب ہونے لگی ہے نکتہ دانوں میں

یہ جبین کے داغ سجدہ خون جھلک کر رہ گئے — آستاں کے در پہ ہم بھی حسرت سنگ آستاں کیوں رہ گئے
ہم شہادت کو جنوں میں رائیگاں سمجھے ہوئے — جذبۂ ذوق حیات جاوداں کیوں رہ گئے
برق بن کر کاوش کرتے تو من دل پر مگر — آہ ان نظروں میں جنبش گلستاں کیوں رہ گئے
اہل پرواز ہیں سب زندگی کی دوڑ میں — یا الٰہی ہم ہی پیچھے کارواں کیوں رہ گئے
ہم قفس میں [illegible] رہ گئے تھا
کیا خبر تھی ہم نشیمن کے تھے تنکے [illegible]

زندگی [illegible] تجھ سے بچ
آج وہ ناقد ہمارے رازداں کیوں رہ گئے

دل ہے کھلا کنول ہے تو سینہ ہے داغ داغ — اپنی ہے وہ بہار کہ جس کو خزاں نہیں
لکھا گیا ہے خضر ہمارا دوام بھی — اک عمر ہے جی لی یہاں جاوداں نہیں
تیرے کرم نے ایک تو کا نشان دیا — [illegible] کہیں [illegible] نہیں
سنتا ہوں کوئی اور ہے کامت [illegible] — وہ تیر ہے [illegible] نہیں
[illegible]

ناقد بھی آگیا ہے اسی [illegible]
جوہر شناس اہل سخن [illegible]

جنوں زدہ آزاد ہیں [illegible] — [illegible]
صحیفۂ حسن فطرت کا [illegible] — [illegible]
نہیں معلوم کچھ کر کے ان جلوہ کا [illegible] — مری [illegible]

www.taemeernews.com

مری نگاہ کو جلووں میں جذب ہونے دے | جمالِ دوست مجھے دیکھنے کی تاب نہیں
کمالِ آگہی ہے خود دلیلِ محرومی | جو بے خبر ہیں یہاں ان کو کچھ حجاب نہیں
ہوا و ہوس سے منزہ ہماری بزمِ خیال | یہاں تمہارے سوا کوئی باریاب نہیں
شکستِ شیشۂ دل کی صدائیں سنتے رہو | رہینِ منتِ چنگ و دف و رباب نہیں
خدا تو لاکھ ملیں گے یہاں ہر اک شے کے | وفا کا بندہ خدائی میں دستیاب نہیں
نگاہِ حسن کو دیتا ہوں دعوتِ تجدید | ہنوز مجھ میں نیا کوئی انقلاب نہیں

ازل سے سرخوشِ صہبائے حسن ہوں ناقد
مذاقِ عشق مرا تشنۂ شراب نہیں

ذرا سنا ہے دل اس کو کہہ کے سمجھا لے | اس کو تو عرش ہی کا ہمنوا نہ چاہئے
ساقی ہے تیرے دستِ کرم پر مری نگاہ | ٹوٹا ہوا سہی مجھے پیمانہ چاہئے

نمونۂ نظم

"ان پورنا"

او ئے ان پورنا کب سے کھڑا ہے تو یہاں | کب سے شفق نے بنائے تیرے سر پر یہ مکاں
سنتری ہے ٹونک کا تو یا ہے اس کا پاسباں | تو زبانِ حال سے کچھ کہہ تو اپنی داستاں

اک مورخ کے لئے تو دفترِ پارینہ ہے
درسِ عبرت سے مگر معمور تیرا سینہ ہے

سچ بتا تو یہ مجھے ان پورنا کیا راز ہے؟ | جو کسی کے منہ سے نکلے وہ تری آواز ہے
گونجنے والا کہ یہ فطرت کا کیا تو ساز ہے | یا تری خاموش گوئی ہی ترا اعجاز ہے

کیا کوئی الہام ہے تیری صدائے بازگشت؟
پھونکتی ہے سازِ دل میں جو نوائے بازگشت

تجھ پہ سرد و گرم کا کوئی اثر ہوتا نہیں | تیری خشکی میں تری کا بھی گذر ہوتا نہیں
کوئی گنبد تیرے آگے تو بہ ہوتا نہیں | تیری بیباکی سے پیدا کوئی ڈر ہوتا نہیں

یہ تو بتا کس کے آگے سر جھکاتا ہوں گا
سرفرازی دل سے تو بنتا ہے بے خوف و خطر

دلکشا و منظر آرا مرغزارِ زندگی | کیف زا تیری فضا مانندِ ساغر زندگی
تیرے سینے میں نہاں ہے کیا شرارِ زندگی | ہو عیاں کیا ہی ساون میں بہارِ زندگی

تیرا دامن ہے تماشا گاہِ عالم یکساں
دعوتِ شیراز کی تکرار ہوتی ہے جہاں

سرکشوں کے آگے تجھکو سرکشی منظور ہے | عاجزوں کو سر جھکانے میں مگر مسرور ہے
علم و استقلال و پامردی میں تو مشہور ہے | پائمالِ خلق ہونے کے لئے مجبور ہے

تیرے دامن میں مویشی ہی نہیں پاتے غذا
پارہ ہائے دل ہیں تیرے رازقِ خلقِ خدا

لے کے تو اک پہلوان ہے فطرتِ آزاد کا | عجز ہی کو جو سمجھتا ہے صلہ بیداد کا
یاد آیا مجھ کو مصرع حضرتِ استاد کا | "بزمِ فطرت میں مجھے انجام ہے صیاد کا"

اپنی ہستی سے تو واقف اللہ اکبر یہ کمی
"معنیِ انسانیت بھولا ہوا ہے آدمی"

نوٹ:— ان پورنا شہر ٹونک کے مشرق میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس پر ان پورنا دیوی کا مندر اور کچھ مکانات بنے ہوئے ہیں۔ اس کے دامن میں وسیع مرغزار ہے۔ جس میں مویشی چرا کرتے ہیں۔ اور ساون کے مہینے میں ہر جمعرات کو ہندوؤں کا میلہ ہوتا ہے۔ اور اکثر گوٹھیں ہوا کرتی ہیں۔

ناقد

www.taemeernews.com

نذیر ۹۰ نذیر احمد صاحب شیر کوٹی

آپ کا نام نذیر احمد اور نذیر تخلص ہے۔ شیر کوٹ آپ کا وطن ہے۔ والد صاحب قبلہ کا نام جلال الدین صاحب ہے۔ آپ ۵ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ بروز جمعہ قصبہ نہٹور ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ اور وہاں سے اپنے والدین کے ساتھ شیر کوٹ آگئے۔ سات برس ہی کی عمر میں موت نے والد ماجد کی سرپرستی سے محروم کر دیا۔ قصبہ نہٹور میں آپ نے مولوی ظہور الحسن صاحب کے زیر سایہ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی۔ اس کے بعد اسکول میں داخل ہو گئے۔ ذوق علم اس قدر تھا کہ باوجود ہزار مشکلوں اور مجبوریوں کے آپ برابر حصول علم میں کوشاں رہے۔

جب آپ جوان ہوئے تو آپ کو ذمہ دارانہ زندگی کی دنیا میں قدم رکھنا پڑا، پہلے پہل مختلف شعبوں میں ملازمت کی۔ اس کے بعد آپ کراچی چلے گئے۔ جہاں آپ نے تجارت شروع کر دی۔ اور چار سال تک کراچی میں مقیم رہے۔ شعر و ادب سے ذوق فطری تھا۔ اس لئے تمام مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ اس کی بھی تکمیل ہوتی رہی۔ کراچی کی "بزم سخن" میں آپ کی برابر شرکت ہوتی تھی۔ اور آپ کے تاثرات خلوص دل سے سنے جاتے تھے۔ فنی نقائص اور تکمیل ذوق کے لئے آپ کو ایک رہبر کی تلاش ہوئی جستجو کے بعد ۱۹۳۲ء میں آپ حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ آج کل آپ جالندھر میں قیام پذیر ہیں۔

آپ طبیعت کے نہایت خلیق ہیں۔ اور ملنسار آدمی ہیں۔ آپ کے دوستوں کا حلقہ بھی نہایت وسیع ہے جس سے ملتے ہیں۔ محبت کے ساتھ ملتے ہیں۔ اور ہر شخص آپ سے مل کر خوش ہوتا ہے۔ نہایت وضع دار اور خوبیوں کے انسان ہیں۔

آپ کے کلام میں ایک خاص قسم کی پختگی پائی جاتی ہے۔ شعر سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ کلام میں بڑی حد تک پختگی اور تغزل میں کیف پایا جاتا ہے۔ آپ کے کلام سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ کہ آپ ایک ہونہار شاعر ہیں۔ طبیعت میں جولانی بدرجۂ اتم ہے۔ جدت پسند بھی واقع ہوئے ہیں۔ متین اور لطیف شعر کہتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

آئیں وہ بن کر تمنا بردوش کیوں — چاند بن جائے مری آغوش کیوں
بیخودی ہے عین ہشیاری کا نام — راز یہ سمجھے نہیں مے نوش کیوں
کیوں نہ اپنا راز دل اُن سے کہوں — میں رہوں اُس بزم میں خاموش کیوں
اُس کو اندازہ ہے میرے ظرف کا — دے مجھے وہ بادۂ سرجوش کیوں
ختم شاید ہو گیا سب خون دل — کم ہوا ہے آنسوؤں کا جوش کیوں
سب کے دامن تم نے پھولوں سے بھرے — رہ گیا میں ہی تہی آغوش کیوں
جگمگاتا ہو جو بزم دہر میں — ہو نگاہوں سے مری روپوش کیوں
ہیں قدم بہکے ہوئے دل مست ہے — بیخودی کو میری آئے ہوش کیوں
دیکھنے اس کو گئے تھے دیکھتے — طور پر موسیٰ ہوئے بیہوش کیوں
زندگی تو حاصل کونین تھی — ہو گئی ہے پھر وبال دوش کیوں

داستاں اپنی نذیر اُس بزم میں
کہتے کہتے ہو گئے خاموش کیوں

اب تقاضا تیرا ہی ہر کوئی نظر کا — تری الفت نے دنیا بھر سے غافل کر دیا

زمانہ بھی مٹے رہنے پہ تم — وہ عہد ہی کیا جو وفا ہو گیا

ملی ہو زندگی ناکام ہو کر ڈوب جانے میں　　جنازہ ڈوبنے والے کا کیوں ساحل پہ نکلا ہے

تم مرے دل میں چلے آئے ہو نشتر بن کر　　درد کا بھیس لیا ہے تو دوا ہو جانا

گریباں چاک، دل برباد، خاک آلود بیٹھا ہوں　　تمہیں اب آ کے حالِ پریشاں کا نقش آیا

یہ وقتِ صبح، یہ رنگِ دل کش، یہ بارشِ دُر، یہ حسنِ فطرت
چمن کی زینت بتا رہی ہے کہ ہو رہا ہے شباب پیدا
یہ تیری آنکھوں کا اک فسوں ہے، یہ تیری نظروں کا ہی کرشمہ
جدھر بھی اٹھ جائے مست ہو کر وہیں ہو موجِ شراب پیدا

تجلیوں پہ نور کے انوار چھا گئے　　یہ آج کون روح میں جلوہ نما ہوا
کام آئی عمر بھر کی جبیں سائی شکر ہے　　میں اس قدر مٹا کہ ترا نقشِ پا ہوا

ہنسنا مشکل، رونا مشکل، جینا مشکل، مرنا مشکل
انجام محبت کا میری لے جاؤ گر دل کیا ہوگا
سنتا ہوں شہیدانِ الفت محشر میں بلائے جائیں گے
اس فکر میں ہوں خاموش کہ مجھ سے شکوۂ قاتل کیا ہوگا

خلش کی خوگر ہے میری فطرت، ہیں وصل اور ہجر سب برابر
وہ میرے پاس آئیں گے تب غم کہ جب مجھے انتظار ہوگا
نذیر اور بزمِ نازِ قاتل، کبھی نہیں ماننے کے قابل
یہ لائقِ التفاتِ محفل، کوئی غریب الدیار ہوگا

دل کو مذاقِ عشق نے بیکار کر دیا　　بندہ بنا کے خاکِ درِ یار کر دیا

خون کے چھینٹوں کا اندازِ شگفتن دیکھیو　　ذبح کرتے کرتے قاتل گل بداماں ہو گیا

تم بھی تو بہاروں کی تصویرِ مجسم ہو　　خلوت کو مری اک دن گلخانہ بنا دینا

شورشِ بادِ حوادث کی خبر دیتا ہے　　داغِ پنہاں کا چراغِ تہِ داماں ہونا
غمِ دنیا سے رہائی تو میسر ہے نذیر　　خوش نصیبی ہے گرفتارِ غمِ جاناں ہونا

کچھ اور بڑھا شدتِ بیداد سے آ کے　　وہ درد جو سینے میں ابھی کم نہ ہوا تھا
تم نے کئے پیدا دلِ خاموش میں نغمے　　یہ ساز کسی سے مترنم نہ ہوا تھا
ہر پھول میں لبریز ہیں یارب سحر آنسو　　ایسا کبھی عالم سحرِ غم نہ ہوا تھا

مرے سینے میں کھٹک کر پڑی خلش خدا کیا ہے　　جو خدنگ تھا یہ نالہ تو فلک کے پار ہوتا
مرے عشق میں جھلکتی جو تجلیٔ حقیقت　　تو نذیر عشق شاید مجھے سازگار ہوتا

یہ ابر اور یہ جوشِ بہار، فصلِ شباب　　یہ موجِ بادہ، لبِ جوئبار کیا کہنا
وطن سے چھوٹ کے غربت میں حال کیا کہیے　　ترا نذیر غریب الدیار کیا کہنا

دیر و حرم اٹھا تو سب نام اٹھ گئے حجاب　　کوئی نگاہِ عشق میں حائل نہیں رہا
عفوِ گناہ کی مجھے دیتے ہیں وہ نوید　　جب میں کسی گناہ کے قابل نہیں رہا

اس جرم پر سزا مجھے دی اس نے ہوش کی　　میری یہی خطا تھی کہ میں بے قصور تھا

عشق کی رسوائیوں نے کر دیا بدنام نام　　پوچھتے ہیں اہلِ محفل اب ہمارا نام کیا
بے تعین دی جو کچھ دینا ہو ساقی مجھ کو　　لیکن دیرینہ بھول، بادہ بقدرِ جام کیا

تاریک ہو گئی مری دنیائے آرزو
تیری نظر کے ساتھ ہی کیا پھر گیا نصیب

ہم دونوں زندگی کا اک گیت گا رہے ہیں
میرا نفس ہے نالہ تیری نظر ترانہ

ہے اپنی زندگی کی روداد صرف اتنی
کچھ دن رہے قفس میں کچھ دن رہے چمن میں

ہے تامل انکو میری خون کے اقرار میں
سرخیاں شرمائی جاتی ہیں لبِ انکار میں

پہونچی ہیں آسماں تک فریاد کی صدائیں
گردِ غم و الم میں تارے نہ ڈوب جائیں

شاعری پہ مجھے کیوں ناز نہ ہو اے نذیر
میرے استاد کا ثانی کوئی استاد نہیں

مشربِ عشق میں کہاں عیشِ سکونِ زندگی
جس سے نہ صبر ہو سکے دل پہ وہ چوٹ کھائے کیوں

تدبیر رفعِ رشک کی یہ بھی ہے اک نذیر
دشمن کو دیکھتا ہوں میں انکی نگاہ سے

وہ قتل تھا جو ہم نے جان دی مجبور ہو کر
یہ محشر ہے کہ اب لیتے ہیں بدلا اپنے قاتل سے

میرے افسانوں سے دنیا بھر کے افسانے بنے
کتنا عالمگیر میرے عشق کا افسانہ ہے

آیا ہوں مانگنے میں تری بارگاہ سے
جلوہ کی بھیک آج اٹھا کر نقاب دے

اے حسن اٹھا دے رخ سے حجاباتِ مجازی
آ اور بھری بزم کو دیوانہ بنا دے

وہ نکہت جو نہیں ملتی کسی کو
چرا لایا ہوں زلفِ عنبریں سے

بخت جاگے اور عرفانِ حقیقت ہو مجھے
دل اگر تیری تجلیات کا مظہر بنے

شمع بھی آ گئی ہوا حسن کا نور بڑھ گیا
چاند سے مانگ لی ضیا محفلِ ناز کیلئے

نمونۂ نظم

محویت

ہو گئی ہے آشنا کیا عشق کی آواز سے
کس کا نغمہ سن رہا ہے تو دل کے ساز سے
چلتے چلتے رک گئی ہے ایک خاص انداز سے
اٹھ گیا پردہ کوئی شاید حریمِ راز سے
محو ہو کر دیکھتی کیا ہے نگاہِ ناز سے

یاد شاید بھولنے والے کی پھر آئی تجھے
ہو رہا ہے غالباً احساسِ تنہائی تجھے
کونسی ایسی کشش تھی جو یہاں لائی تجھے
دے رہی ہے طعن کیا کیا جلوہ آرائی تجھے
آہ لیکن کچھ نہیں ہے خوفِ رسوائی تجھے

غالباً عہدِ محبت یاد تجھ کو آ گیا
بخشیں منظر کوئی شاید تجھے تڑپا گیا
عشق کے ہاتھوں کنول دل کا ترا مرجھا گیا
سہتے سہتے غم مسلسل جی ترا گھبرا گیا
آج خوش بختی سے محویت کا عالم چھا گیا

ہو کے خود سے بے خبر کیوں ہو گئی ہے مضمحل
سوچتی ہے غالباً دردِ محبت کا مآل
دستِ نازک ہے کمر پر زلفِ رنگیں ہے بچال
ضبط کی خوگر ہے چہرے پہ نہیں گردِ ملال
بیکلی ہے پھر بھی خاموشی تری خوابیدہ سی

مضطرب ہے روح دادِ ضبط پانے کے لئے
دل میں جذبے عشق کے بیتاب لب پر آنے کے لئے
ڈھونڈتی ہے کوئی پہلو مسکرانے کے لئے
چاہتی ہے جاگنا جادو جگانے کے لئے
عشق کیوں آتا نہیں تجھ کو منانے کے لئے

ترجماں ہے تیری مایوسی کی محویت تری
کہہ رہی ہے سراپا درد ہے صورت تری
یہ چلا اندازہ مجھ کو دیکھ کر حالت تری
غم سے لڑنا ہے تجھے ناکام ہے الفت تری
کاش ایسا ہو کہ اب مٹ جائے یہ کلفت تری

۹۱ نثار — ماسٹر نثار حسین صاحب نثار اٹاوی

نثار حسین نام نثار تخلص فرماتے ہیں۔ مورخہ یکم مارچ ۱۹۱۳ء کو بمقام شہر اٹاوہ پیدا ہوئے۔ پیشہ آبائی تجارت اور کاشتکاری تھا جب آپکی عمر ۶ سال کی تھی تو تحصیل علم کے لئے اسکول میں داخل کر دئے گئے آپکی زبان اول ہندی تھی۔ ۱۹۲۹ء میں ہندی مڈل کا امتحان درجہ اول کے طلبا کے ساتھ پاس کیا اور بعدہٗ گورنمنٹ انٹر کالج اٹاوہ میں انگریزی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا مگر ایک سال کے بعد خانگی مجبوریوں سے کالج چھوڑنا پڑا اور آپ نے مدرسہ انجمن ہدایت الاسلام میں بعدہٗ معلمی ملازمت اختیار کر لی لیکن ذوقِ علم نے سلسلۂ تعلیم منقطع نہ ہونے دیا۔ لہذا آپ نے ۱۹۳۲ء میں اردو مڈل کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ۱۹۳۳ء میں اردو اعلیٰ قابلیت اور انگریزی مڈل کے امتحانات پاس کئے۔ ۱۹۳۴ء میں الہ آباد بورڈ سے ہائی اسکول انگریزی امتحان کا سرٹیفکٹ حاصل کیا۔ اور ۱۹۳۵ء میں ہندی بشیشش یوگیتا کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے فارسی اور سنسکرت کی بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ اور ان علوم میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں۔

ذوقِ شاعری آپ کی فطری میراث ہے۔ زمانۂ طالب علمی میں حضرت شیدا اٹاوی مرحوم آپ کے اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے انھیں کے فیض نے نثار صاحب کے اس فطری جذبہ کو ابھارا۔ کچھ عرصہ تک آپ اپنا کلام شیدا صاحب کو دکھاتے رہے۔ لیکن آپ جدید شاعری کے دلدادہ تھے۔ اور شیدا صاحب مرحوم پرانی روش کے پیرو۔ لہذا نثار صاحب کو ایک ایسے استاد کی ضرورت محسوس ہوئی جو عنصر حاضر کی روشِ کلام پر کامل عبور رکھتا ہو۔ آپکی نظرِ انتخاب حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ العالی پر پڑی اور اکتوبر ۱۹۳۲ء میں آپ مولانا موصوف کے رشتۂ تلامذہ میں منسلک ہو گئے۔ ابھی تک آپ صرف غزل کہتے تھے لیکن مولانا کے حکم سے آپ نے نثر و نظم کو بھی اپنی قلم کی جولانگاہ بنایا۔ اب آپ نثر بھی لکھتے ہیں۔ نظم بھی کہتے ہیں۔ غزل، مخمس، رباعی میں بھی کافی مہارت ہے۔ اور شعر بہت جلد کہہ لیتے ہیں۔

آپ کی ادبی خدمات سے خوش ہو کر اراکین بزم ادب اٹاوہ نے آپ کو اپنا سکریٹری منتخب کیا۔ لیکن یہ بزم زیادہ عرصہ تک چل نہ سکی۔ لہذا آپ نے ۴ ؍ فروری ۱۹۳۵ء کو سیماب لٹریری سوسائٹی اٹاوہ کا افتتاح کیا۔ اس سوسائٹی کے ذریعہ آپنے شہر میں ادبی بیداری پیدا کر دی۔ نثر و نظم کی ترویج اس سوسائٹی کا مقصد ہے۔ آپ کی ادبی خدمات کا اعتراف شہر کے اخبار ہلال نے بھی کیا ہے۔

آپ اس چھوٹی سی عمر میں بھی کثیر التلامذہ استاد ہیں۔ شہر کے مبتدی شعرا آپ سے مشورہ کرتے ہیں۔ آپ کی طبیعت میں سوز و گداز بہت زیادہ ہے۔ اس لئے آپ کے کلام سے بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کی عمر کا زیادہ تر حصہ آلام و مصائب میں بسر ہوا ہے۔ لہذا آپکے اشعار آپکے دلی جذبات کی تصویر ہیں آپکا کلام شہر میں بہت مقبول ہے۔ آپ کی غزلیں اور مخمس شہر کے گلی کوچوں میں گائی جاتی ہیں اور محفل رقص و سرود کی گرمی بڑھاتی ہیں۔

آپکی تصانیف میں سیر پرستان ایک مقامی طویل نظم ہے۔ جو شائع ہو چکی ہے۔ ایک ناول زیر تصنیف ہے۔

نمونۂ کلام

صحرائی لبادا بزم جاناں تک اٹھا لایا — مزا ہے شمع محفل پیش پروانہ فنا ہو
وہ جلوے حسن کو ناحق زلیخا [illegible] — انہیں جلووں کا میں دیوانہ تھا شیدا ہوں

اب یہ کلکوں کو بھلا آ جوں کسی کی یاد میں — میں بھی کیا ناشاد ہوں سدا ایجاد ناشاد ہو

زمیں پہ پھوٹ پڑا بن کے رنگ لالہ و گل — چمن سے ضبط دو فور شباب ہو نہ سکا

مری نظر نے کیا جذب رنگ لالہ و گل — مری بلا سے اگر موسم بہار نہ ہو
چھڑے ہیں جمع عروس سخن کے دیوانے — اسی ہجوم میں دیکھو کہیں نثار نہ ہو

بے حجابی نے کیا دیدۂ حیرت مجھ کو — آئینہ بن کے دکھا دی مری صورت مجھ کو

تو وہاں کچھ بھی نہیں ہے کہ جہاں ہے ظاہر — تو وہاں حاصل کل ہے کہ جہاں آ نہیں آتے

کلی کلی میں تجھے رنگ بار دیکھا ہے — چمن چمن میں بہ شکل بہار دیکھا ہے

اے درد رہنمائی دل تیرے ہاتھ ہے — میں اس جگہ کھڑا ہوں جہاں نقش پا نہیں
[illegible] بنا کر ہم پہ کیا ہے نصیب نے — مجھ سے خفا ہیں وہ مری دل سے خفا نہیں

کچھ حسن کے فسانے ترتیب دے رہا ہوں — دفتر الٹ رہا ہوں ہر پھول ہر کلی کے
شام غریب نکلے صبح ازل کے جلوے — دنیا سنورنے والی دھوکے میں زندگی کے

ابھی وہ محو تماشائے اضطراب نہیں — ابھی نثار ترا درد کامیاب نہیں
زمیں قبر سے اے حشر کیوں اٹھاتا ہے — کہ اس زمین سے آتی ہے بوئے یار مجھے

ہر سحر کو جستجوئے شام ہے — زندگی دامن کش ایام ہے

کچھ کہہ تو نثار آخر کیوں سر بگریباں ہے — کیا تو ہی پریشاں ہے دنیا ہی پریشاں ہے
سجدہ گہ فطرت کی محراب نمایاں ہے — کافر تری انگڑائی غارت گر ایماں ہے
کیوں عالم وحشت میں صحرا کی طرف جاؤں — اللہ کی رحمت سے گھر ہی میں بیاباں ہے

مجھ کو پینے سے عشق کوئی عذر نہیں — صرف پینے سے مجھے انجام بتا دے ساقی
تیرے میخانے میں ایسا بھی کوئی شیشہ ہے — جو مجھے صاحب اسرار بنا دے ساقی

ڈبو ہی دو ناخدا کشتی کہ ڈوب کر تہ کا راز پاؤں
کسی کا دست کرم بڑھا ہے طلوع ہونے والا ساحل ہے
نثار ہم کو وہ یوں ہماری وفاؤں پہ دے رہے ہیں طعنے
انہیں کے منہ میں زباں ہے گویا ہمارے منہ میں زباں نہیں ہے

نمونۂ نظم

جگنو

مرے پیارے چھوٹے چمکدار کیڑے — تری روشنی شمع راہ ہدایت
تری برق ریزی سے جنگل فروزاں — تری نور بازی تماشائے قدرت
اندھیرے میں ضو باریاں بال و پر سے — اجالے میں جھاڑی تجھے بزم عشرت
تجھے دریا بازیچہ گاہ تبسم — تجھے جھاڑیاں جلوہ گاہ شرارت
کسانوں کے بچوں کا ارزاں کھلونا — سمجھدار لڑکوں کو وجہ مسرت
ترے دم سے روشن ہے بچوں کی ٹوپی — تجھے دیکھ کر منقلب رنگ ظلمت
منور ہے جلووں سے صحرا کی محفل
اندھیرے میں لوگوں کو تو خضر منزل

www.taemeernews.com

نازش — سید عنایت علی رضوی — ۹۲

آپ ۵ رجنوری ۱۹۰۱ء کو بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ آپ کا آبائی وطن مشہد مقدس ہے۔ نازش صاحب کے دادا سید حسن علی صاحب اب سے ساٹھ برس قبل بغرض سیاحت وارد پنجاب ہوئے چونکہ یہیں کی خاک دامن گیر تھی۔ لہذا دوران سفر میں بمقام سیالکوٹ سفر آخرت اختیار کرکے وہیں پیوند خاک۔ نازش صاحب کے والد سید امیر علی صاحب جو اس وقت جوان تھے۔ اور واپس وطن نہ جانا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد لاہور کے معزز سادات گھرانے میں شادی کرلی۔ اس طرح لاہور ہی ان کا وطن قرار پایا۔ حسب دستور قدیم نازش صاحب نے ابتدائی معمولی تعلیم اپنے گھر ہی میں حاصل کی اور اس کے بعد اپنے ذہن رسا کی بدولت اٹھارہ سال کی عمر میں عربی، فارسی، اردو اور بقدر ضرورت انگریزی علوم پر حاوی ہوگئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے چند علم دوست احباب کے اصرار پر اردو فارسی کے اعلیٰ امتحانات بھی پاس کئے۔ ۱۹۲۱ء میں نازش صاحب نے حکومت ہند کے معاوضت پر عراقِ عرب کا سفر اختیار کیا۔ اور کامل تین برس تک وہاں رہنے کے بعد اپنے مقاصد میں بحسن وخوبی کامران واپس آئے۔

نازش صاحب کو ابتدائے عمر ہی سے شعر وشاعری اور مضمون نگاری کا شوق تھا۔ جس کی تکمیل کے لئے آپ نے روزنامۂ سیاست، رسالۂ نیرنگ خیال، دلکش، بہارستان اور ادبی دنیا جیسے تعمد رسالہ سیاسی وادبی اداروں میں کام کیا۔ اور بالآخر اپنی طبع خداداد کی بدولت نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان کے ادبا وشعرا کی صفِ اوّل میں شمار کئے جانے لگے۔ ۱۹۲۳ء میں آپ گورنر بہادر پنجاب کے دربار میں شریک ہونے کے لئے مقامی عمالِ حکومت کی طرف سے گورنر کا لایا دعو کئے گئے۔ جہاں آپ کے مرصع قصائد کی سر دربار بیحد تعریف کی گئی۔ اسی سال کے آخر میں آپ گراموفون کمپنی کے ریکارڈنگ اسسٹانٹ میں شامل ہوئے۔ جہاں آپ آج تک برابر اپنے فرائضِ منصبی نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ بلحاظِ سیرت آپ نہایت ظریف الطبع خنداں مزاج، شگفتہ طینت اور منہ پھٹ واقع ہوئی ہیں اور اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے دن بھر اپنے احباب واہلِ دفتر کو خوش رکھتے ہیں۔ آپ کو شاعری کے تمام اصناف پر قدرت حاصل ہے۔ اردو، فارسی، ہندی اور پنجابی میں بلاتکان شعر کہتے ہیں۔ بالخصوص آپ کے ہندی بھجن اور پنجابی گیت خاص طور پر قابلِ تعریف ہوتے ہیں۔ آپ صرف شاعر ہی نہیں بلکہ اچھے خاصے موسیقار بھی ہیں۔ آپ کے پڑھنے کا انداز نہایت دلکش اور موسیقیت میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ شاعری اور موسیقی کے علاوہ آپ کھانا پکانے اور کھانے لینی پرخوری میں فی زمانہ اپنا جواب نہیں رکھتے اور اس کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ کوئی بھلا آدمی آپ کو کسی تقریب پر بھی دعوتِ طعام نہیں دیتا۔ لیکن اس پر بھی آپ کی صحت ماشاءاللہ قابلِ رشک ہے۔ باوجود ان تمام اوصاف کے آپ پابندِ صوم وصلوات اور مسلمانوں

اثنا عشری فرقہ کے ممتاز رکن ہیں۔ خدا نے آپ کی طبیعت میں رواداری اور حسنِ سلوک کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ اپنے احباب کے جذبات کا احترام آپ کا خاصۂ فطرت ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۲ برس کے قریب ہے۔ شکل و شباہت اور لباس کے اعتبار سے نیز دہلی میں رہنے سہنے کی بدولت پورے دہلوی معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت بیخودؔ دہلوی مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی حضرت صفیؔ لکھنوی اور علامہ تاجورؔ نجیب آبادی سے وقتاً فوقتاً اصلاح لی ہے۔ آجکل حضرت سیمابؔ مدظلہ العالی کو اپنا کلام دکھاتے ہیں۔ ان کا کلام اکثر سالکؔ صاحب کو دکھایا ہے۔ اردو زبان کے عاشق اور ہر اہلِ زبان کو اپنا استاد اور پیشوا سمجھتے ہیں۔ ملنے والوں سے نہایت پُر خلوص طریقے سے ملتے اور شاعروں میں مرنجان مرنج مشہور ہیں۔

نمونۂ کلام

گیا ہوں لے کے یہ خاک آرزو تیری
ہے میری خاک کے ذروں کو جستجو تیری
چمن میں آ کے کبھی اپنا ذکرِ خیر تو سن
کلی کلی کی زباں پر ہے گفتگو تیری
دکھلا رہی ہے چمن میں ہر اک کا نقشِ شبنم
کہ پتہ پتہ کرے یاد با وضو تیری
چمن میں غنچہ و گل پر ہے فیضِ عام ترا
کسی میں رنگ ہے ترا کسی میں بو تیری

نہ ہوا ہائے علاجِ غمِ پنہاں نہ ہوا
میری جینے کا کوئی آپ سے ساماں نہ ہوا
ہم رہے جیتہ الفت میں کنول کی صورت
دامن اپنا کبھی آلودۂ عصیاں نہ ہوا

چشمِ حق میں کبھی نظروں میں گنہگار رہی
جو کبھی اپنے گناہوں پہ پشیماں نہ ہوا
شیخ کے تقویٰ کا محفل میں بھرم کھل جاتا
ہائے اس وقت سرادشمنِ ایماں نہ ہوا

آئے اور وہ گئے وہ غیر کی تصویر مجھے
اب بتائے کوئی اس خواب کی تعبیر مجھے
وہ جو رہتا ہے ہمیشہ رگِ گردن کے قریب
اس سے ملنے کی بتادے کوئی تدبیر مجھے
حشر میں لے ہی گئی دادرِ محشر کے حضور
کھینچ کر رہی آہ مری تقصیر مجھے

گئے تلاش و تجسس میں بارہا نہ ملا
جنابِ شیخ کو کعبے میں بھی خدا نہ ملا

حضرتِ رضواں سے ہو تا مرتبہ میرا بلند
کاش لے جاتی کسی کے در کی دربانی مجھے
اعترافِ معصیت ہی باعثِ بخشش ہوا
لے گئی آخر کو جنت میں پشیمانی مجھے
اور آفت ڈال دی یارو دلِ شیدا کی
پہلے ہی بارِ گراں تھی تن کی عریانی مجھے

شکایت کیا کریں دردِ نہاں کی
عنایت ہے کسی نامہرباں کی
یہ کیسا خواب دیکھا ہے قفس میں
الٰہی خیر میرے آشیاں کی

وہ کہتے ہیں کہ ہے شکل ماہ تم بھی خوش
جگر کے داغ جب انکو دکھائے جاتے ہیں
میں ان کی راہ کو پلکوں سے صاف کرتا ہوں
وہ میری راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں

جسے کہتی ہے اک دنیا قیامت
شرارت ہے تری نیچی نظر کی

شکل کوئی پہاڑ نہیں جو نہ مل سکے
لیکن ذرا سی ہمت مردانہ چاہیے

تازہ سائنٹفکٹ

منجانب مسیح الملک حکیم محمد اجمل خاں صاحب مرحوم کے سابق طبیب منشی تلمیذ رشید

عالیجناب حکیم نذر احمد خاں صاحب انچارج بڑا دواخانہ دہلی

جو بہ سرپرستی حکیم غلام کبریا خاں صاحب مرحوم عرف چھوٹے میاں صاحب قائم ہے

خضاب کوہ نور عہ۵۷

ساختہ جرمنی کو میں نے خود بھی استعمال کیا اور بعض ضرورت مندوں کو بھی استعمال کرایا میرے خیال میں اس وقت جس قدر جرمنی یا جاپانی خضاب ملک میں چل رہے ہیں اُن کے مقابلہ میں یہ خضاب سب سے بہتر ہے اس سے نہ کسی قسم کی جلن اور سوزش ہوتی ہے اور نہ نزلہ پیدا کرتا ہے۔ خوبی یہ ہے کہ اس سے بالوں کا رنگ قدرتی جیسا ہو جاتا ہے۔

قیمت بارہ شیشی ہر ایک بکس میں بند ہوگی تین روپے (سے) محصول بذمہ خریدار رکھا گیا کم از کم نصف درجن شیشی منگوانی ہوگی

سول ایجنٹ :۔ حاجی محمد ابراہیم محمد اسمٰعیل الٹو والے صدر بازار دہلی

نسیم حبیب احمد صاحب متھراوی ۹۲

آپ کا نام حبیب احمد اور تخلص نسیم ہے آپ یکم جنوری ۱۹۰…ء کو بمقام متھرا محلہ گھاٹی لال پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد مولوی رضی الدین صاحب متھرا کے معزز خاندان اور باوقار لوگوں میں سے ہیں آپ کے خاندان میں عہد شاہی سے خطابت کا عہدہ جلیلہ … آتا ہے چنانچہ سلسلہ بہ سلسلہ نسیم صاحب کے والد ماجد خطابت کے عہدہ پر مامور ہوئے اور آپ نے اپنے فرزند رشید نسیم صاحب کو ہوشیار اور لائق دیکھ کر یہ عہدہ اپنی حیات ہی میں ان کے سپرد کر دیا چنانچہ ۱۹۳۱ء سے نسیم صاحب ہی عیدین میں خطبہ پڑھتے ہیں۔

نسیم صاحب نے ابتدائی تعلیم مولوی عبدالمجید صاحب سے حاصل کی اور ۹ برس کی عمر میں کلام مجید ختم کر کے حفظ کرنا شروع کر دیا ابھی دو پارے ہی حفظ کئے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار نے بمشورہ جناب مولانا مولوی محمد حسین صاحب مفتی و پیش امام جامع مسجد متھرا آپ کو علم فارسی و عربی کی طرف رجوع کیا اور مفتی صاحب مذکور نے نسیم صاحب کو اپنے تلامذہ میں شامل کیا چنانچہ نسیم صاحب نے چار برس کے عرصہ میں زبان فارسی میں آمدنامہ سے لے کر گلستان بوستاں اور سکندر نامہ وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا اور عربی میں صرف و نحو کی تکمیل کی اس کے بعد آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو آگرہ اپنی سسرال میں بغرض تحصیل علم بھیجا آپ کے نانا بزرگوار جناب سید سرفراز علی صاحب نے آپ کو مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ میں جماعت منشی میں داخل کرا دیا اور نسیم صاحب نے ۱۹۲۳ء میں بعمر ۱۶ سال الہ آباد یونیورسٹی سے منشی کا امتحان پاس کیا اور دوسرے سال کامل کے امتحان میں شرکت کی اور اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے۔

امتحان کامل کے کچھ عرصے بعد آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور آپ کو چند وجوہ کی بنا پر آگرہ سے متھرا منتقل ہونا پڑا نسیم صاحب اردو فارسی اور عربی کے ساتھ ساتھ ہندی زبان سے بھی کما حقہ واقفیت رکھتے ہیں چنانچہ ۱۹۳۱ء میں جبکہ متھرا میں سینسز آفس (مردم شماری کا دفتر) کا سنٹر مقرر ہوا اور نسیم صاحب بعہدہ سپروائزری مقرر ہوئے تو آپ کو کل کام ہندی زبان میں کرنا پڑا۔ اور آپ اپنے کل گینگ میں جو تمام اہل ہنود پر مشتمل تھا اول آئے۔ مردم شماری کا کام ختم ہونے پر آپ پھر آگرہ پہنچے اور ۱ مارچ ۱۹۳۱ء میں مدرسہ احمدیہ حنفیہ آگرہ میں بعہدہ سیکنڈ ماسٹر مقرر ہوئے اس سال آپنے اردو اعلیٰ قابلیت کا بھی امتحان پاس کیا ۱۹۳۲ء میں آپ نے بنگالی اور رنتیل پرائیویٹ انسٹیٹیوٹ آگرہ سے انٹرنس کے امتحان میں داخلہ کرایا مگر بوجہ علالت شریک نہ ہو سکے۔ مارچ ۱۹۳۳ء میں نسیم صاحب کی شادی منشی وحید الدین صاحب … متھرا کی بڑی صاحبزادی سے ہوئی اس کے بعد آپ مدرسہ احمدیہ حنفیہ سے مستعفی ہو کر مئی ۱۹۳۳ء سے مدرسہ تعلیم القرآن متھرا میں ہیڈ مدرس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

شاعری کا شوق آپ کو اوائل عمری ہی سے ہے چنانچہ طالب علمی کے زمانہ میں بھی اکثر اشعار کہا کرتے تھے لیکن طبیعت کا کامل رجحان فارغ التحصیل ہونے پر ہوا آپنے اکثر غیر اصلاح شدہ غزلیں مشاعروں میں پڑھیں اور داد بھی خاصی داد حاصل کی لیکن بعض مخلص احباب کے مشورہ سے آپ کو ایک راہبر کامل کی ضرورت ہوئی۔ اور آپ یکم مارچ ۱۹۳۵ء کو حضرت مولانا سیماب صاحب اکبر آبادی مدظلہ العالی کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہو گئے اس وقت سے آپ مسلسل اپنے کلام پر مولانا موصوف سے اصلاح لے رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اصلاح سے پہلے نسیم صاحب کا رنگ تغزل قدیم رنگ تغزل تھا اور آپ پرانی شاعری کے دلدادہ تھے لیکن

حضرت سیماب مدظلہ العالی کی نظرِ عنایت نے آپ کا رنگ تغزل بدل دیا۔ اور آپ نے آگرہ اسکول کی پیروی شروع کر دی۔ اسی سلسلے میں آپ نے اپنے چھوٹے بھائی قیصر صاحب کے مشورہ سے ایک بزم موسومہ بزمِ ادب کی بنیاد بھی ڈالی جس کا مقصد شعرا کے ادبی جلسوں میں خطبہ خوانی، مناظمہ اور مناظرہ کا رواج دینا ہے۔ آپ اس کمیٹی کے سکریٹری ہیں اور یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ شعرا کے ادبی جلسوں میں مذکورۂ بالا باتوں کا اضافہ ہو گیا ہے۔ آپ کی شاعری آگرہ اسکول کے جدید رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ غزل کے ساتھ ساتھ آپ نظم بھی بآسانی کہہ لیتے ہیں۔ آپ کا شمار متھرا کے خوش فکر اور خوش گو شعرا میں کیا جاتا ہے۔ آپ صاحبِ تلامذہ بھی ہیں۔ آپ کے خاص تلامذہ میں۔ ظفر، بیر، مختصر، رونق، شفق اور نفیس متھراوی ہیں۔ شاعر ماہ فروری ۳۲ء کے انعامی مقابلہ میں آپ نے نقرئی میڈل حاصل کیا ہے۔ مدارس اسلامیہ کی دینی تعلیم کے واسطے ایک کتاب موسومہ دین کی باتیں جو چار حصوں میں منقسم ہے آپ کی تصنیف کردہ ہے اور مستقبل قریب میں شائع ہونے والی ہے۔

نمونۂ تغزل

انجمن کہتی ہے کیوں سوختہ فطرت مجھکو — گرمیِ زیست ہے یہ سوزِ محبت مجھکو
بھول یہ ہوگئی مجھ سے انکے روزِ ازل — عشق دیتا ہے تو دے دیتی قدرت مجھکو
چھپنے جائے مری نظروں سے اٹھائے پردے — کبھی معلوم تو ہو اپنی حقیقت مجھکو

میں انسان کا نہیں انسانیت کا بھی ہوں فریدی — یہی اک راز پوشیدہ ہے مجھ بیکس کے شیون میں
تری شورش سے بلے برقِ ستم پیشہ نہیں سکتا — ہمارے آشیاں کا ذکر ہے تاریخِ گلشن میں
پتہ چلتا ہے مجھکو اضطرابِ برقِ سوزاں سے — نہاں ہے جذب کی قوت بھی تیرے خرمن میں

پھر نہ بنا جائے مرے ناوکِ مژگاں کو — آئے ایسی صورت آ جائے تری زلفِ پریشاں کو

تقاضائے محبت کا یہی ہنگامہ سمجھتے ہیں — بگولوں کو بیاباں کی بہاروں کو گلستاں کی
مری ایذا پسندی اب یہاں تک بڑھ گئی ہے — کہ ساحل پر پہنچ کر پھر بلا لیتا ہوں طوفاں کو
شکار جن کا وسعت میں نہیں دنیائے فانی کی — انہیں اگر بسانا چاہئے گورِ غریباں کو

نسیم زار آخر آہ و زاری سے بھی کیا حاصل
تحمل کی ضرورت ہے ہر اک حالت میں انساں کو

اور کیا تھا یہ جو تیرے عشق کا حاصل نہ تھا — کوئی مشکل کام میرے واسطے مشکل نہ تھا
کشتیِ امید میں بھی تھا میں طوفاں در کنار — سامنے ساحل تھا پھر بھی سامنے ساحل نہ تھا
بڑھ گئی دنیا کی رونق کاروانِ حسن سے — یہ خیال ورنہ یوں تو قابلِ منزل نہ تھا

تری دنیا میں کیوں ربطِ استوار نہ — ازل سے عشق و محبت کا راز دار رہا

نسیم گلشنِ معنی میں جب بہار آئی
مرادِ داغ بھی اک ابرِ نو بہار رہا

ملا ہے درد خاک اور منصب اہلِ دل کا — یہ عزت ہے مجھے دیکھ یہ رتبہ ہے مرے دل کا
جسے ذوقِ برہمی ملے اور فطرتِ آذر — پجاری وہ ہے اک جانے کعبۂ دل کا
مری حیرانیوں نے دفعتہً گم کر دیا مجھکو — نشاں مجھکو نظر آنے لگا جب تیری منزل کا
تمہارا نام لے کر گر پڑا تھا بحرِ الفت میں — نہ تھا کچھ بھی پتہ معلوم تھا مجھکو نہ ساحل کا

نسیم زار تجھکو فخر جتنا بھی ہو تھوڑا ہے
کہ تو شاگرد ہے سیماب سے استادِ کامل کا

گر اجازت دیں ہمیں یہ عشق کی خودداریاں — ابتدائے عشق میں ہم انتہا پیدا کریں
منزلِ مقصود کا یوں تو پتہ مل جائے گا — جذبِ ذوقِ جستجو میں فطرتِ صحرا کریں
دورِ جن کر چھا رہا ہے تو بسا طورِ ہر ہر — ڈھونڈنے والے تجھے ہر رنگ میں ڈھونڈا کریں

لے چلیں ہم بھی مجھے آغوشِ طوفاں میں نسیم
اہلِ ساحل دیدۂ حسرت سے سب دیکھا کریں

حریم ناز کے پردے نہیں ہیں یہ حقیقت میں — مری چشمِ تمنا پاسبانِ طلوع ہوتی ہے
بتائے اے تجلی دل کہاں ڈھونڈوں کدھر جاؤں — مجھے ہر شے جہاں کی بدگماں معلوم ہوتی ہے

یہ انداز نظر دیکھو تصویر تصور کا — کہ دنیا کی ہر اک شے میں زباں معلوم ہوتی ہے

ذوقِ سجدہ لے ہی پہنچا آستانِ ناز پر — قطرہ دریا ہو گیا سرمستیٔ تقدیر سے
دوریٔ منزل ہے اب ذوقِ نظر کی ہے کمی — ورنہ وابستہ ہے منزل رشتۂ تدبیر سے
ظلمتِ شامِ محبت یہ سیہ بختی تری — روشنی پاتی نہیں امید کی تنویر سے
جلوہ گاہِ ناز میں ہے حسنِ جلوہ کی کمی — دھڑکنیں دل کو ملی ہیں عشق کی تاثیر سے

ہمارے عشق کا احسان ہے دنیا پر — کہ ذرے ذرے میں دیدار یار دیکھا ہے

نمایاں ہے زندگی ناشادماں ہے زندگی — عالمِ امکاں میں یکسر امتحاں ہے زندگی
ہے غریبوں کا یہ نالہ ہو یتیموں کی یہ آہ — سچ تو یہ ہے منتشر سا اک دھواں ہے زندگی
ہمکنارِ بزمِ فطرت حاصلِ کون و مکاں — جو حقیقی زندگی ہو وہ کہاں ہے زندگی

دامنِ شوق میں تاروں کو درخشاں دیکھا — یہ اثر اشکِ محبت کا نمایاں دیکھا
...شوں سے تو کبھی تجھ کو نہ پایا میں نے — بے ارادہ حرمِ دل میں درخشاں دیکھا
پھر ہے ترتیبِ نشیمن کی تجھے فکر نسیم
کیا قفس میں کوئی پھر خوابِ گلستاں دیکھا

نمونۂ نثر

کاش تم بھی میرے پاس ہوتے

بہار آئی اور ہزاروں رنگینیاں اپنے ساتھ لائی — ...نچے کھلے - پھول مہکے.... درختوں پر شباب آیا — ...وروں نے مسرت کے شادیانے بجائے. بلبل نے شاخِ ...ں پر گیت گائے. سب کچھ ہوا — مگر ایک تمہارے نہ ...نے سے میرا سازِ دل مضرابِ مسرت سے محروم رہا

کاش تم بھی میرے پاس ہوتے:

ساون کی اودی اودی گھٹائیں آئیں اور آسمان پر چھا گئیں۔ بادل آئے اور برس گئے — فضاؤں نے کروٹیں بدلیں — نئے نئے روپ دکھائے اور سبزہ زار - لالہ زار - مرغزار - سمن زار فریبِ نظر بنے ..... مگر میری چشمِ تمنا تمہارے دیدار سے منور نہ ہوئی

کاش تم بھی میرے پاس ہوتے!

چاندنی رات ہے نہر کا کنارہ ہے. خاموش منظر اور پرسکون فضا میں پانی کی لہریں سوئے ہوئے جذبات کو ہچکولے دے رہی ہیں۔ آسمان پر تارے چمک چمک کر اپنی مترنم آواز میں خاموش سا گیت گا رہے ہیں — بیداریٔ روح کا سب سامان موجود ہے۔ مگر میرے معمورۂ دل پر تمہارے فراق کی غمگین اداس تاریکی چھائی ہوئی ہے

کاش تم بھی میرے پاس ہوتے!

چاند نکلا — عید کا چاند نکلا — جذبات ابھرے — آمنگیں پیدا ہوئیں — ہر شخص کی روح نے مسرت کی انگڑائیاں لیں — کل عید ہے — بیشک عید ہے — مگر بغیر تمہارے مجھ ہجراں نصیب کی عید کیسی!

کاش تم بھی میرے پاس ہوتے!

www.taemeernews.com

وفاؔ — شنکر لال صاحب اکبرآبادی (۹۳)

آپ کا نام شنکر لال اور وفاؔ تخلص ہے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۱۱ء کو بمقام شہر آگرہ پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام بھوانی پرشاد ہے۔ آگرہ کے مستند بزرگوں میں سے ہیں۔ اور یہی آپ کا وطن ہے۔

جب وفاؔ صاحب سن شعور کو پہونچے تو آپ کو مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ بازار جب آپ کو ہندی پڑھنا ضروری تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہندی سے زیادہ اردو اور فارسی میں آپ کی طبیعت لگتی تھی۔ مکتب کی تعلیم ختم کرنے کے بعد بہ وجوہ آپ اسکول میں داخل نہ ہو سکے اور گھر ہی پر ان زبانوں کی تکمیل کی۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت آپ جانتے ہیں۔ ورجہ بازار آگرہ میں ملازم ہیں۔

بازار آگرہ ہمیشہ اچھے شاعروں کا مسکن رہا ہے اور ہے۔

چنانچہ مقامی مشاعروں میں شرکت کرتے کرتے ۱۹۳۰ء سے آپ بھی میدان شعر میں اتر آئے۔ ایک سال کی خاموش مشق کے بعد ۱۹۳۱ء میں اپنی غزلیں محمد اسمٰعیل خاں صاحب رنگینؔ میرٹھی کو دکھاتے رہے۔ ۱۹۳۲ء میں رنگینؔ صاحب میرٹھ تشریف لے گئے تو آپ محمد محسن صاحب محسنؔ سیوانی اکبرآبادی کو اپنا کلام دکھانے لگے اور محسنؔ صاحب ہی کے ایما سے ۱۹۳۳ء میں حضرت علامہ مولانا سیماب مدظلہ کے شاگردوں میں شامل ہو گئے۔ آپ قریب قریب تمام مقامی مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ بہت سنجیدہ اور خلیق آدمی ہیں غزل بھی خوب کہتے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ جب آپ تکمیل مشق کو پہنچیں گے تو ایک اچھے شاعر ہو جائیں گے۔

نمونۂ تغزل

قطرۂ خوں حاصل جذبات کامل ہو گیا ... رفتہ رفتہ منجمد ہو کر مرا دل ہو گیا
شعلہ پیکر صورت پروانہ بزدل ہو گیا ... یار جب محفل میں آیا شمع محفل ہو گیا
راز سے واقف وفاؔ ہر فرد محفل ہو گیا ... ایک نالہ مظہر افسانۂ دل ہو گیا
کیا ہوئیں تار نفس کی وہ ترنم خیزیاں ... آج کیوں خاموش ساز محفل دل ہو گیا
دیکھو او مست انکھڑیوں والے ساقی نگہیں اٹھا ... دیکھتے ہی دیکھتے کیا رنگ محفل ہو گیا

وفاؔ اک خون ناحق کھا کر کب لب قاتل پر
اختتام سرخی دیباچۂ دل ہو گیا

اہل ساحل ست تو مل ہوں وفاؔ نا بلندی اگر ... پھر نہ جانے میسر ہو نہ ساحل مجھے
در حقیقت خاکسار و جلوہ گاہ یار ہے ... نام کہنے کے نئے میدان محشر رکھ دیا
جبھی ہوتے ہیں بشر و رموز عشق کا مل ... سبق لیتے ہیں دل والے مرے افسانۂ دل سے
جانا اور تمہارا اسی پر فیصلہ ٹھہرا ... تم آؤ ورنہ بھلا دو میرا اپنی یاد بھی دل سے
گذرتے ہیں وفاؔ ایام غم جیسے گذرتے ہیں ... کٹا کرتی ہے لیکن غمزدوں کی رات مشکل سے
دونوں میں کتنا فاصلہ تھا مگر زندگی میں گیا ... رہ نہیں فلک نشیں جسم رہا مزار میں
حسن کی ترے خیر ہو بخش سکون دل مجھے ... آ آ ہوں بھیک مانگنے دامن تار تار میں
سر سودہ زدہ مجھ پہ رہا بار گراں برسوں ... بہت ڈھونڈا تھا پایا پتھر سنگ آستاں ہو کر
دکھا کر ان کو آئینہ بغل میں رکھ لیا میں نے ... بس اتنی بات پر مجھ سے وہ بد گماں ہو کر
ہے طرفہ تماشا جسے جنت سے نکالا ... پھر پیکر انساں وہی جنت کیلئے ہے
بے کام کیا رضواں مرا اور ایک خوں میں ... خاک لیتے ہی بھر کر مجھے اب جنس گراں میں
کون ایسا راز تھا مضمر نے نواز میں ... اپنا اثر بٹھا دیا محفل سوز و ساز میں
ڈوبتے سے پوچھئے امید بھی کیا چیز ہے ... مارتا ہے ہاتھ تنکے کا سہارا دیکھ کر

www.taemeernews.com

یاور — حسن یاور نقوی چاندپوری (۹۴)

آپ کا نام حسن یاور اور یاورؔ تخلص ہے ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۱ اکتوبر ۱۹۱۵ء بروقت دو بجے صبح شب پنجشنبہ کو اپنی ننہال ملک سادات میں پیدا ہوئے۔

آپ کے اجداد سید نثار علی پسر سید غلام کریم پسر سید محمد شاہ جن کے اجداد سلاطین مغلیہ کے ہمراہ بہ عہدہ ہائے جلیلہ ہندوستان آکر قصبہ کڑا ضلع الٰہ آباد میں آباد ہوئے۔ کیونکہ وہ وہاں کی صوبہ داری پر فائز تھے اور اپنے نام سے ایک محلہ آباد کیا جس کا نام بخاری محلہ ہے۔ سادات نقوی حضرت علی نقیؑ کی نسل سے سید جلال بخاری رحمتہ اللہ کے فرزندوں میں سے تھے۔ خاندانی شکر رنجیوں سے متاثر ہو کر ترک وطن کر کے دہلی چلے آئے اور شیخ محمد شاہ صوبہ دار اودھ کے ہاں جن کا علاقہ بیرون حدود دہلی سے لیکر بجنور میں نجیب آباد تک تھا ملازم ہوئے زیدی سادات میں شادی کی کچھ عرصہ دہلی رہ کر آخر زمانہ میں چاندپور ضلع بجنور چلے آئے جو صوبہ دار موصوف کی ایک تحصیل تھی یہاں مکانات بنوائے اور جائداد قائم کی۔ بہ سلسلۂ خیر خواہ ایک موضع کے معافی دار بھی تھے۔ ان کے ایک لڑکا ہوا جن کا نام سید محمد تقی تھا۔ جب انگریزی حکومت کا دور شروع تھا یہ محکمۂ نمک میں ملازم ہوئے اور ترقی کر کے اسسٹنٹ کمشنر ہو گئے اور پنجاب میں تعینات رہے۔ برسوں میں چھٹی پر گھر آتے تھے کیونکہ سفر میں آج کل کی سی سہولتیں نہ تھیں۔ ان کے فرزند آپ کے پردادا سید علی نقی صرف ایک ہی اولاد نرینہ ہوئے باپ کے پنشن یاب ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہی یتیم ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں جب بھگدڑ پڑی ہے تو قصبہ چاندپور میں آپ کے پردادا کے والد ہی کا مکان تھا جس پر باغیوں کی یورش ہوئی۔ آپ کے مکان کی بالائی چھت سے گھر لوٹنے والوں کو بندوقوں سے نشانہ کے گھاٹ اتارا جا رہا تھا۔ اس وقت آپ کے پردادا صاحب مرحوم سید علی نقی کی عمر تقریباً ۱۰ سال تھی جن کو ملازمین عورتوں کے ہمراہ بستی سے جلاوطن کر دیا تھا۔ خدا جانے کہاں کہاں یہ بے خانماں قافلہ پھرا کیا۔ امن ہونے کے بعد بستی واپس آیا چونکہ گورنمنٹ میں دادا و پردادا صاحب کے خاص مراسم تھے اس وجہ سے بعہدۂ انسپکٹری محکمۂ نمک میں ملازم ہوئے مگر ناموافقت آب و ہوا کے باعث جلد پنشن لے لی اور اپنی جائداد کی آمدنی پر چاندپور میں خانہ نشیں رہے۔ بڑے صاحبزادے (آپ کے دادا) سید علی کریم کو اپنی جگہ ملازم کرا دیا جن کو اپنے سے بہتر لکھا انگریزی تعلیم دلائی تھی ان کو اپنی ملازمت سے دلچسپی نہ ہوئی اس لئے مستعفی ہو گئے اس کے بعد اول محکمۂ انجینیری ریلوے میں ملازم رہے لیکن بعد میں دیسی ریاستوں میں کارندہ کی حیثیت سے رہے اپنے ننہالی رشتہ داروں کی طرفداری میں ایک جائداد و نزاع کا بڑا مقدمہ خرید لیا۔ چودہ سال تک مقدمہ بازی میں اپنی بھی جائداد تلف کر کے آخر بعارضۂ ہیضہ یکایک انتقال فرمایا۔

آپ کے والد محترم کا نام سید علی احمد صاحب نقوی ہے۔ مرغوبؔ تخلص فرماتے ہیں اور مرزا داغؔ دہلوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ غزلوں کا ایک غیر مطبوعہ دیوان موجود ہے۔ آپ مثنوی گو بھی ہیں ادیب بھی ہیں اور آج کل زراعتی کھیت میں اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے اب شعر گوئی بہت ہی کم کر دی ہے لیکن پھر بھی اکثر رباعیاں اور قصیدے وغیرہ کہتے رہتے ہیں۔

آپ کا نام حسن یاور نقوی ایک بشارت کا نتیجہ ہے آپ کے والد صا

قبلہ کو خواب میں دی گئی تھی آپ کے نقوی بخاری خاندان میں ایک خاص نسلی امتیاز اب تک باقی ہے کہ اس خاندان والوں کی ایک خاص علامت ہوتی ہے جس سے یہ لوگ اپنے خاندان کے افراد کو پہچان لیتے ہیں۔

یاور صاحب کی ابتدائی تعلیم بمبئی اور دہرلالی میں ہوئی جہاں آپ کے والد صاحب قبلہ تعینات تھے اس کے بعد ان کا تبادلہ ہوجانے کی وجہ سے آپ بھی جھانسی چلے آئے اور آپ نے یہیں اپنی تعلیم کی تکمیل کی۔ ۱۹۲۳ء میں آپ نے میکڈانل ہائی اسکول سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد فوراً ہی سر عزیز الدین مسلم اسکول میں بعہدۂ ایسسٹنٹ ٹیچری ملازم ہوگئے۔

شاعری کا شوق آپ کو بچپن میں طالب علمی کے ہی زمانے سے تھا چنانچہ اسکول میں اکثر اردو یونین کے مشاعرے وغیرہ کرتے رہے اور آپ ان میں دلچسپی لیتے رہے چونکہ آپ شاعر ابن شاعر تھے اس لئے بغیر کسی کاوش و فکر کے بہت جلد اس میدان میں اپنی طبیعت کے جوہر دکھانے لگے لیکن آپ جو کچھ لکھتے تھے اس سے مطمئن نہ تھے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اپنی رہبری کے لئے رہبر کامل کو تلاش کر رہے تھے۔ آخر آپ کے ایک دوست نے حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ کی طرف رجوع ہونے کا پیام دیا اور یہ مشورہ آپ کو پسند آیا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۲۸ء میں آپ نے مولانا سیماب مدظلہ سے درخواست کی کہ وہ آپ کو اپنے تلامذہ میں شامل کرلیں درخواست کو شرف قبولیت حاصل ہوا اور آپ مولانا مدظلہ سے مستفید ہونے لگے۔

یاور صاحب نوجوان اور مرنجان و مرنج انسان ہیں۔ کیا باعتبار اخلاق کیا باعتبار وضع و قطع اور کیا باعتبار ذوق سلیم آپ ایک ممتاز نوجوان ہیں۔ یاور صاحب کی شاعری میں لوچ۔ رنگینی اور اثر ہے۔ نظم۔ غزل۔ افسانہ۔ سب کچھ لکھ لیتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

رباعی

بیزو مجھے لله بنادے ساقی — فکر غم ایام بھلادے ساقی
جو کیف شباب جاودانی دے دے — وہ چیز مجھے آج پلادے ساقی

شکر ہے اسکی بخارئی نہیں ہیں بدگماں — میری قسمت ہی میں یہ ہنگامۂ آلام تھا
ہر نفس فطرت مجھے کام آشنا کرتی رہی — اس عنایت پر بھی میں ناکام کا ناکام تھا

ہم نے مانا گناہ ہے لیکن — مفت پینے میں عار کون کرے
آج ہی کیوں نہ توڑ دیں توبہ — انتظار بہار کون کرے
شام سے صبح، صبح سے پھر شام — آپ کا انتظار کون کرے
اس نے یہ کہہ کے مجھکو بخش دیا — اس کے عصیاں شمار کون کرے

محو خواب اجل ہوں اے یاور
اب مجھے ہوشیار کون کرے

فراق دوست کی تنہائیاں ارے توبہ — جو غمگسار تھے اب وہ بھی غمگسار نہیں
بطور وعدہ دئے جا تسلیاں پیہم — نہ ہو اگر ترے وعدوں کا اعتبار نہیں

میں جانتا ہوں وہ ہرگز نہ آئینگے یاور
مگر کہ نہیں سکتا کہ انتظار نہیں

کب تک اے یاور ستم یوں ہم پہ ڈھائے جائینگے — ہم کہیں گے حال دل وہ مسکرائے جائینگے
آپ کی محفل میں جبتک غیر آئے جائینگے — کہاں تو ہے گا ہمیں ہم کیوں بلائے جائینگے
عاجزی سیکھے گی خود ناز و ادا سے انتقام — روٹھے جائیے ہم بھی منائے جائینگے

دل مانگتی ہے اک نگہ ناز دیکھئے — ہوتا ہے میرے عشق کا آغاز دیکھئے

www.taemeernews.com

بجلی بھولی نگاہ سے زلفیں ہیں منتشر ۔۔۔ مستی کا کھل نہ جائے کہیں راز دیکھئے
جس میں سما نہ سکتا تھا اک قطرہ خون کا ۔۔۔ وہ دل ہے آج حاملِ صد راز دیکھئے

منحرف مجھ سے نگاہِ ناز ہے ۔۔۔ یہ محبت کا مری آغاز ہے
جتنا جی چاہے ستانے جا مجھے ۔۔۔ مجھ کو تیری ہر جفا پر ناز ہے
ہم بتائیں کس کو اپنا رازِ دل ۔۔۔ یہ زمانہ تو زمانہ ساز ہے

نوجوانی میں بتوں سے پیار کیوں ۔۔۔ عیش کے موسم میں یہ آزار کیوں
آج خود ساقی ہے پیمانہ بدست ۔۔۔ ہو کسی کو جرأتِ انکار کیوں

خلش کو دلیں نہاں چارہ ساز رہنے دے ۔۔۔ راز ہے یہ للہ راز رہنے دے
حدیثِ ماتم و سوز و گداز رہنے دے ۔۔۔ نہ چھیڑ اے دلِ غمگین یہ ساز رہنے دے
وہ ایک لمحہ بس جو عیش میں گزرے ۔۔۔ نہ دے مجھے عمرِ دراز رہنے دے
جفا شعار قسم ہے تجھے جفاؤں کی ۔۔۔ جو درد دل میں کوئی امتیاز رہنے دے
حقائق اپنے کسی اور کو سنا واعظ ۔۔۔ مجھے حجابِ فریبِ مجاز رہنے دے
کیا ہے خون کے قطروں سے دل کو دل جس نے ۔۔۔ وہی وہی کرم و دلنواز رہنے دے
نہ پھاڑ جیب و گریباں کو اپنے دیوانے ۔۔۔ جنونِ وحشت میں کچھ امتیاز رہنے دے

یہ کون آج محو گلگشت ہے چمن میں ۔۔۔ بادہ برس رہا ہے پھولوں کی انجمن میں
تا ہے میرے دل میں اک درد شعلہ سا ۔۔۔ پچھلے پہر پپیہا جب بولتا ہے بن میں
بندے ہیں سب ہوس کے، بندہ وفا کا ۔۔۔ کتنا ہے فرق میرے اور دہر کے چلن میں
وہ جس سے روزِ محشر پہچان جائیں مجھ کو ۔۔۔ ایسی بھی ایک نشانی رکھنا مرے کفن میں

تلمیذ سب جناب سیماب کا سمجھ لیں
وہ بات ہو نمایاں ہر ایک سخن میں

اب ہے سکونِ دل نہیں حاصل ترے بغیر ۔۔۔ جینا ہے تیری یاد میں مشکل ترے بغیر

نوجوانِ زندگی تھا ابھی تک تھی زندگی ۔۔۔ اب کچھ نہیں ہے زیست کا حاصل ترے بغیر
دنیا کی ہر خوشی میں ہے اک رنج کی کسک ۔۔۔ دل عیش کا نہیں متحمل ترے بغیر
اک بوند خون جس میں بجز یاس کچھ نہیں ۔۔۔ اب دل نہیں رہا ہے مرا دل ترے بغیر
جب تو نہیں ہے ساتھ تو کیا لطفِ شغلِ ۔۔۔ داغِ سیاہ ہے مہ کامل ترے بغیر

اس کو دنیا بھر نے دیکھا اور کچھ حاصل نہیں ۔۔۔ اس نے جس کو اک نظر دیکھا وہ اس کا ہو گیا
تم نے دیکھا اور جاگ اٹھی مری بیتابیٔ دل ۔۔۔ تم نے نظریں پھیر لیں خونِ تمنا ہو گیا

آہ و دل بے اثر نہیں ہوتی ۔۔۔ ہو مگر اس قدر نہیں ہوتی
جانتا ہوں گناہ ہے لیکن ۔۔۔ بے پئے بھی گذر نہیں ہوتی

غم و عشرت سمونا چاہتا ہوں ۔۔۔ خوشی میں بھی میں رونا چاہتا ہوں
تجھے اپنا بنانا غیر ممکن ۔۔۔ میں خود ہی تیرا ہونا چاہتا ہوں

جب چھائے ہوئے ساون کے بادل کالے کالے ہوتے ہیں
وہ شیشہ بکف اور ہم سب کے ہاتھوں میں پیالے ہوتے ہیں
اک دیدنی منظر ہوتا ہے میخواروں کا میخانوں میں
بغلوں میں شیشے ہوتے ہیں ہاتھوں میں پیالے ہوتے ہیں
ہر اک کو ستا کر خوش ہونا ہر اک سے دعائیں لے لینا
ان کافر زلفوں والوں کے انداز نرالے ہوتے ہیں

بس ایک تصویر ہے نظر میں نہ جاگتا ہوں نہ سو رہا ہوں
وہ بے حجابانہ جلوہ گر ہیں میں ان پہ قربان ہو رہا ہوں
کسی کی محفل کسی کا گھر ہے، کسی کا زانو ہے میرا سر ہے
یہ خواب الٹی ہے یا حقیقت، میں جاگتا ہوں کہ سو رہا ہوں
میں ان کا دامن پکڑ رہا ہوں وہ اپنا دامن بچا رہے ہیں
وہ ہٹ رہے ہیں میں بڑھ رہا ہوں [illegible]

سید حسن یاور رضا یاورؔ نقوی کی غزل پر حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہ کی اصلاح

میرے خیال میں بھی وہ آ کے مجھے ستائے کیوں — جس نے مجھے بھلا دیا وہ مجھے یاد آئے کیوں

کیا میرے پاس دل نہیں
~~کیا میں نہیں ہوں آدمی~~ رشک مجھے نہ آئے کیوں — غیر کو آپ دیکھ کر بزم میں مسکرائے کیوں

آپ کے غم نصیب پر رحم زمانہ
~~تم نے جسے مٹا دیا غیر اس پہ~~ رحم کھائے کیوں — کوئی مری مصیبتوں میں مرے کام آئے کیوں

موت کا انتظار ہے، موت ضرور آئے گی — ابھی چلے کسی طرح، آج ہی آ نہ جائے کیوں

ان کو ہی کیوں نہ ہو خیال مجھ کو ہی
وہ بھی تو ہیں جفا شعار میں ہی نہیں ہوں بیقرار — ~~ان ہی کو ہو نہ کیوں خیال مجھ ہی کو~~ صبر آئے کیوں

ہر کسی طرح ... ہو — ربط نہ ہو جو درمیان
لے کے وہ میرا امتحاں، ہو بھی ~~تو جائے~~ مہرباں — ~~جن کو نہ ہو کبھی خیال~~ وہ مجھے آزمائے کیوں

خود پرست ... اپنی ... حسن میں مست ہیں
~~رحم نہ کھا کے وہ کہیں جور و جفا بھی چھوڑ دیں~~ — میرا فسانۂ الم ان کی سمجھ میں آئے کیوں

وہ مرے بعد
جس نے نہ زندگی میں کی قدر ذرا مری کبھی — میرا نشان قبر بھی ~~بعد مرے وہ~~ پائے کیوں

غالبؔ و داغؔ و آتشؔ کے بعد کھولے زباں کیوں کوئی

یاورؔ دل شکستہ بھی
~~یاورؔ غم نصیب بھی~~، اپنی غزل سنائے کیوں

بے ترتیب تذکرے

حیدر — ۹۵
بابو امیر الدین صاحب صدیقی اکبرآبادی

آپ کا نام امیر الدین اور تخلص حیدر ہے۔ ۱۹۰۳ء میں بمقام لوہا منڈی آگرہ پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ تجارت ہے۔ ایک مشہور خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے پردادا صاحب مرحوم اور دادا منیر الدین صاحب ہندوستان کے آخری شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ پردادا صاحب کی وفات کے بعد آپ کے دادا صاحب عرصۂ دراز تک حرم خاص میں ملازم رہے۔ غدر میں جب شاہی خاندان اور خود بادشاہ جلا وطن کر دئے گئے تو آپ بھی وہاں سے چھپ چھپا کر آگرہ تشریف لے آئے۔

منیر الدین صاحب اس وقت بفضلہٖ ایک سو دس سال کی عمر میں بقید حیات ہیں۔ گو قویٰ میں اضمحلال پیدا ہو گیا ہے لیکن اب بھی ہمت و جرأت جوانوں سے زیادہ ہے۔ آپ کبھی سواری میں نہیں بیٹھے۔ میلوں پیدل سفر کر سکتے ہیں۔ بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔ غدر اور مابعد غدر کے حالات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ برادر محترم حیدر صاحب کے والد جناب بشیر الدین صاحب ایک سنجیدہ اور خود دار انسان ہیں بمبئی میں زری کا ایک بڑا کارخانہ کے مالک ہیں

برادرم حیدر صاحب نے انجمن محمدیہ ہائی اسکول سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ چونکہ ناز و نعم میں پرورش پائی تھی اس لئے اعلیٰ تعلیم کے لئے کالج میں باریاب نہ ہو سکے۔ اور اپنے والد صاحب کے پاس بمبئی تشریف لے گئے۔ جہاں ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پر "ٹراموے کمپنی" میں ملازمت کی۔ اسی سال آپ کی شادی میری ہمشیرۂ عزیزہ دختر اصغر حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ سے ہو گئی ڈیڑھ سال تک ٹراموے کمپنی کی ملازمت کے بعد آپ بی بی اینڈ سی آئی آر میں ایک ذمہ دار عہدے پر مامور ہیں۔

چونکہ برادر محترم بچپن ہی سے بمبئی میں رہے ہیں۔ اس لئے بمبئی ان کے لئے وطن ثانی ہو گیا ہے۔ پھر بھی سال میں دو بار آپ آگرے ضرور تشریف لاتے ہیں۔ انتہائی خوش مزاج۔ آزاد خیال۔ سادگی پسند اور خود دار انسان ہیں۔

شادی کے رشتہ سے پہلے بھی آپ سے اور برادر معظم حضرت منظر صدیقی سے دوستانہ تعلقات تھے۔ شادی ہونے کے بعد بھی ایک عرصہ تک آپ نے کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ آپ شعر کہتے ہیں چونکہ شادی کے بعد آپ ایک شاعر خاندان کے فرد بن چکے تھے اس لئے یہ جذبہ آپ زیادہ عرصہ تک نہ چھپا سکے۔ ماحول کی خشک سامانی اور ملازمت کی مصروفیت اب بھی آپ کو اس طرف کافی توجہ نہیں ہونے دیتی۔ لیکن کبھی کبھی یہ شغل ضرور جاری رہتا ہے۔ شاعروں کی شرکت سے آپ ہمیشہ بیزار رہتے ہیں۔ گو بمبئی کے ادبی حلقوں میں آپ بہت اچھی طرح متعارف ہیں۔ لیکن لوگوں کے اصرار کے باوجود بھی شعر نہیں سناتے۔ اور نہ کسی مشاعرے میں شرکت فرماتے ہیں۔ مطالعہ سے قلبی لگاؤ ہے۔ چنانچہ اپنی ذاتی کتابوں کے علاوہ آپ جب بھی آگرہ آتے ہیں۔ تو قصر الادب

www.taemeernews.com

رسائل و اخبارات گشا میں وغیرہ اپنے ساتھ بھی ضرور لے جاتے ہیں۔ برادر محترم کو شہرت اور نام و نمود سے نفرت ہے۔ فرائض کی انجام دہی کو مقدم اور افضل تصور فرماتے ہیں۔ شعر بہت بلند لیکن سادہ کہتے ہیں۔ ایک سال کا عرصہ ہوا جب سے آپ نے باقاعدہ شعر کہنا شروع کیا ہے۔ اس کے علاوہ بڑے بڑے مشاعروں میں حیثیت سامع کے شرکت فرما چکے ہیں۔ نظم کے ساتھ ساتھ نثر نگاری کا بھی شوق ہے۔ مضامین لکھ لکھ کر جمع کرتے جاتے ہیں۔ رسائل و اخبارات میں بھیجنا پسند نہیں کرتے۔

نمونۂ تغزل

ناکام و نامراد و فا جان کر مجھے
دیتا رہا فریب وہ جادو نظر مجھے

پہونچا دیا ہے عشق نے یہ کس دیار میں
ملتی نہیں ہے اب کہیں اپنی خبر مجھے

آتے ہی اُن کے زندگی تو ہوئی نصیب
حیرت سے دیکھتے ہیں مرے چارہ گر مجھے

ہو غالباً یہ دردِ محبت کی انتہا
محسوس ہو رہی ہے خلش تا جگر مجھے

نیت یہی ہے کہ شرحِ مذاقِ وفا کروں
غم سے ترے ملے کبھی فرصت اگر مجھے

دیکھوں کسی کو کیا میں ترے جلوؤں میں ہوں اسیر
آتا نہیں ہے تیرے سوا کچھ نظر مجھے

مختارِ حسن اُن کو سنا یا تو کیا ہوا
مانا گیا ہے عشق کا پیغامبر مجھے

چھائی ہیں جب سے دل پہ گھٹائیں فراق کی
اُس وقت سے ہیں ایک سی شام و سحر مجھے

یوں بار بار جاؤں نہ اُس بزمِ ناز تک
حیدرؔ رہے جو اختیار دلِ بے اثر مجھے

یوں نظر پڑتی ہے اُٹھ اُٹھ کے طرفِ یار کیطرف
جیسے کوئی دیکھ لے گردِ غریباں کیطرف

پھر قدم بڑھنے لگے میرے بیاباں کی طرف
پھر نگاہیں ہیں جنوں کی جیب و داماں کیطرف

ہستی بے مایہ ہوں لیکن پرستارِ وفا
اب کیوں دیکھیں وہ حالِ پریشاں کیطرف

کیا خبر صیاد کا گھر یا نشیمن کیا جلا
اک دھواں سا ہم نے دیکھا تھا گلستاں کیطرف

پھر بہار آئی بڑھیں دیوانوں کی پھر وحشتیں
ہاتھ پھر بڑھنے لگے جیب و گریباں کیطرف

رہگذر میں گلشن یوں بہت ناد و خوار تھا
تو نے دیکھا ہی نہیں حسنِ غزالاں کیطرف

آ گئی ہوں نہ کہیں شاید جنوں کی فصل پھر
دل کھچا جاتا ہے خود کوہ و بیاباں کیطرف

چین لینے ہی نہیں دیتا مرا ذوقِ جنوں
جانبِ گلشن ہیں آنکھیں دل بیاباں کیطرف

دیکھئے اب کس کو قسمت جا بجا ئیں سر جھکا لیا
اک نظر دل کی طرف ہے اک رگِ جاں کیطرف

دو جہاں میں ہے یہی حیدرؔ رہا میں بارِ عشق
دیکھتے ہیں کیا فرشتے ظرفِ انساں کیطرف

پھر ہوش و خرد مستیوں کے زیرِ اثر ہیں
پھر مست نگاہیں کسی ساقی کی ادھر ہیں

شاید یہ حریفِ اثرِ سوزِ جگر ہیں
نظروں کو تری دیکھ رہا ہوں کہ دہر ہیں

ہے صرف تری ایک اشارے کی ضرورت
آنکھیں تو ازل ہی سے مری جلوہ نگر ہیں

ہنستے ہیں نہ روتے ہیں نہا و جگر افگار
نالے بھی اگر ہیں تو بہ اندازِ دگر ہیں

اے رشکِ بہارِ جانِ نظر و جانِ گلستاں
رنگین ترے جلوؤں ہی سے یہ شام و سحر ہیں

اک لحظہ بھی اب سوز سے فرصت نہیں ملتی
کس درجہ جگر دردِ محبت کا اثر ہیں

اے دوست نہ کر جلوؤں سے حیدرؔ کو پریشاں
کیوں چھیڑ رہا ہے ہمیں ؟ دیوانہ نظر ہیں !

تمنا ہی اگر وہ ستم ایجاد نہ ہوتے
ہم بھول کے بھی مائلِ فریاد نہ ہوتے

ہوتی ہی انھیں کیوں ستم و جور کی عادت
اچھا تھا جو لذت کشِ فریاد نہ ہوتے

کیا خوب تھا گر جلوہ نما دل ہی میں تم تھا
یوں طور پہ جلوے ترے برباد نہ ہوتے

ہوتی نہ اگر دہر میں یوں رسمِ جنونِ عام
ویران بیاباں کبھی آباد نہ ہوتے

حیدرؔ کو بھلا بیٹھے ہیں یہ اُن کا کرم ہو
اے کاش کہ حیدرؔ کو بھی وہ یاد نہ ہوتی

www.taemeernews.com

صابر — مسٹر اے بی فلپس بی۔اے اکبرآبادی — ۹۶

آپ جنوری ۱۹۱۳ء میں بمقام اکبرآباد پیدا ہوئے آگرہ کے مشہور ڈاکٹر مسٹر فلپس کے بھتیجے ہیں۔ جو اپنے تمول اور شہرت کے لحاظ سے مرنے کے بعد بھی ابتک زندہ ہیں۔ ڈاکٹر فلپس کا "مکسچر" ہر قسم کے بخاروں کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا تھا۔ آپ مذہباً عیسائی ہیں۔ لیکن آپ کا مشرب صرف انسانیت اور محبت ہے۔

شاعری کا آغاز بیت بازی کے شوق سے ہوا۔ کچھ روز الہ آباد میں بھی تعلیم حاصل کی۔ بورڈنگ میں رہتے تھے۔ جہاں اکثر دال میں کیڑے نکلتے تھے۔ وارڈن صاحب کی توجہ مبذول کراتے کراتے تھک گئے۔ تو ایک روز ایک سیر حاصل نظم بعنوان "کیڑے" تصنیف کر ڈالی۔ جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

"خدا نے بنائے ہیں کیڑے بھی کیا کیا"

یہ نظم چونکہ بہت پسند ہوئی۔ اس لئے آپ کو محسوس ہوا کہ آپ شعر کہہ سکتے ہیں۔ طبیعت بہت حساس تھی۔ پھر تو ذرا ذرا سی بات پر شعر کہنے لگے۔ جس نے ذرا نظر بدلی اُس کے لئے فوراً پھبتے ہوئے شعر کہہ ڈالے۔ جس قدر عمر بڑھتی گئی۔ عمر شاعری بھی بڑھتی گئی۔ اسکول کی تعلیم کے زمانے میں مولوی محاور حسین صاحب شاد رامپوری مدرس گورنمنٹ ہائی اسکول آگرہ آپ کی رہنمائی کرتے تھے جب آپ کالج میں داخل ہوئے تو مولانا حامد حسین قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج کے فیض صحبت نے اس شوق پر اور جلا کی۔ ۱۹۳۰ء میں آپ سینٹ جانس کالج آگرہ میں داخل ہوئے جناب ابرار حسین قادری مرحوم صدر اردو سینٹ جانس کالج کیطرف سے فرسٹ ایر میں ہر سال ایک طلائی میڈل کلاس میں اوّل آنے والے لڑکے کو ملتا تھا۔ چنانچہ یہ میڈل سالانہ امتحان کے بعد آپکو مرحمت ہوا۔ بعض طلبا کو رشک پیدا ہوا۔ اور بعض لوگوں نے اسے مولانا کی طرفداری پر محمول کیا۔ لیکن رفتہ رفتہ جب اُن کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ آپکو اردو سے لگاؤ ہے۔ تو یہ غلط احساس خود بخود دور ہو گیا۔ سینٹ جانس اور آگرہ کالج میں اکثر سالانہ انعامی مشاعرے ہوتے ہیں۔ جن میں دونوں کالجوں کے طلبا شریک ہوتے ہیں۔ آپ کو ان مشاعروں میں اکثر اوّل انعامات ملے ہیں۔

۱۹۳۳ء میں سینٹ جانس کالج آگرہ کے سالانہ مشاعرہ میں آپ کو غزل میں اوّل آنے پر ایک نقرئی میڈل عطا ہوا۔ اس زمانہ میں آپ جناب مولانا نجم اکبرآبادی کے شاگرد تھے۔ آپ مرزا نجم کے شاگرد ۱۹۳۳ء میں ہوئے تھے۔ مولانا نجم کی شاگردی کو آپ اپنے لئے باعث صد فخر و شرف سمجھتے تھے۔ لیکن جب وہ حیدرآباد چلے گئے تو آپ کو بہت افسوس ہوا۔ آپ لکھتے ہیں۔ کہ "میں شعر و شاعری سے بالکل دل برداشتہ ہو چکا تھا۔ مولانا نجم نے میرا جیتی جاگتی شاعری سے تعارف کرا دیا تھا۔ مجھے شعر کہنے اور حسن فطرت کے مطالعے میں لطف آنے لگا تھا۔ ایسے اُستاد کا داغ مفارقت میرے لئے اپنے پدر مرحوم کے ماتم سے کم نہ تھا" کوشش کی کہ یہ سلسلہ بذریعہ خط و کتابت قائم رہے۔ لیکن گوناگوں دنیاوی مصروفیات اور مشیت ایزدی نے ایسا نہ ہونے دیا۔ غرض ۱۹۳۶ء کے ماہ ستمبر میں میری نظر انتخاب ایک ہستی پر پڑی۔ جس کی ضرورت میرے لئے اتنی،

جتنی زندگی کے لئے کسی چیز کی۔ علامہ سیماب کی شخصیت ہندوستان میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اگر دنیا علامہ کو بجائے سیماب کے شیکسپیئر کہے تو زیادہ مناسب ہے۔ یہ وہ ہستی ہے جو ہر صنفِ سخن پر یکساں قادر الکلام ہے۔ علامہ سیماب کی شاگردی میں میں نہایت مطمئن اور ترقی پذیر ہوں۔ مولانا بھی میرے حال پر خاص طور سے شفقت فرماتے ہیں۔"

نظم کے علاوہ آپ نثر سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ نے کچھ دن ہوئے ایک کتاب "مضامین" تصنیف کی ہے۔ جو علامہ سیماب کی نظرثانی کے بعد شائع ہوگی۔ ایک افسانہ بعنوان "انقلاب نظر" زیر تصنیف ہے۔

زمانہ کی موجودہ روشِ تنقید سے پریشان ہو کر آپ ایک مختصر کتاب "اصولِ تنقید" کے نام سے لکھ رہے ہیں۔

۱۹۳۵ء میں آپ سیماب لٹریری سوسائٹی آگرہ کے "ڈکٹیٹر" بنا دئے گئے تھے آپ کے زمانے میں سوسائٹی کے جلسے نہایت اچھے پیمانے پر منعقد ہوتے رہے۔ مگر آپ بعض ذاتی انہماک کی وجہ سے سبکدوش ہو گئے اور باہر چلے گئے۔

آپ بہت شریف الطبع اور علم دوست نوجوان ہیں۔ اپنے معاصرین میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کے ساتھ مشقِ سخن شروع کی تھی اُن میں سے اکثر آپ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ مستقل اور محنتی بہت ہیں۔ کالج کی تحریکات میں نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں۔

آپ نے ایم۔ اے سالِ اول تک تعلیم حاصل کی ہے۔ اس کے بعد سے اسکول میں مدرس ہیں۔

نمونہ تغزل

آشنا اپنی حقیقت سے اگر دل ہو جائے — خود بخود داغ سے اک شمع محفل ہو جائے
حسرتیں جمع ہوں میری تو بنے آئینہ — اُٹھ کے جلوے جو ہوں یکجا تو مرا دل ہو جائے
وہ سب حسن کی بگڑی ہوئی تصویریں ہیں — جن کو دامن میں اشارات مرا دل ہو جائے
جب پریشان خیالات کی تصویر دل کو — اک ترتیب سی سجا دیجئے محفل ہو جائے
اثرِ حسن جہاں سوز مسلّم لیکن — عشق بھی بات پہ آمادۂ قاتل ہو جائے

ایک آشوب مسلسل ہے یہ دنیائے عناصر
جبر فطرت میں نہ شامل ہو تو مشکل ہو جائے

خاک میں عشق کا جوہر جو نہ پنہاں ہوتا — کیوں بشر خاک کے پردے میں نمایاں ہوتا
ذرہ ذرہ ہی سہی تھا روزِ ازل انکا خطاب — ورنہ تھا جو مری طرح سے انساں ہوتا

وہ شاید معنی و مفہوم رازِ امکاں سمجھے — مری نقشِ جبیں کو جو نشانِ آستاں سمجھے
کلیجہ تھام لے ہر سالک پر اسرار بزم ہستی میں — خدا توفیق دے تو ہر نفس کا امتحاں سمجھے
محبت معنی بے لفظ ہے یا لفظ بے معنی — نہ کچھ اہلِ زمیں سمجھے نہ اہلِ آسماں سمجھے
جنازہ جا رہا تھا دل کے ذوقِ پریشاں کا — مگر کیا دیکھنے والے اسے گردِ کارواں سمجھے
وہ حرفِ مدعا سن کر تسلی کیلئے صابر — نہیں بھی کچھ سمجھتے ہیں اگر کہدو ہیں ہاں سمجھے

ہزاروں پردوں میں بے پردگی نے کام کیا
حجاب محرمِ رازِ حجاب ہو نہ سکا
ترے جمال کا دھندلا سا عکس تھا مرا دل
تمام حسن کا عالم جواب ہو نہ سکا

ظالم لہو لگا کے شہیدوں میں مل گئے — دل کے لہو سے زینت پیکاں نہ کیجئے
کیا سہل و مختصر ہے اصولِ حیاتِ عشق — مرنے کی فکر جینے کا ساماں نہ کیجئے

شہادت کی تمنا میں رہا ہوں نیم جاں ہو کر — فنا کی گود میں کھیلی ہے مری جاوداں ہو کر

قفس میں وہ نشیمن سوز یاد آتا ہی رہتا تھا باغ میں جو پھول شمعِ آشیاں ہو کر

نہ جانے کیا ملا باقی رہا کیسا خانۂ دل میں
گریباں کے قریب اٹھا ہی او صابر دھواں ہو کر

جز کراماتِ نظر کیا کہئے حسن کو اپنا ہی جلوا کہئے
راز کہہ دوں جو تبسم کا اگر آپ میرے ہنسنے کو بھی رونا کہئے
ہم بھی سر پھوڑ رہے ہیں در پر یہی سجدہ ہو تو سجدا کہئے

پی کے اک جامِ ازل تا صبحِ حشر بیخودی و ہوش سے الجھا کیا
مٹ گیا آج اختلافِ مرگ و زیست نا امیدی کام یہ اچھا کیا

زیست ہے ایک رقصِ بے آرام موت کیا اک سکونِ بے ہنگام
مضطرب تھی فضائے دو عالم ہائے وہ حسن و عشق کے ایام
کھینچ کر ایک آہِ زیرِ لبی بے بسی پر بھی رکھ دیا الزام
موت کو زندگی بنا صابر
زندگی آئے گی ترے کس کام

بیخودی نے کردیا آوارۂ منزل مجھے
ڈھونڈھ سکتے ہوں تو ڈھونڈیں اب نگاہ دل مجھے
بے کناری عشق کی معلوم تھی میرے لئے
پار کرنے کو ملا دریائے بے ساحل مجھے
ایک ٹھنڈی سانس بن جاتی ہے ساری کائنات
یاد آجاتی ہے جب وہ گرمیٔ محفل مجھے
آج اس میں وسعتیں طوفاں کی پیدا ہوگئیں
کل تلک اک موج سرِ ساحل تھی موجِ دل مجھے
میری مشکل نے مجھے قطرے سے دریا کردیا
دو قدم بڑھ کر اٹھا لے کائناتِ دل مجھے

دل کا ذرہ ذرہ صابر جلوہ گاہِ حسن ہے
کیوں نہ ہو لازم طوافِ جلوہ گاہِ دل مجھے

یہاں نگاہ کو پابندیٔ حجاب نہیں شبابِ عشق ہی ہے حسن کا شباب نہیں
پھر ان سے اور مرے درمیاں ہے کیا حائل نظر ہے عینِ تصور نظر حجاب نہیں

چند مقطعے

برائے نام ہوں صابر یہ کہتی ہے دنیا کہ صبر اور محبت میں اتصال کہاں

صبر کی خو پڑ نہ جائے نام صابر ہی مجھے عشق کی دنیا میں ورنہ نام رکھا جائیگا

صابر مجھے معلوم تھا بے معنی نسبت یہ نام فقط دل کے بہلانے کو رکھا تھا

---

www.taemeernews.com

ریاض — ریاض الدین احمد صاحب اکبرآبادی — ۹۰

آپکا نام ریاض الدین اور تخلص ریاض ہے۔ والدِ محترم کا اسم گرامی فیاض الدین ابوالعلائی ہے۔ جو حضرت شاہ سید محمد محسن صاحب داناپوری کے خلیفہ ہیں۔ ریاض صاحب ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ وطن خاص اکبرآباد ہے۔

آٹھ سال تک اردو فارسی اور عربی تعلیم کی تکمیل حضرت مولانا مولوی سید نثار علی صاحب اکبرآبادی سے کی۔ جب علوم شرقیہ میں آپ کو درک حاصل ہو گیا تو انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ مفید عام ہائی اسکول اور شعیب محمدیہ ہائی اسکول آگرہ میں انگریزی تعلیم حاصل کی اور علی گڑھ یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ریاض صاحب کی اردو اور انگریزی میں بہت اچھی قابلیت ہے۔ ۱۹۲۹ء سے عدالتِ دیوانی میں ملازم ہیں۔

آپ کی ادبی زندگی قابلِ ذکر و تعلیم ہے۔ ریاض صاحب اُن نوجوانوں میں سے ہیں۔ جن کے دل میں وطن۔ قوم اور ملک کی خدمات کے سمندر موجزن ہیں۔ جو اپنی گرم نوائی اور حسنِ عمل سے پیکرِ ملت میں ایک نئی روح پھونکنا چاہتے ہیں۔ آپ کی ملازمت برائے بیت ہے۔ سرکاری فرض کی ادائیگی کے بعد جتنا بھی وقت ملتا ہے۔ اُس میں آگرہ کی بیداری وفلاح کا جذبہ آپ کے دل و دماغ میں کام کرتا رہتا ہے۔ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ آگرہ میں اس وقت ریاض ایک تنہا نوجوان ہے۔ جو دیوانوں کی طرح اپنے وطن کی خدمت میں اپنا عزیز وقت، روپیہ اور دماغ صرف کر رہا ہے۔ وہ جھڑکیاں سنتا ہے۔ لوگ اُس کی مخالفت کرتے ہیں۔ دوست احباب اُس کا ساتھ نہیں دیتے۔ لیکن اللہ رے جذبۂ صادق کہ وہ اپنی دھن میں مسلسل لگا ہوا ہے۔

ریاض صاحب نے بہت کم عرصہ میں اپنے مخلصین کے ایما اور اپنی کوششوں سے آگرہ کی اخلاقی و ادبی فضا میں کئی اچھے اضافے کئے ہیں۔ مسلم لائبریری آگرہ جو کئی سال سے قائم ہے آپ ہی کی سعیٔ پیہم کا نتیجہ ہے۔ دو سال سے آپ نے "عید ملادنہ" کی بھی بنیاد ڈالدی ہے۔ جس میں عید کے دن تمام مقامی اکابر کو دعوتِ طعام دی جاتی ہے۔ اور تقریروں وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اردو لٹریری سوسائٹی اور مسلم یونین کا وجود بھی ریاض صاحب کے کارنامے ہیں۔ آپ سی۔ سی ایم۔ او۔ ایسوسی ایشن کے جوئنٹ سکریٹری اور صوبہ کی جمعیت التبلیغ کانفرنس کی مجلسِ انتظامیہ کے ممبر بھی ہیں عرصۂ دراز سے آپ ساعی تھے کہ آگرہ میں مسلم گرلس ہائی اسکول قائم کیا جائے۔ آپ اپنی کوششوں میں کسی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں۔ اب یہ اسکول بھی جلد قیام پذیر ہونے والا ہے۔

جس طبیعت میں وطنی خدمت کا رجحان ہوگا۔ اُس میں ادبی ذوق کچھ نہ کچھ ضرور پایا جائے گا۔ ریاض صاحب نے جس ماحول میں تربیت پائی اور جس نوعیت سے تعلیم حاصل کی اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ کو آسودگیٔ دماغ اور روح کی شگفتگی کے لئے شعر کہنے پڑے۔ جذباتی ہنگام

وطن کی محبت؛ اکبر آباد جیسے دیارِ شعر سے لگاؤ۔ ان سب نے مل جل کر اس نوجوان شاعر کو اٹھایا۔ اور وہ بھی پورے جوش کے ساتھ مشاعروں میں شرکت۔ غزلیں سنانا اور شاعر تک یہی ہوتا رہا۔ اب مقامی جماعت بندیوں سے اثر گیر ہو کر شاعروں کی شرکت آپ نے قطعی بند کر دی ہے۔ شعر کم کہتے ہیں۔ لیکن کہتے ہیں۔ اپنے احباب کو سناتے ہیں۔ اور خوش ہوتے ہیں۔ ۱۹۱۸ء سے آپ نے شعر کہنا شروع کیا ہے۔ اور اُسی وقت سے حضرت قبلہ علامہ مولانا سیماب مدظلہ کے تلامذہ میں ہیں۔ طبیعت بہت اچھی پائی ہے۔ محنتی، خاموش کار، سنجیدہ اور فہیم نوجوان ہیں۔ شعر سمجھ کر کہتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے:

ابھی چھیڑا ہے میں نے قصۂ غم قلبِ مضطر کا
ابھی سے رنگ کیوں اُڑنے لگا اربابِ محشر کا

خمِ قیدِ قفس ہے اب نہ رنجِ یادِ گلشن ہے
کلیجہ کر چکے ہیں آشیاں برباد چھپر کا

تجھے دیکھیں گے یا اعمال نامہ اپنے دیکھیں گے
وہی دن ہے ترے دیدار کا جو دن ہے محشر کا

وہ رنگِ خونِ ارماں وہ بہاریں زخمِ حسرت کی
ریاضؔ اکثر مجھے دھوکا ہوا دل پر گلِ تر کا

مرا خیال اگر صرفِ جستجو ہو جائے　　تو کیا مجال کہ پھر پردہ پوش تو ہو جائے
اسی امید پہ گردن جھکائے بیٹھا ہوں　　کہ تیری تیغ قریبِ رگِ گلو ہو جاؤ
میں ان پہ حالِ دلِ زار آئینہ کر دوں　　ذرا سی دیر اگر ان سے گفتگو ہو جائے

شگفتگی ہو نصیبِ بہارِ ذوق ریاضؔ
کہ دل میں بند محبت بہ رنگِ بو ہو جائے

دل لیکے مجھ سے دیتے ہو داغِ جگر مجھے　　یہ بات بھولنے کی نہیں عمر بھر مجھے
مرنا ہی اُنکے پاؤں پہ رکھکر سرِ نیاز　　کرنا ہے آج قصۂ غم مختصر مجھے

اللہ رے شوقِ دید کی حیرت فزائیاں　　یہ حال ہے کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے
کرنا ہے آج حضرتِ ناصح کا سامنا　　مل جائے دو گھڑی کو تمہاری نظر مجھے
تم دور ہو تو کس لئے دل میں مقام ہے　　میں پاس ہوں تو کیوں نہیں اپنی خبر مجھے
دنیا نئی قفس کی ہوا نئی سوا جہاں　　ڈھونڈے سے بھی ملا نہ کوئی زمزمہ گر مجھے

پہلا سا لطف دل کی کسک میں نہیں ریاضؔ
بھولی ہوئی نہ ہو نگہِ فتنہ گر مجھے

دیکھے کوئی کرشمے اس حسنِ فتنہ گر کے　　خوش ہو رہا ہے ظالم دنیا تباہ کر کے
کیا میرے دل کے ٹکڑے ملجائیں گے کبھی بھی　　اے جمع کرنے والے اجزائے منتشر کے
فطرت نے اپنی ظاہر کر دی ہے خوش مذاقی　　بلبل کو درد دے کر گل کو حسین کر کے
اُس سے نظر ملا کر برباد ہو گئے ہم　　افسانے رہ گئے ہیں ناکامیِ نظر کے

تو نے کیوں چھیڑ دیا صحنِ چمن کا قصہ　　اے صبا مجھکو نشیمن کا ذرا ہوش نہ تھا
ہائے اس جرم پہ معتوب ہوا جاتا ہوں　　کہ نشیمن کی تباہی پہ میں خاموش تھا
کب مرے دستِ جنوں نے نہ دکھایا اعجاز　　کب گریباں مرا دامن سے ہم آغوش نہ تھا

چند شاعرہ خواتین تلمیذ مولانا سیمابؔ مدظلہ العالی

حیاؔ — خورشید اقبال بیگم صاحبہ میرٹھی — ۹۸

آپ کا نام خورشید اقبال بیگم اور حیاؔ تخلص ہے۔ زبیری خاندان کے مشہور و معروف گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد صاحب کا اسم گرامی صوفی نفیر حسن ہے جو تقریباً ۲۰-۲۸ سال سے بسلسلۂ ملازمت میرٹھ میں مقیم ہیں اور اب میرٹھ آپ کا وطن سا ہو گیا ہے آباؤ اجداد مارہرہ شریف کے رہنے والے تھے۔

حیاؔ صاحبہ نے کسی مدرسہ یا اسکول میں تعلیم حاصل نہیں کی اور یہ چیز حیرت انگیز ہے کہ آپ نے خود اپنے ذاتی ذوق و شوق سے کئی زبانیں حاصل کیں۔ ہندی، عربی اور انگریزی میں آپ کی قابلیت معراجِ کمال کو نہ پہونچ سکی لیکن اردو اور فارسی میں تو آپ نے وہ تجربہ حاصل کیا ہے کہ باید و شاید۔ رسائل۔ اخبارات اور کتابوں کے مطالعہ کا شوق آپ کو اس قدر ہے کہ آپ کا انہماک دیوانگی پر محمول کیا جاتا ہے۔

۱۹۲۲ء میں آپ نے یکایک اپنے دل و دماغ کو شعری جوش کے تلاطم سے بھرا ہوا پایا۔ اور بغیر کسی مدد و معاونت کے غزل گوئی شروع کر دی۔ کچھ نظمیں بھی لکھیں۔ لیکن آپ کی رہنمائی کے لئے کسی اچھے شاعر کا کلام آپ کے سامنے نہ تھا۔ غزل کے بعض عام اور فرسودہ اشعار دیکھنے کے بعد آپ نے مستقل طور پر نظم کی طرف رخ کیا۔ اور اس انقلاب نے آپ کو چمکا دیا۔ اُسی زمانہ میں اکثر زنانہ رسائل میں آپ کی نظمیں شائع ہوئیں جو بے انتہا مقبول ہوئیں ایڈیٹر صاحب "عصمت" نے لکھا تھا کہ "آپ نے ورڈسورتھ کی طرح نہایت آسان الفاظ میں تمام منظر بہت خوبی کیساتھ کھینچ کر رکھدیا ہے"۔ آپ لکھتی ہیں "اس تعریف کی مستحق نہ تو میں تھی اور نہ ہوں، لیکن اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میری نظمیں اس زمانہ میں کس نگاہ سے دیکھی جا رہی تھیں۔ مگر حقیقتاً جس نے ذرہ کو آفتاب بنا دیا وہ حضرت مولانا سیمابؔ صاحب قبلہ مدظلہٗ کی ہستی ہے"۔

۱۹۲۵ء میں آپ حضرت مولانا مدظلہٗ کی شاگرد ہوئیں اور جب سے اب تک نثر و نظم پر اصلاح لے رہی ہیں ۱۹۲۸ء میں آپ کو ایک زنانہ رسالہ نکالنے کا شوق ہوا۔ بعض ہستیوں کے اصرار نے اس ذوق کو اور بھی بڑھا دیا آخر کار "خاتونِ مشرق" کے نام سے میرٹھ سے ایک ماہنامہ نکالا جسے بہت زیادہ قبولیت حاصل ہوئی اور زبانی و تحریری ہمت افزائی کے لاتعداد پھول آپ پر نچھاور کئے گئے ہر طرف سے شورِ تحسین اٹھا۔ لیکن بیکار۔ اور قطعاً لاحاصل عملاً کوئی ہاتھ بٹانے والا نہ تھا۔ آپ اپنی "صنف" کو زندگی اور عمل کی طرف لے جانا چاہتی تھیں لیکن اس پر ایک خوابِ گراں مستولی تھا۔ اور ہے۔ کچھ تو اس سبب سے اور کچھ آپ کی صحت کی خرابی کی وجہ سے رسالہ ایک سال سے زیادہ نہ چل سکا۔ جنوری ۱۹۳۱ء میں پھر آپ نے ہمت کی لیکن اس مرتبہ صرف آٹھ پرچے نکل کر رہ گئے۔ آپ کو اپنی بہنوں سے زبردست شکوہ ہے لیکن آپ نے ابھی ہمت نہیں ہاری ہے۔ ۱۹۳۲ء میں "چاندنی" کے نام سے ایک رسالہ اور نکالا۔ اور وہ بھی کچھ عرصہ بعد بند ہو گیا۔ اس کے بعد آپ بہت سخت بیمار ہو گئیں۔

۱۹۳۴ء و ۱۹۳۵ء میں آپ نے مسلسل محنت و کوشش سے "میڈیکل سائنس آف ہومیوپیتھی" میں مہارت حاصل کی صرف اس غرض سے کہ اسی طرح اپنی صنف اور قوم کی کچھ خدمت کر سکیں۔ آج کل آپ علوم شرقیہ کے امتحانات کی تیاری میں مصروف

www.taemeernews.com

ہیں۔ پہلا امتحان آپ ہائی پروفیشنسی ان اردو کا دیں گی۔
میرٹھ میں ایک "انجمنِ اصلاح الخواتین" قائم ہے جس کی بانی بیگم صاحبہ نواب اسمٰعیل خاں صاحب ہیں، اس کے ذریعہ آپ خواتین کے جمود کو دور کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہیں۔

حیا صاحبہ ہندوستان کے ادبی حلقوں میں بہت اچھی طرح متعارف ہیں۔ ہندوستان کا کوئی مشہور رسالہ ایسا نہیں جس میں آپ کی نظمیں، مضامین اور افسانے شائع نہ ہوتے ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ "پیمانہ" آگرہ میں تو بالالتزام آپ کا کلام چھپتا تھا۔ نثر و نظم دونوں پر آپ کو یکساں قدرت حاصل ہے۔ بہت شگفتہ اور صاف شعر کہتی ہیں چند وجوہ کی بنا پر ابھی تک اپنا کوئی مجموعۂ کلام نہ چھپوا سکیں۔ ترتیب میں مشغول ہیں۔ غزل، نظم، گیت۔ افسانے، مضامین سب کچھ بے تکان لکھ لیتی ہیں۔ ہندوستان کی ادب دوست خواتین میں آپ کو درجۂ امتیاز حاصل ہے۔

نمونۂ تغزل

قابلِ تحسین کیا یا مردئ راحل نہیں — عشق میں دل کو خیالِ دوریٔ منزل نہیں
اندمالِ اندرونِ میرے زخمہائے دل نہیں؟ — کیا میں تیری اک نگاہِ لطف کے قابل نہیں
آپ اور تشریف لائیں پرسشِ غم کے لئے — یہ اثر اتنی تو فریادِ دلِ بسمل نہیں
میری آہوں کو رسائی کی سعادت ہوگی — اک یہی مشکل ہے ورنہ امتحاں مشکل نہیں
کچھ نہ پوچھو اے ہمنشیں! کیفیت بزمِ خیال — مختصر یہ ہے سکوں اب تک مجھے حاصل نہیں
او ستمگر تو نہیں یہ فراموشی تری — آج مجھ کو یاد خود شیشۂ شکستہ دل نہیں

جو مسرت بن کے آئی وہ غم ہو گئی — دو مسرت بھی شریکِ قسمتِ غم ہو گئی
گردشِ ایام کو کیا ہو گیا حاصل سکون — کیوں شبِ غم ڈھل گئی، عمرِ کہن تمام ہو گئی
زندگی میں اے حیا کیوں ہے یہ ماتم بپا — کون سی چیز اس سرائے دہر کی کم ہو گئی

نمونۂ نظم

شبِ مہتاب میں

آسماں سے تا زمیں بکھرا ہوا ہے کیفِ نور — زندہ ہو ذکر گویا داستانِ کوہِ طور
لیلیٔ شب کا تبسم نور سے معمور ہے — اور رنگِ نور میں دوشیزگی مستور ہے
چاندنی سے ہو رہی ہے چپّے چپّے ضو فشاں — وادی و کہسار میں ہر ذرہ ہے تابش چکاں
ہر ستارہ مست ہے، بدمست ہے، بیہوش ہے — ذرہ ذرہ پہ عیاں اک مستیٔ خاموش ہے
تابشیں بکھری ہوئی ہیں دامنِ نظارہ پر — جم گئی ہے آنکھ دورِ انجمِ آوارہ پر
جوش پر احساسِ غم ہے شور ہے جذبات میں
اک تلاطم سا بپا ہے بحرِ محسوسات میں

اپنی اپنی قسمت

وہ ہو گا کوئی جسے زندگی میں راحت ہے — مری نظر میں تو جینا بھی اک مصیبت ہے
یقین ہو مجھے کیوں کر کہ ہے جہاں میں خوشی — یہ کس طرح سے مانوں یہاں مسرت ہے
یہ بات بھی نہیں ہوتی کسی طرح باور — کہ اس جہان میں فقط رنج اور کلفت ہے
تو پھر یہ مسئلہ حیا بتا دل کی کہتی ہوں
یہ غم نصیب ہے، اپنی اپنی قسمت ہے

برسات

آج پھر سبزہ خلد آرا ہے — یعنی برسات کا نظارا ہے
اوڑھ لی ہے زمیں نے سر تا سر — دلکش اور گہری سبز رنگ چادر
ہو گئے دشت آج لالہ زار — ہو گئے سبز پوش سب کہسار
باغ میں رنگ و بو کا ہنگامہ — دشت ہیں زمردوں کا مجموعہ
سارے منظر میں آج گل بوٹے — نور سے بھر گئی ہیں سب راہیں
ہے چمن میں بہار کا سیلاب — رشکِ جنت ہے عالمِ سیراب

بلبلوں کی نوا ہے گیت بدوش — پی کہاں کی صدا ہے خمار بدوش
شب کی گہری سیاہی میں ہر سو
جگمگاتے ہیں سیکڑوں جگنو (ناتمام)

رُباعی

دنیا نہیں مجھ کو اپنے گھر سے اچھی — عصمت رسوائی نظر سے اچھی
غربائی مغرب ہوئی جس سے رسوا — مشرق تری شام اس سحر سے اچھی

قطعہ

جو خیال سے بلند ہو بنا اک آسماں — عرش سے بھی جو بڑھ کے ہو اس کو آستاں بنا
تیری حیات کا فلک جس سے کہ جگمگا اٹھے — سعی و عمل کو نور سے اک نئی کہکشاں بنا

نمونۂ نثر

اُمید

پُررحم امید! تو میرے دل کو اپنا مسکن کیوں بنائے ہوئے ہے۔؟
جب تیرا طلسم باطل ہوجائے گا، تو مجھے نہ جانے کتنے تلخ آنسو بہانے پڑیں گے!!

تو میرے افقِ خیال پر سنہرے خواب میں طلوع ہوتی ہے
کبھی تیرے جلوے آفتاب کی سی شانِ تجلی لیے ہوئے ہوتے ہیں!
جس طرح آفتاب کائنات کو نور و روشنی میں ڈبو دیتا ہے اسی طرح تیرے جلوؤں سے میرا دل منور ہوجاتا ہے!
یاس کے دھندلکے چھٹ جاتے ہیں، لیکن — آہ! چند مختصر ثانیوں کے لیے ——!

اس کے بعد پہلے سے بھی زیادہ شدید تاریکیاں چھا جاتی ہیں ——!
کبھی تو ان معصوم روشن ستاروں کی طرح آتی ہے، جو ہمیشہ اندھیری راتوں میں طلوع ہو کر آسمان کو حسن اور زندگی بخشتے ہیں —— رات بھر چمکتے ہیں اور صبح ہوتے ہی آسمان کا نور اور حسن لیکر غائب ہوجاتے ہیں،

تیرا سلوک بھی میرے دل کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے!
تو یاس و الم سے مغلوب ہو کر میرے دل کی سطح سے اٹھ جاتی ہے:
تیری تابانیاں ظلمت سے بدل جاتی ہیں!
تو میری حسین آرزوؤں اور شیریں مگر مبہم خوابوں کو اپنے ہمراہ جانے کہاں لے جاتی ہے۔؟
وہ خواب جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے!
وہ آرزوئیں جن کیلئے، شاید مٹ جانا ہی مقدر کیا جا چکا ہے ——
آہ! پُررحم امید!!
اے وہ! جو مجھے خیالی اور موہوم مسرتوں سے ہمکنار کرتی ہے —— اور پھر —— جب اس کا طلسم باطل ہو جاتا ہے تو —— دل شکستہ و مضمحل چھوڑ کر چل دیتی ہے!
پہلے تو میرے دل کی مملکت کو شیریں اور دلفریب خوابوں سے معمور کرتی ہے، پھر ان آرزوؤں، اور مٹ جانے والی خوشیوں سے مملو کر دیتی ہے —— اور پھر یاس کی مہلک تیغ چشم زدن میں اس نگری کو اجاڑ کر رکھ دیتی ہے، جسے تو نے میرے مستقبل کے درخشاں، مگر تصوری مناظر سے بصد نزاکت سجایا تھا!

آہ! اے امید! کاش یہ مناظر غیر تغیر پذیر ہوتے! —— مگر اب جبکہ وہ غیر تغیر پذیر نہیں ہیں تو —— میرے ساتھ تو یہ کھیل کیوں کھیلتی ہے ؟

www.taemeernews.com

(نور) گوہر اقبال صاحبہ میرٹھی (۹۹)

آپ کا نام گوہر اقبال اور تخلص نور ہے۔ آپ کے والد محترم کا اسم گرامی صوفی محمد نظیر حسن زبیری ہے۔ نور صاحبہ ۱۳ دسمبر ۱۹۱۲ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد محترم مارہرہ شریف کے زبیری خاندان کے مشہور و معروف بزرگ ہیں۔ اور مارہرہ ہی آپ کا وطن ہے۔ آپ خورشید اقبال صاحبہ حیا میرٹھی اور جناب تاج زبیری میرٹھی کی چھوٹی بہن ہیں۔ نور صاحبہ کو پانچ سال کی عمر میں مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا۔ ابتدائی تعلیم اردو اور کلام پاک وغیرہ کے بعد آپ کو گھر ہی پر تعلیم دی گئی۔ چونکہ گھر کا ماحول تعلیمی تھا اس لئے بغیر کسی زور و جبر کے آپ کے شوق نے خود انگریزی اور فارسی و عربی کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اردو کی اعلیٰ کتابیں اور رسائل بھی آپ کی نظر سے گذرتے رہے۔ اس طرح علوم مشرقیہ میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہو گئی۔

آپ کی بڑی ہمشیرہ حیا صاحبہ کو شعر و شاعری سے حقیقی عشق تھا اور آپ کے بھائی جناب تاج صاحب جب مشاعروں سے واپس آتے تو آپ کو ان کی روداد سناتے ان دونوں باتوں سے اثر لیتے ہوئے آپ کا فطری ذوق ابھر آیا اور آہستہ آہستہ ترقی کرتی گئیں۔ آپ نے سب سے پہلی نظم ۱۹۲۶ء میں کہی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ماہنامہ "پیمانہ" اپنے پورے شباب پر تھا۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے حیا صاحبہ کی وساطت سے اپنا کلام حضرت مولانا سیماب مدظلہ کی خدمت میں بغرض اصلاح بھیجا اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کی غزلیں۔ نظمیں اور فسانے وغیرہ پیمانہ، عصمت، حجت، سہیلی۔ خاتون مشرق۔ چاندنی۔ نیرنگ خیال۔ لیلیٰ۔ ساقی، شاہد اور خلافت وغیرہ میں شائع ہونے لگے۔ آپ کو ذوق شعری کے ساتھ ساتھ دیگر فنون لطیفہ سے بھی دلچسپی ہے مثلاً موسیقی اور مصوری وغیرہ وغیرہ شاعری پاکیزگی جذبات کی حامل ہے اور رنگینی خوش ذوقی نے مل جل کر کلام میں کیف پیدا کر دیا ہے آپ کی طبیعت تنہا پسند ہے۔ عموماً طبیعت کے خلاف بات اور خصوصاً غم والم سے بہت جلد متاثر ہو جاتی ہیں۔ غزل سے زیادہ نظم کی طرف طبیعت کا رجحان ہے۔ نثر عبارت لکھنے میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ ان کی تحریر میں ایسے ادبی لطائف ہوتے ہیں جو اکثر ادبا کی تحریروں میں بھی نہیں ملتے۔

نمونۂ غزل

گلہ اگر ہے تو ہے چشم خوں فشاں سے مجھے — نہیں ہے کوئی شکایت غم نہاں سے مجھے
تسلیاں ہی میں انجام کار بن نہ گئی — کھلا فریب وفا ان کا امتحاں سے مجھے
تجھی سے مجھ کو شکایت ہے کاتب قسمت — گلہ نظر کا اُن سے نہ آسماں سے مجھے
تمہیں گراں ہو نظروں سے وہ ادائے ناکامی — نہیں ذکر نہ بیگانہ دو جہاں سے مجھے
اسیر ہونے کا عالم ابھی نظر میں ہے — نہ دور جانا اب آشیاں سے مجھے
وہ انقلاب نہ آیا ہیں جس سے شہ جاتی — گریز ہو گیا نیرنگی جہاں سے مجھے
یہ مسلک ہے وہ لفت میں فنا کے لئے — نشان بنانا ہے بے نشاں سے مجھے

نہ نور پوچھ رہا ہے وہ بھی شام تنہائی
نہ گلہ ہے یہ اب تو آسماں سے مجھے

نمونۂ نظم

پریم ساگر کی ایک رات

وہ دُن پر اُداسی چھاری ہے — دل غمناک کو بیقراری ہے
فسردہ رات کی تاریکیوں میں — مری تخئیل محو آہ و زاری ہے

ہوائیں چپکے چپکے چل رہی ہیں — مری ہر سانس رک رک آ رہی ہے
ستاروں کی نگاہیں تھک گئی ہیں — کہ دنیا ان کی سوئی جا رہی ہے
سمندر، رات، اور طوفان امڈا — مری کشتی کہ بہتی جا رہی ہے
کناروں پہ درختوں کے وہ سائے — وہ لمبی گھاس جو لہرا رہی ہے
پرندے پر سمیٹے سو رہے ہیں — ہوا کچھ ہولے سی گا رہی ہے
وہ جگنوؤں سے بھرا شاداب جنگل — مسلسل جن کی خوشبو آ رہی ہے
میں سب سے دور ہوتی جا رہی ہوں — مجھے ہر چیز چھوڑے جا رہی ہے

افق پر وہ اک ننھا سا تارا
امیدِ دل کا وہ دھندلا سا سہارا

چمک کر منہ پہ چھپا رہا ہے وہ — کرن بھی اس کی دھندلی آ رہی ہے
مرا کھویا ہوا وہ عہدِ ماضی — اسی کی یاد دل پہ چھا رہی ہے
تصور میں ہوا اک گزرا زمانہ — پھر اک امیدِ دل گرما رہی ہے
مری تخئیلِ مسحورِ محبت — کہانی پھر وہی دہرا رہی ہے
تباہی میں مجھے ڈالا ہے جس نے — وہی امید پھر بہکا رہی ہے

شکستہ اور تنہا میری کشتی — دھندلکے میں بھٹکتی جا رہی ہے
آہ! دور تک ساحل نہیں ہے
محبت کس طرف لیے جا رہی ہے

نمونہ نثر

"رومان" سے

۱۔ اے رومان! اے جمالِ ازلی! میں تیرے ساتھ چلوں گی۔

تیری ضیائے بسیط نے ان تاریک اور مہیب زنجیروں کو شکستہ کر دیا ہے جو مجھے جکڑے ہوئے تھیں۔ اور ... اب میں تیرے ساتھ چل سکتی ہوں!

تو جہاں چاہے مجھے لے چل۔

مدت ہوئی۔ بہت مدت۔ جب میری آنکھیں تیری چمک سے ماندہ نہ ہونے پائی تھیں؛

میرا دل ایک سنگ ریزے کی طرح بے حس اور برف کی مانند سرد پڑا تھا۔ میں تیرے چمکیلے پروں کی ایک جھلک بھی نہ دیکھ سکتی تھی، جس وقت تک۔ تو میرے شہرِ حیات پر طلوع نہ ہوا تھا، تو میرے لمحاتِ زندگی اس طرح بسر ہو رہے تھے جیسے کوئی رہرو حیات اپنے جادۂ دعا سے بھٹک کر کسی ہیبتناک اور تاریکیوں سے گھرے ہوئے غار میں گر پڑا ہو۔

کسی میں دلکشی نہ تھی۔ ہر پھول بے رنگ و بو تھا۔

پر مسرت قہقہے۔ عشرت آمیز نغمے۔ ایک دلدوز چیخ معلوم ہوتے تھے۔

دل میں کوئی تڑپ نہ تھی۔

شاید ..... مایوسیوں کے طوفان خیز دریا کی تاریک اتھاہ گہرائیوں میں اس قدر ڈوب جاتی کہ پھر کبھی نہ ابھر سکتی ..... کہ ..... ایک طاقت بے پناہ ..... ایک اثر ..... ایک سحر ..... اچانک مجھ پر چھا گیا ۔۔ اور اس تباہ کن اندھیرے سے جو ہر طرف چھایا ہوا معلوم ہوتا تھا، میری امیدوں، تمناؤں، اور لاتعداد آرزوؤں کے مرکز دل کو ابھار دیا۔

میری آنکھیں اندھی ہونے کے باوجود روشن ہو گئیں۔ ہلکی ہلکی نرم کرنوں نے مجھے گھیر لیا؛ اور میں نے دیکھا کہ

اے رومان! تو ایک تابناک سورج کی طرح میرے سر پر پرتو فشاں تھا۔

تو نے اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ طلوع ہو کر میرے تاریک خانۂ دل کو جگمگا دیا۔

اس سورج سے زیادہ بلند و روشن رومان! اب جبکہ تیری پرتو نے میرے ہر ذرۂ دل میں تابشیں تخلیق کر دی ہیں۔

تو نے اپنا سحر انگیز راگ میرے کانوں تک پہنچا دیا ہے۔

اپنے بازو بھی میری سمت پھیلا دے

میں تیرے ساتھ چلنے کو تیار ہوں تو جہاں چاہے لے چل۔

نسیمہ — مسرت جہاں صاحبہ اکبرآبادی ثم الدہلوی — ۱۰۰

آپ کا نام مسرت جہاں اور نسیمہ تخلص ہے۔ والد محترم کا اسم گرامی فخر الاطباء خانصاحب حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر اکبرآبادی ہے۔ آپ ۵ دسمبر ۱۹۱۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم مذہبی کے بعد اردو فارسی کی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔

چونکہ آپ کو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاندان سے تعلق ہے اور ایک حکیم و فاضل باپ کی بیٹی ہیں اس لئے خاندانی اور موروثی اثر کے تحت آپ بارہ سال کی عمر میں مضامین لکھنے لگیں۔ ادھر خدا اور رسول کی محبت سے آپ کے جذبات بڑھتے نتیجہ یہ ہوا کہ نثر نگاری کے ساتھ ساتھ ۱۹۲۲ء میں آپ نعتِ رسول کریم صلعم اور حمدِ ربِ قدوس کے کیف و کم میں سرشار ہو کر رہ گئیں۔ اسی زمانہ میں حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ دہلی تشریف لے گئے اور اپنے دیرینہ دوست خانصاحب حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر کے دولتکدہ پر قیام فرمایا۔ حکیم صاحب نے بہن نسیمہ کو مولانا مدظلہٗ کی شاگردی میں دیدیا اور بذریعہ خط و کتابت اصلاح کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

۱۹۳۲ء میں آپ کے نعتیہ کلام کا ایک مختصر مجموعہ "فکر معصوم یا مقدس کلیاں" کے نام سے منظرِ عام پر آکر بہت مقبول ہوا۔ جو مفت تقسیم کیا گیا تھا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۳۲ء کو آپ کی شادی محمد عبدالحمید صاحب قریشی بی اے سے ہو گئی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ شادی کے بعد لڑکیاں خانہ داری کے مشاغل و انتظام میں ایسی مصروف ہو جاتی ہیں کہ ادبی ذوق و شوق یکسر فنا ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن بہن نسیمہ کا محبوب مشغلہ نعت گوئی، کتب و اخبارات اور رسائل کا مطالعہ برابر جاری ہے۔ وہ اس قسم کی شاعری کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتی ہیں۔

نمونۂ غزل

دہ نہیں سکتا کوئی حسنِ پیمبر کا جواب　　ل نہیں سکتا کہیں بھی روئے انور کا جواب
سارے گل سارا گلستاں خشک ہو کے بھی نہیں　　ہے کہاں دنیا میں ان کی زلفِ عنبر کا جواب

یا نبی دامنِ رحمت میں چھپانا مجھ کو　　عرصۂ حشر میں جب ہوگا گنہگار طلب

سب کام میرے ہو گئے ان نام آپ سے　　بے ساختہ کہہ اٹھی میں ہر بار محمد

مدینے بلالیں مجھے میرے مولا　　مری شامِ غم کی خدایا سحر ہو

طور کی شمع کا پروانہ ہے ذوقِ موسیٰ　　میری آنکھوں سے تو دیکھو کہ مدینہ کیا ہے
آپ کے رخ کی قسم آپ کی زلفوں کی قسم　　میرے دن رات یہ ہیں پھر مجھے سودا کیا ہے
نہ سہی مجھ کو جنت نہ ملی اسے واعظ　　میں نے دیکھا ہے مدینہ مجھے پروا کیا ہے
اے نسیمہ شہِ لولاک سے دنیا ہے بہشت　　ورنہ اس بزم گہِ خاک میں رکھا کیا ہے

آرہی ہے شافعِ محشر کے قدموں کی صدا　　فرشِ رہ ہر چشمِ مومن عرصۂ محشر میں ہے

تمہارے نور سے دنیا کا ذرہ ذرہ روشن ہے　　شبِ ظلمات کفر کی جب زیبا ہے وہ ضیا تم ہو

عشقِ احمد میں مرے واسطے کافی ہے یہ بخشش　　مجھ کو فردوس کی مطلب میں نہیں گزر طلب
ہے ترے واسطے خاکِ درِ احمد کافی　　ہے یہی تیری دوا اے دلِ بیمار طلب
سر کو جھکاؤں شبِ تیرہ میں در سے یثرب　　ہے مری واسطے آساں یہ تمنا طلب

آئینہ — بنیادی بیگم صاحبہ فرخ آبادی — ۱۰۱

بنیادی بیگم نام۔ آئینہ تخلص۔ فتح گڑھ کے زنانہ مدرسہ سرکاری میں معلمہ ہیں۔ آپ کے دل میں علم کی محبت جنون کے درجے کو پہونچی ہوئی ہے۔ اور تحصیلِ علم و کمال کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکی ہیں۔ آپ کو علمی ترقی اور علمی امتحانات پاس کرنے کا بیحد شوق ہے۔ اور ہر سال آپ کوئی نہ کوئی امتحان دیتی رہتی ہیں۔

ذوقِ شاعری بھی آپ کے علمی شوق کا نتیجہ ہے۔ اور آپ نے اپنی علم دوستی کی وجہ سے ہی شاعری کو اختیار کیا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں آپ نے مولانا مدظلہ سے ذریعۂ خط و کتابت رشتۂ شاگردی قائم کیا۔

آپ کو مولانا مدظلہ سے بیحد محبت ہے۔ ۱۹۳۲ء میں جب مولانا کو سارن گنج ممالکِ متوسط سے واپسی میں "مان ندی" کا حادثہ پیش آیا تو آئینہ صاحبہ نے اس وقت اپنے جذبات کا اظہار نظم کی صورت میں کیا ہے۔ نظم تاج میں شائع ہوئی ہے۔ اس نظم سے آئینہ صاحبہ کی حسرت محبت و سعادت کا اظہار ہوتا ہے بلکہ ان کی طبیعت کی روانی بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ کی شادی ہو چکی ہے اور آپ ایک دختر کی والدہ بھی ہیں جن کا نام فاطمہ بیگم ہے۔

حادثۂ مان ندی کے بعد جو نظم آپ نے کہی وہ پیش کی جاتی ہے۔

نمونۂ نظم

حادثۂ مان ندی کے بعد

اپنے شفیق استاد علامہ مولانا سیماب مدظلہ کی جناب میں ایک حقیر تحفہ (کیا)

جوش پر آئی ہوئی موجِ پریشاں کی قسم — مان ندی کے قیامت خیز طوفاں کی قسم
موت کی جب بن نظر آتی تھی ہیبتناک شکل — ان مناظر میں فضائے خوف ساماں کی قسم
تھی جو کشتی[1] میں قسم اس غمزدہ خاتون کی — تھا جو اس کی گود میں اس طفلِ نادان کی قسم
یاد جب آتا ہے وہ نظارۂ طوفانِ بحر — سانپ سا لوٹتا ہے زلفِ پریشاں کی قسم
جب وہ خود مستعد تھا ناخدائی کیلئے — کیا مقدس وقت تھا مریم کے داماں کی قسم
آج تک جب مینا[2] کی نظر آتی ہے نظر — دل بہت بیچین ہے خورشید تاباں کی قسم
دیکھ لوں کس طرح اپنے مہرباں استاد کو — میری نظریں مضطرب ہیں چشمِ حیراں کی قسم

چال سوچی تھی بری چرخِ ستم ایجاد نے
از سرِ نو زندگی پائی مرے استاد نے

کر سکی شکرِ خوشی جیسا تھا شایاں نہیں — آج جو آنکھوں میں طوفاں ہے وہ بارانِ نیساں
میں نچھاور کر رہی ہوں تجھ پہ موتی اشک کے — اور کوئی چیز دامانِ تمنا میں نہیں
یہ وہ موتی ہیں حقیقت کو مری جن کا جواب — کوہساروں وادیوں میں اور صحرا میں نہیں
ہیں تری ذہنِ منور میں خزانے شعر کے — ہے وہ کیا دولت جو میری فکرِ زیبا میں نہیں
تیرے دامن سے ہیں وابستہ ہزاروں کشتیاں — آج تجھ سا نامور شاعر کی دنیا میں نہیں
اک نگاہِ لطف مجھ پر بھی کہ ہوں تیری کنیز — کوئی میرا رہنما اس راہِ تمنا میں نہیں
تجھ سے امیدیں ہیں وابستہ حصولِ علم کی — اور حسرت کوئی قلبِ موج آسا میں نہیں

کی رہا کشتی تری اللہ نے طوفان سے
تو بھی کر مجھ کو سبکسر علم کی ہیجان سے

[1] اس کشتی میں ایک ہندو خاتون اور اس کے دو بچے بھی تھے۔
[2] محمد صادق صاحب مینا بی اے۔

نسرین — عزیز عابدہ خانم مرحومہ متھراوی — ۱۰۲

عزیز عابدہ خانم نام، نسرینؔ تخلص۔ منشی ذکاءاللہ وکیل متھرا کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ اور عابد رضا خاں صاحب جمالؔ صابری سیمابی کی بیوی تھیں۔ جمال صاحب کو ان سے بیحد محبت تھی۔ بڑی سلیقہ شعار اور علم دوست خاتون تھیں۔ شادی کے بعد اپنے شوہر کے ذوقِ شعری سے متاثر ہو کر خود بھی شعر کہنے لگیں۔ اور چونکہ ان کی خسرال میں کئی شاعر تھے اس لئے ذوقِ شاعری کی تکمیل میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی۔

ابتدائی ذوقِ شاعری کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنے شوہر کی تحریک پر مولانا مدظلہٗ کی طرف رجوع کیا۔ آپ کی اکثر غزلیں اور نظمیں پیمانے میں شائع ہوئیں۔ افسوس کہ آپ کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ آپ بہت اچھی شاعرہ ہوتیں۔ ۱۹۳۳ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ ایک بچہ شاہد جمال آپ کی یادگار ہے۔ جمال صاحب کو اپنی مرحومہ بیوی سے اس قدر محبت تھی کہ آپ نے اب تک دوسری شادی نہیں کی۔

نمونۂ نظم

عورت اور عمل

خلا میں سانس ہی کچھ کام لینا بھی عمل ہی تھا — گری اور گر کے دل کو تھام لینا بھی عمل ہی تھا
زبانِ لا بیاں سے کام لینا بھی عمل ہی تھا — سحر سے آنکھ کو وقتِ شام لینا بھی عمل ہی تھا
کمر پر گیسوئے شب فام لینا بھی عمل ہی تھا — مذاقِ جم سے ذوقِ جام لینا بھی عمل ہی تھا
جھکا کر سر ترے احکام لینا بھی عمل ہی تھا — شبِ تاریک میں آرام لینا بھی عمل ہی تھا

مقدر میں غم و آلام لینا بھی عمل ہی تھا — بلا گردشِ ایام لینا بھی عمل ہی تھا
سرِ منزل حسابِ گام لینا بھی عمل ہی تھا — نظر سے امتحانِ بام لینا بھی عمل ہی تھا

مری ہر سانس جب اسرار پنہاں عمل ٹھہری
تو میری زندگی کیوں مقدر حاصلِ عمل ٹھہری

مرے سینے میں جب مضطر ہی کا ر دو جہاں یا رب — تو کیوں مقدور رکھتی ہیں مجھ کو ناتواں یا رب
مری آواز پہ چلتی ہیں جب سب کارواں یا رب — مری آواز پہ جب جھکتی ہیں بادباں یا رب
تکلم پہ مری جب ٹوٹ پڑی رنگِ بیاں یا رب — مری چپ پر کرتب ریز ہی جب ترجماں یا رب
جبیں فرزندِ ہر سر جب ہی میرا آستاں یا رب — مری در گاہ میں جب سلاطین زمانہ یا رب
مری انداز پہ جب مقدر کی تپش ہی یا رب — مری ہر زمیں جب اس مقدر میں ستاں یا رب
مری انداز سے جب مل گئی کوہ گراں یا رب — مری ہر سانس سے جب کٹ گئی ہفت آسماں یا رب

تو کیوں سدِ سدِ راہ کی جاری ہو کار ادا ہو کر
مسافر زندگی ہو ختمِ منزل کا نشاں ہو کر

مجھی اک سانس تو لینے دو قدرت کی اداؤں میں — مجھے کچھ کام کرنے دو دو نظر کی کرسازی میں
ہزاروں حکمتیں پنہاں ہیں میری گفتگو بازی میں — ہزاروں قوتیں ہیں ایک میری دلنوازی میں
وہ میرا فلسفہ تھا اجتہاد فخر رازی میں — جھلکتی تھی مری فطرت تجلائے ایازی میں
میں دریا دہ محرک ہر عراقی و حجازی میں — میں ہی بید وہ جیالہ ہر لڑائی رنگ مجازی میں
چمن کی رنگ ریزی میں کی کے لالہ بازی میں — عجب نیرنگ ہیں میری نقوش نیازی میں
مری آزادیاں تکمیل ہیں بہت گلوں ازی میں — پھر آخر دیر کیوں ہے تنگ ہو میری ہی نماز میں
مری پابندیوں کو نذرِ عشقِ عمل کر دو — مجھ کو نذرِ دکر دو اور مجبور عمل کر دو

نوٹ:۔ رابعہ خاتون پنہاںؔ اور بلقیس جمال جاںؔ بھی مولانا مدظلہٗ سے ایک عرصے تک اصلاح لیتی رہی ہیں۔ اب شادی ہو جانے کے بعد ان دونوں شاعرہ خواتین کا ذوقِ شعری خاموش ہے۔

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

یادِ رفتگاں

"تلامذۂ خلد منزل"

۱۹۳۷ء

چھپنے والی صورتوں کو دے نہ الزامِ حجاب
خاک میں کر دی گئیں پنہاں، کہ پنہاں ہو گئیں؟
سیماب

www.taemeernews.com

آسودگانِ منزل کے نام!

موت تو انسانِ فانی کے لئے قانون ہے — فطرتِ شاعر بقائے خاص کی ممنون ہے
نفسِ شاعر فطرتاً نقشِ فنا پیرا نہیں — یعنی اس کی زندگی میں موت کا جھگڑا نہیں — (سیماب)
زندگی اس کی نشاطِ روح کی تفسیر ہے — موت اسکے محو ہو جانے کی اک تصویر ہے

دنیا کی رنگینیاں اور بوقلمونیاں اپنی جگہ کتنی ہی جاذبِ توجہ کیوں نہ ہوں، لیکن واہ ‌ کے ساتھ کبھی کبھی آہ ۔ —— بھی نکل ہی جاتی ہے موت کا مضبوط چنگل نہ تو امیر کو چھوڑتا ہے نہ غریب کو۔ نہ حکیم کو نہ فلسفی کو نہ شاعر کو اور نہ ادیب کو۔ غرض یہ وہ تلخی ہے جو مرنے والے کے لئے بادۂ سکوں اور آنسو بہانے والوں کے لئے باعثِ اضطراب ہے۔

میرے دیکھتے دیکھتے میرے کتنے ہی معنوی بھائی یعنی حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے ہونہار شاگرد بساطِ دہر کی شعر سامانیوں اور رنگینیوں کو نذرِ روح بادہ بنکر اڑ گئے —— آج ان کی یاد سے ان کے ہر عزیز کا سینہ گرم ہوگا۔ لیکن مجھ سے پوچھئے جب میں تمام تذکرے ختم کرچکا اور اپنے یہ مرحوم بھائی مجھے یاد آئے تو دل بکھر خون بنکر رہ گیا۔ ان میں آگرہ اسکول کے ایسے ایسے ہیرے تھے جن سے مستقبل کو درخشانیاں ملتیں۔ لیکن اللہ رے —— بے نیازی کہ بجائے دنیا کو اپنے نفس سے شعلہ بار کرنے کے آسمانوں پر نور باریاں کرنے چلے گئے۔

میرے مرحوم بھائیوں کی روحیں مجھ سے مطالبہ کر رہی ہیں کہ میں ان کا ذکر بھی ضرور کروں۔ اور حقیقتاً اس تذکرے کی اشاعت سے میرا مقصدِ اوّل یہی تھا کہ میں اپنے تمام مرحوم بھائیوں کے کلام و کام کو یکجا کروں لیکن افسوس کہ صرف چند مرحومین کے حالات اور تصویریں مل سکی ہیں اور میں انہیں پر اکتفا کر رہا ہوں۔ ان مرحوم زخشندہ ستاروں میں جو ابھی غروب ہو چکے ہیں حاجی محمد عمر قمر اکبرآبادی مرحوم۔ ارشاد نظامی اکبرآبادی مرحوم۔ سید عباس علی سرور اکبرآبادی مرحوم۔ غلام حسین تفریح بی۔ اے ایم نشری مرحوم۔ محمد حنیف ہاشمی بی۔ اے مرحوم۔ محمد یٰسین ملک شہلا مرحوم۔ منشی بدیو بہائے صحرائی سروری سیمابی مرحوم مہر آلہی انجم میرٹھی مرحوم بشیر الدین بشر اکبرآبادی۔ احمد بخش تاب نصیرآبادی مرحوم۔ غلام جیلانی قمر اکبرآبادی مرحوم منشی الطاف حسین جوہر اکبرآبادی مرحوم جان محمد اسمٰعیل سیشہ بنائی مرحوم۔ منشی امیر الدین نظر اکبرآبادی مرحوم۔ شفیع احمد وفا شمسرادی مرحوم وغیرہ ہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ میں **یادِ رفتگاں** کے اس حصّہ کو ایصالِ ثواب فاتحہ کے بعد

"اِن مقدّس اور شعر پرور روحوں"

کے نام معنون کرتا ہوں۔ جن مرحوم برادرانِ عزیز کے حالات میں اس حصّے میں نہ دے سکا اُن کی روحوں سے معافی خواہ ہوں۔

اعجاز صدیقی اکبرآبادی

انجم — شیخ مہر الٰہی میرٹھی مرحوم — ۱۹۴

آپ کا قدیم وطن "نیران" راجپوتانہ تھا۔ آپ کے مورثانِ اعلیٰ نے غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے نیران سے ہجرت کی اور میرٹھ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے جدِ امجد کا نام شیخ عبداللہ تھا۔ آپ کے پدرِ بزرگوار کا نام فضل الٰہی ہے۔ آپ خاندانِ شیخ سے تھے اور شجرۂ نسب جو قصیٰ سے ملتا تھا جس کی تاریخِ عرب میں کافی شہرت حاصل ہے۔

انجم مرحوم میرٹھ میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے اور دینی تعلیم اپنے والد کی نگرانی میں مکمل کی۔ اس کے بعد ابتدائی تعلیم مدرسۂ اسلامیہ ال کرنی میرٹھ میں پائی اور مرزا محمد تقی صاحب منشی فاضل سے اردو فارسی پڑھی۔ آپ نے ہندی اور انگریزی تعلیم اپنی ذاتی کوششوں سے حاصل کی تھی اور اس میں بھی کافی دستگاہ حاصل کرلی تھی۔

مرحوم کا ذوقِ شاعری گو ورثۂ پدری نہ تھا لیکن قدرت نے ابتدائے سنِ شعور ہی سے آپ کو ایک لگاؤ بخشا تھا اور اسی لگاؤ نے آپ کی علمی اور لسانی قابلیت کو بہت زیادہ تقویت پہنچائی تھی یہاں تک کہ نوعمری ہی میں تصنیف و تالیف کی طرف رجحان ہوگیا تھا "ہنگامۂ میرٹھ" کے عنوان سے مرحوم نے ایک کتاب لکھی تھی جو عوام میں بہت مقبول ہوئی۔ مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسی موضوع پر دو کتابیں "خاطرِ غمناک" اور "میرٹھ کی لوٹ" لکھی گئیں۔

جب آپ اچھے شعر کہنے لگے تو قاضی ظہیر الدین صاحب ظہیر میرٹھی کو اپنا کلام دکھایا اور انہیں سے علم عروض حاصل کیا پھر کچھ عرصہ بعد ۱۹۲۲ء سے حضرت مولانا سیماب مدظلہ کے شاگرد ہوگئے۔ مرحوم کو قصرالادب سے یگونہ لگاؤ تھا اپنے استاد محترم کے متعلق ایک شعر ان کا بہت مشہور ہے۔

ماند پڑجاتے ہیں تارے تابشِ مہتاب سے
اور انجم میں چمک ہے پرتوِ سیماب سے

مرحوم کی شاعری مبالغہ اور غلو سے خالی ہوتی تھی۔ ایک پختہ سیرت۔ خلیق اور ملنسار نوجوان تھے۔ کوئٹہ میں ملازم تھے۔ کوئٹہ کے زلزلے کے بعد آج تک آپ کا پتہ نہیں چلا۔ نظم و غزل دونوں کہتے تھے۔

نمونۂ تغزل

وسعتیں کیا پوچھتا ہے حسنِ عالمگیر کی　　عرش تک قائم حکومت ہے اسی تنویر کی

دل میں جب آیا لئے جز و رگِ جاں کرلیا　　اور کیا کرتا حفاظت میں تمہارے تیر کی

اُٹھا جہانِ محبت میں ایک شورِ وفا　　غریبِ عشق نے دنیا سے جب وصال کیا

اُس کو منظور تھی نہ پرسشِ دل　　آرزو کامیاب کیا ہوتی
حسن بھی عینِ عشق ہو جاتا　　اس کی عادت اگر وفا ہوتی

کاوشِ عشقِ بتاں کا لطف ہم سے پوچھئے　　لذتِ یادِ خدا شیخِ حرم سے پوچھئے
ظلم کرنے کے مزے اہلِ ستم سے پوچھئے　　غم میں کیا کیا لطف ہیں یہ اہلِ غم سے پوچھئے
خاک تھوڑی سی کسی کے در پہ آکر جم گئی　　عشق میں کیا کرتے ہیں ہم کچھ نہ ہم سے پوچھئے
ہے ارادہ کیجئے دل یا تھمے ہوئے جگر　　آپ پروازِ خدنگِ ناز مت پوچھئے
کرگیا انجم طواف اپنے بتوں کے عشق میں　　کی شانِ حرمِ بیت اللہ [illegible]

www.taemeernews.com

صحرائی — منشی بلدیو سہائے سروری مرحوم — ۱۰۵

آپ کا پورا نام بلدیو سہائے اور تخلص صحرائی تھا۔ مرحوم پنجاب کے ایک ہونہار نوجوان تھے جن سے ملک کو بہت سی امیدیں تھیں۔ آپ محلہ غریب آباد کوئٹہ (بلوچستان) میں بسلسلۂ ملازمت ومدت تک مقیم رہے۔ اور کوئٹہ کے زلزلے کی نذر ہو گئے۔ مرحوم کی تمام زندگی ادبی خدمت میں گذری۔ ابتدائی دور میں حضرت سرور جہاں آبادی سے اصلاح لیتے تھے اور ۱۹۲۶ء میں حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ کے فیضِ عام سے بہرہ مند ہوئے اور اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک قبلہ مولانا کے انتہائی پرستار رہے۔

آپ نے عرصہ تک رسالہ "قوس قزح" لاہور کے مدیر خصوصی کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد کوئٹہ سے "نوشیرواں" نکالا جو انتہائی کامیابی کے ساتھ جاری رہا۔ مرحوم ہمیشہ اپنی بدقسمتی اور تہی دستی پر آنسو بہایا کرتے تھے اور غالبؔ مرحوم کی زبان میں اکثر رو ہو کر یوں فرمایا کرتے تھے۔

> گفتنی نیست کہ بر غالبؔ ناکام چہ رفت
> می تواں گفت کہ ایں بندہ خداوند نہ داشت

باوجود ان تنگ دستیوں اور پریشانیوں کے طبیعت میں اس درجہ خودداری تھی کہ کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کیا۔ اگر چاہتے تو بحیثیت ایک جرنلسٹ کے بے حد کامیاب ہو سکتے تھے۔ لیکن اس چیز سے مال و دولت حاصل کرنا آپ نے اپنے لئے بُرا سمجھا اور ہمیشہ خدمتِ ادب کے لئے اپنی ہی جیب سے کچھ نہ کچھ خرچ کرتے رہے اور قسمت پر شاکر رہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

> کوششیں کیں ہزار صحرائیؔ
> تھیں جو قسمت میں خواریاں نہ گئیں

اپنی زندگی کے آخری چند سالوں میں آپ نے ادبی دنیا سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک خط میں لکھا تھا۔

"میں گذشتہ سالوں سے متواتر مشکلات اور حالات کا مقابلہ کرتا رہا ہوں۔ خیالات کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے۔ ادبی ذوق جاتا رہا۔ آخر لکھوں تو کس کے لئے۔ کاش میں اپنی زندگی کے چند قیمتی سال محض شہرت کے حصول میں ضائع نہ کرتا۔ مگر میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ماضی کی نادانیوں پر آنسو بہاتے ہوں۔"

مرحوم غزل، نظم، اور نثر سب کچھ لکھتے تھے۔ آپ کے فن پارے ملک کے مشہور رسائل میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ موت سے چند سال پیشتر آپ نے امپیریل فلم کمپنی بمبئی کی فرمائش پر "پیاکی یاد" کے نام سے ایک فلمی ڈرامہ لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا۔ اور وہ ڈرامہ پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکا۔ مرحوم ساغرؔ صاحب، شفق صاحب صحرائی اور آغرؔ صاحب سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور ایک مرتبہ اپنے اُستادِ گرامی سے ملنے کے لئے آگرہ بھی تشریف لائے تھے۔ آپ کے مضامین نظم و نثر میں آپ کی طبیعت کا رنگ پوری طور پر جھلکتا تھا۔

www.taemeernews.com

نمونۂ تغزل

وہ زانو پر لئے بیٹھے ہیں وقتِ واپسیں مجھکو
محبت انتہا میں پھر پیامِ ابتدا لائی

نہ لائی کھینچ کر دل کو کہ قسمت پاک ہو جاتا
وہ قوت جو لبوں تک کھینچ کر لفظِ دعا لائی

میں گھر بیٹھے تری بزمِ طرب کا لطف لیتا ہوں
مری چشمِ تصور رنگِ محفل کا اڑا لائی

نہ لائی کوئی دن ایسا کہ جو عشرت فزا ہوتا
مصیبت یوں تو مجھ پر میری قسمت بارہا لائی

میں اپنے غمکدہ میں کیا کروں کالی گھٹاؤں کو
مری نظروں میں صحرائی یہ اک آفت ہی بلا لائی

نمونۂ نظم

دوشیزۂ صحرائی

جو میل اور تکلف سے کدورت سے بری تو ہے
جب جاتی ہو کھیتوں میں کھیتوں کی پری ہو

غنچے ترے ہونٹوں کے قالب ہیں تبسم کے
نغمہ بہ دہن طائر تشنہ ہیں تکلم کے

خاموش تری دنیا اور محوِ سکوں تو ہے
اب تک جو نہیں جاگا وہ ایک فسوں تو ہے

دنیائے تمدن میں ہمارے نہ آنا تو
محشر میں تصنع کے بیکار نہ آنا تو

سب جانتے ہیں تجھکو گلشن کی شہزادی
لیتے کا چلن سادہ جینے کی روش سادی

جو کچھ ہے سکوں تجھکو شاہوں کو نہیں حاصل
شورش سے بھری دنیا رہنے کو نہیں قابل

زیبندہ ہے وادی میں مٹی کی کہانی بن
باغوں میں جو آئے کونپل کی بجا دے بن

جنگل کی ہواؤں میں کٹنا ہے ترا اپنی
کہساروں میں گو جوانی مسموم صبا اپنی

صحرائی کہے تجھ سے اک بلبلِ بیابانی
دوشیزۂ فردوسی دوشیزۂ دہقانی

نمونۂ نثر

پپیہا

جنگل آم کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ آم کے بور کی بھینی بھینی پرکیف لپٹیں صحرا میں عطرپاشی کر رہی تھیں مگر پرندوں کی دنیا خاموش تھی ابھی ان میں زندگی کی لہر دوڑی نہ تھی۔ ابھی وہ اپنے گھونسلوں، آشیانوں اور نشیمنوں پر کسی اک اٹھنے والی آواز کے منتظر تھے اور اس خاموشی میں بہنے والی آبشاروں میں ابھی وہ روانی پیدا نہ ہوئی تھی۔ جو آبروئے صحرا کہی جا سکے۔ یکایک آم کی سبز اور شاداب پتیوں میں ایک ننھے مختصر نے انگڑائی لی۔ ایک طائرِ بہشتی، ایک مرغِ سدرہ نشیں، اور ایک سراپا محبت ہستی نے اپنے پر پھڑپھڑائے۔ پتیوں میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور ایک دل کھینچنے والی آواز سنائی دی۔ پی ہو۔ پی ہو، سے جنگل جاگ اٹھا۔ درختوں نے آنکھیں کھولیں، غنچے مسکرائے۔ پرند پھریری لے کر سر بسر ساعت مجسم ہو گئے۔ محبت آموں کے باغ میں ناچتی ہوئی نظر آنے لگی بہار کی بیرنگنی کوئل اپنی جلتی ہوئی خاکستر محرک کو لئے ہوئے پھولوں کی کنج سے نکل آئی، اور کو کو کرتی ہوئی سچے پیغام کو سننے لگی۔

پریم کے رس میں ڈوبا ہوا پپیہا، مینھ کی اچھوتی بوندوں میں نہایا ہوا کی لطیف گو دن میں جھوما۔ فطرت کی صد رنگ کیفیتوں میں یکرنگی کا شاہدہ کرکے ہر برگ و بار، پھول و خار میں یار کا چہرہ دیکھکر چلانے لگا، پی ہو، پی ہو۔

کوئل کو کو کرتی رہی اور بے فنائی الکیف نکلی اپنی دبیع نظروں سے پی کا دیدار دیکھکر مست اور پرجوش ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ بہار آئی اور چلی گئی اور اپنے ساتھ وہ مناظر بھی لیتی گئی۔ جن کے پردے میں کسی کا چہرۂ زیبا جگمگا رہا تھا۔

پپیہے، پرندوں کے سرتاج پپیہے، میں بھی تشنۂ دیدار ہوں میں بھی اپنے محبوب کی صورت جنگل کے درختوں اور باغ کے پھولوں میں دیکھنا چاہتا ہوں تو مجھے اپنی آنکھیں دے تاکہ میں اُسے دیکھ سکوں، اپنے نغمے میرے دل میں بھر دے کہ میں تیری طرح اپنی دردمندانہ آواز کسی کو سُنا سکوں۔ اپنے رنگ میں مجھے رنگ دے اپنی مہک میں مجھے بھی بسا لے اور اپنے درد سے میرے دل کو بھی گرما دے تاکہ میں بہار خانۂ ہستی میں اسے تلاش کر سکوں اور جب وہ مل جائے تو اُسے اپنے دُکھے ہوئے کلیجے سے لگا سکوں۔

"پی" کے عاشق پپیہے، تیری صورتیں میرے دل پر نقش ہو چکی ہیں۔ میرا دل تیرے نغموں سے چوٹ کھا چکا ہے۔ پھر چوٹ کھا کر پپیہا بننا چاہتا ہے، میرا دل اس کے بغیر فراق نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، شوقِ دیدار نے ہر ٹکڑے کو پر لگا دیئے ہیں۔ یہ ٹکڑا اس کی تلاش میں پپیہا بن کر اڑنے والا ہے تو اپنے دل کی آگ میرے دل میں بھر دے، میں بھی اُڑ کر اپنے پی سے جا ملوں۔

تاروں بھری رات

پردۂ گل چاک کر کے سیر کو نکہت چلی
نو عروسانِ چمن سے کھیلنے جنت چلی
آہ یہ تاروں بھری رات اور یہ ہیجانِ دل
ہوں اکیلا اور کوئی بھی نہیں مہمانِ دل
عکس سے تاروں کے بھی پیدا چمک ہوتی نہیں
کس قدر تاریک ہے یہ خلوتِ ویرانِ دل

نرالا ساتھی

آہ اے فردوسِ رنگیں اے مجسم لالہ زار
یہ تری کافر جوانی، یہ ترا عالم نکھار
دل رُبا و کیف بار
انتخابِ روزگار
نوجوان و نوبہار
کافر و زاہد شکار
آفتابِ حُسن دُنیا کے اجالے میں ہے تو
زہرۂ صد رنگ ہستی کے قبالے میں ہے تو

آہ یہ قشقہ یہ سُرخی مانگ میں سیندور کی
یہ مچلتی آنکھیں یہ چتون، صورت نور کی
یہ ضیا بلور کی،
مستیاں انگور کی
تو ہے مستی حور کی
یا ہے بجلی طور کی
یہ ترا رنگیں تبسم شعلۂ جذبات ہے
تاب تیرے حُسن کی شمعِ تجلیات ہے

اُف یہ اعضا کا تناسب اُف یہ رانیں گداز
زہے اک عصمت کی دیوی جیا دیا کباز
اجتماعِ ورد و ناز
محشرِ راز و نیاز
لعبتِ عاشق نواز
نزہتِ گلشن طراز
زندگیٔ حُسن کی فطرت نے پالا ہے تجھے
صانعِ کونین نے سانچے میں ڈھالا ہے تجھے

تیری رگ رگ سے نمایاں ہو رہا جوشِ شباب
جا بجا پیکر سے تیرے پھوٹ نکلی ہے شراب
اے نگارِ لاجواب،
اے بہارِ بے حجاب
صد بہار و صد گلاب
ہوش و آئینہ تاب
تیرے جلوے دیکھ کر محو میں پیر و الیاں
رشک کرتی ہے تجھی کو حورِ جنت دلبراں

اے شگفتہ پھول کو بلبل ہے تجھ سے بیکلی
اس کے کیوں اتنی محبت ہو تجھے بے اعتنا
طائرِ بے اعتبار!
ہے گلے کا تیرے ہار
اور تجھے آتا ہے پیار
آہ اس پر بار بار
کیا نہیں معلوم یہ اک پھول کی شیدائی ہے
پھول کے دھوکے میں تیرا ہو گیا سودائی ہے

www.taemeernews.com

سرور — سید عباس علی صاحب اکبرآبادی مرحوم (۱۰۶)

آپ کا نام سید عباس علی اور سرور تخلص تھا۔ ۱۹۰۲ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے خاندان کا سلسلہ آگرہ کے مشہور نواب عابد علیخاں مرحوم سے ملتا ہے (پورا شجرہ جات ثانی میں دیا گیا ہے) آپ کے والد محترم کا نام سید یعقوب علی ہے۔

مرحوم نے ابتدائی تعلیم کی تکمیل مولوی نجم الدین صاحب مرحوم سے کی تھی۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف ذریعے اختیار کئے گئے۔ کیونکہ آپ کے والد صاحب کا سلسلۂ ملازمت ایک جگہ بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ ۱۹۱۲ء میں محکمۂ تار میں بشاہرہ ۵۰ ملازم ہوئے لیکن ذوقِ تعلیم بدستور تشنہ رہا۔ اور حتی الامکان اپنے ذوق کی پذیرائی کرتے رہے۔ ۱۹۲۱ء میں چند وجوہات کی بنا پر سرکاری ملازمت ترک کر کے ریلوے کے محکمۂ تار میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۲۶ء میں علیگڈھ یونیورسٹی کے امتحانِ میٹرک میں شریک ہوئے۔ مرحوم کا ارادہ تھا کہ ڈگریاں حاصل کریں ۔ لیکن نصابِ تعلیم کی خرابی اور اور ناقص تعلیم سے یہی مناسب سمجھا کہ پرائیویٹ طور پر اپنی قابلیت بڑھائی جائے۔ چنانچہ اسی خیال کو مدِ نظر رکھ کر آپ نے مطالعہ کو جاری رکھا۔ اور اس کو اس معیار پر پہنچا دیا کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں انگریزی مضامین لکھنے شروع کئے۔ یہ اس جذبہ کے ماتحت تھا کہ اسلام اور اکابرینِ اسلام کے خلاف جو مضامین اس زمانے میں شائع ہو رہے تھے اُن کا جواب دیا جائے۔ چنانچہ لاہور کے "ایسٹرن ٹائمز" میں مرحوم کو جگہ مل گئی اور اُن کے مضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ مضامین نہایت پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ اور ایڈیٹر صاحب نے خاص نوٹ کے ساتھ مرحوم کے مضامین شائع کئے۔ اسی زمانہ میں میکش اکبرآبادی کے ہفتہ وار اخبار "تاج" شائع ہوتا تھا اس میں سرور مرحوم نے انگریزی کے بہت سے مضامین کو ترجمہ کر کے اُس کے صفحات کو چار چاند لگائے۔ ترجمہ کرنے میں ایسی مہارت حاصل تھی کہ بیک وقت بغیر کسی دقت کے صفحے کے صفحے ترجمہ کر دیتے تھے۔

۱۹۲۰ء میں مرحوم مولانا سیماب مدظلہٗ کے شاگرد ہوئے۔ شعر گوئی کا شوق بچپن سے تھا۔ مولانا مدظلہٗ کی شفقت اور اُن کی ارادت نے بہت جلد مقامی اور غیر مقامی شعرا میں مرحوم کو ایک ممتاز درجہ دے دیا تھا۔ نہایت ملنسار۔ منکسر۔ اور خاندان پرور جوان تھے۔

۱۹۲۵ء میں ٹیگور کے انگریزی افسانوں سے متاثر ہو کر مرحوم نے اخبار "ریاست" دہلی میں چند افسانے بھیجے اور ان کی مقبولیت پر بیشتر رسائل اور اخبارات میں یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ ریاست دہلی۔ مشیر سلطنت دہلی۔ "پیمانہ" آگرہ۔ تاج آگرہ میں ان کے افسانے مسلسل شائع ہوتے رہے۔

مرحوم کو علمی شغف اس درجہ تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ لیکن ملازمت کی مصروفیتوں اور اپنی پیہم شدید علالت کے باعث دل کی حسرت نہ نکال سکے۔ ۱۹۳۴ء میں مرحوم دردِ گردہ میں مبتلا ہوئے اور زندگی کی آخری سانسوں تک پھر ادبی ہنگاموں میں شریک نہ ہو سکے۔ مرحوم نے ایک قلیل عرصہ میں کئی تصانیف مرتب کر لی تھیں۔ ایک امریکن انشا پرداز "ہو تھورن" کے ایک طویل افسانے کا ترجمہ کیا۔ اور "مزارِ روح" کے نام سے طبع کرایا۔ آگرہ کے

www.taemeernews.com

ایک مشہور شاعر جناب ملکی اکبرآبادی جو ریختی کے استاد تھے اُن کی سوانح حیات اور کلام کو اپنے ہی خرچ سے طبع کرایا۔ حیات "تھامس ڈے" اور اپنے افسانوں کا مجموعہ اپنی زندگی میں شایع نہ کرسکے۔ ۸ نومبر ۱۹۳۶ء کو انتقال ہوا۔ عالم نزع میں اپنے ورثا سے وصیت کی کہ میرے مرنے کی اطلاع میرے استاد مولانا سیماب اکبرآبادی کو ضرور دے دینا۔ انتہائی خلیق۔ بردبار۔ مسکین طبیعت اور حساس نوجوان تھے۔ فطرت کو منظور نہ تھا کہ وہ اپنے سحرانگیز نغموں سے دنیا کو زندگی اور ـــــ زندہ دلی کا مرکز بنائے رکھیں۔ مرحوم کو مزاحیہ افسانہ نگاری میں ایسا ملکہ تھا کہ لوگ ہنستے ہنستے پریشان ہو جاتے تھے۔

نمونۂ کلام

بے نقاب اُن کا اگر چہرۂ زیبا ہو جائے　　چشم نظارہ میں اک حشر بپا ہو جائے
موت اور زیست کا جو راز ہے افشا ہو جائے　　کاش خاموش یہ ہنگامۂ دنیا ہو جائے
وسعتیں حسن کی ہیبت سے سمٹ جاتی ہیں　　ورنہ ہر ذرہ اگر چاہے تو صحرا ہو جائے

عشق میں لطف ماجرا بارکش زباں نہیں　　جس کو نظر بنا گئی نوک زباں پہ آئے کیوں
حسن تباہ کن سہی عشق ہلاک کن سہی　　جس پہ تری نظر ہے وہ شکوہ زباں پہ لائے کیوں

دل ہی نہیں ہے ماتمی مرگ آرزو　　دنیا مری نگاہ میں سب سوگوار ہے
شبنم تو اک فریب ہے اپنی نگاہ کی　　پردہ میں ان گلوں کے کوئی اشکبار ہے

میں شمع انجمن تو ہو بجھا ہوں لیکن کہا کیا ہو کر　　غبار کارواں ہو کر چراغ رہنما ہو کر

اے گنہگار محبت تو نے توبہ کی فضول　　زود عصیاں میں بھی گنجائش تقصیر تھی

رنگینی گلشن سے نظارہ پریشاں ہے　　آغوش میں کلیوں کی شاید کوئی پنہاں ہے
یہ آگ محبت کی محدود نہیں ہم تک　　ہر ذرہ محبت میں صد شعلہ بداماں ہے

تاثراتِ محبت کا پردہ دار ہوں میں　　اور ماتمِ مرگِ تمنا کا سوگوار ہوں میں

آ وہ دن جب توسل سے نگاہِ شوق کے　　ایک جنبش ادا اک شرط آپ نے منوالی کی

حسرت ہے جس کی چشمِ تماشا لئے ہوئے　　رہتی ہی تھی کسی کی تمنا لئے ہوئے

نمونۂ مزاح نگاری

"جس طرح مداری کا بکرا کھونٹے پر چاروں پاؤں سے کھڑا ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح ننھو کے ابا پاؤں اُٹھائے ایک اینٹ پر بیٹھے ہوئے متواتر تین گھنٹے سے برساتی مینڈک کی طرح ٹرٹر کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے ہائے کیسا زمانہ آگیا ہے! پہلے ٹڈی کو دیکھتے تھے ٹڈی کو روپیہ کے سوا من گیہوں آتے تھے۔ ایک کانا تھا دس کھاتے تھے وہ پہلی سی رنگ رلیاں ہی باقی نہیں ہیں پہلے لوگ پانچ پانچ سیر گاجریں کھا جاتے تھے۔ تندرستیاں اچھی تھیں جگہ جگہ اکھاڑے تھے۔ لوگ گلی کوچوں میں گیڑیاں کھیلتے تھے۔

اور رات رات بھر محلوں میں جنگار رہتی تھی۔ کیا مجال جو تنکا ادھر سے اُدھر ہو جائے۔"

یہ طول طویل نصیحتیں جو ننھو سے نہ سنی گئیں تو وہ یکایک سے کبوتروں کا دانہ تیار کرتے کرتے اُٹھا تیل ملے ہوئے بدن پر کبوتروں کی بیٹ اور پر چپکے ہوئے تھے لنگوٹ باندھے ہوئے اکڑتا ہوا

www.taemeernews.com

باپ کے سامنے آیا اور مٹھی باندھ کر اپنی کلائی کو دکھاتے ہوئے کہا "وہ دیکھو" اب میری کلائی کی ہڈی ذرا دیکھو کتنی چوڑی ہو گئی ہے اور ذرا دیکھو پیٹھ پر ہاتھ پھیرنا! کتنی چربی ہے کبوتر میں چراتا ہوں اور دوسروں کے پکڑتا ہوں سب کو بیچکر اپنی خوراک کا انتظام کرتا ہوں، سوتے وقت سیر بھر دودھ، صبح ایک آنہ کی قیمہ بھری کچوریاں اور پاؤ بھر گڑ کے سیو، دوپہر کو تین سیر گنڈوں کی یخنی اور آدھ سیر بھنا ہوا گوشت کھاتا ہوں۔ تم دیکھتے نہیں ہو ایک سانس میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو بیٹھکیں بھی لگا لیتا ہوں مگر تم سے پھر بھی کہیں شادی کا انتظام نہیں ہو سکتا، دو سو کبوتروں کی دیکھ بھال کوئی کھیل نہیں روزانہ دو ڈلیاں بیٹ کا بک سے نکالتا ہوں دو سیر دانہ بھگو کر خود بیٹھ کر چگاتا ہوں۔ شام اور صبح تین تین گھنٹے کھڑے ہو کر انھیں اڑاتا ہوں چیختے چیختے بعض وقت حلق میں کانٹے پڑ جاتے ہیں اور سیٹی بجاتے بجاتے ذرا میرے ہونٹھ تو دیکھو کیسے ڈبل روٹی ہو گئے ہیں گھر میں عورت ہو تو کام میں ہاتھ بٹائے کبوتروں کی پرورش اور بڑھائی جائے۔ نصیرا کو دیکھو جب سے شادی کی ہے سو کبوتروں کے چار سو کر لئے ہیں"

(نظر) منشی امیر الدین وارثی اکبرآبادی (۱۰۷)

امیر الدین نام نظر تخلص۔ آگرہ کے محلہ نیل کٹرہ میں رہتے تھے۔ نظر مرحوم مولانا کے بہت قدیم شاگردوں میں سے تھے۔ سالِ تلمذ غالباً ۱۸۹۶ء ہے شعر بہت سلیس اور عام فہم کہتے تھے۔ چھریرہ بدن اور ضعیف الجثہ آدمی تھے۔ مگر بڑے محنتی تھے۔

۱۸۹۹ء میں جب کان پور کی مشہور نورتنہ ولیٹ ٹینری میں بحیثیت مستری ملازم ہو گئے تو مولانا کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ جہاں مولانا کان پور کی اسی ٹینری میں بحیثیت کلرک کچھ عرصے تک ملازم رہے۔ مسٹر ڈکونہ اور ڈی ایس لئس عیسائی نوجوان بھی اسی ٹینری میں ملازم تھے جو اردو شاعری سے بیحد دلچسپی رکھتے تھے یہ دونوں بھی مولانا مدظلہ کے شاگرد ہوئے۔

۱۸۹۹ء میں نظر مرحوم مولانا کو اپنے ساتھ دیوہ شریف لے گئے۔ جہاں اُن کی تحریک اور مشیتِ الٰہی کی تائید سے مولانا حضرت حاجی سید وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ نظر صاحب قبلہ حاجی صاحب قدس سرہ کے پہلے ہی مرید تھے۔ محلہ گوال ٹولی کان پور میں مولانا اور نظر مرحوم ایک ہی مکان میں رہتے تھے دونوں عیال دار تھے۔ اور دونوں میں یگانگت بڑھتے بڑھتے رشتہ داری کی حد تک پہونچ گئی تھی۔

برادر محترم حضرت منظر صدیقی اسی زمانے اور اسی مکان میں بمقام کان پور پیدا ہوئے تھے۔ اور نظر مرحوم نے انھیں گودوں میں کھلایا تھا۔

۱۹۰۵ء میں نظر صاحب کا کان پور میں بعمر جوانی انتقال ہو گیا۔ منشی قمر الدین باغ اور نظر مرحوم دونوں کی شاگردی کا زمانہ ایک ہی ہے۔ باغ صاحب ابتک بقیدِ حیات موجود ہیں مگر اب مدتوں سے شعر نہیں کہتے۔ حاجی عبد الستار صاحب سفیر اکبرآبادی بھی انھیں کے ساتھی ہیں مگر اب وہ بھی مذاقِ سخن سے معرا ہیں۔

افسوس ہے کہ نظر مرحوم کا کوئی ایک شعر بھی دستیاب نہ ہو سکا۔

www.taemeernews.com

(عمر) حاجی محمد عمر صاحب اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۸)

آپ کا نام محمد عمر اور تخلص عمرؔ تھا۔ حاجی صاحب کے مورثِ اعلیٰ ڈیڑھ صدی قبل عہدِ شاہانِ مغلیہ کے زمانہ میں تعورسے ہجرت کرکے آگرہ آئے تھے اور فرمانِ شاہی کے مطابق آگرہ کے ایک محلہ قاضی پاڑہ میں مقیم ہوگئے تھے۔ مرحوم کے اسلاف بڑے زبردست تاجر تھے خود حاجی صاحب آگرہ کے مشہور اور بڑے سوداگر تھے اور یہاں کے رئیسوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ ۱۲۱۹ھ میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کا نام شیخ محمد عظیم تھا۔ جو ایک زبردست تجارت پیشہ بزرگ تھے۔ آگرہ میں ان کا خاص اثر تھا۔ لوکل ایجنسی۔ میونسپل بورڈ اور سینٹرل جیل کے ممبر بھی تھے۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ تجارت پیشہ لوگوں میں تعلیم کی طرف سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے لیکن قدیم زمانہ میں تجارت پیشہ حلقوں میں تعلیم بعد کافی تھی۔ جس کی تاریخ شاہد ہے۔ عمر خیام نیشاپوری ایک تجارت پیشہ باپ کے فرزند تھے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ حاجی صاحب جس عہد کے بزرگ تھے۔ اس عہد میں شرقی تعلیم جزو زندگی سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ کو بھی عربی فارسی اور مذہب کی تعلیم دی گئی۔ البتہ آپ مغربی زبانوں سے ناآشنا تھے لیکن تجارت میں آنے کے بعد انگریزی میں بھی مہارت تام حاصل ہوگئی۔ آپ کو تجارت کے ساتھ ساتھ تصوف سے ہمیشہ گہری دلچسپی رہی۔ کیونکہ حاجی صاحب کا دل معرفت اور روحانیت سے پُر تھا۔ اس لئے ہمیشہ رہبرانِ معرفت سے عقیدت رہی۔ تمام عمر فقرا اور صوفیائے کرام سے فیض اُٹھایا۔ حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت بابا احمد علی شاہ صاحب اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سید لطیف احمد شاہ صاحب پھوانی سے آپ کو فیضِ روحانی پہونچا۔ یہ حقیقت ہے کہ نیک انسانوں کی صحبت خدا رسیدہ بزرگوں کی خدمت انسان کی روح کو روشن اور پاکیزہ کردیتی ہے، چنانچہ حاجی صاحب میں عرفان الٰہی کی جھلک نمایاں ہوگئی تھی۔ ان کے پند و نصائح اور ارشادات سے لوگ مستفیض ہوتے تھے۔ آپ نہایت صالح کل، خلیق، مردم شناس۔ صوفی منش، خاندانی رئیس اور بزرگ ہستی تھے۔ آپ کی وفات سے ڈیڑھ سال قبل فالج کا اثر ہوا اور اسی مرض میں ۱۳۵۲ھ میں انتقال فرمایا۔ اور اپنی بنائی ہوئی درگاہ واقع "پچکوئیاں" میں دفن ہوئے۔ جہاں ہر سال آپ کا عرس ہوتا ہے۔

حاجی صاحب کا شاعر ہونا بھی معجزات سے تھا۔ جوانی اور عالمِ شباب کی حدود سے گذر کر جب آپ پیری کے نشیب و فراز کو طے کرنے لگے تو ۶۵ سال کی عمر میں شعر گفتنے کا شوق پیدا ہوا یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حاجی صاحب مرحوم تصوف اور معرفت کی بہت سی منزلیں طے کرچکے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں آپ ایک بشارت کے ماتحت حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہ کے شاگرد ہوئے لیکن حال یہ تھا کہ مصرعے موزوں بھی نہ تھے۔ مولانا مدظلہ نے چند ہدایتیں کیں اور پھر تو ایک ہفتے بعد آپ پردہ الہام

www.taemeernews.com

باری ہوئی کہ روزانہ ۸۔ ۱۰ غزلیں کہہ لینا آپ کے معمول میں سے تھا۔ یہ چیز کس درجہ حیرتناک ہے کہ صرف ایک سال کے اندر یعنی ۱۹۲۵ء میں تین سو غزلوں۔ رباعیوں اور قطعات کا ایک حسین و جمیل مجموعہ تیار ہوگیا۔ جسے بہت ہی اعلیٰ کتابت اور طباعت کے ساتھ مرحوم نے چھپوایا جس میں معرفت اور موعظت کے دریا رواں ہیں۔ دیوان کا تاریخی نام "بشراتِ عرفاں" ہے جو کافی مقبول ہوچکا ہے۔ مرحوم کی شاعری حقیقی اور [illegible] بات ناز و نیاز سے پُر تھی۔ فارسی اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

آپ کا دوسرا دیوان بھی انتقال سے پہلے ہی شائع ہوچکا ہے۔

آپ کو اپنے محترم اُستاد سے نہایت درجہ محبت تھی۔ اکثر اُنھیں مشورے دیا کرتے تھے اور روحانی باتیں کیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا کے ساتھ ایک مرتبہ جمون تک مشاعرہ پڑھنے گئے تھے۔ اُن کی معیت میں بیٹھنے سے ایک قسم کی روحانی تسکین ہوتی تھی۔ کسی کے یہاں دعوت قبول نہیں کرتے تھے۔ مگر جب مولانا مدعو فرماتے تھے تو بے تکلف تشریف لاکر شریکِ طعام ہوتے تھے۔

آپ کے کلام میں حقایق و معارف اور تصوف و طریقت کے بے انتہا اشعار نظر آتے ہیں۔

مثنوی فارسی آپ نے ایک مثنوی فارسی میں لکھی تھی جس کا نام "پند نامہ" ہے اور جس میں مقامات معرفت اور مراحل تصوف سے بحث کی گئی ہے اور اخلاقی تعلیم پر مبنی ہے گویا ایک پیام محبت ہے۔

پند نامۂ فارسی کا نمونہ

دربیانِ بیخودی گوید

من نمیدانم چہ چیز است عاشقی — جز بذکرِ ہو جمالِ بیخودی
گر جمال او کسے بیند بشر — ہستیٔ خود را کند گم اے پسر
دو جہاں یک جرعہ از مستیٔ من — نیستی ایں عالم ہستیٔ من
تا کہ داریم از تجلی رشتہ ہا — محو کردیم ایں جہانِ بے وفا
از زبانِ بیخودی فریاد کن — در پریشانی خدا را یاد کن
تو کجا بینی کہ او در دل نہاں — ہاں نظر آید ز چشم عاشقاں
ما بذا[illegible] او فنا شام و سحر — تو چہ دانی حال ما اے بے خبر
بنگر اے پیرِ فلک مستیٔ ما — روز خاک آورد ایں ہستیٔ ما
یا فہم رازِ نہاں در بیخودی — دوست را دیدم عیاں وقتِ بیخودی
رونقِ گل دیدم او را در چمن — بعد ازیں بلبل شد است و نغمہ زن
آفریں صد آفریں اے بیخودی — یافتم مطلوب خود در بیخودی
چوں نظر کردم بخلوت سوئے دوست — روئے دو عالم شمردم روئے دوست

ترک کردم جسم را قبل از فنا
منتقل شد روح در ملک بقا

نمونۂ غزل

نہ [illegible] اور نہ ہوگا کوئی اور تیرا ثانی — کہ جو کچھ ترے سوا ہے وہ ہے بالیقین فانی
تری یاد جسم و جاں میں ہے نشاطِ زندگانی — تری یاد ہی جہاں میں ہے حیاتِ جاودانی
غم ہجر سے نہ ہوتی مجھے اتنی سرگرانی — اگر آپ آکے سنتے مری دُکھ بھری کہانی
تری دیکھ کر جفائیں کیا میں نے سر خمیدہ — مری دیکھ کر وفائیں تجھے کیوں ہے بدگمانی
مجھے وصل بیخودی میں ہے عمر نصیب [illegible] — شب و روز بیخودی میں ہے شرابِ ارغوانی

www.taemeernews.com

تجھ سا کہاں ہے کوئی دل میں جسے بسائیں
جو ہو چکے ہیں تیرے وہ کس سے دل لگائیں
مانا حجاب ہم سے تو نے کیا ہے لیکن
ہم روز دیکھتے ہیں پھر بھی تری ادائیں
اچھا اگر خفا ہے اتنا ہمیں بتا دے
اے حسن کے خدا! ہم کیوں کر تجھے منائیں
خلوت میں بیٹھ کر ہم کرتے ہیں جب تصور
نظروں میں گھومتی ہیں کونین کی فضائیں
یہ شربِ وفا ہے یہ رسمِ معرفت ہے
سو مرتبہ وہ روٹھیں سو بار ہم منائیں

کوئی نہ شبِ ہجر مرا مونسِ غم تھا تھی جس سے تسلی وہ فقط تیرا کرم تھا
شاید مری آہوں نے کیا کچھ اثر اپنا کل دردِ محبت دلِ بیتاب میں کم تھا
مشکل میں گرفتار کیا تھی یہ عنایت مشکل کو فنا تو نے کیا یہ بھی کرم تھا
مجبوریٔ تقدیر کا اب تجھ سے گلہ کیا
جو چاہا تھا لکھنا ترے ہاتھوں میں قلم تھا

وہ نشاطِ بیخودی میں مجھ کو غافل دیکھ کر
آئے اور رخصت ہوئے کیفیتِ دل دیکھ کر
جاں نثاری سہل ہے لیکن جو دلداری کرو
میں نے یہ وعدہ کیا تھا فطرتِ دل دیکھ کر
تیری حسرت دی ترا ارمان تیرا غم دیا
مجھ کو سب کچھ دے دیا اللہ نے دل دیکھ کر
کشتیٔ دل گردشِ طوفان میں تھی اے قمر
ہو گیا دل کو سکوں رحمت کا ساحل دیکھ کر

جیسی ویرانی نظر آتی ہے دل میں آجکل ایسی ویرانی نہ دیکھی دشت و صحرا میں کبھی
جتنے گوہر چشمِ گریاں نے بہائے ہجر میں اتنے موتی نہ پیدا ہونگے دریا میں کبھی

یہ ہی مری قسمت میں بس تجھ سے دعا مانگوں اور یہ ہی تری قدرت میں تکمیلِ دعا کرنا
یارب مری قسمت کو ممنونِ جفا رکھنا یارب مری فطرت کو مانوسِ وفا کرنا

نظر کے سامنے گو ہر حسیں ہر مہ جبیں آیا جہاں پرتو تمہارے حسن کا تھا دل میں آیا
ہزاروں بار رکھ دی خاک پر میں نے جبیں اپنی ہزاروں بار تیرے سامنے عرشِ بریں آیا

ہے خراب ساری ہستی مری نالہ و فغاں سے
یہ مذاقِ عشق آخر مجھے مل گیا کہاں سے
غمِ دل نہ ان سے کہتا تو یہ آفتیں نہ سہتا
ہوئی اور بدگمانی انہیں میری داستاں سے
میں حدیثِ حسن کہہ کر بخدا لرز رہا ہوں
کہ ہوا ہے راز افشا یہ قمر مری زباں سے

دنیا میں کوئی کیسے کرتا ہے وفا توبہ دل جس کو دیا ہم نے کی اس نے دغا توبہ
اک عالمِ حیرت میں آغوشِ محبت میں مے کیسے پلائی تھی میں بھول گیا توبہ
جو کام نہ کرنا تھا وہ کام کیا میں نے جو کام تھا کرنے کا وہ ہو نہ سکا توبہ
کچھ شوقِ شہادت میں کچھ جوشِ محبت میں قاتل کے تبسم پر بسمل نے کہا توبہ
ہر وقت تصور میں ہر خلوت و جلوت میں سو بار انہیں دیکھا پھر بھول گیا توبہ
ہے آگ کی بارش سی سینے میں قمر ہر دم
ہے عشق کی دنیا میں گرم آب و ہوا توبہ

www.taemeernews.com

خمار — محمد حنیف ہاشمی بی۔اے مرحوم — ۱۰۹

محمد حنیف ہاشمی نام اور خمار تخلص تھا۔ مرحوم خمار کے والدِ محترم حکیم فتح محمد خاں صاحب مرحوم جموں کے مشہور طبیب تھے جو دہلوی حکیم کے نام سے مشہور تھے۔ مرحوم کا اصلی وطن نوشہرہ علاقہ پٹیالہ تھا۔ آپ کے والد بسلسلۂ ملازمت جموں (کشمیر) چلے گئے تھے۔ علم طب میں کامل اور علوم رسمیہ میں ماہر تھے۔ حکیم صاحب کے انتقال کے بعد گھر کے حالات میں انقلاب پیدا ہوا۔ اور آپ کی والدہ نے آپ کی تربیت کی۔ مگر اسی سرگرمی کے ساتھ جیسی کہ حکیم صاحب کرتے تھے۔ حکیم صاحب کو تمام بچوں میں محمد حنیف ہاشمی سے انتہائی الفت تھی۔ انھیں بچپن ہی سے اہلِ علم و فن کی صحبت میں بغرضِ استفادہ بیٹھنے کی ہدایت تھی۔ اُن کی ذہانت کی باتیں سننے اور فراست پر خوش ہوتے تھے۔ حنیف مرحوم کو ان کے والد نے اپنے ایک دوست کی خدمت میں جو بڑے ڈاکٹر تھے بھیج دیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مرحوم کو آپریشن وغیرہ میں کافی مہارت ہوگئی تھی۔

جب گھر کے حالات بدلے تو کچھ عرصے تک اپنے چچا حکیم امیر دین محمد صاحب کے سایۂ عاطفت میں رہے۔ اور پھر لاہور چلے آئے یہاں آنے کے بعد اخبار "کشمیری" کے دفتر میں معمولی معاوضہ پر کام کرنے لگے۔ لیکن خدمتِ دین اور تکمیلِ تعلیم کے جذبہ نے اُن کو کرسیِ ادارت سے اٹھا کر انجمن اشاعتِ اسلام کالج میں پہونچا دیا اسی کالج میں حنیف مرحوم نے عربی پڑھی اور فرانسیسی زبان سیکھی۔ یہیں سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ انگریزی کا مذاقِ سخن اور اعلیٰ تھا۔ لکھنے پر بھی قدرت تھی۔ تقریر میں بھی خاص ملکہ تھا۔ سُنا ہے کہ انجمن حمایت الاسلام والے مرحوم کو ولایت بھیجنا چاہتے تھے۔ لیکن اسی دوران میں مرحوم کے سامنے ماہنامہ "ادبی دنیا" کی ادارت پیش کی گئی اور حضرت مولانا تاجور نجیب آبادی کے ساتھ انھوں نے "ادبی دنیا" نکالا۔ اور واقعی انتھک کوششوں سے اُسے بہت جلد ترقی کی منزل پر پہونچا دیا۔ لوگوں نے صبح سے رات کے ایک بجے تک مرحوم کو "ادبی دنیا" کے لئے کام کرتے دیکھا ہے۔ "ادبی دنیا" کو ارتقائی لائنوں پر پہونچانے کے بعد مرحوم وہاں سے علیحدہ ہو گئے۔ اور "طلوعِ مشرق" کے نام سے ایک رسالہ نکالنے کی فکر دامن گیر ہوئی اسی دوران میں "نیرنگ خیال" لاہور نے مرحوم کو اپنے ادارے میں لے لیا اور اُسی تندہی کے ساتھ وہ نیرنگِ خیال میں کام کرنے لگے۔ اس کے بعد "ریاست" دہلی میں بطور مدیرِ معاون کچھ دن کام کیا۔

خمار مرحوم فطری شاعر تھے اوائلِ عمر سے شعر کہنے کا شوق تھا لیکن ۱۹۲۰ء تک کسی کو اپنا کلام نہیں دکھایا۔ آدمی بہت تمیز مردم شناس تھے۔ ملک میں بعض شعراء اور ادباء سے انھیں قلبی لگاؤ تھا۔ لیکن اپنی اصلاح اور تربیت کے لئے حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ کو ہی انتخاب کیا۔ ۱۹۲۶ء میں جب حضرت قبلہ مولانا سیماب مدظلہٗ اور ساغر صاحب جموں (کشمیر) تشریف لے گئے تو مرحوم نے مولانا کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا۔ اور انھیں یہ ایسی والہانہ عقیدت و ارادت اپنے استادِ محترم سے ہو گئی کہ مرتے دم تک زبان پر ان کا ذکر رہا۔ مرحوم کی شعری زندگی ۱۹۲۶ء ہی سے تابناک ہوئی اُس کے بعد ان کا ...

ہر رسالے اور اخبار میں نظر آنے لگا۔ میں ذیل میں مرحوم کا ایک خط پیش کرتا ہوں جس سے اُن کی سیرت۔ قابلیت۔ ارادہ اور عقیدت کا پوری طرح اندازہ ہو جائے گا۔

قبلۂ معظم

السلام علیکم۔ نوازش نامہ باعثِ افتخار ہوا۔ جواب بخیریت ہوں اور دعا کا طالب۔

۹ مارچ ۱۹۳۲ء سے لے کر اب تک جو لکھا اس میں سے دو چیزیں جو نہایت ردّی حالت میں تھیں نکال دی ہیں اور باقی گو وہ بھی اس قابل نہیں کہ بغرض اصلاح روانہ کرتا۔ خدمت میں حاضر ہیں۔ امید ہے کہ بوقت اصلاح آپ اس امر کو نظر انداز نہ کریں گے۔ کہ جو کچھ لکھا ہے صرف اسی سہارے پر لکھا ہے کہ مجھے آپ سے تلمذ ہے ورنہ میں عروض سے بالکل ناآشنا ہوں۔ عروضی فرو گزاشتوں کے متعلق آپ غلطیوں کے ساتھ "رازِ عروض" کا صفحہ لکھ دیں۔ وہ میں منگوا لوں گا۔

آج میں آپ سے ایک ایسے امر میں مشورہ لینا چاہتا ہوں جس کو میں مسئلۂ حیات سمجھتا ہوں اور سوائے آپ کے کسی اور کے گوش گزار نہیں کرنا چاہتا۔ جنوری میں آپ کی خدمت میں عرض کی تھا کہ کالج کی تعلیم سے میری مراد محض علم و ادب کی خدمت ہے۔ لیکن اس وقت میں رازِ دل بیان نہ کر سکا تھا۔ مجھے آج موقعہ ملا کہ عرض کیا چاہتا ہوں۔

جس کو میں مقصد حیات سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ مشرق اور خصوصاً اسلام کو بیدار کیا جائے۔ اس فلسفہ کی مختصر جھلک آپ اس مجموعہ میں بھی جو خدمت میں حاضر ہے پائیں گے۔ لیکن ان اغراض کو عملی جامہ پہنانے کیلئے شاعری اور ڈراما کی تکمیل پہلے ضروری ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ پہلے علم ادب میں طرزِ امتیاز حاصل کیا جائے۔ اس موقعہ پر میں گوئٹے کا نظریہ پیش کرتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ "انسانی جذبات سے کچھ کام لینے کے لئے اُن کو پہلے حُسن و عشق کی داستان سے گرما لینا چاہیے۔"

میرا بھی یہی ایمان ہے۔ میں چاہتا ہوں اس نظریہ پر کچھ بحث کروں۔ لیکن اس خط میں مناسب نہ ہوگی، اگر آپ ارشاد فرمائیں تو کسی اور ملاقات میں مفصل تحریر کروں۔ لیکن اس کی ضرورت اس وقت ہوگی جب آپ نظریہ کو غلط شمار کریں۔ اگر یہ نظریہ ٹھیک ہے تو جو راستہ میں تکمیل حیات کے لئے اختیار کرنا چاہتا ہوں وہ بھی درست ہے۔ میری عمر اس وقت ۱۹ سال ہے اور ایک سال ہوا میں مکمل ارادہ کر چکا ہوں کہ اگر میں ۲۰ سال کی عمر تک اس مقصد کو حاصل نہ کر سکا تو اس کا انجام سوائے خودکشی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ آپ میرے اس مجنونانہ خیال پر ہنسیں گے۔ لیکن میں نے اظہارِ حقیقت کر دیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آں بزرگوار سے جن کے مشورے میرے لئے حقیقی رہنما ہیں ان سے نہ چھپاؤں۔ آپ مجنوں سمجھئے یا مجذوب۔

انگریزی علم ادب کے علاوہ اس وقت گوئٹے کا فلسفہ مطالعہ کر رہا ہوں۔ منطق اور علم نفس کی ابتدائی کتابیں دیکھ چکا ہوں۔ چند دن مستقل طور پر کہیں ملازم ہونے پر جرمنی زبان سیکھنا بھی شروع کر دوں گا۔

وفورِ جذبات سے میں اور کچھ تحریر نہیں کر سکتا اگر آپ کبھی ملاقات ہوئی تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کا ایک نیاز مند کتنا

جنوں پرست ہے اور اس کے باوجود اس کا مطمحِ نظر کس قدر بلند ہے۔

اُردو کے مطالعہ کے متعلق امید ہے آپ ہدایات سے مستفید فرمائیں گے۔ اور یہ بھی اُمید ہے کہ میرے اغراض و مقاصد جنکا میں نے ذکر کیا ہے آپ تک ہی محدود رہیں گے۔ یہ عبارت داعیِ اس وقت بے ربط ہے لیکن آپ انسانی جذبات کی طغیانی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے امید ہے معاف فرمائیں گے۔

والسلام۔ نیازمند محمد حنیف خمار

اُن کا دل جذباتِ حسن و عشق اور محبت کے غیر فانی اثرات سے پُر تھا مرحوم کی موت میں اس چیز کے اثرات بھی شریک تھے فرض شناسی اور اپنے سے متعلق لوگوں کا مرحوم کو بہت خیال رہتا تھا۔ چھوٹے بھائیوں کی تعلیم و تربیت اور اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت کو حاصلِ زندگی سمجھتے تھے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ زمانے اُنھیں چین نہ لینے دیا اور یہ ہونہار پودا بہت جلد کمھلا گیا۔ مجھے اس کا علم نہیں کہ مرحوم کے افسانے کس کے پاس ہیں۔ مرحوم نے اپنا کچھ کلام اپنے مرنے سے کچھ عرصہ قبل مولانا سیماب مدظلہٗ کی خدمت میں بغرضِ اصلاح بھیجا تھا۔ وہ میرے پاس محفوظ ہے انشاء اللہ بہت جلد اُسے کتابی صورت میں پیش کروں گا۔

نمونۂ تغزل

زاور چارہ سازئ اہلِ فادرت! اب ہم کو تجھ سے شکوہ بے جا نہ چاہیے
شاید کہ غم کشانِ محبت کو ہو سرور ساغر میں عکسِ چہرۂ جانانہ چاہیے

کوئی مرا رازدار کیوں ہو، کوئی مرا غم گسار کیوں ہو
خانہ سوزِ شامِ غم پر کوئی مرے اشکبار کیوں ہو
خلش سے محرومِ خواب کیوں ہو، نظر کوئی اشکبار کیوں ہو
طویل راتوں کی خامشی میں کسی کا دل سوگوار کیوں ہو
حجابِ عریاں کی کشمکش سے جمالِ رنگیں کی نازشوں سے
خیال میں چھپ کے رہنے والے مری نگہ شعلہ بار کیوں ہو
نہ میرا دل پردہ دارِ وحشت، نہ تیری آنکھیں امینِ محشر
سکوت غمازِ دردِ دل ہے نگہ تری رازدار کیوں ہو
نظر کی ہلکی سی تلملاہٹ، نشانِ بیتابیِ جگر ہے
تمھیں قسم ہے ہمارے سر کی تم اتنے بیقرار کیوں ہو

نمونۂ نظم

دہقانی لڑکی

کوئی فردوس اُس میں ہے گر صحرا میں ہے
بادۂ رنگیں نقاب ساغرِ سادہ میں ہے

نکہتِ گلگوں ہے کنجِ گل سے نکلی ہو ابھی
تتلیوں کے رقص سے بھی ہے تو رنگیں تر کہیں

بنتِ صحرا ہے ہوائے صحرا وحشت کوش ہے
حسنِ بے پردہ سراپا محشرِ خاموش ہے

ایک بھولا پن ہے سر سے پاؤں تک بکھرا ہوا
صبحِ رنگیں چہرے پر گویا تبسم لیتی ہو

سادگی زلفِ بکھری ہے جبینِ صاف پر
سر پہ آنچل بھی نہیں اُن کے سر پر

حسنِ رنگیں کو نہ ہو ہنگامہ آرائی پسند
حسنِ دہقانی کو ہے دنیا سے تنہائی پسند

زینتِ محفل بھی ہے ہنگامۂ محفل بھی ہے
حسن آبادی میں نقشِ عشق، دلِ محفل ہے

یہ مگر وہ پھول ہے کھلتا ہے جو ریگ زمیں
خاک ہو کر پھر چلا جائے جو خلوت ساز ہو

عصمت بے موج ہے دامن کہسار میں
لمحۂ مہتاب ہے سنسان سبزہ زار میں

یہ تو کہہ سکتا نہیں جانِ رعنائی نہیں
ہاں تخیلِ لذتِ ذوقِ خود آرائی نہیں

زندگیاں سب بھی ہیں خندہ خوابیدہ سی ہیں
بجلیاں جوبن میں ہیں گویا کہ رندِ مست کو

میری چشمِ شوق سے اُس کو شناسائی بھی ہو
شرم آمیز نرم بولی گونگی تنہائی بھی ہو

کچھ شناسائی ادا کے سادہ پن میں مضمر ہی ہے
مسکراہٹ لب پہ ہے وجہ موجِ تبسم

منتظر کر دے تو اندازِ شباب اس حور کو
آگ لگ جائے تو شانِ شعور

جانی سیٹھ جان محمد صاحب مرحوم کوچین ۱۱۰

آپ کا نام سیٹھ جان محمد اور جانی تخلص تھا۔ والد محترم کا نام سیٹھ اسمٰعیل تھا۔ ۱۲۹۴ھ میں شہر کوچین میں پیدا ہوئے۔ آپ مرحوم میمن قوم کے ذی علم حافظ قرآن اور خوش فکر شاعر تھے۔ مرحوم نے حاجی عبداللہ حاجی آدم سیٹھ مرحوم کے مدرسہ میں مولوی محمد اکبر صاحب، مولوی سید علی موسیٰ رضا صاحب مرحوم اور مولوی رفیع الدین صاحب عرفی نیلوری مرحوم سے حفظِ قرآن پاک اور اردو و فارسی کی تکمیل کی۔ ملکی زبان گجراتی، ملاباری اور انگریزی میں بھی استعداد تامہ رکھتے تھے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اردو سے دلی لگاؤ تھا اس لئے جذبات نے شعریت کا جامہ اختیار کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے وارفتہ کر دیا اور نعت میں آپ اپنے خیالات کا اظہار کرنے لگے۔ ابتدائی زمانہ میں مرحوم نے جناب حسینؔ دہلوری مرحوم، جناب حزنیؔ دہلوی مرحوم اور جناب منعمؔ مدراسی سے اصلاح لی تھی اور کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا سیمابؔ مدظلہ کے شاگرد ہو گئے تھے۔ یہ آخری سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا۔ مرحوم کو تاریخ گوئی میں خاص ملکہ تھا۔ اپنی عمر میں سینکڑوں تاریخیں لکھیں۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے مگر ذوق سخن جیسا تھا۔ خود کہتے تھے اور دوسروں سے لکھوا کر غزلیں قطعات بغرض اصلاح بھیجا کرتے تھے۔

۸ شوال شب یکشنبہ بعد مغرب ۱۳۵۴ھ مطابق ۴ جنوری ۱۹۳۶ء کو وفات پائی۔ پسماندگان میں ایک بیوی اور دو لڑکیاں چھوڑی ہیں۔ جنکی شادی ہو چکی ہے۔ جانی مرحوم اپنے استاد محترم پر دل و جان سے فدا تھے۔ مرنے سے کچھ عرصہ قبل مرحوم نے خود اپنی تاریخ وفات لکھی تھی جو درج ذیل ہے۔

من گدایم تا کہ یابم طولِ عمر — کے چشیدم قطرہ از آبِ بقا
نیست باقی در جہاں جز ذاتِ حق — کُلُّ شَیْءٍ ہالِکٌ اِلّا خدا
بر لبِ بامم آمدہ مہرِ حیات — عنقریب آید بہ تعرفِ فنا
من گنہگارم ندارم زادِ راہ — دستگیرم شافعِ روزِ جزا
از محبانم زِ سالِ رحلتم — گر کسے پرسد ز تو بادِ صبا
از سرِ باقی بگو تاریخِ فوت
جانی ہے ہے کرد ازیں دنیا قضا

نمونۂ تغزل

درد ہر روز و شبانیم رسولِ مدنی — غیر ازیں ورد ندانیم رسولِ مدنی
ما غلامانِ تو افخر نہ باشد برایں — کہ فلاں ابنِ فلانیم رسولِ مدنی
صرف کردیم ہمہ عمر بہ افعالِ قبیح — اندریں غم بہ فغانیم رسولِ مدنی
چشم داریم بہ طیبہ بہ رویم از اینجا — مدح بر روضہ بخوانیم رسولِ مدنی
تا ز ما نیست حیاتت دریں دارِ فنا — عافیت باد بجانیم رسولِ مدنی
شرِ شیطاں بہ رہم نزع بباشد رہزن — نہ رسد ایچ زیانیم رسولِ مدنی
چوں کند روح حزیں ازتن خاکی پرواز — باد جاری بہ زبانیم رسولِ مدنی
بعد مردن چو کفن پوش رویم اندر گور — باد قرآں بہ قرانیم رسولِ مدنی
ملتجی ایم بافضالِ خداوندِ جہاں — عیش بادا بہ جنانیم رسولِ مدنی
عرضِ جانی ست کہ بر دشمن حاسد حاصل
فتح باشد بہ جہانیم رسولِ مدنی

بشر — غلام حسین بی اے۔ امرتسریؒ — ۱۱۱

غلام حسین نام اور بشر تخلص تھا۔ مرحوم امرتسر کے رہنے والے تھے۔ ایک تہذیب یافتہ اور ارتقا پسند خاندان کے فرد تھے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر ہی میں حاصل کی اور وہیں سے بی اے پاس کیا۔ تعلیمی ماحول سے نکلنے کے بعد بمقتضائے طبیعت ادبی مشاغل اختیار کر لیے۔ ۱۹۲۰ء میں امرتسر سے کئی ادبی پرچے شائع ہوتے تھے۔ مرحوم ان میں بطور مدیر معاون کام کرتے تھے۔

بشر مرحوم مرنجان و مرنج نوجوان تھے۔ طبیعت نہایت سنجیدہ اور خاموشی پائی تھی۔ جذبات محبت سے ان کا سینہ گرم تھا۔ انہیں جذبات نے انہیں شاعری سکھائی۔ مرحوم کی موت یک بیک واقع ہوئی جس میں ان کے جذبات بے پایاں کو بہت زیادہ دخل تھا۔ جس وقت اس نوجوان کی موت واقع ہوئی تمام امرتسر میں ایک ہیجان برپا ہو گیا تھا۔ گو مرحوم گوشہ نشین تھے لیکن ان کے اخلاق و عادات کی وجہ سے ان کا دائرۂ احباب بہت وسیع تھا۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے حضرت قبلہ مولانا سیمابؔ مدظلہٗ کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا۔ مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں مرحوم کو رہنے کی بہت آرزو تھی جب ان کے ماحول نے انہیں امرتسر سے نہ نکلنے دیا تو امرتسر ہی میں اپنے استاد محترم کو بلایا اور ہندو سبھا کالج میں ۱۰ مارچ ۱۹۲۵ء کو ایک زبردست مشاعرہ منعقد کیا جس کے پوسٹر وغیرہ انہیں کی طرف سے شائع ہوئے۔ بشر مرحوم بزم سخن ہندو سبھا کالج اردو کے سکریٹری بھی تھے۔

ان کا کلام رسائل اور اخبارات میں بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا تھا۔ اپنے نام کیساتھ "بشر بٹالوی" ضرور لکھتے تھے۔ افسوس کہ مرحوم کے اس سے زیادہ حالات باوجود کوشش بھی مجھے نہ مل سکے۔ غالباً ۱۹۲۱ء یا ۱۹۲۲ء میں بعمر نوجوانی آپ کا انتقال ہوا ہے۔

نمونۂ تغزل

میں سراپا ہوں خوشی اور میں شادی بھی ہوں — خود ہی مقتول بھی ہوں آپ ہی جلاد بھی ہوں
قیدیٔ زلف بھی ہوں پھر بھی آزاد بھی ہوں — گل گلزار بھی ہوں بلبل صیاد بھی ہوں
میں سراسر ہوں وہی جس کی تمنا ہے مجھے — رنگ تصویر بھی ہوں مانی و بہزاد بھی ہوں
میری ہی نور سے ہے بام جہاں میں رونق — اندھیروں میں یہاں نالۂ فریاد بھی ہوں
کس کی طاقت ہے جو دے کفر کا فتویٰ مجھ کو — میں ہی موجود بھی ہوں باعث ایجاد بھی ہوں

اے بشر کوئی حقیقت کو نہ میری پہنچا
ماہ و خورشید بھی ہوں ذرۂ برباد بھی ہوں

نمونۂ نظم

نمازِ بتکدہ

صنم کدہ ہے دل تیرا — بنے ہوئے ہیں بت خدا
جو دل صنم سے ہے جدا — چراغ بے عجب ہوا
حقیقتیں ہوں تجھ پہ وا — اگر ہو جذب ...
تری نظر میں ہے خدا — جو تجھ کو ... دیکھتا
جو چاہے روح کی بقا — تو ہو ضمیر ...
یہ تیرا سجدہ و دعا — نہیں ...

خیالِ زہد و تقشّف — غلط ہے ایک راستہ
سُن آ رہی ہے قلب سے صدا — بہوش باش زاہدا!

تو پڑھ نمازِ بتکدہ

(۲)

جبیں کو سجدہ زار کر — نظر کو شعلہ بار کر
جگر کو بیقرار کر — دلِ زار اضطرار کر
نگہ کو ہوشیار کر — طلب کو خوشگوار کر
نیازِ غیب ر کر — خلوص استوار کر
حصولِ انکسار کر — یقین پائیدار کر
بتوں سے دل فگار کر — بتوں پہ جاں نثار کر
بتوں کی بیت تحریر کر — پہ انکسار کر
خودی کو اپنی مار کر — لباسِ زہد اتار کر

تو پڑھ نمازِ بتکدہ

(۳)

نظر کرو کہ ... — بتوں پہ دین کو بیچیں
... بتوں کا ... — یہی طریق بہتر ہے
ہے کون جو حوت نہیں؟
یہی ہے حسن آفریں
ہے نورِ ذات کی میں
مصور ... ہیں
تو با محبت ...
ابھی ابھی ... ہیں

تو پڑھ نمازِ بتکدہ

... میں

غرور میں ملال میں — کمال میں زوال میں
بدن کے بال بال میں — جبیں کے خال خال میں
سرودِ پُر شکال میں — سکون و اشتعال میں
نکاتِ قیل و قال میں — رموزِ وجد و حال میں
فراق میں وصال میں — تصورِ جمال میں
غرورِ انفعال میں — عروج و ابتذال میں
جنوب میں شمال میں — غرض ہر ایک حال میں

تو پڑھ نمازِ بتکدہ

پچاس برس کے بعد

ایک صوفی منش بزرگ کو قدرتاً شعر کہنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ صرف ایک سال میں مشق کی تکمیل ہو جاتی ہے اور دوسرے سال وہ بزرگ صاحبِ دیوان بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کے قلم سے عرفانِ الٰہی اور حقیقت و معرفت کے ایسے ایسے راز نکل جاتے ہیں جنہیں کوئی صوفی برسوں تعلیم نہیں دیتا۔ اگر آپ وہبی شاعری کا یہ معجزہ دیکھنا چاہیں تو آج ہی

بہارِ معرفت

دیوانِ غزلیات حاجی محمد عمر صاحب عمر اکبر آبادی مرحوم

ہم سے منگا کر ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں مصنف کی تصویر بھی ہے اور شروع سے آخر تک ذوق و شوق کا سمندر موجیں لے رہا ہے دیوان ردیف وار ہے قیمت فی جلد عہ محصول ۴ر

ملنے کا پتہ: منیجر شاعر بک ڈپو قصر الادب آگرہ

ارشاد احمد خاں صاحب نظامی اکبرآبادی مرحوم

ارشاد ۱۱۲

ارشاد احمد خاں نام، ارشاد تخلص، آگرہ کے رہنے والے تھے محلہ توپخانہ میں موروثی مکان ہے۔ آپ کے والد منشی الف خاں نادم مرحوم میرے جد مرحوم مولانا محمد حسین نور اللہ مرقدہٗ کے دوست ہم سن، ہم عمر اور معاصر تھے، اجمیر شریف میں دونوں مدتوں ایک جگہ رہے تھے۔ اس لئے قبلہ مولانا ، اور نادم صاحب کے صاحبزادوں میں بھی ایک قسم کا مخلصانہ ربط قائم تھا۔ ارشاد صاحب کے بڑے بھائی شفیع احمد خاں شفا مولانا کے شاگرد ہو چکے تھے ارشاد مرحوم غالباً ۱۹۱۱ء میں مولانا کے شاگرد ہوئے اور پھر اس قدر خلوص بڑھا کہ اس وقت مولانا کے ہمدردوں میں ان سے زیادہ کوئی دوسرا نہ تھا۔

مولانا کے اوقات فرصت انہیں کے پاس صرف ہوتے تھے۔ مرحوم خواجہ حسن نظامی دہلوی کے مرید تھے اور اسی نسبت سے انہوں نے پہلے آگرہ میں "نظامیہ کمیشن ایجنسی" کے نام سے ایک کتب خانہ کھولا اور پھر ٹونڈلہ میں بطور ٹرینس کلرک ملازم ہوگئے یہ انہیں کی جد و جہد اور کوشش تھی کہ آخر مولانا مدظلہٗ کو بھی ٹونڈلہ جیسے کھڈے میں کھینچ لیا

انہیں کے زمانۂ قیام میں مولانا نے سب سے پہلے سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا سے خط و کتابت کر کے مشہور مثنوی "زہرِ عشق" کو کتب ممنوع الاشاعت کی فہرست سے نکلوا کر آگرہ سے شائع کیا، اس کے بعد اس کی اشاعت تمام ہندوستان میں عام ہوگئی۔

ارشاد مرحوم استاد صاحب کے زمانۂ شاگردی کے بعد تک زندہ رہے۔ مشاعروں میں غزل پڑھنے کے عادی نہ تھے مگر شعر کہنے کا انہیں بے حد شوق تھا۔

کچھ عرصے کے بعد انہیں ریلوے نے ٹکٹ کلکٹری کا عہدہ دے دیا۔ راتوں کو مسلسل جاگنے کی وجہ سے ان کی تندرستی میں فرق آ گیا۔ اور بالآخر مرضِ دق میں بمقام آگرہ دسمبر ۲۷ سال ۱۹۳۲ء میں انتقال فرمایا۔

ارشاد مرحوم کو دینی امور سے بہت دلچسپی تھی۔ چنانچہ بزمانۂ ملازمت آپ نے "نظامیہ بستی" کے نام سے چند مکانوں کا ایک احاطہ بھی ٹونڈلے میں بنوایا۔ انہیں اپنے استاد کی طرح اپنے مرشد سے بھی بے حد محبت تھی۔ اور وہ انہیں دونوں کو "دین و دنیا" سمجھتے تھے۔

ارشاد مرحوم صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ ان کی کئی کتابیں ان کی زندگی ہی میں چھپ گئی تھیں۔ عرس نامہ۔ زہرِ عشق۔ عربی ناگن۔ عاشقانہ خط و کتابت۔ زندہ بھوت۔ پریم وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ اور ان کا غیر مطبوعہ دیوان ان کے برادرِ محترم جناب شفا اکبرآبادی کے پاس محفوظ ہے۔

ارشاد مرحوم مولانا کے ایسے دوستوں اور شاگردوں میں تھے جن کی یاد مولانا کے دل میں اب تک تازہ ہے۔ وہ اکثر ذکرِ خیر اور افسوس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔

نمونۂ تغزل

باغِ عالم کی بہاروں پہ نہ اترا اتنا عارضی حسن ہے برگِ گلِ صد
زندگی ہے تو فقط چند نفس تک باقی پھر وہی قبر کا گھر

ٹھوکریں کھا رہی ہیں جنگل میں کل ان کی قبریں | آہ دنیا جنہیں نازِ مسیحائی ہے
ہیں یہ سب راحت و آرام سنہری دھوکے | ان کا انجام فقط ذلت و رسوائی ہے
چشمِ شبنم سے اسی وقت گرے ہیں آنسو | باغ میں جب کبھی پھولوں کو ہنسی آئی ہے
صرف دنیا کی حد تک ہیں یہ رشتے کنبے | دکھ میں بھائی کسی کا ہے نہ بھائی ہے
رنگِ عالم فانی ہے فسانہ باقی | ہے سکندر کا زمانہ ہے نہ دارائی ہے
آج معدوم ہے تو کل ہوا غوغا ہی میں | ان درختوں کی ہزاروں نے ہوا کھائی ہے
فرق آیا نہیں قدرت کی کسی حالت میں | وہی تارے ہیں وہی گنبدِ مینائی ہے
ہاں مگر جو ہوا پیدا [illegible] نہ پیدا فرد | کون ایسا ہے جسے موت نہیں آئی ہے
پھر وہی پھوڑ دی مرگ [illegible] بربادی | چار دن کیلئے دنیا کی خود آرائی ہے
[illegible] پچھلے پہر کا جو کہتے ہیں حیات | اور دنیا کی کشش صبح کی انگڑائی ہے

جبکہ دنیا کی یہ حالت ہے تو میت ای ارشاد
کس کا سودائی ہے تو کس کا تمنائی ہے

کسی کے عشق کا بیمار ہوں میں | خود اپنی جان سے بیزار ہوں میں
مجھے یوں دیکھ کر حیرت میں عالم | اسی کا آئینہ بردار ہوں میں
نہیں اب ضبط کا دل میں ٹھکانا | بہت بے صبر ہوں لاچار ہوں میں
چھپا ہو پردۂ [illegible] میں جا کر | اسی کا پردۂ اسرار ہوں میں

بتا دو موت کی تدبیر ارشاد
کہ مرنے کیلئے تیار ہوں میں

نعت

شفیعِ امت [illegible] ہو تم | غریب بیکس و لاچار ہو تم
تمہیں ہیں اختیاراتِ دو دنیا | جنابِ احمد مختار ہو تم
تو خود کیا ہو گی کشتی کا | ہو رہو قافلہ سالار ہو تم
[illegible] | حبیبِ کبریا محبوبِ غفار ہو تم
[illegible] | شفاعت کیلئے تیار ہو تم

تمہارے ذکر سے ہی [illegible] | کہ تسکینِ دلِ بیمار ہو تم
کہیگا پاؤں پر سر رکھ کے ارشاد
مرا آقا مرے سرکار ہو تم

روحِ نظیر

مرتبہ حضرت محمود اکبرآبادی

میاں نظیر اکبرآبادی کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے جس کو حضرت محمود نے مع ایک بسیط مقدمہ و تبصرہ کے نہایت کاوش و تحقیق سے مرتب کیا ہے۔ جس سے نظیر کے شاعرانہ کمال پر تحقیقی روشنی پڑتی ہے۔ کتاب کے آخر میں فرہنگ و حواشی کا اضافہ کر کے کلام کی معنوی مشکلات و تلمیحات کو حل کیا ہے اور اس کیساتھ متروکات و مصطلحات پر گہری نظر ڈالی ہے۔ کلامِ نظیر کی صحت میں جس دقت سے کام لیا گیا ہے وہ صرف مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکتا ہے یہ کتاب معنوی لطائف کے علاوہ صوری محاسن کا ایک نظر فریب مرقع ہے اس کی ترتیب جو بالکل جدید انداز و طریق ادارت پر کی گئی ہے دلدادگانِ ادب کیلئے خاص دلچسپی رکھتی ہے تقطیع ۲۰×۳۰ ۱۶ ضخامت چار سو صفحات قیمت دو روپیہ علاوہ محصول

ملنے کا پتہ

شاعر بک ڈپو قصر الادب آگرہ

محمد [illegible] پرنٹر و پبلشر نے [illegible] پریس [illegible] قصر الادب [illegible] آگرہ سے شائع کیا

خواجہ میر علی علوی تبریزی موجدِ خطِ نستعلیق کی وصلی کا ایک یادگار نمونہ

www.taemeernews.com

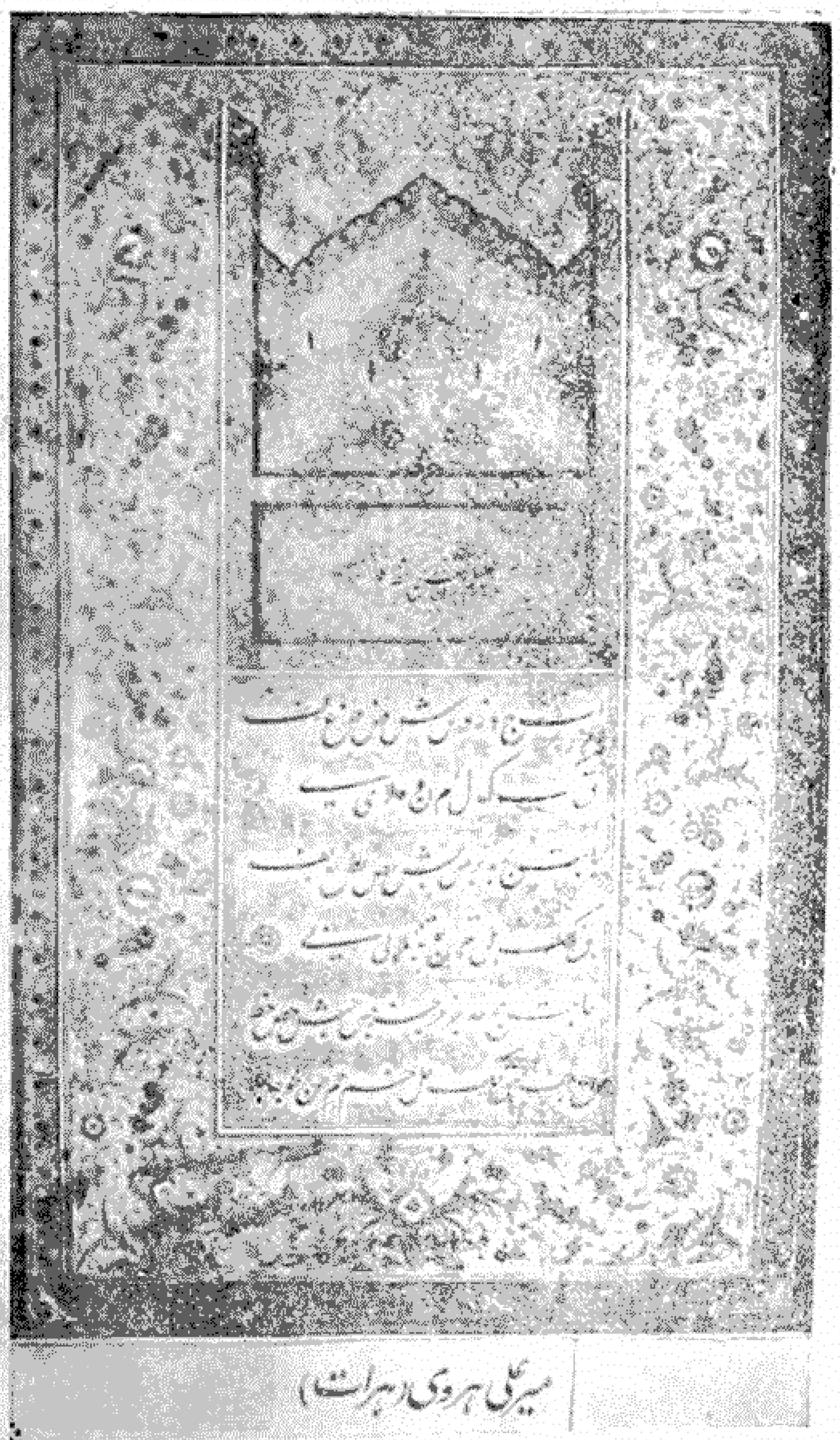

میر علی الکاتب الہروی کی وصلی کا نمونہ

www.taemeernews.com

سید محمد امیر رضوی (میر پنجہ کش) کی وصلی کا ایک اعلیٰ نمونہ

www.taemeernews.com

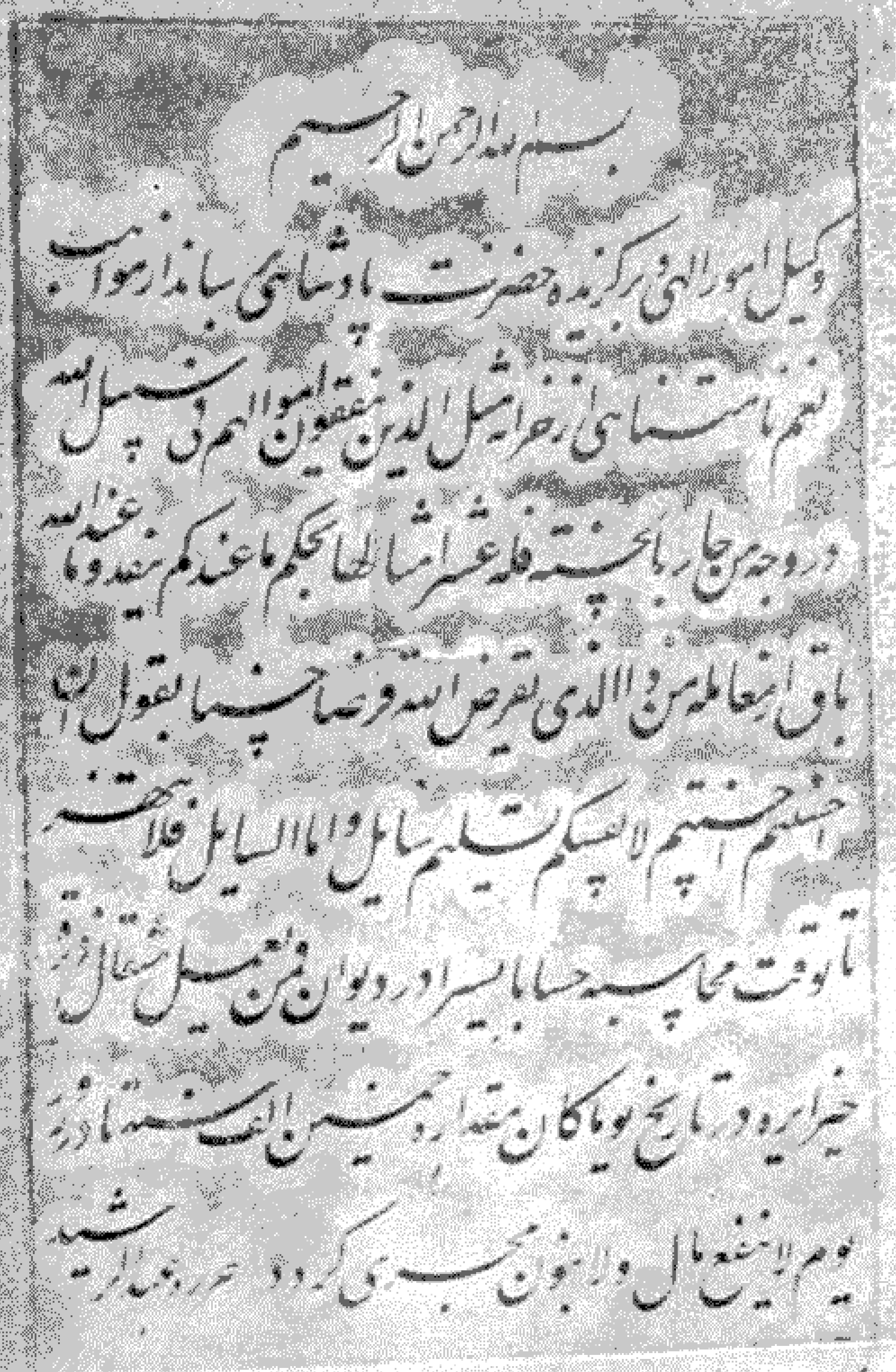

آقا عبدالرشید دیلمی کی وصلی کا فوٹو۔ یہ مطلّا وصلی شاہجہان بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی

آقا عبدالرشید دیلمی کی وصلی کا نمونہ

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

"KARWAN"

The "SHAIR" Agra.
MAY, 1937.

امیر کارواں
حضرت مولانا سیماب صدیقی [illegible] مدظلہ العالی

فہرست تصاویر

حصۂ سالنامۂ شاعر

مرزا داغ اور ان کے تلامذہ
۲ حضرت احسان دانش کاندھلوی
۳ حضرت مولانا حسرت موہانی
۴ جناب سید محمود مورخ بی۔ اے
۵ میاں سجاد حسین صدیقی منیجر شاعر
خواجہ میر علی علوی کی وصلی کا نمونہ
میر علی الکاتب ہروی کی وصلی کا نمونہ
آغا عبدالرشید دیلمی کی وصلی کا نمونہ
۹ سید محمد امیر رضوی کی وصلی کا نمونہ

حصۂ آگرہ اسکول نمبر

۱۰ حضرت قبلہ علامہ مولانا سیماب اکبر آبادی مدظلہٗ (سہ رنگی)[ـه]
میاں مظہر حسین صدیقی سلمہٗ
۱۲ حضرت نہال سیوہاروی
۱۳ حضرت صبا رشیدی ایم۔ اے
۱۴ حضرت ماہر القادری
۱۵ حضرت سرشار کسمنڈوی
۱۶ حضرت دل شاہجہانپوری
حضرت عطاء اللہ پالوی
حضرت سید عنایت علی بی۔ اے اکبر آبادی

حصۂ کارواں

۱۹ سید عنایت علی آغاز برہانپوری

۲۰ مولوی بشارت علی خاں صاحب [illegible] آبادی
مولوی نور الدین صاحب انور بھوپالی
۲۲ فضل الدین صاحب اختر بی۔ اے اکبر آبادی
۲۳ بابو محمد صغیر صاحب اختر اکبر آبادی
۲۴ سید محمد موسیٰ صاحب آنگر سہسرامی
۲۵ سید امجد حسین صاحب امجد
۲۶ وزیر محمد خاں صاحب آذر سرحدی
۲۷ سیٹھ عبدالکریم صاحب اختر ٹمکوری
۲۸ اکبر اسمٰعیل صاحب اکبر مدنی
۲۹ سید مظفر علی صاحب اختر ساہیری بی۔ اے
۳۰ محمد سعید خاں صاحب آشفتہ بہاندری
۳۱ اعجاز صدیقی مدیر شاعر
۳۲ عبدالحمید صاحب برق صدیقی فتحپوری
۳۳ محمد عبداللہ صاحب بسمل
۳۴ محمد سلیمان صاحب پرواز بنگلوری
۳۵ مسٹر سیمویل لائیڈ ثاقب مبرحتی
۳۶ عبدالحفیظ صاحب ثمر بی۔ اے چھپروی
۳۷ صاحبزادہ سلطان حامد خاں صاحب ثروت
۳۸ محمد حفیظ اللہ صاحب حفیظ اکبر آبادی
۳۹ شہزادہ آغا احمد میرزا صاحب حیرت لدھیانوی
۴۰ مولوی نصیر الدین صاحب تپش
۴۱ بابو [illegible] الدین صاحب [illegible] اکبر آبادی
۴۲ بابو رام جوایا صاحب خنداں جہلمی
۴۳ عبدالستار خاں صاحب [illegible] گوالاروی
۴۴ غلام محی الدین صاحب [illegible] صدیقی [illegible]

ـه چونکہ مولانا مدظلہٗ کا سہ رنگا بلاک کلکتہ سے بن کر نہ آسکا۔ اس لئے مجبوراً یک رنگی تصویر دی جا رہی ہے۔

www.taemeernews.com

۴۵ ابوالفاضل راز چاندپوری
۴۶ عبدالرضا صاحب رضا قریشی گوالیاری
۴۷ جسونت رائے صاحب رضا لمبوی
۴۸ ریاض الدین احمد صاحب ریاض اکبرآبادی
۴۹ محمد یار خاں صاحب ساغر نظامی
۵۰ مولوی خیر عالم صاحب ساحر اکبرآبادی
۵۱ محمد خلیل صاحب ساغر صدیقی اکبرآبادی
۵۲ صاحبزادہ حامد سعید خاں صاحب ساحل ٹونکی
۵۳ سید سیف علی صاحب سیف اکبرآبادی
۵۴ فیاض حسین صاحب سیفی اکبرآبادی
۵۵ غلام احمد صاحب سلیم قریشی
۵۶ صاحبزادہ شفیق الرحمن خاں صاحب شفق ٹونکی
۵۷ مولوی مشتاق احمد صاحب شوق چاندپوری
۵۸ کرتار ناتھ صاحب شفق صحرائی سیالکوٹی
۵۹ شفیق اللہ خاں صاحب شفیق کوٹی۔
۶۰ محمد عبدالرشید صاحب شفق سیتاپوری۔
۶۱ غلام قادر صاحب شہزور بی۔ اے کاشمیری
۶۲ محمد ولایت علی صاحب شمیم اکبرآبادی
۶۳ راجپال صاحب چمپر صحرائی بی۔ اے۔
۶۴ محمد ایوب صاحب صابر ٹکھرڈی
۶۵ رفیع احمد صاحب صبا متھرادی
۶۶ مسٹر اے بی نفیس صابر بی اے اکبرآبادی
۶۷ محمد صادق صاحب ضیا جنیوڈی بی۔ اے
۶۸ دھرلال صاحب سونی ضیا فتح آبادی۔ ایم اے
۶۹ پروفیسر نند لال صاحب طالب ایم اے ایم۔ او۔ ایل کشمیری
۷۰ عبدالمجید صاحب طالب جہلمی
۷۱ مولوی عبدالحی صاحب عارف بجاگھپوری
۷۲ ابوالعرفان مولوی حبیب اللہ عرفانی ٹونکی
۷۳ فیاض حسین صاحب فیاض اکبرآبادی
۷۴ حکیم الدین صاحب فہیم انصاری فیروزآبادی
۷۵ اسلام اللہ بیگ فدا اکبرآبادی

۷۶ فضل الدین صاحب فضا کہیم کرنوی
۷۷ ماسٹر سری کرشن صاحب فضا پٹیالوی
۷۸ عبدالستار خاں صاحب فکری بھوپالی
۷۹ حکیم بدیع الزماں صاحب قمر سہسرامی
۸۰ سید اشفاق حسین صاحب کوثر نقوی
۸۱ شیخ منظور الٰہی صاحب کوثر
۸۲ محمد عبدالحمید صاحب کوکو صدیقی
۸۳ شیخ محسن صاحب کلیم کساروی
۸۴ نثار الملک تیر احمدی اجمیری
۸۵ شمشاد حسین صاحب منظر اکبرآبادی
۸۶ محمد محسن صاحب محسن اکبرآبادی
۸۷ سید منظور احمد صاحب منظر بھوپالی
۸۸ خان صاحب حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر اکبرآبادی
۸۹ گوربخش سنگھ صاحب مخمور جالندھری
۹۰ محمد عبداللہ صاحب مضطر
۹۱ راجہ محمد لطیف خاں صاحب موزوں کاشمیری
۹۲ مولوی مظہرالدین صاحب مظہر امرتسری
۹۳ سید حامد علی صاحب ناقد نقوی
۹۴ نذیر الحق صاحب نذیر سیٹرکوٹی
۹۵ حبیب احمد صاحب نسیم متھرادی
۹۶ سید عنایت علی صاحب ناوش رضوی
۹۷ نثار حسین صاحب نثار اٹاوی
۹۸ شنکر لال صاحب وفا اکبرآبادی
۹۹ حسن یاور صاحب یاور نقوی
۱۰۰ حاجی محمد عمر صاحب عمر اکبرآبادی مرحوم
۱۰۱ ارشاد محمد خاں صاحب ارشاد نظامی اکبرآبادی مرحوم
۱۰۲ بلدیو سہائے صاحب صحرائی سرودی مرحوم
۱۰۳ سید عباس علی صاحب سرور اکبرآبادی مرحوم
۱۰۴ محمد حنیف ہاشمی غفاری بی۔ اے مرحوم
۱۰۵ غلام حسین لکبر بی۔ اے امرتسری مرحوم

www.taemeernews.com

حضرت مولانا حسرت موہانی

جناب سید محمود مورخ ایم۔ اے مدیر "گلفروش" دہلی

www.taemeernews.com

The "SHAIR" Agra.
(Annual Number)
MAY, 1937.

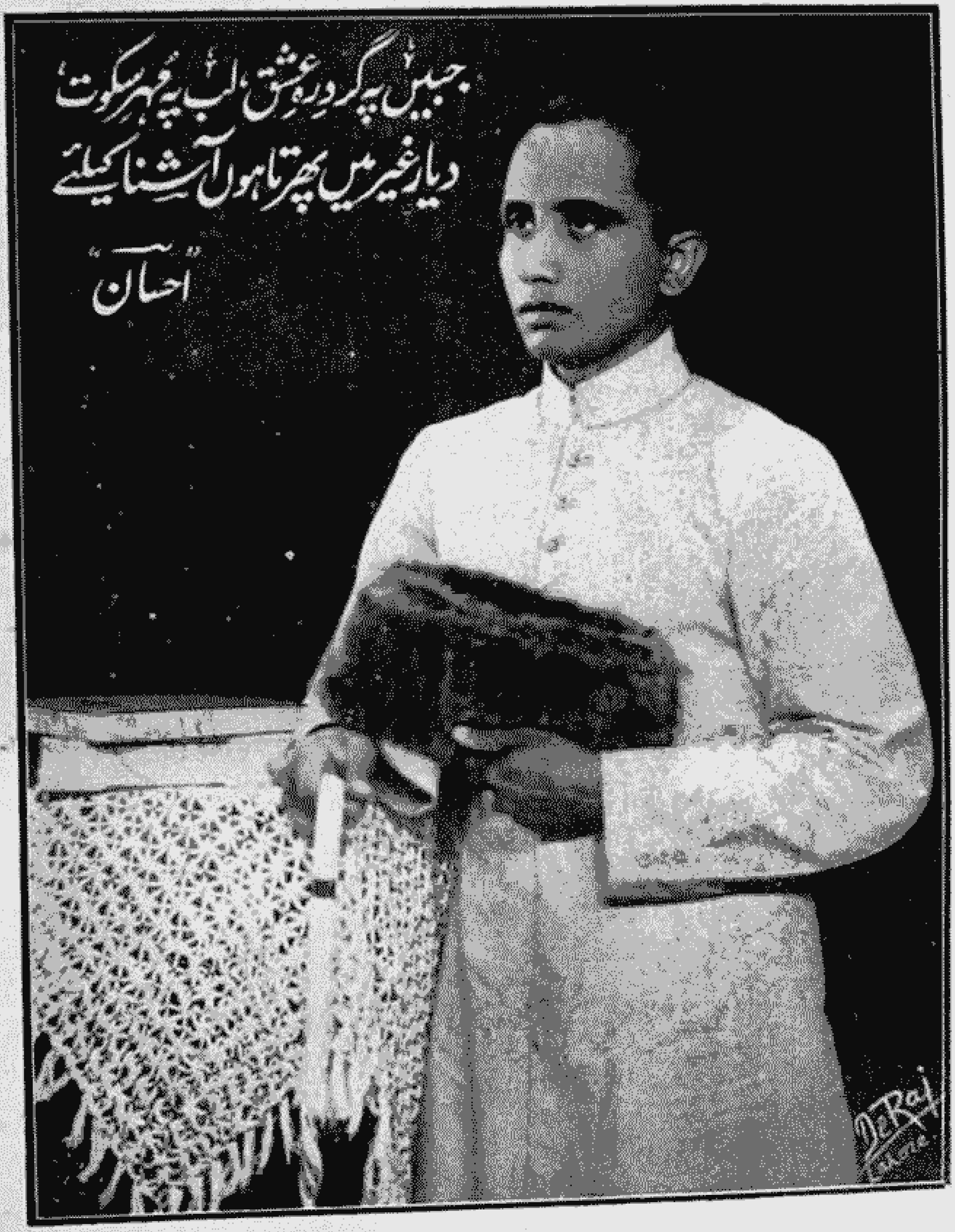

حضرتِ احسانؔ دانش کاندھلوی

www.taemeernews.com

میاں سجاد حسین صدیقی اکبرآبادی

مینجر "شاعر"

www.taemeernews.com

The "SHAIR" Agra.
(Annual Number)
MAY 1937

مرزا داغ اور اُنکے نورتن

www.taemeernews.com

حضرت نہال سیوہاروی

حضرت صبا رشیدی. ایم۔اے

www.taemeernews.com

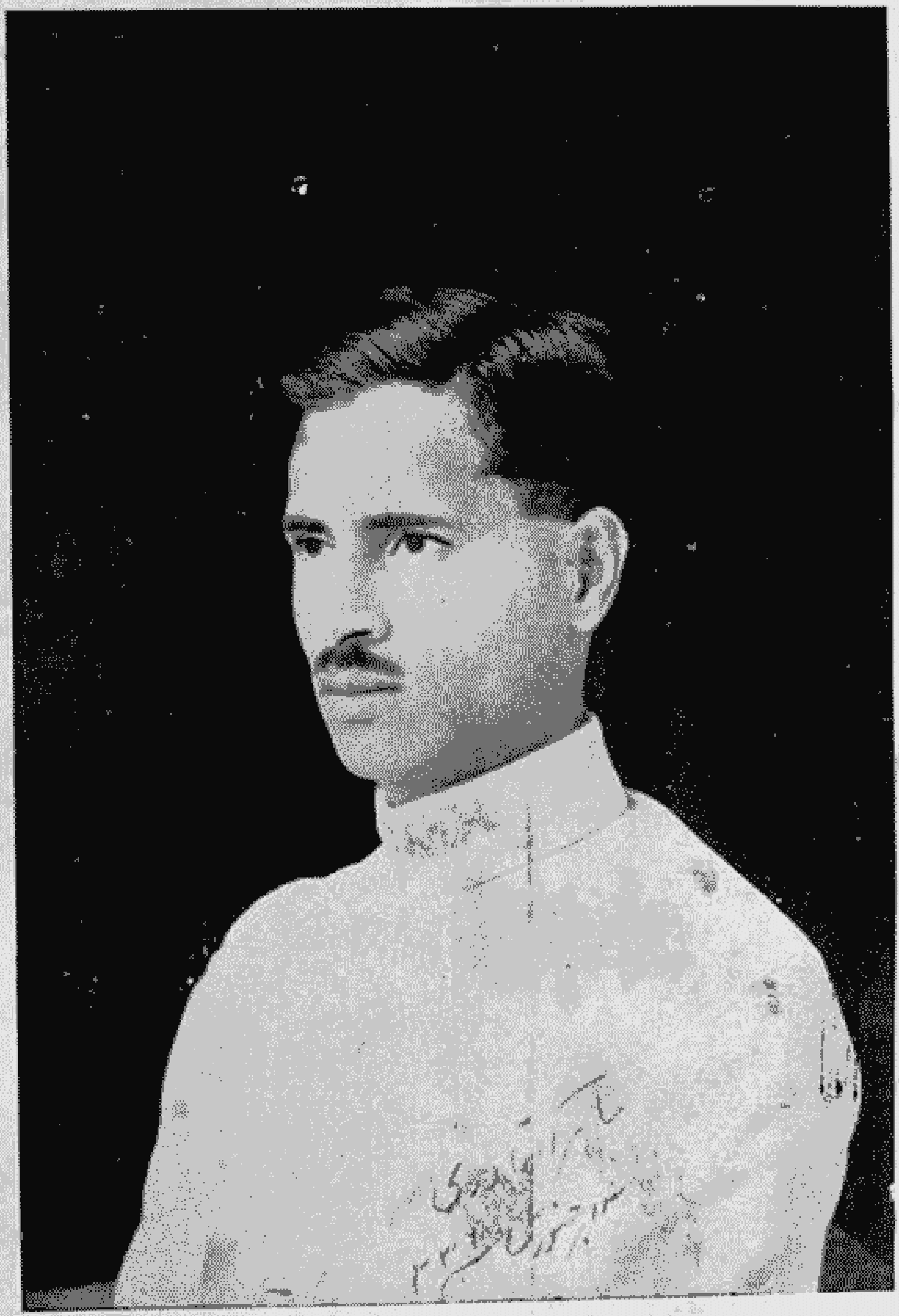

حضرت مولانا ماہر القادری

www.taemeernews.com

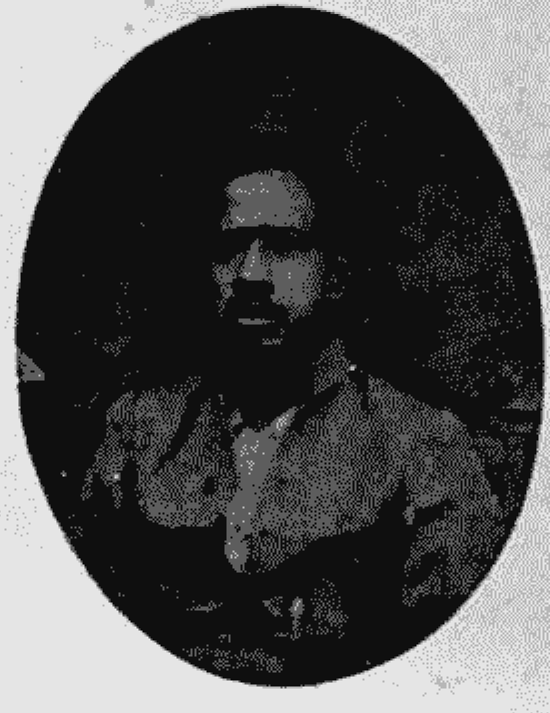

حضرت مولانا سرشار کمنڈوی

حضرتِ دل شاہجہانپوری

www.taemeernews.com

جناب عطا اللہ صاحب پالوی

جناب سید عنایت علی صاحب بی۔ اے (علیگ)

www.taemeernews.com

سید عنایت علی صاحب آغاز برہانپوری

مولوی بشارت علی خاں صاحب ایمان آفریدی اکبرآبادی

مولوی محمد نورالدین صاحب انور بھوپالی

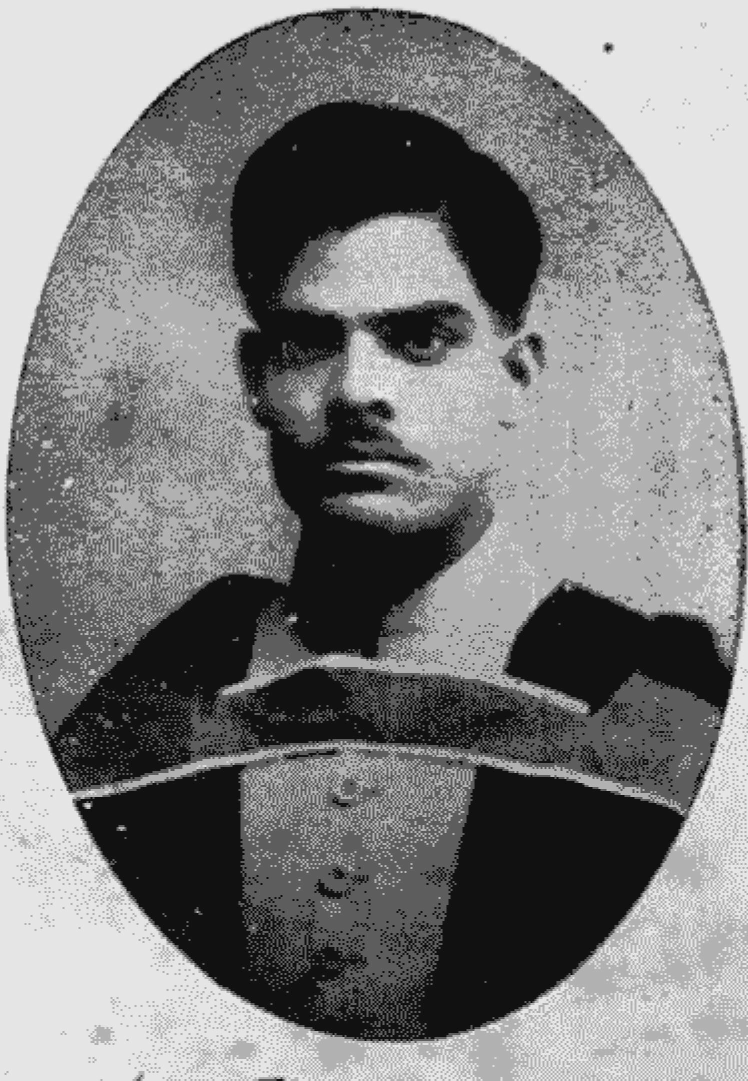

فضل الدین صاحب آثر بی۔ اے اکبرآبادی

www.taemeernews.com

محمد صغیر صاحب اثر اکبرآبادی

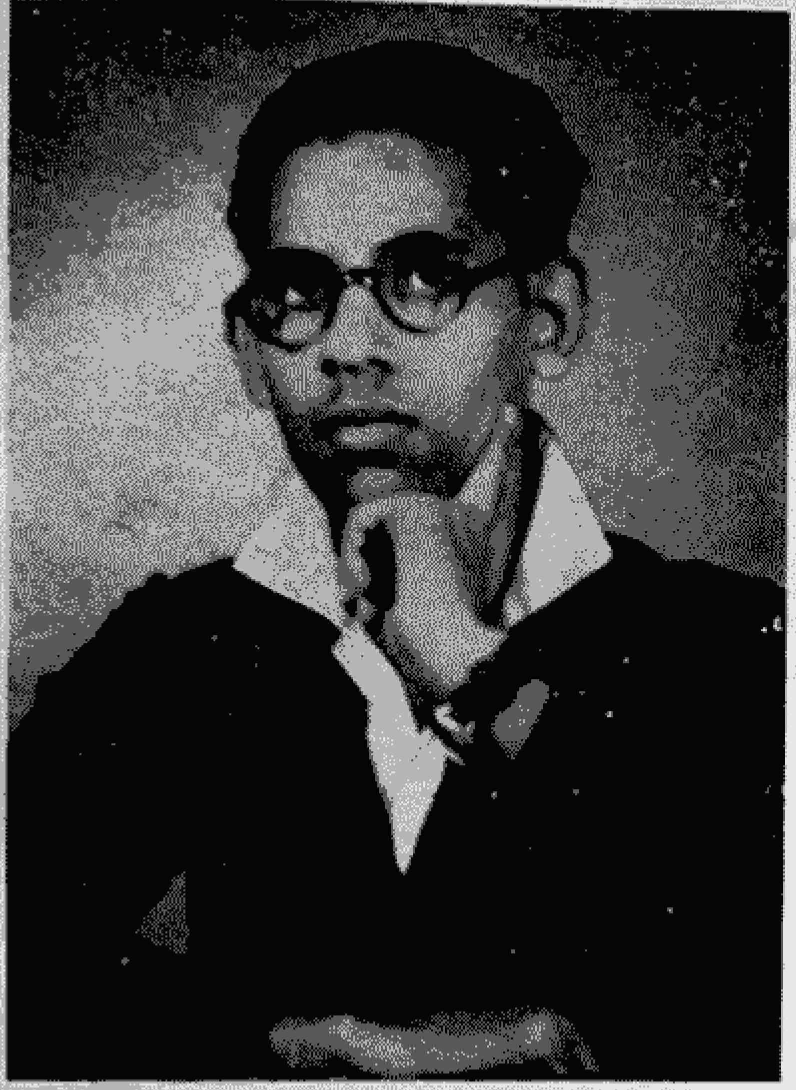

سید محمد موسیٰ صاحب اختر سہسرامی

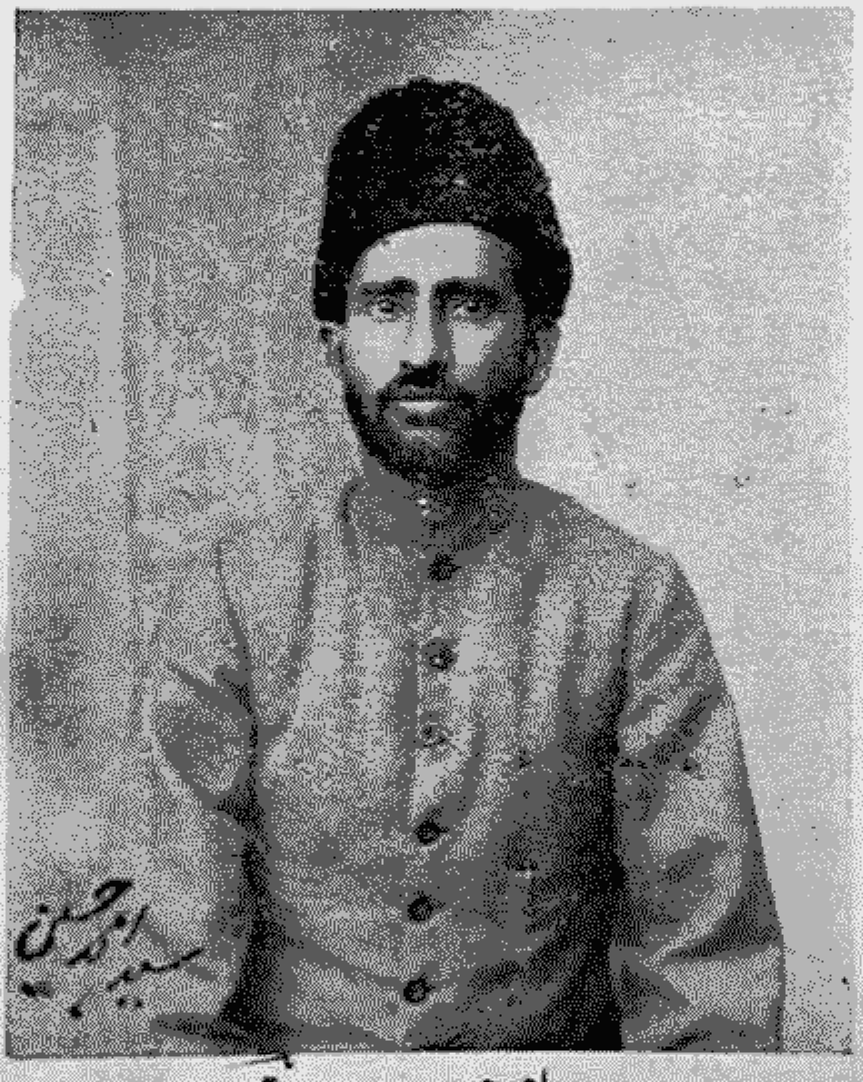

سید امجد حسین صاحب امجد

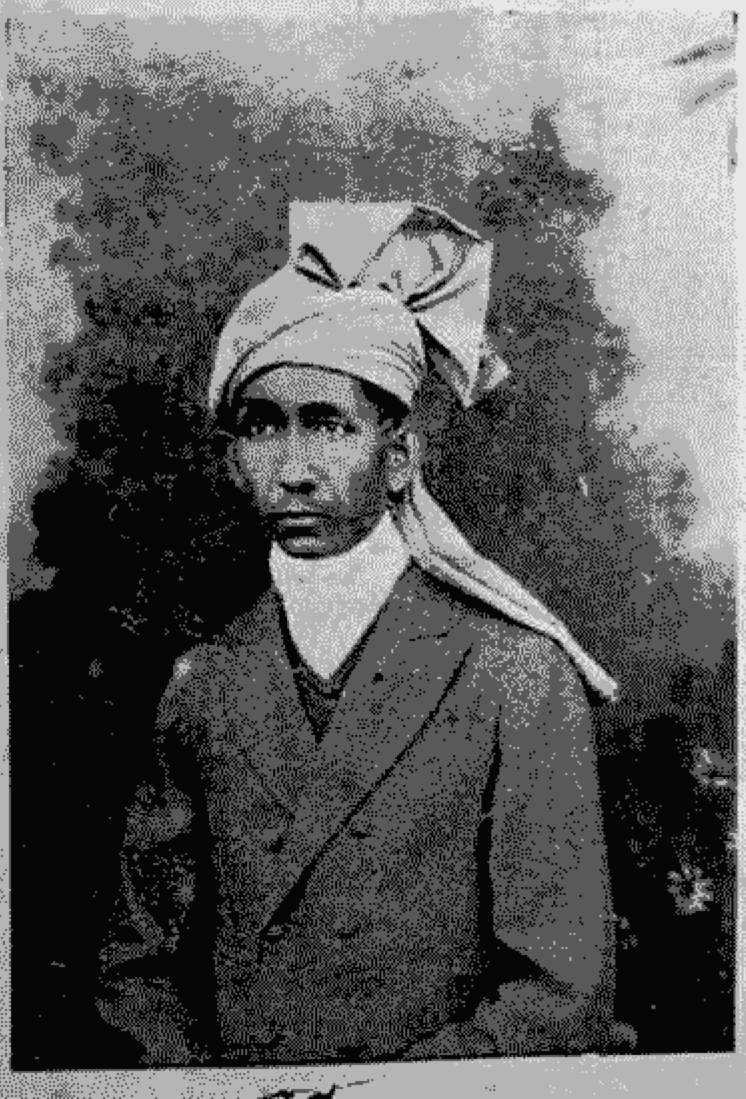

وزیر محمد خاں صاحب آذر سرحدی

www.taemeernews.com

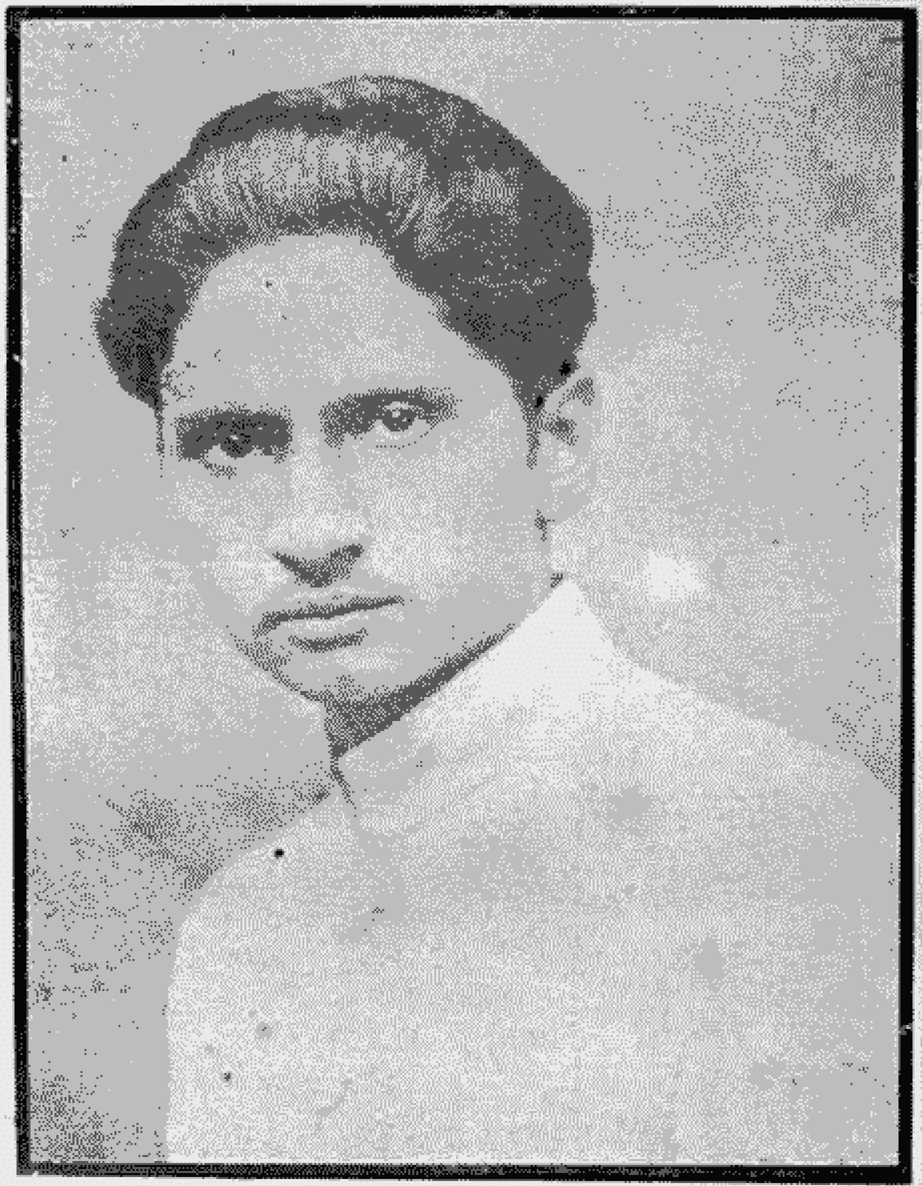

اعجاز حسین اعجازؔ صدیقی اکبرآبادی

مدیر "شاعر" و مرتب "کارواں"

www.taemeernews.com

سیٹھ عبدالکریم صاحب اختر ٹلچری

اکبر اسمٰعیل صاحب اکبر عدنی بنگالی

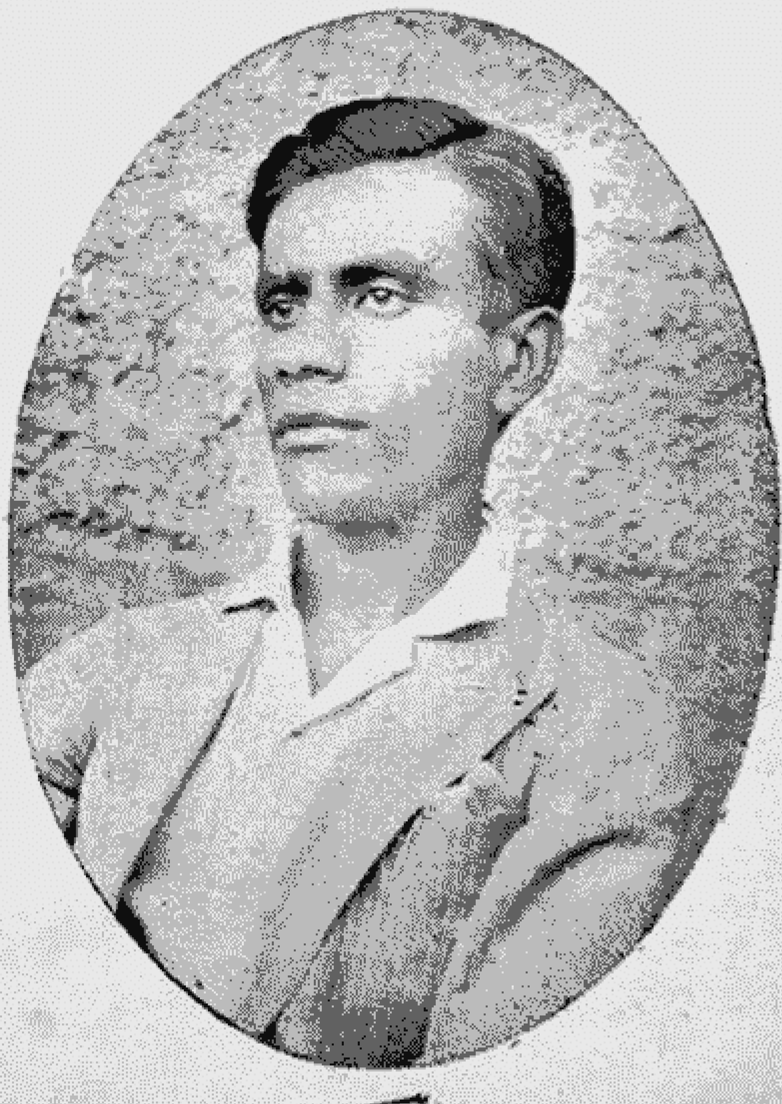

سید مظفر علی صاحب اثر صابری بی اے

محمد سعید خانصاحب آزاد بیادری

www.taemeernews.com

عزیزی میاں مظہر حسین صدیقی سلمہٗ

The "SHAIR" Agra.
— MAY, 1937.

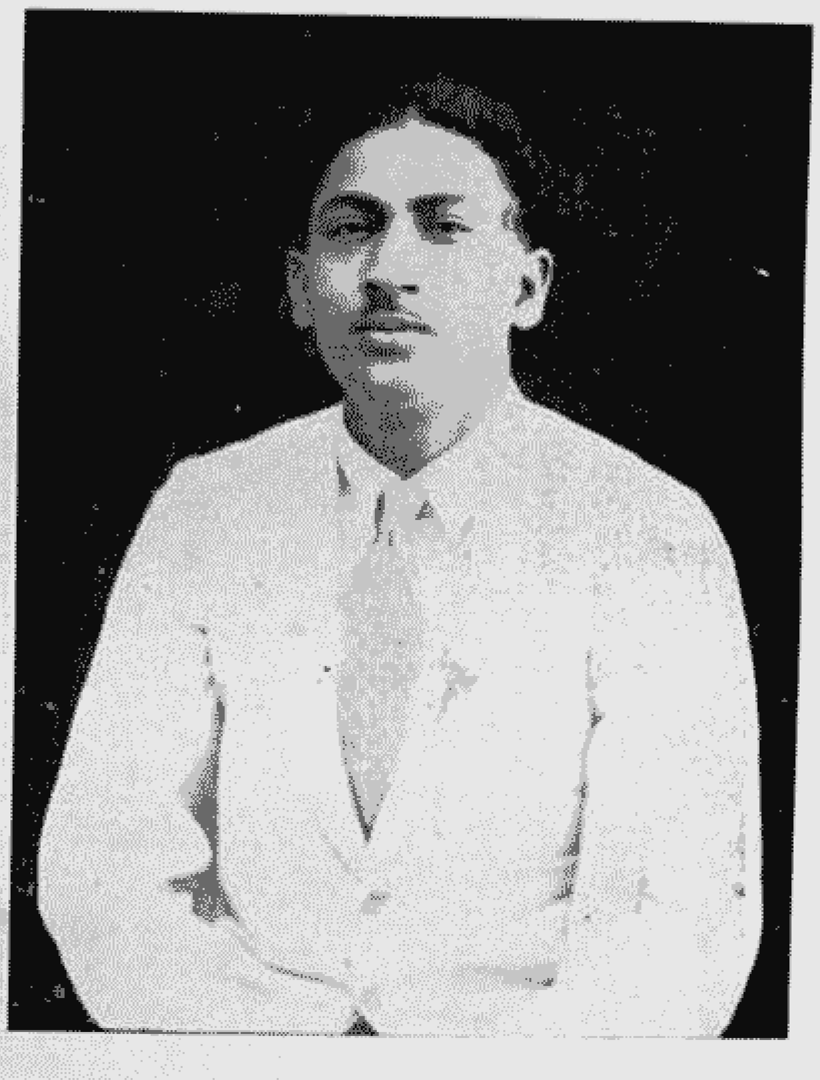

مسٹر اے-بی فلیمن صابر بی اے الہ آبادی

www.taemeernews.com

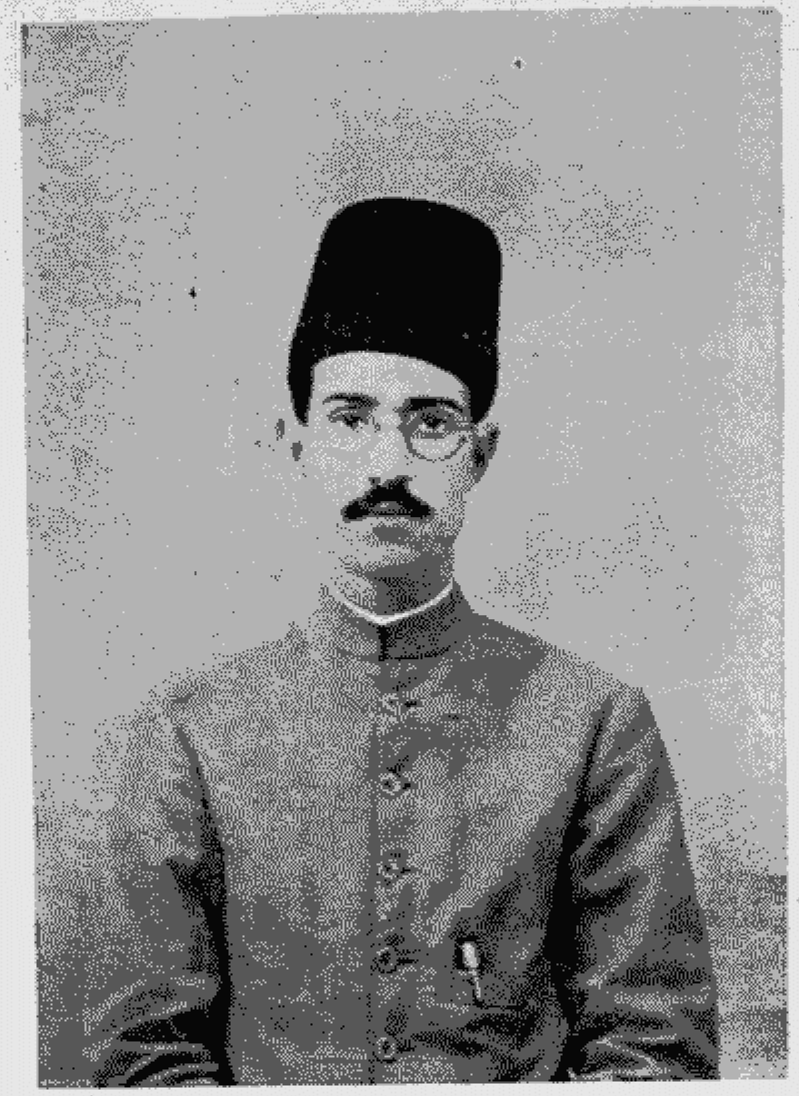

محمد اللہ صاحب بسمل

عبدالحمید صاحب برق صدیقی فتحپوری

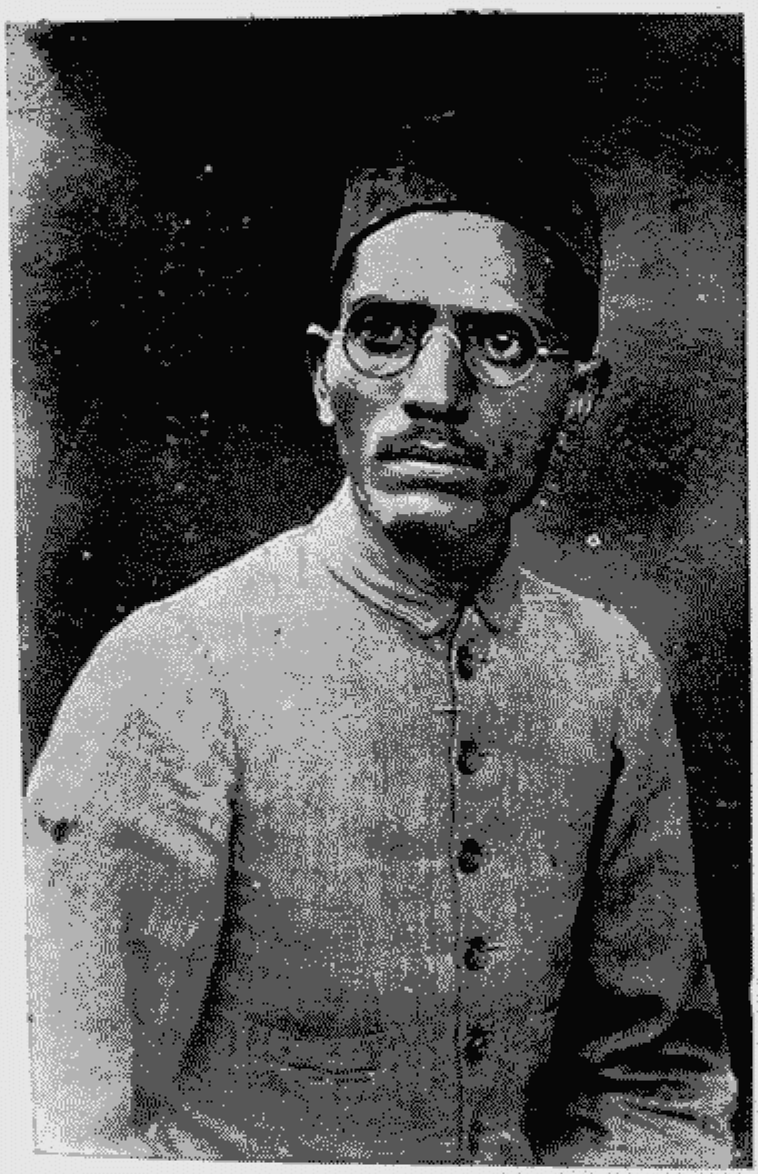

مسٹر سیموئل لائٹ ثاقب میرٹھی

محمد سلیمان صاحب پرواز بنگلوری

صاحبزادہ سلطان حامد خاں صاحب ثروت

عبدالحفیظ صاحب ثمر چھپروی بی۔ اے

شہزادہ آغا احمد میر صاحب حیرت لدھیانوی

محمد حفیظ اللہ صاحب حفیظ اکبرآبادی

www.taemeernews.com

امیرالدین صاحب حیدر صدیقی اکبرآبادی

مولوی نصیرالدین صاحب حیدر

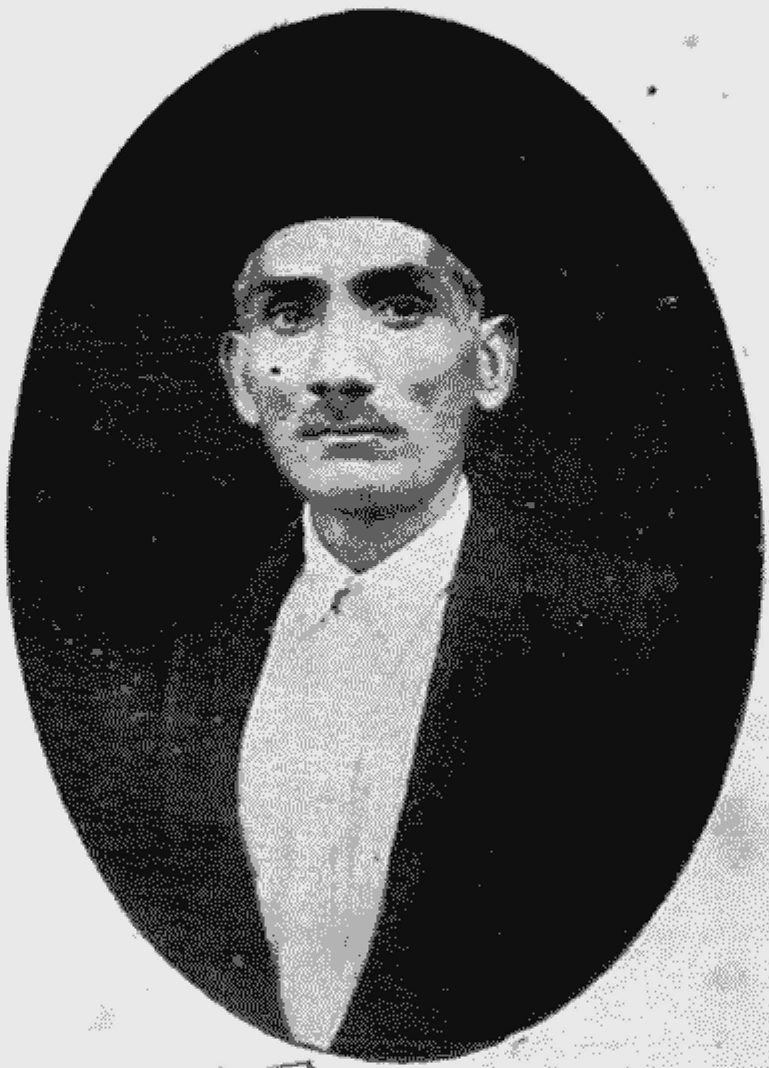

غلام محی الدین صاحب خادم بھڑوچی

بابو رام جوایا صاحب خنداں جہلمی

عبدالرشید صاحب ذرہ صدیقی اکبرآبادی

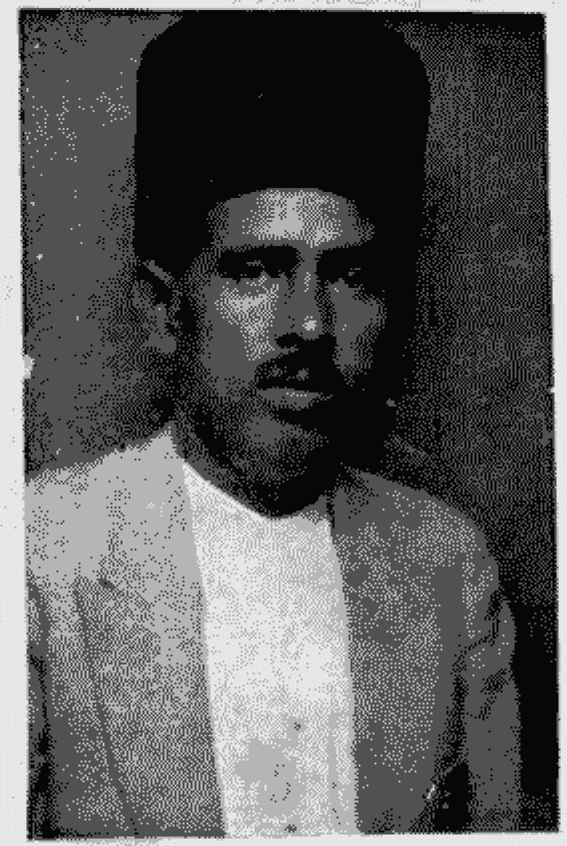

عبدالستار خاں صاحب خلیل کولاری

جونت رائے صاحب رعنا بلوی

عبدالرضا صاحب رضا قریشی

www.taemeernews.com

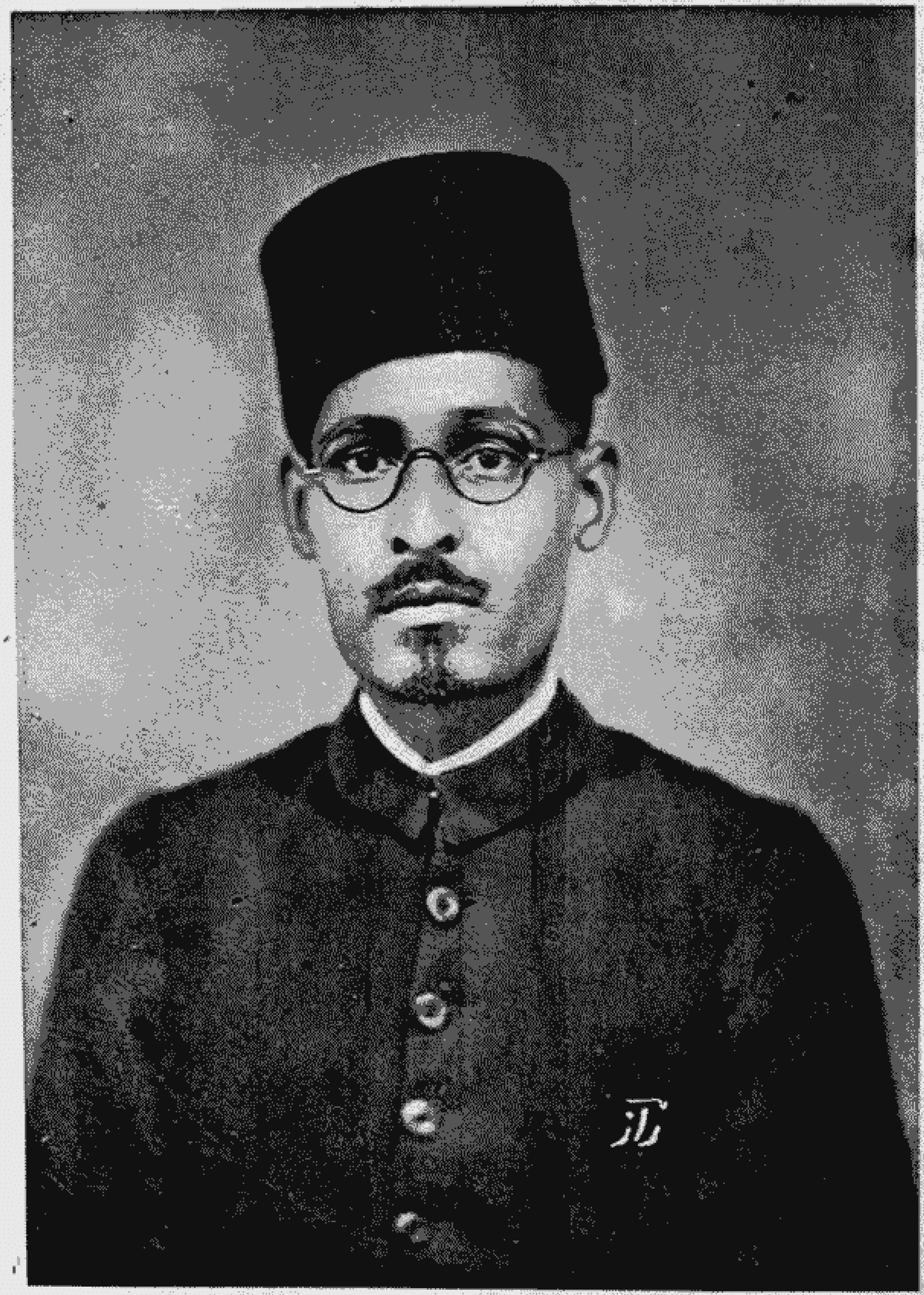

ابوالفاضل محمد صادق صاحب رازؔ چاندپوری

www.taemeernews.com

ریاض الدین احمد صاحب ریاضؔ اکبرآبادی

www.taemeernews.com

صمد یار خاں صاحب ساغر نظامی

مولوی ضمیر عالم صاحب ساحر اکبرآبادی

صاحبزادہ حامد سعید خاں صاحب ساحل ٹونکی

سید سیف علی صاحب سیف رضوی اکبرآبادی

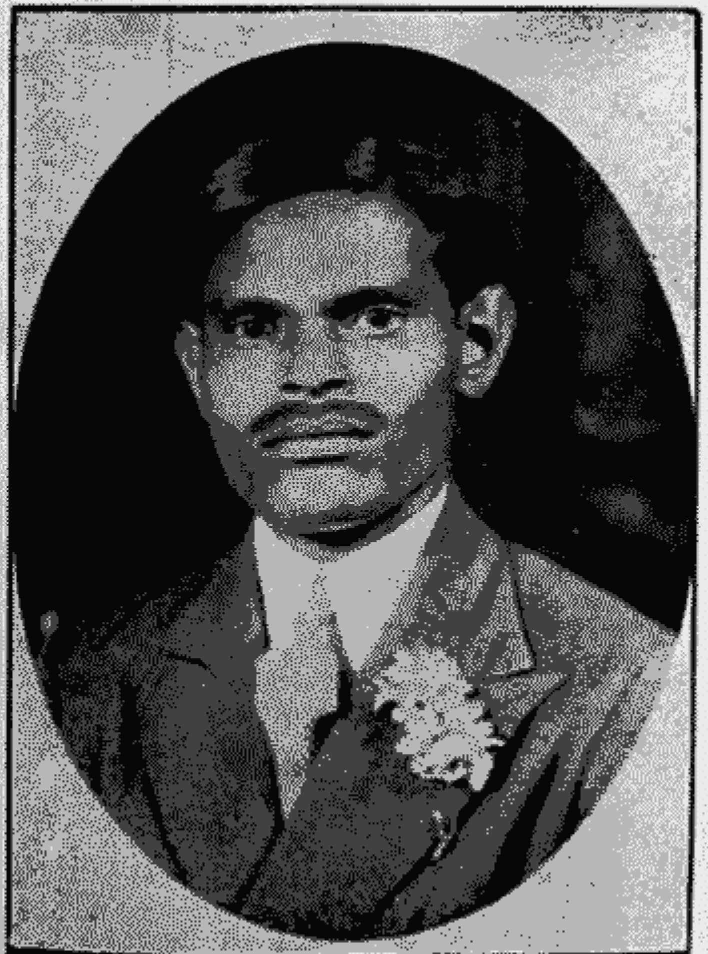

فیاض حسین صاحب سیفی اکبرآبادی

www.taemeernews.com

غلام احمد صاحب سلیم قریشی

صاحبزادہ شفیق الرحمٰن خاں صاحب شفق ٹونکی

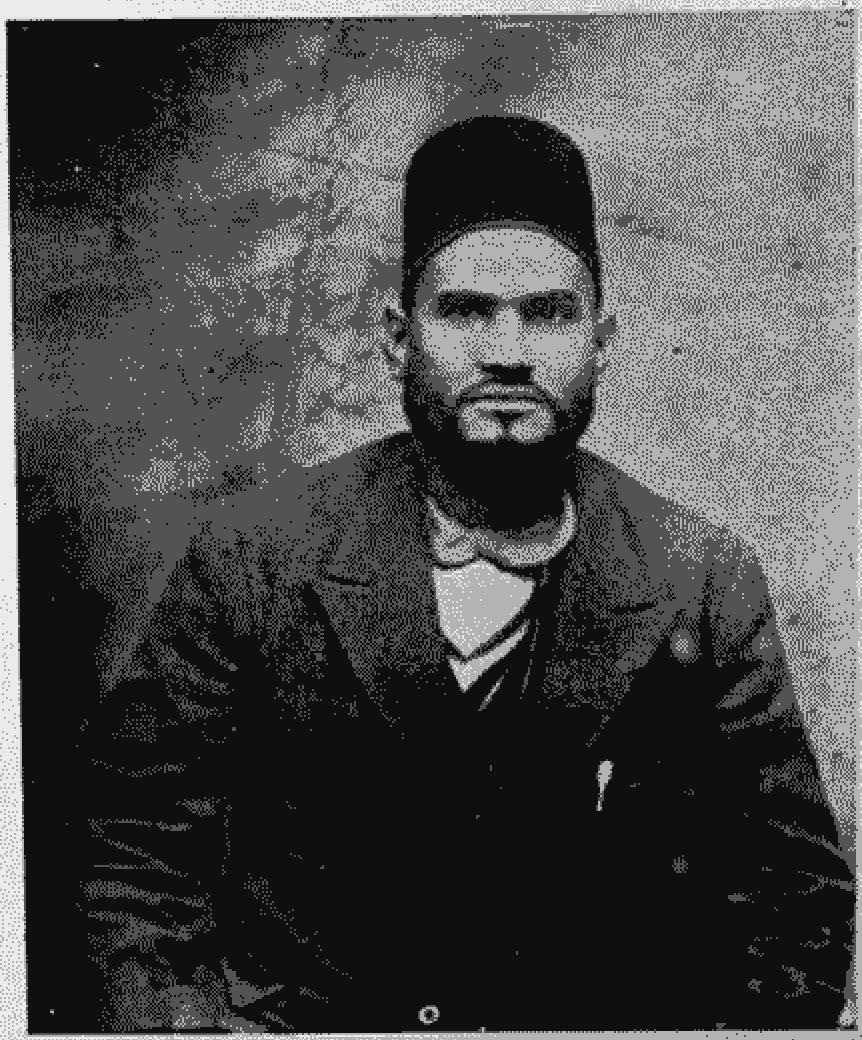

مولوی مشتاق احمد صاحب شوق باندپوری

کرتار ناتھ صاحب شفق صحرائی سیالکوٹی

www.taemeernews.com

شفیق اللہ خاں صاحب تشفیق کوٹی

محمد عبدالرشید صاحب تنغف سینائی

غلام قادر صاحب تنہزور بی اے کاشمیری

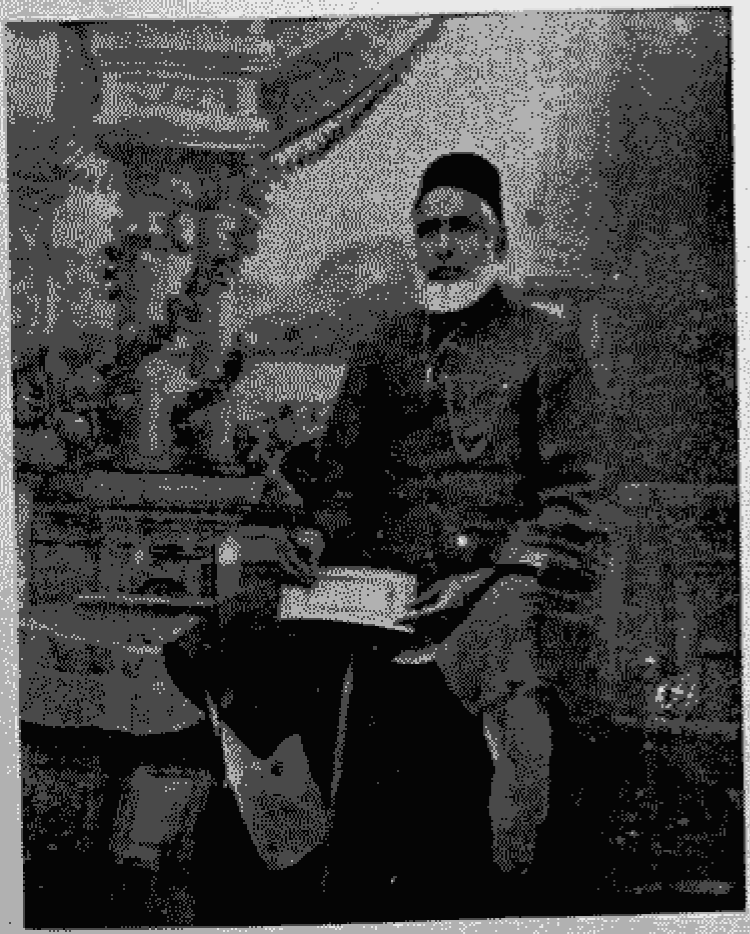

سید محمد ولایت علی صاحب شمیم اکبرآبادی

www.taemeernews.com

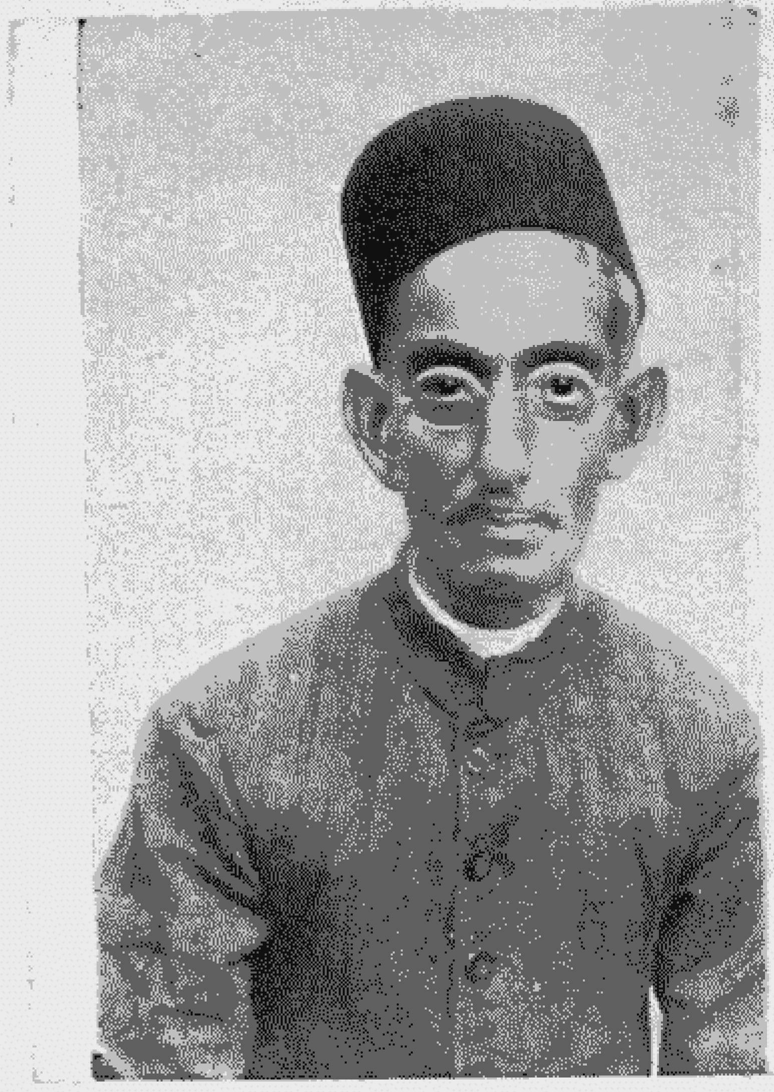

محمد ایوب صاحب صابر تلہجری

راجپال صاحب چھبر صحرائی بی۔ اے

رفیع احمد صاحب صبا متھراوی

www.taemeernews.com

محمد صادق صاحب ضیا چنیوٹی بی۔اے

مہر لال صاحب سونی ضیا فتح آبادی ایم۔اے

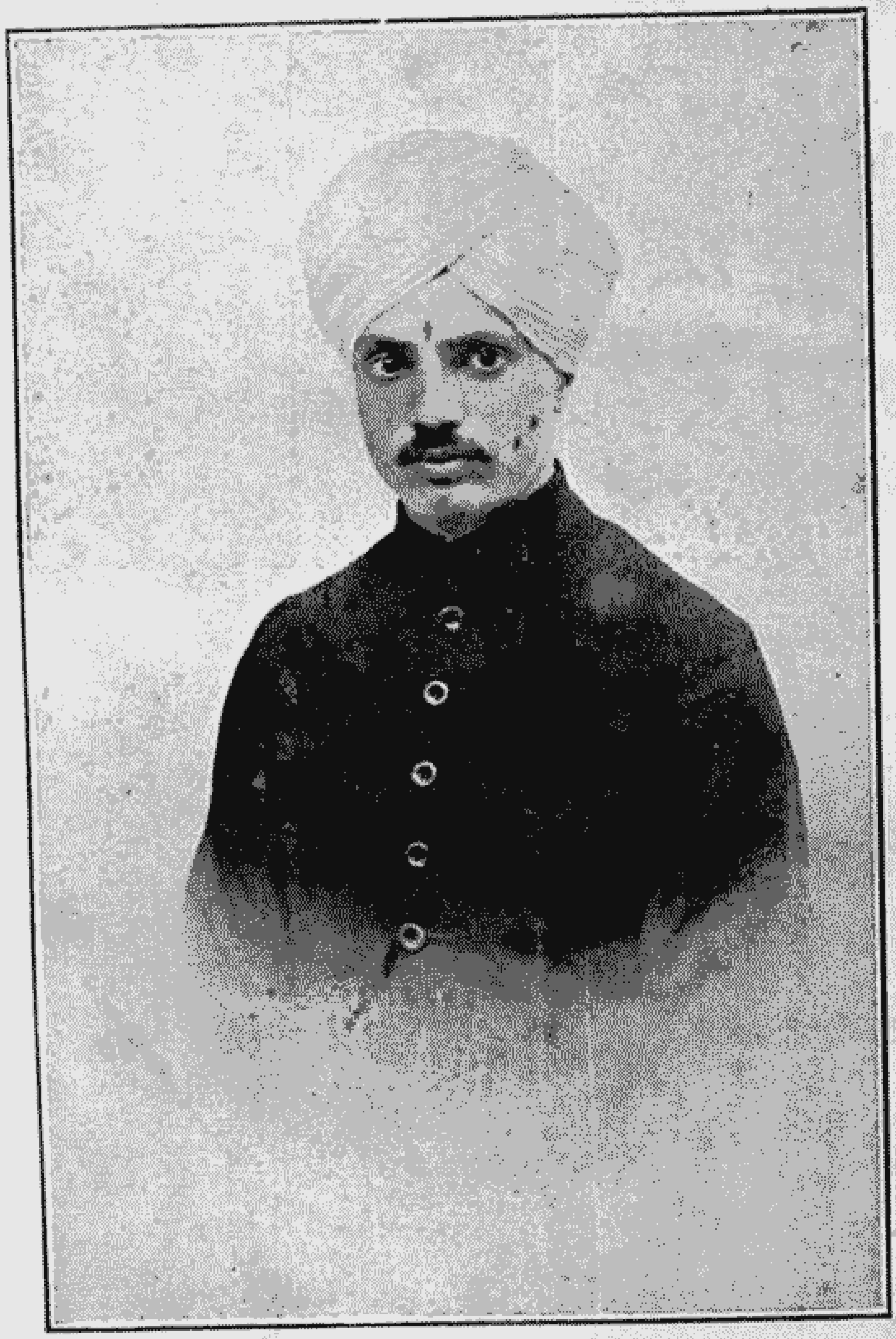

پروفیسر پنڈت نندلال صاحب طالب کاشمیری ایم اے - ایم - او - ایل

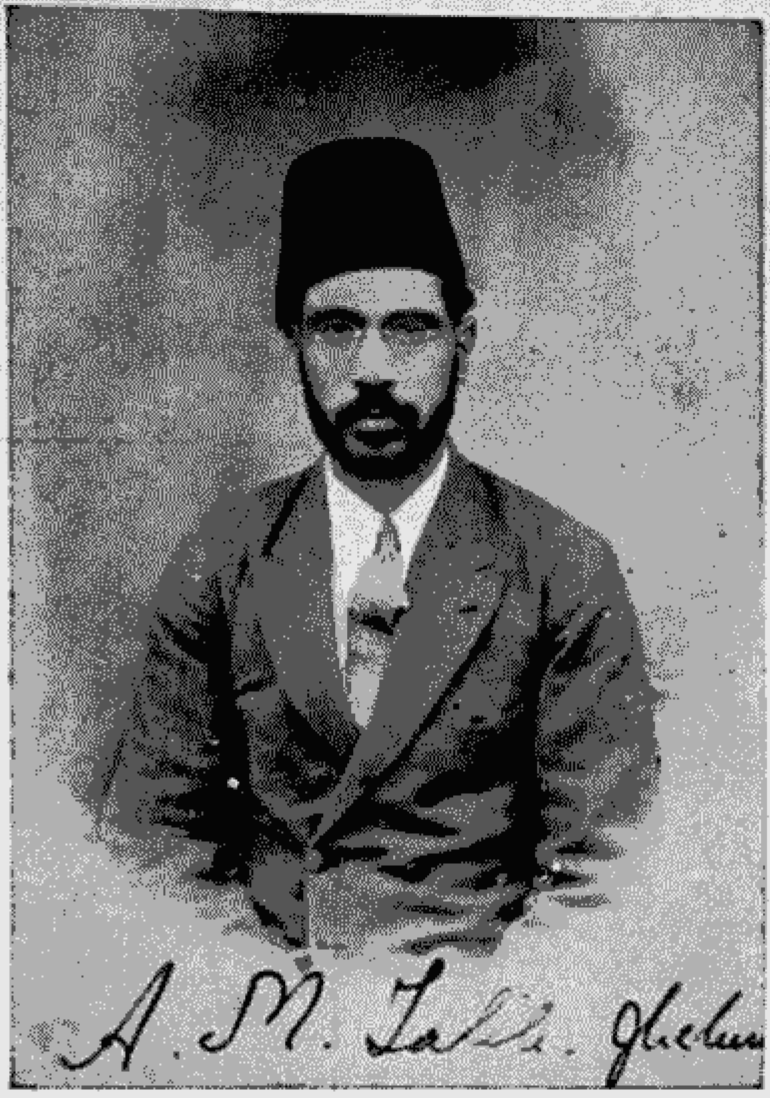

مرزا عبدالمجید صاحب طالب جہلمی

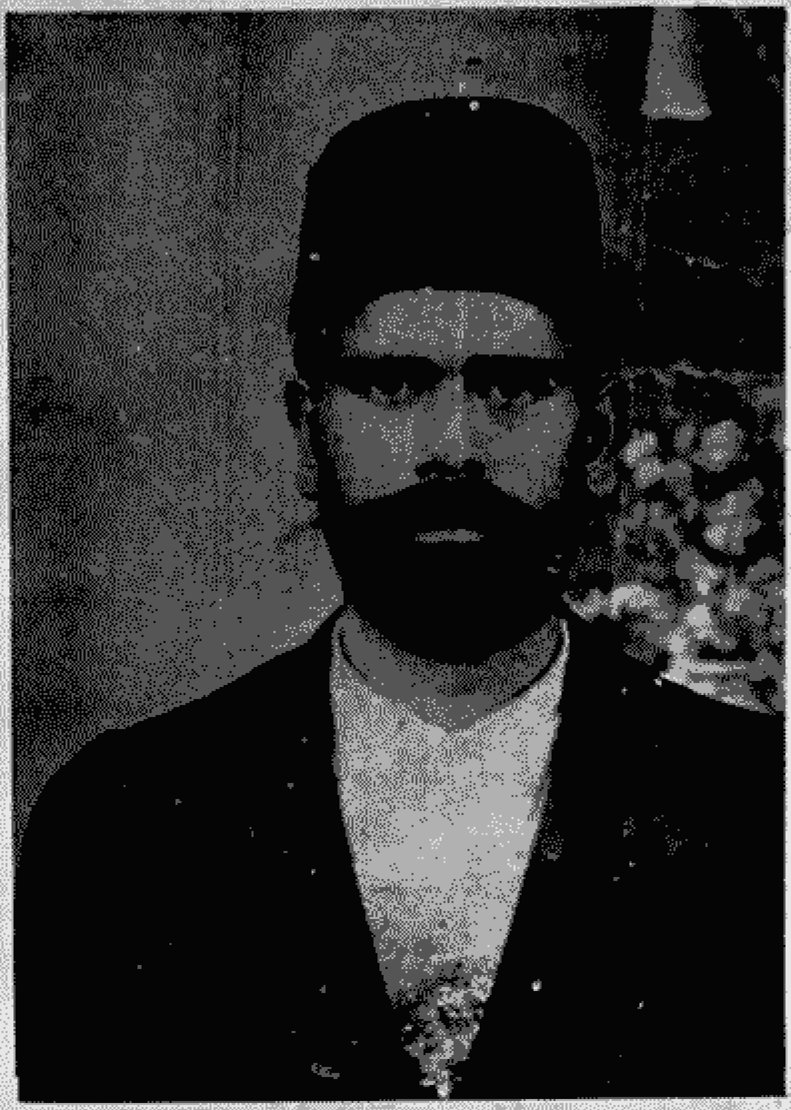

مولوی عبدالحیٔ صاحب عارف بھاگلپوری

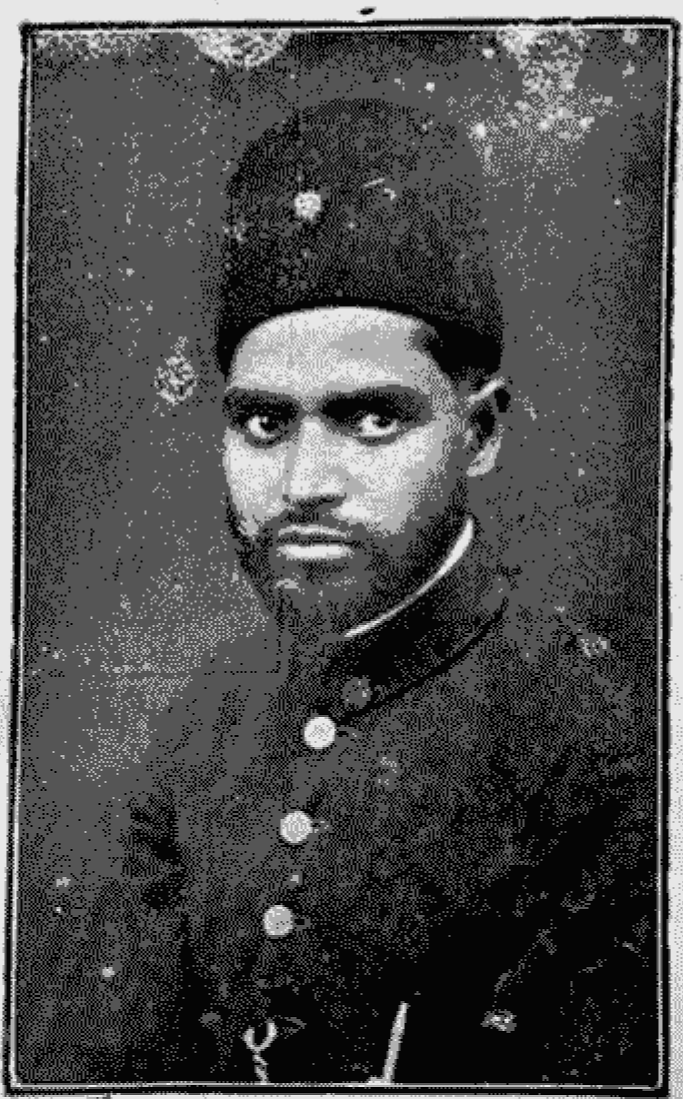

ابوالعرفان مولوی حبیب اللہ صاحب فضائی ٹونکی

فیاض حسین صاحب فیاض اکبرآبادی

www.taemeernews.com

حکیم الدین صاحب فہیم انصاری فیروز آبادی

مرزا اسلام اللہ بیگ صاحب فضا الہ آبادی

فضل الدین صاحب فدا کھیم کرنوی

ماسٹر سری کرشن صاحب فدا پٹیالوی

www.taemeernews.com

The "SHAIR" Agra.
— MAY, 1937 —

عبدالستار خاں صاحب فکری بھوپالی

حکیم بدیع الزماں صاحب قمر نعمانی سہرامی

www.taemeernews.com

میر احمد صدیق شاہ صاحب قاتل لکھنوی

www.taemeernews.com

سید اشتیاق حسین صاحب کوثر نقوی البخاری

شیخ منظور الٰہی صاحب کوثر

www.taemeernews.com

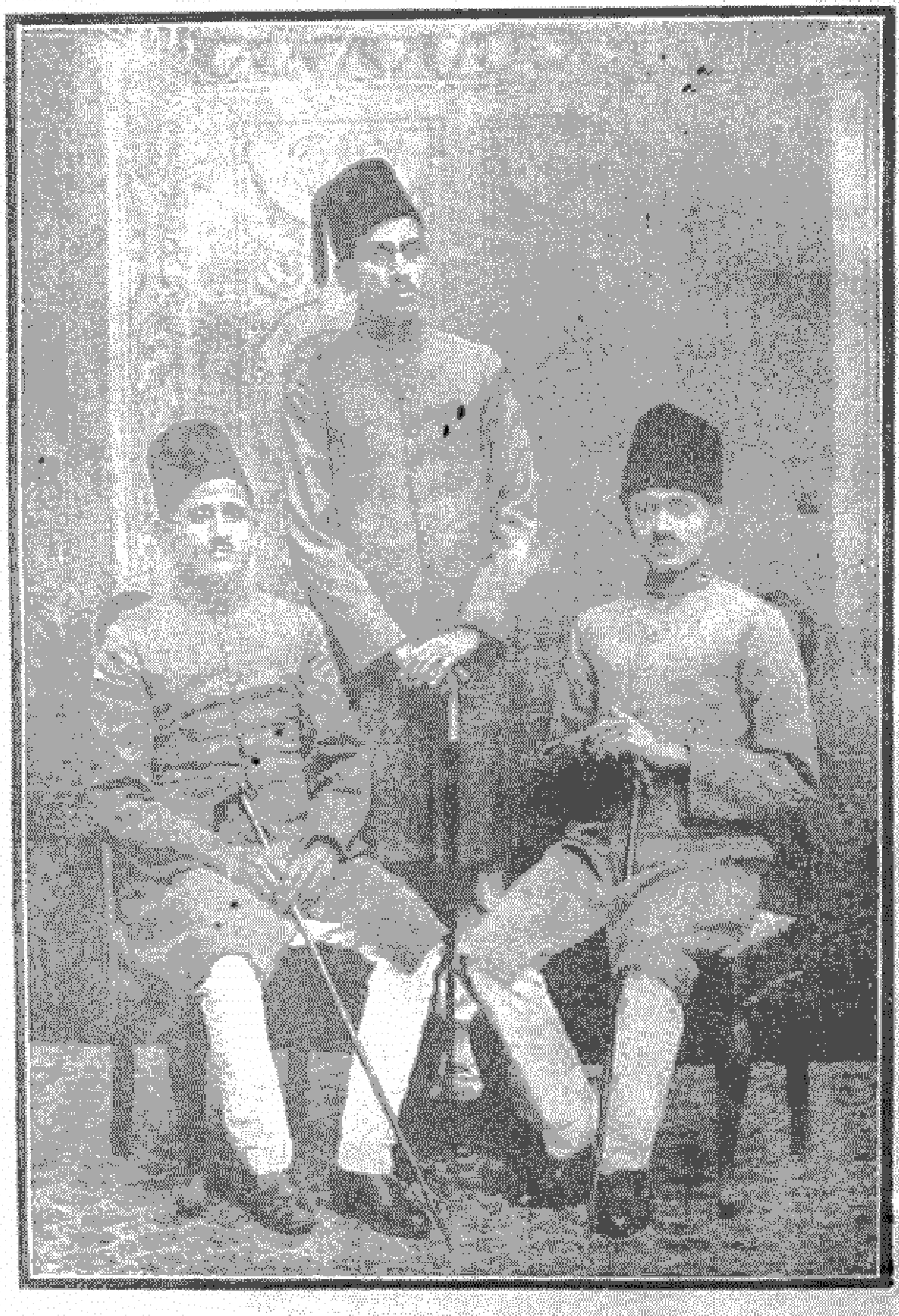

تشاد حسین صاحب منظر صدیقی اکبرآبادی ۔ محمد خلیل صاحب ساغر صدیقی اکبرآبادی

عبدالحمید صاحب کوثر صدیقی اکبرآبادی

www.taemeernews.com

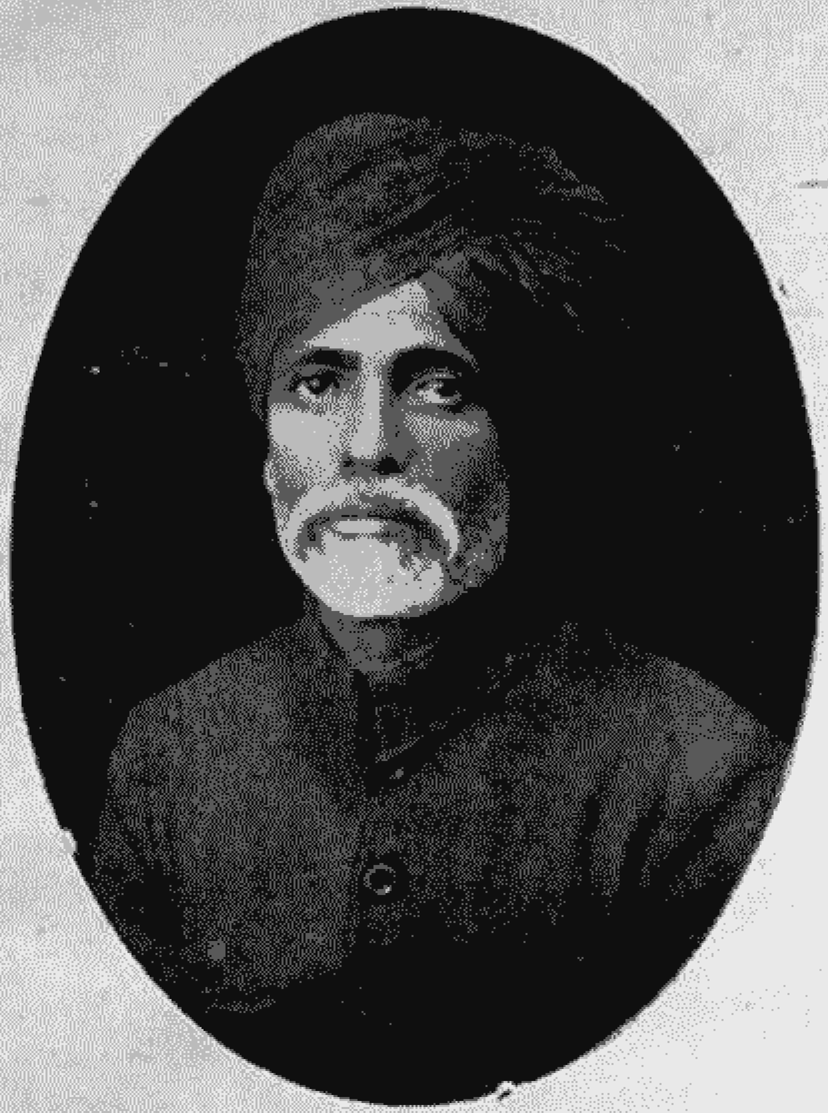

نثار الملک محمد علی صاحب میر اسدی اجمیری

شیخ جمن صاحب کلیم کساروی

سید منظور احمد صاحب منظر رضوی بھوپالی

محمد محسن صاحب محسن اکبرآبادی

www.taemeernews.com

گوربخش سنگھ صاحب مخمور جالندھری

خان صاحب حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر اکبرآبادی

راجہ محمد لطیف خاں صاحب موزوں کاشمیری

محمد عبداللہ صاحب مضطر عالم گڑھی

www.taemeernews.com

سید حامد علی صاحب ناقد بی۔اے۔ ٹونکی

مولوی منظہر الدین صاحب مظہر امرتسری

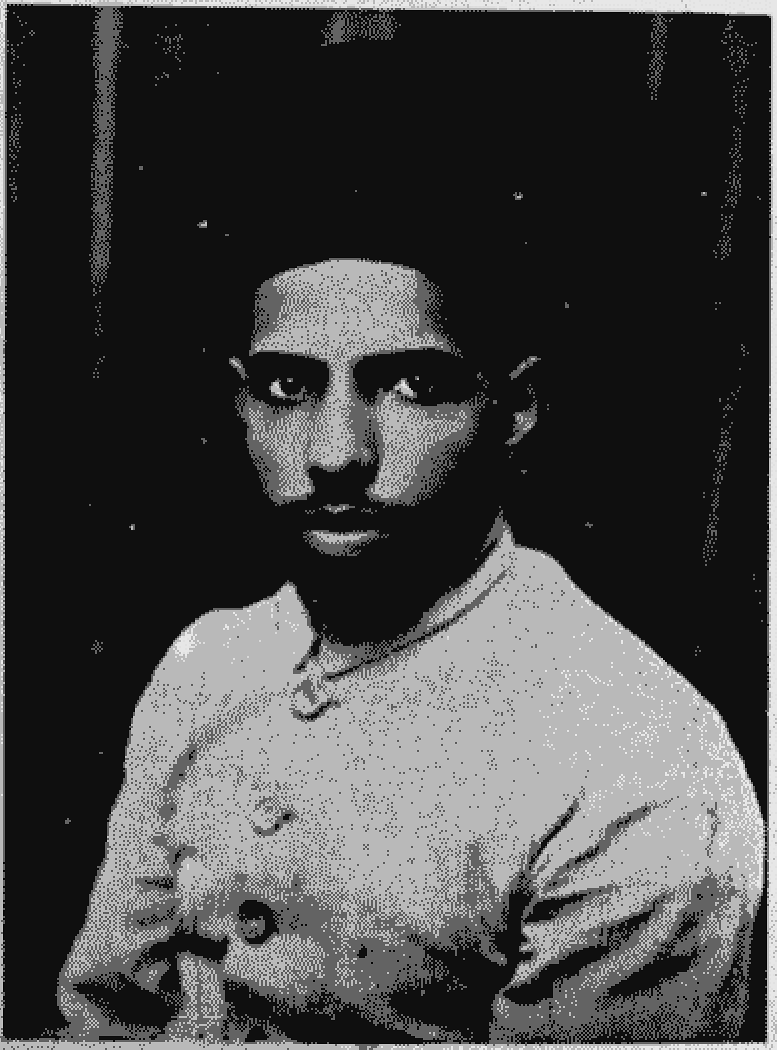

حبیب احمد صاحب نسیم شہزادی

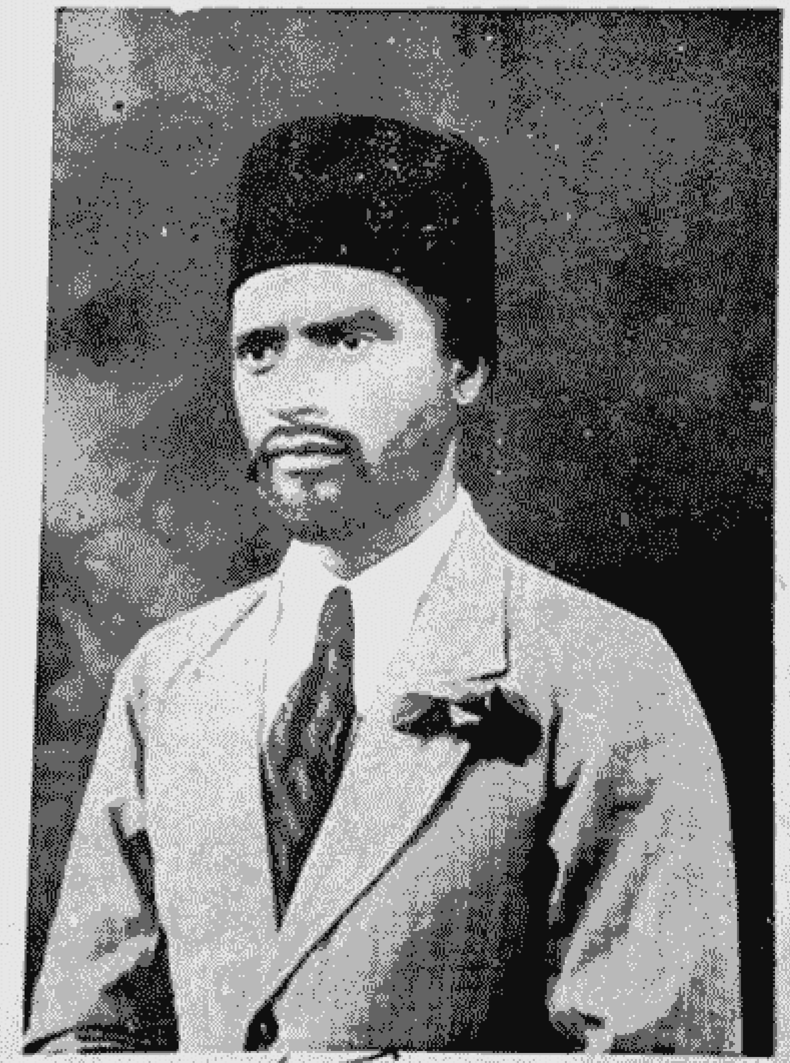

نذیر احمد صاحب نذیر بشیر کوٹی

www.taemeernews.com

The "SHAIR" Agra.
— MAY, 1937. —

ابوظفر جناب نازش رضوی

www.taemeernews.com

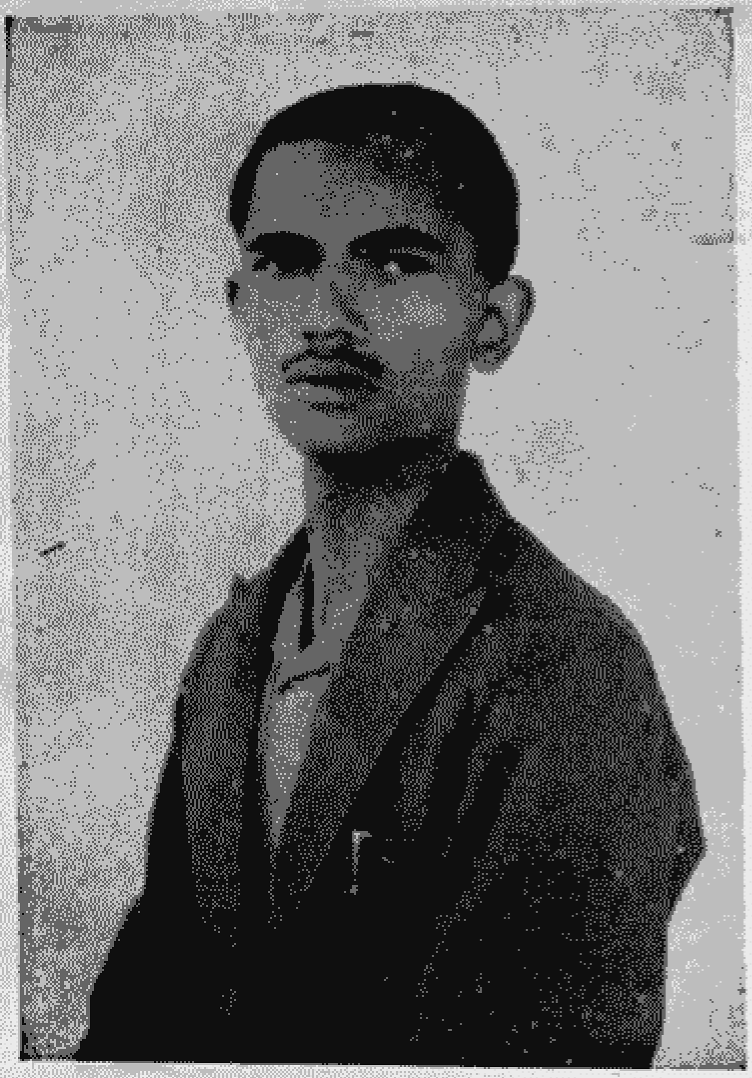

ٹنکی لال صاحب وفا اکبرآبادی

نثار حسین صاحب نثار اٹاوی

سید حسن یاور صاحب یاور نقوی

"KARWAN"

The "SHAIR" Agra.

— MaY, 1937. —

منشی بلدیو سہائے صحرائی مرودی مرحوم

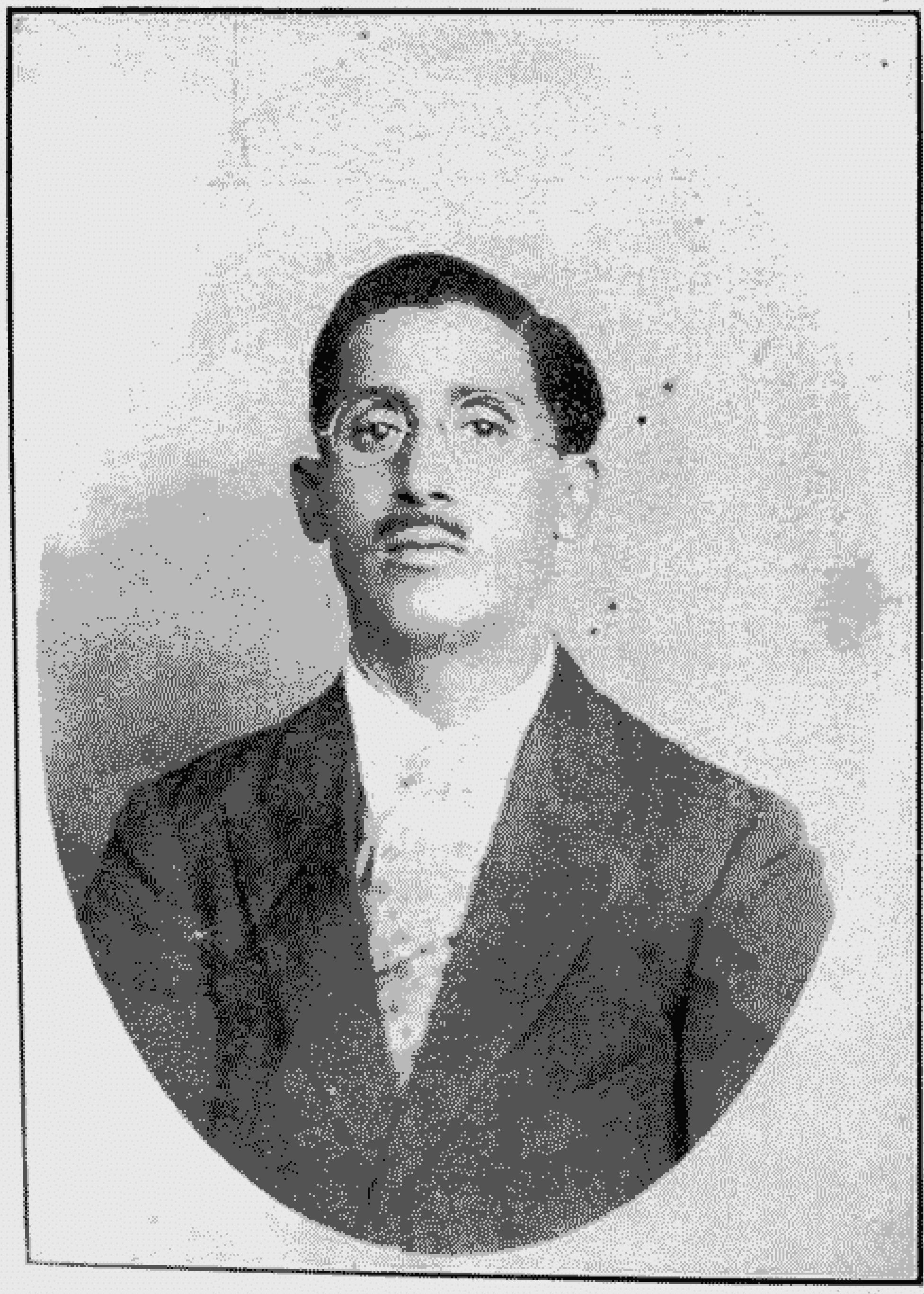

مہرالٰہی انجم میرٹھی مرحوم

www.taemeernews.com

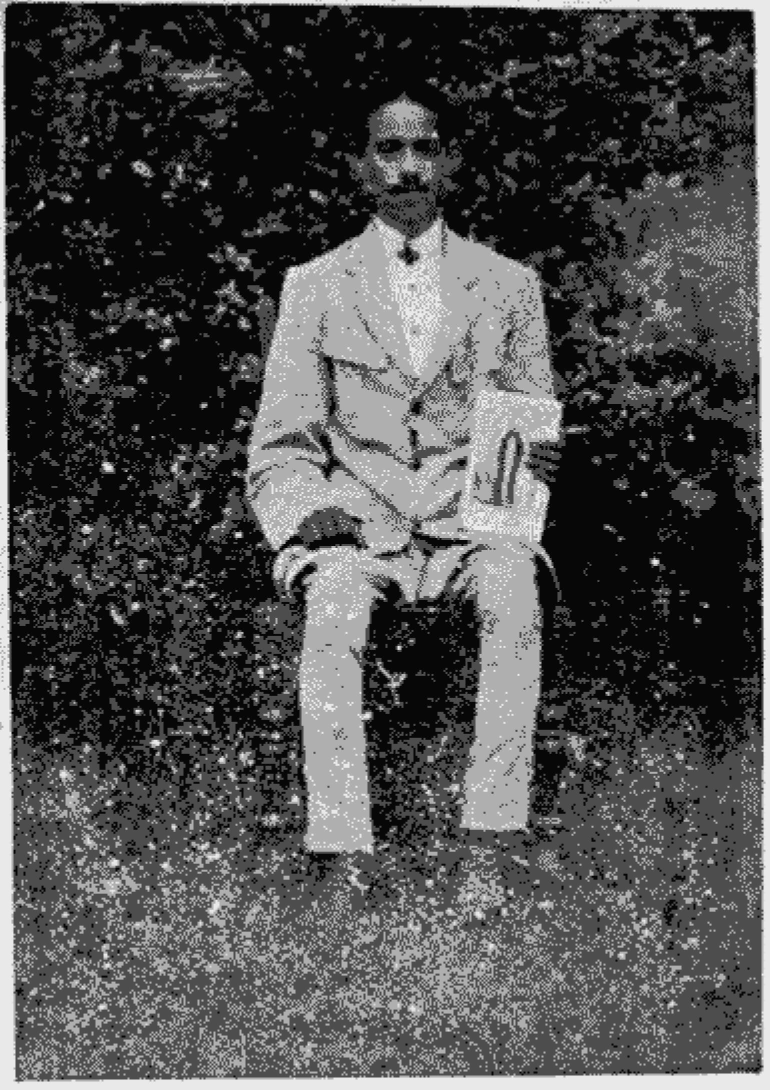

ارشاد احمد خاں ارشاد نظامی اکبرآبادی مرحوم

سید عباس علی سرور اکبرآبادی مرحوم

www.taemeernews.com

حاجی محمد عمر عمر اکبرآبادی مرحوم

www.taemeernews.com

غلام حسین بشر بی۔ اے مرحوم

محمد حنیف ہاشمی خمار بی اے مرحوم

www.taemeernews.com

ہندوستان کے مشہور اساتذہ کے مجموعہ کلام و دیوان جو اردو ادب کے انمول موتی ہیں

باقیات فانی

کون نہیں [illegible] شاعر سوز و گداز حضرت فانی بدایونی کا حضرت ہے اگر آپکو جذبات شاعری کا حقیقی لطف اٹھانا ہو تو ایک جلد ضرور طلب فرمائیں [illegible] نہایت آب و تاب کیساتھ چھپا ہے قیمت [illegible]

ایاغ بزم

ارمغان کے مایہ ناز شاعر مسلم الثبوت استاد حضرت بزم آفندی اکبرآبادی کا تازہ ترین دیوان جس میں معاملات و تاثرات کا دریا موجزن ہے۔ قیمت صرف دو روپیہ

نقوش مانی

جس کا انتظار اہل ذوق کو مدت سے تھا [illegible] وہ مجموعہ چھپ گیا حضرت مانی جائسی کو کون نہیں جانتا ایک ایک شعر جذبات و واردات [illegible] نمونہ ہے جلد طلب فرمائیے [illegible] [illegible]

قصائد نجم

اکبرآباد کے مشہور شاعر حضرت نجم آفندی اکبرآبادی کی لاجواب تصنیف مدح رسول و اہل بیت رسول میں بلند پایہ نظمیں [illegible] رنگ میں عجیب تصنیف ہے۔ قیمت [illegible]

میکدہ

جناب مولوی سید محمد علی شاہ صاحب میکش قادری نیازی اکبرآبادی کے جذبات حسن و عشق اور متصوفانہ کلام کا مجموعہ جس میں نظمیں غزلیں اور [illegible] بھی ہیں [illegible]

روح نظیر

میاں نظیر کے منتخب کلام کا مجموعہ جسکو حضرت مخمور اکبرآبادی نے ایک بسیط مقدمہ [illegible] کے ساتھ کاوش و تحقیق سے مرتب کیا ہے جس سے نظیر کی شاعری کمال پر تحقیقی [illegible] [illegible] قیمت [illegible]

بہار معرفت

اگر آپ کو معرفت کے مضامین دیکھنا ہوں [illegible] [illegible] ہم [illegible] [illegible] [illegible] قیمت [illegible]

دیوان امیر

منشی امیر احمد امیر مینائی فن شعر کے [illegible] [illegible] ہیں ان کا ایک ایک شعر پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے [illegible] بیان کر سکتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ [illegible]

دیوان حافظ

کہاں ہیں باذوق شیراز کے متوالے کہاں ہیں فارسی ادب کے دلدادہ۔ یہ دیوان ابھی حال ہی میں چھپ کر تیار ہوا ہے اور پہلے کے دیوانوں سے نسبتاً قیمت کم ہے قیمت [illegible]

دیوان ذوق

استاد ذوق کی شاعری کا کون ثنا خواں نہیں یہ ایک چھوٹا سا مجموعہ انتخاب مقصد کامیاب ہوا ہے کہ تمام پہلے انتخاب جو استاد ذوق کے کلام کے کئے گئے تھے بیکار ثابت ہوئے ہیں۔ قیمت [illegible]

گلزار داغ

فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کا مشہور دیوان جو صحت کیساتھ [illegible] [illegible] کا ایک ایک شعر [illegible] [illegible] قیمت [illegible]

کلام داغ

یہ چھوٹا سا مجموعہ [illegible] داغ دہلوی کی چیدہ چیدہ غزلوں کا [illegible] ہے محاکات اور واردات کا سمندر موجزن ہے۔ قیمت [illegible]

گلکدہ

حضرت عزیز لکھنوی مرحوم عصر حاضر کے ان باکمال شعرا میں سے تھے جن پر حقیقی شاعری کا اطلاق ہوتا تھا ان کے اشعار [illegible] حقیقت و معرفت کا ایک [illegible] قیمت [illegible]

دیوان اکبر داناپوری

جناب اکبر داناپوری کو کون نہیں جانتا اس دیوان میں جناب اکبر نے اپنی طبیعت کے وہ وہ جوہر دکھلائے ہیں کہ [illegible] والا جھوم جھوم جاتا ہے۔ قیمت صرف [illegible]

انتخاب کلام اکبر الہ آبادی

حضرت اکبر مرحوم کے مسلم الثبوت استاد تھے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

فغان آرزو

جناب سید انوار حسین صاحب آرزو جانشین حضرت [illegible] [illegible] [illegible]

ملنے کا پتہ: شاعر، [illegible]

www.taemeernews.com

جانِ ادب

مولانا نیاز فتحپوری کی وہ

گہوارۂ تمدن:- معرکۃ الآرا کتاب جس میں تاریخ و اساطیر سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ تمدن کی ترقی میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا تھا۔ اور دنیائے شائستگی اس کی کسقدر ممنون ہے [illegible] اس موضوع پر اس سے قبل کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی اس کتاب پر مصنف کو حیدرآباد سے [illegible] انعام ملا تھا قیمت عہ

محنت و قابلیت کیساتھ تالیف کیا ہے ہندوستان کی ایک ناز ادیبہ کے حسین نقشے مشرقی تمدن کی خوبصورت تصویر رفعت خیال اور رنگین بیان کا عدیم المثال مرقع حجم ساڑھے تین سو صفحات ٹائیٹل سہ رنگہ۔ کتابت نفیس طباعت دیدہ زیب کاغذ نہایت اعلیٰ۔ قیمت صرف دو روپیہ

شاہکارِ سخن از جناب مصنف [illegible]۔ یہ کتاب اپنی ترتیب کے لحاظ سے دنیائے ادب میں پہلی کتاب ہے جس میں [illegible] مشہور اور ماہرین فن [illegible] کی وہ اصلاحیں درج کی ہیں جو انھوں نے اپنے ہونہار شاگردوں کو دی ہیں [illegible] شاعری کا نیا معیار قائم ہوتا ہے [illegible] صرف انھیں باکمالوں کی [illegible] قیمت صرف [illegible]

بزمِ خیال از جناب مصنف [illegible]۔ اس کتاب میں شعرائے اردو اور فارسی کی مجالس کے لطائف و ظرائف کو جمع کیا گیا ہے [illegible] اور شعرا کے بہترین نمونے دکھائے گئے ہیں فارسی اور اردو کے کلام [illegible] لیکن جن کا کسی لطیفہ یا حکایت سے تعلق ہے اس کی اصل کیفیت بیان کی گئی ہے خوش مذاق حضرات کیلئے تفریح طبع کا بہترین سامان ہے [illegible] ہم خرما و ہم ثواب کی مصداق ہے حجم ۱۹۰ صفحات قیمت [illegible]

ادب اردو میں

ایک جدید شاہکار کا اضافہ

"داستانِ عجم"

مصنفہ ادیب شہیر نواب نصیر حسین خیال مرحوم

خیال مرحوم کا نام [illegible] اردو میں صدیوں تک زندہ رہیگا۔ داستانِ عجم وہ ذخیرۂ ادب ہے جس پر سیکڑوں کی تعداد میں [illegible] ریویو ہو چکے ہیں۔

[illegible] اردو میں آج تک اس سے بہتر تبصرہ شائع نہیں ہوا بہترین اشعار کی توضیح اور ان کے واقعات کو مرحوم نے نئے انداز سے لکھا ہے گویا نثر میں شاعری کی ہے قیمت صرف ایک روپیہ

داستانِ محبت [illegible]

روحِ انتخاب اردو نثر نگاروں پر ایک تاریخی تبصرہ از [illegible] تاریخی کتاب مرتبہ مولانا [illegible] [illegible] دونوں حصوں میں حصہ اول حجم ۲۴۰ صفحات قیمت [illegible]

حصہ دوم حجم ۲۰۲ صفحات قیمت [illegible]

روحِ نظم:- انھیں دونوں مذکورہ مصنفوں نے اردو شاعری کا انتخاب بھی دو جلدوں میں کیا ہے میر سے لیکر آج تک کے اکثر شعرا کے کلام کا انتخاب دونوں حصوں میں موجود ہے۔ حصہ اول قیمت [illegible]

حصہ دوم قیمت [illegible]

حسنِ کار [illegible]

ایوانِ تصو [illegible]

www.taemeernews.com

روح افسانہ

شب چراغ مصنفہ جناب محمد صادق صاحب ضیا بی اے۔
"محرم لکھتی ہیں یہ افسانے ہماری تہذیب و تسکین کیلئے لکھے گئے ہیں۔ گرم دل کی زبان میں مصور لکھتے ہیں کہ ان افسانوں میں ہماری مذاق مجلسی، مذہبی، اور معاشرتی زندگی کی تصویر ہے۔ غرضکہ یہ افسانے بالاتفاق سب کو پسند ہیں۔ جو سنتا ہے اسی کی داستان معلوم ہوتی ہے"۔ نفسیات نگاری کی تکمیل ان افسانوں میں بدرجہ اتم کی گئی ہے۔ اور کوئی افسانہ ایسا نہیں جو ... واقعات و انسانیت دلنشیں اور دلچسپ نہ ہو۔ مجموعہ حال ہی میں طبع ہوا ہے اور ہاتھوں ہاتھ نکل رہا ہے۔ آپ بھی ایک جلد آج ہی طلب فرمائیے۔ قیمت فی جلد آٹھ آنے۔

الہامی افسانے حصہ اول و دوم مؤلفہ مولانا مرتضیٰ احمد خاں
افسانہ قرآن مجید میں جس قدر قصص مختلف مقامات پر درج ہیں ان سب کو جمع کر کے ان افسانوں کی کتاب مرتب کی گئی ہے اس لحاظ سے اردو میں پہلی چیز ہے زبان و بیان کی ندرت و خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے پھر تاج کمپنی کی کتابت و طباعت کاغذ نہایت اچھا بہت خوشنما سرورق ... قیمت ... ۔

شہاب کی سرگزشت مولانا نیاز فتحپوری کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اردو لٹریچر میں بالکل پہلی چیز تسلیم کیا گیا ہے جزئیات سیرت نگاری اور تکمیل جذبات کے ایسے نادر نمونے اس میں نظر آئیں گے جو کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتے۔ قیمت صرف عہ

نگارستان مولانا نیاز فتحپوری کے ادبی مقالات اور افسانوں کا مجموعہ جو ملک میں اس درجہ مقبول ہوا ہے کہ

آج تک کسی کتاب کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی چنانچہ بی اے کے کورس میں اس کا کچھ حصہ ترجمہ کیا گیا ہے اس مجموعہ کا تیسرا ایڈیشن قریب الختم ہے قیمت ...

کیفستان جناب قیسی رامپوری کو کون نہیں جانتا دنیائے افسانہ میں آپکی درجہ بہت بلند ہے۔ یہ جمیل و حسین کتاب آپ کے افسانوں کا مجموعہ ہے جس میں آپ نے وہ رنگ آمیزی اور تخیل نگاری کی ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے قیمت ...

دنیا کی حور حضرت کوثر چاندپوری کے افسانے ہندوستان کے مختلف رسائل اور ... میں شائع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں یہ افسانہ ... تمام افسانوں سے زیادہ مشہور و معروف ہے قیمت دس آنے

سرگزشت اسیر از خیر ملا واردونانک وقائع دماغ والے موثر الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں کہ آپکی رگ رگ میں جذبات کا دالم جاگ اٹھیں گے اور سزائے موت کی دہشت و بربریت کا نقشہ آپکی آنکھوں کے سامنے پھر جائیگا مجرم نے آغاز قید سے پھانسی کے دن تک کے واقعات و حالات نہایت تفصیل سے بیان کئے ہیں جیل کی کوٹھری کا اندر قیدی کیسے زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے ساتھ کیا ظالمانہ سلوک کیا جاتا ہے آخر میں لائق مصنف نے سزائے موت کے سیاسی و معاشرتی پہلو پر بحث کرتے ہوئے اپنے خیالات کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ کوئی حساس قلب اسے پڑھ کر خون کے آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے گا۔ قیمت ایک روپیہ

سمندر کی خداوندہ یہ افسانہ گویا مصنف نے سمندر کی تہ میں بیٹھ کر لکھا ہے۔ ایک حسین خاتون کے حسرتناک واقعات جو سمندر میں پیدا ہوئی اور جس نے سمندر کی موجوں پر حکومت کی
قیمت دس آنے

www.taemeernews.com

تین تبسم

ظرافت کے باوا آدم مسٹر شوکت تھانوی کی تین بیسٹ سیلر درکولڈ الدیز والی تصانیف

- موجِ تبسم
- طوفانِ تبسم
- سیلابِ تبسم

قصر الادب

کی ذاتی کتابیں جو صرف ہمارے یہاں مل سکتی ہیں

- کلیمِ عجم سے
- کارِ امروز عہ
- فریاد ۴/
- ارضِ تاج ۶/
- رازِ عروض ۶/
- عام فہم عروض ۸/
- حسنِ کار ۶/
- شب چراغ ۸/
- بہارِ معرفت ۸/

تصانیف ڈاکٹر محمد اقبال

- بالِ جبریل
- شکوہ
- جوابِ شکوہ
- فریادِ امت
- شمع و شاعر
- نالۂ یتیم
- التجائے مسافر
- تصویرِ درد
- گورستانِ شاہی

ناشر - مکتبہ قصر الادب آگرہ

www.taemeernews.com

فنِ عروض کی منتخب کتابیں

رازِ عروض

رازِ عروض:- دوسرا ایڈیشن اضافہ و ترمیم کے بعد چھپ کر تیار ہو گیا ہے۔ جو لوگ شعر کی تقطیع کرنے بحروں کے وزن اور شعروں کے عیب و محاسن سے بالکل ناواقف ہوں ان کیلئے یہ کتاب بیحد مفید ہے۔ اس کتاب نے ہزاروں لوگوں کو شاعر بنادیا ہے۔ قیمت صرف ۱۰/

ایشیائی شاعری

ایشیائی شاعری:- یہ کتاب جناب شہری صاحب کی تصنیف کردہ ہے۔ جس میں تمام اصناف شاعری پر پوری وضاحت کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ تمام کتاب فنی نکات سے بھری ہوئی ہے۔ قیمت ۶/

عام فہم عروض

آپ اس عجیب و غریب کتاب کو ضرور منگائیے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ "عام فہم عروض" کے پڑھنے کے بعد آپ کو علمِ عروض میں پوری دستگاہ ہو جائے گی اور آپ ایک [illegible] صاحب فنِ شاعر بن جائیں گے۔ عام فہم عروض میں نہایت آسان الفاظ و سلیس [illegible] میں علمِ عروض [illegible] سے شالوں کے کر دی گئی ہے۔ یہ ایسی آسان کتاب ہے کہ بغیر کسی استاد کی امداد کے عروض کے مشکل سبق خود گھر بیٹھے یاد کر سکتے ہیں اور مکمل شاعر بن سکتے ہیں۔ عام فہم عروض کے بعد پھر کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ قیمت علاوہ صرف ۸/ محصول ڈاک ۳/

جانِ سخن

اس کتاب میں فنِ عروض کے متعلق نہایت تفصیلی مضامین لکھے گئے ہیں [illegible] جس کی [illegible] کے علاوہ [illegible]

ایضاحِ عروض

[illegible] سیداکبر [illegible] شرح [illegible] کی تصنیف ہے [illegible]

چراغِ سخن

حضرت مرزا یاس عظیم آبادی کی وہ لاجواب تصنیف ہے جو سالہا سال سے قبولیت حاصل کر رہی ہے۔ طالبانِ شعر و شاعری کیلئے بہترین کتاب ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جس نے سینکڑوں حضرات کو شاعر بنا دیا۔ اس میں شعر کے متعلق اور فنی [illegible] بہت ہی وضاحت کیساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اس کا مطالعہ ایک مبتدی کو بھی عروض کا مکمل استاد بنا دیتا ہے۔ قیمت صرف ۱۰/

نکاتِ شاعری

جناب [illegible] صدیقی صاحب خلیل نے یہ رسالہ مبتدی حضرات کیلئے بہت مفید لکھا ہے جس میں [illegible] ایک قافیہ کے کئی کئی [illegible] کرنے کی ضرورت [illegible] قیمت [illegible]

علمِ عروض کی دو نئی کتابیں

فکرِ بلیغ

از حضرت شاد عظیم آبادی

یہ وہ کتاب ہے جس کے ایک مرتبہ پڑھنے سے تمام فنِ شاعری کی کافی معلومات ہوجاتی ہے۔ وہ انسان شعر لکھنے وقت غلطی سے بچتا ہے ہر شخص خواہ وہ مبتدی ہو یا کہنہ مشق کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ قیمت صرف ۱۲/

رمز العروض

از جناب حمید عظیم آبادی

یہ کتاب جون ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی ہے اور بالکل تازہ ہے۔ عروض کی جتنی کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں ان سب کا نچوڑ ہے۔ بہت بے نظیر کتاب ہے۔ قیمت صرف ۸/

ملنے کا پتہ: شاعر بک ڈپو قصر الادب آگرہ

www.taemeernews.com

اسلامی دُنیا

کو نوید ہو

آٹھ سال کے بعد — دوسرا ایڈیشن

سبز گنبد کے پرستاروں

کو درسِ حمیت، اخوت اور

جوشِ ایمانی کا پیام

حضرت سیماب اکبرآبادی

کی اسلامی نظموں کا مجموعہ

نیستاں

۱۹۲۳ء میں حضرت مولانا سیماب کی اسلامی

نظموں کا مجموعہ شائع ہوا تھا، صرف پانچ

سال کی قلیل مدت میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد دنیا کو

معلوم ہے کہ ایران، اسلامی شاہکار کا انتظار

تھا۔ مجموعہ دوبارہ مجموعہ نظر ثانی نئے مجموعے

جس کی ترتیب و تہذیب تو ختم کی گئی

ہیں جن میں نئی نظمیں شامل ہیں جنکو دیکھ کر آپ

بغیر رہ نہیں سکتے۔ طباعت اعلیٰ کاغذ

دبیز و چکنا ہے

دو صد صفحات قیمت صرف عہ

اپنی فرمائش آج ہی رجسٹرڈ کرا لیجیے تاکہ

کتاب شائع ہوتے ہی آپ کو بھیجدی جائے۔

بازارِ مثنوی

مثنوی ظہورِ رحمت

مرکز ہمارے مشہور و مستند شاعر حضرت شاد عظیم آبادی کی مشہور مثنوی جو

ولادتِ نبوی کے متعلق دلکش اور عقیدتمندانہ پیرایہ میں لکھی گئی ہو قیمت ۸؍

مثنوی مادرِ ہند

حضرت شاد عظیم آبادی کی وہ مثنوی ہے جو اپنی اہمیت کے اعتبار سے بالکل نئی ہے

اس وقت تک جتنی مثنویاں لکھی گئی ہیں اکثر کا تعلق حسن و عشق سے یا کسی فرضی قصہ

سے رہا ہے۔ لیکن یہ مثنوی موجودہ فضا و سیاسیات کی علمبردار ہے اس میں

ہندوستان کی مکمل تاریخ ہے ہندوستان میں کیا کیا انقلاب آئے۔ اور کس کس

طرح یہ ملک دوسروں کے ہاتھوں میں گیا۔ اگر اس وقت تک آپ نے نہیں

دیکھی ہے تو اب ضرور دیکھیے ساتھ ہی ساتھ حضرت سیماب اکبرآبادی کا بسیط

مقدمہ جس میں شروع سے اس وقت تک کے مثنوی نگاروں کا تذکرہ ہے

ان کی مثنویوں کے نسخے ہیں وغیرہ رشید احمد صاحب صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ کا بھی مقدمہ ہے جن کی ادبی حیثیت محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ سو صفحات کا غذ

اعلیٰ قیمت ۸؍ علاوہ محصول

مثنوی عالمِ خیال

مصنفہ حضرت شوق قدوائی لکھنوی مرحوم، شاید ہی کوئی شخص ہو جس نے اس مثنوی

کا نام نہ سنا ہو، عشق و محبت کے جذبات اور منظوم خطوط کا بہترین نمونہ اسی میں ہے

جذبات اسی میں ہیں یہ مثنوی ٹکسالی زبان کے جیتے جاگتے مرقعوں میں ہے عورت اور مرد

کے جذبات کا فرق نہایت نزاکت خیال کیساتھ دکھایا گیا ہے۔ ایک خاص بات یہ

ہے کہ اس میں چار رنگین تصویریں مزین ہیں ہر تصویر اتنی دلکش اور قیمتی ہے کہ کتاب

کی قیمت صرف تصاویر ہی سے وصول ہو جاتی ہے۔ باتصویر رنگین کی قیمت عہ

سادہ و بے تصویر آٹھ آنے

مثنوی زہرِ عشق کامل

مرزا شوق لکھنوی مرحوم سے کون واقف نہیں مثنوی زہرِ عشق میں جو جذبات

آپ نے نظم کئے ہیں وہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں یہ مثنوی تمام مثنویوں سے

زیادہ مقبول ہے۔ اور اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

آج تک اردو ادب

میں کوئی ایسی کتاب شائع نہیں ہوئی

میکدۂ حیات کا ساغرِ پُربادہ

جوانی کی روح

صنم کدہ

حضرت منظر صدیقی اکبرآبادی

کی مصورانہ اور شاہکار نظموں کا

حسین و جمیل مجموعہ تقریباً دو درجن

رنگین و سادہ آرٹ کی بہترین

تصاویر اور ان تصاویر کو زندہ

کر دینے والی عرفانی و جذباتی نظمیں

جن کے ہر شعر میں آپ کو جوانی اور

سرمستی، کیف و سرخوشی، وجدان

اور لطافت کی روح مچلتی ہوئی

نظر آئیگی۔ آپ ان نظموں کے

مطالعے سے وہ لذت و سرور حاصل

کریں گے جو آپ کو دائمی ولولوں

اور آلامِ حیات کی پریشانیوں

کو ختم کر دے گا۔ کتاب زیرِ طبع ہے

جلد اپنی فرمائش رجسٹر کرا لیجیے

قیمت صرف ایک روپیہ

www.taemeernews.com

تصانیف منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی

مینائے سخن

منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی کی مقبول و مشہور تمام واسوختوں کا مجموعہ بےنظیر کتاب ہے، مجرب سلیماب کی طرف سے ان پر تبصرہ قدیم واسوخت گو شعراء سے امیر مینائی مرحوم کا مقابلہ بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ حجم ۱۵۰ صفحات قیمت عہ

مکاتیب امیر مینائی

منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی کے خطوط مع سوانح حیات و تبصرہ تصانیف موازنۂ امیر و داغ، تلامذہ کا ذکر، اصلاح کے نمونے خوشگوار ... اردو کی یادگار کتاب ہے۔ سائز ۱۸×۲۲/۸ حجم ۴۰۴ صفحات قیمت دو روپیہ آٹھ آنے

تصانیف شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی مرحوم

شعر و شاعری

خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی مرحوم کا مشہور مقدمہ شعر و شاعری جس میں شاعری ... پر تحقیقی دری اور تعلیمی بحث ہے ہر مذاق کے آدمی کو اس کا مطالعہ ضروری ہے مولانا حالی مرحوم کی بہترین تصنیف ہے جو ہندوستان کے ... ایڈیشن ... تک پہنچ چکی ہے قیمت عہ

مسدس حالی

عکسی، رنگین و سنہری بلاکوں کے ساتھ بڑھیا قسم کے ولایتی ... پیپر پر بہت خوشنما مع ... تیار کی گئی ہے بیشک مسدس حالی ... دنیا بھر میں نہیں چھپ سکی ... کا بہترین نمونہ قیمت مسدس پیپر قسم دوم دو روپیہ قسم سوم ڈیڑھ روپیہ

مرثیہ مرزا غالب - خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کا مشہور و معروف مرثیہ ...

ترکانِ احرار

ایکس انتہائی مشہور ترکی قادرین فدا کارانِ ملت کے جراتِ عجز اور ولولہ انگیز کارنامے جن کے مطالعہ سے روح میں تازگی جسم میں بیداری اور خونِ حریت میں جوش پیدا ہوتا ہے۔ ۵۰ مستند تصویریں بھی شریک کتاب ہیں حجم ۲۰۴ صفحات قیمت عہ

خلافتِ الٰہیہ

مولانا عبدالماجد صاحب قادری بدایونی مرحوم کی وہ بےنظیر تالیف جس نے مصنفین عصر میں مولانا کو ممتاز کر دیا اس میں حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوانح حیات ولادت سے وفات تک نہایت مختصر ذہن نشین اور دلکش پیرائے میں لکھے گئے ہیں کوئی ضروری بات ... نہیں ... زندگی ہو ... سمندر کو زے میں بند کر دیا ہے حجم ۲۰۰ صفحات قیمت ۸؍

سرزمین فرانس میں جنگ کے مہیب شعلے

قدیم نظامِ حکومت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں ... بادشاہت کا خاتمہ ... جمہوریت کا ... قانون اور مذہب کے خلاف جنگ ... مذہبی سیادت اور دینی قیادت کا بت پاش پاش کر دیا ہے۔ دنیا کے ... دینے والوں کا عبرت ناک انجام انقلاب فرانس میں دیکھئے۔ قیمت ۱۲؍

اُردو پوئٹری

(انگریزی زبان میں)

مصنفہ جناب فضل الدین صاحب ... نے ... سائز کتاب میں ... اسباب، اردو شعر و شاعری کے ... کلام پر ... تنقید کی گئی ہے ... نہایت سادہ ... اسلوب بیان نہایت دلکش ... اور تنقید سے دلچسپی ... بہت ... رکھتے ہیں ... تمام کالجوں ... کتاب ... اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

www.taemeernews.com

سیکڑوں کتب خانوں کا نچوڑ

مندرجہ ذیل کتابیں ہم نے ملک کے بہترین کتب خانوں سے انتخاب کر کے منگائی ہیں
ان تمام کتابوں کے متعلق کچھ کہنا لاحاصل ہے۔ ہر کتاب ادب اردو کا بہترین شاہکار ہے

مشہور [illegible]

- زنانہ [illegible] عہ؍
- [illegible] ۱۲ر
- [illegible] ۸ر
- شوہر کی [illegible] ۸ر
- آداب نسواں ۲ر
- ثریا بیگم ۳ر
- [illegible] ۲ر
- [illegible] ۳ر
- نقلیہ [illegible] ۳ر
- [illegible] ۸ر
- [illegible] ۵ر
- [illegible] ۳ر
- [illegible] ۲ر
- [illegible] ۴ر
- [illegible] ۱۲ر
- [illegible] ۳ر

نئے اور دلچسپ افسانے

- [illegible] عہ؍
- [illegible] ۲ر
- [illegible] عہ؍
- [illegible] عہ؍
- وفا ۸ر
- شیطان کا پنجہ ۳ر
- عبرت کدہ ۱۴ر
- خانماں [illegible] ۶ر
- [illegible] کی ڈیری ۱۲ر
- [illegible] ۱۰ر
- [illegible] عہ؍
- [illegible] ۲ر
- [illegible] ۳ر
- جنات کی [illegible] ۱ر
- [illegible] ۲ر
- [illegible] ۲ر

مولانا شرر لکھنوی کے ناول

- ملک العزیز ورجنا ۸ر
- منصور موہنا ۱۰ر
- فردوس بریں ۸ر
- [illegible] عہ؍
- بدرالنساء کی مصیبت ۳ر
- فلورا فلورنڈا ۱ہ؍
- حسن بن صباح ۱۴ر

صرف نوجوانوں کیلئے

- [illegible] عہ؍
- [illegible] شباب ۲ر
- طلوع شباب ۳ر
- [illegible] ۹ر
- [illegible] ۱۲ر
- [illegible] عہ؍
- [illegible] ۸ر

سوانح عمریاں جدید

- امت کی مائیں ۸ر
- بنت الرسول ۶ر
- سوانح خاتون جنت ۳ر
- سوانح امام حسن ۴ر
- سوانح امام حسین ۴ر
- [illegible] عہ؍
- سوانح حضرت [illegible] ۱۰ر
- سوانح حضرت عمر فاروق ۸ر
- سوانح حضرت علی عہ؍
- غوث پاک عہ؍
- سوانح امام اعظم ۸ر
- تذکرۂ صابر ۱۲ر
- سوانح [illegible] عہ؍
- مناقب غوث [illegible] ۱۰ر
- تحفۂ [illegible] ۲ر
- خمخانۂ برکات ۳ر
- حیات خواجہ ۶ر
- تذکرہ خواجگان چشت ۸ر
- سوانح اورنگزیب ۲ر
- سوانح اکبر اعظم ۸ر
- سوانح زیب النساء بیگم ۸ر
- سوانح نور جہاں بیگم ۸ر
- سوانح غازی محمود [illegible] ۳ر
- حیات انیس [illegible]
- حیات سعدی ۶ر
- حیات حافظ ۶ر
- حیات جامی ۶ر
- خالدہ ادیب خانم ۱۰ر
- حیات خسرو ۲ر
- مقامات [illegible] عہ؍
- [illegible] عہ؍
- سوانح شہنشاہ شاہجہاں ۸ر

منتخب ڈرامے

- روح سیاست ۸ر
- من کی آگ ۶ر
- ماہی گیر دلربا ۸ر
- شیریں فرہاد ۸ر
- عورت کا پیار ۸ر
- چمکتا چاند ۸ر
- محمود غزنوی ۸ر
- لیلیٰ مجنوں ۸ر
- حاتم طائی ۶ر
- [illegible] ۸ر
- سلطانہ ڈاکو ۸ر
- عورت کا دل ۴ر
- علی بابا چالیس چور ۸ر
- مصطفےٰ کمال پاشا ۴ر
- [illegible] ۸ر
- نوک نشتر ۴ر

متفرق کتابیں

- بزم خیال ۸ر
- شیطان کا چرخہ ۴ر
- چائے کی صنعت ۴ر
- اسرار صنعت عہ؍
- دولت کے ڈھیر ۸ر
- تاریخ [illegible] ۸ر
- حکایات کشمیر ۶ر
- کشمیر کی رانیاں ۴ر
- معراج [illegible] ۸ر
- ترکی زبان ۸ر
- مسدس حالی ۸ر
- عروج ترکی ۸ر
- کشمیر کا مستقبل ۲ر
- ارسطا [illegible] ۲ر
- خدا اور اسکی ہستی ۸ر
- جواز تعزیہ ۸ر

[illegible]

ادبِ اردو اور جدید اردو شاعری میں انقلابِ عظیم

کلیمِ عجم

مع خطباتِ شاعری و تاریخی افکارات

مصنفہ حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہ العالی

یہ حضرت مولانا مدظلہ العالی کا دیوانِ غزلیات ہے جس کا انتظار سالہا سال سے کیا جا رہا تھا۔ مولانا کو [illegible] جو فنی و ممتاز درجہ خدا کے فضل و کرم سے ملا ہے۔ وہ تمام ہندوستان کو معلوم ہے۔ مولانا کی غزلیں ادبِ اردو میں اجتہادی کارنامے ہیں۔ میر اور غالب کے بعد سرزمین آگرہ سے مولانا سیماب کی تخلیق نے اکبرآباد کی [illegible] کی تاریخی عظمت پر مہرِ صداقت لگا [illegible] دیوان کے ساتھ ہی دو چھوٹا خطبے بھی ہیں جو مولانا نے مختلف مشاعروں میں پڑھے ہیں۔ مع سہ رنگا تصویر مصنف کلیمِ عجم [illegible] صفحات۔ قیمت مجلد [illegible] علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ:- ناظم قصر الادب و دفتر شاعر آگرہ

تاج شاہی

محبت کی ٹھوکروں میں

از ـــــ حضرت مولانا سیماب اکبرآبادی

جسے دیوانگی کہتے ہیں الفت کی نبوت ہے (سیماب)
غنیمت ہے جو صدیوں میں کوئی دیوانہ ہو جائے

(۱)

مرحبا اے دل ربائے اور نگ مغرب مرحبا
تو نے پھر اک بار مشرق کو زندہ کر دیا

مرحبا جرأت ادا اے کج کلاہی تو نے کی
تو نے کی اس پر نئی الجھن تو نے تاج پوشی کی

تاج شاہی ہے اک گراں تری شہنشاہی کی
قیصری ٹھوکر ہے تیری ... بیخودی

جو گراں الفت کا لیا تو ذلیلہ سروری
مل گئی فیض محبت سے تجھے بے جبری

تو نے ثابت کر دیا دنیا کی عظمت کچھ نہیں
دل کی دولت دل کی دولت ہے حکومت کچھ نہیں

تیرا کس ہے جبیں سلاطین کو ادب سکھا دیا
دل کی لامحدود دنیا پر حکومت ہے تری

مرحبا تو ہم ریاست میں سلاطین کا نام
اور تاریخ ادب میں مل گیا تجھ کو مقام

تیری منزل منزل ... دم ... دور ہے
تو دیا ہے عشق کا اک صاحب دستور ہے

تو کا اس مرود و سلطنت ... کر ہی چھوڑی تو
منفعل دنیا کھڑی ہے تجھ سے شرمندہ ہے

دیکھ اے شہزادہ درد آشنا دل آشنا
بشارت دی ہے جس نے تجھ کو مستقبل

کس بلندی پر مذاق حسن لایا ہے تجھ کو
عشق خود دینے مبارکباد آیا ہے تجھے

ہر نفس دل بر دولت زبت زن فریاد

سینات از سوز عشق غم گسار باد آباد باد

(۲)

اے محبت تجھ کو سجدہ ہے تیری تو بس کہ سلام
جس کی قسمت تو بنا دے اس کی قسمت کو سلام

... خدائی سے الگ تیرا نظام داوری
تیری نظروں میں حکمرانی تیری ٹھوکر تیری

شادمانی تیری جنت کی ہوائے آلفرح
تیری آتشکدہ کا شعلہ گو تیری سوز

ہستی تجھے میں تیری ... کچھ تحریر
تیری ... سے کام میں داغ تیری نگاہ سے

تیری دنیا ہے ... عالم پاک سے
طور تجھ ہی میں ... تیری خاک سے

جس کی ... ہے تیری ... نظر
کر کے تیری کو دل اور ... گداز

تیری آگے کیا ہے اس کا حیا و سلطنت
ایک اشارے میں الٹتی ہے بساط سلطنت

زلزلے آتے ہیں محلوں میں تری آواز سے
نغمے کیسے دل ... بسر تیرے ساز کے

تیری ٹھوکر ... تو سمجھی ... ساز
اک ... سکتی ہے تری ...

وحشی سے ... ہوش ... سے ... تجھ
بے ... دیکر خدا سے بھی ... ہے

... اور آدمی
حسن ... اندیشہ ... کی ...

... دیگراست ایں قوت سلطان محبت

انقلاب عالم ایجاد ... دوران ...

ایڈیٹر

www.taemeernews.com

اردوئے معلیٰ

از — حضرت سائل دہلوی

پڑھ کے خط قاصد سے اس نے کہہ دیا
لکھنے والا کوئی سودائی ہے !!

www.taemeernews.com

ہاں پیرِ مغاں دیکھ

از — حضرتِ جوش ملیح آبادی

۱

ہر خارِ مغیلاں پہ ہے جنت کا گماں دیکھ
ہاں دیکھ، ہر اک ذرہ ہے اک باغِ جناں دیکھ
گلشن پہ ہے گیسوئے گھٹاؤں کا دھواں دیکھ
ہے لبِ تشنگیِ بادہ کشاں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۲

یوں سایۂ کاکل میں ہے اک روئے کتابی
جس طرح گھٹاؤں میں جھلکتی ہے گلابی
دے جام کہ ایمان کی نہ ہو خانہ خرابی
تسنیم کی سوگند سوئے تشنہ لباں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۳

دن ڈوب چکا، شعلِ امید جلا دے
اُٹھ، پائے صراحی پہ جبینوں کو جھکا دے
کہہ قلقلِ مینا سے کہ تکبیر سنا دے
ہے وقتِ اذاں، وقتِ اذاں، وقتِ اذاں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۴

ہر دیدۂ گریاں میں تبسم ہے پُرافشاں
کیوں کشمکشِ سود و زیاں سے ہے پریشاں
ہر درد کے آغوش میں ہے لیلیِ درماں
ہر چوٹ ہے اک گوہرِ گنجینہ گراں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۵

مانا کہ مناظر میں تبسم ہی تبسم
گو دید کے قابل ہے یہ جلووں کا تلاطم
لیکن جو مناسب ہو تو از راہِ ترحم
اس سمت بھی اے قبلۂ صاحب نظراں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۶

ہر آن ترانے سے برستا ہے ترانہ
بیتاب ہے، بدمست ہے، بیخود ہے زمانہ
کوثر ہے ادھر اور ادھر چنگ و چغانہ
یہ فتنۂ نوخیز، وہ گلبانگِ جواں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۷

ہم چپ ہیں تو تم ہم ہیں حسینوں ہی کے جلوے
ہم چھلکیں تو چھلکیں گے یہ گل رنگ سبو نے
دانا ہے تو پیلے ہمیں دو گھونٹ پلا دے
پھر عشوۂ ترکانۂ خوبانِ جہاں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۸

رنگِ طرب ہے اُفقِ گل سے نمودار
گاتے ہیں ہواؤں سے لچکتے ہوئے اشجار
آئی ہے گھنی چھاؤں سے پازیب کی جھنکار
رنگِ چمن و عربدۂ زہرہ وشاں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۹

خود پی کے حریفوں کو بھی اک جام پلا دے
وہ جام کہ تفصیل کو اجمال بنا دے
گلبرگ کی اک سامنے دیوار اٹھا دے
کونین کو آ، نیم عیاں، نیم نہاں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۱۰

اب نیم نفس بھی نہیں تاخیر گوارا
ہاں جلد پلا، جلد پلا، جلد خدارا
بھرنے ہی پہ ہے ابلقِ ایام ترا را
فرنے ہی پہ ہے ناقۂ عمرِ رواں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۱۱

بدلی سے برستا ہوا آتا ہے وہ پانی
شوخی ہے شرارت ہے روا روی روانی
ہر سو ہے جوانی ہی جوانی ہی جوانی
گردوں کی نظر ہے سوئے گیتی نگراں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۱۲

شیشوں کی طرف ہیں ترے مستوں کی نگاہیں
ہاں بہرِ خدا کھول بھی دے رقص کی راہیں
بے جام تو کج ہو نگی نہ رندوں کی کلاہیں
بانکا ہے تو لا بادۂ گلفام رواں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۱۳

نغموں سے کرلی ہاں فضا جھوم رہی ہے
شانوں پہ گھنی زلفِ دوتا جھوم رہی ہے
یا سروِ خراماں پہ گھٹا جھوم رہی ہے
آ بزمِ جہاں، باغِ جناں، حورِ جناں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

۱۴

آموں کی گھنی چھاؤں ہے کوکو کی صدائیں
سرشار فضا، مست چمن، سرد ہوائیں
بلبل ہیں گل و لالہ، بلندی پہ گھٹائیں
برنائی سماے جہانِ گذراں دیکھ
ہاں پیرِ مغاں، پیرِ مغاں، پیرِ مغاں دیکھ

www.taemeernews.com

اے صنمِ پارسی نژاد

از ــــــ حضرت میکش اکبر آبادی

آگاہ ہو گئی مرے دل کے پیام سے! ‏ تنگ ہوا ہے میرے سکوتِ دوام سے
خوش ہے اپنے حسن سے الفت کے نام پر ‏ آتی نہیں ہے دن کو جو اپنے بام پر
پاکیزگیٔ عشق سے آتی حیا ہے تجھے!! ‏ ہے ناگوار مشربِ اہلِ صفا تجھے
یہ ہے کسی کا جبر کہ فطرت کا اقتضا؟ ‏ ہے حسن کا مزاج کہ الفت کا اقتضا!

آتی تھی اک گھڑی کیلئے بس کے وقت تو ‏ اب اس طرح سے رات کو پردوں سے روبرو
یہ لطف ہے کہ جو پردگیاں کس سے پوچھئے ‏ یہ حسن تیرا راز نہاں کس سے پوچھئے
قائل ہیں میرے وہم و گماں اس کو کیا کروں ‏ سو غم ہیں ہر خوشی میں نہاں اس کو کیا کروں
تو سامنے ہے اور تجھے ڈھونڈتا ہوں میں ‏ اس درجہ محو تیری طلب میں ہوا ہوں میں
وہ گم شدہ نظر وہ تصور سے جستجو ‏ تاریکیاں وہ شب کی وہ رودوں میں گفتگو
جلوہ حقیقتوں کا وہ فقدانِ رنگ و بو ‏ اٹھا ہوا نگاہ سے احساسِ ما و تو

آجا مجنوں کا تماشا کئے بغیر ‏ آجا دلوں کے راز کو رسوا کئے بغیر
لے ساتھ مجھ کو اور محبت کی راہ چل ‏ اے شمع وش مجھے بھی جلا اور خود بھی جل
کھویا ہوں تیرے غم میں مجھے راستہ بتا ‏ میرا نشاں نہ پوچھ، تو اپنا پتہ بتا

کیا نام تیرا لیجئے کیا کہہ کے کیجئے یاد
للہ رحم اے صنمِ پارسی نژاد

www.taemeernews.com

احسن الکلام

از ــــــ حضرت مولانا احسن مارہروی

کس طرح کہے کوئی کہ دل غم سے جدا ہے
کیا غم کا ٹھکانا بھی کہیں دل کے سوا ہے

اصنام کو بے فائدہ بدنام کیا ہے
اس عہد میں ہر بندۂ خود بیں خدا ہے

دل فطرت و قسمت کی دوعملی میں گھرا ہے
آزاد طبیعت ہے گرفتارِ بلا ہے

جو تم سے ملے گا وہ کسی سے نہ ملے گا
یہ ضابطۂ عشق یہ آئینِ وفا ہے

ہے عالمِ اسباب میں ہر غم کا مداوا
ناپید مگر دردِ محبت کی دوا ہے

کچھ تجھ کو خبر بھی ہے وہ دیوانہ ہے تیرا
تو جس کو تماشے کی طرح دیکھ رہا ہے

کر ختم مری زندگی و موت کا جھگڑا
قبضے میں تری تیغ ہے مٹھی میں قضا ہے

غیر اور سنیں حالِ دل اللہ کی قدرت
تم اور نہ کچھ میری سنو شانِ خدا ہے

جھک کر تری آنکھوں نے چھپائی ہے شرارت
در پردہ یہ شوخی ہے دکھاوے کو حیا ہے

آنکھ آنکھ سے ملی ہاتھ ملا دل نہیں ملتا
ملجائے اگر دل بھی تو ملنے کا مزا ہے

احسن میں کوئی عیب بظاہر جو نہ پایا
کیا جل کے وہ کہنے لگے یہ نام برا ہے

www.taemeernews.com

واردات دل

از ــــــ حضرت دلؔ شاہجہانپوری

زو گدازِ شمع کو بیکار دیکھ کر
تڑپا ہوں صبح تک یہی آثار دیکھ کر

اے حسن جو سزائے تمنا ہو وہ قبول
لیکن مری نظر کو بس اک بار دیکھ کر

حسرت آفریں ہے کوئے محبت میں ہر قدم
ہم تو بڑھے تھے راہ کو ہموار دیکھ کر

پہنچا وہی جو خاک ہوا راہِ عشق میں
دل مطمئن ہے منزلِ دشوار دیکھ کر

گرتی رہیں تبسم پنہاں کی بجلیاں
ہم کو مشاہدہ کا طلبگار دیکھ کر

اے شوقِ دید کیا یہی حد نگاہ ہے
حیرت زدہ ہوں سنگِ درِ یار دیکھ کر

مجھ کو یہ دیکھنا تھا جو ہوتے وہ بے نقاب
کس وہم میں ہیں کافر و دیندار دیکھ کر

تقویٰ بھی آج ہوگیا قربانِ میکدہ
ہر جام میں بہار کے آثار دیکھ کر

تم تو سکونِ خاطرِ ناشاد بن گئے
سمجھا تھا میں کچھ اور یہ رفتار دیکھ کر

وقفِ ا[illegible] دیا محبت میں ہم نے
آسان جان کر کبھی دشوار دیکھ کر

تصویرِ خلد کھنچ گئی ساقی کی بزم میں
زاہد سے پکا زکو سرشار دیکھ کر

انجامِ قہر قوم کی روداد کچھ نہ پوچھ
چپ ہوں خموشیٔ در و دیوار دیکھ کر

اب بارگاہِ حسن میں اے دلؔ خموش ہوں
اِلتجائے عشق کو بیکار دیکھ کر

www.taemeernews.com

شاعرِ اعظم

از ——— حضرت خلیق برہانپوری

پیغمبرِ سخن تری ہستی جہاں میں ہے
آوازہ تیرا وسعتِ کون و مکاں میں ہے

ہندوستان کو ذاتِ گرامی پہ تیری ناز
دنیائے شاعری ہے ترے دم سے سرفراز

مشرق کا اک خطیبِ ادب فطرتاً ہے تو
محبوب و دلنواز تری طرزِ گفتگو

ابرِ شعریت کا ترے رخ سے ہے ظہور
جولانیٔ خیال تری موجِ جوئے نور

ہر نظم ہر جہت سے ترا شاہکار ہے
گریہ تو کہیں ہے کہیں تغزل بار ہے

پہونچا کبھی تو خدمتِ شاہِ جہاں زمیں
فریاد کی ہے نغمۂ سوز و گداز میں

پیغامِ آشتی جو وطن کا سنا دیا
اک سوز نوجوانوں کے دل میں بسا دیا

اے سرزمینِ تاج کے نقادِ خوش کلام
ٹوٹے ہوئے دلوں کی تسلی ترا پیام

نغموں میں تیرے رقص کناں موجِ سلسبیل
ہر شعر تیرا مظہرِ الہامِ جبرئیل

اے قادر الکلام فصیح البیاں ادیب
فکرِ بلیغ کا ترے انداز ہے عجیب

آئینہ دارِ ظاہر و باطن تری نگاہ
ہر شعر میں ترے ہے نہاں جذبِ بے پناہ

دنیائے شاعری میں کیا تو نے انقلاب
اک صورِ حشر ہے ترے الفاظ کا رباب

سیماب، اک مفکرِ اعظم ہے تیری ذات
حل تو نے شعر میں کئے مشکل ترین نکات

اے پاکبازِ رندِ خمستانِ دارِ شیخ
کہہ ڈالے تو نے کتنے ہی اسرارِ بیخودی

پیغام اپنا اہلِ جہاں کو سنائے جا
اے حق پرست شورشِ باطل مٹائے جا

www.taemeernews.com

ہندوستان کا ایک قادر الکلام شاعر

جناب عبدالرزاق صاحب سعید ابن عمر یمی

[illegible] — [illegible] عجز حریف سخن
[illegible] — [illegible] ہرگز [illegible]
[illegible] دنیا کی — [illegible] میں جس کو کہتے ہیں سخن
[illegible] ستان رفعت افکار پر — خم [illegible] تسلیم کر دیتا ہے ہر اک اہل فن
[illegible] — اک صدائے [illegible] دیتا ہے یاران وطن

[illegible] وفا کے ساز و سامان دیکھئے (سیماب)
[illegible] گرخ [illegible] دیکھئے

ندرت [illegible] — [illegible] شاعری کو معجزا
غور [illegible] — [illegible] کمال
[illegible] — [illegible] غالب [illegible]
سادگی [illegible] لطافت [illegible] — [illegible] سے کہہ گیا

[illegible] دیکھئے

[illegible] دے — [illegible] ہیں ہر اک نکات
[illegible] کو جا [illegible] سکتی نہیں — [illegible] کے حق میں [illegible] حیات
[illegible] — [illegible] قسمت کو [illegible]
کیا تصوف کیا سیاست کیا ادب کیا فلسفہ — مختلف موضوع کا عنوان بنی ہے ذات
کیا عجب گر [illegible] حضرت سیماب پر — پائے جان معنوی انسان کا جسم [illegible]

کیا پتہ [illegible] ہے اس نتیجے کے نشان
جان دیکھنی ہو تو نزدیک [illegible] دیکھئے

www.taemeernews.com

سیماب (اکبرآبادی)

از ——— حضرت نہال سیوہاروی

پیرِ آگاہِ ادب اے ہادیِ راہِ سخن
کہتے ہیں تجھ کو خدایانِ سخن شاہِ سخن

چھیڑتا ہے تیرا مضرابِ تخیل سازِ شعر
اک جہاں کہتا ہے جس کو نغمہ ہے آوازِ شعر

طرزِ نو کو جاذبِ اہلِ نظر تو نے کیا
جوہرِ آئینہ کو تابندہ تر تو نے کیا

خاص اسلوبِ قلم کا بھی جو وہ بانی ہے تو
ریختی میں اک نئے انداز کا بانی ہے تو

تیری نظروں میں ازل ہی سے جہاں اک نغمہ ہے
ہے ترا ارشاد ساری کائنات اک نغمہ ہے

تیرا زورِ فکر کب ممنون ہے تقلید کا
رستمِ دستاں ہے تو خود قوتِ تجدید کا

واقعاتِ دل کی کرتا ہے بیاں روداد تو
بندشوں سے گیسوئے کاکل کی ہے آزاد تو

دہر میں اندازۂ معیارِ ادب تجھ سے ہے
تجھ سے ہی یاں گرمیِ بازارِ اردو بھی ہے

جو غزل ہے تیری وہ درد و اشکِ نہاں ہے
اک جہانِ نیشتر ہے یا ترا دیوان ہے

ہے نمایاں تیری ہر اک نظم سے پاسِ ہنر
ہر ترانہ ہے ترا معمورِ احساسِ ہنر

قوم کی پستی پہ سرگرمِ فغاں رہتا ہے تو
نوحہ خوانِ غفلتِ ہندوستاں رہتا ہے تو

چاہتا ہے تو نئے سر سے ہو بالا شانِ ہند
بامِ گردوں سے بھی کچھ اونچا ہو ایوانِ ہند

آنکھ تیری کلفتِ مزدور پر خوں بار ہے
تو غلامی، خواجگی کے نام سے بیزار ہے

اے ادیبِ ہند اے جادو نوائے ارضِ تاج
اک جہاں سے لے چکا ہے تو عقیدت کا خراج

زیب دیتا ہے اگر استادِ فن تجھ کو کہیں
منزلت افزائے دنیائے سخن تجھ کو کہیں

برسرِ پُرمرتبت تا دیر جائے خویش دار
سینۂ ہندوستاں گرم از نوائے خویش دار

ایک پیغام

ادیبِ شہیر مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ کے نام

از ـــــ حضرت شمیم قادری مرادآبادی

مرحبا صد مرحبا اے ہند کے مخلص ادیب
مرتبہ علم و ادب میں ہے ترا مثلِ خطیب

جو ہے علم و ادب قدرت کے خزانے میں ہے
شاعرِ شیریں نوا وہ تیرے پیمانے میں ہے

پھونک دی علم و ادب کی روحِ تازہ پھونک دی
پیکرِ انساں میں مسیحا نے روحِ تازہ پھونک دی

ہر سخن آئینہ دارِ جذبہ ہائے باطنی
ہر عمل پیغامِ بامعنی حسنِ سرمدی

درس لیتا ہے زمانہ تیرے ہر پیغام سے
فیض پاتا ہے جہاں شیریں نوا الہام سے

جا ذہنیت میں فنا ہوتا ہے امکانِ شہود
درس اک احساس کا لیتی ہے دنیائے جمود

نغمۂ رنگیں کی لہریں جذبۂ شیریں کے لئے
اور گلہائے تبسم بوئے شیریں کے لئے

دل سراپا درد ہے قومی محبت میں ترا
ہر نفس شعلہ بداماں ہے حقیقت میں ترا

جو ارادہ ہے مکمل عزم ہے جو کچھ اٹل
نوجوانانِ ادب کو دے دیا درسِ عمل

جلوۂ مہرِ ادب میں نور یکسر بھر دیا
چاندنی نورانی کرنوں کو منور کر دیا

چاندنی نے فیض پایا ہے ادب کے نور سے
جوش زن ہے صبحِ نورانی شبِ دیجور سے

لاکھ یوں حاسد دنیا سے مٹائیں تیرا نام
پر ترا پرچم یونہی لہرائیگا ہر صبح و شام

ہے دعا فیضِ ادب تبلیغ روحانی کرے
تا ابد ملکِ سخن میں تو حکمرانی کرے

www.taemeernews.com

کلیم عجم کے مصنف سے خطاب

از ——— حضرت مولانا محوی جلالپوری

اے کلیمِ ہند اے ملکِ سخن کے تاجدار
ماہرین و ملجائے اردو کے حقیقی شہریار

اے عجم کے آفتابِ علم و حکمت اے ادیب
ہے مسلم اس زمیں پر تیری سطوت اور وقار

اے ادب کی جان اے روحِ روانِ بزمِ شعر
اک ترے ہونے سے دنیائے سخن میں ہے بہار

تو نے روحِ داغؔ و مومنؔ کو زندہ کردیا
اے کہ تو ہے میرؔ و مرزاؔ کی حقیقی یادگار

تیری ہستی مایۂ صد نازشِ فضل و کمال
تیرے ہر ہر لفظ سے پیغامِ نو ہے آشکار

اے شہنشاہِ قلم اے کردگارِ شعریت
غیر ممکن ہے ترے اوصافِ عالی کا شمار

پھونک دی اک روح تو نے شاعری کے جسم میں
بادۂ کہنہ کو بخشا مستیِ نو کا خمار

اے کہ تو نباضِ فطرت اے کہ تو نباضِ قوم
تیرا اک اک شعر دردِ قوم کا آئینہ دار

اے امامِ شاعری پیغمبرِ شعر و ادب
اے محبت کے پیامی اے وفا کے کردگار

ہر نفس تیرا تپیدہ ہر نظر آتش فروز
فطرتاً پایا ہے تو نے اک دلِ تفتہ کار

چاہتا ہے پھونکنا تو روح ملک و قوم میں
قوم کی پستی سے تیرا دل بہت ہے بیقرار

اے شہیرِ آگرہ اے عظمتِ ہندوستاں
معترف ہے تیرے علم و فضل کا سارا جہاں

(۲)

ای حریم شام مشرق کو دوامی ماہتاب
ای سواد صبح گیتی کو فروزاں آفتاب

گردشیں بدلی ہزاروں نے زمین و آسماں
پھر بھی مشکل ہی کہ ہو پیدا کوئی تیرا جواب

تو نے اس انداز سی تجدید ہر میخانہ کی
ہو گئی ہی عام دنیا میں محبت کی شراب

تجھ سے ہی تابندہ قسمت سیکڑوں ذرات کی
اک زمانہ ہو رہا ہی آج تجھ سی فیضیاب

تو فصیح ملک، تو شاہنشاہ ارض ادب
شاعر مشرق کہ دل کس نام سی تجھکو خطاب

غیر ممکن ہی کہ ہو تنقید تیری ذات پر
ای کہ تیری کارنامی بیشمار و بے حساب

بن گیا استاد جس پر پڑ گئی تیری نگاہ
ہو گیا شاعر کیا جس نے بھی تجھ سی اکتساب

تجھکو صدیوں تک نہ مانہ اب بھلا سکتا ہی نیر
فرد ہی لاکھوں میں تو اور سیکڑوں میں انتخاب

تجھ سی درس آدمیت لیگی دنیا تیری بعد
آنی والی نسل پوجیگی تری اک اک کتاب

تیری خوشبو سی معطر ہے جہان شاعری
تو گلستان ادب کا ہی بہار آرا گلاب

تا ابد یارب رہی سیماب زیب انجمن
ہوں تری محوی خستہ کی دعائیں مستجاب

ہی یہ اوج و افتخار محفل ہندوستاں
اس کے دم سی ہی بہار محفل ہندوستاں

باسمہ الرحمٰن علمہ البیان

میرا پیام —— اپنے کارواں کے نام

عطیۂ —— حضرت قبلہ مولانا سیماب اکبرآبادی مدظلہٗ العالی

خدا نے مجھے ایک نئی شاہراہ دی —— پھر ایک قوی و جواں رفتار کارواں دیا —— پھر منزل رسی کی بشارت دی —— یہ اُس کے کتنے احسانات ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہٖ والشکر علیٰ نعمائہٖ

اس شاہراہِ جدید یعنی "آگرہ اسکول" کے فرزندانِ ادب کا ایک پیش گاہ (پلیٹ فارم) پر جمع ہونا اجتماعی نقطۂ نگاہ سے گوناگوں حالات اور بوقلموں اثرات کا خالق ہے۔ آج اس کارواں کا ہر فرد اپنی صحیح جگہ اور اپنا حقیقی نصب العین معلوم کر سکے گا۔ اپنے دماغ و قلم سے سینچے ہوئے اس سدا بہار باغ کو گلریز و بہار خیز دیکھ کر میں کہہ نہیں سکتا کہ میری روح کس قدر شگفتہ و بالیدہ ہے۔

میرے باغِ ادب کے نونہالو! میں ایمان و اعتراف کے ساتھ کہ تم "آگرہ اسکول" کے معنوی فرزند ہو۔ "آگرہ اسکول" کے علم کو بلند رکھنا تمہارا سب سے پہلا اور سب سے اہم فریضۂ حیات ہے۔ تمہاری انفرادی کوششیں اجتماعی جذبات کی حامل ہونی چاہئیں اور تمہیں شاہراہِ حیات میں من حیث الجماعت گامزن رہنا چاہئے۔

تم دنیائے ادب کی ایک ذمہ دار جماعت ہو۔ جماعتوں کے احیاء و قیام کے اصول انفرادی زندگی کے آئین و قوانین سے مختلف ہوتے ہیں۔ دنیا میں جماعتیں اسی وقت تک زندہ رہتی ہیں جب تک ان میں زندہ رہنے کی اہلیت باقی رہے۔ تم بھی ایک زندہ اور بیدار جماعت کی طرح اپنی زندگی کا ثبوت دو، نام و نمود کے لئے نہیں، بلکہ اس لئے کہ تمہیں بھی دوسری جماعتوں کی طرح زندہ رہنے کا حق ہے۔

تمہارے ذمۂ ہمت پر ملک و قوم کی طرف سے بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ہندوستان زندگی کی مختلف نوعیتیں اور صورتیں پیدا کر رہا ہے۔ اُنہیں بعض نظری ہیں اور بعض سیاسی و عمرانی بیداری و نشاۃ کے ماتحت داخلِ حیات ہیں۔ تم ان دونوں میں حدِ امتیاز قائم رکھو اور ایسی روش اختیار کرو جو تمہیں فطرت کا ہمراز و ہم آہنگ بنا دے۔

وہ ادبی جماعت کبھی قائم و [illegible] نہیں رہ سکتی جو اپنے ماحول کو نظر انداز کر دے۔ تمہیں ہندِ جدید میں زندگی بسر کرنی ہے، اس لئے تمہارا فرض ہے کہ تم اپنی ذہنی و فکری قوتوں کو جدید ملکی رجحانات کے مطابق [illegible] استوار [illegible]

www.taemeernews.com

مستعد رکھو اور اپنے افکار میں ان قوتوں کو نمایاں کرتے رہو۔ وطن اور اردو کی محبت تمہارا جزوِ ایمان ہونی چاہیے۔

تمہیں ملکوں اور قوموں کی تاریخ سے درس لینا چاہیے۔ اس لئے کہ تم بھی انہیں اصولی راستوں پر چلنے کیلئے فطرتاً مجبور ہو جو قوموں اور دنیا کی فطری گذرگاہیں ہیں۔ تمہیں بھی تاریخ میں جگہ حاصل کرنی ہے۔ اور کوشش کرنی ہے کہ اجتماعی جدوجہد سے ادب نمایاں اور بلند ہو۔ میں تمہارا اسی وقت تک رہنما ہوں جب تک تم میں موجود ہوں۔ میرے بعد تمہیں خود تمہاری زندگی بسر کرنی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں دوسروں سے شعر و ادب کی خدمت نصیب ہو۔ اور تم آگرہ اسکول کی تشکیل و ترتیب کو جاری رکھو۔ میرے بعد بھی فرزندو!

میرے معنوی فرزندو! ادب کا، بہ حیثیت مجموعی، بہت وسیع ہے۔ تم رہنمائے علم و ادب ہو، تم ایک کاروان ہو جو وقت کی منزل کی طرف گامزن ہے۔ اگر راست روی، استقلال، عزم اور آزادیٔ فکر کیا تو تم اسی طرح بڑھتے چلے گئے۔ تو ایک دن یہ منزل تمہارا خیر مقدم کرنے کیلئے سرنگوں ہوگی۔ وہ منزل تمہارے قدموں میں آجائے گی۔ یہ صحیح ہے کہ تم میں سے کوئی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ کئی قریب منزل ہیں اور اکثر منزل سے دور ہیں مگر بہرحال گمراہ کوئی نہیں۔ سب کا راستہ صحیح اور منزل ایک ہے۔

میرے عزیزو اور دوستو! آگرہ اسکول کی جس شاہراہِ جدید کے تم پیرو ہو اس کی کمین گاہوں میں سینکڑوں خطرناک رہزن پوشیدہ ہیں۔ ان کی ہمت شکن اور ہیبت آفریں آوازوں سے مطلق اثر نہ لو۔ انہیں للکار دو ـــــ انہیں چیلنج دو ـــــ اور تم چودھویں رات کے خاموش چاند کی طرح فضائے عالم پر نور افشانی کرتے ہوئے سکون کے ساتھ آگے بڑھ جاؤ۔

وقت آ رہا ہے کہ شاعری کے وہ تمام قدیم ادارے جو آگرہ اسکول کے حریفِ ضعیف ہیں اپنی زندگی ختم کر دیں گے۔ اور "آگرہ اسکول" ادب کی قومی ترقی و ترویج کا واحد ادارہ تسلیم کیا جائیگا۔ مستقبل آگرہ اسکول کی پیروی کی حیثیت وراثت کی ... میرے عزیز شاگردو! تمہارے افکار و جذبات کی بنیادیں محبت، صداقت اور آزادی پر قائم ہونی چاہئیں۔ یہی عناصرِ ثلاثہ آگرہ اسکول کی جان ہے۔

تقریباً نصف صدی گزرنے کے بعد میری یہ آرزو ہے کہ علم و عمل اور عزم و عقل کی روشنی میں ہر ایک کارواں اپنی حقیقی منزل کا سراغ لگاتا ہوا ... میں اپنے کارواں کے ہر فرد کو میرِ کارواں کے منصبِ جلیل پر فائز دیکھ لوں۔

میں اپنے "کارواں" کو اخوت و خلوصِ باہمی کی حبلِ متین پر استوار رکھنے کی تلقین کرتا ہوں اور میری دعا ہے کہ جس رشتہ میں یہ کارواں منسلک ہے خدا اسے اور زیادہ مضبوط و مستحکم اور ہمہ گیر فرمائے۔ آؤ میں تمہاری تابناک پیشانیوں پر بوسہ دوں جن میں علم و ادب کے آفتاب و ماہتاب تاباں ہیں۔ خدا انہیں ہمیشہ بلند اور درخشاں رکھے۔ اور آگرہ اسکول کے حریمِ ادب میں جھکنے والے سروں کو رفعتِ عرش عطا فرمائے۔

قصر الادب آگرہ — اپریل ۱۹۳۶ء — سیماب اکبرآبادی

www.taemeernews.com

پیٹ کی ہر قسم کی بیماری کو

قیمت فی شیشی ایک روپیہ محصول علاوہ

تین شیشی کی قیمت دو روپیہ بارہ آنہ محصول علاوہ

عرق اکسیر اعظم

رجسٹرڈ

اچھا کر دیتا ہے!

پیٹ میں درد ہو، پیٹ پھولتا ہو، پیٹ میں جلن یا میٹھا میٹھا درد رہتا ہو، پیٹ میں گڑگڑاہٹ یا مروڑ معلوم ہوتی ہو، ہمیشہ قبض ہو جاتا یا پتلا پتلا پاخانہ آئے، پیٹ میں گرمی معلوم ہوتی ہو، کلیجہ میں درد رہتا ہو، کھانا کھانے کے بعد سینہ پر لہریں یعنی جلن معلوم ہوتی ہو، کھل کر بھوک نہ لگتی ہو، کھٹی ڈکار آتی ہو۔ یہ سب شکایات عرق اکسیر اعظم کے استعمال سے رفع ہو جاتی ہیں۔

معدہ کمزور ہو جانے کی وجہ سے کھانا ہضم نہ ہوتا، پتلا پاخانہ آ رہتا ہو، پیشاب زیادہ آتا ہو یا پیشاب تھوڑی تھوڑی دیر پر ذرا ذرا آتا ہو جسکو ذیابیطس کہتے ہیں۔

جگر یعنی لیور کی بیماری کو اکسیر اعظم اچھا کر دیتا ہے

یہ سب بیماریاں نئی ہوں یا زیادہ دن کی پرانی خواہ جاہے آپ ہر طرح کا علاج کر کے مایوس کیوں نہ ہو گئے ہوں انشاء اللہ عرق اکسیر اعظم کے پینے سے آپ کی بیماری بالکل اچھی ہو جائیگی قیمت فی شیشی ایک روپیہ تین شیشی کی قیمت دو روپیہ بارہ آنہ۔ محصول علاوہ

چار برس کے ضعف معدہ کے مریض کو عرق اکسیر اعظم سے صحت حاصل ہوئی

جناب سید فضل الرحمن صاحب ضلع پورنیہ سے تحریر فرماتے ہیں، مجھے چار سال سے ضعف معدہ کی شکایت تھی۔ ہر قسم کا علاج کرتا رہتا تھا۔ مگر کسی دوا سے فائدہ نہیں ہوا۔ آخر دوستوں کے مشورے سے ایک شیشی عرق اکسیر اعظم آپ سے منگا کر پیا۔ جس سے مجھے امید سے زیادہ فائدہ ہو چکا۔ اس لئے دوبارہ ایک شیشی اکسیر اعظم اور روانہ فرمائیے۔ میں آپ کا بہت ہی احسان مند ہوں

(فرمائش لکھتے وقت اخبار شاعر کا حوالہ ضرور لکھئے گا)

ملنے کا پتہ:- ایس اے بی بخش کمپنی گھڑی والی کوٹھی ۲/۳۲ کولوٹولہ اسٹریٹ

www.taemeernews.com

کام سُندری بٹی (رجسٹرڈ)

یہ "کام سندری بٹی" ایک فقیر نے جنگل کی پہاڑوں کی جلد از جلد فائدہ دکھانے والی جڑی بوٹیوں سے تیار کر کے دکھیوں کو تسلی کرنے کیلئے مجھے بتلائی ہے۔ جو لوگ بچپن میں اپنی نا سمجھی و بری صحبت میں پڑ کر اپنی زندگی برباد کر کے دنیاوی سکھوں سے ناامید ہو چکے ہوں۔ اس سے تکلیف بھری زندگی بسر کرنے والوں کی جسم میں نئی زندگی پیدا کر کے نامردوں کو مرد بناتی ہے۔ پوشیدہ مقامات کی کمزور امرداد رگیں طاقت کے جوش میں بھڑک اٹھتی ہیں۔ ہاری ہوئی ہمت اور بجھا ہوا مرجھائی ہوئی طبیعت کھلا کر انسان کے جسم میں نوجوانی کی طاقت بھر جاتی ہے۔

اس کی گولی کھا کر آپ جس عورت کیساتھ ایک مرتبہ......... وہ آپ کی خادمہ بن جائے گی۔ حقیقت میں مردوں کیلئے یہی ایک دوا بشی کرن منتر ہے.....
.... نہ آپ کو کسی قسم کی سستی یا تھکاوٹ ہی معلوم ہو گی۔ اس دوا نے ہزاروں آدمیوں کو جو دنیاوی سکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے پھر سے ایک مرتبہ جوانی کے نئے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ سینکڑوں بھائیوں کے آئے ہوئے شکریہ و تعریفوں سے بھرے ہوئے خطوط ہی اس دوا کی سچائی کے ثبوت ہیں۔ اس دوا کے استعمال کرنے سے پہلے سے پرانا پرمیہ۔ کمزوری۔ خواب کا ہو جانا۔ سستی۔ دھات کا گرنا۔ کمزوری کی وجہ سے مرض کو ٹھیک کام کا ٹھیک نہ ہونا۔ ڈھیلا پن۔ نالاقتی۔ پاخانہ ہوتے وقت کمزور دھات کا گرنا۔ نامردی اور سرعت وغیرہ کی وجہ سے مایوسانہ زندگی بسر کر رہے ہوں ایسے مریضوں کو "کام سندری" ہرشٹ پشٹ کر سارا جسم انگور کی طرح جھکنے لگتا اور ہر ایک نسوں میں بجلی کی طرح طاقت پیدا کر کے جوانی کی لہریں بدن کی نس نس میں بھڑکا کر طاقتور خوبصورت اولاد پیدا کرتی ہے۔ عورتوں کی ہر قسم کی بیماری حمل گرنا۔ ماہواری کم و زیادہ ہونا وغیرہ دور کر کے حمل قرار پانے کے قابل بنا دیتی ہے۔ قیمت ایک پیکٹ چار تین پیکٹ کی قیمت دس، پانچ روپیہ چھ پیکٹ کی قیمت دس روپیہ ڈاک خرچ چھ پیکٹ تک در بہ۔ نقالوں سے ہوشیار زیادہ بکری دیکھ کر لوگوں نے نقل کی ہے۔

طلاء مستانہ (رجسٹرڈ)

بچپن کی نادانست کی خلاف قدرت بری عادتوں میں پڑ کر جلق میں مبتلا ہو جانے سے یا شہوت کی کثرت سے اعضاء تیسرے کمزور ہو گئے ہوں۔ آگے کا حصہ پتلا یا نیچے کا حصہ موٹا ہو یا تیلی پڑ گئی ہو۔ قوت مردی زائل ہو کر بھی مردی چلی گئی ہو اور زندگی بیکار معلوم ہوتی ہو .... حمل قائم ہونے اولاد ہونے میں نقص پڑتا ہو تو "طلاء مستانہ" لگانے سے تیزی دوڑ رگوں میں تو .... یہ مشہور قیمت کو ز رجا اصلی نوجوانی کا صحت عطا کر کے مستانی طاقت پیدا کرتا ہے۔ قیمت فی شیشی (رجسٹرڈ) دو روپیہ آٹھ آنہ ڈاک محصول معاف۔

روپ بلاس (رجسٹرڈ)

دنیا میں مشہور ہے جس کی لگانے سے چہرے کے کالے داغ، مہاسے، جھائیں، ابھنسی، خشکی، بے رونقی، جھریاں وغیرہ بہت جلد دور ہو جاتی ہیں۔ چند روز کے استعمال سے کملایا چہرہ چاند کی طرح چمکدار ہو کر گلابی رنگ چہرہ پر دمکنے لگتی ہے۔ کیسا ہی بدصورت بد رونق انسان کیوں نہ ہو اس کو لگانے سے چہرہ کنول کے پھول کی مانند کھل اٹھے گا۔ اگر آپ چہرہ خوبصورت بنانا چاہتے ہیں تو "روپ بلاس" کو خرید نے میں تساہلی نہ کیجئے۔ روپ بلاس مرد عورت دونوں کو خوش کرنے والا ہے اس کی خوشبو بھی اتنی پیاری ہے کہ طبیعت مست کر دیتی ہے۔ قیمت فی ڈبہ (رجسٹرڈ) ایک روپیہ دس آنہ محصول ڈاک معاف

دوا منگانے کا پتہ :- ویدرتن شری ستہ دیوجی روپ بلاس کمپنی نمبر ۵ بکنوی بازار ضلع اٹاوہ (یوپی)

www.taemeernews.com

اختیاری المعروف مانع حمل رجسٹرڈ

عروسِ زندگی

قیمت ۸ روپیہ

اکثر خواتین حالات کمزوری، نزاکت کی وجہ سے حمل اور وضع حمل کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتیں۔ اور اکثر غفلت کفایت شعاری کی وجہ سے ان کی جان خطرہ میں پڑ جاتی ہے جس سے موجودہ بچوں کے سر سے ان کا سایہ اٹھنے کے بعد آپ کا جنت سا گھر ماتم کدہ بن کر آپ کی راحت اور زندگی کو برباد کر ڈالتا ہے مگر اختیاری کے استعمال سے حمل قرار نہیں پاتا۔ مستورات کو نئی زندگی بخشتی ہے جس کی تمام ملک میں آج دھوم ہے اور ہزارہا خاندان اس کے مشکور ہیں۔ اگر پریشانی سے نجات حاصل کریں بہت ممکن ہے۔ قیمت اس وقت اگر اس معلوم ہو کر جمعیت اور وقت گذرنے پر دوا کے ایک روز کے خرچ سے بھی کم ہے۔

ملنے کا پتہ: منیجر کارخانہ فدائے طب حکیم راج نرائن قاضی حوض دہلی

ہندوستانی درکشاشوں کا سرتاج

سکھ سنچارک درکشاشو

(مفید۔ لذیذ۔ خوش ذائقہ اور زندگی میں نئی لہر دوڑانے والا ثابت ہوا ہے)

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے جسم میں خون کی فراوانی ہو اور گوشت بڑھے۔ پاخانہ صاف ہو۔ چہرہ پر سرخی آئے تو ہمارا درکشاشو استعمال کیجئے۔ تپ دق۔ پرانی کھانسی اور ہر قسم کی کمزوری کی خواہ وہ کسی وجہ سے ہی ہو خاص دوا ہے۔ اس کے استعمال سے وزن میں زیادتی ہوتی ہے۔ پرسوت والی عورتوں کو طاقت بخشتی ہے۔ نیز بچہ پیدا ہونے کے بعد کی کمزوری کیلئے تو بہترین چیز ہے۔ ضعیف حضرات کے لئے آب حیات ہے پھر وہی جوانی کی امنگ اندر محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اس کے استعمال سے نیند اچھی طرح آتی ہے اور کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ جس سے تمام ملک فائدہ اٹھا رہا ہے۔ آپ بھی ایک بوتل آج ہی طلب کیجئے۔ قیمت بڑی بوتل دو روپیہ چھوٹی بوتل ایک روپیہ علاوہ محصول

ملنے کا پتہ:۔ سکھ سنچارک کمپنی متھرا (یو۔پی)

www.taemeernews.com

ہندوستان جنت نشان کے تر و تازہ پھلوں اور پھولوں سے تیار کردہ
موسم گرما کا بے نظیر اور
لاجواب تحفہ

شربت راحت روح (نمبر ۱) (رجسٹرڈ)

نمبر ۱ یہ شربت اعلیٰ درجہ کی فرحت بخش ومسکن ومقوی اشیاء اور بہترین ادویات سے جدید اصول کیمیاوی سے تیار کیا گیا ہے۔ اس کا قطرہ قطرہ آب حیات سے کم نہیں ہوتا۔ نہایت خوش ذائقہ ہے۔ صفرا کی حدت کو توڑتا ہے تشنگی گھبراہٹ کو دور کرتا ہے اختلاج قلب، دردسر، متلی، لو لگنا، گرمی کا زیادہ محسوس ہونا وغیرہ شکایت کیلئے حلق سے اترتے ہی فوراً اپنا اثر دکھاتا ہے، اپنی بے شمار خوبیوں کی وجہ سے اسم بامسمّیٰ ہے۔ ہر تندرست انسان بلا قید عمر و مزاج و مذہب موسم گرما میں یہ خوش ذائقہ اور فرحت بخش شربت کے طریقے سے استعمال کرسکتا ہے۔ ہندوستانی مصنوعات کی قدر کیجئے، اور گرمی کے موسم میں ہر وقت اپنے گھر میں **شربت راحت روح** ضرور رکھئے، اس لئے کہ اس سے بڑھ کر موسم گرما میں کوئی بہتر دوا ہمدم دوسرا نہیں ہے، وقت ضرورت مسیح الملک اور حاذق الملک سے بڑھ کر کام دیتا ہے قیمت فی بوتل (عہ)

نمبر ۲ اکسیر صحت یہ دوا عجیب وغریب اعلیٰ درجہ کی مقوی معدہ وجگر ہے۔ کثیر مقدار میں خون صالح پیدا کرتی ہے۔ خون کے ہر قسم کے نقص کو رفع کرتی ہے۔ غذا کے ہضم میں اعانت کرتی ہے۔ جسم کو قوی اور فربہ کرتی ہے۔ اعضاء رئیسہ کو قوت پہونچاتی ہے۔ بھوک خوب لگاتی ہے۔ ہر عمر کا آدمی ہر موسم میں بلا تکلف استعمال کرسکتا ہے۔ ترکیب استعمال۔ ایک خوراک کھانا کھانے کے بعد استعمال کریں۔ قیمت فی شیشی، خوراک ایک پیالہ (عہ)

ملنے کا پتہ: ہمدم دواخانہ پوسٹ بکس نمبر ۲ دہلی

www.taemeernews.com

جرمنی کی نئی ایجاد — رنگ دیکھ لو؟ سونے سے مقابلہ کرو

کیمیکل گولڈ سونے کی چوڑیاں

ان کو سونے کی طرح خوبصورتی سے بنایا گیا ہے ۔ پہننے کو جی چاہتا ہے
یہ دو روپیہ کی چوڑیاں ان کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھئے کہ کونسی حسین معلوم ہوتی
ہیں تجربہ کار سنار بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ سونے کی نہیں ہیں ۔ جسے
دکھائے گے دس ۔ ۲۰ روپیہ سے کم نہیں بتائیگا ۔
گوری گوری ہاتھوں میں ان کی بہار دیکھئے ۔ کلائیوں میں یہ عجب نظر آتی ہیں
دو چار علیحدہ ہوجاتی ہیں تو پھول کی پنکھڑی معلوم ہوتی ہیں ۔ اگر سب ملادی
جائیں تو اور بھی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں ۔ اگر ان کو پہن کر کوئی عورت
عورتوں میں بیٹھے تو جو عورات سونا چاندی پہنتی ہیں وہ بھی تعجب کرتی
ہیں اور ان کا مانگنے کو جی چاہتا ہے ۔ ہر ایک کی ان پر نظر پڑتی ہے ۔ بات
نہیں ۔ چمک دمک اور رنگ ہمیشہ قائم رہتا ہے ۔ سیٹ کی قیمت چار آنہ
کے خریدار کو ایک مفت ۔ علاوہ ڈاک خرچ ۔ کلائی کی ناپ بھی بھیجئے ۔

ہتھیلی پر سرسوں

دھات پشٹ

یہ دوا فرانس کے ڈاکٹر نے ایجاد کی ہے جو مرد کے لئے مفید ہے ۔ اس دوا
کی دو خوراکیں شہد اور ملائی میں ملا کر کھانے سے آدھ گھنٹے بعد وہ
طاقت پیدا ہوتی ہے جس کا ضبط کرنا محال ہے ۔ آدمی کتنا ہی نامرد کمزور
اور ضعیف کیوں نہ ہو فوراً مرد بن جاتا ہے ۔ اس دوا کی ایک ایک ہفتہ
بہترین خون پیدا کر کے آدمی کو مثل فولاد بنا دیتی ہے اور قوت باہ کی جڑ
مضبوط کر دیتی ہے ۔ سلسل البول ، دماغ کی کمزوری ، درد سر ، کالا پن ، چہرہ
کا رنگ زرد ہوجانا ، مستورات کا حمل گر جانا ، ہو جانا ، اولاد کا نہ ہونا ۔
استحاضہ سفید رطوبت کا آنا وغیرہ امراض کا استیصال کر دیتی ہے
قیمت فی شیشی ایک روپیہ ۔ تین شیشی کے خریدار کو ایک شیشی مفت
ڈاک خرچ ذمہ خریدار

ملنے کا پتہ : ۔ سیٹھ رادھا موہن برادرس لال دروازہ متھرا

خوبصورت لڑکی

جس کا چہرہ کچھ دنوں پہلے نہایت پاکیزہ حسین اور خوبصورت تھا اب وہ
جھائیوں مہاسوں سے بدنما ہوگیا ہے اس سے وہ بہت پریشان
رہتی تھی لیکن اب وہ بہت خوش نظر آتی ہے جب سے اس نے

پوجکال صابن (رجسٹرڈ)

کا استعمال کرنا شروع کردیا ہے کیونکہ اول تو یہ صابن دہلی کے حکیم
صاحب کی ایجاد قیمتی اجزاء سے اور نفیس خوشبوؤں سے تیار کیا ہے
خوبصورتی پیدا کرنیوالا خوبصورتی خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کیلئے
بے حسین خوبصورت چہرہ ہر ایک کو بھی پیارا ہے ۔ یہ پوجکال صابن
خوبصورتی حاصل کرنے اور موجودہ خوبصورتی قائم رکھنے اور جھائیوں
مہاسوں کو دور کرنے کے لئے لا ۔ ۔ ۔ اور بہترین صابن ہے ۔ ہر قسم
کے داغ دھبے دور کردیتا ہے فی بکس تین ٹکیہ صرف بارہ آنے معہ
محصول ۔ درجن دو روپیہ
صابندانی ایک روپیہ

زنانہ سنگھار بکس (رجسٹرڈ) یہ بکس مستورات کی زینت بڑھانے اور بناؤ
سنگھار کیلئے تیار کیا گیا ہے ۔ بکس مخملی کا اور آئینہ لگا ہوا ہے اس بکس میں
پانچ چیزیں اور انعام ہیں (۱) پوجکال صابن (ٹکیہ دو) (۲) پوڈر کی بڑی
شیشی دو تولہ (۳) خوشبو دار تیل شیشی ایک تولہ (۴) [illegible]
(۵) ایک اور صابن ٹکیہ اور ۲ ماشہ سرمہ نور نظر مع قیمت صرف [illegible]
تمام چیزوں میں محصول ڈاک بذمہ خریدار
پیرس پوڈر معہ پچکا ۔ یہ نفیس خوشبودار پوڈر [illegible]
بعد لگا کر لگا لیجئے چہرہ شاداب اور چمکیلا [illegible]
گالوں کی سرخی اور جب [illegible] صابن سے منہ دھو
یہ بھی گلابی سرخی لگا [illegible] خوبصورت [illegible]
[illegible]

www.taemeernews.com

موسم گرما

سیکڑوں بیماریوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے

کف کھانسی ہیضہ درد اور اسی قسم کی دیگر بیماریاں صرف

سدھا سندھو

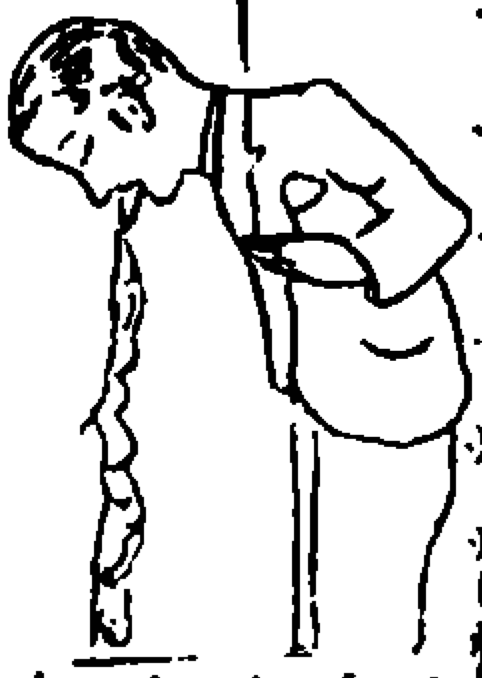

ہی کے استعمال سے جا سکتی ہیں یہ بغیر پرہیز کی آزمودہ دوا ہے ہر گھر میں
اس دوا کی ایک شیشی ضرور رہنی چاہیئے۔ بدہضمی تشنگی گرانی اور خصوصیت
کیساتھ ہیضہ اس دوا کے استعمال سے فوراً کافور ہوتا ہے
قیمت صرف ۸ علاوہ محصول۔ ملنے کا پتہ: سنگھ سنچارک کمپنی متھرا (یو پی)

انتخاب کلام مطیر

مرتبہ

تقریباً دو سو صفحات کا پسندیدہ مجموعہ نظم و نثر
۴ کے ٹکٹ بغرض محصول ڈاک بھیج کر بلا قیمت حاصل کیجئے

المشتہر

احسن الغفور بی اے علیگ

نمبر ۵۵۲ بیگ کی منڈی شہر آگرہ

اردو پوئٹری

انگریزی زبان میں

مصنفہ جناب فضل الدین صاحب اختر بی اے اکبر آبادی

اس پاک ساز کتاب میں ڈاکٹر اقبال مولانا ... اور دیگر
ملیح آبادی کی کلام اور کام پر آزادانہ تنقید کی گئی ہے۔ زبان نہایت سادہ اور
اسلوب نہایت دلکش ہے۔ کالج کے طلبا انجینئری بہت ... تنقید سے دلچسپی ہے
اس کتاب کے متعلق بہت اچھی رائے کے ہیں قریب قریب تمام کالجوں نے
اپنی لائبریریوں کیلئے منگوائی ہے۔ آپ کیلئے بھی اس کا مطالعہ مفید
ہوگا۔ قیمت دس آنے علاوہ محصول۔ ملنے کا پتہ: بزم نظم قصر الادب نقل
شاہ گنج آگرہ۔

www.taemeernews.com

ناظرین شاعر کیلئے اپنے جیون کی طاقت کا ایک عجیب و غریب

ایک نادر تحفہ! لاثانی نسخہ!

پریم بٹی

ناظرین! میں ایک زمانہ ابر کا لاڈلا لڑکا تھا بُری صحبت کے باعث جریان و احتلام کے خطرناک امراض میں مبتلا ہو گیا۔ پہلے میں نے ایک سال شرم و حیا ننگ ناموس کی وجہ سے اپنا حال چھپائے رکھا۔ مگر کچھ عرصہ بعد بیماری نے خطرناک صورت اختیار کر لی تب میری آنکھیں کھلیں۔ اور میں نے علاج معالجہ شروع کیا اور بیسیوں اشتہاری اور بڑے بڑے ڈاکٹروں، حکیموں اور نامی دواخانوں سے دوائیں منگوا کر بقول شخصے مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا۔ اور خودکشی کے منصوبے باندھنے لگا۔ ہمارے گاؤں کے پاس ایک میل کے فاصلہ پر اینٹوں کا ایک اونچا ٹیلہ ہے۔ اس ٹیلے پر کبھی کبھی کوئی سادھو سنت آ کر ٹھہر جاتا۔ اتفاق سے اسی ٹیلے پر کالا شمار اڑ کے ایک فقیر آ نکلے اور ایک جھاڑی میں آسن لگا کے بیٹھ گئے۔ گاؤں کے لڑکوں نے جب آ کر دیکھا تو انہوں نے گاؤں میں شہرت دی کہ ٹیلے پر ایک کامل بزرگ آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ شہرت سن کر لوگ جوق در جوق آ کے درشن اور قدم بوسی کرنے لگے۔ رفتہ رفتہ انکی شہرت سارے علاقہ میں پھیل گئی۔ آنکی اس قدر شہرت سارے علاقہ میں پھیل گئی کہ انکی اس قدر شہرت سن کر میرے جیسا مایوس دنیا سے آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آخر چارو ناچار بادل ناخواستہ انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ آنکی نورانی صورت دیکھ کر میں حیران سا رہ گیا۔ اور دل ہی دل میں اپنی حماقت پر پچھتانے لگا۔ مگر جونہی میں نے اُن کے چہرے کے جلال کو دیکھا دل بارعب ہو گیا۔ لیکن یہ حالت بہت دیر تک قائم نہ رہی۔ جب اُنھوں نے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھا تو میں مارے شرم کے زمین پر جبیں سائی کرنے لگا۔ گویا میرے دلی جذبات بھانپ گئے۔ اور اس طرح گویا ہوئے "بیٹا! تم بڑے کمزور اور دکھی معلوم ہوتے ہو۔ طبیعت کیسی ہے؟" یہ الفاظ مجھ پر جادو کی طرح اثر کر گئے۔ سنتے ہی میں بے ساختہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ انھوں نے نہایت شفقت سے دلاسا دیا۔ اور کہا۔ بیٹا! فقیر تمہارے لئے جو کچھ کر سکتا ہے۔ اُس سے دریغ نہ کرے گا۔ اس پر میں نے بیماری کا حال بلا تامل کہہ سنایا۔ چنانچہ انھوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے نہایت شفقت سے ایک نسخہ تجویز کر کے دیا جو میں نے بنا کر استعمال کیا۔ اور اب بالکل تندرست و توانا ہوں۔ **نسخہ:** ترپھلا کا چورن ۵ تولہ، اصلی سونڈھ ثابت، سلاجیت ۲½ تولہ، اصلی بھنگ تخم ۳ ماشے، اصلی سونڈھ، چھال کیسر ۳ ماشے، اصلی عقرقرحا، اصلی جائفل، کستوری، ورق طلا ان سب ادویات کو کوٹ چھان کر کھرل میں ڈال کر اوپر سے شتل چینی کا تیل تیس بوند، بیر بہوٹی کا تیل تیس بوند، صندل کا تیل بیس بوند ڈال کر تازہ برہمی کے عرق میں ۱۲ گھنٹے کھرل کر کے جھڑ بیری کے بیر کے برابر گولیاں بنا کر سایہ میں سکھا لیں۔ بس دوائی تیار ہے۔

ترکیب استعمال ایک گولی صبح ایک گولی شام پاؤ بھر دودھ میں شکر یا مصری ڈال کر کھائیں۔ اس دوا کے استعمال سے میں بیس روز میں بالکل تندرست ہو گیا۔ یہاں تک کہ اب ایک مدت گذر گئی ہے پھر کوئی شکایت نہیں ہوئی اور اس قادر مطلق خداوند کی مہربانی سے اب میرے تین بچے ہیں۔ جو بالکل تندرست و توانا ہیں۔ اس وقت سے میں یہی نسخہ بنا کر ملک کے لوگوں کو دام دام پر دے رہا ہوں۔ جس سے سینکڑوں ناامیدوں کی امیدیں بر آئیں اور کئی ناامید فیضیاب ہوئے۔ یہ دیکھ کر ان لوگوں نے جن کو اس دوا سے امید سے زیادہ فائدہ ہوا۔ میری توجہ اس فرمان کی طرف مبذول کرائی جو اُس کامل بزرگ سنیاسی نے نسخہ دیتے ہوئے میرے ذمہ کیا تھا۔ کہ اگر میں تندرست ہو گیا۔ تو رفاہ عام کے لئے اس کو [illegible] رسالہ میں مشتہر کر دوں گا۔ تاکہ ہر ایک آدمی [illegible] فیضیاب ہو سکے۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ نسخہ اوپر درج کر دیا گیا ہے۔ ناظرین بنا کر فائدہ اٹھائیں۔ [illegible] کے علاوہ ہر قسم کے جریان۔ احتلام۔ پیشاب کے ساتھ چونے کی طرح دھات کا خارج ہونا۔ پاخانہ کے وقت دھات کا گرنا۔ خواب میں دھات کا نکل جانا۔ سوزاک کمزوری، سنگرہنی، جوانی میں بڑھاپے کی سی حالت، اصلی طاقت کی کمی معلوم ہونا۔ مردانہ طاقت کا کم ہو جانا وغیرہ نامردی کو دور کر کے انتہائی طاقت پیدا کرتی ہے۔ اور رگ رگ میں جوانی کا مزہ بجلی کی طرح پیدا کرتی ہے۔ اس لئے جو بھائی بنانا چاہیں نسخہ اوپر درج ہے۔ مگر جن کو وقت معلوم نہ ہو یا اصلی ادویات نہ ملنے کے باعث دقت محسوس کرتے ہیں اور اس کے حیرت انگیز تجربے دیکھنا چاہیں وہ ہم سے بنی ہوئی منگا کر اس کے تجربے [illegible] بد بہاری محنت کی داد دیں۔ قیمت چالیس گولی عہ علاوہ محصول ڈاک اور دس گولی کی قیمت [illegible]

بابو شیام لال رئیس۔ پریم بٹی آفس نمبر ۱۴۸ بازار [illegible] ضلع [illegible]

www.taemeernews.com

شربت اکسیر رجسٹرڈ

اگر تندرستی میں فرق ہے تو زندگی بیکار ہے

اگر آپ اشتہاری ادویات سے بدگمان ہوگئے ہوں تو

صرف ایک روپیہ اور بھی خرچ کرکے ہمارے کارخانے کا شربت اکسیر استعمال کرکے

قدرتِ خدا کا تماشہ دیکھئے

سنئے جناب۔ یہ شربت اکسیر جس کا اشتہار آپ کے پیشِ نظر ہے۔ اس کا اشتہار دینے کے قبل صدہا مریضوں پر جب مجھے کامل اطمینان ہوگیا تب یہ اشتہار آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اگر میری تحریر کو لغو سمجھیں تو ایک شیشی شربت اکسیر منگا کر ضرور استعمال فرمادیں۔ میری تحریر کی صداقت آپ کو فوراً ہو جاویگی۔

جریان جو نامردی اور ضعف باہ کا پیش خیمہ ہے۔ کیا ہی پرانا کیوں نہ ہو شربت اکسیر کے استعمال سے جڑ سے جاتا رہتا ہے۔ جسم میں کمزوری۔ پیشاب کے قبل یا بعد سفید سفید دھات کا گرنا۔ منی کا پتلا ہو جانا۔ احتلام کا ہونا۔ نطفہ کا نہ قرار پانا۔ اور دردِ سر کا بار بار ہونا۔ سستی۔ کاہلی۔ چہرے پر بالکل بے رونقی۔ خون کا بدن میں نہ پیدا ہونا ان سب مہلک امراض کے لئے شربت اکسیر نہایت ہی مفید ثابت ہوا ہے۔ مقوی دل و دماغ تو ایسا ہے کہ شاید ہی اسکے مقابلہ کی کوئی دوسری دوا ہو۔ ہاضم اس قدر ہے کہ آپ ایک ہفتہ کے بعد دونی غذا نوش کرنے لگیں گے۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ۔ تین شیشی کی قیمت دو روپیہ بارہ آنہ۔ محصول علاوہ دینا ہوگا۔

پندرہ برس کا جریان شربت اکسیر کے استعمال سے اچھا ہوگیا!

جناب محمد اسحاق صاحب جنرل ہاسپٹل ایریرا سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میرے باورچی کو پندرہ برس سے مرض جریان تھا۔ آخرکار میں نے خود اسے تین شیشی شربت اکسیر منگا کر پلایا۔ چنانچہ وہ اب بہت ہی تندرست ہے اور آپ کے دواخانہ کے لئے دعا گو ہے براہ کرم تین شیشی شربت اکسیر اور روانہ فرمائیے۔ ممنون و مشکور ہوں گا۔

روغن طلاء
دافع نامردی و سستی

جوانی کی غلطی کاریوں کی وجہ سے رگ و پٹھہ میں کمزوری و سستی آگئی ہو۔ اور آپ ابتدائی لطف سے محروم ہوگئے ہوں تو اس روغن طلاء کے لگانے سے سستی دور ہو جاتی ہے۔ اور آپ دلی خواہش پوری کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ آٹھ آنے محصول در فرمائش لکھتے وقت شاعر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

ملنے کا پتہ:- ایس۔ اے۔ بی بخش کمپنی لمیٹڈ ہری روڈ کوٹھی نمبر ۳۲ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ

www.taemeernews.com

ویدک یونانی دواخانہ زینت محل دہلی

زیر سرپرستی عالیجناب فخرِ خاندانِ شریفی شمس الحکما حکیم عبدالغنی خان صاحب رئیسِ اعظم دہلی

موسمِ گرما کیلئے بہترین تحفہ

شربت مفرح

نفیس خوش رنگ

موسم گرما کا یہ بےنظیر شربت اعلیٰ درجہ کا مفرح، مقوی قلب، خوش ذائقہ اور حدت خون کو کم کرنے والا ہے۔ جو دل کی گھبراہٹ اور دھڑکن کو دور کرتا ہے۔ دھوپ اور لُو کا مقابلہ کرنے میں بےمثل ہے۔ ہلکے ہلکے بخار کیلئے نفع بخش ہے۔ پھوڑے پھنسیوں کے لئے مفید اور سوزشِ پیشاب اور جلن وغیرہ کے لئے اکسیر ہے۔ ننھے بچوں کو موسم گرما میں پیاس اور دست آنے کی شکایت میں مفید ثابت ہوا ہے۔ دیگر ادویہ کے علاوہ اس میں تازہ انگور، انار، سیب، نارنج وغیرہ کے رس بھی ڈالے گئے ہیں۔ قیمت فی بوتل عہ

حبّ نیب

یہ گولیاں بواسیر خونی اور بادی کا مکمل علاج ہیں۔ ان گولیوں کے اکیس روز کے استعمال سے مرضِ بواسیر بالکل جڑ سے جاتا رہتا ہے۔ روغنِ داخلی کے استعمال سے مسّے خود بخود خشک ہو کر جھڑ جاتے ہیں۔ اکیس یوم دوا کی قیمت پانچ روپے۔

برص

(سفید کوڑھ) کا حیرت انگیز علاج

عام طور پر لوگ اس مرض کو لاعلاج خیال کرتے ہیں۔ مگر ویدک یونانی دواخانہ دہلی نے اس موذی مرض کا نہایت مجرب اور لاکھا نسخہ حاصل کیا ہے۔ جس کی تیاری میں تین ماہ سے زائد لگ جاتے ہیں۔ صدہا مریضوں پر آزمودہ ہے۔ اکیس یوم کی دوا کی قیمت صـ۵ـہ پندرہ روپیہ

اکسیر ذکاوت

رقت، سرعت انزال اور بچپن کی غلط کاریوں کا واحد و مکمل علاج ہے۔ اس سے بہتر دوا آج تک کوئی دواخانہ پیش نہ کر سکا ہوگا۔ اس کے اکیس روز کے استعمال سے جملہ شکایات بالکل دور ہو جاتی ہیں۔ اکسیر ذکاوت مقوی، نقرئی اور طلائی کی قیمت بیس روپیہ للعہ

ملنے کا پتہ:- ویدک یونانی دواخانہ زینت محل دہلی

مطبوعہ مطبع رفاہ عام ... آہنگ منڈی آگرہ

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

مشہور فنی و ادبی مصوّر ماہنامہ

ہندوستان کے چار کرور شعرا کا واحد آرگن

شاعر آگرہ

سالنامہ ۱۹۳۷ء

قیمت
سالنامہ ۱۹۳۷ء
۱۲ / عہ / ار

قیمت
سالانہ دو۲ روپیہ
فی پرچہ
۳ر

مقام اشاعت قصر الادب آگرہ

مدیر مسئول:- اعجاز صدیقی اکبرآبادی